تحفۃ القاری

شرح

صحیح البخاری

جلد پنجم

افادات

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

ترتیب

مولانا مفتی حسین احمد صاحب پالن پوری

فاضل دارالعلوم دیوبند

Mob.09837094794-09897413547 Emil:husaindbd@yahoo.in

ناشر

مکتبہ حجاز دیوبند

تفصیلات

نام کتاب : تحفۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد پنجم

افادات : حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم
شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند 09412873888

مرتب : مولانا مفتی حسین احمد صاحب پالن پوری زید مجدہٗ فاضل دارالعلوم دیوبند

سائز : ۲۰×۳۰/۸

صفحات : ۶۰۸

تاریخ طباعت : باراول صفرالمظفر ۱۴۳۴ہجری مطابق دسمبر ۲۰۱۲عیسوی

کمپیوٹر کتابت : روشن کمپیوٹرز، محلّہ اندرون کوٹلہ دیوبند

کاتب : مولوی حسن احمد پالن پوری فاضل دارالعلوم دیوبند 09997658227
Mhcamron@gmail.com

پریس : ایچ، ایس پرنٹرس، ۱۴۷ چاندی محل، دریا گنج دہلی (011)23244240
09811122549

ناشر

مکتبہ حجاز دیوبند ضلع سہارن پور۔(یو، پی)

فہرست مضامین

باقی کتاب الصوم

فضیلة ليلة القدر

أبواب الاعتكاف

کتاب البیوع

كتاب السَّلَم

کتابُ الشُّفْعَةِ

کتاب الإِجَارَةِ

کتاب الحوالة

کتاب الکفالة

کتاب الوکالة

كتابُ الْحَرْثِ وَالْمُزَارَعَةِ

كتابُ الْمُسَاقَاةِ

كتاب الِاسْتِقْرَاضِ وأَدَاءِ الدُّيُوْنِ وَالْحَجْرِ وَالتَّفْلِيْسِ

فِی الْخُصُوْمَاتِ

كتاب اللُّقَطَةِ

كتاب المظالم والقصاص

کتاب الشرکۃ

کتاب الرھن

کتاب العتق

کتاب المکاتب

کتاب الھبة

عربی ابواب کی فہرست

بقية كتاب الصوم

صلاة التراويح

فضل ليلة القدر

أبواب الاعتكاف

كتاب البيوع

كتاب السَّلَم

كتاب الشفعة

كتاب الإجارة

كتاب الحوالة

كتاب الكفالة

كتاب الوكالة

كتاب المساقاة

كتاب الاِسْتِقْرَاضِ وأَدَاءِ الدُّيُوْنِ وَالْحَجْرِ وَالتَّفْلِيْسِ

فی الخصومات

كتاب اللقطة

كتاب الْمَظَالِمِ وَالْقَصَاصِ

كتاب الشركة

كتاب الرهن

كتاب العتق

كتاب المكاتب

كتاب الهبة

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(بَقِيَّةُ كِتَابِ الصَّوْمِ)

بَابُ الصَّائِمِ إِذَا أَكَلَ أَوْ شَرِبَ نَاسِيًا

روزہ دار نے بھول سے کھا پی لیا

اگر روزہ دار بھول کر کھا پی لے تو روزہ نہیں ٹوٹتا، خواہ رمضان کا روزہ ہو یا غیر رمضان کا، اس مسئلہ میں امام مالک رحمہ اللہ کا اختلاف ہے، ان کے نزدیک نفل روزہ نہیں ٹوٹتا، رمضان کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ دوسرے فقہاء کہتے ہیں: روزہ توڑنے والی اور نہ توڑنے والی چیزوں میں نفل وفرض کے درمیان کوئی فرق نہیں، جیسے مفسداتِ نماز اور غیر مفسداتِ نماز میں نفل وفرض کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

آثار:

۱- حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر ناک جھاڑی پس پانی حلق میں چلا گیا تو کچھ حرج نہیں یعنی روزہ نہیں ٹوٹا، کیونکہ وہ اس کو روکنے پر قادر نہیں۔ استنثار کے معنی ہیں: ناک جھاڑنا، اور ناک میں پانی چڑھانے کے لئے لفظ استنشاق ہے اور ناک جھاڑتے وقت حلق میں پانی جانے کا کوئی امکان نہیں، پس استنثر سے استنشق مراد ہے کیونکہ استنثار کے لئے استنشاق لازم ہے، پانی ناک میں چڑھائے گا تبھی جھاڑے گا۔ اور حضرت عطاءؒ کے قول کا آخری جملہ ہمارے نسخہ میں: لم يملك رَدَّه ہے، مگر مصری نسخہ میں إن بھی ہے: إِنْ لم يَمْلِكْ رَدَّه: اگر وہ روکنے پر قادر نہ ہو یعنی بے اختیار بغیر کوتاہی کے پانی چلا گیا۔

اور حنفیہ کے نزدیک روزہ ٹوٹ جائے گا، کیونکہ روزہ میں مبالغہ کے ساتھ ناک میں پانی چڑھانے سے منع کیا گیا ہے، ترمذی میں حدیث (نمبر ۷۷۹) ہے حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے وضوء سکھلائیے، آپؐ نے فرمایا: أَسْبِغِ الوضوءَ، وخَلِّلْ بين الأصابع، وبَالِغْ في الاِسْتِنْشَاقِ إلا أن تكونَ صائمًا: وضوء کامل کرو، اور انگلیوں میں خلال کرو، اور اچھی طرح پانی ناک میں چڑھاؤ، مگر یہ کہ تم روزے سے ہوؤ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روزہ میں استنشاق میں مبالغہ کرنا جائز نہیں، پس اگر مبالغہ کیا اور حلق میں پانی چلا گیا تو روزہ ٹوٹ گیا، کیونکہ پانی اس کی بے احتیاطی سے

چلا گیا ہے۔

۲- حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر روزہ دار کے منہ میں مکھی یا مچھر گھس جائے تو کچھ حرج نہیں (اسی طرح عورت کھانا پکا رہی تھی اور دھواں دماغ میں چڑھ گیا تو کچھ حرج نہیں، کیونکہ دھواں بے اختیار چڑھ جاتا ہے، اسی طرح مکھی اور مچھر بے اختیار منہ میں گھس جاتے ہیں)

۳- حضرات حسن و مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں: اگر کسی روزہ دار نے بھول سے بیوی سے صحبت کر لی تو کچھ حرج نہیں، جس طرح بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، صحبت کرنے سے بھی نہیں ٹوٹتا۔ مفطرات ثلاثہ کا حکم ایک ہے۔

[٢٦-] بَابُ الصَّائِمِ إِذَا أَكَلَ أَوْ شَرِبَ نَاسِيًا

[١-] وَقَالَ عَطَاءٌ: إِنِ اسْتَنْثَرَ فَدَخَلَ الْمَاءُ فِي حَلْقِهِ لاَ بَأْسَ بِهِ، لَمْ يَمْلِكْ رَدَّهُ.

[٢-] وَقَالَ الْحَسَنُ: إِنْ دَخَلَ حَلْقَهُ الذُّبَابُ فَلاَ شَيْئَ عَلَيْهِ.

[٣-] وَقَالَ الْحَسَنُ وَمُجَاهِدٌ: إِنْ جَامَعَ نَاسِيًا فَلاَ شَيْئَ عَلَيْهِ.

[١٩٣٣-] حدثنا عَبْدَانُ، أَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، ثَنَا هِشَامٌ، ثَنَا ابْنُ سِيْرِيْنَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "إِذَا نَسِيَ فَأَكَلَ وَشَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ، فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ" [انظر: ٦٦٦٩]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: جب کوئی شخص روزہ بھول گیا، پس اس نے کچھ کھا پی لیا تو چاہئے کہ وہ اپنا روزہ پورا کرے اس لئے کہ اس کو اللہ ہی نے کھلایا پلایا ہے۔

تشریح: روزہ میں بھول چوک معاف ہے، نماز میں معاف نہیں، بھول کر بات کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے اور بھول کر کھانے پینے اور صحبت کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اور یہ فرق اس لئے ہے کہ نماز میں ہیئتِ مذکرہ (عبادت یاد دلانے والی حالت) ہے اس لئے نماز ٹوٹ جاتی ہے اور روزہ میں ہیئت مذکرہ نہیں اس لئے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

بَابُ السِوَاكِ الرَّطْبِ وَالْيَابِسِ لِلصَّائِمِ

روزہ دار تر اور خشک مسواک کر سکتا ہے

روزہ دار تازہ لکڑی کی جو ابھی درخت سے توڑی گئی ہے یا سوکھی لکڑی کی مسواک کرے تو کچھ مضائقہ نہیں، کیونکہ تازہ لکڑی منہ میں چبائے گا تو مزہ منہ تک رہے گا، گلے سے نیچے نہیں اترے گا۔ اور اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: زوال سے پہلے مسواک کر سکتا ہے، زوال کے بعد مکروہ ہے، مگر شوافع کے یہاں اب اس پر فتوی

نہیں ہے، ان کے یہاں دیگر اقوال بھی ہیں، پس اس مسئلہ میں کوئی خاص اختلاف نہیں۔

[٢٧-] بَابُ السِوَاكِ الرَّطْبِ وَالْيَابِسِ لِلصَّائِمِ

[١-] وَيُذْكَرُ عَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ، قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَسْتَاكُ وَهُوَ صَائِمٌ، مَالاَ أُحْصِي أَوْ: أَعُدُّ.

[٢-] وَقَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: " لَوْلاَ أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِيْ لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ وُضُوْءٍ" وَيُرْوَى نَحْوُهُ عَنْ جَابِرٍ، وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، وَلَمْ يَخُصَّ الصَّائِمَ مِنْ غَيْرِهِ.

[٣-] وَقَالَتْ عَائِشَةُ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: " السِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ، مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ".

[٤-] وَقَالَ عَطَاءٌ، وَقَتَادَةُ: يَبْتَلِعُ رِيْقَهُ.

[١٩٣٤-] حدثنا عَبْدَانُ، أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، أَنَا مَعْمَرٌ، ثَنِيْ الزُّهْرِيُّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيْدَ، عَنْ حُمْرَانَ، قَالَ: رَأَيْتُ عُثْمَانَ تَوَضَّأَ فَأَفْرَغَ عَلَى يَدِهِ ثَلاَثًا، ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلاَثًا، ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى إِلَى الْمِرْفَقِ ثَلاَثًا، ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُسْرَى إِلَى الْمِرْفَقِ ثَلاَثًا، ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُمْنَى ثَلاَثًا، ثُمَّ غَسَلَ الْيُسْرَى ثَلاَثًا، ثُمَّ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوْئِيْ هٰذَا. ثُمَّ قَالَ: " مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوْئِيْ هٰذَا، ثُمَّ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ لاَ يُحَدِّثُ نَفْسَهُ فِيْهِمَا بِشَيْئٍ: غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ"[راجع: ١٥٩]

۱- عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "میں نے نبی ﷺ کو روزہ کی حالت میں بے شمار مرتبہ مسواک کرتے ہوئے دیکھا ہے" أُحْصي اور أَعُدّ میں راوی کو شک ہے اور دونوں کے معنی ہیں: میں گن نہیں سکتا یعنی بے شمار مرتبہ (اس حدیث سے استدلال اگلے نمبر کے بعد ہے)

۲- نبی ﷺ نے فرمایا: "اگر مجھے اندیشہ نہ ہوتا کہ میری امت پر حکم بھاری ہوگا تو میں ان کو وضوء کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا" یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت جابر اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہما بھی مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔

استدلال: آنحضور ﷺ نے جو خواہش ظاہر فرمائی ہے اس میں روزہ دار اور غیر روزہ دار میں تفریق نہیں کی، پس روزہ دار بھی مسواک کرسکتا ہے۔

۳- نبی ﷺ نے فرمایا: "مسواک منہ کی پاکی اور اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ ہے" اس میں بھی صائم وغیر صائم میں

تفریق نہیں کی گئی، پس دونوں مسواک کر سکتے ہیں۔

۴- حضرات عطاء وقتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں: روزہ دار تھوک نگل سکتا ہے۔

تشریح: منہ اور ناک کا اندر من وجہٍ ظاہر اور من وجہٍ باطن ہے، پس اگر کوئی چیز ناک میں ڈالی یا منہ میں ڈالی اور نکال لی تو روزہ نہیں ٹوٹا، کیونکہ ابھی وہ باہر ہے، اندر نہیں گئی، اور رینٹ یا تھوک نگل لیا تو بھی روزہ نہیں ٹوٹا، کیونکہ باہر سے کوئی چیز پیٹ میں نہیں گئی، اندر سے اندر گئی ہے، اور اگر کوئی ذی جرم (جسم دار چیز) منہ میں ڈالی اور اس کو نگل لیا تو روزہ ٹوٹ گیا، اور اگر وہ چیز منہ میں تحلیل (پاش پاش) ہوگئی، صرف اس کا مزہ تھوک میں باقی رہ گیا اور وہ تھوک نگل گیا تو بھی روزہ نہیں ٹوٹا، پس مسواک کرنے سے اگر مسواک تازہ تھی تو لکڑی کا مزہ تھوک میں باقی رہے گا اور اس کو نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اس لئے روزہ میں مسواک کر سکتا ہے، خواہ تازہ مسواک ہو یا خشک۔

حدیث: کتاب الوضوء باب ۲۴ (تحفۃ القاری ۱: ۴۷۹) میں گذر چکی ہے اور یہاں استدلال یہ ہے کہ جب روزہ دار کلی کرے گا تو پانی کا مزہ محسوس ہوگا، پھر پانی پھینک کر تھوک نگل سکتا ہے اسی طرح اگر مسواک کرے اور اس کا مزہ محسوس ہو اور منہ صاف کر کے تھوک نگلے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: "إِذَا تَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْشِقْ بِمَنْخِرِهِ الْمَاءَ"

وَلَمْ يُمَيِّزْ بَيْنَ الصَّائِمِ وَغَيْرِهِ

جب وضوء کرے تو اپنے نتھنے سے پانی سونگھے (حدیث) اور آپؐ نے صائم اور غیر صائم میں تفریق نہیں کی

مَنْخِرٌ کے معنی ہیں: ناک کا نتھنا، ناک کا سوراخ، نبی ﷺ نے فرمایا: جب کوئی وضوء کرے تو چاہئے کہ ناک کے نتھنے سے پانی سونگھے یعنی خوب اچھی طرح ناک میں پانی چڑھائے اور ناک صاف کرے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آپ ﷺ نے صائم اور غیر صائم کے درمیان فرق نہیں کیا یعنی ہر شخص کو خواہ اس کا روزہ ہو یا نہ ہو مبالغہ کے ساتھ استنشاق کرنا چاہئے، مگر حضرتؒ کی یہ بات غور طلب ہے کیونکہ حضرت لقیط بن صبرہؓ کی حدیث میں ہے إلا أن تكون صائما اور وہ اعلی درجہ کی صحیح حدیث ہے (ترمذی حدیث ۷۷۸) یعنی روزہ کی حالت میں ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ کرنے سے منع کیا ہے، پس آپ ﷺ نے تفریق کی ہے۔

آثار:

۱- حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: روزہ دار ناک میں دوا ڈالے تو کچھ حرج نہیں، جبکہ دواء حلق میں نہ پہنچے (مگر چاروں فقہاء کے نزدیک ناک میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ ناک سے منہ کی طرف بھی سوراخ ہے اور

دماغ کی طرف بھی، پھر دماغ سے پیٹ کی طرف سوراخ ہے۔ البحرالرائق (۲۷۹:۲) میں ہے: دماغ اور پیٹ کے درمیان اصلی سوراخ ہے اور دماغ میں چڑھنے والی ہر چیز پیٹ میں اتر جاتی ہے، پس اگر روزہ کی حالت میں ناک میں دواڈالے گا تو وہ دواء یا تو حلق کے راستہ سے پیٹ میں پہنچ جائے گی یا دماغ کے راستہ سے، پس روزہ ٹوٹ جائے گا۔

اور دوسرا مسئلہ حضرت حسنؒ نے یہ بیان کیا کہ روزہ میں سرمہ لگا سکتے ہیں (اس میں کوئی اختلاف نہیں)

مسئلہ: اور آنکھ میں سیال دوا بھی ڈال سکتے ہیں اور بعض مرتبہ آنکھ میں جب سرمہ لگاتے ہیں تو اس کا اثر تھوک میں ظاہر ہوتا ہے، اس سے بھی کچھ فرق نہیں پڑتا، اس لئے کہ وہ اثر مسامات کے ذریعہ پہنچتا ہے اور جو چیز مسامات کے ذریعہ جوف معدہ میں یا جوف دماغ میں پہنچے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، روزہ اس وقت ٹوٹتا ہے جب اصلی سوراخ سے یا اصلی جیسے مصنوعی سوراخ سے معدہ میں یا دماغ میں کوئی چیز پہنچے، اور اصلی سوراخ دو ہیں: ایک: منہ کا سوراخ (ناک کا سوراخ اور منہ کا سوراخ ایک ہیں) دوسرا: بڑے استنجے کا سوراخ، وہ بھی معدہ تک جاتا ہے، ان دونوں سوراخوں سے کوئی چیز معدہ میں پہنچائی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اصلی جیسے مصنوعی سوراخ بھی دو ہیں: ایک: پیٹ کا ایسا زخم جو معدہ کے اندر تک پہنچ گیا ہو اور وہ مستقل سوراخ بن گیا ہو، اس کو جائفہ کہتے ہیں اور دوسرا: وہ زخم جو جوف دماغ تک پہنچ گیا ہو اور مستقل سوراخ بن گیا ہو اس کو آمّۃ کہتے ہیں۔ یہ دونوں سوراخ گو کہ منفذ اصلی نہیں، مگر اس کے مشابہ ہیں، پس ان میں دوا وغیرہ ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، جبکہ وہ معدہ کے اندر پہنچ جائے۔

مذکورہ چار منفذوں کے علاوہ کسی بھی طریقہ سے معدہ میں یا جوف دماغ میں کوئی چیز پہنچائی جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ جیسے انجکشن خواہ رگ میں لگایا جائے یا گوشت میں: ناقض صوم نہیں، کیونکہ وہ دوا معدہ تک نہیں پہنچتی، اسی طرح کتے کے کاٹے کے انجکشن میں دوا اگرچہ براہ راست معدہ تک پہنچائی جاتی ہے مگر چونکہ منفذ اصلی سے نہیں پہنچائی جاتی اس لئے اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا، اور انجکشن کی سوئی کا سوراخ عارضی سوراخ ہے۔

۲۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ نے دو مسئلے بیان کئے ہیں:

پہلا مسئلہ: روزہ دار نے کلی کی اور پانی پھینک دیا تو تھوک نگل سکتا ہے اگرچہ منہ میں پانی کا اثر باقی ہو اس سے روزہ پر اثر نہیں پڑتا۔

دوسرا مسئلہ: روزہ دار نے علک چبایا، علک (گوند) ہر وہ چیز ہے جو چبانے سے ختم نہ ہو، منہ میں باقی رہے، جیسے چیونگم، اس کو چبانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، جبکہ اس کا کوئی جزء گلے سے نیچے نہ اترے۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر روزہ دار نے علک چبا کر تھوک نگل لیا تو میں نہیں کہونگا کہ روزہ ٹوٹ گیا، ہاں روزہ دار کو اس سے روکا جائے گا (اسی طرح روزہ دار نے منجن یا پیسٹ دانتوں پر ملا، پھر منہ صاف کر دیا، پھر تھوک نگلا جس میں مزہ باقی تھا تو روزہ نہیں ٹوٹا، مگر روزہ میں منجن یا پیسٹ کرنے سے منع کیا جائے گا، اسی طرح ہونٹ میں نسوار دبایا یا دانتوں پر پسا ہوا تمباکو ملا اور نسوار کا اور تمباکو کا کوئی جزء

پیٹ میں نہیں گیا تو بھی روزہ نہیں ٹوٹا،مگر روزہ میں ایسا کرنے سے منع کیا جائے گا۔

[۲۸-] بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم: "إِذَا تَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْشِقْ بِمَنْخِرِهِ الْمَاءَ"
وَلَمْ يُمَيِّزْ بَيْنَ الصَّائِمِ وَغَيْرِهِ

[١-] وَقَالَ الْحَسَنُ: لَابَأْسَ بِالسَّعُوْطِ لِلصَّائِمِ، إِنْ لَمْ يَصِلْ إِلَى حَلْقِهِ، وَيَكْتَحِلُ.

[٢-] وَقَالَ عَطَاءٌ: إِنْ مَضْمَضَ، ثُمَّ أَفْرَغَ مَا فِي فِيْهِ مِنَ الْمَاءِ، لَا يُضِيْرُهُ أَنْ يَزْدَرِدَ رِيْقَهُ، وَمَا بَقِيَ فِي فِيْهِ، وَلَا يَمْضَغُ الْعِلْكَ فَإِنِ ازْدَرَدَ رِيْقَ الْعِلْكِ لَا أَقُوْلُ: إِنَّهُ يُفْطِرُ، وَلٰكِنَّهُ يُنْهَى عَنْهُ.

بَابٌ: إِذَا جَامَعَ فِي رَمَضَانَ

جب کوئی رمضان میں بیوی سے صحبت کرے

چند مسائل:

۱-غیر رمضان میں کوئی بھی روزہ رکھ کر بالقصد توڑ دے تو صرف قضا واجب ہے، کفارہ واجب نہیں، اگرچہ وہ رمضان کی قضا ہی کیوں نہ ہو، اور اگرچہ اس کو صحبت کے ذریعہ ہی کیوں نہ توڑا ہو، اور یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

۲-اور اگر کوئی شخص رمضان میں روزہ رکھ کر بغیر عذر شرعی کے بالقصد یعنی روزہ یاد ہوتے ہوئے جماع کر کے توڑ دے تو اس پر ائمہ اربعہ کے نزدیک کفارہ واجب ہے، اور اس روزہ کی قضا واجب ہے یا نہیں: اس میں سلف میں اختلاف تھا، ائمہ اربعہ کے نزدیک قضا بھی واجب ہے (جیسا کہ آگے آرہا ہے)

۳-اور اگر بالقصد کھا پی کر روزہ توڑے تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صرف قضا واجب ہے، کفارہ واجب نہیں، ان کے نزدیک قضائے شہوتِ بطن: قضائے شہوتِ فرج کے حکم میں نہیں ہے۔ اور دیگر فقہاء کے نزدیک کفارہ بھی واجب ہے اور قضا بھی۔ ان کے نزدیک مفطراتِ ثلاثہ کا حکم ایک ہے، اور کفارہ کا حکم رمضان کی توہین کی سزا ہے۔

اور دوسری صورت میں وجوب قضا کے سلسلہ میں امام بخاری رحمہ اللہ نے دو قول ذکر کئے ہیں:

پہلا قول: حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا ہے کہ صرف کفارہ واجب ہے، قضا واجب نہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ جس نے بغیر کسی عذر یا بیماری کے رمضان کا روزہ جان بوجھ کر توڑ دیا تو اگرچہ وہ پوری زندگی روزہ رکھے تب بھی اس کی تلافی نہیں ہوسکتی، پھر قضا سے کیا حاصل؟ ہاں روزہ توڑنا کبیرہ گناہ ہے، اس کے لئے توبہ ضروری ہے، اور کفارہ اس لئے واجب ہے کہ وہ حدیث سے ثابت ہے (یہ حدیث باب میں ہے)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے: من أَفْطَرَ يوما من رمضان متعمداً من غير علة، ثم قضى طولَ

الدھر لم یُقبل منہ: جس نے رمضان کے کسی دن کا روزہ توڑا، بالقصد بلاوجہ، پھر زمانہ بھر قضا کی تو بھی وہ اس سے قبول نہیں کی جائے گی۔

سوال: جب حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث موجود ہے تو ابن مسعودؓ کے قول کی کیا ضرورت ہے؟ حدیث مرفوع کے بعد قول صحابی کی ضرورت نہیں رہتی۔

جواب: حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث نہایت ضعیف ہے، اس میں تین اضطراب ہیں (تفصیل تحفۃ الالمعی (۹۳:۳) میں ہے) پس امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک گویا یہ حدیث ہی نہیں، حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ چھوٹے صحابی ہیں، اس لئے تائید میں بڑے صحابی (ابن مسعودؓ) کا قول لائے ہیں۔

دوسرا قول: چھ تابعین کرام کے نزدیک صرف قضا واجب ہے، کفارہ واجب نہیں (ان کے نام کتاب میں ہیں) اور ان حضرات کے نزدیک حدیث میں جو کفارہ کا حکم ہے وہ اُن صحابی کے ساتھ خاص تھا (مگر ابن بطال رحمہ اللہ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ میں نے دیگر کتابوں میں ان حضرات کے اقوال میں غور کیا تو وہ اقوال اکل وشرب سے روزہ توڑنے کے سلسلہ میں ہیں، ان میں کفارہ واجب نہیں، صرف قضا واجب ہے، جماع سے روزہ توڑنے کے سلسلہ میں یہ اقوال نہیں ہیں (عمدۃ القاری (۲۴:۱۱) میں ہے: قال ابن بطال: **نظرت أقوال التابعین الذین ذکرھم البخاری فی ھذا الباب فی المصنفات، فلم أر قولھم بسقوط الکفارۃ إلا فی الفطر بالأکل، لا المجامعۃ**)

تیسرا قول: ائمہ اربعہ کا ہے، ان کے نزدیک قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں (امام بخاریؒ نے یہ قول ذکر نہیں کیا)

تنبیہ: **أفطر** (باب افعال) کے اہل لغت نے دو معنی لکھے ہیں: روزہ توڑنا اور روزہ کھولنے کا وقت ہونا، مگر **أفطر صوما** اور **أفطر یوماً** میں امام بخاری رحمہ اللہ نے فرق نہیں کیا، **أفطر صوماً** کے معنی ہیں: روزہ توڑنا، اور **أفطر یومًا** کے معنی ہیں: روزہ چھوڑنا یعنی روزہ نہ رکھنا، اور حدیث ابو ہریرہؓ اور قول ابن مسعودؓ کا مطلب یہ ہے کہ شرعی عذر اور رخصت کے بغیر رمضان کا ایک روزہ دانستہ چھوڑنے سے رمضان مبارک کی خاص برکتوں اور اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص رحمتوں سے جو محرومی ہوتی ہے، عمر بھر نفل روزہ رکھنے سے بھی اس محرومی اور خسران کی تلافی نہیں ہوسکتی، اگرچہ ایک روزہ کی قانونی قضا ایک ہی دن کا روزہ ہے، لیکن اس سے وہ ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا، جو روزہ چھوڑنے سے کھو گیا —— پس جو لوگ بے پروائی کے ساتھ رمضان کے روزے چھوڑتے ہیں وہ سوچیں کہ اپنے کو وہ کتنا نقصان پہنچاتے ہیں (معارف الحدیث ۱۱۱:۴، مولانا منظور نعمانی رحمہ اللہ)

غرض مرفوع حدیث کا اور قول ابن مسعودؓ کا زیر بحث مسئلہ سے کچھ تعلق نہیں، اور یہ اشتباہ **أفطر صوما** اور **أفطر یوما** میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔

فائدہ: روزہ توڑنے کا کفارہ وہی ہے جو ظہار کا ہے، سورۃ المجادلہ آیت ۳ و ۴ میں اس کا بیان ہے، یعنی غلام آزاد کرنا یا لگاتار دو ماہ کے روزے رکھنا یا ساٹھ مسکینوں کو صبح وشام کھانا کھلانا، اور ان تینوں کے درمیان جمہور کے نزدیک ترتیب واجب

ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ آیاتِ ظِہار میں اور حدیث میں جو آئندہ دوسرے باب میں آرہی ہے ف ہے جو تعقیب کے لئے ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ تخییر کے قائل ہیں، ان کا مستدل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: أَمَرَ رَجلاً أَفطر فی رمضان أن يعتق رقبةً أو يصوم شهرين أو يُطعم ستين مسكينا (مسلم ۱: ۳۵۵ باب تغليظ تحريم الجماع) لیکن جمہور نے دوسری روایات کی بنا پر اس روایت میں أوکو تخییر کے بجائے تنویع کے لئے لیا ہے (تحفۃ الالمعی ۳: ۹۴)

[۲۹-] بَابٌ: إِذَا جَامَعَ فِي رَمَضَانَ

وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَفَعَهُ: "مَنْ أَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ وَلاَ مَرَضٍ، لَمْ يَقْضِهِ صِيَامُ الدَّهْرِ، وَإِنْ صَامَهُ" وَبِهِ قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ، وَقَالَ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، وَالشَّعْبِيُّ، وَابْنُ جُبَيْرٍ، وَإِبْرَاهِيْمُ، وَقَتَادَةُ، وَحَمَّادٌ: يَقْضِي يَوْمًا مَكَانَهُ.

[۱۹۳۵-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُنِيْرٍ، سَمِعَ يَزِيْدَ بْنَ هَارُوْنَ، أَنَا يَحْيىَ بْنُ سَعِيْدٍ، أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْقَاسِمِ أَخْبَرَهُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ بْنِ خُوَيْلَدٍ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ عَائِشَةَ، تَقُوْلُ: إِنَّ رَجُلاً أَتَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: إِنَّهُ احْتَرَقَ، قَالَ: "مَالَكَ؟" قَالَ: أَصَبْتُ أَهْلِيْ فِيْ رَمَضَانَ، فَأُتِيَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِمِكْتَلٍ يُدْعَى الْعَرَقَ، فَقَالَ: "أَيْنَ الْمُحْتَرِقُ؟" قَالَ: أَنَا، قَالَ: "تَصَدَّقْ بِهٰذَا" [انظر: ٦٨٢٢]

وضاحت: ایک صحابی نے رمضان المبارک میں روزہ کی حالت میں روزہ یاد ہوتے ہوئے بیوی سے صحبت کرلی، جوش میں یہ حرکت ہوگئی مگر بعد میں پشیمان ہوئے اور خدمت اقدس میں حاضر ہوکر عرض کیا: یارسول اللہ! وہ (جہنم میں) جل گیا: (انھوں نے إني احترقتُ کہا ہوگا، راوی نے اس کو بدل دیا ہے اگر بطور حکایت کوئی غلط بات بیان کرنی پڑے تو بھی اس کو اپنی طرف منسوب نہیں کرنا چاہئے، یہ بولنے کا ادب ہے) آپؐ نے پوچھا: "کیا بات ہے؟" انھوں نے واقعہ بیان کیا کہ انھوں نے رمضان میں بیوی سے صحبت کرلی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "ایک رقبہ (گردن) آزاد کرو" رقبہ کے لفظی معنی ہیں: گردن اور عرفی معنی ہیں غلام، ان صحابی نے لفظی معنی سے نکتہ پیدا کیا اور اپنی گردن پر ہاتھ مارا اور کہا: یارسول اللہ! بندہ کے پاس تو یہی ایک گردن ہے یعنی میں غلام آزاد کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، آپؐ نے فرمایا: "پس لگاتار دو ماہ کے روزے رکھو"[1] انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایک ماہ کے روزے تو رکھے نہیں گئے دو مہینے کے روزے کیسے رکھوں گا؟ یعنی انھوں نے شَبَق (شدت شہوت) کا عذر پیش کیا (رمضان کی راتوں میں بیوی سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، شبق یہ ہے کہ

(۱) کفارے کے روزے پے بہ پے رکھنے ضروری ہیں اگر درمیان میں عذر سماوی پیش آجائے تو کوئی حرج نہیں، جیسے عورت کو دو مہینے میں دو مرتبہ حیض آئے گا لیکن اگر اپنے اختیار سے بیچ میں روزہ چھوڑا تو از سرنو روزے رکھنے ہونگے ۱۲

صبح سے شام تک بھی صبر نہ کرسکے) آپؐ نے فرمایا: ''پس ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ'' انھوں نے اس سے بھی معذرت ظاہر کی، آپؐ نے ان سے بیٹھ جانے کے لئے فرمایا، تھوڑی دیر کے بعد آپؐ کے پاس ایک بڑا بورا آیا جس کو عرق کہتے ہیں (ایک عرق میں پندرہ صاع چھوہارے آتے ہیں یعنی پینتالیس پچاس کلو غلہ جس بورے میں آجائے وہ عرق ہے) آپؐ نے وہ چھوہارے ان کو دیئے اور غریبوں میں تقسیم کرنے کے لئے کہا، انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مدینہ کے دولابوں (سیاہ پتھروں والی زمین) کے درمیان میرے گھر سے زیادہ غریب کوئی گھر نہیں، آپؐ مسکرائے یہاں تک کہ انیاب مبارک کھل گئے (آپ کا زیادہ سے زیادہ ہنسنا یہی ہوتا تھا کہ انیاب ظاہر ہوجاتے تھے اس سے زیادہ آپؐ کبھی نہیں ہنستے تھے) آپؐ نے فرمایا: ''جاؤ گھر میں کھالو''

استدلال: اس روایت کی بنیاد پر جمہور کہتے ہیں کہ جو شخص بالقصد جماع کے ذریعہ رمضان کا روزہ توڑے تو اس پر کفارہ واجب ہے اور جب کفارہ واجب ہے تو قضا بدرجہ اولیٰ واجب ہے۔

فائدہ: اس حدیث میں تین مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: جماع سے رمضان کا روزہ توڑنے کی صورت میں تو بالا جماع کفارہ واجب ہے، مگر کھا پی کر روزہ توڑنے کی صورت میں بھی کفارہ واجب ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ تین امام اس صورت میں بھی کفارہ کے وجوب کے قائل ہیں، اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس صورت میں کفارہ واجب نہیں۔ تفصیل چند ابواب پہلے (حدیث ۱۹۳۱ کی شرح میں) گذر چکی ہے۔

دوسرا مسئلہ: شَبَق یعنی شدت شہوت عذر ہے یا نہیں؟ نبی ﷺ نے مذکورہ صحابی کے حق میں شَبَق کو عذر مانا ہے اور ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم دیا ہے مگر فقہاء شَبَق کو عذر نہیں مانتے۔

تیسرا مسئلہ: حدیث سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر وہ صحابی پندرہ صاع چھوہارے غریبوں کو دیدیتے تو کفارہ ادا ہوجاتا، بلکہ خود کھالینے سے بھی کفارہ ادا ہوگیا مگر تمام فقہاء کے نزدیک پندرہ صاع سے کفارہ ادا نہیں ہوتا، اور نہ خود کھانے سے کفارہ ادا ہوتا ہے، بلکہ ساٹھ صاع غلہ غریبوں کو دینا ضروری ہے۔

میرے نزدیک یہ تشریع کے وقت کی ترخیص ہے، کیونکہ یہ مسئلہ کہ رمضان کا روزہ جان بوجھ کر توڑنے کی وجہ سے کفارہ واجب ہوتا ہے آج پہلی بار امت کے سامنے آیا ہے، پہلے سے اگر معلوم ہوتا تو شاید وہ صحابی یہ حرکت نہ کرتے، پس یہ قانون سازی کا آغاز ہے، اور اس وقت سہولت دی جاتی ہے اس لئے نبی ﷺ نے ان کا ہر عذر تسلیم کرلیا، اور خود کھانے کی اجازت دیدی۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کفارہ کی ادائیگی سہولت کے ساتھ مشروط ہے، یعنی مالی کفارہ اس وقت واجب ہوتا ہے جب آدمی کے پاس گنجائش ہو اور مذکورہ صحابی چونکہ غریب تھے اور جو چھوہارے ان کو ملے تھے وہ ان کی ضرورت میں مشغول تھے، اس لئے ان پر فوری کفارہ ادا کرنا واجب نہیں تھا۔ اس لئے ان کو گھر میں کھانے کی اجازت دی گئی۔ غرض گھر میں کھانے سے کفارہ ادا نہیں ہوا، کفارہ ان کے ذمہ دَین ہے، جب گنجائش ہوگی ادا کریں گے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا

یہ قول ترمذی شریف (کتاب الصوم باب ۲۸، تحفۃ الالمعی ۹۶:۳) میں ہے۔

بَابٌ: إِذَا جَامَعَ فِي رَمَضَانَ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَيْءٌ، فَتُصُدِّقَ عَلَيْهِ، فَلْيُكَفِّرْ

رمضان میں صحبت کی، اور کفارہ کے لئے اس کے پاس کچھ نہیں تھا، پس اس کو خیرات ملی تو اس سے کفارہ ادا کرے

کسی نے جماع کرکے رمضان کا روزہ توڑ دیا اور وہ غریب ہے اس کے پاس کفارہ کے لئے کچھ نہیں، پھر کسی نے اس کو صدقہ دیا تو وہ اس صدقہ کو کفارہ میں دے سکتا ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

[۳۰-] بَابٌ: إِذَا جَامَعَ فِي رَمَضَانَ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَيْءٌ، فَتُصُدِّقَ عَلَيْهِ، فَلْيُكَفِّرْ

[۱۹۳۶-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، أَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِيْ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوْسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم إِذْ جَاءَ هُ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! هَلَكْتُ! قَالَ: "مَالَكَ؟" قَالَ: وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِيْ وَأَنَا صَائِمٌ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً تُعْتِقُهَا؟" قَالَ: لَا، قَالَ: "فَهَلْ تَسْتَطِيْعُ أَنْ تَصُوْمَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ؟" قَالَ: لَا، قَالَ: "فَهَلْ تَجِدُ إِطْعَامَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا؟" قَالَ: لَا، قَالَ: فَمَكَثَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَبَيْنَا نَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ أُتِيَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِعَرَقٍ فِيْهَا تَمْرٌ - وَالْعَرَقُ: الْمِكْتَلُ - قَالَ: "أَيْنَ السَّائِلُ؟" فَقَالَ: أَنَا، قَالَ: "خُذْ هٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ" فَقَالَ الرَّجُلُ: أَعَلٰى أَفْقَرَ مِنِّيْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَوَ اللّٰهِ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا - يُرِيْدُ الْحَرَّتَيْنِ - أَهْلُ بَيْتٍ أَفْقَرُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِيْ، فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم حَتَّى بَدَتْ أَنْيَابُهُ، ثُمَّ قَالَ: "أَطْعِمْهُ أَهْلَكَ"

[انظر: ۱۹۳۷، ۲۶۰۰، ۵۳۶۸، ٦۰۸۷، ٦۱٦٤، ٦۷۰۹، ٦۷۱۰، ٦۷۱۱، ٦۸۲٦]

قولہ: خذ هٰذا فتصدَّق به: سے معلوم ہوا کہ غریب پر کفارہ واجب ہوا اور کوئی اسے صدقہ دے تو اس صدقہ سے کفارہ ادا کرسکتا ہے، اور حدیث کا ترجمہ گذشتہ باب میں آگیا ہے۔

بَابُ الْمُجَامِعِ فِي رَمَضَانَ، هَلْ يُطْعِمُ أَهْلَهُ مِنَ الْكَفَّارَةِ، إِذَا كَانُوْا مَحَاوِيْجَ؟

رمضان میں صحبت کرنے والا: کیا کفارہ کا کھانا اپنے گھر والوں کو کھلاسکتا ہے جبکہ وہ محتاج ہوں؟

ایک شخص پر کفارہ واجب ہوا اور اس کے گھر والے غریب ہیں، تو کیا ان کو کفارہ کا کھانا کھلانے سے کفارہ ادا ہوگا؟ تمام فقہاء متفق ہیں کہ گھر والوں کو کھلانے سے کفارہ ادا نہیں ہوگا، اور مذکورہ صحابی کا گھر والوں کو کھلانے سے کفارہ ادا ہوگیا مگروہ

تشریع کے وقت کی ترخیص تھی، یہ میری رائے ہے، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ان پر کفارہ دَین تھا، جب گنجائش ہوگی ادا کریں گے، گھر والوں کو کھلانے سے کفارہ ادا نہیں ہوگا۔

[۳۱-] بَابُ الْمُجَامِعِ فِي رَمَضَانَ، هَلْ يُطْعِمُ أَهْلَهُ مِنَ الْكَفَّارَةِ، إِذَا كَانُوْا مَحَاوِيْجَ؟

[۱۹۳۷-] حَدَّثَنِيْ عُثْمَانُ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، ثَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: إِنَ الْأَخِرَ وَقَعَ عَلٰى امْرَأَتِهِ فِي رَمَضَانَ، فَقَالَ: "أَتَجِدُ مَا تُحَرِّرُ رَقَبَةً؟" قَالَ: لا، قَالَ: "أَفَتَسْتَطِيْعُ أَنْ تَصُوْمَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ؟" قَالَ: لَا، قَالَ: "أَفَتَجِدُ مَا تُطْعِمُ بِهِ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا؟" قَالَ: لَا، قَالَ: فَأُتِيَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِعَرَقٍ فِيْهِ تَمْرٌ، وَهُوَ الزَّبِيْلُ، قَالَ: "أَطْعِمْ هٰذَا عَنْكَ" قَالَ: عَلَى أَحْوَجَ مِنَّا، وَمَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا أَهْلُ بَيْتٍ أَحْوَجُ مِنَّا؟ قَالَ: "فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ" [راجع: ۱۹۳۶]

الأَخِر: بمعنی الأَخیر: پیچھے رہنے والا، محروم یعنی بدنصیب، حاشیہ میں اس کے اور بھی معنی لکھے ہیں، میں بدنصیب ترجمہ کرتا ہوں یعنی مجھ بدنصیب نے رمضان میں بیوی سے صحبت کرلی .... الزَّبِیْل اور الزِّنْبِیْل کے معنی ہیں: بورا، بڑا تھیلا۔

بَابُ الْحِجَامَةِ وَالْقَيْئِ لِلصَّائِمِ

روزے دار کا پچھنے لگوانا اور وامیٹ ہونا

حَجَم المریضَ (ن) حَجْمًا: پچھنا لگانا یعنی سینگی کے ذریعہ خراب خون چوسنا۔ سینگی: یعنی سوراخ کیا ہوا سینگ جسے سینگیے درد وغیرہ دور کرنے کے لئے بدن پر لگا کر منہ سے خون چوستے ہیں .... سینگی لگانا مختلف بیماریوں کا علاج ہے اور بہت سے ملکوں میں آج بھی اس کا رواج ہے، میں نے امریکہ میں شیخ حسن ابونارزید مجدہ سے پچھنے لگوائے ہیں، مجھے کوئی بیماری نہیں تھی، صرف حجامہ کو سمجھنے کے لئے اور اتباعِ سنت کے لئے لگوائے تھے .... اب سینگی لگانے کا طریقہ کافی ترقی کرگیا ہے، جہاں سینگی لگاتے ہیں پہلے بال مونڈ دیتے ہیں، پھر بلیڈ یا چاقو کی نوک سے ہلکے زخم لگاتے ہیں، پھر زخموں پر کٹوریاں چپکا دیتے ہیں، اور پمپ سے ان کی ہوا نکال دیتے ہیں، تو کٹوریاں چپک جاتی ہیں اور خون چوسنا شروع کردیتی ہیں، جب ان میں خون جمع ہوجاتا ہے تو ان کو اکھاڑ لیتے ہیں اور متاثرہ جگہ پر مرہم یا خالص شہد لگا دیتے ہیں، جس سے زخم ہفتہ عشرہ میں مندمل ہوجاتے ہیں۔

غرض پچھنے لگوانے سے کوئی چیز جوفِ معدہ میں یا جوفِ دماغ میں نہیں پہنچتی، صرف جسم سے خون نکلتا ہے، اسی طرح پلٹی میں بھی معدے سے مواد نکلتا ہے، کوئی چیز پیٹ میں جاتی نہیں، پس بنائے حکم متحد ہے اور روایات دونوں کے سلسلہ میں

مختلف ہیں، اس لئے امام صاحب رحمہ اللہ نے دونوں کو باب میں جمع کیا ہے اور کوئی حکم نہیں لگایا کہ روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟

حجامہ کے سلسلہ میں روایات میں اختلاف:

پچھنے لگوانے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ اس میں روایات مختلف ہیں۔ اصح ما فی الباب روایت یہ ہے کہ نبی ﷺ نے احرام میں اور روزے میں پچھنے لگوائے، یہ روایت کتاب میں ہے، یہ روایت اعلی درجہ کی صحیح بھی ہے اور صریح بھی، اس لئے جمہور نے اس کو لیا ہے، ان کے نزدیک حجامہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

دوسری روایت جو مختلف فیہ ہے باب میں بصیغۂ تمریض مذکور ہے، کسی موقع پر نبی ﷺ نے فرمایا: **أَفْطَرَ الْحاجِمُ وَالمحجوم**: پچھنے لگانے والے کا اور لگوانے والے کا روزہ ٹوٹ گیا، یہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی روایت ہے، انھوں نے یہ روایت متعدد صحابہ سے مرفوعاً نقل کی ہے، مگر بعد میں انھوں نے **واللہ أعلم** کہہ کر رفع میں شک ظاہر کیا ہے، اور یہ روایت اعلی درجہ کی صحیح بھی نہیں اور اس کی مختلف تاویلیں بھی کی گئی ہیں، تحفۃ الالمعی (۳:۱۴۸) میں اس کی چار تاویلیں ذکر کی گئی ہیں: مثلاً:

۱- **أَفْطَر: أی کاد أن يُفطر**: دونوں کا روزہ ٹوٹنے کے قریب ہوگیا، حاجم کا اس لئے کہ وہ خون چوستا ہے، پس خون کے حلق میں چلے جانے کا اندیشہ ہے، اور پچھنے لگوانے والے کا اس لئے کہ اس کو ضعف لاحق ہوسکتا ہے اور روزہ توڑنا پڑسکتا ہے۔

۲- **الحاجم** اور **المحجوم** میں الف لام عہدی ہیں، اور مراد مخصوص آدمی ہیں جو حجامت کے ساتھ غیبت کر رہے تھے یعنی دونوں کا روزہ غیبت کی وجہ سے ضائع ہوگیا، پس ضیاعِ ثواب کی علت غیبت ہے نہ کہ حجامت۔

۳- **أفطر**: جملہ خبریہ ہے، مگر اس میں انشاء مضمر ہے اور وہی مقصود ہے، آپؐ نے یہ مشورہ دیا کہ روزے میں پچھنے نہ لگوائے جائیں، کیونکہ اس سے کمزوری لاحق ہوسکتی ہے، اور روزے میں انشراح ضروری ہے، پس یہ امر ارشادی ہے، اور دلیل ابوداؤد کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے صحابہ کو صوم وصال سے اور روزے میں پچھنے لگوانے سے منع کیا، اور یہ ممانعت شفقت کے طور پر تھی، حرمت کے طور پر نہیں تھی (ابوداؤد ۲۲۳۳)

۴- اس حدیث کے مرفوع ہونے میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے شک ظاہر کیا ہے —— اس لئے صرف امام احمد رحمہ اللہ نے اس حدیث کو لیا ہے، ان کے نزدیک پچھنے لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، مگر صرف قضا واجب ہوتی ہے، کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

اور جمہور کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹتا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ جوفِ معدہ یا جوفِ دماغ میں منافذ اصلیہ سے کوئی چیز پہنچے تو روزہ ٹوٹتا ہے، اور بدن کے اندر سے کوئی چیز باہر نکلے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا[1] اور حضرات ابن عمر، سعد بن ابی وقاص، زید بن ارقم اور ام سلمہ رضی اللہ عنہم نے روزے میں پچھنے لگوائے ہیں۔ اور مرجانہ ام علقمہؒ

(۱) یہ قاعدہ کلیہ نہیں، اس میں استثناء ہے، انگلی وغیرہ ڈال کر قئ کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اسی طرح استمناء بالید (ہاتھ سے منی نکالنے) سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

کہتی ہیں: ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس روزے میں پچھنے لگواتے تھے، اور وہ ہمیں منع نہیں کرتی تھیں۔

مگر روزے کی حالت میں ایسا کام کرنا جس سے ضعف لاحق ہو یا ضعف کا اندیشہ ہو: ٹھیک نہیں، روزے میں انشراح ضروری ہے، جیسے شوگر ٹیسٹ کرنے کے لئے روزے میں خون دینے میں مضائقہ نہیں، کیونکہ اس میں تھوڑا سا خون نکالا جاتا ہے، اس لئے ضعف کا اندیشہ نہیں۔ مگر کسی مریض کو چڑھانے کے لئے رمضان کے روزے میں خون کی بوتل دینا مکروہ ہے، اس صورت میں ضعف کا اندیشہ ہے، اور کبھی دواء لینی پڑسکتی ہے، اس لئے متعدد صحابہ احرام میں پچھنے نہیں لگواتے تھے، کیونکہ اس میں کافی خون نکالا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ حضرات روزے میں پچھنے لگوانے کو ناپسند کرتے تھے؟ فرمایا: نہیں، مگر کمزوری کے خیال سے یعنی فی نفسہ پچھے لگوانا جائز ہے، مگر کمزوری کے اندیشہ سے مناسب نہیں۔

قیٔ کے سلسلہ میں روایات میں اختلاف:

قیٔ کے سلسلہ میں حضرات ابوالدرداء اور ثوبان رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: إن رسول الله صلی الله علیه وسلم قَاءَ، فَأَفْطَرَ، فتوضأ: رسول اللہ ﷺ کو پلٹی ہوئی تو آپؐ نے روزہ توڑ دیا، اور وضوء کیا، یہ روایت ترمذی[1] ابوداؤد اور دارمی سے مشکوٰۃ (حدیث ۲۰۰۸) میں نقل ہوئی ہے، اور یہ روایت صحیح ہے، مگر صریح نہیں، کیونکہ یہ احتمال ہے کہ آپؐ کا نفل روزہ ہو، اور طبیعت بگڑنے کی وجہ سے آپؐ نے روزہ توڑ دیا ہو، ٹوٹا نہ ہو۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دو فتوے مروی ہیں: ایک: یہ کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ وامیٹ میں بدن سے فاسد مادہ نکلتا ہے، کوئی چیز بدن میں داخل نہیں ہوتی۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پہلی روایت اصح ہے، اس لئے مسئلہ یہی ہے کہ پلٹی سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اگرچہ منہ بھر کر ہو، البتہ انگلی وغیرہ ڈال کر قیٔ کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جبکہ وہ منہ بھر کر ہو، یا قیٔ کو منہ میں آنے کے بعد لوٹا لیا ہو، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے: من ذَرَعَهُ الْقَيْئُ، وهو صائم، فليس عليه قضاءٌ، ومن اسْتَقَاءَ عمداً فَلْيَقْضِ: جس کو قیٔ پیش آئی یعنی خود بخود ہوئی درانحالیکہ وہ روزے سے ہے تو اس پر قضا نہیں، کیونکہ روزہ نہیں ٹوٹا، اور جس نے بالقصد یعنی روزہ یاد ہوتے ہوئے پلٹی طلب کی یعنی انگلی وغیرہ ڈال کر قیٔ کی تو چاہئے کہ وہ قضا کرے، کیونکہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا۔

[۳۲-] بَابُ الْحِجَامَةِ وَالْقَيْئِ لِلصَّائِمِ

[۱-] وَقَالَ لِیْ یَحْیَی بْنُ صَالِحٍ: ثَنَا مُعَاوِیَةُ بْنُ سَلَّامٍ، ثَنَا یَحْیَی بْنُ أَبِیْ كَثِیْرٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْحَكَمِ بْنِ ثَوْبَانَ، سَمِعَ أَبَا هُرَیْرَةَ: إِذَا قَاءَ فَلَا یُفْطِرُ، إِنَّمَا یُخْرِجُ وَلَا یُوْلِجُ، وَیُذْكَرُ عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ أَنَّهُ قَالَ:

(۱) ترمذی کے ہندی نسخہ میں فأفطر رہ گیا ہے مصری نسخہ میں ہے۔

يُفْطِرُ، وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ.

[٢-] وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَعِكْرِمَةُ: الصَّوْمُ مِمَّا دَخَلَ، وَلَيْسَ مِمَّا خَرَجَ.

[٣-] وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَحْتَجِمُ وَهُوَ صَائِمٌ، ثُمَّ تَرَكَهُ، فَكَانَ يَحْتَجِمُ بِاللَّيْلِ، وَاحْتَجَمَ أَبُوْ مُوْسَى لَيْلاً، وَيُذْكَرُ عَنْ سَعْدٍ، وَزَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ، وَأُمِّ سَلَمَةَ أَنَّهُمُ احْتَجَمُوْا صِيَامًا، وَقَالَ بُكَيْرٌ، عَنْ أُمِّ عَلْقَمَةَ: كُنَّا نَحْتَجِمُ عِنْدَ عَائِشَةَ فَلاَ نُنْهَى.

[٤-] وَيُرْوَى عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ، مَرْفُوْعًا: "أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ" وَقَالَ لِيْ عَيَّاشٌ، ثَنَا عَبْدُ الْأَعْلٰى، ثنا يُوْنُسُ، عَنِ الْحَسَنِ مِثْلَهُ، قِيْلَ لَهُ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم؟ قَالَ: نَعَمْ، ثُمَّ قَالَ: اللّٰهُ أَعْلَمُ.

[١٩٣٨-] حدثنا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ، ثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ، وَاحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ. [راجع: ١٨٣٥]

[١٩٣٩-] حدثنا أَبُوْ مَعْمَرٍ، ثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، حَدَّثَنَا أَيُّوْبُ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: احْتَجَمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ صَائِمٌ. [راجع: ١٨٣٥]

[١٩٤٠-] حدثنا آدَمُ بْنُ أَبِيْ إِيَاسٍ، ثنا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ ثَابِتًا الْبُنَانِيَّ، قَالَ: سُئِلَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: أَكُنْتُمْ تَكْرَهُوْنَ الْحِجَامَةَ لِلصَّائِمِ؟ قَالَ: لاَ، إِلاَّ مِنْ أَجْلِ الضَّعْفِ، وَزَادَ شَبَابَةُ: ثنا شُعْبَةُ: عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

بَابُ الصَّوْمِ فِي السَّفَرِ وَالإِفْطَارِ

سفر میں روزہ رکھنا اور نہ رکھنا

سفر میں روزہ رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے۔ البتہ اگر سفر میں کوئی خاص دشواری نہ ہو تو رمضان کا روزہ رکھنا اولیٰ ہے اور نہ رکھنا بھی جائز ہے، بعد میں اس روزہ کی قضا کرے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

[٣٣-] بَابُ الصَّوْمِ فِي السَّفَرِ وَالإِفْطَارِ

[١٩٤١-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ الشَّيْبَانِيِّ، سَمِعَ ابْنَ أَبِيْ أَوْفَى، قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ سَفَرٍ، فَقَالَ لِرَجُلٍ: "انْزِلْ فَاجْدَحْ لِيْ" قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! الشَّمْسُ، قَالَ: "انْزِلْ فَاجْدَحْ لِيْ" قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! الشَّمْسُ، قَالَ: "انْزِلْ فَاجْدَحْ لِيْ" فَنَزَلَ، فَجَدَحَ

لَهُ، فَشَرِبَ، ثُمَّ رَمىٰ بِيَدِهِ هٰهُنَا، ثُمَّ قَالَ: "إِذَا رَأَيْتُمُ اللَّيْلَ أَقْبَلَ مِنْ هَاهُنَا فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ"
تَابَعَهُ جَرِيْرٌ، وَأَبُوْ بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنِ ابْنِ أَبِيْ أَوْفَى، قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِيْ سَفَرٍ. [انظر: ۱۹۵۵، ۱۹۵۶، ۱۹۵۸، ۵۲۹۷]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم ایک سفر میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے، آپؐ نے ایک شخص سے فرمایا: "اترا اور میرے لئے ستو گھول" یعنی افطاری کا سامان تیار کر (جَدَحْتُ السويقَ (ف) جَدَحا کے معنی ہیں: ستو کو پانی وغیرہ میں گھولنا، مِجْدَح: ستو گھولنے کا آلہ) اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ سورج رہا یعنی ابھی افطار کا وقت نہیں ہوا (الشمسُ: حالت رفعی میں هذا مبتدا محذوف کی خبر ہے اور حالت نصبی میں أَنْظُرُ کا مفعول ہے) آپؐ نے (وقفہ کے بعد) فرمایا: "اترا اور ستو گھول" اس نے پھر عرض کیا: یارسول اللہ! سورج یہ رہا، آپؐ نے پھر (وقفہ کے بعد) فرمایا: "اترا اور ستو گھول" چنانچہ اس نے اتر کر آپؐ کے لئے ستو گھولا، پس آپؐ نے نوش فرمایا، پھر دست مبارک سے ادھر (مشرق کی طرف) اشارہ کیا اور فرمایا: "جب یہاں سے رات آجائے تو افطار کا وقت ہوگیا" اس حدیث کو جریر اور ابوبکر بن عیاش نے بھی ابواسحاق شیبانی سے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں روزہ رکھ سکتے ہیں .... قوله: إذا رأيتم الليل: بعض جگہ مغربی اور مشرقی جانبوں میں پہاڑ ہوتے ہیں وہاں سورج غروب ہوتے ہوئے نظر نہیں آتا، غروب سے آدھ پون گھنٹہ پہلے سورج پہاڑوں کی اوٹ میں چلا جاتا ہے ایسی جگہوں میں غروب کی دوسری علامتیں بھی اس کے ملانی چاہئیں، اس لئے نبی ﷺ نے جو تاریکی مشرقی افق پر ابھرتی ہے اس کو بھی غروب کے ساتھ ملایا، مشرقی افق کا تاریک ہونا دلیل ہے کہ سورج چھپ گیا، کیونکہ مغربی افق میں سورج جتنا نیچے جاتا ہے مشرقی افق میں اتنی ہی تاریکی ابھرتی ہے، اور جب تک سورج موجود رہتا ہے مشرقی افق روشن رہتا ہے۔ غرض: مشرقی افق کا تاریک ہونا دلیل ہے کہ سورج چھپ گیا اور افطار کا وقت ہوگیا۔

[۱۹۴۲-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا يَحْيىَ، عَنْ هِشَامٍ، ثَنِيْ أَبِيْ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرٍو الْأَسْلَمِيَّ قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنِّيْ أَسْرُدُ الصَّوْمَ. [انظر: ۱۹۴۳]

[۱۹۴۳-] ح: وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، أَنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرٍو الْأَسْلَمِيَّ، قَالَ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: أَأَصُوْمُ فِي السَّفَرِ؟ وَكَانَ كَثِيْرَ الصِّيَامِ، فَقَالَ: "إِنْ شِئْتَ فَصُمْ، وَإِنْ شِئْتَ فَأَفْطِرْ" [راجع: ۱۹۴۲]

وضاحت: حضرت حمزہؓ صائم الدہر تھے، انھوں نے نبی ﷺ سے سفر میں روزہ رکھنے کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: "آپ کی مرضی، چاہو روزہ رکھو چاہو نہ رکھو" .... قوله: إِنِّيْ أَسْرُدُ الصوم: میں ہمیشہ روزہ رکھتا ہوں۔

بَابٌ: إِذَا صَامَ أَيَّامًا مِنْ رَمَضَانَ ثُمَّ سَافَرَ

رمضان کے کچھ روزے رکھنے کے بعد سفر شروع کیا

ایک شخص مقیم تھا، رمضان کا مہینہ شروع ہوگیا، اس نے چند روزے رکھے، پھر رمضان کے درمیان سفر شروع کر دیا تو اسے افطار کی رخصت حاصل ہے یا نہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس کو سفر میں افطار کی رخصت حاصل نہیں، اس کے لئے ضروری ہے کہ سفر میں بھی روزے رکھے، اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾: جو شخص تم میں سے رمضان کے مہینہ کو دیکھے تو چاہئے کہ وہ اس کے روزے رکھے۔ اور اس شخص کو رمضان نے حضر میں پالیا ہے، پس اُس پر روزے فرض ہوگئے اب اس کو سفر میں افطار کی رخصت حاصل نہیں (یہ بات حاشیہ میں ہے) مگر یہ بات صحیح نہیں، اور روایت بھی ضعیف ہے، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب رکھ کر مسئلہ کی وضاحت کی کہ ایسے شخص کو بھی رخصت حاصل ہوگی، اور وہ سفر میں روزہ نہ رکھنا چاہے تو ایسا کرسکتا ہے، نص سے یہ بات ثابت ہے، اور نص کے مقابلہ میں صحابی کی رائے نہیں لی جاتی۔

[۳٤-] بَابٌ: إِذَا صَامَ أَيَّامًا مِنْ رَمَضَانَ ثُمَّ سَافَرَ

[١٩٤٤-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم خَرَجَ إِلٰى مَكَّةَ فِي رَمَضَانَ فَصَامَ حَتّٰى بَلَغَ الْكَدِيْدَ: أَفْطَرَ، فَأَفْطَرَ النَّاسُ.

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: وَالْكَدِيْدُ مَاءٌ بَيْنَ عُسْفَانَ وَقُدَيْدٍ.

[انظر: ١٩٤٨، ٢٩٥٣، ٤٢٧٥، ٤٢٧٦، ٤٢٧٧، ٤٢٧٨، ٤٢٧٩]

وضاحت: نبی ﷺ رمضان شروع ہونے کے بعد دس ہزار کا لشکر لے کر مکہ مکرمہ فتح کرنے کے لئے مدینہ منورہ سے چلے، مکہ مکرمہ سترہ رمضان کو فتح ہوا ہے، اور مدینہ سے مکہ کی مسافت دس دن کی ہے، جب مدینہ سے چلے تو حضور ﷺ اور تمام صحابہ رمضان کے روزے رکھتے ہوئے چلے تھے، جب مکہ قریب آیا تو فوج کے ذمہ داروں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مکہ اب قریب ہے اور جنگ ہوسکتی ہے، پس فوجی مصلحت یہ ہے کہ لوگ روزے بند کردیں تاکہ کھا پی کر طاقت حاصل کریں، مگر چونکہ آپؐ روزے رکھتے ہیں اس لئے لوگ روزے نہیں چھوڑتے، چنانچہ آپؐ نے مقام کدید میں جو عسفان اور قُدید کے درمیان ایک چشمہ ہے عصر کی نماز کے بعد پانی منگوا کر سب کے سامنے نوش فرمایا، لوگ سمجھ گئے کہ آپؐ نے روزے بند کردیئے ہیں، چنانچہ سب نے روزے بند کردیئے مگر کچھ لوگوں نے روزہ رکھا، جب آپؐ کو اس کا علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا: أولئك العُصاة: یہی لوگ نافرمان ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ قول رسول کی طرح فعل رسول بھی حجت ہے، آپؐ

نے زبانِ مبارک سے روزے بند کرنے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ فعل کر کے دکھایا تھا اور اس کے بعد جن لوگوں نے روزہ رکھا، آپؐ نے ان کو نافرمان قرار دیا، کیونکہ انھوں نے نبی ﷺ کے فعل کی مخالفت کی، اور آپؐ نے آج روزہ رکھ کر توڑا تھا یا صبح سے روزہ رکھا ہی نہیں تھا؟ اس سلسلہ میں حنفیہ کا خیال یہ ہے کہ آج آپؐ کا روزہ نہیں تھا اور عصر کے بعد پانی نوش فرما کر روزہ نہ ہونا ظاہر فرمایا تھا، چنانچہ حنفیہ کے نزدیک دورانِ سفر رکھا ہوا روزہ توڑنا جائز نہیں، اور دیگر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ صبح سے آپؐ کا روزہ تھا اور آپؐ نے روزہ توڑ دیا تھا، چنانچہ ان کے نزدیک سفر میں رکھا ہوا روزہ توڑنا جائز ہے، اور سفر میں رمضان کا روزہ توڑنے کی صورت میں بالاجماع قضا واجب ہوگی، کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

بَابٌ

اگر سفر میں کوئی خاص پریشانی نہ ہو تو رمضان کا روزہ رکھنا اولیٰ ہے

[۳۵-] بَابٌ

[۱۹۴۵-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، ثَنَا يَحْيىَ بْنُ حَمْزَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ بْنِ جَابِرٍ، أَنَّ إِسْمَاعِيْلَ بْنَ عُبَيْدِ اللّٰهِ حَدَّثَهُ، عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ فِي يَوْمٍ حَارٍّ، حَتَّى يَضَعَ الرَّجُلُ يَدَهُ عَلٰى رَأْسِهِ مِنْ شِدَّةِ الْحَرِّ، وَمَا فِيْنَا صَائِمٌ إِلَّا مَا كَانَ مِنَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَابْنِ رَوَاحَةَ.

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں گرم دن میں نکلے، یہاں تک کہ آدمی گرمی سے بچنے کے لئے اپنے سر پر اپنا ہاتھ رکھتا تھا (ہم لوگ رومال وغیرہ رکھتے ہیں، صحابہ کے پاس پہننے کے لئے کپڑے نہیں تھے، رومال کہاں سے لاتے، اس لئے ہاتھ سے سایہ کرتے تھے) اور ہم میں نبی ﷺ اور عبداللہ بن رواحہ کے علاوہ کوئی روزہ سے نہیں تھا، ان میں طاقت تھی اس لئے انھوں نے روزہ رکھا تھا، معلوم ہوا کہ اگر طاقت ہو تو سفر میں رمضان کا روزہ رکھنا اولیٰ ہے اور دوسروں کے اندر طاقت نہیں تھی، گرمی برداشت نہیں ہو رہی تھی اس لئے انھوں نے روزہ نہیں رکھا تھا۔

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم لِمَنْ ظُلِّلَ عَلَيْهِ وَاشْتَدَّ الْحَرُّ: لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّيَامُ فِي السَّفَرِ

سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی کا کام نہیں! (حدیث)

یہ باب دفع دخل مقدر کے طور پر لائے ہیں، ابھی باب گذرا ہے کہ سفر میں رمضان کا روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں جائز ہیں،

اورطاقت ہوتو روزہ رکھنا اولیٰ ہے، جبکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: **لیس من الْبِرِّ الصِّیَامُ فی السفر**: سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی کا کام نہیں! اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا جائز نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث عام نہیں، خاص حالات کے لئے ہے، ایک سفر میں قافلہ نے پڑاؤ کیا، آپؐ نے ایک جگہ بھیڑ دیکھی، آپؐ نے صورتِ حال دریافت کی تو عرض کیا گیا: ایک صاحب کا روزہ ہے ان کو روزہ لگا ہے، اس لئے سایہ کرکے لوگ ان کو آرام پہنچا رہے ہیں، اس دن آپؐ نے فرمایا: **لیس من البر الصیام فی السفر**: یعنی سفر میں اگر روزہ رکھنے سے ایسی صورتِ حال ہوجائے تو پھر روزہ نہ رکھنا اولیٰ ہے۔

[۳۶-] بَابُ قَوْلِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم لِمَنْ ظُلِّلَ عَلَیْهِ وَاشْتَدَّ الْحَرُّ: لَیْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّیَامُ فِیْ السَّفَرِ

[۱۹۴۶-] حدثنا آدَمُ، ثَنَا شُعْبَةُ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَنْصَارِیُّ، قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ عَمْرِو ابْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ سَفَرٍ، فَرَأَى زِحَامًا، وَرَجُلاً قَدْ ظُلِّلَ عَلَيْهِ، فَقَالَ: "مَا هٰذَا؟" فَقَالُوْا: صَائِمٌ! فَقَالَ: "لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِی السَّفَرِ"

بَابٌ: لَمْ يَعِبْ أَصْحَابُ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم بَعْضُهُمْ بَعْضًا فِی الصَّوْمِ وَالإِفْطَارِ

سفر میں روزہ رکھنے نہ رکھنے کے سلسلہ میں صحابہ ایک دوسرے پر نکیر نہیں کرتے تھے

جب صحابہ سفر کرتے تھے تو بعض روزہ رکھتے تھے اور بعض نہیں رکھتے تھے، مگر جو روزہ رکھتے تھے وہ روزہ نہ رکھنے والوں پر نکیر نہیں کرتے تھے، اسی طرح روزہ نہ رکھنے والے روزہ رکھنے والوں پر نکیر نہیں کرتے تھے، کیونکہ دونوں باتیں جائز تھیں، اور جائز پر نکیر کیسی!

[۳۷-] بَابٌ: لَمْ يَعِبْ أَصْحَابُ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم بَعْضُهُمْ بَعْضًا فِی الصَّوْمِ وَالإِفْطَارِ

[۱۹۴۷-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيْلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كُنَّا نُسَافِرُ مَعَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَمْ يَعِبِ الصَّائِمُ عَلَى الْمُفْطِرِ، وَلاَ الْمُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ.

بَابُ مَنْ أَفْطَرَ فِی السَّفَرِ لِيَرَاهُ النَّاسُ

جس نے سفر میں روزہ توڑا تاکہ لوگ اس کو دیکھیں

فتح مکہ کے سفر میں نبی ﷺ نے جو عصر کے وقت پانی نوش فرمایا تھا تو کیا آپؐ نے روزہ توڑا تھا یا صبح سے رکھا ہی نہیں

تھا؟ ائمہ ثلاثہ اور امام بخاری رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ آپؐ نے روزہ رکھا تھا جس کو عصر کے بعد توڑ دیا تھا، تا کہ لوگ دیکھیں کہ آپؐ نے روزے بند کردیئے ہیں۔ اور حنفیہ کہتے ہیں: آپؐ نے اس دن روزہ نہیں رکھا تھا اور عصر کے وقت سب لوگ چشمے پر جمع ہوئے تھے اس لئے آپؐ نے پانی پی کر روزہ نہ ہونا ظاہر کیا تھا۔ اور اس اختلاف کا اثر اس مسئلہ پر پڑا ہے کہ سفر میں رمضان کا رکھا ہوا روزہ توڑنا جائز ہے یا نہیں؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے اور حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں، مگر توڑنے کی صورت میں بالاجماع قضا واجب ہے کفارہ واجب نہیں۔

[۳۸-] بَابُ مَنْ أَفْطَرَ فِي السَّفَرِ لِيَرَاهُ النَّاسُ

[۱۹۴۸-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنَ الْمَدِيْنَةِ إِلٰى مَكَّةَ، فَصَامَ حَتَّى بَلَغَ عُسْفَانَ، ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ، فَرَفَعَهُ إِلَى يَدِهِ لِيُرِيَهُ النَّاسَ، فَأَفْطَرَ حَتَّى قَدِمَ مَكَّةَ، وَذٰلِكَ فِي رَمَضَانَ، فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ: قَدْ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَأَفْطَرَ، فَمَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ أَفْطَرَ.

[راجع: ۱۹۴۴]

وضاحت: قد صام: یعنی مدینہ سے عسفان تک .... وأفطر: یعنی عسفان کے بعد مکہ تک۔

بَابٌ: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾

جس کو روزہ رکھنا بہت بھاری معلوم ہو وہ فدیہ دے

على الذين يطيقونه: خبر مقدم ہے، اور ضمیر صوم کی طرف راجع ہے، جس کا تذکرہ چل رہا ہے، اور فدية طعام مسكين: مبتدا مؤخر ہے، اور طاق (ن) طَوْقًا اور أَطَاق إِطَاقَة کے معنی ہیں: بمشقت کوئی کام کرنا۔ لسان العرب (مادہ طوق) میں ہے: والطَّوْقُ: الطاقةُ، أى أقصى غايته، وهو اسم لمقدارِ ما يمكن أن يفعله بمشقة منه، جیسے ایک بہت بھاری پتھر ہے، جس کو اٹھانے کی کوئی ہمت نہیں کرتا، پس ایک شخص کہتا ہے: إنى أُطيق رفعَ هذا الحجر: میں اس پتھر کو اٹھا سکتا ہوں، یہاں فعل أطاق کا استعمال صحیح ہے، کیونکہ وہ پتھر ضرور اٹھالے گا مگر ٹانگیں ہل جائیں گی، اور اگر کوئی کہے: إنى أطيق رفعَ هذا القلم: تو یہ استعمال صحیح نہیں، کیونکہ قلم اٹھانے میں کچھ مشقت نہیں! پس آیت میں کچھ محذوف نہیں، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس کو روزہ رکھنا بہت بھاری معلوم ہو وہ روزہ نہ رکھے، فدیہ دے، ہر روزہ کے بدلے میں ایک غریب کو کھانا کھلائے، پھر بعد میں یہ حکم ختم کردیا، اور روزہ رکھنا لازم کردیا۔ حضرت ابن عمر اور حضرت سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہما نے اس آیت کو روزوں سے متعلق کیا ہے اور منسوخ قرار دیا ہے، اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ (ابن ابی لیلیٰ کبیر) متعدد صحابہ سے

روایت کرتے ہیں کہ جب رمضان کی فرضیت نازل ہوئی تو یہ حکم لوگوں کو بھاری معلوم ہوا، چنانچہ ان کو اختیار دیا گیا کہ جس کو روزہ رکھنا بہت بھاری معلوم ہو وہ روزہ نہ رکھے، بلکہ ہر روزہ کے بدلے میں ایک غریب کو کھانا کھلائے، اور ایک سے زیادہ غریبوں کو کھلائے تو سبحان اللہ! اور ہمت کر کے روزہ رکھے تو یہ اور بھی اچھی بات ہے، پھر جب لوگوں نے روزے رکھے تو معلوم ہوا کہ روزہ رکھنا کچھ مشکل نہیں، بلکہ فدیہ دینا مشکل ہے، کیونکہ آدمی چمڑی دے سکتا ہے، مگر دمڑی نہیں دیتا، چنانچہ اگلی آیت نازل ہوئی: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ اس آیت سے سابقہ آیت منسوخ کردی گئی۔ مگر بالکلیہ منسوخ نہیں کی گئی، بعض افراد میں اب بھی معمول بہ ہے، شیخ فانی جس کے لئے روزہ رکھنا واقعی دشوار ہے، اس کے حق میں آیت کا حکم باقی ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے روزے فرض کئے تو اولاً سات طرح سے ذہن سازی کی، کیونکہ جب بھی کوئی مشکل حکم نازل کیا جاتا تھا تو پہلے ذہن سازی کی جاتی تھی، اور حکم کو قابل قبول بنایا جاتا تھا، جیسے شراب لوگوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، اس لئے اس کو چار مرحلوں میں حرام کیا، اسی طرح روزہ مشقت بھرا کام تھا، اگرچہ لوگ پہلے روزہ رکھتے تھے، عاشوراء کا روزہ فرض تھا، مگر اب ایک ماہ کے مسلسل روزے فرض کئے جارہے ہیں جو بھاری محسوس ہونگے، اس لئے روزوں کا حکم نازل کرنے سے پہلے سات طرح سے ذہن سازی کی گئی، اس آیت کا تعلق ان مراحل سبعہ میں سے ایک مرحلہ سے ہے، پھر تجربہ سے معلوم ہوا کہ یہ محض ہوّا ہے، روزہ رکھنا کچھ مشکل نہیں، چنانچہ یہ حکم ختم کردیا گیا۔

ملحوظہ: حرمت خمر کے مراحل اربعہ کی تفصیل تحفۃ الالمعی (۵:۲۰۳) میں ہے، اور ذہن سازی کے مراحل سبعہ کی تفصیل تحفۃ الالمعی (۳:۱۷۳) میں ہے۔

[۳۹-] بَابٌ: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾

[۱-] قَالَ ابْنُ عُمَرَ، وَسَلَمَةُ بْنُ الأَكْوَعِ: نَسَخَتْهَا: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْ أُنْزِلَ فِيْهِ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿عَلٰى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ [البقرة: ۱۸۴]

[۲-] وَقَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ: ثَنَا الأَعْمَشُ: ثَنَا عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِىْ لَيْلَى: ثَنَا أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم: نَزَلَ رَمَضَانُ فَشَقَّ عَلَيْهِمْ، فَكَانَ مَنْ أَطْعَمَ كُلَّ يَوْمٍ مِسْكِيْنًا تَرَكَ الصَّوْمَ مِمَّنْ يُطِيْقُهُ، وَرُخِّصَ لَهُمْ فِى ذٰلِكَ، فَنَسَخَتْهَا: ﴿وَأَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَكُمْ﴾ فَأُمِرُوْا بِالصَّوْمِ.

[۱۹۴۹-] حدثنا عَيَّاشٌ، ثَنَا عَبْدُ الأَعْلٰى، ثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: قَرَأَ ﴿فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ قَالَ: هِىَ مَنْسُوْخَةٌ. [انظر: ۴۵۰۶]

وضاحت: ناسخ آیت: ﴿وَأَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَكُمْ﴾ نہیں ہے، بلکہ ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ ہے۔

بَابٌ: مَتَى يُقْضَى قَضَاءُ رَمَضَانَ؟

رمضان کے روزوں کی قضا کب کی جائے؟

اگر سفر یا بیماری کی وجہ سے کسی کے رمضان کے روزے رہ گئے ہوں یا حیض ونفاس کی وجہ سے عورت نے روزے نہ رکھے ہوں تو ان کی قضا کب تک ضروری ہے؟ اور قضا کے روزے مسلسل رکھنے ضروری ہیں یا متفرق بھی رکھ سکتے ہیں؟ حنفیہ کے نزدیک زندگی میں کسی بھی وقت رکھ سکتے ہیں اور مسلسل رکھنے ضروری نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مسلسل رکھنے تو ضروری نہیں، مگر آئندہ رمضان سے پہلے رکھنے ضروری ہیں، اگر عذر کے بغیر آئندہ رمضان تک نہ رکھے تو گنہ گار ہوگا، اور قضا کے علاوہ فدیہ بھی واجب ہوگا۔

[٤٠-] بَابٌ: مَتَى يُقْضَى قَضَاءُ رَمَضَانَ؟

[١-] وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَابَأْسَ أَنْ يُفَرَّقَ، لِقَوْلِ اللّٰهِ: ﴿فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾

[٢-] وَقَالَ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ فِي صَوْمِ الْعَشْرِ: لَا يَصْلُحُ حَتَّى يَبْدَأَ بِرَمَضَانَ.

[٣-] وَقَالَ إِبْرَاهِيْمُ النَّخَعِيُّ: إِذَا فَرَّطَ حَتَّى جَاءَ رَمَضَانُ آخَرُ يَصُوْمُهُمَا. وَلَمْ يَرَ عَلَيْهِ طَعَامًا.

[٤-] وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ مُرْسَلًا، وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّهُ يُطْعِمُ، وَلَمْ يَذْكُرِ اللّٰهُ الإِطْعَامَ، إِنَّمَا قَالَ: ﴿فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾

[١٩٥٠-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ، ثَنَا زُهَيْرٌ، ثَنَا يَحْيَى، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ، تَقُوْلُ: كَانَ يَكُوْنُ عَلَيَّ الصَّوْمُ مِنْ رَمَضَانَ، فَمَا أَسْتَطِيْعُ أَنْ أَقْضِيَ إِلَّا فِي شَعْبَانَ، قَالَ يَحْيَى: الشُّغْلُ مِنَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَوْ: بِالنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

۱- ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: قضا کے روزے متفرق رکھنے میں کچھ حرج نہیں، اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾: پس دوسرے دنوں سے شمار کرنا ہے یعنی جتنے روزے گئے ہیں، دوسرے دنوں میں اتنے ہی روزے رکھنے ہیں، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلسل کی قید کے بغیر روزے رکھنے کا حکم دیا ہے، پس چاہے تو مسلسل رکھے، چاہے متفرق۔

۲- سعید بن المسیبؒ نے عشرۂ ذی الحجہ کے روزوں کے بارے میں فرمایا: مناسب نہیں یہاں تک کہ شروع کرے وہ رمضان سے، یعنی کسی کے رمضان کے روزے رہ گئے ہوں اور ذی الحجہ کا مہینہ آجائے تو پہلے رمضان کے قضا روزے رکھے، کیونکہ وہ فرض ہیں، اور زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں اور عشرۂ ذی الحجہ کے روزے نفل ہیں، پس فرض روزے چھوڑ کر نفل روزے رکھنا مناسب نہیں۔

۳- حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کسی کے ذمہ رمضان کے روزے باقی تھے، اس نے قضا کرنے میں کوتاہی کی یہاں تک کہ دوسرا رمضان آگیا تو وہ دونوں رمضانوں کے روزے رکھے اور اس پر فدیہ (کھانا کھلانا) واجب نہیں، یعنی تاخیر کرنے کی وجہ سے فدیہ واجب نہیں۔

۴- حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ کھانا کھلائے یعنی اگر رمضان کے روزے باقی تھے اور اگلا رمضان شروع ہوگیا تو قضا کے علاوہ فدیہ بھی واجب ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ﴿فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ فرمایا ہے، یعنی صرف قضا کا حکم دیا ہے فدیہ کا حکم نہیں دیا، پس زندگی میں جب بھی روزے قضا کرے فدیہ واجب نہیں۔

حدیث: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میرے ذمہ رمضان کے روزے ہوتے تھے، پس میں قضا نہیں کرتی تھی مگر شعبان میں۔ یحییٰ کہتے ہیں: نبی ﷺ کے ساتھ مشغولی مانع بنتی تھی (یہ حدیث ائمہ ثلاثہ کے خلاف نہیں، کیونکہ صدیقہ رمضان سے پہلے شعبان میں قضا کرلیتی تھیں)

بَابُ الْحَائِضِ تَتْرُكُ الصَّوْمَ وَالصَّلاَةَ

حائضہ نہ روزے رکھے نہ نماز پڑھے

حیض میں عورت روزہ بھی نہیں رکھے گی اور نماز بھی نہیں پڑھے گی، اور بعد میں صرف روزوں کی قضا کرے گی، نمازوں کی قضا نہیں کرے گی، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان (تابعی) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کبھی شریعت کے احکام رائے کے خلاف آتے ہیں، ان کی حکمت عام طور پر لوگ نہیں سمجھ سکتے، ایسی جگہوں میں شریعت کے احکام کے سامنے سرنگوں ہونا اور ان کی پیروی کرنا لازم ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ کے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے: **لایَحِلُّ أن يُتَوَقَّفَ فی امتثالِ أحکام الشرع – إذا صَحَّتْ به الروایةُ – علی معرفة تلك المصالح لعدم استقلالِ کثیرٍ من الناس فی معرفة کثیر من المصالح**: احکام شرعیہ پر عمل حکمتوں کے جاننے پر موقوف نہیں، جبکہ صحیح روایت سے وہ احکام ثابت ہو جائیں، کیونکہ بہت سے انسانوں کی عقلیں بہت سی حکمتوں کو از خود نہیں سمجھ سکتیں (رحمۃ اللہ الواسعہ ۱:۱۱۰) پس حکم کی وجہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے پیروی ضروری ہے، ابوالزناد رحمہ اللہ نے بھی یہی بات فرمائی ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ ہر حکم کی کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے، مگر وہ حکمت نہ ہر کوئی سمجھ سکتا ہے اور نہ ہر کوئی سمجھا سکتا ہے، اور حکمت کے سمجھنے پر عمل موقوف بھی نہیں، حکم شرعی کی سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، امتثال کے لئے اتنی بات کافی ہے۔

پھر حکمت معلوم ہو جائے تو سبحان اللہ! جیسے حائضہ پر روزوں کی قضا واجب ہے اور نمازوں کی قضا واجب نہیں، اور فرق

کی وجہ یہ ہے کہ نمازوں میں تکرار ہے، سات دن حیض آیا، چالیس نمازیں مع وتر قضا ہوئیں، اب پاک ہونے کے بعد وقتی چھ نمازیں بھی پڑھنی ہیں اور چالیس قضا نمازیں بھی پڑھنی ہیں۔ اس لئے قضا پڑھنے میں دشواری ہے اور شریعت کا قاعدہ ہے: **الحرجُ مدفُوْعٌ**، چنانچہ نمازوں کی قضا معاف کردی اور روزوں کو قضا کرنے میں کچھ دشواری نہیں، زیادہ سے زیادہ تین تا دس روزے قضا ہوتے ہیں ان کو سال بھر میں رکھنے میں کیا دشواری ہے؟ اس لئے روزوں کی قضا معاف نہیں۔

[٤١-] بَابُ الْحَائِضِ تَتْرُكُ الصَّوْمَ وَالصَّلاَةَ

وَقَالَ أَبُوْ الزِّنَادِ: إِنَّ السُّنَنَ وَوُجُوْهَ الْحَقِّ لَتَأْتِيْ كَثِيْرًا عَلٰى خِلاَفِ الرَّأْيِ، فَمَا يَجِدُ الْمُسْلِمُوْنَ بُدًّا مِنِ اتِّبَاعِهَا، مِنْ ذٰلِكَ أَنَّ الْحَائِضَ تَقْضِيْ الصِّيَامَ وَلاَ تَقْضِيْ الصَّلاَةَ.

[١٩٥١-] حدثنا ابْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ، أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، أَخْبَرَنِيْ زَيْدٌ، عَنْ عِيَاضٍ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ؟ فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِيْنِهَا"

[راجع: ٣٠٤]

ترجمہ: ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن ذکوان قرشی مدنی، جو ابوالزناد سے معروف ہیں، جو ثقہ راوی اور بڑے فقیہ ہیں، فرماتے ہیں: سنتیں یعنی احکام شرعیہ اور دین حق کی راہیں یعنی مسائل دینیہ (عطف تفسیری ہے) بار بار رائے کے خلاف آتے ہیں یعنی عقل ان کی حکمتوں کا ادراک نہیں کرسکتی، پس نہیں پاتے مسلمان کوئی چارہ ان کی پیروی سے یعنی ان کی پیروی ضروری ہوتی ہے، ان مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ روزوں کی قضا کرے اور نمازوں کی قضا نہ کرے، وجہ فرق ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔

وجہ فرق: آسان وجہ اوپر بیان کی گئی، اور دقیق وجہ یہ ہے کہ نماز کے لئے طہارت شرط ہے، جو حائضہ اور نفساء کو حاصل نہیں، اور ان کا عذر سماوی (غیر اختیاری) ہے، اور سماوی اعذار میں شریعت کا اصول یہ ہے کہ قلیل عذر کا اعتبار نہیں اور طویل عذر معتبر ہے، جیسے جنون واغماء طویل ہوجائیں تو نماز معاف ہے، اور ۲۴ گھنٹوں سے کم ہوں تو نمازوں کی قضا ضروری ہے، اور حیض ونفاس طویل اعذار ہیں، اس لئے نمازیں معاف ہیں۔ اور روزوں کے لئے طہارت شرط نہیں، دن بھر جنابت میں رہے تو بھی روزہ صحیح ہے، البتہ روزے میں انبساط ضروری ہے جو حیض میں روزہ رکھنے میں حاصل نہیں ہوسکتا، اس لئے مسافر کی طرح حائضہ کو روزہ نہ رکھنے کی رخصت دی اور دونوں بعد میں قضا کریں گے، مگر مسافر سے حائضہ کا معاملہ سخت ہے، اس لئے مسافر روزہ رکھ سکتا ہے اور حائضہ نہیں رکھ سکتی وہ قضا ہی کرے گی۔

بہ الفاظ دیگر: حائضہ کا نماز نہ پڑھنا اور روزہ نہ رکھنا: ایک باب کے مسائل نہیں ہیں، بلکہ دو مختلف بابوں کے مسائل ہیں۔ نماز نہ پڑھنا تو عذر سماوی کی وجہ سے اہلیت ختم ہوجانے کی وجہ سے ہے، اور اس سلسلہ میں شریعت کا ضابطہ وہ ہے جو اوپر بیان کیا کہ عذر قلیل میں قضا واجب ہے اور عذر طویل میں معاف ہے، اور حائضہ میں روزہ رکھنے کی صلاحیت ہے، کیونکہ

روزوں کے لئے طہارت شرط نہیں، مگر چونکہ روزوں میں انبساط ضروری ہے، اس لئے بیمار اور مسافر کی طرح حائضہ کو بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی، پس یہ رخصت حائضہ کی ذاتی مصلحت سے ہے، اور ﴿عِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ کے باب سے ہے، البتہ حائضہ کا معاملہ بیمار اور مسافر سے سخت ہے اس لئے اس کے لئے حالتِ حیض میں روزہ حرام کردیا، تاکہ وہ روزہ رکھنے کی کوشش ہی نہ کرے، مگر یہ حرمت اس کی ذاتی مصلحت سے ہے، اس لئے روزوں کی قضا واجب ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صَوْمٌ

کسی کا انتقال ہوجائے اور اس کے ذمہ روزے باقی ہوں

عبادات تین قسم کی ہیں: (۱) بدنیہ محضہ (۲) مالیہ محضہ (۳) بدن ومال سے مرکب، تمام ائمہ متفق ہیں کہ عبادات مالیہ میں نیابت جائز ہے، زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی، کیونکہ عبادات مالیہ میں مقصود غریب تک مال پہنچانا ہے، مالک غریب کو خود دے یا کسی کے ذریعہ دے اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ اس لئے عبادات مالیہ میں نیابت جائز ہے، حالتِ اختیار میں بھی اور حالتِ اضطرار میں بھی۔ اور عبادات بدنیہ میں بالاجماع نیابت جائز نہیں، البتہ امام احمد رحمہ اللہ نذر کے روزوں کو مستثنیٰ کرتے ہیں، کسی پر نذر کے روزے ہوں اور اس کا انتقال ہوجائے تو وارث اس کی طرف سے روزے رکھ سکتا ہے، اس ایک جزئیہ کے علاوہ چاروں ائمہ متفق ہیں کہ عبادت بدنیہ محضہ میں نیابت جائز نہیں، کیونکہ عبادات بدنیہ میں مقصود اتعاب نفس (نفس کو تھکانا) ہوتا ہے، اور یہ مقصد خود عبادت کرنے سے حاصل ہوتا ہے، دوسرے کے عبادت کرنے سے حاصل نہیں ہوتا اس لئے عبادت بدنیہ میں نیابت جائز نہیں، نہ حالت اختیار میں نہ حالتِ اضطرار میں۔ اور جو عبادت بدن ومال سے مرکب ہے اور ایسی عبادت صرف حج ہے اس میں حالت اختیار میں نیابت جائز نہیں، اور حالت اضطرار میں نیابت جائز ہے، زندگی میں بھی معذور حج بدل کراسکتا ہے۔ جمہور اسی کے قائل ہیں۔ البتہ امام مالک رحمہ اللہ منع کرتے ہیں اور مرنے کے بعد بالاجماع حج بدل کرسکتے ہیں، کیونکہ یہ اضطرار کی حالت ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ باب میں دو حدیثیں اور ایک اثر ہے:

اثر: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کسی کے ذمہ پورے مہینہ کے روزے ہوں اور اس کا انتقال ہوجائے اور اس کے وارثوں میں سے تیس آدمی ایک ہی دن میں تیس روزے رکھ لیں تو یہ جائز ہے یعنی میت کا ذمہ فارغ ہوجائے گا، مگر حضرت حسنؒ تابعی ہیں اور تابعین کے اقوال مجتہدین پر حجت نہیں ہوتے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس کا انتقال ہوجائے درانحالیکہ اس کے ذمہ روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا وارث روزے رکھے''

حدیث (۲): ایک عورت نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری ماں کا انتقال ہوگیا اور اس کے ذمہ ایک مہینہ کے روزے

ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ پندرہ دن کے روزے ہیں، پس کیا میں ان کی طرف سے روزے رکھ سکتی ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں، اللہ کا حق زیادہ حق دار ہے کہ اس کو چکایا جائے۔

تشریح: چونکہ دوسری روایت کے ایک طریق میں صراحت ہے کہ سائلہ کی ماں پر نذر کے روزے تھے اس لئے امام احمد رحمہ اللہ نے نذر کے روزوں کو مستثنیٰ کیا ہے، اور اس میں نیابت کو جائز قرار دیا ہے مگر پہلی حدیث مطلق ہے اور وہ امام احمد رحمہ اللہ کے بھی خلاف ہے، پس ان کو بھی پہلی حدیث کا جواب دینا ہے، اس لئے جمہور کہتے ہیں کہ دونوں حدیثوں میں نیابت فی العبادت کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ ایصالِ ثواب کے مسئلہ سے تمسک ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے سائلہ کو ایصالِ ثواب کے مسئلہ کا سہارا لینے کا امر فرمایا ہے یعنی تیری ماں پر جتنے روزے ہیں اتنے نفل روزے رکھ کر ایصالِ ثواب کر، اور اللہ تعالیٰ سے امید باندھ کہ وہ ان روزوں کو میت کے حساب میں لے لیں، جس طرح میت پر حج فرض ہو، اور اس نے وصیت نہ کی ہو، اور کوئی اس کی طرف سے حج کر لے تو امید باندھی جاسکتی ہے کہ وہ حج اس کے حساب میں لے لیا جائے گا۔ نبی ﷺ کے زمانہ میں عام طور پر لوگ غریب تھے، اس لئے جب بیٹی نے ماں کی طرف سے نفل روزے رکھنے کی اجازت چاہی تو آپؐ نے اجازت دیدی، پس یہ نیابت فی العبادۃ کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ ایصالِ ثواب کے مسئلہ سے تمسک ہے، تفصیل تحفۃ الالمعی (۲: ۵۹۴) میں ہے۔

[۴۲-] بَابُ مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صَوْمٌ

وَقَالَ الْحَسَنُ: إِنْ صَامَ عَنْهُ ثَلاَثُوْنَ رَجُلاً يَوْمًا وَاحِدًا جَازَ.

[۱۹۵۲-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدٍ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوْسَى بْنِ أَعْيَنَ، ثَنَا أَبِىْ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِىْ جَعْفَرٍ، أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ جَعْفَرٍ حَدَّثَهُ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ"

تَابَعَهُ ابْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرٍو، وَرَوَاهُ يَحْيَى بْنُ أَيُّوْبَ، عَنِ ابْنِ أَبِىْ جَعْفَرٍ.

[۱۹۵۳-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيْمِ، ثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو: ثَنَا زَائِدَةُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُسْلِمٍ الْبَطِيْنِ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ أُمِّىْ مَاتَتْ، وَعَلَيْهَا صَوْمُ شَهْرٍ، أَفَأَقْضِيْهِ عَنْهَا؟ قَالَ: "نَعَمْ، فَدَيْنُ اللّٰهِ أَحَقُّ أَنْ يُقْضَى"

قَالَ سُلَيْمَانُ: فَقَالَ الْحَكَمُ، وَسَلَمَةُ: وَنَحْنُ جَمِيْعًا جُلُوْسٌ حِيْنَ حَدَّثَ مُسْلِمٌ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ، قَالاَ: سَمِعْنَا مُجَاهِدًا، يَذْكُرُ هٰذَا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ.

وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِىْ خَالِدٍ الْأَحْمَرِ، قَالَ: ثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنِ الْحَكَمِ، وَمُسْلِمٍ الْبَطِيْنِ، وَسَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ،

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ، وَعَطَاءٍ، وَمُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: قَالَ قَالَتِ امْرَأَةٌ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: إِنَّ أُخْتِيْ مَاتَتْ.

وَقَالَ يَحْيىَ، وَأَبُوْ مُعَاوِيَةَ: ثَنَا الأَعْمَشُ، عَنْ مُسْلِمٍ، عَنْ سَعِيْدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَتِ امْرَأَةٌ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: إِنَّ أُمِّيْ مَاتَتْ.

وَقَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ: عَنْ زَيْدِ بْنِ أَبِيْ أُنَيْسَةَ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ سَعِيْدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: قَالَتِ امْرَأَةٌ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: مَاتَتْ أُمِّيْ، وَعَلَيْهَا صَوْمُ نَذْرٍ.

وَقَالَ أَبُوْ حَرِيْزٍ: ثَنِيْ عِكْرِمَةُ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: قَالَتِ امْرَأَةٌ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: مَاتَتْ أُمِّيْ، وَعَلَيْهَا صَوْمُ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا.

دوسری حدیث کی چھ سندیں: یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے چار حضرات: سعید بن جبیر، مجاہد، عطاء اور عکرمہ رحمہم اللہ روایت کرتے ہیں:

پہلی سند: سلیمان اعمشؒ کے شاگرد زائدہ کی ہے، وہ اعمش سے، وہ مسلم بطین سے، وہ سعید بن جبیر سے، اور وہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں، اس روایت میں سائل مرد ہے اور اس کی ماں کا انتقال ہوا ہے، اور اس کے ذمہ ایک ماہ کے روزے ہیں۔

دوسری سند: سلیمان اعمش کہتے ہیں: پھر حکم اور سلمہ نے کہا — درانحالیکہ ہم سب بیٹھے ہوئے تھے جب مسلم بطین نے سعید کی سند سے یہ حدیث بیان کی — دونوں نے کہا: ہم نے مجاہد سے یہ حدیث سنی، انھوں نے ابن عباسؓ سے روایت کی۔

تیسری سند: اعمشؒ کے شاگرد ابو خالد احمر کی ہے، اس سند میں اعمش تین اساتذہ: حکم، مسلم اور سلمہ سے روایت کرتے ہیں، اور وہ تینوں بھی تین حضرات: سعید، عطاء اور مجاہد سے روایت کرتے ہیں، اور وہ تینوں ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں، اس روایت میں سائلہ عورت ہے، اور اس کی بہن کا انتقال ہوا ہے۔

چوتھی سند: اعمشؒ کے دو شاگرد: یحییٰ اور ابو معاویہ کی ہے، وہ دونوں اعمش سے، وہ مسلم بطین سے، وہ سعید سے اور وہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں، اس روایت میں سائلہ عورت ہے، اور اس کی ماں کا انتقال ہوا ہے۔

پانچویں سند: عبید اللہ رقی کی ہے، وہ زید سے، وہ حکم سے، وہ سعید سے اور وہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں، اس روایت میں بھی سائلہ عورت ہے، اور اس کی ماں کا انتقال ہوا ہے۔

چھٹی سند: ابو حریز عبید اللہ بن الحسین کی ہے، وہ عکرمہ سے، اور وہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں، اس روایت میں بھی سائلہ عورت ہے، اور اس کی ماں کا انتقال ہوا ہے، اور اس کے ذمہ پندرہ دن کے روزے ہیں۔ ابو حریز سجستان کے قاضی تھے، مگر امام احمد اور ابن معین وغیرہ نے ان کی تضعیف کی ہے، اس لئے صحیح سندیں حضرت ابن عباسؓ کے

تین ہی شاگردوں کی ہیں، اوراس قدر اختلاف کے باوجود محدثین نے حدیث کو مضطرب قرار نہیں دیا، بلکہ جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

بَابٌ: مَتَی یَحِلُّ فِطْرُ الصَّائِمِ؟

روزہ کھولنے کا وقت کب ہوتا ہے؟

جب سورج ڈوب جائے تو روزہ کھولنے کا وقت ہوگیا، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے سورج کی ٹکیہ غائب ہوتے ہی روزہ کھولا ہے۔ معلوم ہوا کہ سورج غروب ہوتے ہی روزہ کھولنے کا وقت ہوجاتا ہے۔

[٤٣-] بَابٌ: مَتَی یَحِلُّ فِطْرُ الصَّائِمِ؟

وَأَفْطَرَ أَبُوْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیُّ حِیْنَ غَابَ قُرْصُ الشَّمْسِ.

[١٩٥٤-] حدثنا الْحُمَیْدِیُّ، ثَنَا سُفْیَانُ، ثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِیْ، یَقُوْلُ: سَمِعْتُ عَاصِمَ بْنَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، عَنْ أَبِیْهِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم: "إِذَا أَقْبَلَ اللَّیْلُ مِنْ هَاهُنَا، وَأَدْبَرَ النَّهَارُ مِنْ هَاهُنَا، وَغَرَبَتِ الشَّمْسُ: فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ"

ترجمہ: جب رات یہاں (مشرق) سے آئی، اور دن نے یہاں (مغرب) سے پیٹھ پھیری، اور سورج ڈوب گیا تو روزہ کھولنے کا وقت ہوگیا۔

[١٩٥٥-] حدثنا إِسْحَاقُ الْوَاسِطِیُّ، ثَنَا خَالِدٌ، عَنِ الشَّیْبَانِیِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِیْ أَوْفَی، قَالَ: کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم فِیْ سَفَرٍ وَهُوَ صَائِمٌ، فَلَمَّا غَابَتِ الشَّمْسُ، قَالَ لِبَعْضِ الْقَوْمِ: "یَا فُلَانُ! قُمْ فَاجْدَحْ لَنَا" فَقَالَ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! لَوْ أَمْسَیْتَ، قَالَ:" انْزِلْ فَاجْدَحْ لَنَا" قَالَ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَلَوْ أَمْسَیْتَ! قَالَ:" انْزِلْ فَاجْدَحْ لَنَا" قَالَ: إِنَّ عَلَیْكَ نَهَارًا، قَالَ:" انْزِلْ فَاجْدَحْ لَنَا" فَنَزَلَ فَجَدَحَ لَهُمْ، فَشَرِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم، ثُمَّ قَالَ: "إِذَا رَأَیْتُمُ اللَّیْلَ قَدْ أَقْبَلَ مِنْ هَاهُنَا، فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ" [راجع: ١٩٤١]

وضاحت: مغربی افق میں سورج جتنا نیچے جاتا ہے مشرقی افق میں اسی قدر تاریکی ابھرتی ہے، یہ إقبال اللیل ہے اور سورج کا مغربی افق میں نیچے جانا إدبار النهار ہے، اور پہلے بتایا ہے کہ اگر مغرب میں پہاڑ ہوں اور سورج غروب ہوتا ہوا نظر نہ آتا ہو تو وہاں غروب کی دوسری علامتیں بھی اس کے ساتھ ملانی چاہئیں، سفر میں مغربی جانب میں پہاڑ تھے اور مشرق کی

جانب میں بھی، وہاں سورج غروب ہوتا ہوا نظر نہیں آتا تھا، اس لئے نبی ﷺ نے جو تاریکی مشرقی افق پر ابھرتی ہے اس کو بھی غروب کے ساتھ ملایا ہے۔

بَابٌ: يُفْطِرُ بِمَا تَيَسَّرَ بِالْمَاءِ وَغَيْرِهِ

پانی وغیرہ جو کچھ میسر ہو اس سے روزہ کھولے

جو بھی چیز میسر ہو اس سے روزہ کھول سکتا ہے، کسی معین چیز سے افطار کرنا ضروری نہیں، حتی کہ جماع سے بھی روزہ کھول سکتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس طرح روزہ کھولا ہے۔ ایک مرتبہ رمضان میں ہم ٹورنٹو سے کہیں جا رہے تھے، ظہر کے بعد نکلے تھے اور خیال تھا کہ عصر تک منزل پر پہنچ جائیں گے، مگر راستہ میں جام لگ گیا، افطار کا وقت ہو گیا اور کوئی چیز کھانے پینے کی ساتھ نہیں تھی، میں پان کا تھیلا ہمیشہ ساتھ رکھتا ہوں، میں نے پان لگا کر سب کو دیا، سب نے اس سے افطار کیا۔

[٤٤-] بَابٌ: يُفْطِرُ بِمَا تَيَسَّرَ بِالْمَاءِ وَغَيْرِهِ

[١٩٥٦-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، ثَنَا الشَّيْبَانِيُّ سُلَيْمَانُ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِيْ أَوْفَى، قَالَ: سِرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ صَائِمٌ، فَلَمَّا غَرَبَتِ الشَّمْسُ قَالَ: "انْزِلْ فَاجْدَحْ لَنَا" قَالَ: يَارَسُوْلَ اللهِ! لَوْ أَمْسَيْتَ، قَالَ: "انْزِلْ فَاجْدَحْ لَنَا" قَالَ: يَارَسُوْلَ اللهِ! إِنَّ عَلَيْكَ نَهَارًا، قَالَ: "انْزِلْ فَاجْدَحْ لَنَا" قَالَ: فَنَزَلَ فَجَدَحَ، ثُمَّ قَالَ: "إِذَا رَأَيْتُمُ اللَّيْلَ أَقْبَلَ مِنْ هَاهُنَا، فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ" وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ قِبَلَ الْمَشْرِقِ. [راجع: ١٩٤١]

وضاحت: ترمذی شریف میں ایک حدیث ہے: من وجد تمراً فليفطر عليه، ومن لا فليفطر على الماء: جس کو کھجور میسر ہو وہ کھجور سے افطار کرے اور جس کو کھجور میسر نہ ہو وہ پانی سے افطار کرے، یہ امر وجوب کے لئے نہیں ہے۔ حضرت رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کر کے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے، نبی ﷺ نے ایک سفر میں ستو سے بھی افطار کیا ہے۔

بَابُ تَعْجِيْلِ الإِفْطَارِ

افطار جلدی کرنا

جلدی افطار کرنا مستحب ہے، اس لئے کہ افطار میں تاخیر کرنا صورۃً روزہ میں اضافہ ہے، حقیقۃً تو اضافہ نہیں ہو سکتا، روزہ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور غروب پر ختم ہو جاتا ہے، مگر صورۃً اضافہ ہو سکتا ہے اور شرعی احکام میں صورۃً اضافہ بھی پسندیدہ نہیں، علاوہ ازیں احتیاطاً تاخیر کی جائے گی تو یہ سلسلہ بڑھتا جائے گا، اس لئے تاخیر نہیں کرنی چاہئے، غروب ہوتے

ہی افطار کرلینا چاہئے یہی نبی ﷺ کی سنت ہے۔

[٤٥-] بَابُ تَعْجِيْلِ الإِفْطَارِ

[١٩٥٧-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" لاَيَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوْا الْفِطْرَ"

[١٩٥٨-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ، ثَنَا أَبُوْ بَكْرٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنِ ابْنِ أَبِيْ أَوْفَى، قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي سَفَرٍ فَصَامَ حَتَّى أَمْسَى، قَالَ لِرَجُلٍ:" انْزِلْ فَاجْدَحْ لِيْ" قَالَ: لَوِ انْتَظَرْتَ حَتَّى تُمْسِيَ، قَالَ:"انْزِلْ فَاجْدَحْ لِيْ" إِذَا رَأَيْتَ اللَّيْلَ قَدْ أَقْبَلَ مِنْ هَاهُنَا فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ"[راجع: ١٩٤١]

پہلی حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: لوگ برابر بھلائی میں رہیں گے جب تک افطار میں جلدی کریں گے۔یعنی جب تک لوگ غروب ہوتے ہی افطار کریں گے دین کی اصل شکل باقی رہے گی، پس وہ فائدے میں رہیں گے،اور جب احتیاط کے نام پر تاخیر کرنے لگیں گے تو اصل دین پر عمل نہیں رہے گا، بلکہ نئی بات وجود میں آئے گی اور دین میں نئی بات خیر کا باعث نہیں ہوسکتی۔

بَابٌ: إِذَا أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ، ثُمَّ طَلَعَتِ الشَّمْسُ

رمضان میں روزہ کھول دیا، پھر سورج نظر آیا

یہ سمجھ کر کہ سورج غروب ہوگیا روزہ کھول لیا، پھر سورج بادل سے نکل آیا اور غلطی ظاہر ہوئی تو اس روزہ کی قضا واجب ہے اور امساک یعنی غروب تک کھانے پینے سے رکنا بھی واجب ہے۔

[٤٦-] بَابٌ: إِذَا أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ، ثُمَّ طَلَعَتِ الشَّمْسُ

[١٩٥٩-]حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، ثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِيْ بَكْرٍ، قَالَتْ: أَفْطَرْنَا عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي يَوْمِ غَيْمٍ، ثُمَّ طَلَعَتِ الشَّمْسُ، قِيْلَ لِهِشَامٍ: فَأُمِرُوْا بِالْقَضَاءِ؟ قَالَ: بُدٌّ مِنْ قَضَاءٍ، وَقَالَ مَعْمَرٌ: سَمِعْتُ هِشَامًا: لاَ أَدْرِيْ أَقَضَوْا أَمْ لاَ!

ترجمہ: حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: نبی ﷺ کے زمانہ میں ہم نے ایک ابر آلود دن میں افطار کیا پھر سورج نکل آیا، ہشام سے پوچھا گیا: لوگ قضا کرنے کا حکم دیئے گئے؟ ہشام نے کہا: قضا ضروری ہے،اور معمر کہتے ہیں: میں نے ہشام سے سنا: میں نہیں جانتا کہ لوگوں نے روزہ قضا کیا یا نہیں؟ یعنی حدیث میں اس کا تذکرہ نہیں، مگر قضا ضروری ہے۔

بَابُ صَوْمِ الصِّبْيَانِ

بچوں کا روزہ رکھنا

بچہ اگر سمجھ دار ہے اور روزہ رکھے تو اس کا روزہ صحیح ہے، اور اس کو روزہ کا ثواب ملے گا، اور کوئی بدعنوانی کرے یعنی چپکے سے پانی پی لے تو کوئی گناہ نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شرابی نشے میں دھت لایا گیا، حضرت عمرؓ نے اس کو ڈانٹا، فرمایا: بے ہودے! ہمارے بچے تو روزے سے ہیں اور تو رمضان میں شراب پیتا ہے، پھر آپؓ نے حد جاری فرمائی۔ معلوم ہوا کہ بچے روزہ رکھتے تھے۔

[٤٧-] بَابُ صَوْمِ الصِّبْيَانِ

وَقَالَ عُمَر لِنَشْوَانٍ فِيْ رَمَضَانَ: وَيْلَكَ! وَصِبْيَانُنَا صِيَامٌ! فَضَرَبَهُ.

[١٩٦٠-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، ثنا خَالِدُ بْنُ ذَكْوَانَ، عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ، قَالَتْ: أَرْسَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم غَدَاةَ عَاشُوْرَاءَ إِلٰى قُرَى الْأَنْصَارِ: "مَنْ أَصْبَحَ مُفْطِرًا فَلْيُتِمَّ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ، وَمَنْ أَصْبَحَ صَائِمًا فَلْيَصُمْ" قَالَتْ: فَكُنَّا نَصُوْمُهُ بَعْدُ، وَنُصَوِّمُ صِبْيَانَنَا، وَنَجْعَلُ لَهُمُ اللُّعْبَةَ مِنَ الْعِهْنِ، فَإِذَا بَكَى أَحَدُهُمْ عَلَى الطَّعَامِ أَعْطَيْنَاهُ ذٰلِكَ، حَتَّى يَكُوْنَ عِنْدَ الإِفْطَارِ. قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: الْعِهْنُ: الصُّوْفُ. [راجع: ١٩٢٤]

ترجمہ: حضرت ربیع رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: نبی ﷺ نے عاشوراء (دس محرم) کی صبح کو انصار کے محلوں میں آدمی بھیج کر منادی کرائی: "جس نے صبح ہونے کے بعد کچھ کھا پی لیا ہے وہ اپنا دن پورا کرے یعنی امساک کرے، شام تک کچھ نہ کھائے اور جس نے کچھ نہیں کھایا وہ اب نہ کھائے یعنی روزہ کی نیت کرلے (یہاں تک حدیث کتاب الصوم باب ۲۱ میں گذر چکی ہے) ربیعؓ کہتی ہیں: اس اعلان کے بعد ہم عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے اور اپنے بچوں سے رکھواتے تھے، ہم ان کے لئے اون کی گڑیا بنا لیتے تھے، جب کوئی بچہ کھانے کے لئے روتا تو ہم اس کو وہ دیدیتے (بچہ کھیلنے میں لگ جاتا) یہاں تک کہ افطار کا وقت آجاتا۔

بَابُ الْوِصَالِ

کئی روزے ایک ساتھ رکھنا

صوم وصال: دو یا زیادہ دنوں کو ملا کر روزے رکھنا، رات میں بھی سحر وافطار نہ کرنا۔ جاننا چاہئے کہ حقیقی صوم وصال ممکن

نہیں، اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿ثُمَّ أَتِمُّوْا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ﴾: پھر رات تک روزہ پورا کرو، رات روزہ کا محل نہیں، رات شروع ہوتے ہی روزہ ختم ہوجاتا ہے، پس دو روزوں کو ملانے کی کوئی صورت نہیں، ہاں صورۃً صوم وصال ممکن ہے، مگر نبی ﷺ نے امت اور شریعت کی مصلحت سے صوم وصال سے منع کیا ہے، پس یہ ممانعت ارشادی ہے، اور ممانعت میں امت کی مصلحت رحمةً لهم اور إبقاءً عليهم ہے، دونوں کا ایک مطلب ہے، اور عطف تفسیری ہے، کئی دن کا روزہ امت کے لئے بھاری ہے اس لئے شفقت ومہربانی کے طور پر صوم وصال سے منع کیا، ورنہ فی نفسہ صوم وصال جائز ہے۔

اور شریعت کی مصلحت دین کو تحریف سے بچانا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ کے پانچویں مبحث کے اٹھارہویں باب میں تحریف کے سات اسباب بیان کئے ہیں، ان میں سے دوسرا سبب تعمُّق في الدين ہے، تعمُّق کے لغوی معنی ہیں: کسی چیز کی گہرائی میں پہنچنا۔ اور اصطلاحی معنی ہیں: احکام شرعیہ کو ان کی حدود سے متجاوز کرنا، یعنی شریعت نے جو حکم جتنا دیا ہے اتنا ہی رہنے دیا جائے اس میں مبالغہ کرنا شریعت کو پسند نہیں، اگر لوگ ایسا کریں گے تو دین کی شکل بگڑ جائے گی، علاوہ ازیں پہلے یہ حدیث گذری ہے کہ الدين يُسْرٌ، ولن يُشادَّ الدينَ أحدٌ إلا غَلَبَه (حدیث ۳۹): دین آسان ہے اور جو بھی دین سے مقابلہ کرے گا یعنی احکام میں مبالغہ کرے گا: دین اس کو ہرا دے گا اور صوم وصال ایک طرح کا روزوں میں مبالغہ ہے، اس لئے عام طور پر امت کے حق میں اس کو پسند نہیں کیا گیا۔

[٤٨-] بَابُ الْوِصَالِ

وَمَنْ قَالَ: لَيْسَ فِي اللَّيْلِ صِيَامٌ، لِقَوْلِهِ: ﴿ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ﴾ [البقرة: ١٨٧] ونَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْهُ رَحْمَةً لَهُمْ وَإِبْقَاءً عَلَيْهِمْ، وَمَا يُكْرَهُ مِنَ التَّعَمُّقِ.

[١٩٦١-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا يَحْيىَ، عَنْ شُعْبَةَ، ثَنِيْ قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "لَاتُوَاصِلُوْا" قَالُوْا: إِنَّكَ تُوَاصِلُ! قَالَ: "لَسْتُ كَأَحَدٍ مِنْكُمْ، إِنِّيْ أُطْعَمُ وَأُسْقَى، أَوْ: إِنِّي أَبِيْتُ أُطْعَمُ وَأُسْقَى" [انظر: ٧٢٤١]

[١٩٦٢-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: نَهَى رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْوِصَالِ، قَالُوْا: إِنَّكَ تُوَاصِلُ! قَالَ: "إِنِّيْ لَسْتُ مِثْلَكُمْ، إِنِّي أُطْعَمُ وَأُسْقَى" [راجع: ١٩٢٢]

[١٩٦٣-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، ثَنَا اللَّيْثُ، حَدَّثَنِيْ يَزِيْدُ بْنُ الْهَادِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ خَبَّابٍ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لَاتُوَاصِلُوْا، فَأَيُّكُمْ أَرَادَ أَنْ يُوَاصِلَ فَلْيُوَاصِلْ حَتَّى السَّحَرِ" قَالُوْا: فَإِنَّكَ تُوَاصِلُ يَارَسُوْلَ اللهِ؟! قَالَ: "إِنِّيْ لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ. إِنِّي أَبِيْتُ لِيْ مُطْعِمٌ

يُطْعِمُنِىْ، وَسَاقٍ يَسْقِيْنِىْ"[انظر: ١٩٦٧]

[١٩٦٤-] حدثنا عُثْمَانُ بْنُ أَبِىْ شَيْبَةَ، وَمُحَمَّدٌ، قَالاَ: ثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْوِصَالِ رَحْمَةً لَهُمْ، فَقَالُوْا: إِنَّكَ تُوَاصِلُ، قَالَ: " إِنِّىْ لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ، إِنِّىْ يُطْعِمُنِىْ رَبِّىْ وَيَسْقِيْنِىْ" قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: لَمْ يَذْكُرْ عُثْمَانُ: رَحْمَةً لَهُمْ.

پہلی حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ''صوم وصال مت رکھو'' صحابہ نے عرض کیا: آپؐ تو صوم وصال رکھتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: میں تمہاری طرح نہیں ہوں، میں کھلایا پلایا جاتا ہوں، یا فرمایا: میں اس حال میں رات گذارتا ہوں کہ میں کھلایا پلایا جاتا ہوں۔

تشریح: روحانی کھلانا پلانا مراد ہے، اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، بلکہ مادی کھلانا پلانا بھی اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، پہلے حدیث گذری ہے کہ جو شخص بھول کر کھاپی لے وہ روزہ نہ توڑے کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے کھلایا پلایا ہے اور روحانی کھلانا پلانا کیا ہوتا ہے، اس کی تفصیل تحفۃ الالمعی (۱۵۳:۳) میں ہے۔

تیسری حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: صوم وصال مت رکھو، پس تم میں سے جو صوم وصال رکھے وہ سحر تک رکھے، یعنی سحری میں کچھ کھالے۔

آخری حدیث: عثمان اور محمد روایت کرتے ہیں اور دونوں کی حدیثوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ عثمان کی روایت میں رحمة لهم نہیں ہے اور محمد کی روایت میں ہے۔

بَابُ التَّنْكِيْلِ لِمَنْ أَكْثَرَ الْوِصَالَ

بکثرت صوم وصال رکھنے والے کو عبرتناک سزا دینا

تنکیل کے معنی ہیں: عبرت ناک سزا دینا، چور کی سزا والی آیت میں ہے: ﴿نَكَالاً مِنَ اللّٰهِ﴾ چور کا جو ہاتھ کاٹا جاتا ہے وہ اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا ہے، نبی ﷺ نے صوم وصال سے منع کیا پھر بھی بعض صحابہ نے صوم وصال رکھا آپؐ نے ان کو عبرتناک سزا دینے کا ارادہ کیا چنانچہ آپؐ نے ایک دن روزہ افطار نہیں کیا، انھوں نے بھی افطار نہیں کیا، آپؐ نے دوسرا روزہ ملایا تو انھوں نے بھی ملایا، پھر رمضان کا چاند نظر آ گیا، پس آپؐ نے فرمایا: اگر چاند نظر نہ آتا تو میں مسلسل روزے رکھتا، میں دیکھتا کہاں تک لوگ میرا ساتھ دیتے ہیں، یہ جو آنحضور ﷺ مسلسل روزے رکھتے: یہ لوگوں کے لئے عبرتناک سزا ہوتی، وہ ان کے لئے 'مرن برت' بن جاتا۔

[٤٩-] بَابُ التَّنْكِيْلِ لِمَنْ أَكْثَرَ الْوِصَالَ

رَوَاهُ أَنَسٌ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

[١٩٦٥-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، أَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِيْ أَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْوِصَالِ فِي الصَّوْمِ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ: إِنَّكَ تُوَاصِلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ:" وَأَيُّكُمْ مِثْلِيْ؟ إِنِّيْ أَبِيْتُ يُطْعِمُنِيْ رَبِّيْ وَيَسْقِيْنِيْ" فَلَمَّا أَبَوْا أَنْ يَنْتَهُوْا عَنِ الْوِصَالِ وَاصَلَ بِهِمْ يَوْمًا، ثُمَّ يَوْمًا، ثُمَّ رَأَوُا الْهِلاَلَ، فَقَالَ:" لَوْتَأَخَّرَ لَزِدْتُكُمْ" كَالتَّنْكِيْلِ لَهُمْ حِيْنَ أَبَوْا أَنْ يَنْتَهُوْا.[انظر: ١٩٦٦، ٦٨٥١، ٧٢٤٢، ٧٢٩٩]

[١٩٦٦-] حدثنا يَحيىَ، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ هِمَّامٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" إِيَّاكُمْ وَالْوِصَالَ" مَرَّتَيْنِ قِيْلَ: إِنَّكَ تُوَاصِلُ، قَالَ:" إِنِّيْ أَبِيْتُ يُطْعِمُنِيْ رَبِّيْ وَيَسْقِيْنِيْ، فَاكْلَفُوْا مِنَ الْعَمَلِ مَا تُطِيْقُوْنَ"[راجع: ١٩٦٥]

قولہ: فلما أبوا: پس جب لوگوں نے (عملاً) انکار کیا کہ وہ صوم وصال سے رکیں تو آپؐ نے ان کے ساتھ ایک دن کا صوم وصال رکھا، پھر ایک اور دن کا رکھا، پھر لوگوں نے (رمضان کا) چاند دیکھا، پس آپؐ نے فرمایا: اگر چاند (نظر آنے) میں تاخیر ہوتی تو میں تم کو اور بھی بڑھاتا یعنی اور آگے بھی روزہ رکھتا (یہ فرمایا) ان کو سخت سزا دینے کے طور پر، جب انھوں نے رکنے سے (عملاً) انکار کیا.......... **قولہ: فَاكْلَفُوْا:** اتنے ہی عمل کے ذمہ دار بنو جو تمہارے بس میں ہو۔

بَابُ الْوِصَالِ إِلَى السَّحَرِ

سحری تک صوم وصال رکھنا

سحری تک کچھ نہ کھانا یعنی افطار نہ کرنا: اس میں کچھ حرج نہیں کیونکہ پھر جب سحری کر لی تو صوم وصال نہیں رہا۔

[٥٠-] بَابُ الْوِصَالِ إِلَى السَّحَرِ

[١٩٦٧-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ حَمْزَةَ، ثَنِيْ ابْنُ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ يَزِيْدَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ خَبَّابٍ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ: أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:"لاَ تُوَاصِلُوْا، فَأَيُّكُمْ أَرَادَ أَنْ يُوَاصِلَ فَلْيُوَاصِلْ حَتَّى السَّحَرِ" قَالُوْا: فَإِنَّكَ تُوَاصِلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ:" لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ، إِنِّيْ أَبِيْتُ لِيْ مُطْعِمٌ يُطْعِمُنِيْ وَسَاقٍ يَسْقِيْنِيْ"[راجع: ١٩٦٣]

بَابُ مَنْ أَقْسَمَ عَلٰى أَخِيْهِ لِيُفْطِرَ فِي التَّطَوُّعِ، وَلَمْ يَرَ عَلَيْهِ قَضَاءً، إِذَا كَانَ أَوْفَقَ لَهُ

کسی نے قسم دی کہ نفل روزہ توڑ دے، پس اگر مصلحت ہوتو روزہ توڑ سکتا ہے اور اس کی قضا واجب نہیں

کسی کا نفلی روزہ تھا اس کے یہاں کوئی بے تکلف مہمان آیا، جب اس نے مہمان کے سامنے کھانا پیش کیا تو مہمان نے کھانے کے لئے اصرار کیا اور روزہ توڑنے کی قسم دی تو میزبان روزہ توڑ کر کھا سکتا ہے اور اس روزہ کی قضا واجب نہیں۔ ائمہ ثلاثہ کی بھی یہی رائے ہے، اور احناف کے نزدیک عذر ہو تو نفل روزہ توڑنا جائز ہے، اور اس کی قضا واجب ہے۔

اور اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ نفل عمل شروع کرنے کے بعد بھی نفل رہتا ہے یا اس کو پورا کرنا واجب ہے؟ جمہور کا نقطۂ نظریہ ہے کہ جس طرح پہلے وہ عمل نفل تھا اب بھی نفل ہے، اس کو پورا کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے۔ اور حنفیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ نفل عمل شروع کرنے سے پہلے تو نفل ہے، اس کو شروع کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے مگر شروع کرنے کے بعد واجب ہوجاتا ہے۔ ارشاد پاک ہے: ﴿لَاتُبْطِلُوْا أَعْمَالَكُمْ﴾ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نفل عمل شروع کرنے کے بعد اس کو پورا کرنا ضروری ہے، پس عذر کی وجہ سے نفل روزہ توڑ سکتے ہیں، اور اس کی قضا واجب ہے، اور فرض اور واجب عمل توڑے گا تو لامحالہ اس کو دوبارہ کرے گا، وہی اس کی قضا بن جائے گا۔

[۵۱-] بَابُ مَنْ أَقْسَمَ عَلٰى أَخِيْهِ لِيُفْطِرَ فِي التَّطَوُّعِ، وَلَمْ يَرَ عَلَيْهِ قَضَاءً، إِذَا كَانَ أَوْفَقَ لَهُ

[۱۹۶۸-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ، ثَنَا أَبُو الْعُمَيْسِ، عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِيْ جُحَيْفَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: آخَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بَيْنَ سَلْمَانَ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ، فَزَارَ سَلْمَانُ أَبَا الدَّرْدَاءِ، فَرَأَى أُمَّ الدَّرْدَاءِ مُتَبَذِّلَةً، فَقَالَ لَهَا: مَا شَأْنُكِ؟ قَالَتْ: أَخُوْكَ أَبُو الدَّرْدَاءِ لَيْسَ لَهُ حَاجَةٌ فِي الدُّنْيَا، فَجَاءَ أَبُو الدَّرْدَاءِ فَصَنَعَ لَهُ طَعَامًا، فَقَالَ لَهُ: كُلْ، فَإِنِّيْ صَائِمٌ، قَالَ: مَا أَنَا بِآكِلٍ حَتَّى تَأْكُلَ، فَأَكَلَ، فَلَمَّا كَانَ اللَّيْلُ ذَهَبَ أَبُو الدَّرْدَاءِ يَقُوْمُ، قَالَ: نَمْ، فَنَامَ، ثُمَّ ذَهَبَ يَقُوْمُ، فَقَالَ: نَمْ، فَلَمَّا كَانَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ قَالَ سَلْمَانُ: قُمِ الآنَ، فَصَلَّيَا، فَقَالَ لَهُ سَلْمَانُ: إِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلِأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، فَأَعْطِ كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهُ، فَأَتَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "صَدَقَ سَلْمَانُ" [انظر: ۶۱۳۹]

ترجمہ: ابو جحیفہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہما کے درمیان بھائی چارہ کرایا، پس سلمانؓ ابو الدرداءؓ سے ملنے گئے، پس انھوں نے ام الدرداءؓ کو معمولی کپڑوں میں دیکھا، پس ان سے پوچھا: تمہارا یہ حال کیوں ہے؟ انھوں نے کہا: آپ کے بھائی ابو الدرداءؓ کو دنیا سے کچھ مطلب نہیں! پس ابو الدرداءؓ آئے اور

انھوں نے حضرت سلمانؓ کے لئے کھانا تیار کیا اور ان سے کہا: کھایئے، میرا روزہ ہے، حضرت سلمانؓ نے فرمایا: جب تک آپ نہیں کھائیں گے میں نہیں کھاؤں گا، چنانچہ انھوں نے کھایا یعنی روزہ توڑ دیا (یہاں باب ہے) پس جب رات ہوئی تو حضرت ابوالدرداءؓ (نفلوں کے لئے) کھڑے ہونے لگے، حضرت سلمانؓ نے کہا: سوجاؤ، پس وہ سوگئے (تھوڑی دیر کے بعد) پھر کھڑے ہونے لگے تو سلمانؓ نے کہا: سوتے رہو، پس جب رات کا آخر ہوا تو سلمانؓ نے کہا: اب اٹھو، پس دونوں نے نماز (تہجد) پڑھی، پھر حضرت سلمانؓ نے ابوالدرداءؓ سے کہا: بیشک آپ کے رب کا آپ پر حق ہے اور آپ کے نفس کا آپ پر حق ہے اور آپ کی بیوی کا آپ پر حق ہے، پس آپ ہر صاحبِ حق کو اس کا حق دیں، پھر حضرت ابوالدرداءؓ نبی ﷺ کے پاس آئے اور آپؐ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے ان سے فرمایا: ''سلمانؓ نے صحیح کہا''

تشریح: اس واقعہ میں نبی ﷺ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو روزہ قضا کرنے کا حکم نہیں دیا، معلوم ہوا کہ عذر کی وجہ سے نفل روزہ توڑنا جائز ہے اور اس کی قضا واجب نہیں، مگر عدم ذکر عدم شئ کو مستلزم نہیں، اس لئے بات غور طلب ہے۔

بَابُ صَوْمِ شَعْبَانَ

شعبان کا روزہ

آنحضور ﷺ شعبان میں بکثرت روزے رکھا کرتے تھے، بلکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا تو فرماتی ہیں کہ پورے شعبان اور پورے رمضان کے روزہ رکھتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپؐ اکثر شعبان کے روزے رکھتے تھے یعنی مکمل شعبان کے روزے نہیں رکھتے تھے، یہ تعارض ہے اور حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ نے اس تعارض کو اس طرح حل کیا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ کی حدیث میں مجاز ہے اور حضرت عائشہؓ کی حدیث میں حقیقت۔ نبی ﷺ شعبان کے اکثر دنوں میں روزے رکھتے تھے پورے مہینہ کے روزے نہیں رکھتے تھے، اور اکثر پر کل کا اطلاق کیا جاتا ہے، مزید تفصیل تحفۃ الالمعی (۳:۱۱۰) میں ہے۔

سوال: نبی ﷺ شعبان میں بکثرت روزے کیوں رکھتے تھے؟

جواب: اس کی وجہ کتابوں میں یہ لکھی ہے کہ ازواج مطہرات کے رمضان کے جو روزے رہ جاتے تھے وہ پورے سال قضا نہیں کرتی تھیں، شعبان میں قضا کرتی تھیں، اور ازواج مطہرات نو تھیں اور اقل حیض تین دن ہے، پس نو تیا ستائیس، اس لئے آپ اکثر شعبان کے روزے رکھتے تھے تاکہ سب ازواج اپنے روزے قضا کرلیں۔

مگر یہ وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی، یہ کیوں فرض کیا گیا کہ ہر بیوی کو تین دن حیض آتا تھا؟ پھر جب ایک بیوی کی قضا پوری ہوجاتی تب دوسری قضا شروع کرتی: سب ایک ساتھ قضا کیوں نہیں کرسکتیں؟ سب تین دن میں فارغ ہوجائیں گی!

پس صحیح بات یہ ہے کہ نبی ﷺ جو اکثر شعبان کے روزے رکھتے تھے وہ رمضان کی تیاری کرتے تھے، عورتیں بھی

رمضان کی تیاری کرتی ہیں، آٹا پسوا لیتی ہیں، چاول چن لیتی ہیں، اور یورپ اور امریکہ میں تو رمضان بھر کے سمو سے بنا لیتی ہیں، پس جس طرح رمضان کے لئے مادی تیاری کرتے ہیں روحانی تیاری بھی کرنی چاہئے، آپ غور کریں! جب رمضان شروع ہوتا ہے تو شروع میں روزہ بھاری معلوم ہوتا ہے، پھر ہفتہ عشرہ کے بعد مزہ آنے لگتا ہے۔ شروع میں روزہ بھاری اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عادت نہیں ہوتی، اس لئے رمضان شروع ہونے سے پہلے روحانی تیاری کرنی چاہئے۔ نبی ﷺ شعبان میں جو بکثرت روزے رکھتے تھے وہ رمضان کی روحانی تیاری ہوتی تھی۔

[٥٢-] بَابُ صَوْمِ شَعْبَانَ

[١٩٦٩-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِيْ النَّضْرِ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَصُوْمُ حَتَّى نَقُوْلَ: لَا يُفْطِرُ، وَيُفْطِرُ حَتَّى نَقُوْلَ: لَايَصُوْمُ، وَمَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اسْتَكْمَلَ صِيَامَ شَهْرٍ إِلَّا رَمَضَانَ، وَمَا رَأَيْتُهُ أَكْثَرَ صِيَامًا مِنْهُ فِيْ شَعْبَانَ.[انظر: ١٩٧٠، ٦٤٦٥]

[١٩٧٠-] حدثنا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، ثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ حَدَّثَتْهُ، قَالَتْ: لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَصُوْمُ شَهْرًا أَكْثَرَ مِنْ شَعْبَانَ، فَإِنَّهُ كَانَ يَصُوْمُ شَعْبَانَ كُلَّهُ، وَكَانَ يَقُوْلُ: " خُذُوْا مِنَ الْعَمَلِ مَا تُطِيْقُوْنَ، فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَمَلُّ حَتَّى تَمَلُّوْا" وَأَحَبُّ الصَّلاَةِ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مَادِيْمَ عَلَيْهِ وَإِنْ قَلَّتْ، وَكَانَ إِذَا صَلَّى صَلاَةً دَاوَمَ عَلَيْهَا.[راجع: ١٩٦٩]

وضاحت: نبی ﷺ کا نفل روزوں کے بارے میں کوئی بندھا ٹکا معمول نہیں تھا، آپ کبھی مسلسل روزے رکھتے، یہاں تک کہ خیال کیا جاتا کہ آپؐ اب روزے نہیں چھوڑیں گے، اور کبھی آپؐ اتنا عرصہ روزے نہیں رکھتے تھے کہ خیال کیا جاتا کہ اب آپ روزے نہیں رکھیں گے، البتہ رمضان کے علاوہ کسی پورے مہینہ کے روزے آپؐ نہیں رکھتے تھے اور سب سے زیادہ روزے آپؐ شعبان میں رکھتے تھے............ **قولہ: فإنه كان يصوم شعبان كلّه:** یہ مجاز ہے، عرب اکثر پر کل کا اطلاق کر دیتے ہیں اور بعض روایت میں إلا قليلا بھی آیا ہے أي يصوم شعبان كله إلا قليلا۔

قولہ: خذوا من العمل ما تطيقون: تم انہی اعمال کو لازم پکڑو جن کو تم نباہ سکو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک ملول (رنجیدہ) نہیں ہوتے جب تک تم ملول نہ ہو جاؤ، بندہ کا رنجیدہ ہونا یہ ہے کہ وہ تھک ہار کر بیٹھ جائے اور عمل چھوڑ دے اور اللہ کا رنجیدہ ہونا مشاکلۃً ہے، اللہ کا رنجیدہ ہونا یہ ہے کہ ثواب دینا بند کر دیں (تحفۃ القاری ۱: ۲۷۰)

قولہ: وَأَحَبُّ الصلاة: آنحضور ﷺ کو سب سے زیادہ پسند وہ نفل نماز تھی جس پر آدمی مداومت کرے، جب بندہ معین وقت پر عبادت کرتا ہے تو اللہ کو اس کا انتظار رہتا ہے، اس لئے پابندی کے ساتھ عمل کرنا چاہئے، اگرچہ تھوڑا ہو، چنانچہ

نبی ﷺ جب کوئی نفل عمل شروع کرتے تو پابندی سے کرتے، مزید وضاحت تحفۃ القاری (۱:۲۶۹) میں ہے۔

بَابُ مَا يُذْكَرُ مِنْ صَوْمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِفْطَارِهِ

نبی ﷺ کا نفل روزے رکھنے کا معمول

نبی ﷺ کا نفل روزوں کے سلسلہ میں کوئی بندھا ٹکا معمول نہیں تھا، کبھی آپؐ مسلسل روزے رکھتے تھے اور کبھی بہت دنوں تک نہیں رکھتے تھے۔

[۵۳-] بَابُ مَا يُذْكَرُ مِنْ صَوْمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِفْطَارِهِ

[۱۹۷۱-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ أَبِيْ بِشْرٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: مَاصَامَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم شَهْرًا كَامِلاً قَطُّ غَيْرَ رَمَضَانَ، وَيَصُوْمُ حَتَّى يَقُوْلَ الْقَائِلُ: لَا، وَاللّٰهِ! لَا يُفْطِرُ، وَيُفْطِرُ حَتَّى يَقُوْلَ الْقَائِلُ: لَا، وَاللّٰهِ! لَا يَصُوْمُ.

[۱۹۷۲-] حدثنا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسًا يَقُوْلُ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُفْطِرُ مِنَ الشَّهْرِ حَتَّى نَظُنَّ أَنْ لَايَصُوْمَ مِنْهُ، وَيَصُوْمُ حَتَّى نَظُنَّ أَنْ لَا يُفْطِرَ مِنْهُ شَيْئًا، وَكَانَ لَا تَشَاءُ تَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ مُصَلِّيًا إِلَّا رَأَيْتَهُ، وَلَا نَائِمًا إِلَّا رَأَيْتَهُ. وَقَالَ سُلَيْمَانُ، عَنْ حُمَيْدٍ: أَنَّهُ سَأَلَ أَنَسًا فِي الصَّوْمِ. [راجع: ۱۱۴۱]

[۱۹۷۳-] حدثنا مُحَمَّدٌ، أَنَا أَبُوْ خَالِدٍ الْأَحْمَرُ، أَنَا حُمَيْدٌ، قَالَ: سَأَلْتُ أَنَسًا عَنْ صِيَامِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: مَا كُنْتُ أُحِبُّ أَنْ أَرَاهُ مِنَ الشَّهْرِ صَائِمًا إِلَّا رَأَيْتُهُ، وَلَا مُفْطِرًا إِلَّا رَأَيْتُهُ، وَلَا مِنَ اللَّيْلِ قَائِمًا إِلَّا رَأَيْتُهُ، وَلَا نَائِمًا إِلَّا رَأَيْتُهُ. وَلَا مَسِسْتُ خَزَّةً وَلَا حَرِيْرَةً أَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَلَا شَمِمْتُ مِسْكَةً وَلَا عَنْبَرَةً أَطْيَبَ رَائِحَةً مِنْ رَائِحَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم. [راجع: ۱۱۴۱]

حدیث (۱): ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نبی ﷺ نے رمضان کے علاوہ کسی پورے مہینہ کے روزے نہیں رکھے، اور آپؐ (نفل) روزہ رکھتے تھے یہاں تک کہ کہنے والا کہتا یعنی سوچتا: نہیں، بخدا! آپ روزے رکھنا بند نہیں کریں گے، اور آپؐ روزے بند کردیتے تھے، یہاں تک کہ کہنے والا کہتا: نہیں، بخدا! اب آپؐ روزے نہیں رکھیں گے۔

حدیث (۲): انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کسی ماہ (نفل) روزے نہیں رکھتے تھے یہاں تک کہ ہم گمان کرتے کہ آپؐ اس ماہ کا روزہ نہیں رکھیں گے، اور کسی مہینہ میں روزے رکھتے تھے یہاں تک کہ ہم گمان کرتے کہ آپؐ

اس ماہ کا کوئی روزہ نہیں چھوڑیں گے، اور آپ رات کے جس حصہ میں چاہیں آپ کو (تہجد کی) نماز پڑھتا ہوا دیکھ سکتے تھے، اور سوتا ہوا دیکھنا چاہیں تو بھی دیکھ سکتے تھے (اور سلیمان کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ: حمید طویل نے حضرت انس ؓ سے (نفل) روزوں کے بارے میں پوچھا۔ یہ سلیمان کون ہیں؟ حافظ رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ یہ ابوخالد احمر ہیں، ان کا نام سلیمان بن حبان ہے، ان کی مفصل روایت اگلے نمبر پر آرہی ہے، پس پہلے (تحفۃ القاری ۳: ۴۶۴) جو تابعه سليمان و أبو خالد الأحمر آیا ہے، اس میں واؤ زائد ہے)

حدیث (۳): حمید رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کے (نفل) روزوں کے بارے میں پوچھا (کہ آپ کا معمول کیا تھا؟) پس حضرت انس ؓ نے کہا: نہیں پسند کیا کرتا تھا میں کہ دیکھوں آپ کو کسی مہینہ میں روزہ سے مگر میں آپ کو دیکھتا تھا، اور نہ بے روزہ مگر میں آپ کو دیکھتا تھا یعنی آپ ؐ نے ہر مہینہ کے ہر دن میں نفل روزہ رکھا بھی ہے اور نہیں بھی رکھا۔ اور نہ رات میں (تہجد کی) نماز پڑھتے ہوئے مگر میں آپ کو دیکھتا تھا، اور نہ سویا ہوا، مگر میں آپ کو دیکھتا تھا یعنی آپ ؐ نے رات کے ہر حصہ میں تہجد پڑھا ہے، جب بھی آنکھ کھل جاتی آپ ؐ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے، اور نہیں چھویا میں نے کوئی رواں اور نہ کوئی ریشم زیادہ نرم رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے (خَزَّة: ایک جانور کی کھال ہے، جس کے روئیں بڑے نرم ہوتے ہیں) اور نہیں سونگھی میں نے کوئی مشک اور نہ کوئی عنبر زیادہ خوشبو دار رسول اللہ ﷺ کی خوشبو سے یعنی آپ ؐ کا دست مبارک پشمینہ اور ریشم سے زیادہ نرم تھا، اور بدن سے جو خوشبو مہکتی تھی وہ مشک و عنبر کی خوشبو سے زیادہ شاندار تھی۔

بَابُ حَقِّ الضَّيْفِ فِي الصَّوْمِ

نفل روزوں میں مہمان کا حق

کوئی مہمان آیا تو اس دن میزبان کو روزہ نہیں رکھنا چاہئے، یہ مہمان کا حق ہے، نبی ﷺ نے ایک طویل حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا ہے: **إن لِزَوْرِكَ عليك حقًّا**: بے شک تمہارے مہمان کا تم پر حق ہے، وہ حق یہی ہے کہ جس دن گھر میں مہمان ہو نفل روزہ نہ رکھے۔

[٥٤-] بَابُ حَقِّ الضَّيْفِ فِي الصَّوْمِ

[١٩٧٤-] حدثنا إِسْحَاقُ، أَنَا هَارُوْنُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ، ثنا يَحْيى، ثَنِي أَبُوْ سَلَمَةَ، ثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، قَالَ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ، يَعْنِيْ: "إِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا" فَقُلْتُ: وَمَا صَوْمُ دَاوُدَ؟ قَالَ: "نِصْفُ الدَّهْرِ"

[راجع: ١١٣١]

بَابُ حَقِّ الْجِسْمِ فِی الصَّوْمِ

روزے میں جسم کا حق

انسان پر جہاں اور حقوق ہیں، جسم کا بھی حق ہے، پس جسم کے حق کی رعایت کے ساتھ نفلی روزے رکھنے چاہئیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور رات بھر نفلیں پڑھتے تھے، جب نبی ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو پہلے آپؐ نے ان سے اس کی تصدیق چاہی، انھوں نے اقرار کیا پس آپؐ نے فرمایا: ایسا مت کرو، کبھی روزہ رکھو کبھی بے روزہ رہو، اور رات میں سوؤ بھی اور نفلیں بھی پڑھو، اس لئے کہ تم پر تمہارے جسم کا بھی حق ہے، تمہاری آنکھوں کا بھی حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی حق ہے اور تمہارے مہمانوں کا بھی حق ہے، سب کے حقوق ادا کرو، پھر فرمایا: ہر مہینہ میں تین روزے رکھو، شریعت کا ضابطہ ہے: نیکی کا ثواب دس گنا ملتا ہے، پس جس نے ہر ماہ تین روزے رکھے اس نے گویا زندگی بھر روزے رکھے۔ حضرت عبداللہؓ کہتے ہیں: پس میں نے سختی کی تو مجھ پر سختی کی گئی، حضرت عبداللہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں زیادہ روزوں کی طاقت رکھتا ہوں، پس آپؐ نے صوم داؤدی کی اجازت دی یعنی ایک دن روزہ رکھو، ایک دن افطار کرو، مگر بعد میں حضرت عبداللہؓ پچھتاتے تھے، بڑھاپے میں اس معمول کو بناہنا مشکل ہوگیا، مزید تفصیل کتاب الصلوٰۃ باب ۲۰ (تحفۃ القاری ۳: ۴۸۱) میں ہے۔

[۵۵-] بَابُ حَقِّ الْجِسْمِ فِی الصَّوْمِ

[۱۹۷۵-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ، أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، أَنَا الْأَوْزَاعِیُّ، ثَنِیْ یَحْیَی بْنُ أَبِیْ کَثِیْرٍ، ثَنِیْ أَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، ثَنِیْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: "یَا عَبْدَ اللّٰهِ! أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَصُوْمُ النَّهَارَ وَتَقُوْمُ اللَّیْلَ؟" فَقُلْتُ: بَلٰی، یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: فَلَا تَفْعَلْ، صُمْ وَأَفْطِرْ، وَقُمْ وَنَمْ، فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَیْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِعَیْنَیْكَ عَلَیْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَیْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَیْكَ حَقًّا، وَإِنَّ بِحَسْبِكَ أَنْ تَصُوْمَ مِنْ کُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَیَّامٍ، فَإِنَّ لَكَ بِکُلِّ حَسَنَةٍ عَشْرَ أَمْثَالِهَا، فَإِذَنْ ذٰلِكَ صِیَامُ الدَّهْرِ کُلِّهِ" فَشَدَّدْتُ عَلَیْهِ فَشُدِّدَ عَلَیَّ، قُلْتُ: یَارسولَ اللّٰهِ! إِنِّیْ أَجِدُ قُوَّةً، قَالَ:" فَصُمْ صِیَامَ نَبِیِّ اللّٰهِ دَاوُدَ، وَلَا تَزِدْ عَلَیْهِ" قُلْتُ: وَمَا کَانَ صِیَامُ نَبِیِّ اللّٰهِ دَاوُدَ؟ قَالَ:" نِصْفُ الدَّهْرِ" قَالَ: وَکَانَ عَبْدُ اللّٰهِ یَقُوْلُ بَعْدَ مَا کَبِرَ: یَا لَیْتَنِیْ قَبِلْتُ رُخْصَةَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم.

[راجع: ۱۱۳۱]

قوله: وإن بِحَسْبِكَ: بے شک تمہارے لئے یہ بات کافی ہے کہ ہر ماہ تین روزے رکھو (إن کے اسم پر باء زائدہ ہے)

بَابُ صَوْمِ الدَّهْرِ

ہمیشہ روزے رکھنا

حقیقی صوم الدہر یہ ہے کہ پورے سال کے روزے رکھے، ان پانچ دنوں کے بھی رکھے جن میں روزے حرام ہیں، ایسا صوم الدہر مکروہ ہے، اور اگر ممنوع پانچ دنوں کو چھوڑ کر باقی دنوں کے روزے رکھے تو یہ صورت جائز ہے، مگر ایسا صوم الدہر شریعت کو پسند نہیں، کیونکہ ایسا روزہ دو حال سے خالی نہیں، یا تو وہ روزہ دار کو کمزور کرے گا یا صبح سے پہلے اور غروب کے بعد کھانے کی عادت بن جائے گی، پس روزہ بے فائدہ ہوگا، اس لئے نبی ﷺ نے ایسے صوم الدہر کو پسند نہیں فرمایا۔

اور حکمی صوم الدہر کی ایک صورت صوم داؤدی ہے یعنی ایک دن روزہ رکھے، ایک دن نہ رکھے۔ آنحضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو اس کی اجازت دی تھی، اور آپؐ نے اس کو پسند بھی فرمایا ہے، کیونکہ اس طرح روزہ رکھنے میں نہ بھوکا رہنے کی عادت ہوتی ہے نہ روزے سے کمزوری آتی ہے، علاوہ ازیں حکمی صوم الدہر کی اور بھی صورتیں ہیں، مثلاً: ہر ماہ تین روزے رکھنا بھی صوم الدہر کی ایک شکل ہے، کیونکہ ثواب دس گنا ملتا ہے، پس تین کو دس میں ضرب دیں گے تو تیس روزوں کا ثواب مل جائے گا اور حکماً صوم الدہر ہو جائے گا۔

[٥٦-] بَابُ صَوْمِ الدَّهْرِ

[١٩٧٦-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، أَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، وَأَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو قَالَ: أُخْبِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنِّيْ أَقُوْلُ: وَاللّٰهِ لَأَصُوْمَنَّ النَّهَارَ وَلَأَقُوْمَنَّ اللَّيْلَ مَا عِشْتُ! فَقُلْتُ لَهُ: قَدْ قُلْتُهُ بَأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ! قَالَ:" فَإِنَّكَ لاَتَسْتَطِيْعُ ذٰلِكَ، فَصُمْ وَأَفْطِرْ، وَقُمْ وَنَمْ، وَصُمْ مِنَ الشَّهْرِ ثَلاَ ثَةَ أَيَّامٍ، فَإِنَّ الْحَسَنَةَ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، وَذٰلِكَ مِثْلُ صِيَامِ الدَّهْرِ" قُلْتُ: إِنِّيْ أُطِيْقُ أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ، قَالَ:" فَصُمْ يَوْمًا وَأَفْطِرْ يَوْمَيْنِ" قُلْتُ: إِنِّيْ أُطِيْقُ أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ، قَالَ:" فَصُمْ يَوْمًا وَأَفْطِرْ يَوْمًا، فَذٰلِكَ صِيَامُ دَاوُدَ وَهُوَ أَفْضَلُ الصِّيَامِ" فَقُلْتُ: إِنِّيْ أُطِيْقُ أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم:" لاَ أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ"[راجع: ١١٣١]

بَابُ حَقِّ الْأَهْلِ فِي الصَّوْمِ

روزے میں بیوی کا حق

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ بیوی کے حق کی رعایت کر کے نفلی روزے رکھنے چاہئیں، اتنے روزے رکھنا کہ بیوی کے کام کا نہ رہے، ٹھیک نہیں۔

[۵۷-] بَابُ حَقِّ الْأَهْلِ فِی الصَّوْمِ

رَوَاهُ أَبُوْ جُحَيْفَةَ، عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم.

[۱۹۷۷-] حدثنا عَمْرُو بْنُ عَلِیٍّ، ثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عَطَاءً، أَنَّ أَبَا الْعَبَّاسِ الشَّاعِرَ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو، بَلَغَ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم: أَنِّیْ أَسْرُدُ الصَّوْمَ، وَأُصَلِّی اللَّيْلَ، فَإِمَّا أَرْسَلَ إِلَیَّ وَإِمَّا لَقِيْتُهُ، فَقَالَ: "أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَصُوْمُ وَلَا تُفْطِرُ، وَتُصَلِّیْ وَلَا تَنَامُ؟ فَصُمْ وَأَفْطِرْ، وَقُمْ وَنَمْ، فَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِنَفْسِكَ وَأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا" قَالَ: إِنِّیْ لَأَقْوَی لِذٰلِكَ، قَالَ: "فَصُمْ صِيَامَ دَاوُدَ" قَالَ: قَالَ: فَكَيْفَ؟ قَالَ: "كَانَ يَصُوْمُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا، وَلَا يَفِرُّ إِذَا لَاقَی" قَالَ: مَنْ لِیْ بِهٰذِهِ يَا نَبِیَّ اللّٰهِ؟ قَالَ عَطَاءٌ: لَا أَدْرِیْ كَيْفَ ذَكَرَ صِيَامَ الْأَبَدِ؟ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم: "لَا صَامَ مَنْ صَامَ الْأَبَدَ" مَرَّتَيْنِ. [راجع: ۱۱۳۱]

وضاحت: یہ حدیث مختصراً پہلے (تحفۃ القاری ۳: ۴۸۱) گذری ہے۔ عبداللہؓ کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ میں ہمیشہ روزہ رکھتا ہوں اور رات میں نفلیں پڑھتا ہوں، پس یا تو آپؐ نے مجھے آدمی بھیج کر بلایا یا میں نے آپؐ سے ملاقات کی (یہ واقعہ کے متعلقات کا اختلاف ہے)

قولہ: إنی لَأَقْوَی لذلك: میرے اندر اس سے زیادہ کی طاقت ہے (قَوِیَ یَقْوٰی (س) قُوَّۃً: کام کی طاقت رکھنا، قادر ہونا)

قولہ: ولایَفِرُّ إِذَا لاقیٰ: حضرت داؤد علیہ السلام جب دشمن کے مقابل ہوتے تھے تو بھاگتے نہیں تھے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ صوم داؤدی سے کمزوری نہیں آتی .... **قولہ: مَن لی بھذہ یانبی اللہ؟** یہ محاورہ ہے، لفظی ترجمہ ہے: کون ذمہ دار ہے، میرے لئے اس کا اے اللہ کے نبی، یعنی دشمن کے مقابلہ میں ڈٹ جانا اور نہ بھاگنا بڑوں ہی کا حصہ ہے، میرا یہ نصیب کہاں! .... **قولہ: لا أدری کیف**: حضرت عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ روزہ رکھنے کو ناپسند کیا اور اس کے لئے کیا جملہ ارشاد فرمایا: یہ مجھے یاد نہیں رہا، غالباً یہ فرمایا کہ "جس نے ہمیشہ روزہ رکھا اس نے کیا خاک روزہ رکھا!" جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہے اس کی صبح سے پہلے اور غروب کے بعد کھانے کی عادت ہوجاتی ہے درمیان میں اسے بھوک نہیں لگتی، پس روزہ کی مشقت اس کو حاصل نہیں ہوتی، اس لئے ایسے روزہ کا کچھ فائدہ نہیں۔

بَابُ صَوْمِ يَوْمٍ وَإِفْطَارِ يَوْمٍ، وَبَابُ صَوْمِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن نہ رکھنا، حضرت داؤد علیہ السلام اس طرح روزہ رکھتے تھے

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہؓ سے فرمایا کہ ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن مت رکھو۔ حضرت داؤد علیہ السلام اسی

طرح روزہ رکھتے تھے اور آپؐ نے اس روزہ کو پسند فرمایا۔ اسی طرح حضرت عبداللہؓ روز ایک قرآن ختم کرتے تھے، نبی ﷺ نے پہلے ان کو ایک ماہ میں ایک قرآن ختم کرنے کا حکم دیا، پھر جب حضرت عبداللہؓ نے اصرار کیا تو تین دن میں ختم کرنے کے لئے فرمایا۔

[۵۸-] بَابُ صَوْمِ يَوْمٍ وَإِفْطَارِ يَوْمٍ

[۱۹۷۸-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا غُنْدَرٌ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْمُغِيْرَةِ، قَالَ: سَمِعْتُ مُجَاهِدًا، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "صُمْ مِنَ الشَّهْرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ" قَالَ: أُطِيْقُ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ، فَمَا زَالَ حَتّٰى قَالَ: "صُمْ يَوْمًا وَأَفْطِرْ يَوْمًا" قَالَ: "اقْرَأِ الْقُرْآنَ فِيْ كُلِّ شَهْرٍ" قَالَ: إِنِّيْ أُطِيْقُ أَكْثَرَ، فَمَا زَالَ حَتّٰى قَالَ: "فِيْ ثَلَاثٍ" [راجع: ۱۱۳۱]

[۵۹-] بَابُ صَوْمِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

[۱۹۷۹-] حدثنا آدَمُ، ثَنَا شُعْبَةُ، ثَنَا حَبِيْبُ بْنُ أَبِيْ ثَابِتٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الْعَبَّاسِ الْمَكِّيَّ — وَكَانَ شَاعِرًا، وَكَانَ لَا يُتَّهَمُ فِيْ حَدِيْثِهِ — قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، قَالَ: قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "إِنَّكَ لَتَصُوْمُ الدَّهْرَ، وَتَقُوْمُ اللَّيْلَ؟" فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَقَالَ: "إِنَّكَ إِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ هَجَمَتْ لَهُ الْعَيْنُ، وَنَفِهَتْ لَهُ النَّفْسُ، لَا صَامَ مَنْ صَامَ الدَّهْرَ، صَوْمُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهِ" قُلْتُ: فَإِنِّيْ أُطِيْقُ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ، قَالَ: "فَصُمْ صَوْمَ دَاوُدَ، وَكَانَ يَصُوْمُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا، وَلَا يَفِرُّ إِذَا لَاقٰى" [راجع: ۱۱۳۱]

وضاحت: ابوالعباس مکی نابینا تھے اور شاعر تھے اور شاعر عام طور پر جھوٹے ہوتے ہیں، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے یا حبیب نے ان کی توثیق کی کہ ابوالعباس شاعر ضرور تھے، مگر جھوٹ نہیں بولتے تھے، حدیث میں قابل اعتماد تھے۔

قولہ: إنك إذا فعلت ذلك: اگر تم ایسا کروگے تو اس کی وجہ سے آنکھیں دھنس جائیں گی، اور طبیعت سست پڑ جائے گی، یعنی جب رات بھر نفلیں پڑھوگے اور آنکھیں مل کر نیند اڑاؤگے تو آنکھیں دھنس جائیں گی، دیکھنے میں بھی بری معلوم ہونگی اور روشنی پر بھی اثر پڑے گا اور زیادہ دنوں تک اس معمول کو نباہ نہیں سکوگے، پس اعتدال سے کام لو۔

[۱۹۸۰-] حدثنا إِسْحَاقُ الْوَاسِطِيُّ، أَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ أَبِيْ قِلَابَةَ، أَخْبَرَنِيْ أَبُو الْمَلِيْحِ، قَالَ: دَخَلْتُ مَعَ أَبِيْكَ عَلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، فَحَدَّثَنَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ذُكِرَ لَهُ صَوْمِيْ، فَدَخَلَ عَلَيَّ، فَأَلْقَيْتُ لَهُ وِسَادَةً مِنْ أَدَمٍ، حَشْوُهَا لِيْفٌ، فَجَلَسَ عَلَى الْأَرْضِ، وَصَارَتِ

الْوِسَادَةُ بَيْنِیْ وَبَيْنَهُ، فَقَالَ: " أَمَا يَكْفِيْكَ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلاَ ثَةُ أَيَّامٍ؟" قَالَ: قُلْتُ: يَارسولَ اللّٰهِ! قَالَ: "خَمْسًا" قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ:" سَبْعًا" قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ:" تِسْعًا" قُلْتُ: يَارسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ:" إِحْدَى عَشْرَةَ" ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم:" لاَصَوْمَ فَوْقَ صَوْمِ دَاوُدَ، شَطْرُ الدَّهْرِ، صُمْ يَوْمًا وَأَفْطِرْ يَوْمًا"[راجع: ۱۱۳۱]

وضاحت: ابوالملیح: ابوقلابہ کے ابا کے ساتھ جن کا نام زید تھا حضرت عبداللہؓ کے پاس گئے .... میں نے آپؐ کے لئے چمڑے کا گدہ بچھایا، جس میں کھجور کی چھال کا برادہ بھرا ہوا تھا .... آپؐ نیچے بیٹھے، گدہ درمیان میں پڑا رہا .... قلت: یارسول اللہ! میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یعنی کچھ اور اجازت دیجئے، قلتُ: یارسولَ اللّٰهِ! زِدْنِیْ ......

شطر الدھر: اگر مستقل جملہ ہے تو مرفوع ہے، اور صُمْ کا مفعول ہے تو منصوب ہے۔

بَابُ صِيَامِ الْبِيْضِ: ثَلاَثَ عَشْرَةَ، وَأَرْبَعَ عَشْرَةَ، وَخَمْسَ عَشْرَةَ

ایام بیض: ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخوں کے روزے

اللیلةُ البیضاء: روشن رات جس میں اول سے آخر تک چاند نکلا ہوا ہو۔ ہر ماہ تین روزے رکھنا مستحب ہے، اور یہ بھی صوم الدہر کی ایک شکل ہے۔ الحسنةُ بعشرة أمثالها کے قاعدہ سے تین روزے تیس روزے ہوجائیں گے، پس ہر ماہ تین روزے رکھنے والا حکماً صائم الدہر ہے، اور اولیٰ یہ ہے کہ ایام بیض یعنی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخوں کے روزے رکھے، نبی ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ایام بیض کے روزے رکھنے کے لئے فرمایا ہے (ترمذی حدیث ۷۵۲) مگر وہ حدیث بخاری میں لانے کے قابل نہیں تھی، اس لئے حضرت رحمہ اللہ نے باب میں ایام بیض کی تخصیص کرکے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔

[۶۰-] بَابُ صِيَامِ الْبِيْضِ: ثَلاَثَ عَشْرَةَ، وَأَرْبَعَ عَشْرَةَ، وَخَمْسَ عَشْرَةَ

[۱۹۸۱-] حدثنا أَبُوْ مَعْمَرٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، حَدَّثَنَا أَبُوْ التَّيَّاحِ، قَالَ: حَدَّثَنِیْ أَبُوْ عُثْمَانَ، عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: أَوْصَانِیْ خَلِيْلِیْ صلى الله عليه وسلم بِثَلاَثٍ: صِيَامِ ثَلاَثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ، وَرَكْعَتِیِ الضُّحٰى، وَأَنْ أُوْتِرَ قَبْلَ أَنْ أَنَامَ. [راجع: ۱۱۷۸]

ترجمہ: میرے دوست ﷺ نے مجھے تین باتوں کی وصیت (تاکید) کی ہے: ہر ماہ تین دن کے روزوں کی، اور چاشت کے دوگانہ کی، اور سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی (پس مہینہ کی کسی بھی تاریخوں کے روزے رکھیں: وصیت پر عمل ہوجائے گا مگر بہتر یہ ہے کہ ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ کے روزے رکھے جائیں)

بَابُ مَنْ زَارَ قَوْمًا فَلَمْ يُفْطِرْ عِنْدَهُمْ

جو کسی کے یہاں مہمان گیا، اور اس نے وہاں روزہ نہیں توڑا

ایک شخص کسی کا مہمان بنا اور اس کا نفل روزہ ہے، میزبان نے کھانا پیش کیا اس نے معذرت کی کہ میرا روزہ ہے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ آنحضور ﷺ ایک مرتبہ حضرت ام سلیمؓ کے گھر تشریف لے گئے انھوں نے گھی اور کھجوریں پیش کیں، آپؐ نے فرمایا: گھی کپّی میں پھیر دو اور کھجوریں تھیلے میں ڈال دو، میرا روزہ ہے۔ پھر آپؐ نے گھر کے ایک کونے میں برکت کے لئے دو نفلیں پڑھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نانی ملیکہؓ نے بھی دعوت کی تھی اس وقت بھی آپؐ نے گھر میں دو نفلیں پڑھی تھیں، وہ اور یہ الگ الگ واقعے ہیں۔

[٦١-] بَابُ مَنْ زَارَ قَوْمًا فَلَمْ يُفْطِرْ عِنْدَهُمْ

[١٩٨٢-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، ثَنِيْ خَالِدٌ، هُوَ ابْنُ الْحَارِثِ، ثَنَا حُمَيْدٌ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: دَخَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَلَى أُمِّ سُلَيْمٍ، فَأَتَتْهُ بِتَمْرٍ وَسَمْنٍ، فَقَالَ:" أَعِيْدُوْا سَمْنَكُمْ فِيْ سِقَائِهِ، وَتَمْرَكُمْ فِيْ وِعَائِهِ، فَإِنِّيْ صَائِمٌ" ثُمَّ قَامَ إِلَى نَاحِيَةٍ مِنَ الْبَيْتِ، فَصَلَّى غَيْرَ الْمَكْتُوْبَةِ، فَدَعَا لِأُمِّ سُلَيْمٍ وَأَهْلِ بَيْتِهَا، فَقَالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ: يَارَسُوْلَ اللهِ! إِنَّ لِيْ خُوَيْصَّةً، قَالَ:" مَا هِيَ؟" قَالَتْ: خَادِمُكَ أَنَسٌ! فَمَا تَرَكَ خَيْرَ آخِرَةٍ وَلاَ دُنْيَا إِلَّا دَعَا لِيْ بِهِ، قَالَ:" اللّٰهُمَّ ارْزُقْهُ مَالاً وَوَلَدًا وَبَارِكْ لَهُ" فَإِنِّيْ لَمِنْ أَكْثَرِ الْأَنْصَارِ مَالاً، وَحَدَّثَتْنِيْ ابْنَتِيْ أُمَيْنَةُ أَنَّهُ دُفِنَ لِصُلْبِيْ مَقْدَمَ الْحَجَّاجِ الْبَصْرَةَ بِضْعٌ وَعِشْرُوْنَ وَمِائَةٌ.

وَقَالَ ابْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ: أَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوْبَ، ثَنِيْ حُمَيْدٌ: سَمِعَ أَنَسًا، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

[انظر: ٦٣٣٤، ٦٣٤٤، ٦٣٧٨، ٦٣٨٠]

قوله: أعيدوا سمنكم: لوٹا دو تم تمہارا گھی اس کے مشکیزے (کپی) میں اور کھجور اس کے برتن (تھیلے) میں، یعنی دسترخوان اٹھالو، میرا روزہ ہے۔

قوله: إن لي خُوَيْصَّةً: میں ایک چھوٹی سی خاص دعا چاہتی ہوں، آپؐ نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ ام سلیمؓ نے عرض کیا: آپ کا خادم انس! یعنی انسؓ کے لئے دعا فرما دیجئے، پس آپؐ نے دنیا و آخرت کی کوئی بھلائی نہیں چھوڑی، مگر میرے لئے اس کی دعا فرمائی، آپؐ نے فرمایا: اللّٰهم اغفر له (یہ ٹکڑا دوسری جگہ ہے) وارزقه مالاً وولداً، وبارك له: اے اللہ! انس کی مغفرت فرما (اس میں آخرت کی سب بھلائیاں آگئیں) اور اس کو مال اور اولاد عطا فرما اور اس کے لئے برکت فرما۔ چنانچہ میں انصار میں سب سے زیادہ مال (جائداد) والا ہوں اور مجھ سے میری بیٹی اُمینہ نے بیان کیا کہ حجاج کے (گورنر بن کر)

بصرہ آنے تک میری ایک سوبیس سے زیادہ صلبی اولاد دفن ہوچکی ہے۔

تشریح: حضرت انس رضی اللہ عنہ آنحضور ﷺ کے بعد بصرہ چلے گئے تھے، وہاں زاویہ (گاؤں کا نام) میں مقیم تھے، آپؓ کثیر المال اور کثیر العیال تھے، سن ۷۵ ہجری میں جب حجاج بصرہ کا گورنر بن کر آیا ہے اس سے پہلے تک آپؓ کی ایک سو بیس سے زیادہ صلبی اولاد انتقال کرچکی تھی، اور معلوم نہیں کتنی زندہ تھی۔ وہ باندیوں کا دور تھا اور باندیوں میں کوئی تحدید نہیں ہوتی، جتنی چاہیں رکھ سکتے ہیں اور آپؓ کے باغ میں سال میں دومرتبہ پھل آتا تھا، یہ دعائے نبوی کی برکت تھی۔ آپؓ کا انتقال ۹۳ ہجری میں سو سال سے زیادہ عمر میں ہوا ہے، حجاج کی آمد کے بعد اٹھارہ سال آپؓ زندہ رہے ہیں، اس زمانہ میں معلوم نہیں آپؓ کی کتنی اولاد ہوئی ہوگی۔

لغت: خُوَيْصَّة: خاصَّة کی تصغیر ہے، خَاصَّةُ الشَّيْئِ: اپنے لئے خاص کی ہوئی چیز (اس میں دو ساکنوں کا اجتماع معاف رکھا گیا ہے)

بَابُ الصَّوْمِ مِنْ آخِرِ الشَّهْرِ

مہینہ کے آخر میں روزہ رکھنا

ہر ماہ تین روزے رکھنا مستحب ہے اور وہ مہینہ کے شروع میں، ایام بیض میں، مہینہ کے آخر میں، ایک ساتھ اور متفرق ہر طرح رکھ سکتے ہیں۔

[٦٢-] بَابُ الصَّوْمِ مِنْ آخِرِ الشَّهْرِ

[١٩٨٣-] حدثنا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا مَهْدِيٌّ، عَنْ غَيْلَانَ، ح: وَحَدَّثَنَا أَبُوْ النُّعْمَانِ، ثنا مَهْدِيُّ ابْنُ مَيْمُوْنٍ، ثَنَا غَيْلَانُ بْنُ جَرِيْرٍ، عَنْ مُطَرِّفٍ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، أَنَّهُ سَأَلَهُ، أَوْ: سَأَلَ رَجُلاً، وَعِمْرَانُ يَسْمَعُ، فَقَالَ: "يَا أَبَا فُلَانٍ! أَمَا صُمْتَ سَرَرَ هٰذَا الشَّهْرِ؟" قَالَ: أَظُنُّهُ قَالَ: يَعْنِي رَمَضَانَ. قَالَ الرَّجُلُ: لَا، يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: "فَإِذَا أَفْطَرْتَ فَصُمْ يَوْمَيْنِ"

لَمْ يَقُلِ الصَّلْتُ: أَظُنُّهُ يَعْنِي رَمَضَانَ، وَقَالَ ثَابِتٌ، عَنْ مُطَرِّفٍ، عَنْ عِمْرَانَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: "مِنْ سَرَرِ شَعْبَانَ" قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: وَشَعْبَانُ أَصَحُّ.

ترجمہ: نبی ﷺ نے حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے یا کسی اور آدمی سے پوچھا درانحالیکہ عمرانؓ سن رہے تھے، آپؐ نے فرمایا: اے فلاں کے ابا! کیا تم نے اس مہینہ کے آخر میں روزہ نہیں رکھا؟ (ابوالنعمان نے) کہا: میرا گمان ہے: ھذا الشھر کے بعد یعنی رمضان بھی کہا (مگر یہ وہم ہے، رمضان کے روزے تو فرض ہیں، صحیح شعبان ہے جیسا کہ آگے آرہا

ہے) اس شخص نے عرض کیا: نہیں، اے اللہ کے رسول! آپؐ نے فرمایا: ''جب تم روزے ختم کرو تو دو روزے رکھنا (یعنی شعبان کے آخر میں جو روزہ نہیں رکھا ہے اس کے بدل رمضان کے بعد دو روزے رکھنا۔ صلت کی روایت میں یعنی أظنه رمضان نہیں ہے (اور یہی صحیح ہے) اور مطرف کے دوسرے شاگرد ثابت کی روایت میں مِن سَرَرِ شعبان ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شعبان زیادہ صحیح ہے۔

لغت: السَّرَر: (بفتحتین) کے معنی امام بخاری اور جمہور نے: 'مہینہ کا آخر' سمجھے ہیں، چنانچہ یہ حدیث اس باب میں لائے ہیں، مگر اس کے معنی: 'مہینہ کا شروع' اور 'مہینہ کا درمیان' بھی کئے گئے ہیں۔

سوال (۱): شعبان کے آخر میں روزے رکھنے کا تو فائدہ ہے، وہ رمضان کی تیاری ہے، مگر رمضان کے بعد دو روزے رکھیں گے تو کیا فائدہ ہوگا؟ پھر ایک کے بجائے دو روزے رکھنے کے لئے کیوں فرمایا؟

جواب: بعض مرتبہ نبی ﷺ تنبیہ کے ساتھ عمل کو جوڑتے تھے، تاکہ وہ تنبیہ یاد رہے، صرف تنبیہ آدمی بھول جاتا ہے، لیکن اگر اس کے ساتھ کوئی عمل جوڑ دیا جائے تو وہ عمل تنبیہ یاد رکھنے میں معاون بنتا ہے، جیسے نبی ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کی لنگی ٹخنوں سے نیچے ہے، وہ وضو کر کے آیا تھا آپؐ نے اس کو دوبارہ وضو کرنے کا حکم دیا، ظاہر ہے لنگی ٹخنہ کے نیچے ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، مگر آپؐ نے دوبارہ وضو اس لئے کروایا کہ تنبیہ قوی ہو جائے اور وہ دوبارہ یہ غلطی نہ کرے، اسی طرح آپؐ نے رمضان کے بعد شعبان کے روزے رکھنے کا حکم دیا، تاکہ وہ آئندہ شعبان کے آخر کے روزے رکھنا نہ بھولیں۔

سوال (۲): شعبان کے آخر میں نفل روزوں کی ممانعت آئی ہے، فرمایا: لَا تَتَقَدَّمُوْا رمضانَ بصوم یوم ویومین: رمضان سے آگے مت بڑھو، ایک اور دو دن کے روزوں کے ساتھ پس حدیثوں میں تعارض ہے!

جواب: یہ بڑا الجھا ہوا سوال ہے، فتح الباری میں اس پر لمبی بحث ہے، ایک جواب یہ ہے کہ سَرَر کے معنی 'آخر ماہ' متعین نہیں، شروع ماہ اور درمیان بھی اس کے معنی کئے گئے ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ شعبان کی آخری تاریخ اگر عادۃً روزہ رکھنے کی ہے تو روزہ رکھ سکتے ہیں، بلکہ رکھنا چاہئے، مثلاً کوئی جمعہ کے دن روزہ رکھتا ہے اور شعبان کی آخری تاریخ جمعہ پڑی تو اس کا روزہ رکھنا چاہئے۔ حدیث میں جن صحابی سے آپؐ نے سوال کیا تھا وہ اس روزے کے عادی ہونگے، اور وظائف میں معمول کی پابندی کرنی چاہئے، اور ناغہ ہو جائے تو ڈبل عمل کرنا چاہئے، چنانچہ آپؐ نے رمضان کے بعد دو روزے رکھنے کے لئے فرمایا۔

بَابُ صَوْمِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن کا روزہ

جمعہ افضلِ ایام ہے، پس اس کا روزہ بھی افضل ہے، ترمذی اور نسائی میں حدیث ہے: ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے

ہیں کہ کم ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا جمعہ کے دن روزہ نہ ہو، لیکن دوسری حدیثوں میں صرف جمعہ کا روزہ رکھنے کی ممانعت بھی آئی ہے، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک صرف جمعہ کا روزہ رکھنا جائز نہیں، وہ فرماتے ہیں: اگر جمعہ کے دن روزہ کی حالت میں صبح کی اور اس نے جمعرات کا روزہ نہیں رکھا نہ سنیچر کا روزہ رکھنے کا ارادہ ہے تو وہ روزہ توڑ دے، کیونکہ نبی ﷺ نے صرف جمعہ کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ مگر حنفیہ کے نزدیک صرف جمعہ کا روزہ رکھنا بھی جائز ہے، البتہ تخصیص یا تفضیل کا وہم پیدا ہو تو مکروہ ہے جیسے نماز میں ماثورہ سورتیں پڑھنا جائز ہے لیکن تخصیص یا تفضیل کا وہم پیدا ہو تو مکروہ ہے۔

فائدہ: مسلم شریف میں روایت ہے کہ تم لوگ راتوں میں سے جمعہ کی رات کو نماز اور عبادت کے لئے مخصوص نہ کرو، اسی طرح دنوں میں سے جمعہ کے دن کو روزہ کے لئے مخصوص نہ کرو، مگر یہ کہ جمعہ کسی ایسی تاریخ میں پڑے جس کا تم میں سے کوئی روزہ رکھتا ہو (اس صورت میں جمعہ کا روزہ رکھنے میں کچھ مضائقہ نہیں)

تشریح: جمعہ کے دن اور اس کی رات کی خاص فضیلت کی وجہ سے چونکہ اس کا امکان زیادہ تھا کہ فضیلت پسند لوگ اس دن نفلی روزہ رکھنے کا، اور اس کی رات میں شب بیداری اور عبادت کا بہت زیادہ اہتمام کرنے لگیں گے، اور جس چیز کو اللہ و رسول نے فرض و واجب نہیں کیا اس کے ساتھ فرض و واجب کا سا معاملہ ہونے لگے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے یہ ممانعت فرمائی پس ممانعت کا منشا یہ ہے کہ جمعہ کا روزہ اور شب جمعہ کی عبادت ایک زائد رسم نہ بن جائے (معارف الحدیث ۴: ۱۷۷)

[٦٣-] بَابُ صَوْمِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ

وَإِذَا أَصْبَحَ صَائِمًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَعَلَيْهِ أَنْ يُفْطِرَ، يَعْنِي إِذَا لَمْ يَصُمْ قَبْلَهُ وَلاَ يُرِيْدُ أَنْ يَصُوْمَ بَعْدَهُ.

[١٩٨٤-] حدثنا أَبُوْ عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ جُرِيْجٍ، عَنْ عَبْدِ الْحَمِيْدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ شَيْبَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبَّادٍ، قَالَ: سَأَلْتُ جَابِرًا: أَ نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ؟ قَالَ: نَعَمْ، زَادَ غَيْرُ أَبِيْ عَاصِمٍ: يَعْنِيْ: أَنْ يَتَفَرَّدَ بِصَوْمِهِ.

[١٩٨٥-] حدثنا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ، ثَنَا أَبِيْ، ثَنَا الْأَعْمَشُ، ثَنِيْ أَبُوْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "لاَ يَصُوْمَنَّ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، إِلَّا يَوْمًا قَبْلَهُ أَوْ بَعْدَهُ"

[١٩٨٦-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا يَحْيىَ، عَنْ شُعْبَةَ، ح: وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدٌ، ثَنَا غُنْدَرٌ، ثنا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيْ أَيُّوْبَ، عَنْ جُوَيْرِيَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم دَخَلَ عَلَيْهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَهِيَ صَائِمَةٌ، فَقَالَ: "أَصُمْتِ أَمْسِ؟" قَالَتْ: لاَ، قَالَ: "تُرِيْدِيْنَ أَنْ تَصُوْمِيْ غَدًا؟" قَالَتْ: لاَ، قَالَ: "فَأَفْطِرِيْ" وَقَالَ حَمَّادُ بْنُ الْجَعْدِ: سَمِعَ قَتَادَةُ: ثَنِيْ أَبُو أَيُّوْبَ، أَنَّ جُوَيْرِيَةَ حَدَّثَتْهُ، فَأَمَرَهَا فَأَفْطَرَتْ.

حدیث (۱): محمد بن عباد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا نبی ﷺ نے جمعہ کے دن روزہ سے منع کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ ابو عاصم کے علاوہ نے حدیث میں یہ اضافہ کیا ہے: یعنی تنہا جمعہ کے دن کا روزہ رکھنے سے منع کیا ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہرگز تم میں سے کوئی جمعہ کے دن کا روزہ نہ رکھے مگر یہ کہ جمعہ سے پہلے والے یا بعد والے دن میں بھی روزہ رکھے'' یعنی اگر جمعہ کے ساتھ جمعرات یا سنیچر کا روزہ ملالے تو ممانعت نہیں۔

حدیث (۳): نبی ﷺ ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے، درانحالیکہ ان کا روزہ تھا، آپؐ نے پوچھا: تم نے گذشتہ کل روزہ رکھا تھا؟ انھوں نے کہا: نہیں، آپؐ نے پوچھا: تمہارا آئندہ کل روزہ رکھنے کا ارادہ ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں، آپؐ نے فرمایا: پس روزہ توڑ دو۔

سماع کی صراحت: قتادہ رحمہ اللہ تدلیس کرتے تھے، اور انھوں نے ابوایوب عتکی سے حدیث بصیغۂ عن روایت کی ہے، اس لئے انقطاع کا احتمال تھا، چنانچہ حماد کی سند لائے جس میں سماع کی صراحت ہے، حماد کہتے ہیں: قتادہ نے یہ حدیث سنی ہے، انھوں نے حدثنی أبو أیوب کہہ کر روایت کی ہے۔

بَابٌ: هَلْ يَخُصُّ شَيْئًا مِنَ الْأَيَّامِ؟

کیا نفل روزہ کے لئے کسی خاص دن کی تخصیص کرسکتا ہے؟

نفل روزہ رکھنے کے لئے جمعہ وغیرہ کسی بھی دن کی تعیین شریعت کو پسند نہیں، بلکہ کسی بھی نیک عمل کے لئے دن کی تخصیص شریعت کو پسند نہیں، کیونکہ تخصیص کا نقصان یہ ہے کہ آدمی دوسرے دنوں میں عمل نہیں کرتا، پس دن کی تعیین کے بغیر ہمہ وقت اور ہر دن نیک عمل کرنا چاہئے اور ہر دن روزہ رکھنا چاہئے، یہ اس باب کا مقصود ہے۔

[٦٤-] بَابٌ: هَلْ يَخُصُّ شَيْئًا مِنَ الْأَيَّامِ؟

[١٩٨٧-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا يَحْيىَ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، قُلْتُ لِعَائِشَةَ: هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَخْتَصُّ مِنَ الْأَ يَّامِ شَيْئًا؟ قَالَتْ: لَا، كَانَ عَمَلُهُ دِيْمَةً، وَأَيُّكُمْ يُطِيْقُ مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُطِيْقُ؟[انظر: ٦٤٦٦]

ترجمہ: علقمہؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا نبی ﷺ کوئی دن کسی عمل کے لئے خاص کرتے تھے؟ انھوں نے کہا: نہیں، آپ کا عمل دائمی ہوتا تھا یعنی جب کوئی عمل شروع کرتے تو پابندی سے کرتے، اور تم میں سے کون ہے جو نبی ﷺ جتنی طاقت رکھتا ہو؟ یعنی استمرار و دوام بہت مشکل امر ہے۔

بَابُ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ

عرفہ کے دن کا روزہ

حاجی کے لئے عرفہ کے دن روزہ رکھنا اولیٰ ہے یا نہ رکھنا؟ اس میں اختلاف ہے، تفصیل کتاب الحج میں گذر چکی ہے، مگر غیر حاجی کے لئے عرفہ کے دن کا یعنی نو ذی الحجہ کا روزہ بالاجماع مستحب ہے۔ عرفہ کے روزہ سے دو سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں (ترمذی حدیث ۷۴۰) اس لئے حاجیوں کے علاوہ دوسروں کے لئے نو ذی الحجہ کا روزہ رکھنا بالاجماع مستحب ہے۔

[٦٥-] بَابُ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ

[١٩٨٨-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنِيْ يَحْيىَ، عَنْ مَالِكٍ، ثَنِيْ سَالِمٌ، ثَنِيْ عُمَيْرٌ مَوْلٰى أُمِّ الْفَضْلِ، أَنَّ أُمَّ الْفَضْلِ حَدَّثَتْهُ ح: وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ،، ثَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلٰى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ عُمَيْرٍ مَوْلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ: أَنَّ نَاسًا تَمَارَوْا عِنْدَهَا يَوْمَ عَرَفَةَ فِي صَوْمِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: هُوَ صَائِمٌ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَيْسَ بِصَائِمٍ، فَأَرْسَلَتْ أُمُّ الْفَضْلِ إِلَيْهِ بِقَدَحِ لَبَنٍ، وَهُوَ وَاقِفٌ عَلٰى بَعِيْرِهِ، فَشَرِبَهُ. [راجع: ١٦٥٨]

[١٩٨٩-] حدثنا يَحْيىَ بْنُ سُلَيْمَانَ، ثَنِيْ ابْنُ وَهْبٍ، أَوْ: قُرِئَ عَلَيْهِ: أَخْبَرَنِيْ عَمْرٌو، عَنْ بُكَيْرٍ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنْ مَيْمُوْنَةَ، أَنَّ النَّاسَ شَكُّوْا فِيْ صِيَامِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ عَرَفَةَ، فَأَرْسَلْتُ إِلَيْهِ بِحِلَابٍ، وَهُوَ وَاقِفٌ فِي الْمَوْقِفِ، فَشَرِبَ مِنْهُ، وَالنَّاسُ يَنْظُرُوْنَ.

سوال: دودھ کس نے بھیجا تھا: حضرت ام الفضلؓ نے یا حضرت میمونہؓ نے؟

جواب: دونوں نے الگ الگ واقعات میں بھیجا ہوگا، اور اگر واقعہ ایک ہے تو چونکہ سب خواتین جمع تھیں اور دودھ سب کی طرف سے بھیجا گیا تھا اس لئے ہر کوئی اپنی طرف نسبت کرسکتی ہے، یا ام الفضلؓ بڑی تھیں، انھوں نے حکم دیا اور حضرت میمونہؓ نے تھرمس میں سے دودھ نکال کر دیا، اس لئے اپنی طرف نسبت کردی۔ اور میرے نزدیک یہ واقعہ کے متعلقات کا اختلاف ہے، اس سے صرف نظر کرنی چاہئے۔

بَابُ صَوْمِ يَوْمِ الْفِطْرِ

عیدالفطر (یکم شوال) کا روزہ رکھنا

عیدالفطر کا روزہ بالاجماع حرام ہے، البتہ اگر کوئی عیدالفطر کا روزہ رکھے تو روزہ صحیح ہوگا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

حنفیہ کے نزدیک کراہتِ تحریمی کے ساتھ روزہ صحیح ہوگا، اور دیگر فقہاء کے نزدیک صحیح نہیں ہوگا، اور اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ افعالِ شرعیہ کی نہی مشروعیت پر مشتمل ہوتی ہے یا نہیں؟ حنفیہ کے نزدیک مشتمل ہوتی ہے، اس لئے عید الفطر کا روزہ صحیح ہوگا، اور دیگر فقہاء کے نزدیک مشتمل نہیں ہوتی، اس لئے روزہ صحیح نہیں ہوگا۔ اور اشتمال کا مطلب ہے: جلو میں لئے ہوئے ہونا، مثلاً: جمعہ کی اذانِ اول کے بعد بیع ممنوع ہے، پس کیا اس نہی کے جلو میں بیع کا جواز ہے یا نہیں؟ حنفیہ کے نزدیک ہے، پس بیع کراہتِ تحریمی کے ساتھ منعقد ہوجائے گی، اور زنا کی نہی افعالِ حسیہ کی نہی ہے، اس میں بالاتفاق مشروعیت (جواز) کا پہلو نہیں ہوتا، چنانچہ زنا سے جو اولاد ہوگی وہ ثابت النسب نہیں ہوگی۔

[٦٦-] بَابُ صَوْمِ يَوْمِ الْفِطْرِ

[١٩٩٠-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِیْ عُبَيْدٍ مَوْلٰی ابْنِ أَزْهَرَ، قَالَ: " شَهِدْتُ الْعِيْدَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَقَالَ: هٰذَانِ يَوْمَانِ نَهٰى رسول الله صلى الله عليه وسلم عَنْ صِيَامِهِمَا: يَوْمُ فِطْرِكُمْ مِنْ صِيَامِكُمْ، وَالْيَوْمُ الآخَرُ تَأْكُلُوْنَ فِيْهِ مِنْ نُسُكِكُمْ.

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: مَنْ قَالَ: مَوْلٰی ابْنِ أَزْهَرَ فَقَدْ أَصَابَ، وَمَنْ قَالَ: مَوْلٰی عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ فَقَدْ أَصَابَ. [انظر: ٥٥٧١]

[١٩٩١-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيٰى، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِیْ سَعِيْدٍ، قَالَ: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ، وَعَنِ الصَّمَّاءِ، وَأَنْ يَحْتَبِیَ الرَّجُلُ فِیْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ. [راجع: ٣٦٧]

[١٩٩٢-] وَعَنِ الصَّلاَةِ بَعْدَ الصُّبْحِ وَالْعَصْرِ. [راجع: ٥٨٦]

ترجمہ: ابوعبیدؒ کہتے ہیں: میں عید کے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، آپؓ نے فرمایا: دو دن: ان کے روزوں سے نبی ﷺ نے فرمایا ہے، تمہارا روزے ختم کرنے کا دن یعنی عید الفطر (یکم شوال) کا دن اور دوسرا دن: کھاتے ہو تم اس میں اپنی قربانیوں سے۔

تشریح: عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے روزوں سے کیوں منع کیا گیا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی وجہ بیان کی ہے: عید الفطر کے روزے سے اس لئے منع کیا ہے کہ عملی طور پر رمضان ختم ہوجائے، اور عید الاضحیٰ کے روزے سے اس لئے منع کیا ہے کہ لوگ اپنی قربانیاں کھائیں۔ قربانی اگرچہ تین دن ہوتی ہے مگر عام طور پر لوگ دس ذی الحجہ کو قربانی کرتے ہیں اور قربانی کا خون نالی میں بہہ جاتا ہے اور اللہ کے یہاں قربانی کرنے والے کا تقوی (جذبہ) پہنچتا ہے اور قربانی کا گوشت اللہ کی طرف سے دعوت ہے، پس اگر اس دن لوگ روزہ رکھ لیں گے تو اللہ کی دعوت کون کھائے گا؟ اس لئے عید الاضحیٰ کا رزہ

حرام کردیا۔

قال أبو عبد الله: یہ عبارت اکثر نسخوں میں نہیں ہے اور ابن ازہر اور ابن عوف ابوعبید کی ولاء میں شریک ہونگے اس لئے ان کو مولیٰ ابن ازہر کہنا بھی صحیح ہے اور مولیٰ ابن عوف بھی۔

ملحوظہ: دوسری اور تیسری حدیثیں پہلے گذری ہیں، ان میں چار احکام ہیں۔

بَابُ صَوْمِ يَوْمِ النَّحْرِ

عیدقربان (۱۰ذی الحجہ) کا روزہ

اس باب میں تین حدیثیں ہیں، پہلی اور تیسری حدیثیں پہلے گذر چکی ہیں اور دوسری حدیث یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کسی نے مسئلہ پوچھا: ایک شخص نے کسی دن کی مثلاً پیر کے روزہ کی منت مانی، اتفاق سے اس دن عید پڑ گئی تو وہ روزہ رکھے یا نہیں؟ حضرت ابن عمرؓ نے گول مول جواب دیا کہ اللہ عزوجل نے منت پوری کرنے کا حکم دیا ہے اور نبی ﷺ نے عید کے دن روزہ رکھنے سے منع کیا ہے، یہ گول مول جواب ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اس دن روزہ نہ رکھے، بعد میں اس کی قضا کرے، اور رکھ لے تو کراہت تحریمی کے ساتھ روزہ صحیح ہوجائے گا۔

[٦٧-] بَابُ صَوْمِ يَوْمِ النَّحْرِ

[١٩٩٣-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسَى، أَنَا هِشَامٌ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِى عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ، عَنْ عَطَاءِ ابْنِ مِيْنَاءَ، قَالَ: سَمِعْتُهُ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ، قَالَ: يُنْهَى عَنْ صِيَامَيْنِ، وَبَيْعَتَيْنِ: الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ، وَالْمُلاَمَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ. [راجع: ٣٦٨]

[١٩٩٤-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، ثَنَا مُعَاذٌ، أَنَا ابْنُ عَوْنٍ، عَنْ زِيَادِ بْنِ جُبَيْرٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى ابْنِ عُمَرَ، فَقَالَ: رَجُلٌ نَذَرَ أَنْ يَصُوْمَ يَوْمًا- أَظُنُّهُ قَالَ: الإِثْنَيْنِ - فَوَافَقَ يَوْمَ عِيْدٍ؟ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: أَمَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِوَفَاءِ النَّذْرِ، وَنَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ صَوْمِ هٰذَا الْيَوْمِ.

[انظر: ٦٧٠٥، ٦٧٠٦]

[١٩٩٥-] حدثنا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، ثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ قَزَعَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ، وَكَانَ غَزَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ثِنْتَيْ عَشْرَةَ غَزْوَةً، قَالَ: سَمِعْتُ أَرْبَعًا مِنَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَأَعْجَبْنَنِى، قَالَ: " لاَ تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ مَسِيْرَةَ يَوْمَيْنِ إِلَّا وَمَعَهَا زَوْجُهَا أَوْ ذُوْ مَحْرَمٍ، وَلاَ صَوْمَ فِى يَوْمَيْنِ: الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى، وَلاَ صَلاَةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَلاَ بَعْدَ

الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ، وَلَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى، وَمَسْجِدِيْ هٰذَا" [راجع: ۵۸۶]

بَابُ صِيَامِ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ

ایام تشریق کے روزے

تشریق: کے معنی ہیں: گوشت کے پارچے بنا کر دھوپ میں سکھانا۔ ذی الحجہ کی دس تاریخ صرف یوم النحر ہے یعنی قربانی کا دن ہے، اور لوگ عام طور پر پہلے دن قربانی کرتے ہیں، پھر بچا ہوا گوشت سکھا کر آنے والے دنوں میں استعمال کرتے ہیں، اس لئے گیارہ اور بارہ ایام نحر بھی ہیں اور ایام تشریق بھی، اور تیرہ تاریخ صرف یوم تشریق ہے، پس ۱۱-۱۳ ایام تشریق ہیں ـــــ مگر اب وہ ایام تبرید بن گئے ہیں، لوگ بچا ہوا گوشت فریج میں، بلکہ فریجر میں رکھ دیتے ہیں، اور کافی دنوں تک کھاتے رہتے ہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ پانچ دنوں کے روزے ممنوع ہیں، یوم الفطر (یکم شوال) کا، اور ۱۰-۱۳ ذی الحجہ کے۔ اور اُن کے دو گروپ بنائے گئے ہیں، اول: یکم شوال اور دس ذی الحجہ کا روزہ، اس کی حدیثیں الگ ہیں۔ دوم: ۱۱-۱۳ ذی الحجہ کے روزے اور ان کی حدیثیں الگ ہیں۔

جیسے اوقاتِ خمسہ میں نماز ممنوع ہے، اور ان کے بھی دو گروپ بنائے گئے ہیں: ایک: طلوع وغروب واستواء کے وقت نماز کی ممانعت، اور اس کی حدیثیں الگ ہیں۔ دوم: فجر کے فرضوں کے بعد طلوع تک نماز کی ممانعت، اور عصر کے فرضوں کے بعد غروب تک، اور اس کی حدیثیں الگ ہیں۔ اور یہ دو گروپ اس لئے بنائے گئے ہیں کہ احکام مختلف ہیں، تین اوقات میں ہر نماز ممنوع ہے، اور دو وقتوں میں نوافل ممنوع ہیں، قضا نماز پڑھ سکتے ہیں۔

اسی طرح دو دنوں میں روزوں کی ممانعت شدید ہے، ان میں کسی روزے کی کوئی گنجائش نہیں، اور ایامِ تشریق میں ممانعت خفیف ہے، چنانچہ کتاب الحج میں یہ مسئلہ گذرا ہے کہ متمتع اور قارن کے پاس اگر ہدی نہ ہو اور قربانی خریدنے کے لئے پیسے بھی نہ ہوں تو اسے دس روزے رکھنے ہوتے ہیں، تین حج سے پہلے اور سات وطن لوٹ کر، اور حج سے پہلے جو روزے رکھنے ہیں وہ حج کا احرام باندھ کر رکھنے ہیں اور نو ذی الحجہ تک پورے کرنے ہیں، اور اگر کوئی حج سے پہلے تین روزے نہ رکھ سکے تو کیا وہ ایامِ تشریق میں روزے رکھ سکتا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کا مذہب، امام شافعی رحمہ اللہ کا قول جدید اور امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت یہ ہے کہ متمتع اور قارن کے لئے بھی ایام تشریق میں روزے رکھنا جائز نہیں۔ اب ان پر دم لازم ہے دوسرا کوئی راستہ نہیں۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کی دوسری

روایت اور امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ یہ شخص ایام تشریق میں روزے رکھ سکتا ہے۔

[۶۸-] بَابُ صِيَامِ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ

[۱۹۹۶-] وَقَالَ لِيْ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، ثَنَا يَحْيىَ، عَنْ هِشَامٍ، أَخْبَرَنِيْ أَبِيْ، كَانَتْ عَائِشَةُ تَصُوْمُ أَيَّامَ مِنًى، وَكَانَ أَبُوْهُ يَصُوْمُهَا.

[۱۹۹۷و۱۹۹۸-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا غُنْدَرٌ، ثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عِيْسَى، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، وَعَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالاَ: لَمْ يُرَخَّصْ فِي أَ يَّامِ التَّشْرِيْقِ أَنْ يُصَمْنَ، إِلاَّ لِمَنْ لَمْ يَجِدِ الْهَدْىَ.

[۱۹۹۹-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: الصِّيَامُ لِمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ إِلٰى يَوْمِ عَرَفَةَ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ هَدْيًا وَلَمْ يَصُمْ صَامَ أَ يَّامَ مِنًى، وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ مِثْلَهُ، تَابَعَهُ إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ.

حدیث (۱): حضرت عروہؒ کہتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایام منی (یعنی ایام تشریق) کے روزے رکھتی تھیں (اور یحییٰ قطانؒ کہتے ہیں) اور ان کے ابا یعنی ہشام کے ابا حضرت عروہؒ بھی ایام منیٰ میں روزے رکھتے تھے، یعنی ان حضرات کا فتوی یہ تھا کہ متمتع اور قارن ایام منیٰ (ایام تشریق) میں روزے رکھ سکتے ہیں، پس ظاہر الفاظ سے جو بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ دونوں روزے رکھتے تھے: یہ مراد نہیں، اور دلیل اگلی حدیث ہے۔

حدیث (۲و۳): حضرت عائشہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایام تشریق میں روزہ رکھنے کی رخصت نہیں ہے مگر اس شخص کے لئے جو ہدی نہ پائے۔ معلوم ہوا کہ گذشتہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ وغیرہ کا فتوی یہ تھا کہ متمتع اور قارن ایام تشریق میں روزے رکھ سکتے ہیں، وہ خود ایام تشریق میں روزے نہیں رکھتے تھے۔

حدیث (۴): ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: تمتع کرنے والا عرفہ تک تین روزے رکھے، پس اگر ہدی نہ پائے اور روزے بھی نہ رکھے ہوں تو منیٰ کے دنوں میں یعنی ایام تشریق میں روزے رکھے۔

بَابُ صِيَامِ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ

دس محرم کا روزہ

رمضان کی فرضیت سے پہلے عاشوراء کا روزہ فرض تھا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، شوافع انکار کرتے ہیں اور احناف

اثبات کرتے ہیں، تفصیل گذر چکی ہے، مگر اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اب عاشوراء کا روزہ مستحب ہے۔
زمانۂ جاہلیت میں قریش عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے، اور نبی ﷺ بھی رکھتے تھے اور اس کی ترغیب دیتے تھے، آپؐ نے فرمایا: ''مجھے اللہ سے امید ہے کہ عاشوراء کے روزہ سے گذشتہ سال کے گناہ مٹا دیں گے'' یہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اور ترمذی (حدیث ۷۵۳) میں ہے اور اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔

[۶۹-] بَابُ صِيَامِ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ

[۲۰۰۰-] حدثنا أَبُوْ عَاصِمٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: '' يَوْمُ عَاشُوْرَاءَ: إِنْ شَاءَ صَامَ'' [راجع: ۱۸۹۲]

[۲۰۰۱-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، أَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَمَرَ بِصِيَامِ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ، فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ كَانَ مَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ أَفْطَرَ. [راجع: ۱۵۹۲]

[۲۰۰۲-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ يَوْمُ عَاشُوْرَاءَ تَصُوْمُهُ قُرَيْشٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَصُوْمُهُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ صَامَهُ، وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ، فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ تَرَكَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ، فَمَنْ شَاءَ صَامَهُ وَمَنْ شَاءَ تَرَكَهُ. [راجع: ۱۵۹۲]

[۲۰۰۳-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِيْ سُفْيَانَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ عَامَ حَجَّ عَلَى الْمِنْبَرِ، يَقُوْلُ: يَا أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ! أَيْنَ عُلَمَاؤُكُمْ؟ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:'' هٰذَا يَوْمُ عَاشُوْرَاءَ، وَلَمْ يَكْتُبِ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ صِيَامَهُ، وَأَنَا صَائِمٌ، فَمَنْ شَاءَ فَلْيَصُمْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُفْطِرْ''

پہلی حدیث: یہاں مختصر ہے، مسلم شریف میں اس کا متن اس طرح ہے: ذُكر عند رسول الله صلى الله عليه وسلم يومُ عاشوراء، فقال: كان يوم يصومُه أهل الجاهلية، فمن شاء صامه، ومن شاء تركه۔
آخری حدیث: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عاشوراء کے دن جس سال آپؓ نے حج کیا منبر سے فرمایا: مدینہ والو! تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ یہ عاشوراء کا دن ہے اور اللہ نے تم پر اس کا روزہ فرض نہیں کیا اور میں روزہ سے ہوں، پس جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔
تشریح: اس حدیث سے شوافع وغیرہ نے استدلال کیا ہے کہ رمضان سے پہلے بھی عاشوراء کا روزہ فرض نہیں تھا، مگر یہ

استدلال صحیح نہیں، اس لئے کہ یہ ارشاد رمضان کی فرضیت کے بعد کا ہے۔

[۲۰۰۴-] حدثنا أَبُوْ مَعْمَرٍ، ثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، ثَنَا أَيُّوْبُ، ثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الْمَدِيْنَةَ، فَرَأَى الْيَهُوْدَ تَصُوْمُ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ، فَقَالَ: "ماهٰذَا؟" قَالُوْا: هٰذَا يَوْمٌ صَالِحٌ، هٰذَا يَوْمٌ نَجَّى اللّٰهُ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ مِنْ عَدُوِّهِمْ، فَصَامَهُ مُوْسَى، قَالَ: "فَأَنَا أَحَقُّ بِمُوْسَى مِنْكُمْ" فَصَامَهُ، وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ. [انظر: ۳۳۹۷، ۳۹۴۳، ۴۶۸۰، ۴۷۳۷]

[۲۰۰۵-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ أَبِيْ عُمَيْسٍ، عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ طَارِقِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِيْ مُوْسَى، قَالَ: كَانَ يَوْمُ عَاشُوْرَاءَ تَعُدُّهُ الْيَهُوْدُ عِيْدًا، قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "فَصُوْمُوْهُ أَنْتُمْ" [انظر: ۳۹۴۲]

[۲۰۰۶-] حدثنا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسَى، عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ يَزِيْدَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَتَحَرَّى صِيَامَ يَوْمٍ فَضَّلَهُ عَلَى غَيْرِهِ إِلَّا هٰذَا الْيَوْمَ، يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ، وَهٰذَا الشَّهْرَ، يَعْنِيْ: شَهْرَ رَمَضَانَ.

[۲۰۰۷-] حدثنا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، ثَنَا يَزِيْدُ هُوَ ابْنُ أَبِيْ عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ، قَالَ: أَمَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم رَجُلاً مِنْ أَسْلَمَ أَنْ أَذِّنْ فِي النَّاسِ: أَنَّ مَنْ كَانَ أَكَلَ فَلْيَصُمْ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ، وَمَنْ لَمْ يَكُنْ أَكَلَ فَلْيَصُمْ، فَإِنَّ الْيَوْمَ يَوْمُ عَاشُوْرَاءَ" [راجع: ۱۹۲۴]

وضاحت: آنحضور ﷺ ہجرت سے پہلے عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے، ہجرت کے بعد جب آپؐ مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو آپؐ نے دیکھا کہ یہود بھی دس محرم کا روزہ رکھتے ہیں، آپؐ نے اس کی وجہ دریافت کی، یہودیوں نے بتایا کہ دس محرم کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دی تھی، اس لئے شکریہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن کا روزہ رکھا تھا، اس لئے ہم اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ''موسیٰ کی سنت پر عمل کرنے کے زیادہ حق دار ہم ہیں!'' اور یہ بھی فرمایا کہ اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو صرف عاشوراء کا روزہ نہیں رکھوں گا بلکہ اس کے ساتھ نو کا روزہ بھی ملاؤں گا۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی اسلامی بات اغیار اپنالیں تو مسلمان اپنا کوئی امتیاز پیدا کریں، جیسے عرب میں سب لوگ عمامہ باندھتے تھے، مشرکین بھی باندھتے تھے اس لئے نبی ﷺ نے فرمایا: ہمارے اور مشرکین کے عماموں میں فرق ٹوپی ہے ہم ٹوپی پہن کر عمامہ باندھتے ہیں اور وہ بغیر ٹوپی کے باندھتے ہیں، یہ امتیاز ہوگیا، اسی طرح آپؐ نے فرمایا: ہم عاشوراء کا روزہ کیوں چھوڑیں! حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سنت کی پیروی کرنے کا زیادہ حق ہمارا ہے، ہاں ہم نو تاریخ کا بھی روزہ رکھیں

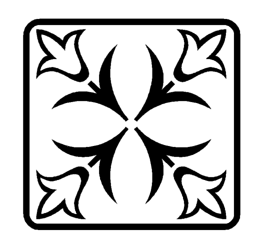
گے، تاکہ امتیاز ہوجائے۔

قولہ: یومٌ صالحٌ: مبارک دن .... **تَعُدُّه الیهودُ عیدًا**: یہود عاشوراء کے دن عید منایا کرتے تھے۔

تیسری حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نہیں دیکھا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ قصد کرتے ہوں آپؐ کسی ایسے دن کے روزے کا جس کو اللہ نے اس کے علاوہ پر برتری بخشی ہو، مگر اس دن کا یعنی دس محرم کا، اور اس مہینہ کا یعنی ماہ رمضان کا، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاص دن کا روزہ، اس کو دوسرے دنوں سے افضل سمجھ کر نہیں رکھتے تھے، سوائے دس محرم اور ماہ رمضان کے۔

آخری حدیث: حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلۂ اسلم کے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں میں منادی کرے کہ جس نے کھالیا ہے وہ اپنا باقی دن روزہ رکھے یعنی امساک کرے، اب کچھ نہ کھائے، اور جس نے نہیں کھایا وہ روزہ رکھے یعنی روزہ کی نیت کرلے، کیونکہ آج کا دن عاشوراء کا دن ہے۔

تشریح: یہ ثلاثی حدیث ہے، اور امساک کا حکم واضح دلیل ہے کہ رمضان سے پہلے عاشوراء کا روزہ فرض تھا۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتابُ صَلاَ ۃِ التَّرَاوِیْحِ

نماز تراویح کا بیان

یہ عنوان گیلری میں لکھا ہوا ہے، اور پورے صفحہ کی روایتوں کو سمجھنے کے لئے اس عنوان کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ ائمہ اربعہ کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ رمضان میں عشاء کے بعد سونے سے پہلے جو نفلیں پڑھی جاتی ہیں وہ تہجد ہیں یا رمضان کی زائد نماز ہے؟ مقلدین کہتے ہیں: یہ رمضان کی خاص نماز ہے، اس کا نام 'قیام رمضان' ہے، قیام رمضان کے معنی ہیں: رمضان میں عشاء کے بعد سونے سے پہلے نفلیں پڑھنا، بعد میں اس کا نام 'تراویح' پڑ گیا، اور سال بھر رات کے آخری پہر سحری کے وقت جو نفلیں پڑھی جاتی ہیں ان کا نام ''صلاۃ اللیل'' ہے، بعد میں اس کا نام تہجد پڑ گیا، یہ دو نمازیں الگ الگ ہیں۔ اور غیر مقلدین کہتے ہیں: یہ دونوں نمازیں ایک ہیں، یہ نماز گیارہ مہینوں میں سونے کے بعد اٹھ کر پڑھی جاتی ہے اور رمضان میں سونے سے پہلے پڑھی جاتی ہے، اس لئے وہ کہتے ہیں: تراویح کی آٹھ رکعتیں ہیں، اور تین وتر الگ ہیں۔ مگر مقلدین کے نزدیک یہ دونوں نمازیں الگ الگ ہیں، تراویح کی بیس رکعتیں ہیں اور ان کو عشاء کے بعد سونے سے پہلے پڑھنا ہے اور وتر علاحدہ نماز ہے، اور تہجد کی نماز رمضان میں بھی رات کے آخر میں پڑھنی ہے اور اس کی رکعتوں کی تعداد کم وبیش ہے، عام طور پر نبی ﷺ آٹھ رکعتیں پڑھتے تھے۔

سوال: وتر کی نماز تہجد کے بعد ہے، جبکہ رمضان میں تراویح کے بعد پڑھی جاتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مقلدین کی بات صحیح ہے کہ تراویح تہجد کی نماز ہے جو رمضان میں سونے سے پہلے پڑھی جاتیہے؟

جواب: وتر کی نماز تہجد کے بعد نہیں ہے، آنحضور ﷺ نے متعدد صحابہ کو جن کے مشاغل ایسے تھے کہ رات کے آخر میں ان کے لئے اٹھنا مشکل تھا: سونے سے پہلے ان کو وتر پڑھنے کی وصیت کی تھی، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی سونے سے پہلے وتر پڑھا کرتے تھے، آپؓ ہمیشہ تہجد میں اٹھتے تھے مگر احتیاطاً وتر پڑھ کر سوتے تھے تا کہ ان کے قضا ہونے کا اندیشہ نہ رہے، اور اٹھانوے فیصد مسلمان سونے سے پہلے ہی وتر پڑھتے ہیں، بس دو فیصد مسلمان تہجد کے بعد وتر پڑھتے ہیں پس رمضان ہی میں وتر کو مقدم نہیں کیا گیا بلکہ عام طور پر لوگ اسی وقت وتر پڑھتے ہیں، ان کی رعایت میں تراویح کے بعد وتر

جماعت سے پڑھے جاتے ہیں۔

فائدہ(۱): غیر مقلدین کے پاس اپنے دعوی کی کوئی دلیل نہیں، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جس کو وہ پیش کرتے ہیں، وہ قیام اللیل (تہجد) کے بارے میں ہے، قیام رمضان (تراویح) کے بارے میں نہیں ہے، تفصیل تحفۃ القاری (۳:۴۷۰) اور تحفۃ الالمعی (۳:۱۸۵) میں ہے۔

فائدہ(۲): امام بخاری رحمہ اللہ تہجد کا بیان کتاب الصلوٰۃ میں لائے ہیں، اور تراویح کا بیان یہاں کتاب الصوم میں لائے ہیں، اس میں واضح اشارہ ہے کہ یہ دو نمازیں علاحدہ علاحدہ ہیں، پس کہاں ہیں امام بخاری رحمہ اللہ کی دُہائی دینے والے، ان سے مدد طلب کرنے والے؟ کیا وہ امام صاحب کی اتنی واضح بات بھی نہیں سمجھتے؟ اور اگر کوئی کہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس کتاب میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آٹھ رکعت والی روایت لائے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تراویح اور تہجد ایک نماز ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے استدلالات سمجھنا ہر کہ ومہ کا کام نہیں، امام صاحب اس حدیث کو دفع دخل مقدر کے طور پر لائے ہیں، جیسا کہ اپنی جگہ آرہا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[۳۱- کِتَابُ صَلاَۃِ التَّرَاوِیْحِ]

[۱-] بَابُ فَضْلِ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ

[۲۰۰۸-] حدثنا یَحْییَ بْنُ بُکَیْرٍ، ثَنَا اللَّیْثُ، عَنْ عُقَیْلٍ، عَنِ ابْنِ شِہَابٍ، أَخْبَرَنِیْ أَبُوْ سَلَمَۃَ، أَنَّ أَبَا ہُرَیْرَۃَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ لِرَمَضَانَ: " مَنْ قَامَہُ إِیْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہِ"[راجع: ۳۵]

[۲۰۰۹-] حدثنا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ یُوْسُفَ، أَنَا مَالِکٌ، عَنِ ابْنِ شِہَابٍ، عَنْ حُمَیْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِیْ ہُرَیْرَۃَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: " مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِیْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہِ" قَالَ ابْنُ شِہَابٍ: فَتُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَالْأَمْرُ عَلٰی ذٰلِکَ، ثُمَّ کَانَ الْأَمْرُ عَلٰی ذٰلِکَ فِیْ خِلاَفَۃِ أَبِیْ بَکْرٍ، وَصَدْرًا مِنْ خِلاَفَۃِ عُمَرَ.[راجع: ۳۵]

[۲۰۱۰-] وَعَنِ ابْنِ شِہَابٍ، عَنْ عُرْوَۃَ بْنِ الزُّبَیْرِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِیِّ، أَنَّہُ قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ لَیْلَۃً فِیْ رَمَضَانَ إِلٰی الْمَسْجِدِ، فَإِذَا النَّاسُ أَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُوْنَ، یُصَلِّیْ الرَّجُلُ لِنَفْسِہِ، وَیُصَلِّیْ الرَّجُلُ فَیُصَلِّیْ بِصَلاَتِہِ الرَّہْطُ، فَقَالَ عُمَرُ: إِنِّیْ أَرَی لَوْ جَمَعْتُ ہٰؤُلآءِ عَلٰی

قَارِئٍ وَاحِدٍ لَكَانَ أَمْثَلَ، ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ لَيْلَةً أُخْرَى، وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلاَةِ قَارِئِهِمْ، قَالَ عُمَرُ: نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهِ! وَالَّتِيْ يَنَامُوْنَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِيْ يَقُوْمُوْنَ، يُرِيْدُ آخِرَ اللَّيْلِ، وَكَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ أَوَّلَهُ.

وضاحت: پہلے یہ بات بتائی ہے کہ عہدِ رسالت میں نہ تو تراویح کی رکعتوں کی تعداد متعین تھی اور نہ یہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی تھی، صرف اس کی ترغیب دی جاتی تھی کہ یہ ایسی نماز ہے جس سے سابقہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں، پہلی دو حدیثوں میں اسی فضیلت کا بیان ہے۔ چنانچہ لوگ رمضان میں سونے سے پہلے یہ نماز پڑھتے تھے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہی طریقہ رہا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی سالوں میں بھی یہی طریقہ رہا، پھر جب روم وایران کی طاقتیں ٹوٹیں اور مسلمانوں کو سکون نصیب ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ملک وملت کی تنظیم سے متعلق بہت سے کام کئے، ان میں سے ایک کام یہ تھا کہ جماعت کے ساتھ تراویح کا نظام بنایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک رمضان کی رات میں مسجدِ نبوی میں تشریف لائے، آپؓ نے دیکھا کہ کوئی تنہا نماز پڑھ رہا ہے، کوئی دو چار کو لے کر پڑھ رہا ہے اور مسجد کا عجیب منظر ہے اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیال آیا کہ سب کو کسی ایک امام پر جمع کردینا چاہئے، اور اس کا مشورہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی دیا تھا، الدر المنثور میں سورۂ قدر کی تفسیر میں روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث سنائی کہ شبِ قدر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے جھرمٹ میں زمین پر اترتے ہیں اور جو بھی نماز پڑھتا ہوا ملتا ہے اس کے لئے دعا کرتے ہیں، یہ روایت سنا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ رمضان کی ہر رات شبِ قدر ہوسکتی ہے، پس ہمیں کوئی ایسا نظام بنانا چاہئے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جس رات بھی اتریں مسلمان ان کو نماز پڑھتے ہوئے ملیں، اور وہ ان کے لئے دعا کریں، چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کا منظر دیکھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مشورہ یاد آیا اور سب کو ایک امام پر جمع کردیا، اس طرح باجماعت تراویح کا نظام وجود میں آیا۔

اس نئے نظام کے شروع ہونے کے بعد ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجدِ نبوی میں تشریف لائے، لوگوں کو ایک امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا: نعم البدعة هذه: یہ نئی بات بہت اچھی ہے! جب تراویح کا باقاعدہ نظام بنا تھا تو لوگوں میں چہ می گوئیاں ہوئی تھیں کہ یہ کیا نئی چیز شروع ہوئی! اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر یہ نئی چیز ہے تو بہت اچھی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کو لوگوں کے خیال کے مطابق بدعت (نئی بات) کہا ہے اور نِعم سے بدعت سیئہ ہونے کی نفی کی ہے۔

اور دوسری بات یہ فرمائی: والتی ینامون عنها أفضل من التی یقومون: جس نماز سے لوگ سوتے رہتے ہیں وہ اس نماز سے افضل ہے جس کو وہ پڑھتے ہیں یعنی رمضان میں تراویح سے افضل تہجد ہے، پس لوگوں کو چاہئے کہ جس طرح تراویح

اہتمام سے پڑھتے ہیں تہجد بھی پڑھیں، اس ارشاد سے یہ بات صاف ہوگئی کہ تراویح تہجد کی نماز نہیں ہے بلکہ یہ دو الگ الگ نمازیں ہیں، ایک کا وقت سونے سے پہلے ہے اور دوسری کا سونے کے بعد۔ مزید تفصیل تحفۃ القاری (۳:۱۷۴) میں ہے۔

[۲۰۱۱-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ، ثَنِيْ مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شَهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم صَلَّى، وَذٰلِكَ فِي رَمَضَانَ.

[راجع: ۷۲۹]

[۲۰۱۲-] ح:وَحَدَّثَنِيْ يَحْيىَ بْنُ بُكَيْرٍ، ثَنِيْ اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ، أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم خَرَجَ لَيْلَةً مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ، فَصَلَّى فِي الْمَسْجِدِ، وَصَلَّى رِجَالٌ بِصَلاَ تِهِ، فَأَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوْا، فَاجْتَمعَ أَكْثَرُ مِنْهُمْ، فَصَلَّى، فَصَلَّوْا مَعَهُ، فَأَصْبَحَ النَّاسُ، فَتَحَدَّثُوْا، فَكَثُرَ أَهْلُ الْمُسْجِدِ مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ، فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَصَلَّوْا بِصَلاَ تِهِ، فَلَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الرَّابِعَةُ عَجزَ الْمَسْجِدُ عَنْ أَهْلِهِ، حَتَّى خَرَجَ لِصَلاَ ةِ الصُّبْحِ، فَلَمَّا قَضَى الْفَجْرَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَتَشَهَّدَ. ثُمَ قَالَ:" أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ، وَلٰكِنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ، فَتَعْجِزُوْا عَنْهَا" فَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَالْأَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ.

[راجع: ۷۲۹]

وضاحت: یہ حدیث پہلے کئی بار گذر چکی ہے، ایک رمضان میں نبی ﷺ نے دو یا تین راتیں تراویح پڑھائی تھی، اس کی بنیاد پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باجماعت تراویح کا نظام بنایا اور ترجمہ اور شرح کے لئے دیکھیں: کتاب الجمعة باب ۲۹ تحفۃ القاری ۳:۲۴۴

[۲۰۱۳-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ، ثَنِيْ مَالِكٌ، عَنْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ: كَيْفَ كَانَتْ صَلاَ ةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِي رَمَضَانَ؟ فَقَالَتْ: مَاكَانَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلاَ فِي غَيْرِهِ عَلٰى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، يُصَلِّيْ أَرْبَعًا فَلاَ تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّيْ أَرْبَعًا فَلاَ تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّيْ ثَلاَ ثَا، فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوْتِرَ؟ قَالَ: "يَا عَائِشَةُ! إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلاَ يَنَامُ قَلْبِيْ" [راجع: ۱۱۴۷]

وضاحت: یہ حدیث تفصیل سے کتاب التہجد باب ۱۶ (تحفۃ القاری ۳:۴۷۰) میں گذر چکی ہے، اور یہی وہ حدیث ہے جس کو غیر مقلدین پیش کرتے ہیں اور تراویح کی آٹھ رکعتیں ثابت کرتے ہیں، حالانکہ یہ حدیث تراویح کے بارے میں

نہیں ہے، تہجد کے بارے میں ہے، اسی لئے امام بخاری رحمہ اللہ کتاب التہجد میں بھی یہ حدیث لائے ہیں اور یہاں دفع دخل مقدر کے طور پر لائے ہیں۔

تراویح مختصر پڑھنی چاہئے، ایک سوا پارہ پڑھیں اور بس، بعض لوگ روزانہ تین پارے پڑھتے ہیں، یہ ٹھیک نہیں، جہاں تین پارے ہوتے ہیں وہاں عملی طور پر نماز اور قرآن کی جو بے حرمتی ہوتی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، علاوہ ازیں: لوگ اچھی نیت سے شریک نہیں ہوتے، وہ اس لئے شریک ہوتے ہیں کہ دس دن میں چھٹی مل جائے، خواص کی بات الگ ہے، حضرت شیخ الحدیث (مولانا زکریا) صاحب قدس سرہ کی مسجد میں روزانہ تین پارے پڑھے جاتے تھے اور رمضان میں تین ختم ہوتے تھے کیونکہ وہاں سب معتکفین ہوتے تھے وہ رات بھر عبادت کرتے تھے، ایسے مخصوص احوال میں تین یا زیادہ پارے پڑھنے میں کچھ حرج نہیں، مگر عام مساجد میں لمبی تراویح نہیں پڑھنی چاہئے اور اگر کوئی کہے کہ نبی ﷺ لمبی نماز پڑھتے تھے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث تراویح کے بارے میں نہیں ہے، تہجد کے بارے میں ہے، تہجد کی نماز آپؐ نہایت شاندار اور نہایت لمبی پڑھتے تھے، پس اگر کوئی لمبا تہجد پڑھے تو کچھ حرج نہیں، وہ انفرادی نماز ہے، اور تراویح مسجد میں پڑھی جاتی ہے، پس لمبی تراویح نہیں پڑھنی چاہئے، کیونکہ جماعت میں بچے، بوڑھے، کمزور اور بیمار سبھی طرح کے لوگ ہوتے ہیں ان کی رعایت سے مختصر تراویح پڑھنی چاہئے، یہ اس باب میں حدیث عائشہ کو لانے کا مقصد ہے۔

اور اس کی دلیل کہ تہجد انفرادی عبادت ہے، اور اس کو خوب لمبی پڑھنی چاہئے، اور تراویح اجتماعی عبادت ہے، اور اس کو ہلکی پڑھنی چاہئے: وہ بات ہے جو پہلے (تحفۃ القاری ۳: ۴۷۱) بیان کی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باقاعدہ جماعت کے ساتھ تراویح کا نظام بنایا تو شروع میں امام آٹھ رکعتیں پڑھاتا تھا، اور سحری کے وقت تک پڑھاتا تھا، موطا مالک (ص: ۴۰) میں روایت ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے گیارہ رکعتیں (آٹھ تہجد اور تین وتر) پڑھانے کا حکم دیا، جن سے لوگ فجر سے کچھ ہی پہلے فارغ ہوتے تھے۔ اس وقت یہ خیال تھا کہ یہ تہجد کی نماز ہے، اس وجہ سے تہجد کے وقت تک اس کو دراز کیا جاتا تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ بات آئی کہ رسول اللہ ﷺ نے جو دو یا تین راتیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھائی ہے، وہ بیس رکعتیں پڑھائی ہیں، چنانچہ آپؓ نے نظام بدل دیا، اور اماموں کو حکم دیا کہ بیس رکعتیں پڑھائیں اور مختصر پڑھائیں اور لوگوں کو سونے کا موقع دیں، پھر آخری پہر لوگ خود اٹھ کر تہجد پڑھیں، جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ جس نماز سے لوگ سوتے رہتے ہیں یعنی تہجد کی نماز وہ اس نماز سے یعنی تراویح سے افضل ہے، لہٰذا لوگوں کو چاہئے کہ جس طرح وہ تراویح اہتمام سے پڑھتے ہیں رمضان میں بھی تہجد کی نماز پڑھیں، اور جتنی چاہیں طویل کریں، البتہ تراویح مختصر پڑھیں۔ واللہ اعلم

❁ ❁ ❁

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کِتَابُ فَضْلِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ

شبِ قدر کا بیان

بَابُ فَضْلِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ

شبِ قدر کی فضیلت

قَدْر: کے ایک معنی ہیں: قدر و منزلت، کہا جاتا ہے: له عندی قدر: اس کی میرے یہاں قدر و منزلت ہے۔ اور لیلۃ القدر: شبِ قدر: وہ رات ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک قدر و منزلت ہے۔ کیا قدر و منزلت ہے؟ اس کا بیان سورۃ القدر میں ہے، وہ رات ہزار مہینوں (۸۳ سال چار ماہ) سے بہتر ہے، اس رات حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے جھرمٹ میں زمین پر اترتے ہیں، اور جو بھی کھڑا یا بیٹھا اللہ کے ذکر و عبادت میں مشغول ہوتا ہے اس کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں۔

شبِ قدر ایک ہے یا دو؟

مسلم شریف میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو کوئی پورے سال کی راتوں میں کھڑا ہوگا یعنی ہر رات عبادت کرے گا اس کو شبِ قدر نصیب ہوگی، اس سے معلوم ہوا کہ شبِ قدر سال بھر میں دائر ہے، رہی یہ بات کہ شبِ قدر ایک ہے یا دو؟ اس قول سے یہ بات واضح نہیں ہوتی۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ شبِ قدر دو ہیں: ایک رمضان میں دائر ہے، اور دوسری سال بھر میں، اور یہ سال والی شبِ قدر کبھی رمضان میں بھی آتی ہے۔

مگر جمہور کے نزدیک شبِ قدر ایک ہے، اور وہ رمضان میں دائر ہے، اور یہی قول صحیح ہے، کیونکہ امت کا معمول سال بھر شبِ قدر تلاش کرنے کا نہیں ہے، نہ نبی ﷺ کی سیرت میں یہ بات ملتی ہے، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے تاویل کی ہے، فرمایا: بھائی ابن مسعودؓ پر خدا کی رحمت ہو! ان کا مقصد یہ ہے کہ لوگ کسی ایک رات کی عبادت پر قناعت نہ کرلیں، ورنہ ان کو یہ بات یقیناً معلوم تھی کہ شبِ قدر رمضان ہی کے مہینہ میں ہوتی ہے (مسلم شریف)

شبِ قدر معین رات ہے یا غیر معین؟

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے نزدیک شبِ قدر معین رات ہے، اور وہ رمضان کی ستائیسویں رات ہے، اور وہ یہ بات قسم کھا کر کہا کرتے تھے، اور اس کی علامت بیان کرتے تھے کہ شبِ قدر کی صبح کو جب سورج نکلتا ہے تو اس کی کرنیں نہیں ہوتیں، مگر دیگر صحابہ کے نزدیک شبِ قدر غیر معین رات ہے، رمضان کی کوئی بھی رات شبِ قدر ہو سکتی ہے، اور وہ ہر سال بدلتی رہتی ہے، احادیث مرفوعہ سے اسی رائے کی تائید ہوتی ہے، اس لئے یہی بات صحیح ہے۔

شبِ قدر اسی امت کو ملی ہے:

بعض تفسیری روایات میں یہ بات آئی ہے کہ شبِ قدر خاص اسی امت کو ملی ہے، گذشتہ امتوں کو یہ رات نہیں ملی تھی، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ گذشتہ امتوں کی عمریں طویل تھیں، انھوں نے لمبا عرصہ عبادت کی تھی، اور اس امت کی عمریں کم ہیں، اس لئے نقصانِ عمر کی تلافی کے لئے یہ 'سیزن' عنایت فرمایا ہے، سیزن میں تجارت خوب ہوتی ہے، پس شبِ قدر کی عبادت بھی دوچند ہو کر نقصان کی تلافی کر دے گی۔

ایک تفسیری نکتہ:

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قرآن میں جہاں: ﴿وَمَا أَدْرَاكَ﴾ (ماضی) آیا ہے: وہاں جواب مذکور ہے، جیسے سورۃ القدر میں یہ تعبیر آئی ہے، اور جہاں: ﴿وَمَا يُدْرِيْكَ﴾ (مضارع) آیا ہے، وہاں جواب مذکور نہیں، اور یہ تعبیر صرف تین جگہ آئی ہے، سورۃ الاحزاب (آیت ۶۳) میں، فرمایا: ﴿وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا﴾: اور آپؐ کو کیا خبر! ہو سکتا ہے قیامت قریب ہو، اور سورۃ الشوری (آیت ۱۷) میں، فرمایا: ﴿وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ﴾ اور سورہ عبس (آیت ۳) میں، فرمایا: ﴿وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهُ يَزَّكّٰى﴾: اور آپؐ کو کیا خبر! شاید وہ (نابینا) سنور جائے، اور پہلی تعبیر متعدد جگہ آئی ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

[۳۲- كِتَابُ فَضْلِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ]

[۱-] بَابُ فَضْلِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ

وَقَوْلُ اللّٰهِ: ﴿ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ○ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ○ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ﴾ إِلٰى آخِرِهِ.

وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: مَاكَانَ فِي الْقُرْآنِ﴿ وَمَا أَدْرَاكَ﴾ فَقَدْ أَعْلَمَهُ، وَمَا قَالَ: ﴿ وَمَا يُدْرِيْكَ﴾ فَإِنَّهُ لَمْ يُعْلِمْ.

[۲۰۱۴-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَفِظْنَاهُ - وَأَيُّمَا حِفْظٍ! - مِنَ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا

غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ، وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ" تابعه سُلَيْمَانُ ابْنُ كَثِيْرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ. [راجع: ۳۵]

وضاحت: شبِ قدر میں سونے سے پہلے نفلیں پڑھنا قیام لیلۃ القدر ہے اس سے بھی سابقہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو امت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائیں، انھوں نے ایسا نظام بنایا کہ ہر مسلمان رمضان کی ہر رات میں سونے سے پہلے کم از کم بیس نفلیں پڑھتا ہے، اس طرح قیام لیلۃ القدر والی روایت پر خود بخود عمل ہوجاتا ہے اور آدمی حدیث میں مذکور فضیلت کا مستحق ہوجاتا ہے۔

قوله: وأَيُّمَا حِفْظٍ!: اور کیسا کچھ یاد کرنا! یعنی حدیث شاندار یاد کی ہے، یہ علی بن عبداللہ مدینی رحمہ اللہ کا قول ہے، اور جملہ تامہ ہے، اور جملہ معترضہ ہے۔ اور ابن ہشام رحمہ اللہ نے مغنی اللبیب میں أیّ کے پانچ معانی لکھے ہیں، چوتھے معنی ہیں: کمال پر دلالت کرنا، جیسے: هو رجلٌ أيُّ رجلٍ، یعنی وہ کامل مرد ہے۔

ترکیب: أيُّ: مضاف، ما: زائدہ، حِفْظٍ (مصدر) مضاف الیہ، پھر مرکب اضافی مبتدا اور خبر حَفِظَ (فعل) محذوف ہے۔ پس پورا جملہ ہے: أيُّ مَاحِفْظٍ حَفِظَ! ابن عیینہ رحمہ اللہ نے حدیث کیسی کچھ محفوظ کی ہے! یعنی شاندار یاد رکھی ہے۔

بَابٌ: الْتَمِسُوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ

رمضان کی آخری سات راتوں میں شبِ قدر تلاش کرو

شبِ قدر رمضان کی ہر رات ہوسکتی ہے، کوئی خاص رات یا خاص عشرہ شبِ قدر ہونے کے لئے متعین نہیں، البتہ زیادہ احتمال آخری عشرہ میں شبِ قدر ہونے کا ہے، پھر اس میں بھی طاق راتوں میں زیادہ احتمال ہے، اور طاق راتوں میں بھی ستائیسویں رات میں زیادہ احتمال ہے۔

[۲-] بَابٌ: الْتَمِسُوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ

[۲۰۱۵-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رِجَالاً مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أُرُوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْمَنَامِ فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " أَرَى رُؤْيَاكُمْ قَدْ تَوَاطَأَتْ فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ، فَمَنْ كَانَ مُتَحَرِّيْهَا فَلْيَتَحَرَّهَا فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ"[راجع: ۱۱۵۸]

[۲۰۱۶-] حدثنا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، ثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيىَ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا سَعِيْدٍ، وَكَانَ لِيْ صَدِيْقًا، فَقَالَ: اعْتَكَفْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم الْعَشْرَ الْأَوْسَطَ مِنْ رَمَضَانَ، فَخَرَجَ

صَبِيْحَةَ عِشْرِيْنَ، فَخَطَبَنَا، وَقَالَ:" إِنِّي أُرِيْتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ ثُمَّ أُنْسِيْتُهَا أَوْ: نُسِّيْتُهَا، فَالْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فِي الْوِتْرِ، وَإِنِّي رَأَيْتُ أَنِّي أَسْجُدُ فِي مَاءٍ وَطِيْنٍ، فَمَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَلْيَرْجِعْ" فَرَجَعْنَا وَمَا نَرَى فِي السَّمَاءِ قَزَعَةً، فَجَاءَ تْ سَحَابَةٌ فَمَطَرَتْ، حَتَّى سَالَ سَقْفُ الْمَسْجِدِ، وَكَانَ مِنْ جَرِيْدِ النَّخْلِ، وَأُقِيْمَتِ الصَّلاَ ةُ، فَرَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم يَسْجُدُ فِي الْمَاءِ وَالطِّيْنِ، حَتَّى رَأَيْتُ أَثَرَ الطِّيْنِ فِيْ جَبْهَتِهِ.[راجع: ٦٦٩]

حدیث (۱): ایک رمضان میں متعدد صحابہ خواب میں شبِ قدر آخری سات راتوں میں دکھائے گئے، پس نبی ﷺ نے فرمایا:''میں تمہارے خوابوں کو دیکھتا ہوں کہ آخری سات راتوں میں متفق ہیں، پس جو شخص شبِ قدر کو تلاش کرنے والا ہے چاہئے کہ وہ اس کو آخری سات راتوں میں تلاش کرے۔

تشریح: شبِ قدر کے بارے میں روایات میں شدید اختلاف ہے اور اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ شبِ قدر کے بارے میں صحابہ خواب دیکھتے تھے اور جو جس رات کے بارے میں خواب دیکھتا آپؐ اس کو اسی رات میں شبِ قدر تلاش کرنے کا حکم دیتے، یا جب کوئی شخص شبِ قدر کے بارے میں پوچھتا تو آپؐ اس کا ذہن پڑھتے اور اندازہ کرتے کہ اس کا رجحان کس رات کی طرف ہے؟ جس رات کی طرف اس کا رجحان ہوتا اسی رات میں شبِ قدر تلاش کرنے کا حکم فرماتے، اس طرح روایات مختلف ہوگئیں۔ یہ بات حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے بیان فرمائی ہے جو ترمذی میں باب ماجاء فی لیلة القدر میں ہے۔اور تفصیل تحفۃ الالمعی (۱۶۷:۳) میں ہے۔

حدیث (۲): بھی گذر چکی ہے، ایک رمضان میں نبی ﷺ نے شبِ قدر کی تلاش میں شروع رمضان سے اعتکاف کیا، پھر درمیانی عشرہ کا اعتکاف کیا، پھر آپؐ نے تقریر فرمائی کہ میں نے شبِ قدر کی تلاش میں شروع رمضان سے اعتکاف کیا تھا، اور مجھے شبِ قدر کی خبر دی گئی ہے مگر میں اس کو بھلا دیا گیا ہوں، پس اس کو آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو، مجھے بس اتنی بات یاد رہ گئی ہے کہ شبِ قدر کی صبح کو میں کیچ میں سجدہ کروں گا، اور گذشتہ دو عشروں میں یہ علامت نہیں پائی گئی، اس لئے شبِ قدر آخری عشرہ میں ہے، پس جو لوگ اعتکاف سے اٹھ گئے ہیں وہ واپس آجائیں، پھر اکیسویں شب میں بارش ہوئی اور محراب میں سجدہ کی جگہ پانی ٹپکا، مسجدِ نبوی کی چھت کھجور کے پتوں کی تھی اور مسجد میں چراغ نہیں جلتا تھا اس لئے جب آپؐ نے فجر کی نماز پڑھائی اور سجدہ کیا تو کیچ میں ماتھا پڑا اور پیشانی اور ناک گارے سے سن گئے، معلوم ہوا کہ شبِ قدر گذر گئی، اور ترجمہ کے لئے دیکھئے: کتاب الصلوٰۃ باب ۱۳۵، تحفۃ القاری ۱۴۲:۳

استدلال: نبی ﷺ نے شبِ قدر کی تلاش میں شروع رمضان سے اعتکاف کیا تھا، معلوم ہوا کہ شبِ قدر پورے رمضان میں دائر ہے، اگر سال میں یا آخری عشرہ میں دائر ہوتی تو پورے سال یا آخری عشرہ کا اعتکاف کرتے۔

بَابُ تَحَرِّیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ فِی الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ

رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق راتوں میں شبِ قدر کو تلاش کرنا

رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں شبِ قدر کا زیادہ امکان ہے اس لئے نبی ﷺ نے خاص طور پر ان راتوں میں تلاش کرنے کا حکم دیا ہے، پھر اگر شروع رمضان سے گنیں تو ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، اور ۲۹ طاق راتیں ہونگی اور اگر آخر سے گنیں تو اگر رمضان تیس کا پورا ہوگا تو طاق راتیں یہی ہونگی اور اگر انتیس کا پورا ہوگا تو طاق راتیں ۲۲، ۲۴، ۲۶ اور ۲۸ ہونگی، علماء نے دونوں طرح گنا ہے، پس عشرۂ اخیرہ کی ہر رات میں شبِ قدر ہونے کا امکان ہے۔

[۳-] بَابُ تَحَرِّیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ فِی الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ

فِیْهِ عَنْ عُبَادَةَ.

[۲۰۱۷-] حدثنا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ، ثنَا إِسْمَاعِیْلُ بْنُ جَعْفَرٍ، ثَنَا أَبُوْ سُهَیْلٍ، عَنْ أَبِیْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم قَالَ: "تَحَرَّوْا لَیْلَةَ الْقَدْرِ فِی الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ"

[انظر: ۲۰۱۹، ۲۰۲۰]

[۲۰۱۸-] حدثنا إِبْرَاهِیْمُ بْنُ حَمْزَةَ، ثَنِیْ ابْنُ أَبِیْ حَازِمٍ، وَالدَّرَاوَرْدِیُّ، عَنْ یَزِیْدَ بْنِ الْهَادِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِیْمَ، عَنْ أَبِیْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم یُجَاوِرُ فِی رَمَضَانَ الْعَشْرَ الَّتِیْ فِیْ وَسْطِ الشَّهْرِ، فَإِذَا كَانَ حِیْنَ یُمْسِیْ مِنْ عِشْرِیْنَ لَیْلَةً تَمْضِیْ، وَیَسْتَقْبِلُ إِحْدَی وَعِشْرِیْنَ رَجَعَ إِلٰی مَسْكَنِهِ، وَرَجَعَ مَنْ كَانَ یُجَاوِرُ مَعَهُ، وَأَنَّـهُ أَقَامَ فِی شَهْرٍ جَاوَرَ فِیْهِ اللَّیْلَةَ الَّتِیْ كَانَ یَرْجِعُ فِیْهَا، فَخَطَبَ النَّاسَ، فَأَمَرَهُمْ مَاشَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ قَالَ: "كُنْتُ أُجَاوِرُ هٰذِهِ الْعَشْرَ، ثُمَّ قَدْ بَدَا لِیْ أَنْ أُجَاوِرَ هٰذِهِ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ، فَمَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعِیْ فَلْیَثْبُتْ فِی مُعْتَكَفِهِ، وَقَدْ أُرِیْتُ هٰذِهِ اللَّیْلَةَ ثُمَّ أُنْسِیْتُهَا، فَابْتَغُوْهَا فِی الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ، وَابْتَغُوْهَا فِی كُلِّ وِتْرٍ، وَقَدْ رَأَیْتُنِیْ أَسْجُدُ فِی مَاءٍ وَطِیْنٍ" فَاسْتَهَلَّتِ السَّمَاءُ فِی تِلْكَ اللَّیْلَةِ، فَأَمْطَرَتْ، فَوَكَفَ الْمَسْجِدُ فِی مُصَلّٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم لَیْلَةَ إِحْدَی وَعِشْرِیْنَ، فَبَصُرَتْ عَیْنِیْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم، وَنَظَرْتُ إِلَیْهِ انْصَرَفَ مِنَ الصُّبْحِ، وَوَجْهُهُ مُمْتَلِئٌ طِیْنًا وَمَاءً. [راجع: ٦٦٩]

[۲۰۱۹-] وحدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی، ثَنِیْ یَحْیَی، عَنْ هِشَامٍ، أَخْبَرَنِیْ أَبِیْ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیه وسلم، أَنَّـهُ قَالَ: "الْتَمِسُوْا" [راجع: ۲۰۱۷]

[۲۰۲۰-] ح:وَحَدَّثَنِیْ مُحَمَّدٌ، أَخْبَرَنِیْ عَبْدَةُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُجَاوِرُ فِی الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ، وَيَقُوْلُ:"تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِی الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ"[راجع: ۲۰۱۷]

[۲۰۲۱-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا وُهَيْبٌ، ثَنَا أَيُّوْبُ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِیَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" الْتَمِسُوْهَا فِی الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فِی رَمَضَانَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ، فِی تَاسِعَةٍ تَبْقَى، فِی سَابِعَةٍ تَبْقَى، فِی خَامِسَةٍ تَبْقَى"

تَابَعَهُ عَبْدُ الْوَهَّابِ، عَنْ أَيُّوْبَ، وَعَنْ خَالِدٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: الْتَمِسُوْا فِی أَرْبَعٍ وَعِشْرِيْنَ. [انظر: ۲۰۲۲]

[۲۰۲۲-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِی الْأَسْوَدِ، ثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، ثَنَا عَاصِمٌ، عَنْ أَبِیْ مِجْلَزٍ، وَعِكْرِمَةَ، قَالَا: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" هِیَ فِی الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ، هِیَ فِی تِسْعٍ يَمْضِيْنَ، أَوْ: فِی سَبْعٍ يَبْقَيْنَ" يَعْنِیْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ.[راجع: ۲۰۲۱]

وضاحت:فيه عن عبادة:اس باب میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث لکھی جاسکتی ہے یہ حدیث اگلے باب میں آرہی ہے(نمبر۲۰۲۳)علاوہ ازیں:باب میں تین حدیثیں ہیں:حضرات عائشہ،ابوسعید خدری اورابن عباس رضی اللہ عنہم کی، اورحضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث تین سندوں سے لکھی ہے،مگر درمیان میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث لے آئے ہیں۔

حضرت عائشہؓ کی حدیث:پہلے طریق (نمبر۲۰۱۷) میں تَحَرَّوْا ہے،یعنی تلاش کرو،اوردوسرے طریق (نمبر۲۰۱۹) میں التمسوا ہے،اس کے معنی بھی ہیں:تلاش کرو،حدیث کے باقی الفاظ دونوں طریق سے ایک ہیں،اورتیسرے طریق (نمبر۲۰۲۰) میں حدیث کا ابتدائی حصہ بھی مذکور ہے۔صدیقہ فرماتی ہیں:رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری دس دنوں کا اعتکاف کیا کرتے تھے،اورفرمایا کرتے تھے:تَحَرَّوْا (الی آخرہ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث:(نمبر۲۰۱۸)رسول اللہ ﷺ رمضان کے اُس عشرہ کا اعتکاف کیا کرتے تھے،جومہینہ کے درمیان میں ہوتا ہے،پس جب بیسویں رات گذرجاتی،اوراکیسویں رات آتی تو آپؐ گھر لوٹ جاتے،اوروہ لوگ جنھوں نے آپؐ کے ساتھ اعتکاف کیا تھا:وہ بھی گھر لوٹ جاتے،اورآپؐ ایک مہینہ ٹھہرے رہے یعنی اس رات میں اعتکاف میں رہے جس رات میں آپؐ لوٹ جاتے تھے،پس آپؐ نے لوگوں سے خطاب فرمایا یعنی ایک رمضان میں آپؐ درمیانی عشرہ کا اعتکاف پورا کرکے گھر نہیں لوٹے،بلکہ آخری عشرہ کا اعتکاف شروع کیا،اوراکیسویں شب میں تقریر فرمائی،پس آپؐ نے لوگوں کو حکم دیا جو اللہ نے چاہا،پھر فرمایا:"جس نے درمیانی عشرہ کا میرے ساتھ اعتکاف کیا

ہے وہ چاہئے کہ اپنے اعتکاف کی جگہ میں جما رہے یعنی آخری عشرہ کا بھی اعتکاف کرے، گھر نہ جائے، اور میں یہ رات (شبِ قدر) دکھلایا گیا ہوں، پھر میں اس کو بھلا دیا گیا ہوں، پس تم اس کو آخری دس راتوں میں تلاش کرو، اور اس کو ہر طاق رات میں تلاش کرو، اور میں نے خود کو کیچ میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے، پس اس رات میں بادل نمودار ہوا، اور برسا، پس رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھنے کی جگہ میں اکیسویں رات میں مسجد ٹپکی، پس میری آنکھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، اور میں نے آپؐ کی طرف دیکھا جب آپؐ نماز سے پھرے، درانحالیکہ آپؐ کا چہرہ کیچ سے بھرا ہوا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث: شبِ قدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو (لیلۃَ القدر: ھا سے بدل ہے) نویں رات میں جو باقی رہ جائے، ساتویں رات میں جو باقی رہ جائے، پانچویں رات میں جو باقی رہ جائے (اور عبدالوہاب: وہیب کے متابع ہیں، وہ اس حدیث کو ایوب اور خالد سے روایت کرتے ہیں، پھر وہ دونوں عکرمہ سے، اور وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں، ان کی روایت میں یہ ہے کہ چوبیسویں رات میں شبِ قدر کو تلاش کرو)

اور عاصم: ابومجلز اور عکرمہ سے، اور وہ دونوں ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ شبِ قدر آخری دس راتوں میں ہے، نویں رات میں جو گذر جائے یا فرمایا: ساتویں رات میں جو باقی رہ جائے۔

تشریح: ان احادیث کی وجہ سے علماء نے آخر سے بھی گنا ہے، غرض: آخری عشرہ کی ہر رات شبِ قدر ہوسکتی ہے۔

بَابُ رَفْعِ مَعْرِفَةِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ لِتَلَاحِي النَّاسِ

لوگوں کے جھگڑے کی وجہ سے شبِ قدر کا علم اٹھالیا

تَلَاحَی الرجلان: باہم گالی گلوچ کرنا، باہم جھگڑنا (مادہ لحی) کتاب الایمان (باب ۳۶) میں یہ حدیث گذری ہے ایک مرتبہ نبی ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے، آپؐ نے دو شخصوں کو جھگڑتے ہوئے دیکھا، آپؐ صلح صفائی میں لگ گئے اور شب قدر کا علم ذہن سے نکل گیا، آپؐ نے فرمایا: میں اس لئے آیا تھا کہ تمہیں شبِ قدر کی اطلاع دوں، مگر فلاں اور فلاں جھگڑ رہے تھے ان کے جھگڑے کی نحوست سے شبِ قدر کی تعیین اٹھالی گئی، پھر فرمایا: شاید اسی میں تمہارے لئے خیر ہو، اگر معین رات بتادی جاتی تو لوگ اسی رات میں عبادت کرتے، اب سب راتوں میں عبادت کریں گے، لہٰذا رمضان کی ہر رات میں شبِ قدر تلاش کرو، خاص طور پر انتیسویں، ستائیسویں اور پچیسویں رات میں تلاش کرو (تحفۃ القاری ۱:۲۸۴)

[٤-] بَابُ رَفْعِ مَعْرِفَةِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ لِتَلَاحِي النَّاسِ

[۲۰۲۳-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، ثَنِيْ خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ، ثَنَا حُمَيْدٌ، ثَنَا أَنَسٌ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لِيُخْبِرَنَا بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ، فَتَلَاحَى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ،

فَقَالَ:" خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ، فَتلَاحَى فُلَانٌ وَفُلَانٌ، فَرُفِعَتْ، وَعَسٰى أَنْ يَكُوْنَ خَيْرًا لَكُمْ، فَالْتَمِسُوْهَا فِي التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ"[راجع: ٤٩]

بَابُ الْعَمَلِ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ

رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت کرنا

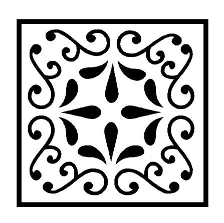
آخری عشرہ کی ہر رات میں شبِ قدر کو تلاش کرنا چاہئے ،یعنی عبادت کرنی چاہئے ،مگراس کے لئے پوری رات جاگنا ضروری نہیں، نہ کوئی خاص عمل مروی ہے، بلکہ عام راتوں سے کچھ زیادہ ذکرواذکار،تلاوت،عبادت اورنمازوں کا اہتمام کرنا چاہئے ،شبِ قدر کو تلاش کرنے کا یہی مطلب ہے۔

[٥-] بَابُ الْعَمَلِ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ

[٢٠٢٤-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي يَعْفُوْرٍ، عَنْ أَبِي الضُّحَى، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَادَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَهُ، وَأَحْيَى لَيْلَهُ، وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ.

ترجمہ: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب آخری عشرہ شروع ہوتا تو نبی ﷺ اپنی لنگی کس لیتے ،اوراپنی رات کو زندہ کرتے ،اور گھر والوں کو بیدار کرتے۔

تشریح: لنگی کس لینے کا مطلب بعض حضرات نے یہ بیان کیا ہے کہ بیویوں سے صحبت نہیں کرتے تھے،مگر یہ مطلب صحیح نہیں، بلکہ یہ محاورہ ہےاوراس کا مطلب ہے: تندہی کے ساتھ عبادت میں لگ جانا،اردو میں بھی کمر کسنا محاورہ ہےاوراحیاء لیل کے لئے پوری رات جگنا ضروری نہیں، بلکہ عام راتوں کی بنسبت آنحضور ﷺ عشرہ اخیرہ کی راتوں میں زیادہ عبادت کرتے تھے،اورآپؐ پورے سال گھر والوں کو تہجد کے لئے نہیں جگاتے تھے، وہ خوداٹھیں توان کی مرضی ،مگرعشرۂ اخیرہ میں گھر والوں کو بھی بیدارفرماتے تھے۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أَبْوَابُ الِاعْتِكَافِ

اعتکاف کا بیان

اعتکاف کے لغوی معنی ہیں: ٹھہرنا، اور اصطلاحی معنی ہیں: عبادت کی نیت سے مسجد میں ٹھہرنا۔ اعتکاف کی تین قسمیں ہیں: واجب، سنت مؤکدہ علی الکفایہ، اور مستحب۔

واجب اعتکاف: منت کا اعتکاف ہے، نذریں دو ہیں: نذر معلّق اور نذر منجز، نذر معلّق یہ ہے کہ آدمی اعتکاف کو کسی کام پر معلّق کرے کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں اعتکاف کروں گا، پھر وہ کام ہوگیا تو اعتکاف کرنا واجب ہے اور نذر منجز یہ ہے کہ کسی چیز پر معلّق کئے بغیر اللہ کے لئے اعتکاف کرنے کی منت مانے، اس صورت میں بھی اعتکاف واجب ہوجاتا ہے۔ اور رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے، ان دو اعتکافوں کے علاوہ جو بھی اعتکاف ہے وہ مستحب ہے اور اس کے لئے مفتی بہ قول کے مطابق نہ وقت کی تحدید ہے نہ روزہ شرط ہے، البتہ واجب اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے، خواہ روزہ کی منت مانی ہو یا نہ مانی ہو، روزہ کے بغیر واجب اعتکاف نہیں ہوتا، اور اگر کوئی شخص رمضان میں اعتکاف کی منت مانے تو رمضان کا روزہ کافی ہے، اسی طرح سنت مؤکدہ اعتکاف کے لئے بھی روزہ شرط ہے، پس اگر کسی نے رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کیا، پھر بیمار ہوگیا، اور ڈاکٹر نے روزے سے روک دیا تو اعتکاف ختم ہوجائے گا، بعد میں قضا کرے، جس طرح آگے آرہا ہے۔

بَابُ الِاعْتِكَافِ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ

عشرۂ اخیرہ میں اعتکاف کرنا

اس باب میں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے، اور علی الکفایہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک دو آدمی بھی اعتکاف کرلیں تو ساری بستی/محلّہ کی طرف سے سنت ادا ہوجائے گی، اور اگر کوئی بھی اعتکاف نہ کرے تو سب پر

ترکِ سنت کا وبال ہوگا۔

دوسرا مسئلہ: اعتکاف کے لئے مسجد شرط ہے یا نہیں؟ ایک قول یہ ہے کہ اعتکاف کے لئے مسجد شرط نہیں، حاشیہ میں اس کی تردید کی ہے کہ مردوں کے اعتکاف کے لئے مسجد شرط ہے، البتہ عورت گھر کی مسجد میں اعتکاف کرسکتی ہے یعنی گھر میں نماز پڑھنے کے لئے جو کمرہ یا گوشہ خاص ہے وہاں عورت اعتکاف کرسکتی ہے، اور اگر کوئی جگہ خاص نہیں ہے تو خاص کرلے اور وہاں اعتکاف کرے۔ پس یہ قول کہ اعتکاف کے لئے مسجد ضروری نہیں: کسی درجہ میں صحیح ہوگیا۔ اسی طرح یورپ اور امریکہ میں مصلّی (جماعت خانہ) ہوتا ہے، جب تک حکومت کی طرف سے مسجد بنانے کی باقاعدہ اجازت نہیں ملتی لوگ کوئی گھر وغیرہ کرایہ پر لے کر اس کو عارضی مسجد بنالیتے ہیں، وہاں پنج وقتہ نماز ہوتی ہے، امام متعین ہوتا ہے اور نمازی بھی متعین ہوتے ہیں، پھر جب مسجد بنانے کی اجازت مل جاتی ہے تو مسجد بنالیتے ہیں، ان جماعت خانوں میں مفتیانِ کرام نے اعتکاف کے جواز کا فتوی دیا ہے، معلوم ہوا کہ یہ قول کہ اعتکاف کے لئے مسجد ضروری نہیں، کسی درجہ میں قابل لحاظ ہے۔

البتہ چاروں ائمہ متفق ہیں کہ مردوں کے اعتکاف کے لئے مسجد شرط ہے، غیر مسجد میں مردوں کا اعتکاف نہیں ہوتا، پھر حنفیہ اور امام بخاریؒ کے نزدیک ہر اس مسجد میں جہاں پنج وقتہ نماز ہوتی ہے اور امام اور نمازی متعین ہیں وہاں اعتکاف ہوسکتا ہے۔ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صرف اسی مسجد میں اعتکاف ہوسکتا ہے جہاں جمعہ ہوتا ہے، جہاں جمعہ نہیں ہوتا اس مسجد میں اعتکاف صحیح نہیں، کیونکہ جمعہ کے لئے معتکف کو جامع مسجد جانا پڑے گا، اور اعتکاف میں مسجد سے نکلنا جائز نہیں۔ اور حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لئے جامع مسجد جاسکتا ہے، یہ عذر شرعی ہے، پس ہر مسجد میں اعتکاف کرسکتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس مسئلہ میں حنفیہ کے ساتھ ہیں، چنانچہ آپؒ نے المساجد کے بعد کلھا بڑھایا ہے یعنی سب مسجدوں میں اعتکاف ہوسکتا ہے، اس لئے کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وَلاَ تُبَاشِرُوْهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾: اور بیویوں کے بدن سے اپنا بدن نہ ملنے دو جبکہ تم مسجدوں میں اعتکاف میں ہو، اس سے معلوم ہوا کہ اعتکاف مسجد ہی میں ہوگا اور ہر مسجد میں اعتکاف ہوسکتا ہے اس لئے کہ آیت مطلق ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[۳۳- أَبْوَابُ الإِعْتِكَافِ]

[۱-] بَابُ الإِعْتِكَافِ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ

وَالإِعْتِكَافُ فِي الْمَسَاجِدِ كُلِّهَا، لِقَوْلِهِ ﴿وَلاَ تُبَاشِرُوْهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ، تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلاَ تَقْرَبُوْهَا﴾ إِلَى آخِرِ الآيَةِ.[البقرة: ۱۸۷]

[۲۰۲۵-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنِيْ ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ يُوْنُسَ، أَنَّ نَافِعًا أَخْبَرَهُ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ.

[۲۰۲۶-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ، حَتَّى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ، ثُمَّ اعْتَكَفَ أَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهِ.

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نبی ﷺ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کیا کرتے تھے —— اور صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ آپؐ کی وفات ہوگئی، پھر آپؐ کے بعد آپؐ کی ازواج نے اعتکاف کیا (عورتوں کے لئے مسجد میں اگر مخصوص جگہ ہو تو عورت مسجد میں اعتکاف کرسکتی ہے)

تشریح: نبی ﷺ جب مدینہ منورہ میں ہوتے تھے تو ہمیشہ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کرتے تھے، مگر آپؐ نے نہ تو صحابہ کو اعتکاف کرنے کی تاکید فرمائی، نہ اعتکاف نہ کرنے والوں پر نکیر فرمائی۔ اس لئے مواظبت سے اعتکاف کا سنت ہونا یا زیادہ سے زیادہ سنت مؤکدہ ہونا ثابت ہوتا ہے، اگر آپؐ نے مواظبت کے ساتھ صحابہ کو اعتکاف کی تاکید بھی فرمائی ہوتی یا اعتکاف نہ کرنے پر نکیر فرمائی ہوتی تو اعتکاف کا وجوب ثابت ہوتا۔

[۲۰۲۷-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ، ثَنِيْ مَالِكٌ، عَنْ يَزِيْدَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْهَادِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ الحَارِثِ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَعْتَكِفُ فِي الْعَشْرِ الْأَوْسَطِ مِنْ رَمَضَانَ، فَاعْتَكَفَ عَامًا، حَتَّى إِذَا كَانَ لَيْلَةُ إِحْدَى وَعِشْرِيْنَ، وَهِيَ اللَّيْلَةُ الَّتِيْ يَخْرُجُ مِنْ صَبِيْحَتِهَا مِنِ اعْتِكَافِهِ، قَالَ: "مَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعِيْ فَلْيَعْتَكِفِ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ، فَقَدْ أُرِيْتُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ أُنْسِيْتُهَا، وَقَدْ رَأَيْتُنِيْ أَسْجُدُ فِيْ مَاءٍ وَطِيْنٍ مِنْ صَبِيْحَتِهَا، فَالْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ، وَالْتَمِسُوْهَا فِيْ كُلِّ وِتْرٍ" فَمَطَرَتِ السَّمَاءُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ، وَكَانَ الْمَسْجِدُ عَلٰى عَرِيْشٍ، فَوَكَفَ الْمَسْجِدُ، فَبَصُرَتْ عَيْنَايَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَلٰى جَبْهَتِهِ أَثَرُ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ مِنْ صُبْحِ إِحْدَى وَعِشْرِيْنَ. [راجع: ٦٦٩]

وضاحت: یہ حدیث ابھی گذری ہے۔ جاننا چاہئے کہ جو شخص درمیانی عشرہ کا اعتکاف کرے وہ اکیسویں شب میں گھر جاسکتا ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ اکیسویں رات مسجد میں گذار کر صبح کو گھر جائے، اور حدیث کا ترجمہ اور شرح کتاب الصلوٰۃ باب ۱۳۵ (تحفۃ القاری ۳: ۱۴۱) میں ہے۔

بَابُ الْحَائِضِ تُرَجِّلُ الْمُعْتَكِفَ

حائضہ معتکف کا تیل کنگھا کرسکتی ہے

حائضہ مسجد میں داخل نہیں ہوسکتی، مگر باہر سے معتکف کا تیل کنگھا کرسکتی ہے، آنحضور ﷺ جب رمضان میں اعتکاف فرماتے تھے تو چونکہ بال بڑے تھے اور دس دن کا اعتکاف ہوتا تھا، اتنے دن اگر سر کو نہ دھویا جائے اور تیل نہ ڈالا جائے تو سر میں خشکی ہوجاتی ہے، اس لئے آپؐ مسجد میں رہ کر کمرہ میں سر نکال دیتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کسی بڑے برتن میں سر دھودیتی تھیں، پھر بالوں کو خشک کرکے تیل پلاتیں اور کنگھی کرتیں، اس زمانہ میں آپؓ حیض میں ہوتی تھیں، معلوم ہوا کہ حائضہ معتکف کی یہ خدمت کرسکتی ہے۔

[۲-] بَابُ الْحَائِضِ تُرَجِّلُ الْمُعْتَكِفَ

[۲۰۲۸-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، ثَنَا يَحْيىَ، عَنْ هِشَامٍ، أَخْبَرَنِىْ أَبِىْ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِىِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَتْ: كَانَ النَّبِىُّ صلى الله عليه وسلم يُصْغِىْ إِلَىَّ رَأْسَهُ، وَهُوَ مُجَاوِرٌ فِى الْمَسْجِدِ، فَأُرَجِّلُهُ وَأَنَا حَائِضٌ. [راجع: ۲۹۵]

وضاحت: مدینہ منورہ کی اصطلاح میں مجاور: معتکف کو کہتے ہیں، جو مسجد میں بیٹھ جاتا ہے وہ اللہ کا پڑوسی بن جاتا ہے۔

بَابٌ: الْمُعْتَكِفُ لاَ يَدْخُلُ الْبَيْتَ إِلَّا لِحَاجَةٍ

معتکف ضرورت ہی کے لئے گھر میں جاسکتا ہے

معتکف انسانی ضرورت پیشاب پاخانہ کے لئے مسجد سے نکل سکتا ہے، بلکہ اگر مسجد میں بیت الخلاء نہ ہو تو استنجے کے لئے گھر یا جنگل میں بھی جاسکتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی کھانا لاکر دینے والا نہ ہو تو گھر سے یا ہوٹل سے کھانا بھی لاسکتا ہے، پانی مسجد سے باہر ہو تو باہر جاکر پانی پی سکتا ہے۔ غرض ہر انسانی ضرورت کے لئے معتکف مسجد سے نکل سکتا ہے۔

[۳-] بَابٌ: الْمُعْتَكِفُ لاَ يَدْخُلُ الْبَيْتَ إِلَّا لِحَاجَةٍ

[۲۰۲۹-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، وَعَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِىِّ صلى الله عليه وسلم قَالَتْ: وَإِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لَيُدْخِلُ عَلَىَّ رَأْسَهُ وَهُوَ فِى الْمَسْجِدِ فَأُرَجِّلُهُ، وَكَانَ لاَ يَدْخُلُ الْبَيْتَ إِلَّا لِحَاجَةٍ إِذَا كَانَ مُعْتَكِفًا.

[انظر: ۲۰۳۳، ۲۰۳٤، ۲۰٤۱، ۲۰٤۵]

ترجمہ: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ میرے حجرہ میں سر مبارک داخل کرتے درانحالیکہ آپؐ مسجد میں ہوتے تھے، پس میں سر میں تیل کنگھا کرتی، اور آپؐ گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے، مگر (انسانی) ضرورت کے لئے (مسلم میں إلا لحاجة الإنسان ہے) جبکہ آپؐ اعتکاف میں ہوتے تھے۔

تشریح: بول و براز کے لئے معتکف کا مسجد سے نکلنا بالاتفاق جائز ہے، نبی ﷺ انسانی ضرورت کے لئے مسجد سے نکلتے تھے، اسی طرح اگر کوئی کھانا پانی لاکر دینے والا نہ ہو تو معتکف خود جاکر کھانا پانی لاسکتا ہے، یہ بھی انسانی ضرورت ہے، البتہ مسجد میں لاکر کھائے، گھر میں یا ہوٹل میں نہ کھائے۔

اور جمعہ پڑھنے کے لئے جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ ناجائز کہتے ہیں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: جامع مسجد ہی میں اعتکاف کرنا ضروری ہے، جس مسجد میں جمعہ نہیں ہوتا وہاں اعتکاف کرنا جائز نہیں۔ اور احناف کے نزدیک جمعہ پڑھنے کے لئے نکلنا جائز ہے، البتہ معتکف کو چاہئے کہ وہ مسجد سے کم سے کم غیر حاضر رہے۔ جمعہ کے بالکل قریب مسجد سے نکلے اور جمعہ پڑھ کر فوراً واپس آجائے، سنتیں اپنی مسجد میں پڑھے۔

اور دیگر حاجاتِ شرعیہ مثلاً مریض کی عیادت یا نماز جنازہ کے لئے مسجد سے نکل سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں بھی اختلاف ہے۔ بعض علماء جواز کے قائل ہیں، مگر ائمہ اربعہ متفق ہیں کہ ان کاموں کے لئے مسجد سے نکلنا جائز نہیں، جب امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک جمعہ کے لئے نکلنا جائز نہیں تو ان کاموں کے لئے بدرجہ اولیٰ نکلنا جائز نہیں۔

بَابُ غَسْلِ الْمُعْتَكِفِ

معتکف کا (سر وغیرہ) دھونا

معتکف سر دھوسکتا ہے اور تیل کنگھا کرسکتا ہے، آنحضور ﷺ جب اعتکاف میں ہوتے تھے تو چونکہ سر پر بال بڑے تھے اور جس کے بال بڑے ہوتے ہیں اس کو وقفہ وقفہ سے نہا کر یا سر کو اچھی طرح دھوکر ان کو تیل پلانا ضروری ہوتا ہے ورنہ سر میں کھجلی ہوجاتی ہے اور معتکف کے لئے نہانے یا سر دھونے کے لئے مسجد سے نکلنا جائز نہیں، اس لئے نبی ﷺ مسجد سے سر باہر نکال دیتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جن کا حجرہ مسجد سے متصل تھا کوئی بڑا برتن رکھ کر اس میں سر دھودیتی تھیں اور تیل لگاکر کنگھا کردیتی تھیں، اس مقصد کے لئے آپؐ مسجد سے نہیں نکلتے تھے۔

یہاں سے یہ مسئلہ نکلا کہ معتکف جمعہ کا غسل کرنے کے لئے یا کپڑے بدلنے کے لئے نہانے کے لئے یا گرمی میں غسل کرنے کے لئے مسجد سے نہیں نکل سکتا، ہاں معتکف جب استنجے کے لئے جائے تو بیت الخلاء میں نہاتا آئے، اسی طرح اگر معتکف مسجد میں نہائے تو جائز ہے، بشرطیکہ مسجد آلودہ نہ ہو، متعلقین بڑا ٹب مسجد میں کنارہ پر رکھ دیں اور معتکف اس میں بیٹھ کر نہالے، پھر لوگ پانی باہر پھینک دیں تو یہ جائز ہے۔

[٤-] بَابُ غَسْلِ الْمُعْتَكِفِ

[٢٠٣٠-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنِ الأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُبَاشِرُنِيْ وَأَنَا حَائِضٌ.[راجع: ٢٩٥]

[٢٠٣١-] وَكَانَ يُخْرِجُ رَأْسَهُ مِنَ الْمَسْجِدِ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ، فَأَغْسِلُهُ وَأَنَا حَائِضٌ.[راجع: ٢٩٥]

ملحوظہ: دونوں حدیثیں ایک ہیں، نمبر حوالہ دینے کے لئے الگ کردیا ہے۔

بَابُ الِاعْتِكَافِ لَيْلاً

رات میں اعتکاف کرنا

نفل اعتکاف ہر وقت ہوسکتا ہے اس کے لئے کوئی شرط نہیں، البتہ واجب اور سنت مؤکدہ اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے، اس لئے یہ دونوں اعتکاف رات میں نہیں ہوسکتے، کم سے کم چوبیس گھنٹے کا اعتکاف ہوگا، مگر امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک واجب اور سنت مؤکدہ اعتکاف بھی رات میں کرسکتے ہیں، آپؒ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے استدلال کیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمانۂ جاہلیت میں منت مانی تھی کہ اگر ان کا فلاں کام ہوگیا تو وہ ایک رات حرم شریف میں اعتکاف کریں گے، پھر ان کا وہ کام ہوگیا، اور ابھی منت پوری نہیں کی تھی کہ مسلمان ہوگئے، پھر ہجرت کرکے مدینہ منورہ چلے گئے، فتح مکہ کے بعد انھوں نے یہ بات نبی ﷺ سے ذکر کی تو آپؐ نے فرمایا: ''اب اپنی منت پوری کرلو'' اس حدیث کے ظاہر سے حضرت رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ صرف رات میں واجب اعتکاف ہوسکتا ہے، مگر اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح ہمارے محاورہ میں 'دن' بول کر چوبیس گھنٹے مراد لیتے ہیں، اسی طرح عربی میں 'رات' بول کر چوبیس گھنٹے مراد لیتے ہیں۔

[٥-] بَابُ الِاعْتِكَافِ لَيْلاً

[٢٠٣٢-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، أَخْبَرَنِيْ نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ سَأَلَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: كُنْتُ نَذَرْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ أَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، قَالَ: '' أَوْفِ بِنَذْرِكَ''[انظر: ٢٠٤٣، ٣١٤٤، ٤٣٢٠، ٦٦٩٧]

بَابُ اعْتِكَافِ النِّسَاءِ

عورتوں کا اعتکاف کرنا

عورت بھی اعتکاف کرسکتی ہے، اعتکاف مردوں کے ساتھ خاص نہیں۔ باب میں یہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ رمضان

میں آخری عشرہ کا اعتکاف کیا کرتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اکیسویں شب میں خیمہ کھڑا کرتی تھیں یعنی چٹائیاں باندھ کر آنحضور ﷺ کے لئے مسجد میں عارضی کمرہ بناتی تھیں، پھر صبح میں فجر کی نماز پڑھا کر آپؐ اس کمرہ میں جا کر آرام فرماتے تھے۔ ایک رمضان میں حضرت عائشہؓ نے اعتکاف کرنے کی اور اپنے لئے مسجد میں عارضی کمرہ بنانے کی اجازت چاہی، آپؐ نے اجازت دیدی، چنانچہ انھوں نے آنحضور ﷺ کے کمرہ کے برابر میں اپنے لئے چٹائیاں باندھ کر کمرہ بنالیا، جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہ دیکھا تو انھوں نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اجازت سے اپنا الگ کمرہ بنایا، ازواج مطہرات میں دو پارٹیاں تھیں، ایک کی بڑی حضرت عائشہؓ تھیں اور دوسری کی حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہؓ حضرت عائشہؓ کی پارٹی کی تھیں، یہ بات آگے بخاری میں آرہی ہے (حدیث ۲۵۸۱) جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کے خیمے دیکھے تو انھوں نے بھی اپنا خیمہ کھڑا کیا، مگر نہ آنحضور ﷺ سے اجازت لی، نہ حضرت عائشہؓ سے، جب آپؐ فجر کی نماز پڑھا کر خیمے کی طرف آئے تو آپؐ نے مسجد میں کئی خیمے دیکھے، آپؐ نے صورتِ حال معلوم کی، حقیقتِ حال سے واقف ہو کر آپؐ نے فرمایا: آلبِرَّ تُرَوْنَ بِهِنَّ؟ کیا نیکی دکھائی جاتی ہو تم ان خیموں سے؟ یعنی اللہ کی خوشنودی کے لئے اعتکاف کہاں رہا، یہ تو مقابلہ بازی ہوگئی! چنانچہ آپؐ نے سب خیمے اکھڑ وادیئے اور خود بھی اعتکاف سے نکل گئے، پھر شوال میں دس دن کا اعتکاف فرمایا، غرض عورت اعتکاف کرسکتی ہے۔

مسئلہ: رمضان میں اگر دو یا زیادہ دنوں کا اعتکاف کیا جائے تو ہر دن کا اعتکاف مستقل ہے، پس اگر کوئی اعتکاف توڑ دے تو اس پر چوبیس گھنٹے کی قضا واجب ہے، مثلاً ایک شخص نے رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کیا، پھر چھبیسویں تاریخ میں اعتکاف توڑ دیا تو صرف چوبیس گھنٹے کی قضا واجب ہے، اس لئے کہ گذشتہ ایام کا اعتکاف صحیح ہوگیا اور آئندہ کا اعتکاف شروع نہیں کیا، پس جس دن کا اعتکاف توڑا ہے اسی دن کی قضا واجب ہے، جیسے نفل نماز دو دو رکعتیں ہیں پس اگر کوئی چار، چھ یا آٹھ رکعت کی نیت باندھے، پھر چوتھی رکعت میں نماز توڑ دے تو صرف ایک شفعہ کی قضا واجب ہوگی کیونکہ جو شفعہ پڑھ چکا وہ صحیح ہوگیا اور اگلا شفعہ شروع نہیں ہوا پس جو شفعہ توڑا ہے اسی کی قضا واجب ہے، اسی طرح ہر دن کا اعتکاف مستقل ہے اور اگر پہلے سے نیت تھی اور ٹھیک غروب کے وقت اعتکاف سے نکل گیا تو کوئی قضا واجب نہیں، جیسے مذکورہ مثال میں کسی بھی شفعہ پر سلام پھیر دیا تو کوئی قضا واجب نہیں۔ اور اگر کوئی قضا کے طور پر پورے عشرہ کا اعتکاف کرے تو سبحان اللہ! نبی ﷺ نے جو اعتکاف چھوڑا تھا اس کے بدلہ میں شوال میں دن دن کا اعتکاف کیا تھا۔

[٦-] بَابُ اعْتِكَافِ النِّسَاءِ

[٢٠٣٣-] حدثنا أَبُو النُّعْمَانِ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ

عَنْهَا، قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَعْتَكِفُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ، فَكُنْتُ أَضْرِبُ لَهُ خِبَاءً، فَيُصَلِّي الصُّبْحَ ثُمَّ يَدْخُلُهُ، فَاسْتَأْذَنَتْ حَفْصَةُ عَائِشَةَ أَنْ تَضْرِبَ خِبَاءً، فَأَذِنَتْ لَهَا، فَضَرَبَتْ خِبَاءً، فَلَمَّا رَأَتْهُ زَيْنَبُ بِنْتُ جَحْشٍ ضَرَبَتْ خِبَاءً آخَرَ، فَلَمَّا أَصْبَحَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم رَأَى الْأَخْبِيَةَ، فَقَالَ: "مَا هٰذَا؟" فَأُخْبِرَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "آلْبِرَّ تُرَوْنَ بِهِنَّ؟" فَتَرَكَ الاعْتِكَافَ ذٰلِكَ الشَّهْرَ، ثُمَ اعْتَكَفَ عَشْرًا مِنْ شَوَّالٍ. [راجع: ۲۰۲۹]

بَابُ الْأَخْبِيَةِ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں خیمے

أَخْبِيَة: خِبَاء کی جمع ہے: پشم یا اون یا بالوں کا خیمہ جو دو یا تین ستونوں پر کھڑا ہو۔ ازواج مطہرات نے مسجد میں خیمے کھڑے کئے یا چٹائیاں باندھ کر کمرے بنائے، آج کل مچھر دانیاں خیموں جیسی ہوتی ہیں، جس میں ایک آدمی لیٹ سکتا ہے، اتنے چھوٹے خیمے بھی ہوتے تھے۔

[۷-] بَابُ الْأَخْبِيَةِ فِي الْمَسْجِدِ

[۲۰۳٤-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَرَادَ أَنْ يَعْتَكِفَ، فَلَمَّا انْصَرَفَ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِيْ أَرَادَ أَنْ يَعْتَكِفَ، إِذَا أَخْبِيَةٌ: خِبَاءُ عَائِشَةَ، وَخِبَاءُ حَفْصَةَ، وَخِبَاءُ زَيْنَبَ، فَقَالَ: "آلْبِرَّ تَقُوْلُوْنَ بِهِنَّ؟" ثُمَّ انْصَرَفَ، فَلَمْ يَعْتَكِفْ حَتَّى اعْتَكَفَ عَشْرًا مِنْ شَوَّالٍ. [راجع: ۲۰۲۹]

وضاحت: فجر کی نماز پڑھا کر جب آپؐ آرام فرمانے کے لئے اپنے خیمے کی طرف آئے تو آپؐ نے مسجد میں خیمے ہی خیمے دیکھے! تقولون: أی تظنون، والقول یطلق علی الظن (فتح)

بَابٌ: هَلْ يَخْرُجُ الْمُعْتَكِفُ لِحَوَائِجِهِ إِلَى بَابِ الْمَسْجِدِ؟

کیا معتکف اپنی ضرورت کے لئے مسجد کے دروازے کی طرف نکل سکتا ہے؟

اگر کوئی ضرورت ہو تو معتکف مسجد کے دروازہ تک نکل سکتا ہے، اس میں کچھ حرج نہیں۔ جب آنحضور ﷺ اعتکاف میں ہوتے تھے تو ازواج مطہرات رات میں ملاقات کے لئے آتی تھیں، ایک رات حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ملنے کے لئے

آئیں، جب وہ جانے لگیں تو آپؐ ان کو چھوڑنے کے لئے مسجد کے دروازہ تک گئے، ان کا حجرہ مسجدِ نبوی کے سامنے روڈ کی دوسری طرف داراسامہ میں تھا، اور اندھیرا تھا، مسجدِ نبوی میں چراغ نہیں جلتا تھا، اس لئے آپؐ ان کو پہنچانے کے لئے مسجد کے دروازہ تک گئے۔ جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ام سلمہ کے گھر کے دروازے کے پاس مسجد کے دروازے سے نکلیں، تو وہاں سے دو صحابہ گذرے، انھوں نے سلام کیا اور تیزی سے آگے بڑھ گئے، آپؐ نے فرمایا: ''ٹھہرو! پہچانو یہ میری بیوی صفیہؓ ہیں'' ان حضرات نے عرض کیا: سبحان اللہ! یارسول اللہ! یعنی ہم کیا آپؐ کے بارے میں کوئی بدگمانی کر سکتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: شیطان انسان کی رگوں میں دوڑتا ہے، اس لئے مجھے ڈر ہوا کہ کہیں وہ تمہارے دلوں میں کوئی بات نہ ڈال دے، اس لئے میں نے بات کلیر کی تاکہ شیطان کوئی وسوسہ نہ ڈال سکے۔

[۸-] بَابٌ: هَلْ يَخْرُجُ الْمُعْتَكِفُ لِحَوَائِجِهِ إِلَى بَابِ الْمَسْجِدِ؟

[۲۰۳۵-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، أَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِيْ عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ، أَنَّ صَفِيَّةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَخْبَرَتْهُ، أَنَّهَا جَاءَ تْ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم تَزُوْرُهُ فِي اعْتِكَافِهِ فِي الْمَسْجِدِ، فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ، فَحَدَّثَتْ عِنْدَهُ سَاعَةً، ثُمَّ قَامَتْ تَنْقَلِبُ، فَقَامَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مَعَهَا يَقْلِبُهَا، حَتَّى إِذَا بَلَغَتْ بَابَ الْمَسْجِدِ عِنْدَ بَابِ أُمِّ سَلَمَةَ، مَرَّ رَجُلَانِ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَسَلَّمَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ لَهُمَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "عَلٰى رِسْلِكُمَا، إِنَّمَا هِيَ صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ" فَقَالَا: سُبْحَانَ اللّٰهِ! يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَكَبُرَ عَلَيْهِمَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "إِنَّ الشَّيْطَانَ يَبْلُغُ مِنَ الإِنْسَانِ مَبْلَغَ الدَّمِ، وَإِنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ يَقْذِفَ فِي قُلُوْبِكُمَا شَيْئًا"[انظر: ۲۰۳۸، ۲۰۳۹، ۳۱۰۱، ۳۲۸۱، ۶۲۱۹، ۷۱۷۱]

ترجمہ: علی بن حسینؒ کہتے ہیں: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ان سے بیان کیا کہ وہ نبی ﷺ کے پاس آپؐ کے اعتکاف میں رمضان کے آخری عشرہ میں ملاقات کے لئے آئیں، پس آپؐ سے ایک گھڑی باتیں کیں، پھر واپس جانے کے لئے کھڑی ہوئیں، پس نبی ﷺ ان کے ساتھ کھڑے ہوئے، آپؐ ان کو پلٹا رہے ہیں یعنی گھر پہنچا رہے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ مسجد کے دروازہ پر باب ام سلمہ کے پاس پہنچیں تو انصار کے دو شخص گذرے اور انھوں نے آپؐ کو سلام کیا پس ان سے نبی ﷺ نے فرمایا: ''ٹھہرو! یہ صفیہ بنت حیی ہیں'' انھوں نے عرض کیا: سبحان اللہ! یارسول اللہ! اور ان پر شاق گذرا یعنی نبی ﷺ نے ان پر بدگمانی کی کہ وہ آپؐ کے بارے میں بدگمانی کر سکتے ہیں، یہ بات ان پر شاق گذری، پس آپؐ نے فرمایا: ''بیشک شیطان انسان کے اندر خون کے دوڑنے کی جگہ پہنچتا ہے اور میں ڈرا کہ تمہارے دلوں میں کچھ ڈال دے!''

بَابُ الِاعْتِكَافِ، وَخُرُوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم صَبِيْحَةَ عِشْرِيْنَ

اعتکاف کا بیان، اور نبی ﷺ کا بیس تاریخ کی صبح کو نکلنا

اگر درمیانی عشرہ کا اعتکاف کیا ہے تو اکیسویں رات کے شروع میں مسجد سے نکل سکتا ہے، اور بہتر یہ ہے کہ اکیسویں رات مسجد میں گذار کر صبح گھر جائے، بیسویں کی صبح میں مسجد سے نکلنا جائز نہیں، مگر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے ایک رمضان میں نبی ﷺ کے ساتھ درمیانی عشرہ کا اعتکاف کیا اور ہم بیسویں کی صبح میں نکلے: اس کا مطلب یہ ہے کہ بیسویں کی صبح میں سب اعتکاف کی جگہوں سے نکل کر نبی ﷺ کے پاس اکٹھا ہوئے اور آپؐ بھی اپنی عارضی کمرہ سے نکلے اور تقریر فرمائی۔ مسجد سے نکلنا مراد نہیں۔

ملحوظہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بار بار آرہی ہے، اور سب جگہ درمیانی عشرہ میں اعتکاف کرنے کا ذکر ہے، حالانکہ آپؐ نے اُس سال پہلے عشرہ کا بھی اعتکاف کیا تھا، مگر پہلے عشرہ کے اعتکاف میں حضرت ابوسعیدؓ نہیں ہونگے، اس لئے انھوں نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔

[۹-] بَابُ الِاعْتِكَافِ، وَخُرُوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم صَبِيْحَةَ عِشْرِيْنَ

[۲۰۳۶-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُنِيْرٍ، سَمِعَ هَارُوْنَ بْنَ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ، ثَنِيْ يَحْيَى بْنُ أَبِيْ كَثِيْرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ، قُلْتُ: هَلْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَذْكُرُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ؟ قَالَ: نَعَمْ، اعْتَكَفْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم الْعَشْرَ الْأَوْسَطَ مِنْ رَمَضَانَ، قَالَ: فَخَرَجْنَا صَبِيْحَةَ عِشْرِيْنَ، قَالَ: فَخَطَبَنَا رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم صَبِيْحَةَ عِشْرِيْنَ، فَقَالَ: " إِنِّيْ رَأَيْتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ، وَإِنِّيْ نُسِّيْتُهَا، فَالْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فِي الْوِتْرِ، فَإِنِّيْ رَأَيْتُ أَنِّيْ أَسْجُدُ فِي مَاءٍ وَطِيْنٍ، فَمَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَلْيَرْجِعْ" فَرَجَعَ النَّاسُ إِلَى الْمَسْجِدِ، وَمَا نَرَى فِي السَّمَاءِ قَزَعَةً، قَالَ: فَجَاءَتْ سَحَابَةٌ فَمَطَرَتْ، وَأُقِيْمَتِ الصَّلاَةُ فَسَجَدَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِي الطِّيْنِ وَالْمَاءِ، حَتَّى رَأَيْتُ الطِّيْنَ فِي أَرْنَبَتِهِ وَجَبْهَتِهِ. [راجع: ٦٦٩]

بَابُ اعْتِكَافِ الْمُسْتَحَاضَةِ

مستحاضہ کا اعتکاف کرنا

استحاضہ کا خون طہارت کے منافی نہیں، پس مستحاضہ اعتکاف کرسکتی ہے، وہ پاک عورت کی طرح ہے، اور حیض ونفاس کا

خون طہارت کے منافی ہے، اس لئے حائضہ اور نفساء اعتکاف نہیں کرسکتیں۔ تفصیل کتاب الحیض باب ۱۰ (تحفۃ القاری ۱۰۱:۳) میں گذرچکی ہے۔

[۱۰-] بَابُ اعْتِكَافِ الْمُسْتَحَاضَةِ

[۲۰۳۷-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: اعْتَكَفَتْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم امْرَأَةٌ مِنْ أَزْوَاجِهِ مُسْتَحَاضَةٌ، فَكَانَتْ تَرَى الْحُمْرَةَ وَالصُّفْرَةَ، فَرُبَّمَا وَضَعْنَا الطَّسْتَ تَحْتَهَا وَهِيَ تُصَلِّي. [راجع: ۳۰۹]

وضاحت: جو بیوی صاحبہ مستحاضہ تھیں اور اعتکاف میں تھیں وہ کبھی سرخ خون دیکھتیں اور کبھی زرد یعنی ان کو کبھی سرخ خون آتا اور کبھی زرد.......... **قولہ:** فربما وضعنا: اور گیلری میں وَضَعَتْ ہے اور یہی صحیح ہے یعنی وہ بیوی صاحبہ اعتکاف میں بھی تسلے میں پانی بھر کر اس میں بیٹھتی تھیں، یہ علاج تھا، اس سے رگیں سکڑتی ہیں اور شفا ہوتی ہے.......... **قولہ:** وهي تصلي: یعنی استحاضہ میں وہ نماز پڑھتی تھیں، اس لئے کہ مستحاضہ پاک عورت کی طرح ہے۔

بَابُ زِيَارَةِ الْمَرْأَةِ زَوْجَهَا فِي اعْتِكَافِهِ

عورت کا اپنے شوہر سے اعتکاف میں ملاقات کرنا

اعتکاف میں عورت، شوہر یا محرم سے ملاقات کے لئے آسکتی ہے، ہم حضرت شیخ قدس سرہ کے ساتھ اعتکاف کرتے تھے، دو چار دن میں خاندان کی عورتیں حضرت سے ملاقات کے لئے آتی تھیں اور کچھ دیر بیٹھ کر چلی جاتی تھیں، ان کا آنے جانے کا راستہ الگ تھا۔

[۱۱-] بَابُ زِيَارَةِ الْمَرْأَةِ زَوْجَهَا فِي اعْتِكَافِهِ

[۲۰۳۸-] حدثنا سَعِيْدُ بْنُ عُفَيْرٍ، ثَنِي اللَّيْثُ، ثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ: أَنَّ صَفِيَّةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَخْبَرَتْهُ، ح: وَحَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِي الْمَسْجِدِ، وَعِنْدَهُ أَزْوَاجُهُ، فَرُحْنَ. فَقَالَ لِصَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيٍّ: "لَا تَعْجَلِي حَتَّى أَنْصَرِفَ مَعَكِ" وَكَانَ بَيْتُهَا فِي دَارِ أُسَامَةَ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مَعَهَا، فَلَقِيَهُ رَجُلَانِ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَنَظَرَا إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ أَجَازَا. فَقَالَ لَهُمَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " تَعَالَيَا، إِنَّهَا صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ"

فَقَالاَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ! يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَقَالَ:" إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِىْ مِنَ الإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ، وَإِنِّىْ خَشِيْتُ أَنْ يُلْقِيَ فِى أَنْفُسِكُمَا شَيْئًا"[راجع: ۲۰۳۵]

بَابٌ: هَلْ يَدْرَأُ الْمُعْتَكِفُ عَنْ نَفْسِهِ؟

کیا معتکف اپنی مدافعت کرسکتا ہے؟

اگر معتکف پر کوئی الزام آسکتا ہوتو معتکف اپنی مدافعت کرسکتا ہے، کیونکہ شیطان وسوسہ ڈال سکتا ہے۔اس کی روک تھام ضروری ہے، نبی ﷺ نے انصاری صحابہ کوروک کر پہچانوایا کہ وہ خاتون آپؐ کی اہلیہ ہیں، یہ آپؐ نے اپنی مدافعت کی۔

[۱۲-] بَابٌ: هَلْ يَدْرَأُ الْمُعْتَكِفُ عَنْ نَفْسِهِ؟

[۲۰۳۹-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنِىْ أَخِىْ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِىْ عَتِيْقٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، أَنَّ صَفِيَّةَ أَخْبَرَتْهُ، ح: وَحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ، يُخْبِرُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، أَنَّ صَفِيَّةَ أَتَتِ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ مُعْتَكِفٌ، فَلَمَّا رَجَعَتْ مَشَى مَعَهَا، فَأَبْصَرَهُ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ، فَلَمَّا أَبْصَرَهُ دَعَاهُ، فَقَالَ:" تَعَالَ، هِيَ صَفِيَةُ بِنْتُ حُيَيٍّ" وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ:" هٰذِهِ صَفِيَّةُ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِىْ مِنِ ابْنِ آدَمَ مَجْرَى الدَّمِ" قُلْتُ لِسُفْيَانَ: أَتَتْهُ لَيْلاً؟ قَالَ: وَهَلْ هُوَ إِلاَّ لَيْلاً؟[راجع: ۲۰۳۵]

بَابُ مَنْ خَرَجَ مِنِ اعْتِكَافِهِ عِنْدَ الصُّبْحِ

جوشخص اپنے اعتکاف سے صبح کے وقت نکلا

اعتکاف کے آخری دن صبح ہی سے سامان وغیرہ باندھ کر یا گھر بھجوا کر اعتکاف سے نکلنے کی تیاری کرلے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے درمیانی عشرہ کا اعتکاف کیا اور بیسویں کی صبح میں اپنا سامان گھر بھیج دیا،معلوم ہوا کہ صبح ہی سے اعتکاف سے نکلنے کی تیاری کرسکتا ہے۔

[۱۳-] بَابُ مَنْ خَرَجَ مِنِ اعْتِكَافِهِ عِنْدَ الصُّبْحِ

[۲۰۴۰-] حدثنا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ بِشْرٍ، أَنَا سُفْيَانُ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ الأَحْوَلِ، خَالِ ابْنِ أَبِىْ نَجِيْحٍ، عَنْ أَبِىْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِىْ سَعِيْدٍ، ح: قَالَ سُفْيَانُ: وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو، عَنْ أَبِىْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِىْ سَعِيْدٍ، قَالَ: وَأَظُنُّ أَنَّ ابْنَ أَبِىْ لَبِيْدٍ، ثَنَا عَنْ أَبِىْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِىْ سَعِيْدٍ، قَالَ: اعْتَكَفْنَا

مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم، فَقَالَ: " مَنْ كَانَ اعْتَكَفَ فَلْيَرْجِعْ إِلٰى مُعْتَكَفِهِ، فَإِنِّىْ رَأَيْتُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ، وَرَأَيْتُنِى أَسْجُدُ فِى مَاءٍ وَطِيْنٍ" فَلَمَّا رَجَعَ إِلٰى مُعْتَكَفِهِ، قَالَ وَهَاجَتِ السَّمَاءُ فَمُطِرْنَا، فَوَ الَّذِىْ بَعَثَهُ بِالْحَقِّ لَقَدْ هَاجَتِ السَّمَاءُ مِنْ آخِرِ ذٰلِكَ الْيَوْمِ، وَكَانَ الْمَسْجِدُ عَرِيْشًا، فَلَقَدْ رَأَيْتُ عَلٰى أَنْفِهِ وَأَرْنَبَتِهِ أَثَرَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ. [راجع: ٦٦٩]

قولہ: هاجت السماءُ: بادل اٹھا......**وكان المسجد عريشا**: اور مسجد جونپڑا تھی............**أرنبته**: ناک کا بانسہ۔

بَابُ الِاعْتِكَافِ فِى شَوَّالٍ

شوال میں اعتکاف کرنا

اعتکاف پورے سال ہوسکتا ہے، نبی ﷺ نے شوال میں بھی اعتکاف کیا ہے، ابھی حدیث گذری ہے کہ ایک رمضان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے اعتکاف کی اجازت مانگی اور مسجد میں اپنا خیمہ لگایا، ان کو دیکھ کر کئی ازواج نے اپنے خیمے لگائے تو نبی ﷺ نے سب خیمے اکھڑوا دیئے اور خود بھی اعتکاف سے نکل گئے، پھر شوال کے آخر میں دس دن کا اعتکاف کیا۔

[١٤-] بَابُ الِاعْتِكَافِ فِى شَوَّالٍ

[٢٠٤١-] حدثنا مُحَمَّدٌ، أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلِ بْنِ غَزْوَانَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَعْتَكِفُ فِى كُلِّ رَمَضَانَ، فَإِذَا صَلَّى الْغَدَاةَ دَخَلَ مَكَانَهُ الَّذِىْ اعْتَكَفَ فِيْهِ، قَالَ: فَاسْتَأْذَنَتْهُ عَائِشَةُ أَنْ تَعْتَكِفَ، فَأَذِنَ لَهَا، فَضَرَبَتْ فِيْهِ قُبَّةً، فَسَمِعَتْ بِهَا حَفْصَةُ، فَضَرَبَتْ قُبَّةً، وَسَمِعَتْ زَيْنَبُ بِهَا، فَضَرَبَتْ قُبَّةً أُخْرَى، فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنَ الْغَدَاةِ أَبْصَرَ أَرْبَعَ قِبَابٍ، فَقَالَ: " مَا هٰذَا؟" فَأُخْبِرَ خَبَرَهُنَّ، فَقَالَ: "مَا حَمَلَهُنَّ عَلٰى هٰذَا؟ آلْبِرُّ؟ انْزِعُوْهَا فَلَا أَرَاهَا" فَنُزِعَتْ، فَلَمْ يَعْتَكِفْ فِى رَمَضَانَ حَتَّى اعْتَكَفَ فِى آخِرِ الْعَشْرِ مِنْ شَوَّالٍ" [راجع: ٢٠٣٩]

بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ عَلَى الْمُعْتَكِفِ صَوْمًا

جس کے نزدیک اعتکاف کے لئے روزہ ضروری نہیں

پہلے بتایا ہے کہ واجب اور سنت مؤکدہ اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے، مگر امام بخاریؒ کے نزدیک روزہ شرط نہیں،

انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، اس میں لیلۃً ہے، رات روزہ کا محل نہیں، مگر یہ استدلال تام نہیں، کیونکہ عربی میں رات بول کر چوبیس گھنٹے مراد لیتے ہیں جیسے اردو میں دن بول کر چوبیس گھنٹے مراد لیتے ہیں۔ علاوہ ازیں اسی حدیث میں اعتکاف یوم بھی آیا ہے (بخاری حدیث ۳۱۴۴) پس چوبیس گھنٹے مراد ہیں۔

[۱۵-] بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ عَلَى الْمُعْتَكِفِ صَوْمًا

[۲۰۴۲-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَخِيْهِ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، أَنَّهُ قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنِّيْ نَذَرْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ أَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "أَوْفِ نَذْرَكَ" فَاعْتَكَفَ لَيْلَةً.

بَابٌ: إِذَا نَذَرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ يَعْتَكِفَ، ثُمَّ أَسْلَمَ

اسلام سے پہلے اعتکاف کی منت مانی، پھر مسلمان ہوگیا

اگر کوئی شخص حالتِ کفر میں کوئی منت مانے اور اس کو پورا کرنے سے پہلے مسلمان ہوجائے تو کیا مسلمان ہونے کے بعد اس منت کو پورا کرنا ضروری ہے؟ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اگر وہ معصیت کی منت نہیں ہے تو اس کو پورا کرنا واجب ہے، ان کی دلیل باب کی حدیث ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زمانۂ جاہلیت کی منت پوری کرنے کا حکم دیا تھا، معلوم ہوا کہ زمانۂ کفر کی منت کا وفا مسلمان ہونے کے بعد ضروری ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک حالتِ کفر کی منت کا پورا کرنا واجب نہیں، کیونکہ کفار فروع کے مکلّف نہیں، البتہ اگر نذر معصیت کی نہیں ہے تو اس کو پورا کرنا مستحب ہے، اور باب کی حدیث میں امر استحباب کے لئے ہے۔

جاننا چاہئے کہ بعض کام ایسے ہوتے ہیں کہ جب تک ان پر عمل نہ کیا جائے طبیعت مطمئن نہیں ہوتی، منت بھی ایسا ہی ایک عمل ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طبیعت پر اس منت کا بوجھ تھا، چنانچہ موقع میسر آتے ہی اس کے بارے میں دریافت کیا اور چونکہ وہ منت طاعت کی تھی اور اس کو پورا کرنے میں کوئی قباحت نہیں تھی، اس لئے آپؐ نے ان کو منت پوری کرنے کی اجازت دی، تاکہ ان کی طبیعت پر سے بوجھ ہٹ جائے۔

[۱۶-] بَابٌ: إِذَا نَذَرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ يَعْتَكِفَ، ثُمَّ أَسْلَمَ

[۲۰۴۳-] حدثنا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ نَذَرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ يَعْتَكِفَ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، قَالَ: أُرَاهُ قَالَ: لَيْلَةً. فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أُوْفِ بِنَذْرِكَ" [راجع: ۲۰۳۲]

بَابُ الِاعْتِكَافِ فِي الْعَشْرِ الْأَوْسَطِ مِنْ رَمَضَانَ

رمضان کے درمیانی عشرہ کا اعتکاف کرنا

رمضان کے پہلے عشرہ کا اعتکاف بھی جائز ہے اور دوسرے عشرہ کا بھی اور آخری عشرہ کا بھی۔

[۱۷-] بَابُ الِاعْتِكَافِ فِي الْعَشْرِ الْأَوْسَطِ مِنْ رَمَضَانَ

[۲۰٤٤-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، ثَنَا أَبُوْ بَكْرٍ، عَنْ أَبِيْ حَصِيْنٍ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَعْتَكِفُ فِي كُلِّ رَمَضَانَ عَشَرَةَ أَيَّامٍ، فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الَّذِيْ قُبِضَ فِيْهِ اعْتَكَفَ عِشْرِيْنَ يَوْمًا.

وضاحت: نبی ﷺ رمضان میں آخری عشرہ کا اعتکاف کیا کرتے تھے، مگر جس سال آپؐ کی وفات ہوئی ہے اس سال آپؐ نے بیس دن کا اعتکاف کیا تھا، اس میں درمیانی عشرہ آ گیا۔

بَابُ مَنْ أَرَادَ أَنْ يَعْتَكِفَ، ثُمَّ بَدَالَهُ أَنْ يَخْرُجَ

جس نے اعتکاف کا ارادہ کیا، پھر رائے بدل گئی کہ اعتکاف نہ کرے

کسی نے آخری عشرہ کا اعتکاف کرنے کا ارادہ کیا اور اعتکاف شروع بھی کر دیا پھر کوئی ضرورت پیش آئی اور وہ اعتکاف سے نکلنا چاہتا ہے تو اگر یہ نیت کر لے کہ آج غروب پر میں اعتکاف سے اٹھ جاؤں گا تو کوئی قضا واجب نہیں، اور اگر رات یا دن کے درمیان اعتکاف سے نکلا تو چوبیس گھنٹے کی قضا واجب ہے، اور دس دن کی قضا کرے تو یہ اولیٰ ہے۔

[۱۸-] بَابُ مَنْ أَرَادَ أَنْ يَعْتَكِفَ، ثُمَّ بَدَالَهُ أَنْ يَخْرُجَ

[۲۰٤٥-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُوْ الْحَسَنِ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، أَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، ثَنِيْ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ، حَدَّثَتْنِيْ عَمْرَةُ بِنْتُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ذَكَرَ أَنْ يَعْتَكِفَ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ، فَاسْتَأْذَنَتْهُ عَائِشَةُ فَأَذِنَ لَهَا، وَسَأَلَتْ حَفْصَةُ عَائِشَةَ أَنْ تَسْتَأْذِنَ لَهَا فَفَعَلَتْ، فَلَمَّا رَأَتْ ذٰلِكَ زَيْنَبُ بِنْتُ جَحْشٍ أَمَرَتْ بِبِنَاءٍ فَبُنِيَ لَهَا، قَالَتْ: وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا صَلَّى انْصَرَفَ إِلٰى بِنَائِهِ، فَبَصَرَ بِالْأَبْنِيَةِ، فَقَالَ: "مَا هٰذَا؟" قَالُوْا: بِنَاءُ عَائِشَةَ، وَحَفْصَةَ، وَزَيْنَبَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "آلْبِرَّ أَرَدْنَ بِهٰذَا؟ مَا أَنَا بِمُعْتَكِفٍ" فَرَجَعَ، فَلَمَّا أَفْطَرَ اعْتَكَفَ عَشْرًا مِنْ شَوَّالٍ. [راجع: ۲۰۲۹]

بَابُ الْمُعْتَكِفِ يُدْخِلُ رَأَسَهُ الْبَيْتَ لِلْغَسْلِ

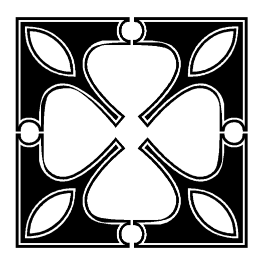
معتکف دھونے کے لئے اپنا سر گھر میں داخل کرے

مسجد کے اندر رہ کر سر گھر کے اندر داخل کرنا مسجد سے نکلنا نہیں، جیسے باہر کھڑے ہو کر پیر گھر میں رکھنا گھر میں داخل ہونا نہیں، پس معتکف سر نکال سکتا ہے، تا کہ اس کو دھویا جائے۔

[۱۹-] بَابُ الْمُعْتَكِفِ يُدْخِلُ رَأَسَهُ الْبَيْتَ لِلْغَسْلِ

[۲۰٤٦-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّهَا كَانَتْ تُرَجِّلُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَهِيَ حَائِضٌ، وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فِي الْمَسْجِدِ، وَهِيَ فِي حُجْرَتِهَا، يُنَاوِلُهَا رَأْسَهُ. [راجع: ۲۹۵]

﴿الحمدللہ! کتاب الصوم کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی﴾



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب البیوع

خرید وفروخت کا بیان

بیوع: بیع کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: خرید وفروخت، یہ اضداد میں سے ہے، اور کبھی لفظ بیوع سے عام معاملات بھی مراد لیتے ہیں، اب یہاں سے معاملات کا بیان شروع ہورہا ہے، اور بائیس معاملات ذکر کئے ہیں، وہ یہ ہیں: بیوع (عام خرید وفروخت) سَلم (خاص بیع) شفعہ، اجارہ، حوالہ، کفالہ، وکالہ، مزارعہ، مساقہ (باغ کی پرداخت) استقراض (ادائے دیون، حجر، تفلیس) خصومات (مقدمات) لقطہ (پڑی چیز پانا) مظالم (غصب وغیرہ) شرکت، رہن (گروی رکھنا) عتق، کتابت، ہبہ، شہادت، صلح، شروط (دفعات) اور وصیتیں، پھر جہاد کا بیان شروع ہوگا۔ میں نے سب پر المعاملات کا عنوان لگایا ہے اور جس خاص معاملہ کا بیان چل رہا ہے اس کو بین القوسین لیا ہے۔

فقہ کی ایک خاص اصطلاح:

فقہاء کے نزدیک معاملات دوقسم کے ہیں: ایک: وہ جن میں اقالہ نہیں ہوسکتا، جو ہونے کے بعد ختم نہیں ہوسکتے، جو ریوس نہیں آسکتے، تیر نکل گیا: نکل گیا۔ ایسے معاملات 'یمین' کہلاتے ہیں، اس کی جمع اَیمان (بالفتح) ہے، جیسے نکاح، طلاق، رجعت، عتق، حلف وغیرہ۔ دوسرے: وہ معاملات ہیں جن کا اقالہ ہوسکتا ہے، جو ہونے کے بعد ختم ہوسکتے ہیں، وہ ریوس آسکتے ہیں، ایسے معاملات بیوع کہلاتے ہیں، جیسے عام خرید وفروخت، سَلم، ہبہ اور مزارعت وغیرہ، فقہاء کی یہ خاص اصطلاح یہاں مراد نہیں، یہاں عام معاملات مراد ہیں، چنانچہ بعض ایمان کا بھی تذکرہ کیا ہے، جیسے عتاق وغیرہ کا۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں سورۂ بقرہ کی دو آیتیں لکھی ہیں، حضرتؒ کا طریقہ یہ ہے کہ کتاب کے شروع میں ایک یا چند آیتیں لکھتے ہیں، پھر ابواب اور احادیث لاتے ہیں، جو ان آیتوں کی تفسیر ہوتی ہیں۔

پہلی آیت: سورۃ البقرۃ (آیت ۲۷۵) میں ہے: ﴿الَّذِیْنَ یَأْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَایَقُوْمُوْنَ إِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطَانُ مِنَ الْمَسِّ، ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوْا إِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا، وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا، فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَبِّهِ فَانْتَهٰى فَلَهُ مَا سَلَفَ، وَأَمْرُهُ إِلَى اللّٰهِ، وَمَنْ عَادَ فَأُوْلٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ، هُمْ فِیْهَا خَالِدُوْنَ﴾

ترجمہ: جو لوگ سود کھاتے ہیں: نہیں کھڑے ہونگے وہ (قیامت کے دن) مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جس کو شیطان خبطی بنادے لپٹ کر یعنی وہ حیران و مدہوش کھڑے ہونگے، یہ سزا اس لئے ہے کہ انھوں نے کہا: بیع سود کے مانند ہی ہے! حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے، اور سود کو حرام کیا ہے، پس جس شخص کو اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت پہنچی، پس وہ باز آ گیا، تو اس کے لئے وہ (جائز) ہے جو پہلے لے چکا، اور اس کا معاملہ اللہ کی طرف ہے! اور جو شخص (سود کی طرف) لوٹا یعنی نزول حکم کے بعد سود لیا تو وہ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے!

تفسیر: اس آیت میں سمجھنے کی باتیں دو ہیں:

۱- کفار نے کہا: إنما البيع مثل الربوا: بیع: سود کے مانند ہی ہے! یعنی دونوں کا مقصد نفع کمانا ہے، پھر بیع جائز اور سود ناجائز: یہ کیا بات ہوئی؟ اگر جائز ہیں تو دونوں جائز ہیں، اور ناجائز ہیں تو دونوں ناجائز ہیں، جبکہ بیع کے بغیر دنیا کی گاڑی نہیں چل سکتی، پھر سود کیوں حرام ہو؟ اس کو بھی بیع کی طرح جائز ہونا چاہئے۔

۲- قرآن نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے 'بیع' کو حلال کیا ہے اور 'ربا' کو حرام کیا ہے، اور دونوں کا فرق وصفِ عنوانی میں رکھ دیا ہے، بیع کے اصطلاحی معنی ہیں: مبادلۃُ المال بالمال: مال متقوم کا مال متقوم سے تبادلہ کرنا یعنی مالک بننا اور بنانا۔ اور ربا کے اصطلاحی معنی ہیں: فضلٌ خالٍ عن عوضٍ: ایسی زیادتی جس کے مقابل کوئی عوض نہ ہو، ہزار روپے قرض دیئے، جو ایک ماہ کے بعد گیارہ سو روپے بن گئے، تو یہ سو روپے ایسی زیادتی ہے جس کے مقابل کوئی عوض نہیں، یہ ڈائریکٹ زر سے زر پیدا کرنا ہے، یہی ربا ہے، اور بیع میں بھی زر سے زر (نفع) پیدا کیا جاتا ہے، مگر درمیان میں عمل کا واسطہ آتا ہے، جیسے ہزار روپے کی گھڑی لایا اور گیارہ سو میں بیچ دی تو سو روپے نفع حاصل ہوا، مگر یہ ڈائریکٹ نفع حاصل نہیں ہوا، بلکہ درمیان میں عمل کا واسطہ آیا، یہ بیع اور ربا میں فرق ہے، اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربا کو حرام کیا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ راست زر سے زر پیدا کرنے کی شریعت حوصلہ افزائی نہیں کرتی، شریعت چاہتی ہے کہ اگر زر سے زر پیدا کیا جائے تو درمیان میں عمل کا واسطہ آئے۔ کیونکہ زر سے بلاتوسطِ عمل زر پیدا کرنے کی صورت میں دو بڑی خرابیاں لازم آتی ہیں:

ایک: دولت کا اکتناز ہوجاتا ہے یعنی دولت چند ہاتھوں میں سمٹ جاتی ہے، جو شریعت کی نظر میں پسندیدہ نہیں، سورۃ الحشر (آیت ۷) میں مالِ فیئ کے مصارف بیان کرنے کے بعد ارشاد پاک ہے: ﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ﴾: تاکہ مالِ فیئ تمہارے تونگروں کے قبضہ میں نہ آجائے، مجھے یاد ہے: میرے بچپن میں میری قوم بنیوں کے سود میں پھنسی ہوئی تھی، اور پورے گاؤں میں کسی کے پاس کوئی چیز نہیں تھی، کھیت میں جب فصل تیار ہوتی، تو کھلیان سے ہی بنیا سارا غلہ لے جاتا، پھر کھانے کے لئے غلہ بنیے سے سود پر لانا پڑتا، اب بینکیں چونکہ حکومتوں کی نگرانی میں ہیں، اس لئے شرح سود بھی کم ہوتا ہے اور حکومت وقتاً فوقتاً غریبوں کے قرضے معاف بھی کرتی رہتی ہے، اس لئے اکتناز دولت کی مضرت واضح طور

پر محسوس نہیں ہوتی۔

اور جب پیسے سے پیسہ پیدا کرنے کے لئے درمیان میں عمل کا واسطہ لایا جائے تو دولت پھیلے گی، جیسے ایک شخص کے پاس دس کروڑ روپے ہیں، اس نے ایک کارخانہ لگایا، اور مصنوعات تیار کیں، تو جو نفع ہوگا وہ اولاً ملازموں میں تقسیم ہوگا، پھر دسٹری بیوٹر (تقسیم کار) اس سے منتفع ہونگے، پھر خُردہ فروش ان مصنوعات سے کمائیں گے، اور کارخانے کے مالک کو بھی اس کے نصیب کا مل جائے گا، سارا نفع اس کے جیب میں نہیں جائے گا، اور اگر وہ دس کروڑ کا بینک کھول کر بیٹھ جائے اور سود پر قرضے دینے لگے تو زر سے پیدا ہونے والے زر کا وہ تنہا مالک ہوگا، اس طرح رفتہ رفتہ پبلک کی دولت سمٹ کر مہاجن کے جیب میں چلی جائے گی۔

اس لئے کوئی بینک اسلامی نہیں ہوسکتا، کیونکہ بینک نام ہی زر سے زر پیدا کرنے کا ہے، بینک درمیان میں عمل کا واسطہ نہیں لاسکتا، ہاں مرابحہ کا حیلہ کرسکتا ہے، مگر وہ ہمیشہ اسی حیلے میں پھنسا رہے گا، اس سے آگے عملاً مضاربت تک نہیں پہنچ سکتا۔

دوسری خرابی: بے روزگاری پھیلے گی، جب لوگ چھوٹی بڑی بینکیں اور پیڑھیاں کھول کر بیٹھ جائیں گے، اور زر سے بلاتوسط عمل زر پیدا کرنے لگیں گے تو عوام کے لئے کوئی کام نہیں رہے گا، اور وہ بے روزگار ہوکر حکومت کے لئے بوجھ بن جائیں گے، اور جب لوگ عمل کے توسط سے پیسہ کمائیں گے، کارخانے قائم کریں گے تو لوگوں کو روزگار ملے گا اور حکومتوں کا بوجھ ہلکا ہوگا۔

غرض: ان دو خرابیوں کی وجہ سے شریعت نے ربا کو حرام کیا ہے، اور بیع (معاملات) ان خرابیوں سے پاک ہے، اس لئے اس کو حلال کیا ہے۔

بہ الفاظ دیگر: اس مسئلہ کو اس طرح بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ بیع میں اصل حلت ہے، اور جہاں خرابی در آتی ہے تو جس درجہ کی خرابی ہوتی ہے اس کے اعتبار سے بیع ناجائز ہوتی ہے، اگر خرابی ہلکی ہوتی ہے تو بیع فاسد ہوتی ہے، اور خرابی زیادہ ہوتی ہے تو بیع باطل ہوتی ہے، اور ربا بھی اگرچہ ایک طرح سے بیع ہے، مگر اس میں خرابی آخری درجہ کی ہے، جس کی تفصیل اوپر آچکی کہ اس سے دولت کا اکتناز ہوجاتا ہے اور ملک میں بے روزگاری پھیل جاتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا ہے۔

دوسری آیت: آیت مداینہ کا حصہ ہے (سورۃ البقرۃ آیت ۲۸۲) اس آیت میں یہ مضمون ہے کہ اگر کوئی ادھار کا بڑا معاملہ کیا جائے تو اس کی لکھت پڑھت ہوجائے: ﴿إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً﴾ الآیۃ یعنی اگر کوئی سودا دست بدست ہو، جس کو باہم لیتے دیتے ہوں (ثمن دیا اور مبیع لی) تو اس کے نہ لکھنے میں تم پر کوئی الزام نہیں۔

تفسیر: بیع کی دو قسمیں ہیں: بیع معجّل اور بیع مؤجل۔ اگر مبیع اور ثمن دونوں موجود ہوں جو باہم لئے دیئے جائیں تو یہ بیع معجّل (نقد سودا) ہے، آیتِ کریمہ میں اسی کا بیان ہے اور مبیع اور ثمن میں سے کوئی ایک ادھار ہو تو یہ بیع مؤجل (ادھار

سودا) ہے بیع کی یہ قسم آیت کے اشارہ سے نکلتی ہے اور اس کا ذکر حدیثوں میں ہے، یہ دونوں بیعیں صحیح ہیں، یعنی نقد سودا بھی جائز ہے اور ادھار بھی، مگر ادھار سودے میں ایک عوض ادھار ہوسکتا ہے، دونوں عوض ادھار نہیں ہوسکتے، ورنہ بَیْعُ الْکَالِئِ بِالْکَالِئِ ہوگی، اور اس سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے، اور معاملہ میں ادھار عام طور پر ثمن ہوتا ہے مگر بیع سلم میں ثمن نقد ہوتا ہے اور مبیع ادھار ہوتی ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[٣٤- کِتَابُ الْبیوعِ]

وَقَوْلِهِ:﴿وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾[البقرة: ٢٧٥] وَقَوْلُهُ:﴿ إِلَّآ أَنْ تَکُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِیْرُوْنَهَا بَیْنَکُمْ﴾[البقرة: ٢٨٢]

بَابُ مَاجَاءَ فِی قَوْلِ اللّٰهِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی

﴿ فَإِذَا قُضِیَتِ الصَّلاَ ةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْأَرْضِ﴾﴿ وَلاَ تَأْکُلُوْا أَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ﴾

کاروبار کے سلسلہ کی تین آیتیں اور چار حدیثیں

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے اگرچہ باب رکھا ہے، مگر ان کو عام آیات واحادیث سمجھنا چاہئے۔ آپؒ نے سورۃ الجمعہ کی آخری دو آیتیں، اور سورۃ النساء کی آیت ۲۹ لکھی ہے، پھر چار حدیثیں لائے ہیں۔

سورۃ الجمعہ کی آخری دو آیتیں:﴿فَإِذَا قُضِیَتِ الصَّلاَ ةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْکُرُوْا اللّٰهَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ○ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوَانِ انْفَضُّوْا إِلَیْهَا وَتَرَکُوْكَ قَائِمًا، قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ، وَاللّٰهُ خَیْرُ الرَّازِقِیْنَ﴾

ترجمہ: پھر جب نماز نمٹ جائے تو زمین میں پھیل جاؤ، اور اللہ تعالیٰ کی روزی تلاش کرو، اور اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اور جب وہ کوئی تجارت یا لہو ولعب دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں، اور آپؐ کو خطبہ دیتے ہوئے چھوڑ جاتے ہیں! آپؐ کہہ دیں: جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ لہو ولعب اور تجارت سے بہتر ہے، اور اللہ تعالیٰ بہترین روزی پہنچانے والے ہیں!

تفسیر: ان آیتوں میں پانچ باتیں بیان کرکے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے:

پہلی بات: کاروبار کا نمبر دوسرا ہے اور نماز کا پہلا، پس اگر نماز اور کاروبار میں تعارض ہوجائے تو نماز کو مقدم کرے گا،

یہی حال نوکری اور کھیتی باڑی کا ہے، بیہقی اور طبرانی نے یہ حدیث روایت کی ہے: کَسْبُ الحلالِ فریضةٌ بعدَ الفریضة: حلال روزی کمانا فرض کے بعد کا فرض ہے (یہ حدیث فی نفسہ ضعیف ہے، مگر اپنے شواہد کی وجہ سے حسن ہے کشف الخفاء) اور کتاب الجمعہ میں یہ حدیث گذری ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ جمعہ کی نماز پڑھا کر خطبہ دے رہے تھے (پہلے جمعہ کا خطبہ بھی عیدین کی طرح بعد میں ہوتا تھا) کہ اچانک مدینہ میں لادی (تجارتی کارواں) آیا، اور اس نے ڈھول بجایا، اور زمانہ قحط سالی کا تھا، لوگوں کے پاس غلہ نہیں تھا، چنانچہ لوگ خریداری کے لئے دوڑ پڑے، اور کچھ تماشہ دیکھنے کے لئے چل دیئے، اور مسجد میں صرف بارہ آدمی رہ گئے، اس پر سورۃ الجمعہ کی آخری آیت نازل ہوئی، اور ان سے کہا گیا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یعنی اول درجہ کے فرائض وہ سوداگری سے یعنی دوسرے درجہ کے فرائض سے بہتر ہے۔

دوسری بات: جسے بڑا تاجر بننا ہے یا کامیاب ملازمت کرنی ہے وہ زمین میں پھیلے۔ ﴿فِی الْأَرْضِ﴾ فرمایا، في البلد نہیں فرمایا۔ آدمی جتنا زمین میں پھیلے گا آگے بڑھے گا، یہ ایک حقیقت ہے جسے ہر کوئی بوجھتا ہے، میری مثال لو! میں ہندوستان کی حد تک کتابوں کا کاروبار کرتا ہوں، اگر میں ایکسپورٹ امپورٹ کرنے لگوں تو میرا کاروبار دس گنا بڑھ جائے گا، مگر میں ایسا نہیں کرتا کیونکہ یہ میری سائڈ بزنس (ذیلی کام) ہے، میرا اصل کام تعلیم وتعلّم ہے، اگر کاروبار بڑھ جائے گا تو میرا اصل کام ہاتھ سے نکل جائے گا، پس علماء کو ذیلی کام اتنا ہی کرنا چاہئے کہ اصل کام متأثر نہ ہو۔

تیسری بات: ہر کام کے لئے محنت ضروری ہے، پیسہ بھی محنت سے کمایا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی کچھ روزی تلاش کرنے کا یہی مطلب ہے۔ من جَدَّ وَجَد: جو کوشش کرتا ہے وہ کامیاب ہوتا ہے، زندگی جُہد ہے، استحقاق نہیں، تمام بڑے اور کامیاب تاجروں سے اور کسانوں سے پوچھ دیکھو، انھوں نے اپنی ابتدائی زندگی میں رات دن محنت کی ہے تب وہ کامیاب ہوئے ہیں۔

چوتھی بات: بکثرت ذکر کامیابی کی کنجی ہے، ذکر نمازوں کے ساتھ خاص نہیں، ہر وقت اللہ کا ذکر کرنا چاہئے: ﴿یٰأَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اذْكُرُوْا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا﴾: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو (احزاب ۴۱) اور حدیث میں ہے: لایزال لسانُك رَطَبًا بذکر الله: ہمیشہ تیری زبان ذکر الٰہی سے تر رہے! اور جائز ناجائز کو پیش نظر رکھ کر کاروبار وغیرہ کرنا بھی ذکر اللہ کی ایک صورت ہے۔

پانچویں بات: جو لوگ ترتیب الٹی کر دیتے ہیں، اول نمبر کے فرض کو دوسرے درجہ میں کر دیتے ہیں، اور دوسرے درجہ کے فرض کو اول درجہ میں کر دیتے ہیں: وہ 'نادان' مسلمان ہیں، دانشمندی کی بات یہ ہے کہ ہر حقدار کو اس کا حق دیا جائے، جو لوگ تجارت کی ضرورت، کاشتکاری کی مشغولیت اور ملازمت کی حاجت کو مقدم کرتے ہیں اور نماز، روزے اور حج کے تقاضوں کو مؤخر کرتے ہیں: وہ کچھ اچھے مسلمان نہیں، ان کو جان لینا چاہئے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے یعنی اول درجہ کے فرائض: تجارت اور بے کار مشاغل سے بدرجہا بہتر ہیں!

خیال خام: اور کوئی خیال کرے کہ اگر نماز پڑھنے جائیں گے تو گاہک چلا جائے گا اور نقصان ہوگا، کھیت کا کام رہ

جائے گا، ملازمت چھوٹ جائے گی تو جان لینا چاہئے کہ رزاق: گاہک، کھیت اور سیٹھ نہیں، روزی رساں اللہ تعالیٰ ہیں اور وہ بہترین روزی پہنچانے والے ہیں، پھر کیوں اسباب ظاہری کے چکر میں پڑا جائے، مسبب الاسباب پر اعتماد کر کے تو دیکھو!

دوسری آیت: ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لاَ تَأْکُلُوْا أَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَکُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْکُمْ﴾ ترجمہ: اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے اموال ناحق طور پر مت کھاؤ، البتہ کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے ہو (تو مضائقہ نہیں)

تفسیر: اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ تجارت میں تراضی طرفین بنیادی شرط ہے، تراضی: باب تفاعل کا مصدر ہے یعنی بائع اور مشتری دونوں سودے پر راضی ہوں، یہ بنیادی شرط ہے، اگر ایک بھی راضی نہیں تو خرید وفروخت جائز نہیں، وہ حرام مال کھانا ہے اور دونوں راضی ہیں تو حلال لقمہ ہے۔

[۱-] بَابُ مَاجَاءَ فِی قَوْلِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی

[۱-] ﴿فَإِذَا قُضِیَتِ الصَّلاَ ةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ إِلٰی آخِرِ السُّوْرَةِ.

[۲-] وَقَوْلِهِ: ﴿ لاَ تَأْکُلُوْا أَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَکُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْکُمْ﴾[النساء: ۲۹]

[۲۰۴۷-] حدثنا أَبُوْ الْیَمَانِ، أَنَا شُعَیْبٌ، عَنِ الزُّهْرِیِّ، أَخْبَرَنِیْ سَعِیْدُ بْنُ الْمُسَیَّبِ، وَأَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ أَبَا هُرَیْرَةَ قَالَ: إِنَّکُمْ تَقُوْلُوْنَ: إِنَّ أَبَا هُرَیْرَةَ یُکْثِرُ الْحَدِیْثَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم، وَتَقُوْلُوْنَ: مَا بَالُ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْأَنْصَارِ لاَ یُحَدِّثُوْنَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم بِمِثْلِ حَدِیْثِ أَبِیْ هُرَیْرَةَ؟ وَإِنَّ إِخْوَتِیْ مِنَ الْمُهَاجِرِیْنَ کَانَ یَشْغَلُهُمْ الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ، وَکُنْتُ أَلْزَمُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم عَلٰی مِلْءِ بَطْنِیْ، فَأَشْهَدُ إِذَا غَابُوْا، وَأَحْفَظُ إِذَا نَسُوْا. وَکَانَ یَشْغَلُ إِخْوَتِیْ مِنَ الْأَنْصَارِ عَمَلُ أَمْوَالِهِمْ، وَکُنْتُ امْرَءً ا مِسْکِیْنًا مِنْ مَسَاکِیْنِ الصُّفَّةِ، أَعِیْ حِیْنَ یَنْسَوْنَ. وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم فِی حَدِیْثٍ یُحَدِّثُهُ: "إِنَّهُ لَنْ یَبْسُطَ أَحَدٌ ثَوْبَهُ، حَتّٰی أَقْضِیَ مَقَالَتِیْ هٰذِهِ، ثُمَّ یَجْمَعَ إِلَیْهِ ثَوْبَهُ، إِلَّا وَعَی مَا أَقُوْلُ" فَبَسَطْتُ نَمِرَةً عَلَیَّ، حَتّٰی إِذَا قَضٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم مَقَالَتَهُ جَمَعْتُهَا إِلٰی صَدْرِیْ، فَمَا نَسِیْتُ مِنْ مَقَالَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم تِلْكَ مِنْ شَیْءٍ. [راجع: ۱۱۸]

وضاحت: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر لوگ کثرت سے حدیثیں بیان کرنے کی وجہ سے اعتراض کرتے تھے، آپؓ نے ان کو جواب دیا کہ میں ایک طرف ہر وقت نبی ﷺ کے ساتھ لگا رہتا تھا اور آپؐ کی باتیں سنتا اور ان کو یاد کرتا تھا، دوسری طرف نبی ﷺ کی خصوصی دعا بھی مجھے حاصل ہوئی تھی، یہ وجہ ہے میرے پاس حدیثیں زیادہ ہونے کی، مزید تفصیل

اور حدیث کا ترجمہ کتاب العلم باب ۴۲ (تحفۃ القاری ۱:۴۱۴) میں ہے۔

اور باب سے متعلق حدیث کا یہ جزء ہے: كان يشغلُهم الصَّفْقُ بالأسواق: مہاجرین بازاروں میں تالی بجانے میں مشغول رہتے تھے (زمانۂ جاہلیت میں جب سودا مکمل ہوتا تھا تو تالی بجاتے تھے، پھر یہ محاورہ بن گیا یعنی مہاجرین کاروبار میں مشغول رہتے تھے، یہی جزء باب سے متعلق ہے)..........اور مقالة سے جنس مقالہ مراد ہے، کوئی خاص مقالہ (بات) مراد نہیں۔

[۲۰۴۸-] حدثنا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عُوْفٍ: لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ آخَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بَيْنِيْ وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ، فَقَالَ سَعْدُ بْنُ الرَّبِيْعِ: إِنِّيْ أَكْثَرُ الْأَنْصَارِ مَالاً، فَأَقْسِمُ لَكَ نصْفَ مَالِيْ، وَانْظُرْ أَيَّ زَوْجَتَيَّ هَوِيْتَ، نَزَلْتُ لَكَ عَنْهَا، فَإِذَا حَلَّتْ تَزَوَّجْتَهَا، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ: لَاحَاجَةَ لِيْ فِيْ ذٰلِكَ، هَلْ مِنْ سُوْقٍ فِيْهِ تِجَارَةٌ؟ قَالَ: سُوْقُ قَيْنُقَاعَ، قَالَ: فَغَدَا إِلَيْهِ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ، فَأَتَى بِأَقِطٍ وَسَمْنٍ، قَالَ: ثُمَّ تَابَعَ الْغُدُوَّ، فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ عَلَيْهِ أَثَرُ صُفْرَةٍ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "تَزَوَّجْتَ؟" قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: "وَمَنْ؟" قَالَ: امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ، قَالَ: "كَمْ سُقْتَ؟" قَالَ: زِنَةَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ، أَوْ: نَوَاةَ ذَهَبٍ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ" [انظر: ۳۷۸۰]

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب ہم مدینہ آئے تو نبی ﷺ نے میرے اور حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ کے درمیان بھائی چارہ کرایا، پس سعد بن الربیعؓ نے (حضرت عبدالرحمٰنؓ سے) کہا: میں انصار میں سب سے زیادہ مال والا ہوں، پس میں بانٹوں گا آپ کے لئے میرا آدھا مال، اور آپ دیکھیں میری کونسی بیوی آپ کو پسند ہے میں آپ کے لئے اس سے اتر جاؤنگا، یعنی اس کو طلاق دیدونگا، پس جب عدت گذر جائے تو آپ اس سے نکاح کرلیں، پس ان سے عبدالرحمٰنؓ نے فرمایا: مجھے اس کی حاجت نہیں، کیا یہاں کوئی بازار ہے جہاں کاروبار ہوتا ہو؟ حضرت سعدؓ نے کہا: قینقاع کا بازار ہے۔ راوی کہتا ہے: پس حضرت عبدالرحمٰنؓ صبح بازار گئے اور اقط اور گھی لے کر آئے (یعنی دن بھر کاروبار کیا اور جو نفع ہوا اس سے اقط اور گھی خرید کر لائے) راوی کہتا ہے: پھر برابر ہر صبح جاتے رہے، پس زیادہ دن نہیں گذرے تھے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ آئے درانحالیکہ ان پر صفرہ کا اثر تھا (صفرہ عورتوں کی خوشبو ہے) پس نبی ﷺ نے پوچھا: تم نے شادی کرلی؟ انھوں نے عرض کیا: جی ہاں، آپؐ نے پوچھا: کس سے؟ عرض کیا: ایک انصاری عورت سے، آپؐ نے پوچھا: کتنا مہر دیا؟ عرض کیا: گٹھلی کے برابر سونا یا فرمایا: سونے کی ایک گٹھلی، پس ان سے نبی ﷺ نے فرمایا: ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری کا ہو۔

تشریح: حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ روز بازار جاتے، ادھار مال خریدتے اور بیچتے، اس طرح کاروبار شروع کیا اور

بہت جلد اس قابل ہو گئے کہ شادی کر لی۔

[۲۰۴۹-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ، ثنا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَدِمَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ الْمَدِيْنَةَ، فَآخَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بَيْنَهُ وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ الْأَنْصَارِيِّ، وَكَانَ سَعْدٌ ذَا غِنًى، فَقَالَ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أُقَاسِمُكَ مَالِيْ نِصْفَيْنِ، وَأُزَوِّجُكَ، قَالَ: بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ! دُلُّوْنِيْ عَلَى السُّوْقِ، فَمَا رَجَعَ حَتَّى اسْتَفْضَلَ أَقِطًا وَسَمْنًا، فَأَتَى بِهِ أَهْلَ مَنْزِلِهِ، فَمَكَثْنَا يَسِيْرًا أَوْ: مَا شَاءَ اللّٰهُ، فَجَاءَ وَعَلَيْهِ وَضَرٌ مِنْ صُفْرَةٍ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "مَهْيَمْ؟" قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ، قَالَ: "مَا سُقْتَ إِلَيْهَا؟" قَالَ: نَوَاةً مِنْ ذَهَبٍ، أَوْ: وَزْنَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ، قَالَ: "أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ"

[انظر: ۲۲۹۳، ۳۷۸۱، ۳۹۳۷، ۵۰۷۲، ۵۱۴۸، ۵۱۵۳، ۵۱۵۵، ۵۱۶۷، ۶۰۸۲، ۶۳۸۶]

وضاحت: یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، اور اس سے پہلے والی روایت خود حضرت عبدالرحمٰنؓ سے مروی تھی، دونوں میں ایک ہی واقعہ ہے .... اِسْتَفْضَلَ: بچالیا یعنی اتنا نفع ہوا .... وَضَرًا: أی أثرًا ...... مَهْيَم: یمنی کلمہ ہے یعنی تمہارے کپڑوں پر یہ نشان کیسا؟ یہ نشان تو بیوی والے کے کپڑوں پر ہوتا ہے .... وزنُ نواةٍ: کھجور کی گٹھلی کے برابر سونے کا وزن۔

امام اسحاق رحمہ اللہ کے نزدیک: پانچ درہم (۱۴ گرام سونا) اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک: تین درہم اور تہائی درہم۔

[۲۰۵۰-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَتْ عُكَاظُ، وَمَجَنَّةُ، وَذُوْ الْمَجَازِ أَسْوَاقًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَلَمَّا كَانَ الإِسْلَامُ فَكَأَنَّهُمْ تَأَثَّمُوْا فِيْهِ، فَنَزَلَتْ: ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلاً مِنْ رَبِّكُمْ﴾: فِيْ مَوَاسِمِ الْحَجِّ، فَقَرَأَهَا ابْنُ عَبَّاسٍ. [راجع: ۱۷۷۰]

وضاحت: یہ حدیث تفصیل سے کتاب المناسک باب ۱۵۰ میں گذر چکی ہے وہاں بتایا تھا کہ عرب میں پانچ میلے یکے بعد دیگرے لگتے تھے، عکاظ، مَجَنّة اور ذو المَجاز وغیرہ۔ زمانۂ جاہلیت میں حج کے سیزن میں لوگ ان میلوں میں کاروبار کرتے تھے، پھر جب اسلام کا زمانہ آیا تو کچھ لوگوں نے اس کو گناہ کا کام سمجھا، انھوں نے خیال کیا کہ حج کا سفر عبادت کا سفر ہے، اس کو وسیلۂ تجارت نہیں بنانا چاہئے، چنانچہ سورۂ بقرہ کی آیت ۱۹۸ نازل ہوئی کہ تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنے رب کی روزی تلاش کرو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فی مواسم الحج بڑھاتے تھے، یعنی حج کے سیزن میں تجارت اور خرید وفروخت کرنے میں کوئی گناہ نہیں، یہ بات ثواب کی کمی کا باعث نہیں، البتہ یہ ضروری ہے کہ اصل

نیت حج کی ہواور تجارت ضمناً ہو، اور دلوں کا حال اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

بَابٌ: اَلْحَلاَلُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ

حلال چیزیں واضح ہیں، اور حرام چیزیں واضح ہیں، اور دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں

روزی حاصل کرنے کے لئے حلال تجارت کرنی چاہئے، حرام تجارت نہیں کرنی چاہئے، جو مقدر میں ہوگا وہ ضرور ملے گا۔ حدیث میں ہے: إن نفساً لن تموت حتی تستکمل زرقها فأجملوا فی الطلب: آدمی اس وقت تک نہیں مرتا جب تک اس کی قسمت کا لکھا رزق اسے نہ پہنچ جائے، جب بات یہ ہے تو حلال کمائے، حرام میں پڑ کر عاقبت خراب کیوں کرے! اسی طرح جو چیزیں مشتبہ ہیں ان کی بھی تجارت نہ کرے ورنہ طبیعت میں بے باکی پیدا ہوگی۔ مثلاً جو ٹی وی خریدتا بیچتا ہے وہ سودی لین دین بھی کرسکتا ہے، جب مزاج میں دین کے تعلق سے بے باکی آگئی تو اب حرام کا ارتکاب کرنے میں کیا باک؟ اس لئے جو چیزیں حلال وحرام کے درمیان دائر ہیں ان سے بھی بچنا چاہئے۔

اس کے بعد چند باتیں سمجھنی چاہئیں:

پہلی بات: یہ حدیث پہلی بار کتاب الایمان باب ۳۹ (تحفۃ القاری ۱:۲۹۴) میں آئی ہے، وہاں حدیث کا صحیح مفہوم بیان کیا ہے اور مشتبہ کی تفسیر عام طور پر علماء نے یہ کی ہے کہ جو امور ذو وجہات ہیں یعنی اس میں جواز کا پہلو بھی ہے اور عدم جواز کا بھی، ایسے معاملات مُشْتَبِهَات ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی تین مثالیں دی ہیں:

پہلی مثال: حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے ابواہاب کی لڑکی سے نکاح کیا، جب شادی کی شہرت ہوئی تو ایک کالی عورت (حبشن) ان کے پاس آئی، اس نے کہا: عقبہ تو نے کس سے نکاح کرلیا، میں نے تجھے اور جس سے تو نے نکاح کیا ہے دونوں کو دودھ پلایا ہے، حضرت عقبہؓ مدینہ آئے اور آنحضور ﷺ سے پوری بات عرض کی اور آخر میں کہا کہ یارسول اللہ! وہ جھوٹی ہے! پس نبی ﷺ نے رخ پھیرلیا، انھوں نے دوسری جانب سے آکر یہی بات عرض کی، آپؐ نے پھر رخ پھیرلیا، جب تیسری بار یہ بات عرض کی تو آپؐ نے فرمایا: اس کو نکاح میں کیسے رکھوگے جبکہ وہ یہ بات کہتی ہے؟ یعنی رضاعت کا شبہ پیدا ہوگیا، اس لئے اس کو الگ کرو، چنانچہ حضرت عقبہؓ نے اس کو الگ کردیا۔

دوسری مثال: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ایک بھائی کا کفر کی حالت میں انتقال ہوا، اس نے مرتے وقت حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ زمعہ کی باندی کا فلاں لڑکا میرا ہے، تمہیں جب بھی موقعہ ملے اس کو اپنے خاندان میں ملالینا ——— زمعہ: ام المؤمنین حضرت سوداء رضی اللہ عنہا کے والد ہیں ——— فتح مکہ کے موقعہ پر حضرت سعدؓ کو وہ لڑکا مل گیا وہ جوان ہوچکا تھا حضرت سعدؓ نے اس کو لے لیا اور مدینہ ساتھ لانے کا ارادہ کیا، پس زمعہ کے لڑکے عبد نے مزاحمت کی، اس نے کہا: یہ میرا بھائی ہے، میرے ابا کی باندی سے پیدا ہوا ہے، یہ مقدمہ آنحضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا، آپؐ

نے دونوں کی بات سن کر عبد کے حق میں فیصلہ دیا، فرمایا: ''بچہ فراش (بستر) کے لئے ہے اور زانی کے لئے سنگ ہے'' پھر آنحضور ﷺ نے دیکھا کہ وہ حضرت سعدؓ کے بھائی کے مشابہ ہے اس لئے شک پیدا ہوا کہ شاید وہ زنا کی اولاد ہو، چنانچہ حضرت سوداء رضی اللہ عنہا کو اس بھائی سے پردہ کرنے کا حکم دیا، چنانچہ حضرت سوداءؓ نے تا وفات اس بھائی کو نہیں دیکھا۔

تیسری مثال: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے مسئلہ پوچھا کہ میں اپنا کتا بسم اللہ پڑھ کر شکار پر چھوڑتا ہوں پھر میں اس کتے کے ساتھ دوسرے کتے کو پاتا ہوں پس کیا میں اس شکار کو کھا سکتا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: وہ شکار حرام ہے اس کو کھانا جائز نہیں، کیونکہ تم نے اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھی ہے، دوسرے کتے پر بسم اللہ نہیں پڑھی، یعنی یہ احتمال ہے کہ شکار کو دوسرے کتے نے مارا ہو اور وہ بسم اللہ پڑھے بغیر چھوڑا گیا ہے، یا وہ غیر معلَّم ہو یا کافر کا کتا ہو پس اس شکار میں موت کے دو سبب جمع ہو گئے، ایک حلال، دوسرا حرام، اس لئے نبی ﷺ نے اس شکار کو حرام قرار دیا۔

غرض امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک مشتبہ امور وہ ہیں جن میں حلال کا پہلو بھی ہو اور حرام کا بھی، حضرت رحمہ اللہ نے اگلے باب میں یہ تین مثالیں پیش کی ہیں۔ مگر میں نے پہلے بیان کیا ہے کہ مشتبہ کی تفسیر ادھر اُدھر تلاش کرنے کی ضرورت نہیں خود حدیث میں اس کی وضاحت موجود ہے، ترمذی شریف میں أبواب البیوع کے شروع میں اس کی یہ تفسیر ہے: لایَدری کثیرٌ من الناس أَمِن الحلال هِيَ أم من الحرام؟ یعنی مشتبہ چیزیں وہ ہیں جن کے بارے میں عام لوگ نہیں جانتے کہ وہ حلال ہیں یا حرام؟ بڑے علماء ہی ان کے احکام جانتے ہیں، عام مسلمانوں کے سامنے چونکہ وہ چیزیں پہلی مرتبہ آئی ہیں اس لئے وہ ان کے احکام سے واقف نہیں، یہ چیزیں ان کے حق میں مشتبہ ہیں، جب تک ان کا حلال ہونا واضح نہ ہو ان سے کنارہ کش رہنا چاہئے۔

پس اس حدیث کے ذریعہ مؤمن کا ایک خاص مزاج بنایا گیا ہے، مؤمن کا مزاج یہ ہونا چاہئے کہ وہ محتاط زندگی گذارے اور جن چیزوں کا حلال ہونا یقینی طور پر معلوم نہیں ان سے بچے، اس کا دین پاک صاف رہے گا، ارشاد فرمایا: حلال واضح ہے، اسے بے تکلف اختیار کرو، اور حرام بھی واضح ہے اس کے قریب بھی مت جاؤ، اور دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جن کا حلال ہونا عام لوگوں کے لئے واضح نہیں، پس جس نے ان کو چھوڑ دیا وہ حرام سے ضرور بچ جائے گا اور جس نے مشتبہ امور میں ہاتھ ڈالا وہ قریب ہے کہ حرام میں جا پڑے، جب مزاج میں دین کے تعلق سے بے باکی پیدا ہوگئی تو اب حرام کا ارتکاب کرنے میں کیا باک؟ پھر اس کو نبی ﷺ نے ایک مثال سے سمجھایا کہ جو شخص سرکاری چراگاہ کے ارد گرد جانور چراتا ہے وہ قریب ہے کہ چراگاہ میں جا پڑے، چرواہا ذرا غافل ہوا کہ جانور ریزروایریے میں جا گھسیں گے اور پولیس اس کی خبر لے لیگی، اور جو چرواہا محتاط ہے سرکاری چراگاہ سے دور جانور چراتا ہے وہ اگر غافل بھی ہوگیا اور جانور آگے بڑھ گئے تو چراگاہ تک نہیں پہنچیں گے، اور وہ پولیس کے عتاب سے محفوظ رہے گا۔

اور جس طرح حکومتیں سرکاری جانوروں کے لئے چراگاہ مخصوص کرتی ہیں جن میں پبلک کو جانور چرانے کی اجازت نہیں

اسی طرح اللہ نے جو کام حرام کئے ہیں وہ اللہ کا محفوظ ایریا ہیں، مؤمنین کو ان کی حدود میں داخل ہونے کی اجازت نہیں بلکہ احتیاط کی بات یہ ہے کہ مشتبہ امور سے بھی دور رہے اور یہ بات اسی وقت ممکن ہے جب تحقیق کے بعد اقدام کرے، جب تک کسی چیز کا حلال ہونا واضح نہ ہو جائے اس سے کنارہ کش رہے، یہی مزاج اور یہی ذہن بنانا اس حدیث کا مقصود ہے۔ مزید تفصیل تحفۃ القاری (۱:۲۹۵) میں ہے۔

[۲-] بَابٌ: الْحَلاَلُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ

[۲۰۵۱-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، ثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنِ بَشِيْرٍ، سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، ح: وَحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، ثَنَا أَبُوْ فَرْوَةَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيْرٍ، سَمِعْتُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ح: وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ أَبِي فَرْوَةَ،سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ، سَمِعْتُ النُّعْمَانَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، ح: وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيْرٍ، أَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي فَرْوَةَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم:" الْحَلاَلُ بَيِّنٌ، وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا أُمُوْرٌ مُشْتَبِهَةٌ، فَمَنْ تَرَكَ مَا شُبِّهَ عَلَيْهِ مِنَ الإِثْمِ كَانَ لِمَا اسْتَبَانَ لَهُ أَتْرَكَ، وَمَنِ اجْتَرَأَ عَلٰى مَا يَشُكُّ فِيْهِ مِنَ الإِثْمِ أَوْشَكَ أَنْ يُوَاقِعَ مَا اسْتَبَانَ، وَالْمَعَاصِيْ حِمَى اللّٰهِ، مَنْ يَرْتَعْ حَوْلَ الْحِمَى يُوْشِكْ أَنْ يُوَاقِعَهُ"[راجع: ۵۲]

قوله: فمن ترك ما شُبِّه: جس نے چھوڑ دیا اس گناہ کے کام کو جو اس پر مشتبہ ہے یعنی مشتبہ چیز کا ارتکاب نہیں کیا، نہ اس کی تجارت کی (من الإثم: ما کا بیان ہے) تو اس کے لئے اس گناہ کو چھوڑنا زیادہ آسان ہوگا جس کا گناہ ہونا واضح ہے اور جس نے اس گناہ پر دلیری کی جس میں شک کیا جاتا ہے یعنی جس کا حلال ہونا یقینی طور پر معلوم نہیں تو قریب ہے کہ وہ جا پڑے اس گناہ میں جس کا گناہ ہونا واضح ہے اور معاصی اللہ کا ریزروایریا ہیں، جو شخص ریزروایریے کے آس پاس جانور چراتا ہے وہ قریب ہے کہ ریزروایریے میں جا پڑے۔

بَابُ تَفْسِيْرِ الْمُشَبَّهَاتِ

مشتبہات کی وضاحت

اس باب کی تقریر اوپر آچکی، حضرت رحمہ اللہ نے اس باب میں مشتبہ چیزوں کی تین مثالیں بیان کی ہیں، اور حضرت حسان بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے پرہیزگاری سے زیادہ آسان کوئی چیز نہیں دیکھی، یعنی تقوی اختیار کرنا بہت آسان ہے، اور اس کا فارمولہ ہے: دَعْ مَا يُرِيْبُكَ إِلٰى مَا لاَ يُرِيْبُكَ: جو بات کھٹک پیدا کرے اسے چھوڑ دو، اور بے کھٹک

بات کواختیار کرو، مؤمن کا دل کسوٹی ہے، جب بھی کوئی معاملہ پیش آئے تو دل سے پوچھے، دل مطمئن ہے تو اس کام کو کرے اور شک ہو تو چھوڑ دے یہ پرہیزگار بننے کا آسان فارمولہ ہے۔

[٣-] بَابُ تَفْسِيْرِ الْمُشَبَّهَاتِ

وَقَالَ حَسَّانُ بْنُ أَبِيْ سِنَانٍ: مَا رَأَيْتُ شَيْئًا أَهْوَنَ مِنَ الْوَرَعِ: دَعْ مَا يَرِيْبُكَ إِلٰى مَالاَ يَرِيْبُكَ.

[٢٠٥٢-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيْرٍ، أَنَا سُفْيَانُ، أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِيْ حُسَيْنٍ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِيْ مُلَيْكَةَ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ: أَنَّ امْرَأَةً سَوْدَاءَ جَاءَ تْ فَزَعَمَتْ أَنَّهَا أَرْضَعَتْهُمَا، فَذَكَرَ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، وَتَبَسَّمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" كَيْفَ وَقَدْ قِيْلَ؟" وَكَانَتْ تَحْتَهُ ابْنَةُ أَبِيْ إِهَابٍ التَّمِيْمِيِّ. [راجع: ٨٨]

[٢٠٥٣-] حدثنا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ، ثَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ عُتْبَةُ بْنُ أَبِيْ وَقَّاصٍ عَهِدَ إِلٰى أَخِيْهِ سَعْدِ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ: أَنَّ ابْنَ وَلِيْدَةِ زَمْعَةَ مِنِّي فَاقْبِضْهُ، قَالَتْ: فَلَمَّا كَانَ عَامُ الْفَتْحِ أَخَذَهُ سَعْدُ بْنُ أَبِيْ وَقَّاصٍ، وَقَالَ: ابْنُ أَخِيْ قَدْ عَهِدَ إِلَيَّ فِيْهِ، فَقَامَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ فَقَالَ: أَخِيْ وَابْنُ وَلِيْدَةِ أَبِيْ وُلِدَ عَلٰى فِرَاشِهِ، فَتَسَاوَقَا إِلٰى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ سَعْدٌ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! ابْنُ أَخِيْ، كَانَ قَدْ عَهِدَ إِلَيَّ فِيْهِ، فَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ: أَخِيْ وَابْنُ وَلِيْدَةِ أَبِيْ وُلِدَ عَلٰى فِرَاشِهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم:" هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ بْنَ زَمْعَةَ" ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم:" اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ" ثُمَّ قَالَ لِسَوْدَةَ بِنْتِ زَمْعَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: "احْتَجِبِيْ" لِمَا رَأَى مِنْ شَبَهِهِ بِعُتْبَةَ، فَمَا رَآهَا حَتَّى لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ.

[انظر: ٢٢١٨، ٢٤٢١، ٢٥٣٣، ٢٧٤٥، ٤٣٠٣، ٦٧٤٩، ٦٧٦٥، ٦٨١٧، ٧١٨٢]

[٢٠٥٤-] حدثنا أَبُوْ الْوَلِيْدِ، ثَنَا شُعْبَةُ، أَخْبَرَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِيْ السَّفَرِ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ، قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْمِعْرَاضِ، فَقَالَ:" إِذَا أَصَابَ بِحَدِّهِ فَكُلْ، وَإِذَا أَصَابَ بِعَرْضِهِ فَقَتَلَ فَلاَ تَأْكُلْ، فَإِنَّهُ وَقِيْذٌ" قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أُرْسِلُ كَلْبِيْ وَأُسَمِّيْ، فَأَجِدُ مَعَهُ عَلٰى الصَّيْدِ كَلْبًا آخَرَ لَمْ أُسَمِّ عَلَيْهِ، وَلاَ أَدْرِيْ أَيُّهُمَا أَخَذَ؟ قَالَ:" لاَ تَأْكُلْ، إِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلٰى كَلْبِكَ وَلَمْ تُسَمِّ عَلَى الآخَرِ"[راجع: ١٧٥]

قوله: كيف وقد قيل؟ اس کو نکاح میں کیسے رکھو گے جبکہ وہ بات کہی گئی یعنی جب وہ حبشن کہہ رہی ہے کہ اس نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے تو رضاعت کا شبہ پیدا ہو گیا اب اس کو کیسے نکاح میں رکھو گے؟............**قوله: أن ابن وليدة زمعة**

منی: زمعہ کی باندی کا لڑکا میرے نطفہ سے ہے، پس اس کو لے لینا.......... قد عهد إلی فیه: یہ میرا بھتیجا ہے میرے بھائی نے اس کے سلسلہ میں مجھ سے عہد لیا ہے.......... قوله: فتساوقا: پس دونوں نبی ﷺ کے پاس مقدمہ لے کر گئے .... قوله: لِمَا رأى من شبهه: بایں وجہ کہ آپؐ نے اس لڑکے میں عتبہ کی مشابہت دیکھی .... المِعراض: تیر کے پھل کی طرح کا ایک ہتھیار، تیر میں لکڑی لگتی ہے اور وہ کمان سے چلایا جاتا ہے اور معراض میں لکڑی نہیں لگتی اور وہ تیر کے پھل سے بڑا ہوتا ہے اور اس کا پکڑنے کا دستہ ہوتا ہے اس کو ہاتھ سے پکڑ کر سیدھ باندھ کر مارتے ہیں، وحشیؓ نے سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اسی ہتھیار سے قتل کیا تھا (تحفۃ الالمعی ۴:۴۰۹) حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے معراض کے شکار کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا: ''وہ شکار جس کو آپ معراض کی دھار (نوک) سے پہنچیں پس کھائیں، اور جس کو آپ معراض کی چوڑائی (جانب) سے پہنچیں پس وہ مرجائے تو نہ کھائیں کیونکہ وہ کوٹا ہوا ہے'' (جو بہ نص قرآنی حرام ہے، اس کی تفصیل اپنی جگہ آئے گی)

بَابُ مَايُتَنَزَّهُ مِنَ الشُّبُهَاتِ

وہ مشتبہ چیزیں جن سے بچا جائے

مشتبہ چیزوں سے بچنے کی آخری حد یہ ہے کہ معمولی مشتبہ چیزوں سے بھی بچا جائے، بعض لوگ بازار سے آم خرید کر نہیں کھاتے، باغ کے مالک سے خرید کر کھاتے ہیں، کیونکہ آج کل بہار بکتی ہے اور وہ بیع باطل ہوتی ہے، اگرچہ دارالحرب میں عقود فاسدہ کی گنجائش ہے، پس یہ غایت درجہ احتیاط ہے، مشتبہ چیزوں سے ایسی ہی احتیاط چاہئے، یہی اس باب کا مقصود ہے۔

[٤-] بَابُ مَايُتَنَزَّهُ مِنَ الشُّبُهَاتِ

[٢٠٥٥-] حدثنا قَبِيْصَةُ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِتَمْرَةٍ مَسْقُوْطَةٍ، فَقَالَ: " لَوْلَا أَنْ تَكُوْنَ صَدَقَةً لَأَكَلْتُهَا"

وَقَالَ هَمَّامٌ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " أَجِدُ تَمْرَةً سَاقِطَةً عَلٰى فِرَاشِيْ"

[انظر: ٢٤٣١]

ترجمہ: نبی ﷺ ایک کھجور کے پاس سے گذرے جو پڑی ہوئی تھی، پس آپؐ نے فرمایا: اگر صدقہ کی ہونے کا احتمال نہ ہوتا تو میں اس کو اٹھا کر کھالیتا۔ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: میں اپنے بستر پر چھوہارا پڑا ہوا پاتا ہوں۔

تشریح: عشر وصدقات میں جو چھوہارے وصول ہوتے تھے وہ مسجد نبوی میں اور آپؐ کے گھر کے کسی کونے میں ڈھیر

کردیئے جاتے تھے اور گھر میں گھر کے چھوہارے بھی ہوتے ہیں، اس لئے بستر پر جو چھوہارا پڑا ہے اس کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ صدقہ کا ہے، مگر احتمال ہے اس لئے آپؐ اس کو نہیں کھاتے تھے۔ غرض: اس حد تک (احتمال کے درجہ تک) مشتبہ چیزوں سے بچنا چاہئے۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ الْوَسَاوِسَ وَنَحْوَهَا مِنَ الشُّبُهَاتِ

جس نے وسوسوں اور اندیشوں کو شبہات میں شمار نہیں کیا

مشتبہ چیزیں کیا ہیں؟ اس کی حدود متعین کرتے ہیں۔ جس چیز میں ادنی شبہ ہو وہ مشتبہات میں سے ہے، لیکن جو چیزیں وساوس کے درجہ کی ہیں وہ مشتبہات میں شامل نہیں، یعنی احتمال ناشی عن الدلیل ہونا چاہئے، محض وسوسہ کی بنیاد پر کسی چیز کو مشتبہ قرار نہیں دیں گے۔ حضرت رحمہ اللہ نے اس کی دو مثالیں دی ہیں:

پہلی مثال: کبھی پیٹ میں قراقر ہوتا ہے، ریح مبرز کے قریب تک آکر لوٹ جاتی ہے، پس خروج ریح کا مظنہ (احتمال) پیدا ہوتا ہے، نبی ﷺ نے اس کا اعتبار نہیں کیا آپؐ نے فرمایا: **لاینصرف حتی یسمع صوتا أو یجد ریحا**: جب تک آواز نہ سنے یا بدبو نہ پائے نماز سے نہ پھرے یعنی جب خروج ریح کا یقین ہو تب وضو ٹوٹتا ہے۔

دوسری مثال: مدینہ منورہ کے اطراف میں جو بدّو رہتے تھے وہ جانور ذبح کرکے اس کا گوشت مدینہ منورہ میں لاکر بیچتے تھے، بعض لوگوں کو شبہ ہوا کہ یہ لوگ بدّو ہیں، دین وشریعت سے ناواقف ہیں، اللہ جانے ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھتے ہیں یا نہیں؟ پس آپؐ نے فرمایا: ''تم بسم اللہ پڑھ کر کھالو'' یعنی آپؐ نے اس شبہ کا اعتبار نہیں کیا کیونکہ یہ محض وسوسہ تھا، جب بغیر بسم اللہ کے ذبح کرتے ہوئے ہم نے نہیں دیکھا اور وہ مسلمان ہیں تو محض شبہ کی بنیاد پر گوشت کو حرام قرار نہیں دیں گے۔

[٥-] بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ الْوَسَاوِسَ وَنَحْوَهَا مِنَ الشُّبُهَاتِ

[٢٠٥٦-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، ثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ، عَنْ عَمِّهِ، قَالَ: شُكِيَ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم الرَّجُلُ يَجِدُ فِي الصَّلاَةِ شَيْئًا، أَيَقْطَعُ الصَّلاَةَ؟ قَالَ: '' لاَ، حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيْحًا'' [راجع: ١٣٧]

وَقَالَ ابْنُ أَبِيْ حَفْصَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ: لاَ وُضُوْءَ إِلاَّ فِيْمَا وَجَدْتَ الرِّيْحَ أَوْ سَمِعْتَ الصَّوْتَ.

[٢٠٥٧-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ الْعَجْلِيُّ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الطُّفَاوِيُّ، ثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ قَوْمًا قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ قَوْمًا يَأْتُوْنَنَا بِاللَّحْمِ، لاَ نَدْرِيْ أَذْكَرُوْا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ، أَمْ لاَ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: '' سَمُّوْا اللّٰهَ عَلَيْهِ، وَكُلُوْهُ''

[انظر: ٥٥٠٧، ٧٣٩٨]

قولہ: شُكِيَ: کو مجہول بھی پڑھ سکتے ہیں، اس صورت میں الرجلُ مرفوع ہوگا اور معروف بھی پڑھ سکتے ہیں، پس وہ منصوب ہوگا اور فاعل عبداللہ ہونگے (تحفۃ القاری ۱:۴۴۹)

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ: ﴿ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوَانِ انْفَضُّوْا إِلَيْهَا﴾

جب وہ کوئی تجارت یا لہو ولعب دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ اوقات نماز میں تجارت وغیرہ ممنوع ہیں، حدیث میں ہے: **كَسْب الحلال فريضة بعد الفريضة:** یعنی نماز اول درجہ کا فریضہ ہے اور تجارت وغیرہ دوسرے درجہ کا، پس نماز کو چھوڑ کر تجارت میں مشغول ہونا جائز نہیں، ایک مرتبہ آنحضور ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے، اچانک مدینہ منورہ میں شام سے ایک تجارتی قافلہ آیا اور اس نے نقارہ بجایا، لوگ آپؐ کو خطبہ دیتے ہوئے چھوڑ کر خریداری کے لئے چل دیئے اور کچھ لوگ تماشہ دیکھنے گئے اور نبی ﷺ کے پاس صرف بارہ آدمی باقی رہ گئے، اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی، جس سے معلوم ہوا کہ نماز کو چھوڑ کر تجارت میں مشغول ہونا جائز نہیں۔

[٦-] بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ: ﴿ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوَانِ انْفَضُّوْا إِلَيْهَا﴾

[٢٠٥٨-] حدثنا طَلْقُ بْنُ غَنَّامٍ، ثَنا زَائِدَةُ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ سَالِمٍ، حَدَّثَنِيْ جَابِرٌ، قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ نُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، إِذْ أَقْبَلَتْ مِنَ الشَّامِ عِيْرٌ، تَحْمِلُ طَعَامًا، فَالْتَفَتُوْا إِلَيْهَا، حَتَّى مَا بَقِيَ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم إِلَّا اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلاً، فَنَزَلَتْ﴿ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوَا نِانْفَضُّوْا إِلَيْهَا﴾[الجمعة: ١١] [راجع: ٩٣٦]

قولہ: بينما نحن نصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم: یہ مجاز ہے، نماز ہو چکی تھی اور خطبہ ہو رہا تھا اور یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جب نماز جمعہ پہلے ہوتی تھی اور خطبہ عیدین کی طرح بعد میں، تفصیل گذر چکی ہے (تحفۃ القاری ۲:۲۵۸)

بَابُ مَنْ لَمْ يُبَالِ مِنْ حَيْثُ كَسَبَ الْمَالَ

جس کو پرواہ نہیں کہ کہاں سے مال کمایا

یہ باب منفی پہلو سے ہے، پہلے مثبت پہلو سے باب آیا ہے کہ حلال تجارت کرو اور حرام اور مشتبہ امور کی تجارت سے بچو، اب یہ منفی پہلو سے باب آیا کہ جو حلال وحرام کی فکر نہیں کرتا، بس مال آنا چاہئے، کمائی کا ذریعہ حلال ہے یا حرام اس کی کوئی پرواہ نہیں، اس کے بارے میں کیا وعید آئی ہے؟

[۷-] بَابُ مَنْ لَمْ يُبَالِ مِنْ حَيْثُ كَسَبَ الْمَالَ

[۲۰۵۹-] حدثنا آدَمُ، ثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، ثَنَا سَعِيْدٌ الْمَقْبُرِيُّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لاَ يُبَالِي الْمَرْءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ: أَمِنَ الْحَلاَلِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ؟"

[انظر: ۲۰۸۳]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی کو کچھ پرواہ نہ ہوگی کہ اس نے کہاں سے مال کمایا: حلال طریقہ سے یا حرام طریقہ سے؟'' آپؐ کا یہ ارشاد مذمت کے طور پر ہے، پس یہی وعید ہے۔

بَابُ التِّجَارَةِ فِي الْبَزِّ وَغَيْرِهِ

کپڑے وغیرہ کی تجارت کرنا

الْبَزّ: سوتی کپڑا، مراد مطلق کپڑا ہے، اور گیلری میں فی الْبَرّ ہے یعنی خشکی میں تجارت، بعض نے اس کو اصح قرار دیا ہے، کیونکہ آگے فی البحر آرہا ہے، پس تقابل ہوجائے گا۔

اور حضرت قدس سرہ نے باب میں سورۃ النور کی آیت ۳۷ کا ایک حصہ لکھا ہے، جس میں تجارت کا ذکر ہے، بس باب سے آیت کی مناسبت اتنی ہی ہے۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں: ایسے مرد جن کو اللہ کے ذکر سے نہ تجارت غافل کرتی ہے نہ خرید وفروخت! یعنی وہ بندے دوکان پر کام کرتے ہیں، مگر جب نماز کا وقت آتا ہے تو وہ فوراً مسجد پہنچ جاتے ہیں۔

اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قوم یعنی صحابہ خرید وفروخت اور تجارت کرتے تھے، مگر جب اللہ کا کوئی حق سامنے آتا تو ان کو اس حق کی ادائیگی سے نہ تجارت غافل کرتی نہ خرید وفروخت یعنی پہلے وہ اللہ کا حق ادا کرتے، پھر تجارت وغیرہ امور میں مشغول ہوتے۔

[۸-] بَابُ التِّجَارَةِ فِي الْبَزِّ وَغَيْرِهِ

[۱-] وَقَوْلُ اللهِ: ﴿رِجَالٌ لاَ تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَلاَ بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ﴾ [النور: ۳۷]

[۲-] وَقَالَ قَتَادَةُ: كَانَ الْقَوْمُ يَتَبَايَعُوْنَ وَيَتَّجِرُوْنَ، وَلٰكِنَّهُمْ إِذَا نَابَهُمْ حَقٌّ مِنْ حُقُوْقِ اللهِ، لَمْ تُلْهِهِمْ تِجَارَةٌ وَلاَ بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ، حَتَّى يُؤَدُّوْهُ إِلَى اللهِ.

[۲۰۶۰و۲۰۶۱-] حدثنا أَبُوْ عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِيْ عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ، عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ، قَالَ: كُنْتُ أَتَّجِرُ فِي الصَّرْفِ، فَسَأَلْتُ زَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ، فَقَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، ح: وَحَدَّثَنِيْ

الْفَضْلُ بْنُ يَعْقُوْبَ، ثَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: أَخْبَرَنِيْ عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ، وَعَامِرُ بْنُ مُصْعَبٍ، أَنَّهُمَا سَمِعَا أَبَا الْمِنْهَالِ، يَقُوْلُ: سَأَلْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ، وَزَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ عَنِ الصَّرْفِ، فَقَالاَ: كُنَّا تَاجِرَيْنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم، فَسَأَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الصَّرْفِ، فَقَالَ: "إِنْ كَانَ يَدًا بِيَدٍ فَلاَ بَأْسَ، وَإِنْ كَانَ نَسِيْأً فَلاَ يَصْلُحُ"

[الحديث: ۲۰۶۰، انظر: ۲۱۸۰، ۲۴۹۷، ۳۹۳۹]؛ الحديث: ۲۱۶۱، انظر: ۲۱۸۱، ۲۴۹۸، ۳۹۴۰]

ترجمہ: ابوالمنہال کہتے ہیں: میں صراف تھا (سونے چاندی کے تاجر کو صراف کہتے ہیں) .... میں نے حضرت براء اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہما سے سونے چاندی کی تجارت کے بارے میں پوچھا: (دونوں حضرات صراف تھے اس لئے ابوالمنہال نے ان سے مسئلہ پوچھا) دونوں نے فرمایا: ہم نبی ﷺ کے زمانہ میں تجارت کرتے تھے ہم نے آپؐ سے سونے چاندی کی تجارت کے بارے میں پوچھا، آپؐ نے فرمایا: اگر دست بدست ہو یعنی نقد معاملہ ہو تو کچھ حرج نہیں، اور اگر ادھار معاملہ ہو تو صحیح نہیں۔

تشریح: حدیث کی باب کے ساتھ مناسبت ظاہر ہے، سونے چاندی کی بیع غیرہ میں داخل ہے، اور عام بیع میں نقد اور ادھار دونوں جائز ہیں، مگر بیع صرف میں مجلس عقد میں عوضین پر قبضہ ضروری ہے، ادھار جائز نہیں۔

بَابُ الْخُرُوْجِ فِي التِّجَارَةِ

تجارت کے لئے سفر کرنا

تجارت کے لئے سفر کرنا جائز ہے، ارشاد پاک ہے: "زمین میں پھیلو اور اللہ کا فضل (رزق) تلاش کرو" (الجمعہ آیت ۱۰) اس آیت میں اشارہ ہے کہ جتنا زمین میں پھیلے گا اتنا فائدہ ہوگا، کہتے ہیں: حرکت میں برکت ہے!

[۹-] بَابُ الْخُرُوْجِ فِي التِّجَارَةِ

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ [الجمعة: ۱۰]

[۲۰۶۲-] حدثنا مُحَمَّدٌ، أَنَا مَخْلَدُ بْنُ يَزِيْدَ، أَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِيْ عَطَاءٌ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ، أَنَّ أَبَا مُوْسَى الْأَشْعَرِيَّ اسْتَأْذَنَ عَلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ، وَكَأَنَّهُ كَانَ مَشْغُوْلاً، فَرَجَعَ أَبُوْ مُوْسَى، فَفَزِعَ عُمَرُ، فَقَالَ: أَلَمْ أَسْمَعْ صَوْتَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ؟ ائْذَنُوْا لَهُ، قِيْلَ: قَدْ رَجَعَ، فَدَعَاهُ، فَقَالَ: كُنَّا نُؤْمَرُ بِذٰلِكَ، فَقَالَ: تَأْتِيْنِيْ عَلٰى ذٰلِكَ بِالْبَيِّنَةِ، فَانْطَلَقَ إِلٰى مَجْلِسِ الْأَنْصَارِ، فَسَأَلَهُمْ، فَقَالُوْا: لاَ يَشْهَدُ لَكَ عَلٰى هٰذَا إِلاَّ أَصْغَرُنَا أَبُوْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيُّ، فَذَهَبَ بِأَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، فَقَالَ عُمَرُ: أَخَفِيَ عَلَيَّ مِنْ

أَمْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم؟ أَلْهَانِیْ الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ، یَعْنِیْ الْخُرُوْجَ إِلَی التِّجَارَةِ.

[انظر: ٦٢٤٥، ٧٣٥٣]

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آنے کی اجازت طلب کی، پس ان کو اجازت نہیں دی گئی، اور گویا حضرت عمرؓ کسی کام میں مشغول تھے، پس ابوموسیٰ لوٹ گئے، پس حضرت عمرؓ گھبرا گئے اور فرمایا: کیا میں نے عبداللہ بن قیسؓ کی آواز نہیں سنی؟ ان کو آنے کی اجازت دو، کہا گیا: وہ لوٹ گئے، پس حضرت عمرؓ نے ان کو بلوایا (اور واپس لوٹ جانے کی وجہ دریافت کی) ابوموسیٰؓ نے کہا: ہم اس کا حکم دیئے جاتے تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: اس پر گواہ لاؤ، پس ابوموسیٰؓ انصار کی مجلس میں گئے اور ان سے پوچھا: انھوں نے کہا: آپ کے لئے اس کی گواہی نہیں دے گا مگر ابوسعید جو ہم میں سب سے چھوٹا ہے، پس وہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو لے کر گئے، پس حضرت عمرؓ نے فرمایا: افسوس! مجھ پر نبی ﷺ کی حدیثیں پوشیدہ رہ گئیں! مجھ کو بازاروں میں مشغولیت نے یعنی تجارت کے لئے نکلنے نے غافل کر دیا (یہی جزء باب سے متعلق ہے)

تشریح: شروع میں حفاظتِ حدیث کے لئے بعض صحابہ نے بعض اصول بنائے تھے، مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جب کوئی حدیث بیان کرتا تو آپؓ اس کو قسم دیتے، اگر وہ قسم کھا کر کہتا کہ اس نے نبی ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے تو آپؓ وہ حدیث قبول کر لیتے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ گواہ طلب کرتے تھے، اسی سلسلہ کا یہ واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کے دورِ خلافت میں ان کے گھر ملاقات کے لئے گئے، اور وقفہ وقفہ سے تین مرتبہ سلام کیا، حضرت عمرؓ کسی کام میں مشغول تھے، مثلاً بیت الخلاء میں ہونگے اس لئے جواب نہیں دیا، حضرت ابوموسیٰؓ لوٹ گئے، جب حضرت عمرؓ فارغ ہوئے تو آپؓ نے فرمایا: میں نے عبداللہ بن قیسؓ کی آواز سنی ہے، ان کو اندر بلاؤ، خادم گیا اور آکر عرض کیا کہ وہ چلے گئے، آپؓ نے آدمی بھیج کر ان کو بلوایا اور واپس لوٹ جانے کی وجہ پوچھی۔ حضرت ابوموسیٰؓ نے حدیث سنائی کہ نبی ﷺ نے تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کی اور اجازت نہ ملنے پر واپس لوٹ جانے کا حکم دیا ہے، حضرت عمرؓ نے گواہ مانگا، حضرت ابوموسیٰؓ پریشان ہو گئے، وہ گواہ کی تلاش میں نکلے، ایک جگہ کچھ انصار جمع تھے ان سے جا کر پورا واقعہ بیان کیا اور مدد کی درخواست کی، انھوں نے کہا ہم میں سے ہر شخص نے یہ حدیث سنی ہے اور عمرؓ نے لوگوں کو پریشان کر دیا، اس لئے ہم میں جو سب سے چھوٹا ہے وہ آپ کے ساتھ جا کر گواہی دے گا، اس مجلس میں سب سے چھوٹے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ تھے انھوں نے جا کر گواہی دی کہ یہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے افسوس ظاہر کرتے ہوئے فرمایا: دین کی موٹی باتیں بھی مجھ سے پوشیدہ رہ گئیں! کیونکہ میں مارکیٹ میں کاروبار کرتا تھا، اسی مناسبت سے یہاں یہ حدیث لائے ہیں۔

ملحوظہ: حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے جو احتیاطی ضوابط بنائے تھے ان کو اصول حدیث میں نہیں لیا گیا کیونکہ

روایت حدیث ازقبیل دیانت ہے اور قسم معاملات میں لی جاتی ہے اسی طرح گواہی بھی معاملات میں لی جاتی ہے، دیانات میں گواہی نہیں لی جاتی، اس لئے اصولِ حدیث میں ان ضابطوں کو نہیں لیا گیا۔

بَابُ التِّجَارَةِ فِي الْبَحْرِ

تجارت کے لئے سمندری سفر کرنا

تجارت کے لئے خشکی کا سفر کرنا بھی جائز ہے اور سمندر کا بھی، دورِاول میں سمندر کا سفر خطرناک سمجھا جاتا تھا، حدیث میں ہے: سمندر کا سفر نہ کرے مگر حاجی یا غازی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب رکھ کر واضح کیا کہ تجارت کے لئے سمندر کا سفر کرسکتے ہیں۔ مطر[1] رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تجارت کے لئے سمندر کا سفر کرنے میں کچھ حرج نہیں، کیونکہ وہ قرآن سے ثابت ہے اور قرآن میں جو بات ہوتی ہے وہ باون تولہ پاؤ رتی ہوتی ہے، اس میں شک کی ادنی گنجائش نہیں! اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهِ﴾: اور دیکھتا ہے تو بڑی کشتیوں کو کہ پانی کو چیرتی ہوئی چلی جارہی ہیں، تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو، اکثر بڑی تجارتیں کشتیوں کے ذریعہ ہوتی تھیں، ان سے جو منافع حاصل ہوتے ہیں وہ اللہ کا فضل ہیں، غرض آیت کریمہ سے تجارت کے لئے سمندری سفر کا جواز ثابت ہوا۔

[١٠-] بَابُ التِّجَارَةِ فِي الْبَحْرِ

[١-] وَقَالَ مَطَرٌ: لاَبَأْسَ بِهِ، وَمَا ذَكَرَهُ اللّٰهُ فِي الْقُرْآنِ إِلَّا بِحَقٍّ، ثُمَّ تَلاَ ﴿وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهِ﴾[فاطر: ١٢]

[٢-] اَلْفُلْكُ: السُّفُنُ: الْوَاحِدُ وَالْجَمْعُ سَوَاءٌ، وَقَالَ مُجَاهِدٌ: تَمْخَرُ السُّفُنُ مِنَ الرِّيْحِ، وَلاَ تَمْخَرُ الرِّيْحُ مِنَ السُّفُنِ إِلَّا الْفُلْكُ الْعِظَامُ.

[٢٠٦٣-] وَقَالَ اللَّيْثُ: ثَنِيْ جَعْفَرُ بْنُ رَبِيْعَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: أَنَّهُ ذَكَرَ رُجُلاً مِنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ خَرَجَ فِي الْبَحْرِ، فَقَضَى حَاجَتَهُ، وَسَاقَ الْحَدِيْثَ. حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنِي اللَّيْثُ بِهٰذَا. [راجع: ١٤٩٨]

لغات: الفُلْك: کشتیاں، مفرد بھی یہی ہے اور جمع بھی .... مَوَاخِرَ: مَاخِرة کی جمع ہے، مَخَرَتْ (ن، ف) مَخْرًا

(۱) یہ مطر بن طھمان ہیں، ابورجاء ان کی کنیت ہے اور وراق لقب ہے، قرآنِ کریم لکھتے تھے اس لئے اس لقب سے مشہور ہوئے، بصرہ کے رہنے والے تھے۔ اور علامہ کرمانی کہتے ہیں: یہ مطر بن الفضل مروزی ہیں جو امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ ہیں اور حموی کی روایت میں مطرّ ف ہے، یہ تصحیف ہے (حاشیہ)

وَمُخُوْرًا السفينةُ: آواز کے ساتھ پانی کو چیرنا.......... مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں: کشتیاں ہوا کو پھاڑتی ہیں اور بڑی کشتیاں ہی ہوا کو چیرتی ہیں، جیسے کار روڈ پر چلتی ہے تو ہوا کو نہیں چیرتی اور ٹرک اور بس تیزی سے چلتے ہیں تو ہوا کو چیر کر سائڈ پر ڈالتے ہیں جس سے درخت لوٹ پوٹ ہوجاتے ہیں۔

ملحوظہ: یہ حدیث کتاب الزکاۃ باب ۶۵ میں تفصیل سے گذری ہے، اس میں اس اسرائیلی کا واقعہ ہے جس نے سمندر کا سفر کرکے ایک شخص سے ہزار دینار قرض لئے تھے، یہ قرض تجارت کے لئے لیا تھا، پس خرج فی البحر: سے استدلال کیا ہے۔

بَابٌ

تجارت کرنا

یہ باب مطلق ہے خواہ خشکی کی راہ سے تجارت کرے خواہ سمندر کا سفر کرے، خواہ بغیر سفر کئے اپنی جگہ تجارت کرے، سب کو یہ باب شامل ہے۔ اور اس باب میں دو آیتیں ایک اثر اور ایک حدیث ہے، پہلی آیت اور حدیث پانچویں باب میں اور دوسری آیت اور اثر تیسرے باب میں گذر چکے ہیں۔

[۱۱-] بَابٌ

[۱-] قَوْلُ اللّٰهِ ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْا إِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا﴾ [الجمعة: ۱۱]

[۲-] وَقَوْلُهُ ﴿رِجَالٌ لاَ تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَلاَ بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ [النور: ۳۷]

[۳-] وَقَالَ قَتَادَةُ: كَانُوْا يَتَّجِرُوْنَ، وَلٰكِنَّهُمْ كَانُوْا إِذَا نَابَهُمْ حَقٌّ مِنْ حُقُوْقِ اللّٰهِ، لَمْ تُلْهِهِمْ تِجَارَةٌ وَلاَ بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ، حَتّٰى يُؤَدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ.

[۲۰۶٤-] حدثنا مُحَمَّدٌ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: أَقْبَلَتْ عِيْرٌ، وَنَحْنُ نُصَلِّيْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم الْجُمُعَةَ، فَانْفَضَّ النَّاسُ إِلاَّ اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلاً، فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الآيَةُ ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْواً انْفَضُّوْا إِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا﴾

[راجع: ۹۳۶]

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿أَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾

اپنی حلال کمائی سے خرچ کرو

اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ حلال کماؤ اور اس میں سے خرچ کرو، جن کے حقوق واجب ہیں وہ ادا کرو، اپنے اوپر بھی خرچ

کرو، بیوی بچوں پر بھی خرچ کرو، عزیز واقارب پر بھی خرچ کرو اور صدقہ خیرات بھی کرو، اور حلال وپاکیزہ مال خرچ کرو پس حلال طریقوں سے کماؤ، جس کی کمائی حلال نہیں ہوتی اس کو صدقہ خیرات کی توفیق نہیں ملتی، اس لئے حلال وسائل سے کماؤ تاکہ راہ خدا میں خرچ کرنے کی توفیق ملے اور صدقہ بھی قبول ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ حلال وطیب مال ہی قبول فرماتے ہیں۔

[۱۲-] بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿أَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾

[۲۰۶۵-] حدثنا عُثْمَانُ بْنُ أَبِىْ شَيْبَةَ، ثَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ أَبِىْ وَائِلٍ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ النَّبِىُّ صلى الله عليه وسلم: " إِذَا أَنْفَقَتِ الْمَرأَةُ مِنْ طَعَامِ بَيْتِهَا، غَيْرَ مُفْسِدَةٍ، كَانَ لَهَا أَجْرُهَا بِمَا أَنْفَقَتْ، وَلِزَوْجِهَا بِمَا كَسَبَ، وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذٰلِكَ، لاَ يَنْقُصُ بَعْضُهُمْ أَجْرَ بَعْضٍ شَيْئًا"

[راجع: ۱۴۳۷]

[۲۰۶۶-] حدثنا يَحْيىَ بْنُ جَعْفَرٍ، ثنا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ هَمَّامٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِىِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " إِذَا أَنْفَقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ كَسْبِ زَوْجِهَا، عَنْ غَيْرِ أَمْرِهِ، فَلَهَا نَصْفُ أَجْرِهِ"[انظر: ۵۱۹۲، ۵۱۹۵، ۵۳۶۰]

قوله: ولزوجها بما كسب سے استدلال ہے، عورت جو خرچ کرتی ہے وہ اس کا مال نہیں، شوہر کا ہے، اس نے کمایا ہے، اور اس کی کمائے ہوئے مال کو بیوی خرچ کرتی ہے، اس لئے دونوں کو ثواب ملتا ہے۔

قوله: من غير أمره: صراحۃً امر ضروری نہیں، دلالۃً یا عرفاً امر بھی کافی ہے، لیکن اگر نہ صراحۃً اجازت ہے نہ دلالۃً نہ عرفاً تو عورت کے لئے خرچ کرنا جائز نہیں، وہ گنہ گار ہوگی۔

بَابُ مَنْ أَحَبَّ البَسْطَ فِى الرِّزْقِ

جو شخص رزق میں کشادگی پسند کرتا ہے

رزق میں کشادگی کا سبب تجارت کے علاوہ صلہ رحمی بھی ہے یعنی ددھیالی اور ننھیالی رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا رزق بڑھاتا ہے، جاننا چاہئے کہ آدمی کو جو رزق ملتا ہے سب اس کی قسمت کا نہیں ہوتا، بیوی، بچوں اور غریبوں کی قسمت کا بھی ہوتا ہے، شوہر جو بیوی پر خرچ کرتا ہے اور باپ جو بچوں پر خرچ کرتا ہے وہ انہی کی قسمت کا ہوتا ہے جو مالدار کی معرفت ان کو ملتا ہے پس جو جتنا زیادہ غریبوں پر اور رشتہ داروں پر خرچ کرے گا اتنا ہی زیادہ اس کو ملے گا اور اس کی عمر میں بھی برکت ہوگی یعنی مرنے کے بعد لوگ عرصہ تک اس کو یاد رکھیں گے، شیخ سعدی نے کہا ہے: نوشیرواں نمرد کہ نامے نکوگذاشت: نوشیرواں نہیں مرا، اس لئے کہ اس نے اچھا نام چھوڑا، اب تک لوگ اس کا تذکرہ کرتے ہیں، اور اس کی اچھائیوں کو یاد کرتے ہیں، نبی ﷺ کا

ارشاد ہے: ’’جس کو رزق کی کشادگی اور عمر کی درازی پسند ہو وہ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرے‘‘

[۱۳-] بَابُ مَنْ أَحَبَّ الْبَسْطَ فِي الرِّزْقِ

[۲۰٦٧-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي يَعْقُوْبَ الْكِرْمَانِيُّ، ثَنَا حَسَّانٌ، حَدَّثَنَا يُوْنُسُ، قَالَ مُحَمَّدٌ- هُوَ الزُّهْرِيُّ- عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: ’’مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ رِزْقُهُ، أَوْ يُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ‘‘[انظر: ٥٩٨٦]

قوله: أو یُنسأله فی أثره: اور تاخیر کی جائے اس کے نشان میں (أو: واو کے معنی میں ہے) آدمی جب چلتا ہے تو قدم کے نشان پڑتے ہیں، نشانات قدم میں تاخیر کی جائے یعنی مرنے کے بعد لوگ یاد کریں۔

سند: یہ حدیث یونس اَیلی: محمد سے، اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، یہ **محمد:** امام زہری ہیں، امام زہری کا نام محمد بن مسلم ہے، پس **قال محمد** سے پہلے ایک **قال** محذوف ہے، یونس نے کہا: محمد نے یعنی امام زہری نے حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہوئے کہا۔

بَابُ شِرَى النبيِّ صلى الله عليه وسلم بِالنَّسِيْئَةِ

نبی ﷺ کا ادھار خریدنا

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ تجارت امر محمود ہے اس لئے کہ نبی ﷺ نے بیچا بھی ہے اور خریدا بھی ہے، آپؐ نے ایک یہودی سے ادھار غلہ خریدا تھا اور اپنا لوہے کا کرتا اس کے پاس گروی رکھا تھا، جب ادھار خریدنا جائز ہے تو ادھار بیچنا بھی جائز ہے، اور نقد خریدنا اور بیچنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔

[١٤-] بَابُ شِرَى النبيِّ صلى الله عليه وسلم بِالنَّسِيْئَةِ

[۲۰٦٨-] حدثنا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ، ثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، ثَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ: ذَكَرْنَا عِنْدَ إِبْرَاهِيْمَ الرَّهْنَ فِي السَّلَمِ، فَقَالَ: حَدَّثَنِي الْأَسْوَدُ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم اشْتَرَى طَعَامًا مِنْ رَجُلٍ يَهُوْدِيٍّ إِلَى أَجَلٍ، وَرَهَنَهُ دِرْعًا مِنْ حَدِيْدٍ.

[انظر: ٢٠٩٦، ٢٢٠٠، ٢٢٥١، ٢٢٥٢، ٢٣٨٦، ٢٥٠٩، ٢٥١٣، ٢٩١٦، ٤٤٦٧]

[۲۰٦٩-] حدثنا مُسْلِمٌ، ثَنَا هِشَامٌ، ثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسٍ، ح: وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ حَوْشَبٍ، ثَنَا أَسْبَاطٌ أَبُو الْيَسَعِ الْبَصْرِيُّ: ثَنَا هِشَامٌ الدَّسْتَوَائِيُّ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ

مَشَى إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِخُبْزِ شَعِيْرٍ وَإِهَالَةٍ سَنِخَةٍ، وَلَقَدْ رَهَنَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم دِرْعًا لَهُ بِالْمَدِيْنَةِ عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ، وَأَخَذَ مِنْهُ شَعِيْرًا لِأَهْلِهِ، وَلَقَدْ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: "مَا أَمْسَى عِنْدَ آلِ مُحَمَّدٍ صَاعُ بُرٍّ وَلاَ صَاعُ حَبٍّ، وَإِنَّ عِنْدَهُ لَتِسْعَ نِسْوَةٍ"[انظر: ۲۵۰۸]

قوله: الرهن فی السَّلَم: أی فی السَّلَف یعنی ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کی مجلس میں ادھار خریدنے کا مسئلہ چھڑا تو انھوں نے جواز کے لئے حدیث پیش کی، یہاں معروف بیع سلم مراد نہیں (فتح)

دوسری حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ نبی ﷺ کے پاس جو کی روٹی اور پگھلی ہوئی بودار چربی لے کر چلے (یہ حدیث یہاں مختصر ہے اس کا پورا واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودی نے نبی ﷺ کی دعوت کی تھی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کھانا بھیجا تھا، جو جَو کی روٹی اور چربی پر مشتمل تھی) اور نبی ﷺ نے مدینہ میں ایک یہودی کے پاس اپنی زرہ گروی رکھی اور اس کے بدلے میں گھروں کے لئے جَو لئے اور بخدا! میں نے آپؐ کو فرماتے ہوئے سنا: آج شام کو میرے کسی گھر میں نہ ایک صاع گیہوں ہیں نہ کوئی اور غلہ، جبکہ اس وقت آپؐ کی نو بیویاں تھیں یعنی نو گھر تھے، مگر کسی گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہیں تھا۔

تشریح:

۱- حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ کے امراء پر نکیر کی ہے، جن کے بڑے ٹھاٹھ ہو گئے تھے، اس لئے حضرت انسؓ نے آپؐ کی سادگی کے چند واقعات ذکر کئے ہیں۔

۲- آنحضور ﷺ اپنی تنگی صحابہ کے سامنے ظاہر نہیں فرماتے تھے بلکہ قریب ترین لوگوں کو بھی اس کا پتہ نہیں چلتا تھا، مگر کسی مصلحت سے آپؐ نے اپنا حال کبھی ظاہر بھی فرمایا ہے، جیسے غزوہ خندق کی کھدائی کے موقع پر صحابہ نے بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ دکھائے جن پر پتھر بندھے ہوئے تھے پس آپؐ نے اپنی چادر ہٹائی، آپؐ کے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے یعنی آپؐ کا فاقہ صحابہ سے دوگنا تھا، چنانچہ سب کو تسلی ہوگئی اور سب کام میں لگ گئے، یہاں بھی ایسی ہی کوئی مصلحت رہی ہوگی جس کی وجہ سے آپؐ نے اپنی حالت ظاہر فرمائی کہ آج میرے کسی گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہیں۔

بَابُ كَسْبِ الرَّجُلِ، وَعَمَلِهِ بِيَدِهِ

آدمی کا کمائی کرنا اور اپنے ہاتھ سے کام کرنا

كسبُ الرجل: آدمی کا کمائی کرنا عام ہے، اور **عَمَلِه بيده:** خاص ہے، اور باب کا حاصل یہ ہے کہ آدمی کو اپنی محنت کی کمائی کھانی چاہئے، اس میں تجارت بھی آگئی، اور صنعتیں بھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام لوہے کی زرہیں بناتے تھے اور اس کی

آمدنی سے گھر کا خرچ چلاتے تھے، عالمگیر رحمہ اللہ قرآنِ کریم لکھتے تھے اور اس کا جو ہدیہ آتا تھا اس سے گھر چلاتے تھے، حکومت کے خزانہ سے کچھ نہیں لیتے تھے۔

[۱۵-] بَابُ كَسْبِ الرَّجُلِ، وَعَمَلِهِ بِيَدِهِ

[۲۰۷۰-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، حَدَّثَنِيْ ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ يُوْنُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، ثَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: لَمَّا اسْتُخْلِفَ أَبُوْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقُ، قَالَ: لَقَدْ عَلِمَ قَوْمِيْ أَنَّ حِرْفَتِيْ لَمْ تَكُنْ تَعْجِزُ عَنْ مَؤُوْنَةِ أَهْلِيْ، وَشُغِلْتُ بِأَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ، فَسَيَأْكُلُ آلُ أَبِيْ بَكْرٍ مِنْ هٰذَا الْمَالِ، وَأَحْتَرِفُ لِلْمُسْلِمِيْنَ فِيْهِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو آپؓ نے فرمایا: میری قوم بخوبی جانتی ہے کہ میرا پیشہ میرے گھر والوں کے خرچ سے عاجز نہیں، یعنی میرے کاروبار سے میرے گھر کا پورا خرچ نکل آتا ہے اور میں مسلمانوں کے کاموں میں مشغول کر دیا گیا ہوں پس اب ابوبکرؓ کے گھر والے اس مال (بیت المال) سے کھائیں گے اور میں مسلمانوں کے لئے پیشہ کروں گا یعنی حکومت کے کاموں میں مشغول رہوں گا۔

تشریح: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کپڑے کا کاروبار تھا، خلیفہ بننے کے بعد اگلے دن آپؓ کپڑوں کی گٹھری لے کر بازار کے لئے چلے، راستہ میں حضرت عمر اور حضرت عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہما مل گئے، انھوں نے پوچھا: حضرت! کہاں چلے؟ آپؓ نے جواب دیا: بازار جا رہا ہوں، دکان لگاؤنگا، ان حضرات نے کہا: پھر حکومت کا کام کیسے چلے گا؟ حضرت نے جواب دیا: میرے گھر کا خرچ کیسے چلے گا؟ انھوں نے کہا: آپؓ واپس چلیں ہم اس کا حل نکالیں گے، چنانچہ اکابر صحابہ جمع ہوئے اور باہم مشورہ سے بیت المال سے آپؓ کی تنخواہ مقرر کی، اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجمع عام سے خطاب کیا اور مذکورہ بات بتلائی کہ اب میں مسلمانوں کے کام میں مشغول ہو گیا ہوں اس لئے بیت المال سے تنخواہ لوں گا اور حکومت کا کام کرونگا۔

مناسبت: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کہ اب میں حکومت کا کام کروں گا، اور اس کے عوض تنخواہ لونگا، یہی العملُ بالید ہے اور یہی کسبُ الرجل ہے، یا یہ کہیں کہ آپؓ جو کپڑے کی تجارت کرتے تھے وہ کسب ہے، اسی طرح مدرسہ کے اساتذہ جو تنخواہ لیتے ہیں وہ بھی العمل بالید ہے اور وہی ان کا کسب ہے۔

[۲۰۷۱-] حدثنا مُحَمَّدٌ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيْدَ، ثَنَا سَعِيْدٌ، ثَنِيْ أَبُوْ الْأَسْوَدِ، عَنْ عُرْوَةَ، قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ: كَانَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عُمَّالَ أَنْفُسِهِمْ، فَكَانَ يَكُوْنُ لَهُمْ أَرْوَاحٌ، فَقِيْلَ لَهُمْ: لَوِ اغْتَسَلْتُمْ! رَوَاهُ هَمَّامٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ. [راجع: ۹۰۳]

وضاحت: صحابہ اپنا کام خود کرتے تھے، کھیتوں کا بھی اور باغوں کا بھی، یہی کسب اور عمل بالید ہے، پھر وہ حضرات زوال کے بعد اسی حالت میں جمعہ کے لئے آتے تھے، اور اونی کپڑے پہنے ہوئے ہوتے تھے، اور ملک گرم تھا، اس لئے پسینہ سے شرابور ہوجاتے تھے اور بو آتی تھی، چنانچہ ان سے کہا گیا: اگر آپ لوگ نہا کر آئیں تو بہت اچھا ہو!

[۲۰۷۲-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسَى، أَنَا عِيْسَى بْنُ يُوْنُسَ، عَنْ ثَوْرٍ، عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ، عَنِ الْمِقْدَامِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ، وَإِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ دَاوُدَ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ"

[۲۰۷۳-] حدثنا يَحْيىَ بْنُ مُوْسَى، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِهٍ، نَا أَبُوْ هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" أَنَّ دَاوُدَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ لاَ يَأْكُلُ إِلَّا مِنْ عَمَلِ يَدِهِ" [انظر: ۳٤۱۷، ٤۷۱۳]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "نہیں کھایا کسی نے کوئی کھانا کبھی بہتر اس سے کہ کھائے وہ اپنے ہاتھ کے کام سے یعنی سب سے بہتر لقمہ اپنی کمائی کا لقمہ ہے۔ اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے دونوں ہاتھوں کے کام سے کھاتے تھے، آپؑ زرہیں (لوہے کے کرتے) بناتے تھے، اور اس کی آمدنی سے گھر چلاتے تھے، حکومت سے کچھ نہیں لیتے تھے۔

نصیحت: آج کل ہمارے فضلاء دوسرے کاموں میں لگ جاتے ہیں، دین کے کام میں نہیں لگتے اور جو لگتے ہیں وہ دس پندرہ سال پڑھا کر چھوڑ دیتے ہیں، کیونکہ ان کو جو تنخواہ ملتی ہے اس سے گھر نہیں چلتا۔

میرے عزیزو! ملت جو کچھ دیتی ہے اس کو غنیمت جانو، اگر کوئی ایک روپیہ بھی نہ دے تو بھی ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم نے جو پڑھا ہے وہ دوسروں تک پہنچائیں، اور مدرسہ کی تنخواہ پر تکیہ کیوں کرو! حضرت داؤد علیہ السلام پیغمبر تھے، اور بادشاہ تھے پھر بھی اپنے ہاتھ سے زرہیں بنا کر اس کی آمدنی سے گھر چلاتے تھے، بیت المال سے ایک پیسہ نہیں لیتے تھے، اس میں ہمارے لئے بڑا سبق ہے، اگر تنخواہ سے ہماری ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں تو درس وتدریس کے ساتھ ہمیں کوئی چھوٹا موٹا کام بھی کرنا چاہئے، اس میں شرم کیسی؟ نبی ﷺ نے اس کو سب سے بہتر لقمہ فرمایا ہے۔ مگر ہمارے فضلاء کا حال یہ ہے کہ چھ سات گھنٹے پڑھاتے ہیں، باقی سارا وقت ضائع کردیتے ہیں، اس میں کوئی کام نہیں کرتے، یہاں بیٹھے ہیں وہاں کھڑے ہیں، اور اناپ شناپ باتوں میں وقت ضائع کردیتے ہیں، پھر یا تو دوسروں کے دست نگر رہتے ہیں، یا شکایتیں کرتے پھرتے ہیں یا زندگی کی گاڑی زبردستی کھینچتے رہتے ہیں اور جب کوئی چارہ نہیں رہتا تو مدرسہ کو خیر باد کہہ دیتے ہیں اور بڑھیا کی مثال بن جاتے ہیں، سورۃ النحل میں یہ مثال آئی ہے کہ ایک بڑھیا دن بھر سوت کاتتی تھی اور شام کو ادھیڑ دیتی تھی، دس سال پڑھا کر چھوڑ دینا دن بھر سوت کات کر شام کو ادھیڑ دینے کی طرح ہے، فضلاء کو اس بری مثال کا مصداق نہیں بننا چاہئے، درس

وتدریس کے ساتھ کوئی مناسب کام بھی کرنا چاہئے تاکہ معاشی پریشانیوں سے دوچار نہ ہونا پڑے۔

[۲۰۷٤-] حدثنا يَحْيىٰ بْنُ بُكَيْرٍ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِيْ عُبَيْدٍ مَوْلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "لَأَنْ يَحْتَطِبَ أَحَدُكُمْ حُزْمَةً عَلٰى ظَهْرِهِ، خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَسْأَلَ أَحَدًا فَيُعْطِيَهُ أَوْ يَمْنَعَهُ" [راجع: ١٤٧٠]

[۲۰۷٥-] حدثنا يَحْيىٰ بْنُ مُوْسَى، ثَنَا وَكِيْعٌ، ثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "لَأَنْ يَأْخُذَ أَحَدُكُمْ أَحْبُلَهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَسْأَلَ النَّاسَ" [راجع: ١٤٧٠]

قَالَ أَبُوْ نُعَيْمٍ: ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ ثَوَابٍ، وَثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيْهِ، الحديث.

حوالہ: ان حدیثوں کا ترجمہ اور شرح کتاب الزکاۃ باب ۵۰ میں ہے۔

بَابُ السُّهُوْلَةِ وَالسَّمَاحَةِ فِي الشِّرَاءِ وَالْبَيْعِ، وَمَنْ طَلَبَ حَقًّا فَلْيَطْلُبْهُ فِي عَفَافٍ

خرید وفروخت میں آسانی کرنا اور عالی ظرفی برتنا، اور جو شخص کوئی حق طلب کرے تو نامناسب قول وفعل سے بچتے ہوئے طلب کرے

السُّهُوْلة (مصدر) کے معنی ہیں: آسانی، نرمی کرنا (بابہ کرم) اور السَّمَاحة (مصدر) کے بھی یہی معنی ہیں (بابہ فتح) اردو میں سیر چشمی اور عالی ظرفی بھی اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔ اور عَفَاف (مصدر) کے معنی ہیں: ناجائز یا ناپسندیدہ قول وفعل سے بچنا (بابہ ضرب) فهو عَفٌّ وعَفِيْفٌ۔

اس باب میں دو باتیں ہیں:

پہلی بات: اگر تجارت میں کامیابی کے ساتھ نیک نامی اور ثواب بھی مطلوب ہے تو تاجر کو چاہئے کہ گاہکوں کے ساتھ نرم برتاؤ کرے، اور عالی ظرفی کا مظاہرہ کرے، اس سے کاروبار میں برکت ہوگی، اور دنیا اس کے گن گائے گی۔

دوسری بات: جب تاجر کسی سے اپنا حق طلب کرے تو نامناسب قول وفعل سے احتراز کرے، نہ سخت گیری کرے نہ نامناسب بات منہ سے نکالے، اس سے بھی تجارت کو فروغ ملتا ہے۔

آگے دو باب آرہے ہیں، پہلے باب میں یہ مضمون ہے کہ مالدار کو ڈھیل دو، اگر مقروض قرض ادا کرسکتا ہے مگر کسی وجہ سے مہلت مانگتا ہے تو مہلت دو، اور دوسرے باب میں یہ مضمون ہے کہ تنگ دست سے درگذر کرو، اس کا قرضہ معاف کردو، یہ نرم برتاؤ اور عالی ظرفی کی دو مثالیں ہیں، اور باب کے دوسرے جزء کی کوئی مثال بیان نہیں کی، اس کو خود سمجھ لیں۔

[۱۶-] بَابُ السُّهُوْلَةِ وَالسَّمَاحَةِ فِی الشِّرَاءَ وَالْبَيْعِ، وَمَنْ طَلَبَ حَقًّا فَلْيَطْلُبْهُ فِی عَفَافٍ

[۲۰۷۶-] حدثنا عَلِیُّ بْنُ عَيَّاشٍ، ثنَا أَبُوْ غَسَّانَ: مُحَمَّدُ بْنُ مُطَرِّفٍ، ثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلاً سَمْحًا إِذَا بَاعَ، وَإِذَا اشْتَرَى، وَإِذَا اقْتَضَى"

ترجمہ: نبی ﷺ نے دعا فرمائی: "اللہ اس بندے پر رحم فرمائے جو نرم برتاؤ کرتا ہے جب بیچتا ہے اور جب خریدتا ہے اور جب قرض کا تقاضہ کرتا ہے۔

بَابُ مَنْ أَنْظَرَ مُوْسِرًا

جس نے مالدار کو ڈھیل دی

إنظار کے معنی ہیں: مہلت دینا، ڈھیل دینا، کوئی شخص قرض ادا کرسکتا ہے مگر کسی وجہ سے مہلت مانگتا ہے تو اسے مہلت دینی چاہئے، نبی ﷺ نے گذشتہ کسی امت کے ایک شخص کا واقعہ بیان کیا ہے کہ جب فرشتوں نے اس کی روح قبض کی تو اس سے پوچھا: تیرے نامۂ اعمال میں کوئی نیکی ہے؟ اس نے کہا: صرف ایک نیکی ہے، میں تاجر تھا اور لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور میں نے اپنے نوکروں کو حکم دے رکھا تھا کہ اگر کوئی گاہک مالدار ہو اور مہلت مانگے تو اسے مہلت دیدینا، اور تنگ دست ہو تو درگذر کرنا، چنانچہ اس خوبی کی وجہ سے اس کی مغفرت کردی گئی، معلوم ہوا کہ مالدار کو مہلت دینا اور تنگ دست سے درگذر کرنا بڑا فضیلت والا کام ہے۔

[۱۷-] بَابُ مَنْ أَنْظَرَ مُوْسِرًا

[۲۰۷۷-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ، ثنَا زُهَيْرٌ، ثنَا مَنْصُوْرٌ، أَنَّ رِبْعِیَّ بْنَ حِرَاشٍ حَدَّثَهُ، أَنَّ حُذَيْفَةَ حَدَّثَهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ صلى الله عليه وسلم: " تَلَقَّتِ الْمَلاَئِكَةُ رُوْحَ رَجُلٍ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَقَالُوْا: أَعَمِلْتَ مِنَ الْخَيْرِ شَيْئًا؟ قَالَ: كُنْتُ آمُرُ فِتْيَانِی أَنْ يُنْظِرُوْا وَيَتَجَاوَزُوْا عَنِ الْمُوْسِرِ، قَالَ: قَالَ: فَتَجَاوَزُوْا عَنْهُ"

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: وَقَالَ أَبُوْ مَالِكٍ، عَنْ رِبْعِیٍّ بْنِ حِرَاشٍ: " كُنْتُ أُيَسِّرُ عَلَى الْمُوْسِرِ، وَأُنْظِرُ الْمُعْسِرَ" تَابَعَهُ شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ رِبْعِیٍّ، وَقَالَ أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ رِبْعِیٍّ: "فَأُنْظِرُ الْمُوْسِرَ، وَأَتَجَاوَزُ عَنِ الْمُعْسِرِ" وَقَالَ نُعَيْمُ بْنُ أَبِی هِنْدٍ: عَنْ رِبْعِیٍّ: " فَأَقْبَلُ مِنَ الْمُوْسِرِ، وَأَتَجَاوَزُ عَنِ الْمُعْسِرِ"[انظر: ۲۳۹۱، ۳۴۵۱]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: ''ان امتوں میں سے جو تم سے پہلے گذری ہیں فرشتوں نے ایک آدمی کی روح وصول کی، پس انھوں نے پوچھا: کیا تو نے کبھی کوئی خیر کا کام کیا ہے؟ اس نے کہا: میں اپنے نوکروں کو حکم دیا کرتا تھا کہ ڈھیل دو اور درگذر کرو مالدار سے'' نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''پس تم اس سے درگذر کرو!'' یہ منصور کی ربعی سے روایت ہے، اور مختصر ہے، اور ابو مالک کی ربعی سے روایت مفصل ہے کہ میں مالداروں کے لئے آسانی کیا کرتا تھا، اور تنگ دست سے درگذر کیا کرتا تھا —— اور عبدالملک بن عمیر کے دو شاگرد شعبہ اور ابو عوانہ بھی اسی طرح روایت کرتے ہیں کہ مالدار کو ڈھیل دیا کرتا تھا (یہی آسانی کرنا ہے) اور تنگ دست سے درگذر کیا کرتا تھا یعنی قرضہ معاف کر دیا کرتا تھا —— اور ربعی کے شاگرد نُعیم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''پس میں مالدار سے قبول کیا کرتا تھا، یعنی ان کی ڈھیل کی درخواست مان لیا کرتا تھا، اور تنگ دست سے درگذر کیا کرتا تھا۔

[۱۸-] بَابُ مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا

[۲۰۷۸-] حدثنا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ، ثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمْزَةَ، ثَنِي الزُّبَيْدِيُّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "كَانَ تَاجِرٌ يُدَايِنُ النَّاسَ، فَإِذَا رَأَى مُعْسِرًا قَالَ لِفِتْيَانِهِ: تَجَاوَزُوْا عَنْهُ، لَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يَتَجَاوَزَ عَنَّا، فَتَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهُ"[انظر: ۳۴۸۰]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: ''ایک تاجر لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا یعنی ادھار دیا کرتا تھا، پس جب وہ کسی تنگ دست کو دیکھتا تو اپنے نوکروں سے کہتا: اس سے درگذر کرو، ہوسکتا ہے: اللہ تعالیٰ ہم سے درگذر کریں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سے درگذر کیا'' (یہ وہی واقعہ ہے جو گذشتہ باب کی روایت میں آیا ہے)

بَابٌ: إِذَا بَيَّنَ الْبَيِّعَانِ وَلَمْ يَكْتُمَا وَنَصَحَا

جب بائع اور مشتری واضح کریں، اور نہ چھپائیں اور خیر خواہی کریں

البَیِّعان: تثنیہ ہے اس کا مفرد البیِّع ہے، البائع اور البیِّع: کے ایک معنی ہیں اور تثنیہ سے بائع اور مشتری مراد ہیں۔ بیع: اضداد میں سے ہے، بیچنا اور خریدنا دونوں اس کے معنی ہیں، یا اس وجہ سے تثنیہ ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک اپنا عوض بیچتا ہے۔

اور اس باب کا حاصل یہ ہے کہ بائع اور مشتری کو اپنے عوضوں کا عیب نہیں چھپانا چاہئے بلکہ ایک دوسرے کی خیر خواہی کرنی چاہئے اور مبیع یا ثمن میں کوئی عیب ہو تو اس کو ظاہر کر دینا چاہئے تاکہ متعاقدین میں سے کوئی دھوکا نہ کھائے، اس سے تجارت میں برکت ہوتی ہے، لوگ اپنا مال نکالنے کے لئے مختلف طریقے استعمال کرتے ہیں، کوئی اچھا برا مال ملا کر بیچتا ہے، قصائی گوشت میں چھیچھڑے ملا دیتا ہے، کوئی جھوٹی قسمیں کھاتا ہے، کوئی مبیع کا عیب چھپاتا ہے دور تک ایسی مثالیں آرہی

ہیں، اس سے تجارت کی برکت ختم ہوجاتی ہے اور عیب ظاہر کرنے سے اور ایک دوسرے کی خیرخواہی کرنے سے تجارت میں برکت ہوتی ہے۔

ایک واقعہ: امام اعظم رحمہ اللہ کا کپڑے کا بڑا کاروبار تھا، آپ کی دکان میں کپڑے کا ایک تھان تھا جس میں عیب تھا، آپؒ نے منیجر سے کہہ رکھا تھا کہ گاہک کو یہ عیب بتادینا، منیجر بھول گیا اور کسی مسافر کو عیب بتائے بغیر بیچ دیا۔ حضرتؒ نے اس کے پیچھے آدمی دوڑایا، دودن کی مسافت پر اس سے ملاقات ہوئی، اس سے پوری صورت حال بیان کی اور کپڑے میں عیب کی بات بتائی، اور یہ بھی کہا کہ اگر آپ کو سودا منظور نہ ہو تو کپڑا واپس کردیں اور اپنا ثمن لے لیں، میں آپ کے دراہم ساتھ لایا ہوں، اس نے وہ دراہم دیکھے، اور پہچان لئے کہ وہ اسی کے ہیں، پھر اس نے بتایا کہ یہ دراہم کھوٹے (کم قیمت) ہیں، چنانچہ اس نے اچھے دراہم دیئے اور بیع کو منظور رکھا، غرض عیب بیان کردینے سے تجارت میں برکت ہوتی ہے، یہی اس باب کا مدعیٰ ہے۔

[۱۹-] بَابٌ: إِذَا بَيَّنَ الْبَيِّعَانِ وَلَمْ يَكْتُمَا وَنَصَحَا

[۱-] وَيُذْكَرُ عَنِ الْعَدَّاءِ بْنِ خَالِدٍ، قَالَ: كَتَبَ لِي النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "هٰذَا مَا اشْتَرىٰ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ مِنَ الْعَدَّاءِ بْنِ خَالِدٍ، بَيْعُ الْمُسْلِمِ الْمُسْلِمَ، لَا دَاءَ وَلَا خِبْثَةَ، وَلَا غَائِلَةَ" وَقَالَ قَتَادَةُ: الْغَائِلَةُ: الزِّنَا، وَالسَّرِقَةُ، وَالإِبَاقُ.

[۲-] وَقِيْلَ لِإِبْرَاهِيْمَ: إِنَّ بَعْضَ النَّخَّاسِيْنَ يُسَمِّيْ آرِيَّ خُرَاسَانَ وَسِجْسْتَانَ، فَيَقُوْلُ: جَاءَ أَمْسِ مِنْ خُرَاسَانَ، وَجَاءَ الْيَوْمَ مِنْ سِجِسْتَانَ، فَكَرِهَهُ كَرَاهِيَةً شَدِيْدَةً.

[۳-] وَقَالَ عُقْبَةُ بْنُ عَامِرٍ: لَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ أَنْ يَبِيْعَ سِلْعَةً، يَعْلَمُ أَنَّ بِهَا دَاءً، إِلَّا أَخْبَرَهُ.

[۲۰۷۹-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ صَالِحٍ أَبِي الْخَلِيْلِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ، رَفَعَهُ إِلَى حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا، أَوْ قَالَ: حَتَّى يَتَفَرَّقَا، فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُوْرِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا، وَإِنْ كَذَبَا وَكَتَمَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا" [انظر: ۲۰۸۲، ۲۱۰۸، ۲۱۱۰، ۲۱۱۴]

۱- حضرت عدّاء رضی اللہ عنہ نے آنحضور ﷺ سے ایک غلام خریدا، آپؐ نے ان کو ایک تحریر لکھ کردی اس میں تھا: "یہ وہ غلام ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے عداء سے خریدا ہے، مسلمان کی مسلمان کے ساتھ بیع! یعنی کھری بیع ہے، اس میں کوئی بیماری نہیں ہے (جس کی وجہ سے خیار عیب حاصل ہو) نہ یہ حرام مال ہے اور نہ چوری کا مال ہے" قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: غائلۃ کے معنی ہیں: زنا، چوری اور بھاگنا، یعنی غلام میں نہ زنا کی عادت ہے نہ چوری کی اور نہ یہ بھگوڑا ہے۔

تشریح: خریدار کون تھا؟ آنحضور ﷺ یا حضرت عداء رضی اللہ عنہ؟ یہاں یہ ہے کہ غلام نبی ﷺ نے خریدا تھا اور

ترمذی (حدیث ۱۲۰۱) میں ہے کہ حضرت عداءؓ نے خریدا تھا، اور وہی صحیح ہے اور یہ روایت ضعیف ہے، یُذکر (مجہول) سے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے، دوسرا قرینہ یہ ہے کہ تحریر عداءؓ کے پاس تھی، اگر آپؐ خریدار ہوتے تو تحریر آپؐ کے پاس ہوتی۔

۲- ایک شخص گھوڑوں کی تجارت کرتا تھا اس نے ایک اصطبل کا نام خراسان اور دوسرے کا نام سجستان رکھ رکھا تھا، جب گاہک آتا تو اصطبل سے گھوڑا منگواتا اور قیمت بتاتا، مشتری کو قیمت زیادہ معلوم ہوتی تو کہتا: یہ خراسان سے آیا ہے، یا سجستان سے آیا ہے، مشتری سوچتا جب خراسان یا سجستان سے آیا ہے تو مہنگا ہوگا ہی، حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے یہ بات ذکر کی گئی تو آپ نے اس کو سخت ناپسند کیا، کیونکہ یہ دھوکہ ہے۔

لغات: **النخَّاس**: جانوروں کا تاجر، نخاسہ بازار: جہاں جانور بکتے ہیں .... **الآرِیّ**: مویشی باندھنے کی جگہ، اصطبل، جمع: أَوَارٍ، الآرِیّ: یاء کی تشدید کے ساتھ بھی مستعمل ہے، جمع أَوَارِیّ، آرِیَّ: مفعول اول ہے اور خراسان وسجستان: مفعول ثانی ہیں۔

۳- عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اگر سامان میں عیب ہے اور مشتری اس کو نہیں جانتا تو عیب ظاہر کئے بغیر بیچنا جائز نہیں (اور کوئی عیب چھپا کر بیچ دے تو مشتری کو خیار عیب حاصل ہوگا، پس عیب چھپانے سے کیا فائدہ؟!)

۴- نبی ﷺ نے فرمایا: بائع اور مشتری کو اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں — یا فرمایا: یہاں تک کہ دونوں جدا ہوں، پس اگر دونوں نے سچ بولا اور عیب بیان کیا تو دونوں کے سودے میں برکت ہوگی، اور اگر جھوٹ بولا اور عیب چھپایا تو بیع کی برکت مٹا دی جائے گی۔

تشریح: خیار مجلس کا مسئلہ آگے آرہا ہے، یہاں صرف اتنی بات ہے کہ بائع اور مشتری میں سے کسی کے لئے بھی جائز نہیں کہ اپنے عوض کا عیب چھپائے، اس سے برکت ختم ہوجاتی ہے۔

بَابُ بَيْعِ الْخِلْطِ مِنَ التَّمْرِ

مخلوط کھجوریں بیچنا

اب عیوب کی مثالیں دے رہے ہیں، اگر کھجوریں مخلوط ہیں اچھی بری رلی ملی ہیں تو مشتری کو یہ بات بتادینی چاہئے۔

[۲۰-] بَابُ بَيْعِ الْخِلْطِ مِنَ التَّمْرِ

[۲۰۸۰-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، ثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيىَ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ، قَالَ: كُنَّا نُرْزَقُ تَمْرَ الْجَمْعِ، وَهُوَ الْخِلْطُ مِنَ التَّمْرِ، وَكُنَّا نَبِيْعُ صَاعَيْنِ بِصَاعٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "لَاصَاعَيْنِ بِصَاعٍ، وَلَا دِرْهَمَيْنِ بِدِرْهَمٍ"

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم ملی جلی کھجوریں کھلائے جاتے تھے، یعنی حکومت کی طرف سے جو وظیفہ کے طور پر کھجوریں تقسیم ہوتی تھیں وہ ملی جلی ہوتی تھیں۔ الجمع کے معنی ہیں: الخِلط من التمر: (مخلوط کھجوریں) اور ہم (رلی ملی کے) دو صاع (عمدہ کے) ایک صاع کے بدلے میں بیچا کرتے تھے، پس نبی ﷺ نے فرمایا: ''نہ دو صاع ایک صاع کے بدلے، اور نہ دو درہم ایک درہم کے بدلے''

تشریح: ہم جنس کی کمی بیشی کے ساتھ بیع ناجائز ہے، جید اور ردی کا فرق ظاہر کرنے کے لئے بھی کمی بیشی کے ساتھ بیع جائز نہیں۔ ہاں مخلوط کھجور رقم کے عوض بیچ دی جائے پھر اس رقم سے عمدہ کھجور خرید لی جائے تو یہ جائز ہے، جیسا کہ آرہا ہے۔

بَابُ مَاقِيْلَ فِي اللَّحَّامِ وَالْجَزَّارِ

جو گوشت فروش اور قصائی کے بارے میں کہا گیا

لَحَّام کے معنی ہیں: گوشت بیچنے والا، اور جزَّار کے معنی ہیں: جانور ذبح کرنے والا، قصائی، جو دکان پر بیٹھ کر گوشت بیچتا ہے وہ لحّام ہے اور جو جانور ذبح کر کے گوشت سپلائی کرتا ہے وہ جَزَّار ہے، دونوں گڑبڑ کرتے ہیں، اوپر اچھا گوشت رکھ دیتے ہیں اور اندر ہڈیاں اور چھیچھڑے بھر دیتے ہیں، اور گاہک کو بے وقوف بناتے ہیں، اس لئے یہ باب لائے ہیں، اور ابن السکن کی روایت میں یہ باب پانچ ابواب کے بعد ہے، حافظ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ زیادہ بہتر ہے، اس صورت میں سب کاریگروں کا تذکرہ ایک ساتھ ہو جائے گا، مگر بخاری شریف کے عام نسخوں میں یہ باب اسی جگہ ہے۔

حدیث: ابوشعیب رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ پر فاقہ کا اثر محسوس کیا وہ خاموشی سے مجلس سے اٹھے اور اپنے غلام کے پاس گئے، ان کا غلام گوشت فروش تھا اس سے کہا: پانچ آدمیوں کا کھانا تیار کر، میں نے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ پر بھوک کے آثار محسوس کئے ہیں، پھر انھوں نے آپؐ کو اور ان صحابہ کو جو آپؐ کے پاس بیٹھے تھے، مدعو کیا، راستہ سے ایک صاحب اور ساتھ ہو گئے، ان کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ آپؐ دعوت میں تشریف لے جا رہے ہیں، آپؐ داعی کے گھر پہنچے تو میزبان سے فرمایا: جس وقت تمہاری دعوت پہنچی تھی یہ صاحب موجود نہیں تھے، راستہ سے ساتھ ہو گئے ہیں، پس اگر تمہارے پاس گنجائش ہو تو ان کو بھی دعوت دیدو، ورنہ وہ لوٹ جائیں، ابوشعیبؓ نے ان کو بھی مدعو کر لیا۔

سوال: ابن السکنؒ کی روایت کے علاوہ بخاری شریف کے تمام نسخوں میں یہ باب اس جگہ ہے، مگر روایت میں لحام کی کوئی خردہ گیری نہیں کی گئی، پس باب کا مقصد کیا ہے؟ اور حدیث کی تطبیق کس طرح ہوگی؟

جواب: حضرت الاستاذ قدس سرہ نے ابواب کا یہ ربط بیان کیا تھا کہ لوگ خرید و فروخت میں جو گڑبڑ کرتے ہیں: امام بخاریؒ دور تک اس کی مثالیں دے رہے ہیں، اگلا باب آرہا ہے کہ جھوٹ وغیرہ سے بیع کی برکت ختم ہو جاتی ہے، اور حدیث کی تطبیق اس طرح ہوگی کہ حدیث میں لفظ 'قصاب' آیا ہے، پس اس کی برائی وصف عنوانی میں ہے، وہ قصائی ہی کیا جو گڑبڑ نہ

کرے، جوفریب اور دھوکہ نہ دے۔ یا یہ کہا جائے کہ کوئی ضعیف روایت ہوگی، جس میں لحام وقصاب کی برائی کا تذکرہ ہوگا، جیسا کہ باب ۲۸ میں ضعیف روایت ہے، ماقیل کا اشارہ ایسی ہی روایت کی طرف معلوم ہوتا ہے جس تک ہماری نظر نہیں پہنچی۔

[۲۱-] بَابُ مَاقِيْلَ فِي اللَّحَّامِ وَالْجَزَّارِ

[۲۰۸۱-] حدثنا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ، ثَنَا أَبِيْ، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، ثَنِيْ شَقِيْقٌ، عَنْ أَبِيْ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يُكْنَى أَبَا شُعَيْبٍ، فَقَالَ لِغُلَامٍ لَهُ قَصَّابٍ: اجْعَلْ لِيْ طَعَامًا يَكْفِيْ خَمْسَةً مِنَ النَّاسِ، فَإِنِّيْ أُرِيْدُ أَنْ أَدْعُوَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم خَامِسَ خَمْسَةٍ، فَإِنِّيْ قَدْ عَرَفْتُ فِيْ وَجْهِهِ الْجُوْعَ، فَدَعَاهُمْ فَجَاءَ مَعَهُمْ رَجُلٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " إِنَّ هٰذَا قَدْ تَبِعَنَا، فَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَأْذَنَ لَهُ فَأْذَنْ لَهُ، وَإِنْ شِئْتَ أَنْ يَرْجِعَ رَجَعَ، فَقَالَ: لَا، بَلْ قَدْ أَذِنْتُ لَهُ"[انظر: ۲٤٥٦، ٥٤۳٤، ٥٤٦١]

بَابُ مَا يَمْحَقُ الْكَذِبُ وَالْكِتْمَانُ فِي الْبَيْعِ

بیع کی برکت جھوٹ اور عیب چھپانا مٹادیتا ہے

الکَذِب: (کاف کا زبر، ذال کا زیر) اسم ہے، اس کے معنی ہیں: جھوٹ، اور الکِذْب: (کاف کا زیر اور ذال کا سکون) مصدر ہے: جھوٹ بولنا، خرید وفروخت کے وقت جھوٹ بولنے سے اور عوضین کا عیب چھپانے سے بیع کی برکت ختم ہوجاتی ہے، اور ما کا بیان من البرکۃ محذوف ہے۔

سوال: یہ باب پہلے آچکا ہے؟ جواب: پہلے جھوٹ بولنے کا ذکر نہیں آیا اس لئے نیا باب ہوگیا۔

[۲۲-] بَابُ مَا يَمْحَقُ الْكَذِبُ وَالْكِتْمَانُ فِي الْبَيْعِ

[۲۰۸۲-] حدثنا بَدَلُ بْنُ الْمُحَبَّرِ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، سَمِعْتُ أَبَا الْخَلِيْلِ، يُحَدِّثُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الْحَارِثِ، عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا - أَوْ قَالَ: حَتَّى يَتَفَرَّقَا - فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُوْرِكَ لَهُمَا فِيْ بَيْعِهِمَا، وَإِنْ كَتَمَا وَكَذَبَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا"[راجع: ۲۰۷۹]

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا الرِّبٰوا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً﴾

اے ایمان والو! سود کئی گنا بڑھا کر مت کھاؤ

اگر معاملہ سود کا ہے تو اور بھی سنگین بات ہے، ابھی ربا کے مسائل بیان نہیں ہورہے، بلکہ اوپر سے جو سلسلہ چلا آرہا ہے

اسی کو آگے بڑھاتے ہیں، ربوی معاملہ کذب وکتمان سے بھی سنگین ہے، ارشادِ پاک ہے: اللہ تعالیٰ ربوا کو مٹاتے ہیں، پس معاملات میں سود کا شائبہ تک نہیں ہونا چاہئے، ورنہ ایک دن کاروبار کی ساری برکت ختم ہوجائے گی۔ اور یہاں اگرچہ سود کے مسائل بیان نہیں کئے جارہے، مگر حضرت رحمہ اللہ نے سود کی آیت لکھی ہے اس لئے ضروری تفصیل عرض ہے:

ربا کی دو قسمیں ہیں: ربا القرض اور ربا الفضل اور ایک تیسری قسم ربا النسیئۃ ہے، جو ربا الفضل کا بچہ ہے، جاننا چاہئے کہ قرآنِ کریم نے صرف ربا القرض کو بیان کیا ہے، باقی دو کا بیان حدیثوں میں ہے۔

ربا القرض: قرض پر شرط کر کے زیادتی لینا مثلاً ہزار روپے قرض دیئے اور دس فیصد زیادتی شرط کی، تو یہ ربا القرض ہے، یہی قرض أضعافاً مضاعفة ہوتا ہے، اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک ہزار روپے قرض دیئے اور دس فیصد زیادتی شرط کی تو مقروض پہلے مہینہ میں گیارہ سو واپس کرے گا، اور دوسرے مہینہ میں بارہ سو دس لازم ہونگے، کیونکہ گیارہ سو کا دس فیصد لازم ہوگا اور تیسرے مہینہ میں بارہ سو دس کا دس فیصد واجب ہوگا، یوں ہر مہینہ کا سود اصل کے ساتھ شامل ہوتا رہے گا اور مجموعہ پر سود بڑھتا رہے گا۔ ربا الفضل میں أضعافًا مضاعفة کا تحقق نہیں ہوتا، اور اشیائے ستہ کی حدیث میں اصالۃً ربا الفضل کا اور ضمناً ربا النسیئہ کا بیان ہے، ربوی اموال کا تبادلہ اگر ہم جنس سے کیا جائے تو برابر سرابر اور دست بدست ہونا ضروری ہے، کمی بیشی جائز نہیں، نہ ادھار جائز ہے اگر کمی بیشی کرے گا تو ربا الفضل ہوگا اور ادھار معاملہ کرے گا تو ربا النسیئۃ ہوگا، تفصیل تحفۃ الالمعی (۱۴۹:۴) میں ہے۔

[۲۳-] بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿يٰۤأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا الرِّبٰوا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً﴾

[۲۰۸۳-] حدثنا آدَمُ بْنُ أَبِيْ إِيَاسٍ، ثَنَا ابْنُ أَبِيْ ذِئْبٍ، ثَنَا سَعِيْدٌ الْمَقْبُرِيُّ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِيْ الْمَرْءُ بِمَا أَخَذَ الْمَالَ: أَمِنَ الْحَلَالِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ" [راجع: ۲۰۵۹]

وضاحت: یہ حدیث ابھی گذری ہے، قیامت کے قریب لوگوں کا حال یہ ہوجائے گا کہ حلال وحرام کی تمیز اٹھ جائے گی، اس کے عموم میں سود بھی آ گیا۔

بَابُ آكِلِ الرِّبَا، وَشَاهِدِهِ، وَكَاتِبِهِ

سود کھانے والا، سود کا گواہ اور سودی معاملہ لکھنے والا

صرف سود لینے سے برکت ختم نہیں ہوتی، بلکہ کسی بھی طرح سودی معاملہ میں شرکت کرنا برکت کو ختم کردیتا ہے، مسلم شریف میں روایت ہے: لعن رسولُ الله صلى الله عليه وسلم آكِلَ الربا، ومُوْكِلَه، وكاتبه وشاهِدَيْه، وقال:

"هم سواء": رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے (لینے والے) اور سود کھلانے والے (دینے والے) اور سودی معاملہ لکھنے والے، اور سودی معاملہ کے دو گواہوں پر لعنت بھیجی، اور فرمایا: "وہ گناہ میں برابر ہیں" پس سود کی نحوست میں بھی برابر ہونگے۔

پھر حضرت رحمہ اللہ نے سورۃ البقرہ کی (آیت ۲۷۵) لکھی ہے، یہ آیت ہم پہلے کتاب البیوع کے شروع میں لکھ چکے ہیں، اس کا ترجمہ یہ ہے: "جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت میں قبروں سے) نہیں کھڑے ہونگے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جس کو شیطان نے خبطی بنادیا ہو لپٹ کر یعنی وہ حیران و مدہوش اٹھیں گے، اور یہ سزا اس لئے ہوگی کہ ان لوگوں نے کہا: "بیع سود کی طرح ہی ہے!" حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے، پس جس شخص کو اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت پہنچی پس وہ باز آگیا تو جو کچھ پہلے (لینا) ہو چکا وہ اسی کا رہا، اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، اور جو شخص لوٹا یعنی پھر سود لیا تو وہ لوگ دوزخ میں جائیں گے، وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے"

تفسیر: مسلم شریف کی حدیث کی رو سے اس آیت میں جو سزا سود خور کی بیان کی گئی ہے وہی سزا سودی معاملہ میں مددگاروں کو بھی ملے گی، اور ان سزاؤں میں سے ایک سزا مال میں بے برکتی ہے، پس وہ بھی سب کے حصہ میں آئے گی، اور سود کی نظیر شراب ہے، وہ بھی معاشرہ کے لئے تباہ کن ہے، چنانچہ حدیث میں شراب کے تعلق سے دس آدمیوں پر لعنت بھیجی گئی، اور نبی ﷺ نے جب سود کی آیتیں منبر سے سنائیں تو ساتھ ہی شراب کے کاروبار کی حرمت کا بھی اعلان کیا۔

حدیث: ایک منامی معراج میں نبی ﷺ نے سود خور کا اخروی انجام بچشم خود دیکھا ہے، خون کی ایک نہر ہے، اس کے درمیان ایک شخص کھڑا ہے، اور کنارے پر دوسرا شخص کھڑا ہے، اس کے سامنے پتھروں کا ڈھیر ہے، جب بھی وہ شخص نہر سے نکلنے کا ارادہ کرتا ہے تو کنارے پر کھڑا ہوا آدمی پتھر اٹھا کر مارتا ہے، جس کی وجہ سے وہ جہاں تھا وہیں پہنچ جاتا ہے، یہ جو سود خور کی سزا ہے وہی اس کے مددگاروں کو بھی ملے گی، پناہ بخدا!

[۲٤-] بَابُ آكِلِ الرِّبَا، وَشَاهِدِهِ، وَكَاتِبِهِ

وَقَوْلِهِ تَعَالىٰ: ﴿الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ الرِّبَا لَايَقُوْمُوْنَ إِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ، ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوْا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا﴾ إِلىٰ قَوْلِهِ: ﴿أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ﴾[البقرة: ۲۷۵]

[۲۰۸٤-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثنا غُنْدَرٌ، ثنا شُعْبَةُ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ أَبِىْ الضُّحىٰ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَمَّا نَزَلَتْ آخِرُ الْبَقَرَةِ قَرَأَهُنَّ النَّبِىُّ صلى الله عليه وسلم عَلَيْهِمْ فِى الْمَسْجِدِ، ثُمَّ حَرَّمَ التِّجَارَةَ فِى الْخَمْرِ. [راجع: ٤٥٩]

[۲۰۸٥-] حدثنا مُوْسىٰ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا جَرِيْرُ بْنُ حَازِمٍ، ثَنَا أَبُوْ رَجَاءٍ، عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ،

قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم: " رَأَیْتُ اللَّیْلَةَ رَجُلَیْنِ أَتَیَانِیْ، فَأَخْرَجَانِیْ إِلٰی أَرْضٍ مُقَدَّسَةٍ، فَانْطَلَقْنَا حَتّٰی أَتَیْنَا عَلٰی نَهْرٍ مِنْ دَمٍ، فِیْهِ رَجُلٌ قَائِمٌ، وَعَلٰی وَسْطِ النَّهْرِ رَجُلٌ بَیْنَ یَدَیْهِ حِجَارَةٌ، فَأَقْبَلَ الرَّجُلُ الَّذِیْ فِی النَّهْرِ، فَإِذَا أَرَادَ الرَّجُلُ أَنْ یَخْرُجَ رَمَی الرَّجُلُ بِحَجَرٍ فِی فِیْهِ، فَرَدَّهُ حَیْثُ کَانَ، فَجَعَلَ کُلَّمَا جَاءَ لِیَخْرُجَ رَمٰی فِی فِیْهِ بِحَجَرٍ، فَیَرْجِعُ کَمَا کَانَ، فَقُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ فَقَالَ: الَّذِیْ رَأَیْتَهُ فِی النَّهْرِ آکِلُ الرِّبَا"[راجع: ۸٤٥]

وضاحت: جب آیات ربوا (بقرہ آیات ۲۷۵-۲۷۹) نازل ہوئیں تو نبی ﷺ نے منبر سے یہ آیتیں تلاوت فرمائیں اور سود کی حرمت کا اعلان کیا اور ساتھ ہی شراب کی تجارت کی حرمت کا بھی اعلان کیا، یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ باب ۷۳ (تحفۃ القاری ۲: ۳۱۰) میں گذر چکی ہے اور دوسری حدیث ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے وہ بھی کتاب الجنائز باب ۹۳ (تحفۃ القاری ۴: ۱۴۸) میں گذر چکی ہے۔

بَابُ مُوْکِلِ الرِّبٰوا

سود کھلانے والے کا بیان

سود لینے والا اور سود دینے والا: دونوں گناہ میں برابر کے شریک ہیں، مسلم شریف کی روایت ابھی گذری ہے کہ **هم فی الإثم سواء**: وہ گناہ میں یکساں ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تالی دو ہاتھ سے بجتی ہے، کوئی سود دینے والا ہوگا تو لینے والا لے گا، اگر کوئی سود دینے والا نہ ہو تو لینے والا کس سے لے گا؟ اس لئے دونوں گناہ میں برابر کے شریک ہیں، پس نحوست اور مال کی بے برکتی میں بھی دونوں برابر ہونگے۔

مقصد باب: کوئی کہہ سکتا ہے کہ غریب آدمی مجبوری میں سودی قرض لیتا ہے، اس لئے اس کا گناہ ہلکا ہونا چاہئے؟ اس لئے حضرتؒ نے یہ باب باندھا کہ دونوں کا گناہ یکساں ہے، البتہ سود لینے سے تمام مال خبیث (حرام) ہوجاتا ہے، جبکہ وہ سود کو اپنے مال میں ملالے، اور سود دینے سے باقی مال حرام نہیں ہوتا، اس ایک فرق کے علاوہ سود لینا اور دینا برابر درجہ کے گناہ ہیں۔

آیتِ کریمہ: سورۃ البقرۃ (آیات ۲۷۸-۲۸۱) میں ہے: "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور جو کچھ سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑو، اگر تم ایمان دار ہو! پھر اگر تم (اس پر عمل) نہ کروگے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ سن لو! یعنی تمہارے ساتھ جہاد ہوگا اور تمہیں سودی لین دین بند کرنے پر مجبور کیا جائے گا، اور اگر تم توبہ کرلو تو تم کو اصل اموال مل جائیں گے، نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤگے، اور نہ تم پر کوئی ظلم کرنے پائے گا، اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو آسانی ہونے تک اس کو مہلت دینے کا حکم ہے، اور یہ بات کہ قرضہ معاف ہی کردو تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے، اگر تم اس کا ثواب جانتے ہو، اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ تعالیٰ کی پیشی میں لائے جاؤگے، پھر ہر شخص کو اس کا کیا ہوا پورا پورا ملے گا، اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہوگا"

تفسیر: اس آیت میں سود خور سے کہا گیا ہے کہ تمہارا لوگوں کے ذمہ جو سود باقی ہے، اُس کو چھوڑ دو، اب اس کو لوگوں سے مت لو، یہی لوگ جن کے ذمہ سود باقی ہے، موکل (سود کھلانے والے) ہیں۔

[۲۵-] بَابُ مُوْكِلِ الرِّبَا

لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا﴾ إِلٰى ﴿مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَايُظْلَمُوْنَ﴾ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: هٰذِهِ آخِرُ آيَةٍ نَزَلَتْ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

[۲۰۸۶-] حدثنا أَبُوْ الْوَلِيْدِ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِيْ جُحَيْفَةَ، قَالَ: رَأَيْتُ أَبِيْ اشْتَرَى عَبْدًا حَجَّامًا، فَأَمَرَ بِمَحَاجِمِهِ فَكُسِرَتْ، فَسَأَلْتُهُ، فَقَالَ: نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ، وَثَمَنِ الدَّمِ. وَنَهَى عَنِ الْوَاشِمَةِ وَالْمَوْشُوْمَةِ، وَآكِلِ الرِّبَا وَمُوْكِلِهِ، وَلَعَنَ الْمُصَوِّرَ.

[انظر: ۲۲۳۸، ۵۳۴۷، ۵۹۴۵، ۵۹۶۲]

وضاحت: حاشیہ میں اشکال ہے کہ آخری آیت: ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللّٰهِ﴾ نازل ہوئی ہے، اور جواب یہ دیا ہے کہ یہ آیت سود کی آیت سے متصل ہے، اور دونوں ایک ساتھ نازل ہوئی ہیں، پس ہر ایک کو آخری آیت کہہ سکتے ہیں، اور اسی وجہ سے امام بخاری رحمہ اللہ نے چاروں آیتیں ایک ساتھ لکھی ہیں، اور اشارہ کیا ہے کہ یہ آیتیں ایک ساتھ نازل ہوئی ہیں۔

حدیث: عون کہتے ہیں: میں نے اپنے ابا کو دیکھا، انھوں نے ایک پچھنے لگانے والا غلام خریدا، پس اس کے پچھنے لگانے کے آلات توڑ ڈالے، میں نے اس کی وجہ پوچھی، تو فرمایا: نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے کتے اور خون کے ثمن سے منع فرمایا ہے (خون کے ثمن سے یعنی پچھنے لگانے کی اجرت سے) اور بدن گودنے والی اور گدوانے والی سے یعنی اس عمل سے، اور سود کھانے اور کھلانے والے سے (یہاں باب ہے) اور تصویر بنانے والے پر لعنت فرمائی ہے (باقی مسائل اپنی جگہ آئیں گے)

بَابٌ: ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرْبِى الصَّدَقَاتِ، وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيْمٍ﴾

اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور خیرات کو بڑھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ

ہر کفر کرنے والے گناہ کرنے والے کو پسند نہیں کرتے

بیوع اور معاملات میں سود کے عمل دخل سے بیع کی برکت ختم ہوجاتی ہے، سود کی کمائی ایک نہ ایک دن ختم ہوجائے گی، ارشادِ پاک ہے: ''اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کی پرورش کرتے ہیں'' یعنی جو غریب کو دیا وہ بظاہر ختم ہوگیا، مگر حقیقت میں وہ خرچ نہیں ہوا وہ نہ صرف باقی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اس کو بڑھاتے ہیں، اور سود لیا تو بظاہر مال میں اضافہ ہوا مگر حقیقت میں نہیں ہوا اس کو دیر سویر اللہ تعالیٰ مٹادیں گے۔

[۲۶-] بَابٌ: ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ، وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيْمٍ﴾

[۲۰۸۷-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يُوْنُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: ابْنُ الْمُسَيَّبِ: إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" اَلْحَلِفُ مَنْفَقَةٌ لِلسِّلْعَةِ، مَمْحَقَةٌ لِلْبَرَكَةِ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جھوٹی قسم سے سامان اگرچہ بک جاتا ہے مگر بیع کی برکت ختم ہوجاتی ہے''

تشریح: الحِلْف (حاء کا زیر، لام ساکن) کے معنی ہیں: جھوٹی قسم کھانا اور الحَلِف (حاء کا زبر اور لام کا زیر) کے معنی ہیں: قسم، اور یہاں جھوٹی قسم مراد ہے کیونکہ سچی قسم تو قرآنِ کریم میں اللہ پاک نے بھی کھائی ہے اور حدیثوں میں نبی ﷺ نے بھی کھائی ہے، پس اس سے برکت کیسے ختم ہوگی؟ اس لئے جھوٹی قسم مراد ہے، جھوٹی قسم کھانے سے مال تو بک جاتا ہے، مگر بیع کی برکت ختم ہوجاتی ہے، اسی طرح سود لینے سے بظاہر مال بڑھتا ہے مگر اس کو اللہ تعالیٰ ایک نہ ایک دن مٹا دیتے ہیں۔

بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الْحَلِفِ فِي الْبَيْعِ

جھوٹی قسم بیع میں مکروہ ہے

دور سے یہ سلسلۂ بیان چلا آرہا ہے کہ کن امور سے مال کی برکت ہوجاتی ہے؟ سودے میں جھوٹی قسم کھانے سے بھی برکت ختم ہوجاتی ہے، ابھی حدیث گذری ہے کہ جھوٹی قسم کھانے سے مال بک جاتا ہے مگر بیع کی برکت ختم ہوجاتی ہے، اور اس باب میں جو واقعہ ہے اور اس میں جو آیت نازل ہوئی ہے: اس میں ﴿ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ ہے، یہ قلیل باعتبار برکت ہے، خواہ وہ کتنا بھی مال ہو، مگر جب وہ بے برکت ہے تو وہ بس تھوڑا سا ہی ہے۔

[۲۷-] بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الْحَلِفِ فِي الْبَيْعِ

[۲۰۸۸-] حدثنا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا هُشَيْمٌ، أَنَا الْعَوَّامُ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ أَوْفَى: أَنَّ رَجُلًا أَقَامَ سِلْعَةً، وَهُوَ فِي السُّوْقِ، فَحَلَفَ بِاللّٰهِ لَقَدْ أُعْطِيَ بِهَا مَا لَمْ يُعْطَ، لِيُوْقِعَ فِيْهَا رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، فَنَزَلَتْ: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ الآيَةَ: [آل عمران: ۷۷] [انظر: ۲۶۷۵، ۴۵۵۱]

ترجمہ: ایک شخص نے بازار میں سامان برائے فروخت لاکر رکھا پس قسم کھائی: بخدا! دیا گیا ہے وہ سامان کے عوض میں (اتنی قیمت) جو وہ نہیں دیا گیا تاکہ واقع کرے وہ اس سامان میں مسلمان آدمی کو یعنی اس جھوٹی قسم کے ذریعہ دھوکہ دے اور مسلمان وہ سامان خرید لے، پس یہ آیت نازل ہوئی: ''جو لوگ اللہ کے عہد و پیمان اور قسموں کے بدل تھوڑی قیمت خریدتے

ہیں ان لوگوں کا آخرت (کی نعمتوں) میں کوئی حصہ نہیں، اور نہ اللہ تعالیٰ (آخرت میں) ان سے کلام فرمائیں گے، اور نہ ان کی طرف (محبت کی نظر سے) دیکھیں گے اور نہ ان کو پاک کریں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا''

بَابُ مَاقِيْلَ فِى الصَّوَّاغِ

سناروں کے بارے میں جو کہا گیا

الصَّائغ: سنار، زیورات بنانے والا، جمع صَاغَةٌ و صُوَّاغٌ وَصُيَّاغٌ، مسند احمد وغیرہ میں ضعیف روایت ہے: أكذبُ الناسِ الصَّبَّاغون و الصَّوَّاغُوْنَ: رنگریز اور سنار مہا جھوٹے ہوتے ہیں، امام صاحب رحمہ اللہ نے باب میں اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے، ان پیشہ وروں کا یہی جھوٹ مال میں بے برکتی کا سبب بنتا ہے۔ اور صحیح حدیثوں میں جو باب میں ہیں: صرف سناروں کا تذکرہ ہے، ان کی کسی برائی کا ذکر نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ حرم کی گھاس مت کاٹو۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اذخر کا استثناء فرمادیں، وہ سناروں اور گھروں کے کام آتی ہے، پس آپؐ نے اس کا استثناء فرمایا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی سناروں کے ہاتھ اذخر گھاس بیچنے کا ذکر ہے، اور بس۔

[۲۸-] بَابُ مَاقِيْلَ فِى الصَّوَّاغِ

وَقَالَ طَاوُسٌ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " لاَ يُخْتَلَى خَلاَهَا" قَالَ الْعَبَّاسُ: إِلَّا الإِذْخِرَ، فَإِنَّهُ لِقَيْنِهِمْ وَبُيُوْتِهِمْ، فَقَالَ: " إِلَّا الإِذْخِرَ"

[۲۰۸۹-] حدثنا عَبْدَانُ، أَنَا عَبْدُ اللهِ، أَنَا يُوْنُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِيْ عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ، أَنَّ حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ أَخْبَرَهُ، أَنْ عَلِيًّا قَالَ: كَانَتْ لِيْ شَارِفٌ مِنْ نَصِيْبِيْ مِنَ الْمَغْنَمِ، وَكَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَعْطَانِيْ شَارِفًا مِنَ الْخُمُسِ، فَلَمَّا أَرَدْتُ أَنْ أَبْتَنِيَ بِفَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، وَاعَدْتُ رَجُلاً صَوَّاغًا مِنْ بَنِيْ قَيْنُقَاعَ: أَنْ يَرْتَحِلَ مَعِيْ، فَنَأْتِيَ بِإِذْخِرٍ، أَرَدْتُ أَنْ أَبِيْعَهُ مِنَ الصَّوَّاغِيْنَ، وَأَسْتَعِيْنَ بِهِ فِي وَلِيْمَةِ عُرْسِيْ. [انظر: ۲۳۷۵، ۳۰۹۱، ۴۰۰۳، ۵۷۹۳]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: بدر کی غنیمت میں سے ایک اونٹ میرے حصہ میں آیا تھا اور ایک اونٹ مجھے نبی ﷺ نے خمس میں سے دیا تھا، پس جب میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رخصت کر کے لانے کا ارادہ کیا تو میں نے بنوقینقاع کے ایک سنار کو تیار کیا کہ وہ میرے ساتھ چلے، پس ہم اذخر گھاس لائیں، میں نے اذخر گھاس سناروں کو بیچنے کا اور اس کی آمدنی سے اپنی شادی کا ولیمہ کرنے کا ارادہ کیا۔

تشریح: مالِ غنیمت میں سے جو خمس (پانچواں حصہ) نکالا جاتا ہے اس کا ایک مصرف ذوی القربیٰ بھی ہیں، اس میں

سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک اونٹ دیا تھا اور دوسرا اونٹ آپؓ کو غنیمت میں ملا تھا، نکاح کے وقت آپؓ نے بنوقینقاع (یہودی قبیلہ) کے ایک آدمی کے ساتھ پروگرام بنایا کہ مکہ جا کر اذخر گھاس لائیں اور سناروں کو بیچیں، اور آمدنی سے ولیمہ کریں، مگر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ! ایک گھر میں شراب کا دور چل رہا تھا، یہ اونٹنیاں قریب ہی بندھی ہوئی تھیں: محفل شراب میں ایک باندی نے چند اشعار پڑھ کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو جوش دلایا، وہ نشہ میں چور تھے، تلوار لے کر اٹھے اور اونٹنیوں کو ذبح کر دیا، اس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پروگرام فیل ہو گیا۔

[٢٠٩٠-] حدثنا إِسْحَاقُ، ثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مَكَّةَ، وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِيْ، وَلاَ لِأَحَدٍ بَعْدِيْ، وَإِنَّمَا أُحِلَّتْ لِيْ سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، لاَ يُخْتَلَى خَلاَهَا، وَلاَ يُعْضَدُ شَجَرُهَا، وَلاَ يُنَفَّرُ صَيْدُهَا، وَلاَ يُلْتَقَطُ لُقَطَتُهَا إِلَّا لِمُعَرِّفٍ" فَقَالَ عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ: إِلَّا الإِذْخِرَ، لِصَاغَتِنَا وَلِسُقُفِ بُيُوْتِنَا، فَقَالَ: "إِلَّا الإِذْخِرَ" فَقَالَ عِكْرِمَةُ: هَلْ تَدْرِيْ مَا "يُنَفَّرُ صَيْدُهَا؟" هُوَ أَنْ تُنَحِّيَهُ مِنَ الظِّلِّ، وَتَنْزِلُ مَكَانَهُ. قَالَ عَبْدُ الْوَهَّابِ، عَنْ خَالِدٍ: لِصَاغَتِنَا وَقُبُوْرِنَا. [راجع: ١٣٤٩]

حوالہ: حدیث کا ترجمہ کتاب الجنائز باب ٧٦ میں ہے .... **قولہ: هل تدری ما ینفر صیدها:** اس جملہ کی شرح کتاب المناسک (جزاءُ الصید ونحوہ) باب ٩ میں ہے۔

بَابُ ذِكْرِ الْقَيْنِ وَالْحَدَّادِ

لوہاروں کا تذکرہ

القَین اور الحداد: دونوں کے معنی ہیں: آہنگر، لوہار، البتہ قین عام ہے، کوئی بھی اوزار بنانے والا قین ہے اور حداد خاص ہے، جو لوہے کے اوزار بناتا ہے وہ حداد ہے، یہ بھی پیشے اور کمانے کے ذریعے ہیں، اور ابھی سلسلہ بیان وہی چل رہا ہے، جو پہلے سے چلا آرہا ہے کہ پیشہ وروں کے کاروبار میں برکت نہیں ہوتی، کیونکہ وہ وعدہ خلافی کرتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں اور گاہکوں کے ساتھ گڑبڑ بھی کرتے ہیں، درزی کپڑا چرا لیتا ہے، رنگریز رنگ بچا لیتا ہے، ایسا ہی ہر کاریگر کرتا ہے، اور باب میں ماقبل اس لئے نہیں لائے کہ ان پیشہ وروں کے بارے میں کوئی برائی کی روایت نہیں، مگر پیشہ ور ہیں سب ایک تھیلے کے چٹے بٹے!

[٢٩-] بَابُ ذِكْرِ الْقَيْنِ وَالْحَدَّادِ

[٢٠٩١-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا ابْنُ أَبِيْ عَدِيٍّ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِي الضُّحَى، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ خَبَّابٍ، قَالَ: كُنْتُ قَيْنًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَكَانَ لِيْ عَلَى الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ دَيْنٌ، فَأَتَيْتُهُ

أَتَقَاضَاهُ، قَالَ: لاَ أُعْطِيْكَ حَتَّى تَكْفُرَ بِمُحَمَّدٍ، فَقُلْتُ: لاَ أَكْفُرُ بِمُحَمَّدٍ حَتَّى يُمِيْتَكَ اللّٰهُ ثُمَّ تُبْعَثَ، قَالَ: دَعْنِىْ حَتَّى أَمُوْتَ وَأُبْعَثَ، فَسَأُوْتَى مَالاً وَوَلَدًا، فَأَقْضِيَكَ، فَنزَلَتْ: ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِآيَاتِنَا، وَقَالَ لَأُوْتَيَنَّ مَالاً وَوَلَدًا﴾[مريم: ۷۷] [انظر: ۲۲۷۵، ۲۴۲۵، ۴۷۳۲، ۴۷۳۳، ۴۷۳۴، ۴۷۳۵]

ترجمہ: حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں زمانۂ جاہلیت میں لوہار تھا (یہ جزء باب سے متعلق ہے) اور عاص بن وائل پر میرا قرض تھا، پس میں اس کے پاس گیا تاکہ اس سے اپنے قرض کا تقاضہ کروں، اس نے کہا: میں تیرا قرض نہیں دوں گا، یہاں تک کہ تو محمد کا انکار کرے، پس میں نے کہا: میں محمد کا انکار نہیں کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تجھے ماریں پھر زندہ کریں، عاص نے کہا: پس تو مجھے چھوڑ دے یہاں تک کہ میں مر کر زندہ کیا جاؤں، پس میں مال اور اولاد دیا جاؤں گا، پس تیرا قرض چکا دوں گا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ''کیا پس آپؐ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور اس نے کہا: میں ضرور مال اور اولاد دیا جاؤں گا'' (سورۂ مریم آیت ۷۷)

بَابُ الْخَيَّاطِ

درزی کا ذکر

سینا پرونا بھی ایک پیشہ ہے، اور سب پیشہ وروں کا حال یکساں ہے۔

[۳۰-] بَابُ الْخَيَّاطِ

[۲۰۹۲-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِىْ طَلْحَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُوْلُ: إِنَّ خَيَّاطًا دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لِطَعَامٍ صَنَعَهُ، قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: فَذَهَبْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِلٰى ذٰلِكَ الطَّعَامِ، فَقَرَّبَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم خُبْزًا وَمَرَقًا فِيْهِ دُبَّاءٌ وَقَدِيْدٌ، فَرَأَيْتُ النَّبِىَّ صلى الله عليه وسلم يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ مِنْ حَوَالِىْ الْقَصْعَةِ، قَالَ: فَلَمْ أَزَلْ أُحِبُّ الدُّبَّاءَ مِنْ يَوْمِئِذٍ.[انظر: ۵۳۷۹، ۵۴۲۰، ۵۴۳۳، ۵۴۳۵، ۵۴۳۷، ۵۴۳۹]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک درزی نے (یہاں باب ہے) نبی ﷺ کو کھانے پر بلایا، اس نے آپؐ کے لئے کھانا تیار کیا، حضرت انسؓ کہتے ہیں: میں آپؐ کے ساتھ گیا، اس نے نبی ﷺ کی خدمت میں روٹی اور شوربہ پیش کیا جس میں کدو اور سوکھے ہوئے گوشت کے ٹکڑے تھے، پس میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپؐ پیالے کی جانبوں سے کدو کے ٹکڑے تلاش کر کے تناول فرما رہے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اس دن سے میں کدو سے محبت کرنے لگا۔

تشریح:

۱- اگر دسترخوان پر ایک سے زیادہ آدمی ہوں تو ہر شخص کو اپنی طرف سے کھانا چاہئے، یہ کھانے کا ادب ہے، لیکن اگر کوئی بڑا آدمی ہو اور اس کے اِدھر اُدھر سے کھانے پر کسی کو اعتراض نہ ہو بلکہ خوشی ہو تو وہ جہاں سے چاہے کھا سکتا ہے، جیسے تنہا کھانے والا جہاں سے چاہے کھا سکتا ہے، اس میں کچھ حرج نہیں۔

۲- حضرت انس رضی اللہ عنہ کی کدو سے محبت آنحضرت ﷺ سے محبت کا ثمرہ تھی، محبت کا تقاضہ ہے کہ محبوب کی ہر ادا بھا جاتی ہے، اس کی ہر بات دل میں اتر جاتی ہے، پھر جس درجہ محبت ہوگی اسی درجہ محبّ محبوب کی نقل کرے گا۔

بَابُ النَّسَّاجِ

بُنکر کا ذکر

النَّسَّاج کے معنی ہیں: بُنکر، کپڑا بننے والا، اس کے لئے ایک دوسرا شاندار لفظ: نور باف ہے، اور جولاہا اچھا لفظ نہیں۔

[۳۱-] بَابُ النَّسَّاجِ

[۲۰۹۳-] حدثنا يَحْيىَ بْنُ بُكَيْرٍ، ثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْ حَازِمٍ، سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ، قَالَ: جَاءَ تِ امْرَأَةٌ بِبُرْدَةٍ – قَالَ: أَتَدْرُوْنَ مَا الْبُرْدَةُ؟ فَقِيْلَ لَهُ: نَعَمْ، هِيَ الشَّمْلَةُ– مَنْسُوْجٌ فِي حَاشِيَتِهَا، قَالَتْ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنِّيْ نَسَجْتُ هٰذِهِ بِيَدِيْ أَكْسُوْكَهَا، فَأَخَذَهَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مُحْتَاجًا إِلَيْهَا، فَخَرَجَ إِلَيْنَا وَإِنَّهَا إِزَارُهُ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اكْسُنِيْهَا، فَقَالَ: "نَعَمْ" فَجَلَسَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِي الْمَجْلِسِ، ثُمَّ رَجَعَ فَطَوَاهَا، ثُمَّ أَرْسَلَ بِهَا إِلَيْهِ، فَقَالَ لَهُ الْقَوْمُ: مَا أَحْسَنْتَ! سَأَلْتَهَا إِيَّاهُ، وَلَقَدْ عَرَفْتَ أَنَّهُ لاَ يَرُدُّ سَائِلاً، فَقَالَ الرَّجُلُ: وَاللّٰهِ مَا سَأَلْتُهُ إِلَّا لِتَكُوْنَ كَفَنِيْ يَوْمَ أَمُوْتُ، قَالَ سَهْلٌ: فَكَانَتْ كَفَنَهُ. [راجع: ۱۲۷۷]

حوالہ: یہ حدیث کتاب الجنائز باب ۲۸ (تحفۃ القاری ۳: ۵۹۵) میں گذر چکی ہے، ترجمہ اور شرح وہاں ہے............

قوله: إني نسجتُ هذه بيده: یہ جملہ باب سے متعلق ہے اور عرب میں پیشوں سے قومیں نہیں بنتی تھیں۔

بَابُ النَّجَّارِ

بڑھئی کا ذکر

نجّار کے معنی ہیں: بڑھئی، دیوبند میں اس کو باڑھی کہتے ہیں، یہ بھی ایک پیشہ ہے، اور تمام پیشہ وروں کا حال یکساں ہے،

ان کے مال میں برکت نہیں ہوتی، اور اس کی وجوہ ہیں، اگر پیشہ وران اسباب سے بچیں تو برکتوں سے مالا مال ہوں۔

[۳۲-] بَابُ النَّجَّارِ

[۲۰۹۴-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ، عَنْ أَبِیْ حَازِمٍ، قَالَ: أَتَى رِجَالٌ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ يَسْأَلُوْنَهُ عَنِ الْمِنْبَرِ، فَقَالَ: بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِلٰى فُلَانَةٍ- امْرَأَةٍ قَدْ سَمَّاهَا سَهْلٌ- أَنْ مُرِیْ غُلَامَكِ النَّجَّارَ، يَعْمَلُ لِیْ أَعْوَادًا، أَجْلِسْ عَلَيْهِنَّ إِذَا كَلَّمْتُ النَّاسَ، فَأَمَرَتْهُ يَعْمَلُهَا مِنْ طَرْفَاءِ الْغَابَةِ، ثُمَّ جَاءَ بِهَا، فَأَرْسَلَتْ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِهَا، فَأَمَرَ بِهَا فَوُضِعَتْ فَجَلَسَ عَلَيْهِ.
[راجع: ۳۷۷]

حوالہ: یہ حدیث کئی بار گذری ہے، پہلی بار کتاب الصلوٰۃ باب ۱۸ (تحفۃ القاری ۲: ۲۱۰) میں گذری ہے۔

[۲۰۹۵-] حدثنا خَلَّادُ بْنُ يَحْيٰى، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَيْمَنَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَلَا أَجْعَلُ لَكَ شَيْئًا تَقْعُدُ عَلَيْهِ؟ فَإِنَّ لِیْ غُلَامًا نَجَّارًا، قَالَ: " إِنْ شِئْتِ" قَالَ: فَعَمِلَتْ لَهُ الْمِنْبَرَ، فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ قَعَدَ النَّبِیُّ صلى الله عليه وسلم عَلَى الْمِنْبَرِ الَّذِیْ صُنِعَ، فَصَاحَتِ النَّخْلَةُ الَّتِیْ كَانَ يَخْطُبُ عِنْدَهَا حَتّٰى كَادَتْ أَنْ تَنْشَقَّ، فَنَزَلَ النَّبِیُّ صلى الله عليه وسلم حَتّٰى أَخَذَهَا فَضَمَّهَا إِلَيْهِ، فَجَعَلَتْ تَئِنُّ أَنِيْنَ الصَّبِیِّ الَّذِیْ يُسَكَّتُ حَتّٰى اسْتَقَرَّتْ، قَالَ: فَبَكَتْ عَلٰى مَا كَانَتْ تَسْمَعُ مِنَ الذِّكْرِ" [راجع: ۴۴۹]

قوله: فصاحت النخلة: پس درخت کا تنا چلاّ کر رونے لگا.......... **حتی كادت أن تنشق:** یہاں تک کہ قریب تھا کہ پھٹ جائے.......... **قوله: فجعلت تَئِنُّ أنينَ الصبی:** پس درخت ایں ایں کرنے لگا جس طرح بچہ ایں ایں کرتا ہے جب وہ خاموش کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ ٹھہر گیا یعنی درخت کا رونا بند ہوگیا، یہ معجزہ کی روایت ہے اور پہلے **كتاب الجمعة** باب ۲۶ (تحفۃ القاری ۳: ۲۳۸) میں گذری ہے۔

بَابُ شِرَى الإِمَامِ الْحَوَائِجَ بِنَفْسِهِ

امیر المؤمنین کا ضروریات بذاتِ خود خریدنا

پیشہ وروں کا بیان پورا ہوا، اب بات آگے بڑھاتے ہیں، پیشہ وروں سے معاملہ کرنا، خریداری وغیرہ کرنا: مال کو بے برکت نہیں بناتا، بڑے سے بڑا آدمی اپنا سودا سلف بذاتِ خود خرید سکتا ہے، پس ابواب میں تقابل تضاد ہے، کیونکہ بے برکتی

کے اسباب مفقود ہیں۔اور پہلے باب آیا ہے: نبی ﷺ کا ادھار خریدنا، اب یہ باب عام ہے، امیر المؤمنین اپنی ضرورت کی چیزیں بذاتِ خود خریدے خواہ نقد خریدے یا ادھار خریدے اس میں کچھ حرج نہیں، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب قدس سرہ مدرسہ امینیہ میں پڑھاتے تھے، جب درس سے فارغ ہوکر گھر لوٹتے تو راستہ سے سودا سلف خود خرید کرلاتے تھے، ایک دن ایک دیہاتی امرود بیچ رہا تھا، حضرت نے اس سے بھاؤ معلوم کیا، اس نے دوآنے سیر بتایا، حضرت نے فرمایا: ڈیڑھ آنا دے تو لوں، اس نے انکار کیا، حضرت آگے بڑھ گئے، کسی نے اس سے کہا: جانتا ہے یہ کون ہیں؟ یہ مفتی کفایت اللہ ہیں! اب وہ بھاگتا ہوا پیچھے دوڑا: مفتی جی! ڈیڑھ آنے میں لے جاؤ، حضرت نے فرمایا: اب نہیں، اب دو آنے لے تو لوں، کیونکہ اب قیمت میں کمی مفتی صاحب کی وجاہت کی وجہ سے ہوگی، اور اندیشہ ہے کہ کہیں ﴿یَشْتَرُوْنَ بِآیَاتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلاً﴾ کا مصداق نہ ہوجائے۔غرض بڑا آدمی بھی اپنا سامان خود خرید سکتا ہے، اس میں کچھ حرج نہیں۔

اور بازار سے خریدنا کوئی معیوب بات نہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اونٹوں کا کاروبار تھا، حضرت خود کاروبار کرتے تھے، اسی طرح آنحضور ﷺ نے حضرت عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے اونٹ خریدا ہے اور ایک کافر سے بکری خریدی ہے، اور آپؐ امیر المؤمنین تھے، پس باب ثابت ہوگیا۔

[۳۳-] بَابُ شِرَى الإِمَامِ الْحَوَائِجَ بِنَفْسِهِ

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: اشْتَرَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم جَمَلاً مِنْ عُمَرَ، وَاشْتَرَى ابْنُ عُمَرَ بِنَفْسِهِ، وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِيْ بَكْرٍ: جَاءَ مُشْرِكٌ بِغَنَمٍ، فَاشْتَرَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مِنْهُ شَاةً، وَاشْتَرَى مِنْ جَابِرٍ بَعِيْرًا.

[۲۰۹۶-] حدثنا يُوْسُفُ بْنُ عِيْسَى، ثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، ثَنَا الأَعْمَشُ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنِ الأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: اشْتَرَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ يَهُوْدِيٍّ طَعَامًا بِنَسِيْئَةٍ، وَرَهَنَهُ دِرْعَهُ.

[راجع: ۲۰۶۸]

بَابُ شِرَى الدَّوَابِّ وَالْحَمِيْرِ

چوپائے اور گدھے خریدنا

چوپایہ: گھوڑا ہو یا گدھا: خرید سکتے ہیں، کوئی خیال کرسکتا تھا کہ بڑے آدمی کے لئے گدھا خریدنا جائز نہیں ہوگا اس لئے حضرتؒ نے باب میں الحمیر بڑھایا کہ گدھا بھی خرید سکتے ہیں —— اس کے بعد حضرتؒ نے ایک مسئلہ بیان کیا ہے:

مسئلہ: کوئی شخص جانور پر سوار ہے، کسی نے اس سے وہ جانور خریدا، پس کیا جب تک بائع جانور پر سے نیچے نہ اترے

جانور پر مشتری کا قبضہ متصور ہوگا یا نہیں؟ حضرت رحمہ اللہ نے کوئی جواب نہیں دیا، ہل چلایا ہے، اور جواب یہ ہے کہ قبضہ نہیں ہوگا، کیونکہ سونے چاندی کے علاوہ سامان میں قبضہ کے لئے تخلیہ ضروری ہے، جب تک بائع جانور پر سوار ہے تخلیہ نہیں ہوگا، پس مشتری کا قبضہ نہیں ہوگا۔

جاننا چاہئے کہ سونے چاندی کی بیع میں یعنی بیع صرف میں أخذ بالْبَراجِمِ (عوضین کو ہاتھ میں لینا) ضروری ہے، جب تک عاقدین اپنے عوض ہاتھ میں نہیں لیں گے قبضہ نہیں ہوگا، اور دیگر تمام عروض (سامان) میں تخلیہ کافی ہے، کسی نے کتاب خریدی، بائع نے کتاب مشتری کے سامنے رکھ دی کہ یہ رہی آپ کی کتاب! پس قبضہ ہوگیا، اگرچہ مشتری نے کتاب کو ہاتھ نہ لگایا ہو، کیونکہ تخلیہ ہوگیا، اور اگر کتاب گودام میں ہے تو قبضہ نہیں ہوا کیونکہ تخلیہ نہیں ہوا، اسی طرح جب تک بائع جانور پر سوار ہے چونکہ تخلیہ نہیں ہوا اس لئے مشتری کا قبضہ نہیں ہوا، جب بائع جانور پر سے اتر کر جانور مشتری کو سونپے گا تب قبضہ ہوگا۔

[۳۴-] بَابُ شِرَى الدَّوَابِّ وَالْحَمِيْرِ

وَإِذَا اشْتَرَى دَابَّةً أَوْ جَمَلاً وَهُوَ عَلَيْهِ، هَلْ يَكُوْنُ ذٰلِكَ قَبْضًا قَبْلَ أَنْ يَنْزِلَ؟

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ، قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لِعُمَرَ: " بِعْنِيْهِ" يَعْنِي جَمَلاً صَعْبًا.

[۲۰۹۷-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، ثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ، عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي غَزَاةٍ، فَأَبْطَأَ بِي جَمَلِيْ وَأَعْيَا، فَأَتَى عَلَيَّ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم، فَقَالَ: " جَابِرٌ؟" فَقُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: " مَا شَأْنُكَ؟" قُلْتُ: أَبْطَأَ عَلَيَّ جَمَلِيْ وَأَعْيَا، فَتَخَلَّفْتُ، فَنَزَلَ يَحْجُنُهُ بِمِحْجَنَةٍ، ثُمَّ قَالَ: " ارْكَبْ" فَرَكِبْتُ، فَلَقَدْ رَأَيْتُهُ أَكُفُّهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم، قَالَ: " تَزَوَّجْتَ؟" قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: " بِكْرًا أَمْ ثَيِّبًا؟" قُلْتُ: بَلْ ثَيِّبًا، قَالَ: " أَفَلاَ جَارِيَةً تُلاَعِبُهَا وَتُلاَعِبُكَ؟" قُلْتُ: إِنَّ لِيْ أَخَوَاتٍ، فَأَحْبَبْتُ أَنْ أَتَزَوَّجَ امْرَأَةً تَجْمَعُهُنَّ، وَتَمْشُطُهُنَّ، وَتَقُوْمُ عَلَيْهِنَّ، قَالَ: " أَمَا إِنَّكَ قَادِمٌ، فَإِذَا قَدِمْتَ فَالْكَيْسَ الْكَيْسَ" ثُمَّ قَالَ: " أَتَبِيْعُ جَمَلَكَ؟" قُلْتُ: نَعَمْ، فَاشْتَرَاهُ مِنِّيْ بِأُوْقِيَّةٍ، ثُمَّ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَبْلِيْ، وَقَدِمْتُ بِالْغَدَاةِ، فَجِئْنَا إِلَى الْمَسْجِدِ، فَوَجَدْتُهُ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ، قَالَ: " الآنَ قَدِمْتَ؟" قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: " فَدَعْ جَمَلَكَ، ادْخُلْ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ" فَدَخَلْتُ فَصَلَّيْتُ، فَأَمَرَ بِلاَلاً أَنْ يَزِنَ لَهُ أُوْقِيَّةً، فَوَزَنَ لِيْ بِلاَلٌ، فَأَرْجَحَ لِيْ فِي الْمِيْزَانِ، فَانْطَلَقْتُ حَتَّى وَلَّيْتُ، فَقَالَ: " ادْعُوْا لِيْ جَابِرًا" قُلْتُ: الآنَ يَرُدُّ عَلَيَّ الْجَمَلَ، وَلَمْ يَكُنْ شَيْئٌ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْهُ، قَالَ: " خُذْ جَمَلَكَ وَلَكَ ثَمَنُهُ" [راجع: ۴۴۳]

حدیث (۱): ایک سفر میں نبی پاک ﷺ ایک اونٹ پر تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوسرے اونٹ پر تھے، اور

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تیسرے اونٹ پر، جس اونٹ پر ابن عمرؓ سوار تھے وہ بھی حضرت عمرؓ کا تھا، اور وہ بڑا تیز تھا............

جَمَلاً صَعْبًا: سخت اونٹ یعنی تیز طرار اونٹ............وہ بار بار آنحضور ﷺ کے اونٹ سے آگے نکل جاتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو مارتے تھے، تاکہ وہ حضور ﷺ کے اونٹ سے آگے نہ بڑھے، آپؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: اپنا یہ اونٹ مجھے بیچ دو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ آپ کی نذر ہے، آپؐ نے فرمایا: نہیں، مجھے بیچ دو، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ راضی ہوگئے اور آپؐ نے وہ اونٹ خرید لیا پھر ابن عمرؓ سے فرمایا: عبداللہ اب یہ اونٹ تیرا ہے، جس طرح چاہے چلا، اب حضرت عمرؓ کو مارنے کا حق نہیں رہا کیونکہ وہ اونٹ ان کا نہیں رہا تھا، یہ پورا واقعہ ہے اور اس سے بس اتنا استدلال کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اونٹ خریدا، پس اور چوپائے بھی خرید سکتے ہیں۔

حدیث (۲): حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جو پہلے بھی دو مرتبہ آیا ہے، مگر مختصر آیا ہے، مفصل حدیث اب آئی ہے، ایک غزوہ سے واپسی میں جب مدینہ منورہ قریب آیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنی اونٹنی کو بھگا رہے تھے، اونٹنی مریل تھی آہستہ چل رہی تھی، حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس کو مارتے تھے تاکہ تیز چلے، آنحضور ﷺ پیچھے سے آرہے تھے اور سارا منظر دیکھ رہے تھے، جب آپؐ قریب پہنچے تو پوچھا: جابر! اونٹنی کیوں بھگا رہے ہو؟ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ چلتی نہیں، تھک گئی ہے اس لئے میں پیچھے رہ گیا ہوں، آپؐ اپنی سواری سے اترے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ بھی اترے اور آپؐ نے اونٹنی کو چھڑی ماری، پھر حضرت جابرؓ سے فرمایا: سوار ہوجاؤ، اب اونٹنی برق رفتار ہوگئی وہ بار بار آنحضور ﷺ کی اونٹنی سے آگے نکل رہی تھی، حضرت جابرؓ اس کو روکتے تھے، پھر آپؐ نے پوچھا: کہ جلدی کیوں ہے؟ حضرت جابرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے شادی کی ہے، میں چاہتا ہوں کہ رات سے پہلے مدینہ پہنچ جاؤں، آپؐ نے پوچھا: کنواری سے شادی کی ہے یا بیوہ سے؟ انھوں نے عرض کیا: بیوہ سے، آپؐ نے فرمایا: کنواری سے کیوں نہ کی، تم اس سے کھیلتے اور وہ تم سے کھیلتی، انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ابا جان (حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ) جنگ احد میں شہید ہوگئے ہیں اور انھوں نے (سات یا نو) بہنیں چھوڑی ہیں اس لئے میں ایک ایسی عورت لایا ہوں جو ان کو گھیرے رہے ان کی کنگھی کرے یعنی نہلا دھلا کر صاف رکھے اور ان کی نگرانی کرے یعنی اگر کنواری سے شادی کرتا تو گھر میں ایک لڑکی اور آجاتی اس لئے ایک ذمہ دار عورت لایا ہوں تاکہ وہ ان کی تربیت کرے، یہ سن کر آپؐ نے ان کو دعائیں دیں اور فرمایا: ''تم رات سے پہلے گھر پہنچنے والے ہو جب گھر پہنچو تو ہوشیاری سے کام لینا، ہوشیاری سے کام لینا!'' اس جملہ کے علماء نے متعدد مطلب لکھے ہیں، ایک مطلب حاشیہ میں لکھا ہے کہ اگر بیوی حالت حیض میں ہو تو غلبۂ شہوت میں صحبت نہ کر ڈالے، یہ مطلب مجھے پسند نہیں کیونکہ صحابہ سے اس کی توقع نہیں، میرے نزدیک سب سے اچھا مطلب یہ ہے کہ گھر پہنچ کر بیوی کو بننے سنورنے کا موقع دینا۔

پھر آپؐ نے فرمایا: یہ اونٹنی مجھے بیچ دو، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یہ تو نکمی تھی، آپؐ کی چھڑی کی برکت سے اس میں جان پڑی ہے، یہ آپؐ کی نذر ہے، آپؐ نے قبول نہ کی اور بیچنے پر اصرار کیا، چنانچہ آپؐ نے چند اوقیہ کے بدل خرید

لی، پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ تک اس پر جانے کی اجازت مانگی، تو آپؐ نے اجازت دیدی، حضرت جابرؓ رات سے پہلے گھر پہنچ گئے اور آپؐ کی عادت مبارکہ رات میں شہر میں داخل ہونے کی نہیں تھی، اس لئے آپؐ نے مدینہ سے باہر قیام فرمایا، پھر صبح میں مدینہ میں داخل ہوئے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ اونٹنی لے کر حاضر ہوئے اس وقت آپؐ مسجدِ نبوی میں تھے، اور وہ چاشت کا وقت تھا، آپؐ نے حضرت جابرؓ سے فرمایا: دو رکعتیں پڑھ لو، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ان کو ایک اوقیہ چاندی تول کر دیدو، حضرت بلال رضی اللہ عنہ آنحضور ﷺ کے خزانچی تھے، انھوں نے جھکتا تول کر دیا، حضرت جابرؓ ثمن لے کر جانے لگے، ابھی مسجد میں تھے کہ آپؐ نے ان کو واپس بلایا، انھوں نے خیال کیا کہ نبی ﷺ سودا ختم کر دیں گے اور اونٹنی پھیر دیں گے، جبکہ حضرت جابرؓ کو وہ اونٹنی بہت ناپسند تھی، جب حضرت جابرؓ آئے تو آپؐ نے فرمایا: اونٹنی بھی لے جاؤ یعنی آپؐ نے ثمن بھی دیا اور اونٹنی بھی دیدی۔

مناسبت: اس حدیث سے بس اتنا استدلال کرنا ہے کہ نبی ﷺ نے اونٹ خریدا۔

فائدہ: آنحضور ﷺ کی چھڑی کی برکت سے وہ اونٹنی برق رفتار ہوگئی تھی، اور بار بار آپؐ کی سواری سے آگے بڑھ رہی تھی، اس لئے آپؐ نے اسے خریدلیا، اب وہ آپؐ کی اونٹنی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی مقصد سے اونٹ خریدا تھا، یا آپ حضرت جابرؓ کی مدد کرنا چاہتے تھے، ان کے ابا جنگ احد میں شہید ہوگئے تھے اور ان کی سات یا نو بہنیں تھیں، اس لئے مدد کرنے کے طور پر آپؐ نے ان سے اونٹ خریدا تھا، چنانچہ ثمن بھی دیا اور اونٹنی بھی پھیر دی۔

لغات: أَبْطَأَ إِبْطَاءً (از افعال) دیر کرنا، مؤخر کرنا .... أَعْيَا إِعْيَاءً (از افعال) تھکنا .... الْمِحْجَنَة: ٹیڑھے سر والا ڈنڈا .... **قولہ: تجمعھن:** ان کو گھیرے رہے یعنی محلّہ میں بھٹکنے نہ دے .... **وتمشطھن:** اور ان کے سروں میں کنگھی کرے یعنی نہلا دھلا کر صاف رکھے .... **وتقوم علیھنَّ:** اور ان پر کھڑی رہے یعنی نگرانی کرے .... **قولہ: فاشتراہ منی بأوقیة:** آنحضور ﷺ نے کتنے اوقیہ چاندی کے بدل اونٹنی خریدی تھی؟ اس سلسلہ میں روایات میں اختلاف ہے اور اب فیصلہ کرنے کی ضرورت نہیں .... **قولہ: ثم قدم رسول اللہ قبلی:** یعنی مسجدِ نبوی میں آنحضور ﷺ پہلے پہنچے پھر حضرت جابرؓ آئے، مدینہ پہنچنا مراد نہیں، مدینہ پہلے حضرت جابر رضی اللہ عنہ پہنچے تھے اور آپؐ نے شہر سے باہر پڑاؤ کیا تھا، آپؐ کی عادت شریفہ یہی تھی کہ آپؐ رات میں شہر میں داخل نہیں ہوتے تھے۔

بَابُ الْأَسْوَاقِ الَّتِي كَانَتْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَتَبَايَعَ بِهَا النَّاسُ فِي الْإِسْلَامِ

زمانۂ جاہلیت کے بازار: جن میں اسلام کے بعد بھی لوگوں نے کاروبار کیا

زمانۂ جاہلیت میں عرب میں حج سے متصل یکے بعد دیگرے پانچ میلے لگتے تھے، اور سب سے آخر میں حج کے ایام میں منیٰ بازار لگتا تھا، جب اسلام کا زمانہ آیا تو بھی یہ سلسلہ جاری رہا، لوگ ان میلوں میں کاروبار کرتے تھے، میلوں، ٹھیلوں میں

کاروبار کرنے سے نفع زیادہ ہوتا ہے، پس یہ بھی رزق حاصل کرنے کی ایک صورت ہے اور یہی اس باب کا مدعی ہے۔ تفصیل کتاب المناسک باب ۱۵۰ (تحفۃ القاری ۴: ۴۸۱) میں ہے۔

[۳۵-] بَابُ الْأَسْوَاقِ الَّتِيْ كَانَتْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَتَبَايَعَ بِهَا النَّاسُ فِي الإِسْلَامِ

[۲۰۹۸-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: "كَانَتْ عُكَاظُ وَمَجَنَّةُ وَذُو الْمَجَازِ أَسْوَاقًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَلَمَّا كَانَ الإِسْلَامُ تَأَثَّمُوْا مِنَ التِّجَارَةِ فِيْهَا، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ: ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ﴾: فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ، قَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَذَا. [راجع: ۱۷۷۰]

بَابُ شِرَاءِ الإِبِلِ الْهِيْمِ أَوِ الأَجْرَبِ

ہُیام بیماری والا یا خارشتی اونٹ خریدنا

الْهِيْم: جمع ہے، اس کا مفرد الأَهْيَم ہے اور معنی ہیں: انتہائی پیاسا آدمی یا اونٹ، قرآنِ کریم میں ہے: ﴿فَشَارِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ﴾ پھر وہ (دوزخی) پئیں گے سخت پیاسے اونٹوں کے پینے کی طرح (الواقعہ ۵۵)............ الهُيَام والهَيَام: اونٹوں کو لاحق ہونے والی پیاس کی بیماری جس سے اونٹ چارہ چھوڑ کر سرگرداں پھرتے ہیں، اس بیماری میں اونٹ پانی بہت پیتا ہے، اس کا پیٹ نہیں بھرتا، جیسے انسانوں کو استسقاء کی بیماری ہوجاتی ہے اور أجرب کے معنی ہیں: خارشتی، عربوں کے تصورات میں یہ دونوں متعدی امراض تھے، ایسے اونٹوں کو کوئی نہیں خریدتا تھا، کیونکہ دوسرے اونٹوں کو بھی خارش کی اور ہُیام کی بیماری لگ جائے گی۔

اور اس باب کا مقصد یہ ہے کہ عیب دار چیز خریدنا جائز ہے، جیسے بعض دکانوں پر معمولی ٹوٹی ہوئی پیالیاں بکتی ہیں یا کپڑے کے کٹ پیس بکتے ہیں اور ہر پیس میں معمولی عیب ہوتا ہے، اس عیب کی وجہ سے قیمت کم ہوجاتی ہے، اگر کوئی ایسی عیب دار پیالیاں اور کٹ پیس خریدے تو کچھ حرج نہیں۔

لغت: امام بخاری رحمہ اللہ نے الهائم کے بھی معنی بیان کئے ہیں، یہ اسم فاعل ہے اور معنی ہے: آوارہ گرد، وہ شخص جو ہر معاملہ میں الٹا چلے، ابن التینؒ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ هیم اور هائم میں کوئی مناسبت نہیں، محشی رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ جس طرح عشق میں سرگرداں حیران و پریشان پھرتا ہے اور ہر بات میں الٹی چال چلتا ہے اسی طرح ہُیام بیماری والا اونٹ بھی حیران رہتا ہے، اس مناسبت سے اس کے معنی بیان کئے ہیں۔

[۳۶-] بَابُ شِرَاءِ الإِبِلِ الْهِيْمِ أَوِ الأَجْرَبِ

الْهَائِمُ: الْمُخَالِفُ لِلْقَصْدِ فِي كُلِّ شَيْءٍ.

[۲۰۹۹-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: قَالَ عَمْرٌو: كَانَ هٰهُنَا رَجُلٌ اسْمُهُ نَوَّاسٌ، وَكَانَتْ عِنْدَهُ إِبِلٌ هِيْمٌ، فَذَهَبَ ابْنُ عُمَرَ، فَاشْتَرَى تِلْكَ الإِبِلَ مِنْ شَرِيْكٍ لَهُ، فَجَاءَ إِلَيْهِ شَرِيْكُهُ، فَقَالَ: بِعْنَا تِلْكَ الإِبِلَ، فَقَالَ: مِمَّنْ بِعْتَهَا؟ فَقَالَ: مِنْ شَيْخٍ كَذَا وَكَذَا، فَقَالَ: وَيْحَكَ! ذَاكَ وَاللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ، فَجَاءَ هُ، فَقَالَ: إِنَّ شَرِيْكِي بَاعَكَ إِبِلًا هِيْمًا، وَلَمْ يَعْرِفْكَ، قَالَ: فَاسْتَقْهَا، فَلَمَّا ذَهَبَ يَسْتَاقُهَا: قَالَ: دَعْهَا، رَضِيْنَا بِقَضَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "لَا عَدْوَى" سَمِعَ سُفْيَانُ عَمْرًا.

[انظر: ۲۸۵۸، ۵۰۹۳، ۵۰۹٤، ۵۷۵۳، ۵۷۷۲]

ترجمہ: عمرو بن دینار کہتے ہیں: یہاں ایک شخص تھا، اس کا نام نوّاس تھا، اس کے پاس ہُیام بیماری والے اونٹ تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما گئے اور اس کے ساتھی سے وہ اونٹ خرید لئے، پس اس کا ساتھی اس کے پاس آیا اور اس نے کہا: ہم نے وہ اونٹ بیچ دیئے، اس نے پوچھا: کس کو بیچے؟ اس نے کہا: ایک حضرت کو بیچے جن کی ایسی اور ایسی صورت تھی، اس نے کہا: بیہودے! خدا کی قسم! یہ تو ابن عمرؓ تھے، پس وہ آپؓ کے پاس آیا اور عرض کیا: میرے ساتھی نے آپ کو ہیام بیماری والے اونٹ بیچے ہیں اور وہ آپ کو جانتا نہیں تھا، آپؓ نے فرمایا: پس ان کو ہانک لے جا، جب وہ اونٹوں کو ہانک لے چلا تو آپؓ نے فرمایا: ان کو چھوڑ دے ہم نبی ﷺ کے فیصلہ پر راضی ہیں کہ ایک کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی۔

تشریح: ہُیام بیماری اونٹ میں عیب ہے، جس کی وجہ سے خیارِ عیب حاصل ہوتا ہے اس لئے ابن عمرؓ نے پہلے اونٹوں کو واپس کر دیا پھر پوری قیمت پر رکھ لیا۔ جاننا چاہئے کہ عیب کی وجہ سے مشتری کو مبیع واپس کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے، لیکن اگر مشتری عیب دار چیز رکھنا چاہے تو قیمت میں کمی نہیں ہوگی، کیونکہ عیب وصف ہے اور وصف کے مقابل ثمن نہیں آتا۔

عدوی کے معنی ہیں: چھوت کی بیماری، متعدی مرض، وہ بیماری جو دوسرے کو لگ جائے، اسلام اس کا قائل نہیں، ہاں سبب کے درجہ میں اس کو تسلیم کرتا ہے مگر اس کی ذاتی تاثیر نہیں مانتا، حدیث میں ہے کہ کوڑھی کے پاس سے بھاگو جیسے شیر کے پاس سے بھاگتے ہو، اس سے معلوم ہوا کہ بعض بیماریوں میں مریض کے ساتھ اختلاط منجملہ اسباب مرض ہے، لہٰذا ایسے مریض کے ساتھ اختلاط سے بچنا چاہئے، مگر یہ عقیدہ کہ بعض بیماریاں بذاتِ خود دوسرے کو لگ جاتی ہیں: غلط ہے، یہ بات عقیدۂ توحید کے خلاف ہے، اس لئے نبی ﷺ نے جاہلیت کے اس عقیدہ کی نفی فرمائی۔

بَابُ بَيْعِ السِّلَاحِ فِي الْفِتْنَةِ وَغَيْرِهَا

خانہ جنگی وغیرہ کے زمانہ میں ہتھیار بیچنا

اگر مسلمانوں کے درمیان خانہ جنگی چل رہی ہو تو ہتھیار بیچنا جائز نہیں، کیونکہ جو بھی ہتھیار خریدے گا مسلمان کے خلاف استعمال کرے گا، اس لئے خانہ جنگی کے زمانہ میں ہتھیار بیچنا جائز نہیں، اسی طرح مسلمانوں اور کفار کے درمیان جنگ چل

رہی ہوتو بھی کافروں کے ہاتھ ہتھیار بیچنا جائز نہیں اور ایسی کوئی بات نہ ہوتو ہتھیار بیچ سکتے ہیں، مسلمان کو بھی اور کافر کو بھی، یہ بھی ایک کاروبار ہے بلکہ عام کاروبار سے زیادہ منفعت بخش ہے۔ فی الفتنة سے خانہ جنگی مراد ہے اور غیرھا کی ضمیر فتنہ کی طرف لوٹتی ہے یعنی امن وسکون کا زمانہ۔

[۳۷-] بَابُ بَيْعِ السِّلَاحِ فِي الْفِتْنَةِ وَغَيْرِهَا

وَكَرِهَ عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ بَيْعَهُ فِي الْفِتْنَةِ.

[۲۱۰۰-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيىَ بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ كَثِيْرِ بْنِ أَفْلَحَ، عَنْ أَبِيْ مُحَمَّدٍ مَوْلٰى أَبِيْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيْ قَتَادَةَ، قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَامَ حُنَيْنٍ، فَأَعْطَاهُ، يَعْنِي الدِّرْعَ فَبِعْتُ الدِّرْعَ، فَابْتَعْتُ بِهِ مَخْرَفًا فِيْ بَنِيْ سَلِمَةَ، فَإِنَّهُ أَوَّلُ مَالٍ تَأَثَّلْتُهُ فِي الإِسْلَامِ. [انظر: ۳۱۴۲، ۴۳۲۱، ۴۳۲۲، ۷۱۷۰]

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نبی ﷺ کے ساتھ جنگ حنین کے سال نکلا، پس آپؐ نے ان کو ذرہ یعنی لوہے کا کرتا دیا، پس میں نے اس کو بیچ کر بنوسلمہ کے علاقہ میں ایک باغ خریدا، پس بیشک یہ پہلا مال تھا جس کو میں نے اسلام کی حالت میں ذخیرہ کیا۔

تشریح: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے جنگ حنین میں ایک بڑے کافر کو مارا تھا، اور اس کا سلب (سازوسامان) آنحضور ﷺ نے ان کو دیا تھا، انھوں نے اس کو بیچ کر کھجوروں کا ایک باغ خریدا، معلوم ہوا کہ امن کے زمانہ میں مسلمان کے ہاتھ ہتھیار بیچنا جائز ہے۔

بَابٌ: فِي الْعَطَّارِ وَبَيْعِ الْمِسْكِ

عطر فروش اور مشک بیچنے کا بیان

عطر اور مشک بیچنا بھی ایک کاروبار ہے، وہ نہ صرف جائز بلکہ عمدہ کاروبار ہے، اور عطار کا ذکر حدیث میں نہیں تھا اس لئے باب میں مشک کی بیع کا اضافہ کیا۔

[۳۸-] بَابٌ: فِي الْعَطَّارِ وَبَيْعِ الْمِسْكِ

[۲۱۰۱-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، ثَنَا أَبُوْ بُرْدَةَ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، سَمِعْتُ أَبَا بُرْدَةَ ابْنَ أَبِيْ مُوْسَى، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَثَلُ الْجَلِيْسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِيْسِ

السُّوْءِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْمِسْكِ وَكِيرِ الْحَدَّادِ، لَا يَعْدَمُكَ مِنْ صَاحِبِ الْمِسْكِ: إِمَّا تَشْتَرِيهِ وَإِمَّا تَجِدُ رِيْحَهُ، وَكِيْرُ الْحَدَّادِ يُحْرِقُ بَيْتَكَ أَوْ ثَوْبَكَ، أَوْ تَجِدُ مِنْهُ رِيْحًا خَبِيْثَةً"[انظر: ٥٥٣٤]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: اچھے ہم نشیں اور برے ہم نشیں کی مثال مشک والے اور لوہار کی بھٹی کی سی ہے، مشک والے سے تو محروم نہیں رہے گا: یا تو اس کو خریدے گا یا اس کی خوشبو سونگھے گا، اور لوہار کی بھٹی: تیرے گھر کو یا کپڑے کو جلائے گی یا تو اس کی بدبو (دھواں) پائے گا، یعنی اچھے ہم نشیں سے فائدہ پہنچتا ہے اور برے ہم نشیں سے نقصان۔

بَابُ ذِكْرِ الْحَجَّامِ

پچھنے لگانے والے کا تذکرہ

سینگی لگوانا فساد خون کا بہترین علاج ہے اور یہ بھی ایک پیشہ ہے، مگر گندہ پیشہ ہے، اس لئے ایک حدیث میں اختیار اولیٰ کے طور پر حجام کی آمدنی سے منع کیا گیا ہے۔

[۳۹-] بَابُ ذِكْرِ الْحَجَّامِ

[۲۱۰۲-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: حَجَمَ أَبُوْ طَيْبَةَ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَأَمَرَ لَهُ بِصَاعٍ مِنْ تَمْرٍ، وَأَمَرَ أَهْلَهُ أَنْ يُخَفِّفُوْا مِنْ خَرَاجِهِ.
[انظر: ۲۲۱۰، ۲۲۷۷، ۲۲۸۰، ۲۲۸۱، ۵۶۹۶]

[۲۱۰۳-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا خَالِدٌ، هُوَ ابْنُ عَبْدِ اللهِ، ثَنَا خَالِدٌ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: احْتَجَمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، وَأَعْطَى الَّذِيْ حَجَمَهُ، وَلَوْ كَانَ حَرَامًا لَمْ يُعْطِهِ.[راجع: ۱۸۳۵]

حدیث (۱): حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ابوطیبہ نے نبی ﷺ کے پچھنے لگائے پس آپؐ نے اس کو ایک صاع کھجور دی اور اس کے آقا کو اس کا محصول کم کرنے کا حکم دیا۔

حدیث (۲): ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نبی ﷺ نے پچھنے لگوائے اور جس نے پچھنے لگائے تھے اس کو آپؐ نے اجرت دی، اگر پچھنے لگانے کی اجرت حرام ہوتی تو آپؐ اس کو اجرت نہ دیتے۔

تشریح:

۱- یہ حدیث دلیل ہے کہ پچھنے لگانے کی آمدنی جائز ہے اس لئے کہ نبی ﷺ نے ابوطیبہ کو پچھنے لگانے کی اجرت دی ہے، مگر یہ پیشہ کچھ اچھا نہیں، جیسے کمانے کا پیشہ یعنی بیت الخلاء صاف کرنے کا پیشہ فی نفسہ جائز ہے مگر پسندیدہ نہیں، کیونکہ اس میں نجاست سے قرب ہوتا ہے اسی طرح پچھنے لگانے میں گندہ خون منہ میں لینا پڑتا ہے اس لئے یہ پیشہ اچھا نہیں،

حدیث: کَسْبُ الحجّام خبیثٌ کا یہی مطلب ہے۔

۲-ابوطیبہ عبد مأ ذون تھا اور اس کے آقاؤں نے اس پر زیادہ آمدنی لازم کر رکھی تھی اس کی درخواست پر نبی ﷺ نے اس کے آقاؤں سے بات کی اور اس کا محصول کم کرادیا یعنی اس کے آقاؤں نے اس پر جو آمدنی لازم کی تھی اس کو کم کرادیا۔

بَابُ التِّجَارَةِ فِيْمَا يُكْرَهُ لُبْسُهُ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ

مردوں اور عورتوں کے لئے جس چیز کا پہننا جائز نہیں اس کی تجارت کرنا

کوئی کپڑا ایسا ہے کہ مردوں کے لئے بھی اس کا استعمال مکروہ ہے اور عورتوں کے لئے بھی، جیسے تصویر والا کپڑا: اس کو بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک بیچنا جائز ہے کیونکہ وہ مال ہے اور جمہور بشمول صاحبین کہتے ہیں کہ ناجائز ہے، اور اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ یہ اعانت علی المعصیت ہے یا نہیں؟ جمہور کے نزدیک یہ اعانت علی المعصیت ہے کیونکہ جو بھی وہ کپڑا خریدے گا اس کو استعمال کرے گا، جبکہ اس کا استعمال جائز نہیں، پس بائع ایک ناجائز کام میں مددگار رہا جو قرآنِ کریم کی رو سے ممنوع ہے، ارشاد پاک ہے: ﴿وَلاَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾: گناہ اور ظلم کے کاموں میں مددگار مت بنو، اور امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اعانت علی المصیت نہیں، کیونکہ بیچ میں فاعل مختار کا فعل متخلل ہے، اور فاعل مختار کا فعل متخلل ہو تو نسبت منقطع ہوجاتی ہے، مثلاً ایک شخص کی دکان ہے اس نے حجام کو وہ دکان کرایہ پر دی وہ اس میں لوگوں کی ڈاڑھیاں مونڈتا ہے یا بینک کو کرایہ پر دی وہ اس میں سودی کاروبار کرتے ہیں، یہ اعانت علی المصیت نہیں، کیونکہ حجام اور بینک والے فاعل مختار ہیں پس دکان کے مالک سے گناہ کی نسبت منقطع ہوجائے گی، جو ڈاڑھی مونڈے گا یا سودی معاملہ کرے گا وہ گنہ گار ہوگا دکان کے مالک پر کوئی گناہ نہیں، اسی طرح مذکورہ کپڑا بیچ سکتا ہے اور یہ اعانت علی المصیت نہیں، کیونکہ مشتری فاعل مختار ہے پس بائع سے نسبت منقطع ہوجائے گی، مشتری کپڑا پہنے گا تو وہ گنہ گار ہوگا بائع پر کوئی گناہ نہیں، مگر جمہور اس قاعدہ کو نہیں مانتے، ان کے نزدیک یہ اعانت علی المصیت ہے اس لئے مذکورہ کپڑا بیچنا جائز نہیں، اسی طرح حجام اور بینک کو دکان کرایہ پر دینا بھی جائز نہیں اور فتوی امام اعظم رحمہ اللہ کے قول پر ہے، اور تقوی صاحبین کے قول پر عمل کرنے میں ہے۔

[٤٠-] بَابُ التِّجَارَةِ فِيْمَا يُكْرَهُ لُبْسُهُ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ

[٢١٠٤-] حدثنا آدمُ، ثَنَا شُعْبَةُ، ثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ حَفْصٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: أَرْسَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِلَى عُمَرَ بِحُلَّةِ حَرِيْرٍ، أَوْ: سِيَرَاءَ، فَرَآهَا عَلَيْهِ، فَقَالَ: "إِنِّي لَمْ أُرْسِلْ بِهَا إِلَيْكَ لِتَلْبَسَهَا، إِنَّمَا يَلْبَسُهَا مَنْ لاَ خَلاَقَ لَهُ، إِنَّمَا بَعَثْتُ إِلَيْكَ لِتَسْتَمْتِعَ بِهَا" يَعْنِي تَبِيْعُهَا. [راجع: ٨٨٦]

وضاحت: یہ حدیث پہلے دو مرتبہ آچکی ہے۔ آنحضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ریشمی سوٹ

بھیجا......... حلة حریر کے معنی ہیں: ریشمی سوٹ، اور سیراء جگہ کا نام ہے، یہ بھی ریشم ہی کا سوٹ ہوتا تھا......... حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو پہن کر آئے تو آپؐ نے فرمایا: میں نے یہ سوٹ اس لئے نہیں بھیجا کہ آپ اس کو پہنیں، اس کو وہی پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، بلکہ اس لئے بھیجا ہے کہ اس کو بیچ کر یا کسی اور طرح سے فائدہ اٹھائیں، چنانچہ حضرت عمرؓ نے وہ سوٹ اپنے ایک رضاعی بھائی کو جو مکہ میں رہتا تھا اور وہ ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا بطور ہدیہ بھیج دیا، تا کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہو، غرض نبی ﷺ نے ریشمی سوٹ ہبہ کیا، پس اس کو بیچ بھی سکتے ہیں کیونکہ ہبہ اور بیع کا مفاد ایک ہے۔

[۲۱۰۵-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا اشْتَرَتْ نُمْرُقَةً فِيْهَا تَصَاوِيْرُ، فَلَمَّا رَآهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَامَ عَلَى الْبَابِ فَلَمْ يَدْخُلْهُ، فَعَرَفْتُ فِي وَجْهِهِ الْكَرَاهَةَ، فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَتُوْبُ إِلَى اللّٰهِ وَإِلَى رَسُوْلِهِ صلى الله عليه وسلم، مَاذَا أَذْنَبْتُ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَابَالُ هٰذِهِ النُّمْرُقَةِ؟" قُلْتُ: اشْتَرَيْتُهَا لَكَ لِتَقْعُدَ عَلَيْهَا وَتَوَسَّدَهَا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " إِنَّ أَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُعَذَّبُوْنَ، فَيُقَالُ لَهُمْ: أَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ" وَقَالَ "إِنَّ الْبَيْتَ الَّذِيْ فِيْهِ الصُّوَرُ لاَ تَدْخُلُهُ الْمَلاَئِكَةُ"[انظر ۳۲۲۴، ۵۱۸۱، ۵۹۵۷، ۵۹۶۱، ۷۵۵۷]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: انھوں نے ایک گدّا خریدا، جس میں تصویریں تھیں، جب اس تصویر والے گدّے کو نبی ﷺ نے دیکھا تو آپؐ دروازہ پر کھڑے ہوگئے، گھر کے اندر داخل نہیں ہوئے، پس میں نے رخ انور میں ناپسندیدگی کے آثار دیکھے تو عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اللہ اور اس کے رسول کے سامنے توبہ کرتی ہوں، مجھ سے کیا گناہ ہوا؟ آپؐ نے فرمایا: اس گدّے کا کیا حال ہے؟ یعنی یہ گدا یہاں کیوں ہے؟ میں نے عرض کیا: میں نے اس کو آپؐ کے لئے خریدا ہے تا کہ آپؐ اس پر بیٹھیں (تقعد اور توسد کے ایک ہی معنی ہیں) پس نبی ﷺ نے فرمایا: "بیشک یہ تصویر والے قیامت کے دن عذاب دیئے جائیں گے، ان سے کہا جائے گا کہ زندہ کرو جس کو تم نے بنایا ہے" یعنی ان تصویروں میں جان ڈالو اور آپؐ نے فرمایا: "بیشک وہ گھر جس میں تصویر ہو وہاں ملائکہ داخل نہیں ہوتے"

استدلال: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تصویر والا گدّا خریدا، معلوم ہوا کہ جو بھی چیز شرعاً مال ہے اس کو خرید سکتے ہیں، پس بیچ بھی سکتے ہیں۔

بَابُ صَاحِبِ السِّلْعَةِ أَحَقُّ بِالسَّوْمِ

مال کا مالک قیمت بتانے کا زیادہ حق رکھتا ہے

بھاؤ تاؤ کے وقت بائع اور مشتری میں سے ہر ایک قیمت بول سکتا ہے مگر قیمت بولنے کا زیادہ حق مشتری کا ہے، جب

مسجدِ نبوی کی جگہ خریدی گئی تو نبی ﷺ نے بنونجار سے فرمایا: ثامِنُونی بِحائِطِکُمْ: اپنے اس باغ کی قیمت بتلاؤ، معلوم ہوا کہ قیمت بولنے کا زیادہ حق مالکان کا ہے۔

[٤١-] بَابُ صَاحِبِ السِّلْعَةِ أَحَقُّ بِالسَّوْمِ

[٢١٠٦-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ أَبِيْ التَّيَّاحِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "يَا بَنِيْ النَّجَّارِ! ثَامِنُوْنِيْ بِحَائِطِكُمْ" وَفِيْهِ خَرِبٌ وَنَخْلٌ. [راجع: ٢٣٤]

بَابٌ: كَمْ يَجُوْزُ الْخِيَارُ؟

خیارِ شرط کتنے دن ہوسکتا ہے؟

خیارِ شرط یہ ہے کہ خرید وفروخت کے وقت بائع اور مشتری دونوں یا کوئی ایک بیع رکھنے نہ رکھنے کا اختیار لے، خیارِ شرط میں کوئی تحدید ہے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک تحدید ہے یعنی خیارِ شرط زیادہ سے زیادہ تین دن کا ہوسکتا ہے اس سے زیادہ کا نہیں، اور امام مالک اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک کوئی تحدید نہیں، بائع اور مشتری جتنے دن کا چاہیں خیار لے سکتے ہیں۔ امام اعظم اور امام شافعی رحمہما اللہ کی دلیل ترمذی کی حدیث (نمبر ۱۲۳۵) ہے، ایک صحابی حضرت حبان بن مُنقِذ رضی اللہ عنہ تھے، ان کی عقل میں کچھ کمزوری تھی، اور وہ کاروبار کرتے تھے اور گھاٹا پاتے تھے، ان کے گھر والے ان کو کاروبار سے منع کرتے تھے مگر وہ مانتے نہیں تھے، چنانچہ گھر والے خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور ان کو کاروبار سے روکنے کی درخواست کی، نبی ﷺ نے ان کو بلا کر کاروبار سے منع کیا مگر انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں کاروبار سے صبر نہیں کرسکتا، آپؐ نے فرمایا: اچھا جب کوئی چیز بیچو تو کہا کرو: هاءَ وهاءَ ولا خِلاَبَةَ: لو اور لاؤ، سودے میں کوئی دھوکا نہیں۔ بے غل وغش معاملہ ہے۔ ولی الخیار ثلاثة أیام: اور مجھے تین دن بیع رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے، یہ الفاظ مستدرک حاکم کی روایت میں ہیں، اس حدیث کی وجہ سے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ خیارِ شرط زیادہ سے زیادہ تین دن ہوسکتا ہے، مگر امام بخاریؒ نے کوئی تحدید نہیں کی، معلوم ہوا کہ وہ امام مالک اور صاحبین رحمہم اللہ کے ساتھ ہیں۔

[٤٢-] بَابٌ: كَمْ يَجُوْزُ الْخِيَارُ؟

[٢١٠٧-] حدثنا صَدَقَةُ، أَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيْدٍ، سَمِعْتُ نَافِعًا، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "إِنَّ الْمُتَبَايِعَيْنِ بِالْخِيَارِ فِي بَيْعِهِمَا مَالَمْ يَتَفَرَّقَا، أَوْ يَكُوْنُ الْبَيْعُ خِيَارًا" قَالَ نَافِعٌ: وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا اشْتَرَى شَيْئًا يُعْجِبُهُ فَارَقَ صَاحِبَهُ.

[انظر: ٢١٠٩، ٢١١١، ٢١١٣، ٢١١٦]

[۲۱۰۸-] حدثنا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، ثَنا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِی الْخَلِیْلِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ حَکِیْمِ بْنِ حِزَامٍ، عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیه وسلم، قَالَ: " البَیِّعَانِ بِالْخِیَارِ مَالَمْ یَفْتَرِقَا"

وَزَادَ أَحْمَدُ: ثَنَا بَهْزٌ، قَالَ: قَالَ هَمَّامٌ: فَذَکَرْتُ ذٰلِكَ لِأَبِی التَّیَّاحِ، فَقَالَ: کُنْتُ مَعَ أَبِی الْخَلِیْلِ لَمَّا حَدَّثَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْحَارِثِ هٰذَا الْحَدِیْثَ. [راجع: ۲۰۷۹]

قوله: أو یکون البیع خیاراً: یہ جملہ باب سے متعلق ہے، یعنی جب ایجاب وقبول کے بعد مجلس بدل گئی تو خیار ختم ہوگیا، البتہ اگر بیع میں خیارشرط ہے تو جتنے دن کی شرط ہے وہاں تک خیار باقی رہے گا، اور اس کی کوئی تحدید نہیں۔

قوله: إذا اشتری شیئا: حضرت ابن عمرؓ جب کوئی چیز خریدتے اور وہ چیز انہیں پسند آتی تو وہ مجلس بدل لیا کرتے تھے تاکہ بیع لازم ہوجائے، یہ مسئلہ آگے آرہا ہے۔

قوله: فذکرت ذلك لأبی التیاح: ہمامؒ کہتے ہیں: میں نے حضرت قتادہؒ سے یہ حدیث سن کر ابوالتیاح کو سنائی تو انھوں نے فرمایا: ابوالخلیل کے استاذ عبداللہ بن الحارث نے جب یہ حدیث بیان کی تھی تو میں مجلس میں موجود تھا۔

بَابٌ: إِذَا لَمْ یُوَقِّتِ الْخِیَارَ: هَلْ یَجُوْزُ الْبَیْعُ؟

اگر خیارِشرط کی مدت متعین نہ کی ہو تو کیا بیع جائز ہے؟

بائع یا مشتری نے بیع میں اختیار لیا اور خیار کی مدت مقرر نہیں کی تو بیع صحیح ہے یا نہیں؟ حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بیع صحیح ہے کیونکہ حدیث میں خیارِشرط کی کوئی مدت نہیں آئی۔ جاننا چاہئے کہ اس صورت میں امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک تین دن کا خیار ہوگا، اس کے بعد بیع لازم ہوجائے گی، اور صاحب خیار کو بیع فسخ کرنے کا حق نہیں رہے گا، اور امام بخاریؒ کے نزدیک تین دن کے بعد بھی صاحب خیار کو بیع فسخ کرنے کا حق ہے، کیونکہ ان کے نزدیک خیار شرط کی کوئی مدت متعین نہیں۔

[۴۳-] بَابٌ: إِذَا لَمْ یُوَقِّتِ الْخِیَارَ: هَلْ یَجُوْزُ الْبَیْعُ؟

[۲۱۰۹-] حدثنا أَبُوْ النُّعْمَانِ، ثَنا حَمَّادُ بْنُ زَیْدٍ، ثَنَا أَیُّوْبُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیه وسلم: " الْبَیِّعَانِ بِالْخِیَارِ مَالَمْ یَتَفَرَّقَا، أَوْ یَقُوْلُ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ: اخْتَرْ" وَرُبَّمَا قَالَ: "أَوْ یَکُوْنُ بَیْعَ خِیَارٍ"[راجع: ۲۱۰۷]

قوله: اخْتَرْ: ہرایک اپنے ساتھی سے اختر کہے یعنی بائع مشتری کو اور مشتری بائع کو ایجاب وقبول کے بعد اختیار دے کہ چاہے تو بیع فسخ کرڈالے، اور دوسرا کہے نہیں، میں بیع قائم رکھتا ہوں تو اب خیارِ مجلس نہیں رہے گا، بیع لازم ہوجائے گی، تفصیل

آگے آئے گی اور اختَر: فعل امر ہے، اختِیَار: باب افتعال: پسند کرنا، ترجیح دینا۔

قولہ: بیعَ خیارٍ: یہ جملہ باب سے متعلق ہے، اور یہ مطلق ہے، مدت کی کوئی تحدید نہیں، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک خیار شرط کی مدت مقرر نہیں۔ تحدید کی ہو یا نہ کی ہو: ہر صورت میں بیع صحیح ہے۔

بَابُ الْبَیِّعَانِ بِالْخِیَارِ مَالَمْ یَتفرَّقَا

بائع اور مشتری کو جدا ہونے تک بیع رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے (خیار مجلس کا مسئلہ)

اس باب میں خیار مجلس کا بیان ہے، اور یہ معرکۃ الآراء مسئلہ ہے۔ جاننا چاہئے کہ خرید وفروخت کے وقت بائع اور مشتری میں سے جو پہلے بولے گا اس کا قول ایجاب اور دوسرے کا قول قبول کہلائے گا، اور ایجاب کے بعد دوسرے فریق کو قبول کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، پھر جب دوسرے نے قبول کرلیا تو اس کا نام تفرقِ اقوال ہے، تفرقِ اقوال کا مطلب ہے: عاقدین عقد سے فارغ ہوگئے یعنی ایجاب وقبول مکمل ہوگئے۔

ایجاب وقبول مکمل ہونے کے بعد مجلس بدلنے تک بائع اور مشتری کو سودا ختم کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے اور اسی کا نام خیارِ مجلس ہے۔ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک متعاقدین میں سے کسی کو بیع فسخ کرنے کا حق نہیں، البتہ اقالہ ہوسکتا ہے یعنی دونوں فریق باہمی رضامندی سے بیع ختم کرسکتے ہیں مگر کسی ایک کو تنہا بیع توڑنے کا حق نہیں، یہ حضرات خیار مجلس کے قائل نہیں، اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ خیارِ مجلس کے قائل ہیں، ان کے نزدیک مجلس بدلنے تک ہر ایک بیع توڑسکتا ہے، وہ ڈکٹیٹر ہے اسے دوسرے فریق کی رضامندی حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔

اور اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ بیع میں دو چیزیں ہیں: ایک: تمامیتِ بیع، دوم: لزومِ بیع۔ یہ دونوں چیزیں ساتھ ہوتی ہیں یا جدا ہوتی ہیں؟ احناف، مالکیہ اور ظاہریہ کے نزدیک ساتھ ہوتی ہیں اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جدا ہوتی ہیں، پھر ظاہریہ کے نزدیک تفرق ابدان پر دونوں کا تحقق ہوتا ہے، یعنی جب بائع اور مشتری ایک دوسرے سے جدا ہونگے تب بیع تام بھی ہوگی اور لازم بھی ہوگی، اور حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک تفرق اقوال پر دونوں کا تحقق ہوتا ہے، یعنی ایجاب وقبول ہوتے ہی بیع تام بھی ہوجاتی ہے اور لازم بھی۔ اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک تفرقِ اقوال پر بیع تام ہوتی ہے اور تفرق ابدان پر بیع لازم ہوتی ہے۔

اور ثمرۂ اختلاف دو صورتوں میں ظاہر ہوگا:

اول: کوئی چیز بیچی خریدی گئی، پھر تفرق ابدان سے پہلے مجلس عقد ہی میں متعاقدین میں سے کوئی ایک فوت ہوگیا تو ظاہریہ کے نزدیک سودا نہیں ہوا، مبیع بائع کی اور ثمن مشتری کا ہے اور ائمہ اربعہ کے نزدیک بیع ہوگئی، کیونکہ ایجاب وقبول پائے گئے، اس لئے بیع تام ہوگئی پس ثمن بائع کا یا اس کے ورثاء کا اور مبیع مشتری کی یا اس کے ورثاء کی ہوگی۔

دوم: چھوٹے دواماموں کے نزدیک تفرق ابدان سے پہلے ہر فریق بیع توڑ سکتا ہے، وہ ڈکٹیٹر ہے اسے دوسرے فریق کی رضامندی حاصل کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ ابھی بیع لازم نہیں ہوئی۔ اور بڑے دواماموں کے نزدیک دوسرے کی رضامندی کے بغیر سودا ختم نہیں کرسکتا کیونکہ بیع لازم ہوچکی۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ مسئلۂ باب میں چار حدیثیں ہیں جن پر مسئلہ کا مدار ہے، مگر امام بخاری رحمہ اللہ ان میں سے صرف دو حدیثیں لائے ہیں:

پہلی حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: البیّعانِ بالخیار مَالَمْ یَتَفرَّقَا: بائع اور مشتری کو بیع ختم کرنے کا اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں۔

تشریح:

۱- مالم یتفرقا سے تفرق ابدان مراد ہے یا تفرق اقوال؟ ایک رائے یہ ہے کہ تفرق اقوال مراد ہے یعنی ایجاب کے بعد دوسرے کو قبول کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے، اس کے قبول کرنے سے پہلے ایجاب کرنے والا اپنا ایجاب واپس لے سکتا ہے اور قبول کرنے والا قبول بھی کرسکتا ہے اور قبول نہ کرے یہ بھی اس کو اختیار ہے۔ یہ قول امام محمد رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، اس تفسیر کی رو سے حدیث میں خیارِ مجلس کا مسئلہ نہیں ہے، اور چھوٹے دواماموں کے نزدیک تفرقِ ابدان مراد ہے یعنی حدیث میں خیارِ مجلس کا مسئلہ ہے اور بہ ظاہر انہی کی رائے صحیح ہے کیونکہ پوری حدیث اس طرح ہے: ''بائع اور مشتری کو بیع ختم کرنے کا اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں یا اختر نہ کہہ لیں، یعنی تفرق ابدان سے بھی بیع لازم ہوتی ہے، اور اختر کہنے سے بھی، اس کے بعد خیارِ مجلس باقی نہیں رہتا، مگر یہ کہ بیع میں خیارِ شرط ہو، اگر بیع میں خیارِ شرط ہے تو تفرق ابدان کے بعد بھی خیار باقی رہتا ہے۔

۲- اختر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سودا مکمل ہونے کے بعد متعاقدین میں سے ہر ایک دوسرے سے کہے: آپ غور کرلیں اگر سودا پسند نہ ہو تو معاملہ ختم کردیں، پھر دوسرا غور کرکے یا تو سودا ختم کردے یا یہ کہے کہ مجھے سودا منظور ہے، پھر یہ شخص جس کو سودا پسند ہے، یہی بات دوسرے سے کہے اور وہ بھی غور کرکے سودا ختم کردے یا منظور کرلے۔

۳- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جو اس حدیث کے راوی ہیں ان کے نزدیک بھی تفرق ابدان مراد تھا، چنانچہ آئندہ تیسرے باب میں یہ حدیث آرہی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما سے ایک زمین کا سودا کیا، سودا مکمل ہوتے ہی ابن عمرؓ الٹے پاؤں لوٹے اور گھر سے باہر نکل گئے، پھر واپس آکر بیٹھ گئے، آپؓ نے مجلس اس لئے بدلی کہ حضرت عثمانؓ سودا ختم نہ کرلیں، کیونکہ ابن عمرؓ کو سودے میں فائدہ نظر آیا تھا.........ابن عمرؓ کے اس عمل سے معلوم ہوا کہ تفرق سے تفرق ابدان مراد ہے، پس یہ چھوٹے دواماموں کی دلیل ہے۔

ملحوظہ: مذکورہ واقعہ کو راوی نے اس طرح بیان کیا ہے کہ گویا یہ ابن عمرؓ کا معمول تھا، جب بھی وہ کوئی سودا کرتے اور

چاہتے کہ بیع لازم ہوجائے تو فوراً مجلس بدل لیا کرتے تھے، مگر یہ بات غالباً صحیح نہیں، یہ صرف ایک مرتبہ کا واقعہ ہے۔

دوسری حدیث: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بائع اور مشتری کو بیع ختم کرنے کا اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں، پس اگر وہ دونوں سچ بولیں اور واضح کریں یعنی مبیع اور ثمن میں کوئی عیب ہو تو اسے واضح کریں تو ان کی بیع میں برکت ہوگی اور اگر دونوں جھوٹ بولیں اور مبیع اور ثمن کے عیب کو چھپائیں تو ان کی بیع کی برکت مٹادی جائے گی۔ اس حدیث میں بھی تفرق ابدان مراد ہے، اور یہ بھی چھوٹے دواماموں کی دلیل ہے۔

تیسری حدیث: حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی ہے، ایک سفر میں ایک کشتی میں دو شخصوں نے شام کے وقت ایک گھوڑے کا سودا کیا، صبح گھوڑے کا مالک پشیمان ہوا اس نے سودا ختم کرنا چاہا، دوسرا تیار نہ ہوا۔ حضرت ابو برزہ اسلمیؓ بھی کشتی میں تھے، دونوں اپنا جھگڑا لے کر ان کے پاس گئے، آپؓ نے فرمایا: میرے خیال میں تم دونوں جدا نہیں ہوئے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ بائع اور مشتری کو بیع ختم کرنے کا اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں لہٰذا ایک فریق معاملہ ختم کرسکتا ہے —— یہ حدیث ترمذی شریف (حدیث ۱۲۳۱) میں ہے اور گذشتہ دونوں حدیثوں کے ہم معنی ہے، مگر اس میں غور طلب بات یہ ہے کہ وہ دونوں شخص جن کے درمیان گھوڑے کا سودا ہوا تھا شام سے صبح تک ساتھ رہے ہوں، یہ بات عقل باور نہیں کرتی۔

چوتھی حدیث: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: بائع اور مشتری کو بیع ختم کرنے کا اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں مگر یہ کہ بیع میں خیارِ شرط ہو، یعنی اگر سودے میں خیارِ شرط رکھا ہے، تو پھر تین دن تک فسخ کا اختیار باقی رہے گا، اور اگر یہ اختیار نہ لیا ہو تو فسخ کا اختیار تفرق ابدان تک رہے گا، فریقین کے جدا ہوتے ہی یہ اختیار ختم ہوجائے گا۔ ولایَحِلُّ له أن یُفَارِقَ صَاحِبَهُ خَشْیَةَ أَنْ یستقیلَه: اور فریقین میں سے کسی کے لئے بھی جائز نہیں کہ وہ اپنے ساتھی سے جدا ہو اس خوف سے کہ وہ اس سے اقالہ کی یعنی بیع ختم کرنے کی درخواست کرے گا —— یہ حدیث بھی ترمذی (حدیث ۱۲۳۲) میں ہے، اور حسن ہے۔

استدلال:

اسْتَقَالَهُ البیعَ کے معنی ہیں: بیع فسخ کرنے کی درخواست کرنا، باب استفعال طلب کے لئے ہے۔ اور درخواست اس صورت میں کی جاتی ہے جب معاملہ میں دوسرے کا کچھ دخل ہو، اس جملہ میں صاف اشارہ ہے کہ تفرق ابدان سے پہلے بھی ایک فریق دوسرے فریق کو راضی کئے بغیر سودا ختم نہیں کرسکتا، یعنی ایجاب وقبول پر بیع تام بھی ہوجاتی ہے اور لازم بھی ہوجاتی ہے، بڑے دوامام اسی کے قائل ہیں، اور یہ حدیث ان کی دلیل ہے، اور چھوٹے دواماموں نے حضرت ابن عمر اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہما کی حدیثوں کو لیا ہے، کیونکہ وہ اصح مافی الباب ہیں۔ اور بڑے دوامام کہتے ہیں کہ اُن حدیثوں میں تفرق ابدان سے پہلے جس اختیار کا ذکر ہے وہ اختیار ناقص ہے، اختیار تام نہیں، اختیار ناقص کا مطلب یہ ہے کہ سودا مکمل ہونے

کے بعد ہر فریق اپنے ساتھی کو راضی کر کے بیع توڑ سکتا ہے، تنہا نہیں توڑ سکتا، اور دلیل حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث ہے، اس میں صاف صراحت ہے کہ ہر فریق اپنے ساتھی کو راضی کر کے معاملہ ختم کر سکتا ہے، تنہا نہیں کر سکتا۔

غرض حضرت ابن عمرؓ وغیرہ کی حدیثوں میں تفرق ابدان سے پہلے جس اختیار کا ذکر ہے وہ اختیار تام ہے یا ناقص؟ اس میں اختلاف ہوا ہے۔ بڑے دو اماموں کے نزدیک وہ اختیار ناقص ہے اور چھوٹے دو اماموں کے نزدیک وہ اختیار تام ہے اس لئے تفرق ابدان سے پہلے ہر فریق سودا ختم کر سکتا ہے، وہ ڈکٹیٹر ہے، دوسرے فریق کو راضی کرنے کی ضرورت نہیں (۱)

بہ الفاظ دیگر: اس میں اختلاف ہوا ہے کہ یہ حکم باب قضاء سے ہے یا باب دیانت سے؟ یعنی یہ حکم اخلاق و مروت کے باب سے ہے یا قضاء سے اس کا تعلق ہے؟ چھوٹے دو امام کہتے ہیں: یہ حکم قضاءً ہے یعنی اگر تفرق ابدان سے پہلے کوئی فریق معاملہ ختم کر دے، اور مقدمہ قاضی کے پاس جائے تو قاضی اس فسخ کو برقرار رکھے گا، اور بڑے دو اماموں کے نزدیک یہ حکم اخلاق و مروت کے باب سے ہے، یعنی جب تک فریقین مجلس عقد میں ہیں اگر کوئی فریق سودا ختم کرنا چاہے تو انسانیت و مروت کا تقاضہ یہ ہے کہ دوسرا فریق راضی ہو جائے، کیونکہ فریقین نے ابھی اپنے عوضوں سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

اور بڑے دو اماموں نے درج ذیل قرائن کی بنا پر یہ مطلب سمجھا ہے:

۱- اس خوف سے کہ ساتھی بیع فسخ کرنے کی درخواست کرے گا: مجلس بدلنے سے آنحضور ﷺ نے منع کیا، جبکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سودا کیا تھا تو ایسا کیا تھا، اور یہ بات ممکن نہیں کہ راوی خود اپنی روایت کے خلاف عمل کرے اس لئے اس خیار کو باب اخلاق سے قرار دینا زیادہ مناسب ہے، اس صورت میں ابن عمرؓ کا عمل مروت اور حسن اخلاق کے خلاف ہوگا اور اس میں کوئی حرج نہیں، بوقت ضرورت ایسا کیا جا سکتا ہے۔

۲- حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں اس کو باب اخلاق سے سمجھا ہے چنانچہ جب کشتی میں دو شخص اپنا جھگڑا لے کر ان کے پاس گئے تو یہ فرمایا کہ میں ایسا سمجھتا ہوں کہ تم ابھی جدا نہیں ہوئے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ فریقین جب تک جدا نہ ہوں ان کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے یعنی تم دونوں ساتھ سفر کر رہے ہو اور تم نے ابھی اپنے اپنے عوضوں سے فائدہ نہیں اٹھایا اور وقت بھی زیادہ نہیں گذرا، لہٰذا جب ایک فریق سودا ختم کرنا چاہتا ہے تو دوسرے کو راضی ہو جانا چاہئے۔ حسن اخلاق کا یہی تقاضہ ہے، اس حدیث میں تفرق ابدان مراد لینا ممکن نہیں، کیونکہ دونوں شام سے صبح تک ساتھ رہے ہوں، یہ بات عقل باور نہیں کرتی۔

۳- حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کے ایک راوی ہمام کی روایت آئندہ دوسرے باب میں آرہی

(۱) ایسا ہی اختلاف دو اور حدیثوں میں بھی ہوا ہے: ایک: حدیث مصرات میں، تفصیل آگے باب ۶۴ و ۶۵ میں آئے گی، دوم: اگر کوئی شخص کسی کو عمداً قتل کرے تو مقتول کے ورثاء کو دو باتوں میں اختیار ہے، چاہیں تو قصاص لیں اور چاہیں تو دیت لیں، احناف کے نزدیک دیت لینے کا اختیار بھی ناقص ہے یعنی قاتل کی رضامندی سے دیت لے سکتے ہیں، تفصیل ابواب الدیات میں آئے گی۔

ہے، اس میں یختار ثلاث مراد ہے، یعنی تین مرتبہ اختر اختر کہنے تک خیارِ فسخ باقی رہتا ہے۔ حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری (۳۳۴:۴) میں اس کو استحبابی حکم قرار دیا ہے، پس تین مرتبہ کی طرح ایک مرتبہ کا حکم بھی استحبابی ہے، ایک مرتبہ کے وجوبی حکم ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔

[٤٤-] بَابُ الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتفرَّقَا

وَبِهِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ، وَشُرَيْحٌ، وَالشَّعْبِيُّ، وَطَاوُسٌ، وَعَطَاءٌ، وَابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ.

[٢١١٠-] حدثنا إِسْحَاقُ، أَنَا حَبَّانُ، هُوَ ابْنُ هِلاَلٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: قَتَادَةُ أَخْبَرَنِي عَنْ صَالِحٍ أَبِي الْخَلِيْلِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ، سَمِعْتُ حَكِيْمَ بْنَ حِزَامٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "البَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتفرَّقَا، فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُوْرِكَ لَهُمَا فِيْ بَيْعِهِمَا، وَإِنْ كَذَبَا وَكَتَمَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا"[راجع: ٢٠٧٩]

[٢١١١-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "الْمُتَبَايِعَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ عَلٰى صَاحِبِهِ مَالَمْ يَتفرَّقَا، إِلَّا بَيْعَ الْخِيَارِ" [راجع: ٢١٠٧]

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ بھی خیارِ مجلس کے قائل ہیں یعنی ان کے نزدیک بھی تفرق ابدان سے پہلے ہر فریق ڈکٹیٹر ہے، وہ تنہا معاملہ ختم کرسکتا ہے، دوسرے فریق کو راضی کرنے کی ضرورت نہیں، یہی رائے حضرت ابن عمر، قاضی شریح، امام شعبی، حضرات طاؤس وعطاء اور ابن ابی ملیکہ کی ہے۔

بَابٌ إِذَا خَيَّرَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ بَعْدَ الْبَيْعِ فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ

جب سودا ہونے کے بعد ہر ایک نے دوسرے کو بیع رکھنے نہ رکھنے کا اختیار دیدیا تو بیع لازم ہوگئی

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ اختَرْ اختَرْ کہنے سے بھی بیع لازم ہوجاتی ہے جس طرح تفرق ابدان سے بیع لازم ہوتی ہے، جب ایجاب وقبول کے بعد ہر فریق نے اپنے ساتھی کو غور کر کے سودا رکھنے نہ رکھنے کا اختیار دیدیا اور اس نے سودا منظور کرلیا تو بیع لازم ہوگئی، اس کے بعد خیارِ مجلس باقی نہیں رہتا، یہی اس باب کا مدعی ہے۔

[٤٥-] بَابٌ إِذَا خَيَّرَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ بَعْدَ الْبَيْعِ فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ

[٢١١٢-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا لَيْثٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، أَنَّه

قَالَ: " إِذَا تبَايَعَ الرَّجُلاَنِ فَكُلُّ وَاحِدٍ مِنهُمَا بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتفَرَّقَا وَكَانَا جَمِيْعًا، أَوْ يُخَيِّرُ أَحَدُهُمَا الآخَرَ، فَتبَايَعَا عَلٰى ذٰلِكَ فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ، وَإِنْ تفَرَّقَا بَعْدَ أَنْ يَتبَايَعَا وَلَمْ يَترُكْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا الْبَيْعَ فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ"[راجع: ۲۱۰۷]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: جب دو شخصوں نے بیچا خریدا، پس ان میں سے ہر ایک کو (بیع رکھنے نہ رکھنے کا) اختیار ہے جب تک وہ دونوں جدا نہ ہوں اور دونوں ساتھ رہیں (عطف تفسیری ہے، دونوں جملوں کا مطلب ایک ہے) یا ان میں سے ہر ایک دوسرے کو اختیار دے، پس دونوں نے بیع کو برقرار رکھا تو بیع لازم ہوگئی (یہی جملہ باب سے متعلق ہے) اور اگر معاملہ کرنے کے بعد دونوں جدا ہوگئے اور ان میں سے کسی نے بیع کو رد نہیں کیا تو بھی بیع لازم ہوگئی، یعنی تفرق ابدان سے بھی بیع لازم ہوجاتی ہے۔

بَابٌ: إِذَا كَانَ الْبَائِعُ بِالْخِيَارِ: هَلْ يَجُوْزُ الْبَيْعُ؟

جب بائع نے خیارِ شرط لیا تو کیا بیع درست ہے؟

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بائع کے لئے خیارِ شرط نہیں ہوسکتا، صرف مشتری خیارِ شرط لے سکتا ہے، حضرت رحمہ اللہ نے ان کی تردید کی ہے کہ بائع بھی خیارِ شرط لے سکتا ہے کیونکہ حدیث مطلق ہے، پس بائع اور مشتری دونوں کو خیارِ شرط مل سکتا ہے۔

[٤٦-] بَابٌ: إِذَا كَانَ الْبَائِعُ بِالْخِيَارِ: هَلْ يَجُوْزُ الْبَيْعُ؟

[۲۱۱۳-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " كُلُّ بَيِّعَيْنِ لاَ بَيْعَ بَيْنَهُمَا حَتَّى يَتفَرَّقَا إِلَّا بَيْعَ الْخِيَارِ"[راجع: ۲۱۰۷]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "ہر دو بیچنے خریدنے والے ان کے درمیان بیع نہیں، یہاں تک کہ وہ جدا ہوں مگر یہ کہ بیع میں خیارِ شرط ہو" یعنی اگر بیع میں خیارِ شرط ہو تو تفرق ابدان کے بعد بھی بیع لازم نہیں ہوگی۔

قولہ: إلا بيع الخيار: اس سے خیارِ شرط مراد ہے اور یہ مطلق ہے، پس بائع اور مشتری دونوں کے لئے خیارِ شرط ہوسکتا ہے۔

[۲۱۱٤-] حدثنا إِسْحَاقُ، ثَنَا حَبَّانُ، ثنا هَمَّامٌ، ثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ أَبِي الْخَلِيْلِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ حَتَّى يَتفَرَّقَا - قَالَ هَمَّامٌ: وَجَدْتُ فِي كِتَابِي: "يَخْتَارُ ثَلاَثَ مِرَارٍ- فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُوْرِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا، وَإِنْ كَذَبَا وَكَتَمَا

فَعَسَى أَنْ يَرْبَحَا رِبْحًا وَيُمْحَقَا بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا"
قَالَ: وَحَدَّثَنَا هَمَّامٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ التَّيَّاحِ، أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ، يُحَدِّثُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم. [راجع: ۲۰۷۹]

وضاحت: یہ ہمام کی روایت ہے وہ کہتے ہیں: میری کتاب میں یختار ثلاث مرار ہے یعنی ایجاب وقبول کے بعد ہر ایک اپنے ساتھی کو تین مرتبہ غور کرکے بیع کو باقی رکھنے یا فسخ کرنے کا اختیار دے، یہ جملہ قرینہ ہے کہ تفرق ابدان تک یا اختر اختر کہنے تک خیار کا مسئلہ مروت اور حسن اخلاق کے قبیل سے ہے بابِ قضاء سے نہیں، چنانچہ حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری میں تین مرتبہ اختر اختر کہنے کو استحبابی حکم قرار دیا ہے، پس ایک مرتبہ اختر اختر کہنے کا حکم بھی استحبابی ہوگا، ایک مرتبہ کے وجوبی حکم ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔

قولہ: وإن كذبا و كتما: اور اگر دونوں جھوٹ بولیں اور اپنے عوضوں کا عیب چھپائیں تو ہوسکتا ہے کہ وہ نفع پائیں اور دونوں کی بیع کی برکت مٹادی جائے، یعنی جھوٹ بول کر یا عیب چھپا کر آدمی زیادہ نفع تو پاسکتا ہے، مگر اس سے بیع کی برکت ختم ہوجاتی ہے۔

بَابٌ: إِذَا اشْتَرَى شَيْئًا، فَوَهَبَ مِنْ سَاعَتِهِ، قَبْلَ أَنْ يَتَفَرَّقَا، وَلَمْ يُنْكِرِ الْبَائِعُ عَلَى الْمُشْتَرِيْ أَوِ اشْتَرَى عَبْدًا فَأَعْتَقَهُ

جب کوئی چیز خریدی، اور اسی وقت مجلس ختم ہونے سے پہلے ہبہ کردی یا غلام خریدا اور آزاد کردیا اور بائع نے اعتراض نہیں کیا تو خیار ختم ہوگیا

إذا کا جواب محذوف ہے أى انقطع خياره۔ جاننا چاہئے کہ صحتِ بیع کے لئے بنیادی شرط تراضی طرفین ہے، سورۃ النساء (آیت ۲۹) میں اس کی صراحت ہے: ﴿إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ﴾ یہ تراضی طرفین کب تک ضروری ہے؟ دو بڑے اماموں کے نزدیک تفرق اقوال (سودا مکمل ہونے) تک ضروری ہے اور دو چھوٹے اماموں کے نزدیک تفرق ابدان تک ضروری ہے، اسی کا نام خیار مجلس ہے، پھر جس طرح اختر اختر کہنے سے خیار مجلس ختم ہوجاتا ہے اسی طرح جب دلالۃً بیع پر فریقین کی رضامندی پائی جائے تو تفرق ابدان سے پہلے ہی خیار مجلس ختم ہوجائے گا۔ امام صاحب رحمہ اللہ نے باب میں اس کی دو مثالیں ذکر کی ہیں: (۱) کوئی چیز خریدی اور فوراً مجلس ختم ہونے سے پہلے مشتری نے وہ چیز کسی کو بخش دی اور بائع نے اعتراض نہیں کیا تو خیارِ مجلس ختم ہوگیا (۲) کسی نے غلام خریدا، پھر اسی وقت مجلس ختم ہونے سے پہلے مشتری نے اس کو آزاد کردیا اور بائع نے اعتراض نہیں کیا تو بھی خیارِ مجلس ختم ہوگیا، اب بائع بیع نہیں توڑ سکتا، اور ہبہ اور اعتاق کا ذکر بطور

مثال ہے، گروی رکھنے کا بھی یہی حکم ہے جب طرفین کی بیع پر رضا مندی پائی جائے تو خیار مجلس ختم ہو جاتا ہے۔

پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی ایک نظیر پیش کی ہے کہ ایک شخص نے کوئی سامان خرید ااس شرط پر کہ پسند آیا تو رکھے گا ورنہ واپس کردے گا یعنی خیارِ شرط لیا، پھر اس نے وہ چیز کسی کو بیچ دی تو بیع لازم ہوگئی اور جو نفع اس نے کمایا وہ اس کے لئے حلال ہے، گویا بیچنا دلالۃً خیارِ شرط کو ختم کرنا ہے، یہ مسئلہ حضرت طاؤس رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔

[٤٧-] بَابٌ: إِذَا اشْتَرَى شَيْئًا، فَوَهَبَ مِنْ سَاعَتِهِ، قَبْلَ أَنْ يَتَفَرَّقَا، وَلَمْ يُنْكِرِ الْبَائِعُ عَلَى الْمُشْتَرِيْ، أَوِ اشْتَرَى عَبْدًا فَأَعْتَقَهُ

وَقَالَ طَاوُسٌ فِيْمَنْ يَشْتَرِيْ السِّلْعَةَ عَلَى الرِّضَا ثُمَّ بَاعَهَا: وَجَبَتْ لَهُ، وَالرِّبْحُ لَهُ.

[٢١١٥-] وَقَالَ لَنَا الْحُمَيْدِيُّ: ثَنَا سُفْيَانُ، ثَنَا عَمْرٌو، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي سَفَرٍ، فَكُنْتُ عَلَى بَكْرٍ صَعْبٍ لِعُمَرَ، فَكَانَ يَغْلِبُنِيْ، فَيَتَقَدَّمُ أَمَامَ الْقَوْمِ، فَيَزْجُرُهُ عُمَرُ وَيَرُدُّهُ، ثُمَّ يَتَقَدَّمُ فَيَزْجُرُهُ عُمَرُ وَيَرُدُّهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لِعُمَرَ: "بِعْنِيْهِ" فَقَالَ: هُوَ لَكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "بِعْنِيْهِ" فَبَاعَهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "هُوَ لَكَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ تَصْنَعُ بِهِ مَا شِئْتَ"

[انظر: ٢٦١٠، ٢٦١١]

وضاحت: یہ حدیث (ابواب البیوع باب ۳۴ میں) گذر چکی ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک اونٹ پر سوار تھے وہ اونٹ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تھا اور تیز طرار تھا، وہ بار بار آنحضور ﷺ کے اونٹ سے آگے نکل جاتا تھا، حضرت عمرؓ اس کو مارتے تھے تا کہ آگے نہ نکلے۔ نبی ﷺ نے وہ اونٹ خرید کر حضرت ابن عمرؓ کو بخش دیا، اور فرمایا: "اب یہ اونٹ تیرا ہے جو چاہے کر" غرض نبی ﷺ نے اونٹ خرید کر فوراً تفرق ابدان سے پہلے ابن عمرؓ کو وہ اونٹ بخش دیا اور حضرت عمرؓ نے اعتراض نہ کیا تو ان کا خیار ختم ہو گیا۔

[٢١١٦-] وَقَالَ اللَّيْثُ: ثَنِيْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: بِعْتُ مِنْ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ مَالاً بِالْوَادِيْ بِمَالٍ لَهُ بِخَيْبَرَ، فَلَمَّا تَبَايَعْنَا رَجَعْتُ عَلَى عَقِبَيَّ، حَتَّى خَرَجْتُ مِنْ بَيْتِهِ، خَشْيَةَ أَنْ يُرَادَّنِيْ الْبَيْعَ، وَكَانَتِ السُّنَّةُ أَنَّ الْمُتَبَايِعَيْنِ بِالْخِيَارِ حَتَّى يَتَفَرَّقَا، قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: فَلَمَّا وَجَبَ بَيْعِيْ وَبَيْعُهُ رَأَيْتُ أَنِّيْ قَدْ غَبَنْتُهُ، بِأَنِّيْ سُقْتُهُ إِلٰى أَرْضِ ثَمُوْدَ بِثَلاَثِ لَيَالٍ، وَسَاقَنِيْ إِلَى الْمَدِيْنَةِ بِثَلاَثِ لَيَالٍ. [راجع: ٢١٠٧]

ترجمہ:ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں نے امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اپنی وہ زمین جو وادی القری میں تھی ان کی اس زمین کے بدلے میں جو خیبر میں تھی بیچی، پس جب ہم معاملہ کر چکے تو میں الٹے پاؤں لوٹا، یہاں تک کہ میں ان کے گھر سے نکل گیا، اس اندیشہ سے کہ وہ مجھ پر بیع کو پھیر دیں گے، یعنی بیع کو توڑ دیں گے۔اور سنت (اسلامی طریقہ) یہ تھا کہ عاقدین کو اختیار حاصل ہوتا تھا جب تک وہ جدا نہ ہوں، عبداللہؓ کہتے ہیں: پس جب میری اور ان کی بیع لازم ہوگئی یعنی تفرق ابدان ہوگیا تو میں نے دیکھا (دل میں سوچا) کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گھاٹے میں رکھا، اس طرح کہ میں ان کو ثمود کے علاقہ سے قریب تین دن کے فاصلہ پر لے گیا اور وہ مجھے مدینہ سے قریب تین دن کے فاصلہ پر لے آئے۔

تشریح: یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے، حضرت ابن عمرؓ نے حضرت عثمان غنیؓ سے زمین بدلی، ان کی زمین وادی القری میں تھی اور حضرت عثمانؓ کی زمین خیبر میں تھی، جب معاملہ ہو چکا تو ابن عمرؓ نے سوچا: حضرت عثمانؓ گھاٹے میں رہے، اور میں فائدے میں رہا، کیونکہ حضرت عثمانؓ کی زمین مدینہ سے دور ہوگئی اور حضرت ابن عمرؓ مدینہ سے قریب آگئے، اور انھوں نے خیال کیا کہ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذہن اس طرف چلا گیا تو وہ معاملہ ختم کر دیں گے، اس لئے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے تفرق ابدان کر کے بیع کو لازم کر دیا، پس اصل حکم تو یہی ہے کہ ختم مجلس پر بیع لازم ہوتی ہے، مگر جب حضرت ابن عمرؓ نے مجلس بدل لی اور حضرت عثمانؓ نے اعتراض نہ کیا تو دلالۃً رضامندی پائی گئی اس لئے بیع لازم ہوگئی، اسی طرح اگر کسی اور طرح سے رضامندی پائی جائے تو مجلس بدلنے سے پہلے ہی خیار ختم ہو جائے گا۔

بَابُ مَايُكْرَهُ مِنَ الْخِدَاعِ فِي الْبَيْعِ

بیع میں دھوکہ ناجائز ہے

بیع میں کسی بھی طرح کا دھوکہ نہیں ہونا چاہئے، اس سے بیع کی برکت ختم ہو جاتی ہے۔

[۴۸-] بَابُ مَايُكْرَهُ مِنَ الْخِدَاعِ فِي الْبَيْعِ

[۲۱۱۷-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَجُلاً ذَكَرَ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ يُخْدَعُ فِي الْبُيُوْعِ، فَقَالَ: " إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ: لاَ خِلاَبَةَ"

[انظر: ۲۴۰۷، ۲۴۱۴، ۶۹۶۴]

وضاحت: یہ حدیث یہاں مختصر ہے، پورا واقعہ یہ ہے کہ حضرت حبان بن مُنقذ رضی اللہ عنہ کاروبار کرتے تھے اور گھاٹا پاتے تھے، ان کی عقل میں کمزوری تھی، سامان کتنے میں خریدا یہ بات بھول جاتے تھے اور اپنے خیال میں نفع سے بیچ دیتے تھے، اس طرح نقصان اٹھاتے تھے۔ان کے گھر والے ان کو کاروبار سے منع کرتے تھے مگر وہ مانتے نہیں تھے، چنانچہ گھر

والے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اوران کوکاروبار سے روکنے کی درخواست کی، آپؐ نے ان کو بلا کر کاروبار سے منع کیا مگر انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں کاروبار کرنے سے صبر نہیں کرسکتا، چنانچہ آپؐ نے ان کو ایک ایسی تدبیر بتائی کہ نہ سانپ بچے نہ لاٹھی ٹوٹے، فرمایا: جب کوئی چیز بیچا کروتو کہہ دیا کرو: هَاءَ وَهَاءَ وَلاَ خِلاَبَةَ! لواور لاؤ، سودے میں کوئی دھوکہ نہیں، ولی الخیار ثلاثة أیام: اور مجھے تین دن تک بیع رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے، اس تدبیر کا فائدہ یہ ہوگا کہ جب بھول یاد آئے گی تو معاملہ ختم کردیں گے، اور نقصان سے بچ جائیں گے۔ چنانچہ انھوں نے ہر ایک سے یہی کہنا شروع کردیا اور رفتہ رفتہ ان کا کاروبار ٹھپ ہوگیا، کیونکہ تین دن تک کون انتظار کرے گا؟

بَابُ مَاذُكِرَ فِي الْأَسْوَاقِ

بازاروں کے سلسلہ کی روایات

اس باب میں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بازار اور مارکیٹ کے بارے میں کیا روایتیں آئی ہیں ان کو دیکھنا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو جب ان کے انصاری بھائی حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ نے اپنا آدھا مال دینا چاہا تو انھوں نے لینے سے انکار کردیا اور پوچھا: کیا یہاں کوئی بازار ہے، جہاں کاروبار ہوتا ہو؟ پس بازار کا تذکرہ آگیا۔ اسی طرح جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تین مرتبہ سلام کرکے واپس لوٹے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بلا کر اس کی وجہ پوچھی: انھوں نے حدیث سنائی، حضرت عمرؓ نے گواہ طلب کیا، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے گواہی دی، پس حضرت عمرؓ نے فرمایا: ألهانی الصَّفْقُ بالأسواق: مجھے بازار میں کاروبار نے غافل کردیا! یہ حدیث بھی گذر چکی ہے اور باب سے مناسبت واضح ہے۔

[٤٩-] بَابُ مَاذُكِرَ فِي الْأَسْوَاقِ

[١-] وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ: لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ، قُلْتُ: هَلْ مِنْ سُوْقٍ فِيْهِ تِجَارَةٌ؟ فَقَالَ: سُوْقُ قَيْنُقَاعَ.

[٢-] وَقَالَ أَنَسٌ: قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ: دُلُّوْنِيْ عَلَى السُّوْقِ.

[٣-] وَقَالَ عُمَرُ: أَلْهَانِيْ الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ.

[٢١١٨-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوْقَةَ، عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، حَدَّثَتْنِيْ عَائِشَةُ، قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "يَغْزُوْ جَيْشٌ الْكَعْبَةَ، فَإِذَا كَانُوْا بِبَيْدَاءَ مِنَ الْأَرْضِ يُخْسَفُ بِأَوَّلِهِمْ وَآخِرِهِمْ" قَالَتْ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ! كَيْفَ يُخْسَفُ بِأَوَّلِهِمْ وَآخِرِهِمْ وَفِيْهِمْ أَسْوَاقُهُمْ وَمَنْ لَيْسَ مِنْهُمْ؟ قَالَ: "يُخْسَفُ بِأَوَّلِهِمْ وَآخِرِهِمْ، ثُمَّ يُبْعَثُوْنَ عَلٰى نِيَّاتِهِمْ"

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ایک لشکر کعبہ شریف کو ڈھانے کے لئے چلے گا، پس جب وہ چٹیل زمین میں ہوگا تو ان کے اگلے پچھلے سب زمین میں دھنسا دیئے جائیں گے'' حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگلے پچھلے سب کیسے دھنسائے جائیں گے، جبکہ ان میں ان کے دکاندار بھی ہونگے؟ (یہاں باب ہے) اور وہ ان (ڈھانے والوں) میں سے نہیں ہونگے یعنی ان کی کعبہ شریف کو ڈھانے کی نیت نہیں ہوگی، وہ صرف دکان لے کر ساتھ آئے ہونگے، آپؐ نے فرمایا: اول وآخر سب دھنسا دیئے جائیں گے، پھر وہ اپنی نیتوں کے مطابق (قیامت کے دن) اٹھائے جائیں گے۔

[۲۱۱۹-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا جَرِيْرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " صَلَاةُ أَحَدِكُمْ فِيْ جَمَاعَةٍ تَزِيْدُ عَلٰى صَلَاتِهِ فِي سُوْقِهِ وَبَيْتِهِ بِضْعًا وَعِشْرِيْنَ دَرَجَةً، وَذٰلِكَ: بِأَنَّهُ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ، ثُمَّ أَتَى الْمَسْجِدَ لَا يُرِيْدُ إِلَّا الصَّلَاةَ، لَا يَنْهَزُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ، لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً إِلَّا رُفِعَ بِهَا دَرَجَةٌ، وَحُطَّتْ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةٌ، وَالْمَلَائِكَةُ تُصَلِّيْ عَلٰى أَحَدِكُمْ مَادَامَ فِي مُصَلَّاهُ الَّذِيْ يُصَلِّيْ فِيْهِ، اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ! اللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ! مَا لَمْ يُحْدِثْ فِيْهِ، مَالَمْ يُؤْذِ فِيْهِ" وَقَالَ: " أَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاةٍ مَا كَانَتِ الصَّلَاةُ تَحْبِسُهُ" [راجع: ۱۷۶]

حوالہ: حدیث کی باب سے مناسبت واضح ہے، فی سوقہ باب سے متعلق ہے، اور ترجمہ وشرح کتاب الصلوٰۃ باب ۸۷ (تحفۃ القاری ۲:۳۳۶) میں ہے۔

[۲۱۲۰-] حدثنا آدَمُ بْنُ أَبِيْ إِيَاسٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيْلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِي السُّوْقِ، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا أَبَا الْقَاسِمِ! فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: إِنَّمَا دَعَوْتُ هٰذَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " سَمُّوْا بِاسْمِيْ وَلَا تَكَنَّوْا بِكُنْيَتِيْ"
[انظر: ۲۱۲۱، ۳۵۳۷]

[۲۱۲۱-] حدثنا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: دَعَا رَجُلٌ بِالْبَقِيْعِ: يَا أَبَا الْقَاسِمِ! فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: لَمْ أَعْنِكَ، قَالَ: " سَمُّوْا بِاسْمِيْ وَلَا تَكْنُوْا بِكُنْيَتِيْ" [راجع: ۲۱۲۰]

وضاحت: ایک مرتبہ نبی ﷺ بازار سے گذر رہے تھے، اسی جانب ایک اور شخص جارہا تھا، اس کی کنیت ابوالقاسم تھی، کسی نے پیچھے سے پکارا! او ابوالقاسم! نبی ﷺ نے پیچھے مڑ کر دیکھا، اس نے عرض کیا: میری مراد آپ نہیں بلکہ فلاں صاحب ہیں، اس وقت آپؐ نے فرمایا: ''میرے نام پر نام رکھو مگر میری کنیت مت رکھو''

تشریح: جاننا چاہئے کہ عربوں کی عادت تھی کہ وہ بڑے آدمی کا نام لے کر نہیں پکارتے تھے بلکہ کنیت سے پکارتے تھے، صحابہ حضور اکرم ﷺ کو یارسول اللہ! کہہ کر پکارتے تھے اور غیر مسلم ابوالقاسم کہہ کر پکارتے تھے، عام طور پر آپؐ کو نام سے نہیں پکارا جاتا تھا، اس لئے نبی ﷺ نے محمد نام رکھنے کی اجازت دی اور ابوالقاسم کنیت رکھنے کی ممانعت فرمائی، اور یہ ممانعت لغیرہ ہے، اور جہاں ممانعت لغیرہ ہوتی ہے وہاں لعینہ جواز ہوتا ہے، اس لئے اب نبی ﷺ کے دنیا سے تشریف بری کے بعد محمد نام اور ابوالقاسم کنیت رکھنا جائز ہے۔

[۲۱۲۲-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ يَزِيْدَ، عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ الدَّوْسِيِّ، قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِي طَائِفَةِ النَّهَارِ، لَا يُكَلِّمُنِيْ وَلَا أُكَلِّمُهُ، حَتَّى أَتَى سُوْقَ بَنِيْ قَيْنُقَاعَ، فَجَلَسَ بِفِنَاءِ بَيْتِ فَاطِمَةَ، فَقَالَ: أَثَمَّ لُكَعُ؟ أَثَمَّ لُكَعُ؟" فَحَبَسَتْهُ شَيْئًا، فَظَنَنْتُ أَنَّهَا تُلْبِسُهُ سِخَابًا أَوْ تُغَسِّلُهُ، فَجَاءَ يَشْتَدُّ حَتَّى عَانَقَهُ وَقَبَّلَهُ، فَقَالَ:" اللّٰهُمَّ أَحِبَّهُ وَأَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُ" قَالَ سُفْيَانُ: قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ: أَخْبَرَنِيْ أَنَّهُ رَأَى نَافِعَ بْنَ جُبَيْرٍ أَوْتَرَ بِرَكْعَةٍ.[انظر: ۵۸۸۴]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ دن کے ایک حصہ میں نکلے (حضرت ابو ہریرہؓ ساتھ تھے) نہ آپؐ مجھ سے بات کررہے ہیں اور نہ میں آپؐ سے بات کررہا ہوں، یہاں تک کہ آپؐ بنو قینقاع کے بازار میں آئے (یہاں باب ہے) —— حاشیہ میں ہے کہ اس کے بعد عبارت میں سقط ہے، مسلم شریف میں روایت اس طرح ہے: حتى جاء سوقَ بني قينقاع، ثم انصرف حتى أتى فناءَ فاطمة: آپؐ بنو قینقاع کے بازار میں آئے پھر واپس لوٹے یہاں تک کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے صحن میں آئے (اور بیٹھ گئے) اور پوچھا: کیا وہاں (گھر میں) بچہ ہے؟ کیا وہاں بچہ ہے؟ (مراد حضرات حسن یا حسین رضی اللہ عنہما ہیں) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بچہ کو کچھ دیر روک رکھا، پس میں نے سوچا کہ وہ بچہ کو ہار پہنا رہی ہیں یا نہلا رہی ہیں یعنی بچہ کو تیار کررہی ہیں، پس بچہ دوڑتا ہوا آیا یہاں تک کہ آپؐ نے اس کو گلے سے لگایا اور اس کو چوما اور فرمایا: ''اے اللہ! اس سے محبت فرما اور جو اس سے محبت کرے اس سے بھی محبت فرما!'' سفیان کہتے ہیں: عبید اللہ نے مجھ کو بتایا کہ انھوں نے نافع بن جبیر کو ایک رکعت وتر پڑھتے دیکھا ہے (معلوم ہوا کہ عبید اللہ کی نافع سے ملاقات ہے، اسی کو بیان کرنے کے لئے یہ بات لائے ہیں)

[۲۱۲۳-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، ثَنَا أَبُوْ ضَمْرَةَ، ثَنَا مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، ثَنَا ابْنُ عُمَرَ: أَنَّهُمْ كَانُوْا يَشْتَرُوْنَ الطَّعَامَ مِنَ الرُّكْبَانِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَيَبْعَثُ عَلَيْهِمْ مَنْ يَمْنَعُهُمْ أَنْ يَبِيْعُوْهُ حَيْثُ اشْتَرَوْهُ، حَتَّى يَنْقُلُوْهُ حَيْثُ يُبَاعُ الطَّعَامُ.

[انظر: ۲۱۳۱، ۲۱۳۷، ۲۱۶۶، ۲۱۶۷، ۶۸۵۲]

[۲۱۲۴-] وَقَالَ: وَثَنَا ابْنُ عُمَرَ: نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ يُبَاعَ الطَّعَامُ إِذَا اشْتَرَاهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ. [انظر: ۲۱۲۶، ۲۱۳۳، ۲۱۳۶]

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں لوگ لادیوں سے غلہ خریدا کرتے تھے، پس آپؐ ان کے پاس آدمی بھیجتے تھے جو ان کو اسی جگہ جہاں غلہ خریدا ہے غلہ بیچنے سے منع کرتا تھا جب تک وہ اس کو اس جگہ منتقل نہ کرلیں جہاں اناج بکتا ہے یعنی اپنی دکان میں لاکر بیچیں۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے غلہ خرید کر بیچنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ اس پر قبضہ کرلے۔

تشریح:

۱- یہ حدیث پہلی مرتبہ آئی ہے اور اہم ہے اور آگے بار بار آئے گی اس لئے اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ آج کل ایسا ہو رہا ہے کہ میں نے مثلاً بنگال سے کاغذ منگوایا، کاغذ ویگن (ریل گاڑی) میں بھر دیا گیا، وہ دس پندرہ دن کے بعد پہنچے گا، مگر بلٹی پہنچ گئی، میں نے پانچ فیصد نفع پر بلٹی بیچ دی، پھر خریدار نے کچھ نفع رکھ کر آگے بیچ دی، ابھی کاغذ پہنچا نہیں کہ کئی بیعیں ہو جاتی ہیں، یہ جائز نہیں، کیونکہ مبیع بائع کے قبضہ میں نہیں اور بیع کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ مبیع بائع کی ملکیت میں ہو اور مقدور التسلیم ہو۔

اور شریعت نے یہ شرط اس لئے رکھی ہے کہ 'قبالے' شروع نہ ہو جائیں، مبیع کا سرے سے وجود ہی نہ ہو اور اس کی خرید وفروخت ہونے لگے یہ 'قبالہ' ہے، مثلاً: ایک شخص کو ایک لاکھ روپے قرض چاہئیں اس نے کسی سے قرض مانگا، اس نے کہا: میرے پاس پیسے نہیں، البتہ آپ مجھ سے سرسوں خرید لیں، چنانچہ اس نے ایک سو دس روپے کے بھاؤ سے سو من سرسوں خرید لیا، بازار میں سو روپے بھاؤ چل رہا ہے، پھر نوے روپے کے حساب سے بائع ہی کو وہ سرسوں بیچ دیئے، اور اسے ایک لاکھ روپے مل گئے جبکہ سرسوں کا سرے سے وجود نہیں، اگر قبضہ سے پہلے بیع کی اجازت دیدی جائے گی تو یہ قبالے شروع ہو جائیں گے اس لئے شریعت نے بیع کی صحت کے لئے شرط لگادی کہ مبیع کا بائع کی ملکیت میں ہونا اور مقدور التسلیم ہونا ضروری ہے، یہ اس حدیث کا پس منظر ہے۔

مدینہ منورہ میں باہر سے جو لادیاں غلہ لے کر آتی تھیں ان سے لوگ غلہ خرید کر قبضہ سے پہلے ہی آگے بیچ دیا کرتے تھے، نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا، اور اگر کوئی ایسا کرتا تو محتسب اس کی خبر لے لیتا، غرض مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کو بیچنا جائز نہیں، اور شریعت نے یہ شرط اس لئے لگائی کہ قبالے شروع نہ ہو جائیں، یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمائی ہے جو بخاری کے اگلے صفحہ پر آرہی ہے۔

۲- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ہر چیز کا یہی حکم ہے اور حدیث میں لفظ طعام اتفاقی ہے یعنی ان کے نزدیک کوئی بھی چیز قبضہ سے پہلے بیچنا جائز نہیں، اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک طعام سے کھانے پینے کی

چیزیں مراد ہیں، ان کو قبضہ سے پہلے بیچنا جائز نہیں، ان کے علاوہ اشیاء قبضہ سے پہلے بیچ سکتے ہیں، اور شیخین ـــــ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ ـــــ کے نزدیک طعام سے تمام منقولات مراد ہیں، یعنی جو چیزیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوسکتی ہیں ان کو قبضہ سے پہلے بیچنا جائز نہیں اور غیر منقولات مثلاً زمین قبضہ سے پہلے بیچ سکتے ہیں، کیونکہ منقول اشیاء ہلاک ہوسکتی ہے اگر ان کو قبضہ سے پہلے بیچا گیا اور وہ چیز ہلاک ہوگئی تو بائع مبیع کس طرح سپرد کرے گا؟ اور غیر منقول میں ہلاک ہونے کا اندیشہ نہیں، پس اس کو قبضہ سے پہلے بیچ سکتے ہیں۔

بَابُ كَرَاهِيَةِ الصَّخَبِ فِي السُّوْقِ

بازار میں شور کرنا مکروہ ہے

اسواق کا تذکرہ آیا تھا اس لئے اب یہ بات بیان کرتے ہیں کہ مارکیٹ اور بازاروں میں شور وشغب نہیں کرنا چاہئے، لوگ سکون واطمینان سے کاروبار کریں۔

[٥٠-] بَابُ كَرَاهِيَةِ الصَّخَبِ فِي السُّوْقِ

[٢١٢٥-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ، ثَنَا فُلَيْحٌ، ثنا هلَالٌ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، لَقِيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، قُلْتُ: أَخْبِرْنِيْ عَنْ صِفَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِي التَّوْرَاةِ؟ قَالَ: أَجَلْ، وَاللّٰهِ إِنَّهُ لَمَوْصُوْفٌ فِي التَّوْرَاةِ بِبَعْضِ صِفَتِهِ فِي الْقُرْآنِ: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيْرًا، وَحِرْزًا لِلْأُمِّيِّيْنَ، أَنْتَ عَبْدِيْ وَرَسُوْلِيْ، سَمَّيْتُكَ الْمُتَوَكِّلَ، لَيْسَ بِفَظٍّ وَلاَ غَلِيْظٍ، وَلاَ صَخَّابٍ فِي الْأَسْوَاقِ، وَلاَ يَدْفَعُ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ، وَلٰكِنْ يَعْفُوْ وَيَغْفِرُ، وَلَنْ يَقْبِضَهُ اللّٰهُ حَتَّى يُقِيْمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَاءَ، بِأَنْ يَقُوْلُوْا: لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ، وَتُفْتَحُ بِهَا أَعْيُنٌ عُمْيٌ، وَآذَانٌ صُمٌّ، وَقُلُوْبٌ غُلْفٌ"

تَابَعَهُ عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ هِلَالٍ، وَقَالَ سَعِيْدٌ، عَنْ هِلَالٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ سَلَامٍ.

[انظر: ٤٨٣٨]

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: غُلْفٌ: كُلُّ شَيْءٍ فِي غِلَافٍ، فَهُوَ أَغْلَفُ، سَيْفٌ أَغْلَفُ، وَقَوْسٌ غَلْفَاءُ: وَرَجُلٌ أَغْلَفُ: إِذَا لَمْ يَكُنْ مَخْتُوْنًا.

ترجمہ: حضرت عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں: میری حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی، میں نے عرض کیا: مجھ سے نبی ﷺ کی وہ صفات بیان کریں جو تورات (انبیاء بنی اسرائیل کی کتابوں) میں ہیں، حضرت عبداللہؓ نے فرمایا: ہاں! قسم بخدا! انبیاء بنی اسرائیل کی کتابوں میں آپؐ کی بعض صفات تو وہی ہیں جو قرآن میں ہیں: "اے نبی! ہم

نے آپؐ کو گواہ بنا کر، اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے'' (آپؐ کی یہ تینوں صفات انبیاء بنی اسرائیل کی کتابوں میں بھی آئی ہیں اور بعض صفات وہ ہیں جو صرف گذشتہ کتابوں میں ہیں اور وہ یہ ہیں:) اور آپؐ ناخواندہ امت کے محافظ ہونگے، آپؐ میرے بندے اور میرے رسول ہیں، میں نے آپؐ کا نام متوکل رکھا ہے، آپؐ بداخلاق اور سخت گو نہیں ہونگے اور بازاروں میں شور کرنے والے نہیں ہونگے (یہاں باب ہے) اور برائی کو برائی سے دور نہیں کریں گے یعنی برائی کا جواب برائی سے نہیں دیں گے، بلکہ درگذر کریں گے اور معاف کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ آپؐ کی روح قبض نہیں کریں گے یہاں تک کہ سیدھا کریں، اللہ تعالیٰ آپؐ کے ذریعہ ٹیڑھی ملت کو بایں طور کہ وہ کہیں: ''اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں'' اور آپؐ کے ذریعہ اندھی آنکھیں اور بہرے کان اور بند دل کھول دیئے جائیں۔

سند کی بحث:

یہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے یا حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی؟ اس سلسلہ میں ہلال بن علی قرشی مدنی کے تلامذہ میں اختلاف ہے، فلیح بن سلیمان حضرت عبداللہ بن عمرو تک سند پہنچاتے ہیں اور عبد العزیز بن ابی سلمہ ان کے متابع ہیں یعنی وہ بھی اس کو حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث بتاتے ہیں اور سعید بن ابی ہلال: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی حدیث قرار دیتے ہیں۔

لغات: امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **غُلف**: ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو لفافہ میں چھپائی گئی ہو، صفت کا صیغہ **أغلف** ہے (کہتے ہیں) **سَیفٌ أَغْلَفُ**: میان میں بند تلوار۔ **قوسٌ غَلْفَاءُ**: تھیلے وغیرہ میں بند کمان، **غلفاء**: **أغلف** کا مؤنث ہے، اور قوس مؤنث سماعی ہے۔ **رجلٌ أغلف**: ایسا شخص جس کی ختنہ نہ ہوئی ہو، جس کا حشفہ چمڑی میں چھپا ہوا ہو (**الغلاف**: ڈھکنا جس سے کوئی چیز چھپائی جائے، لفافہ جس میں خط رکھا جائے .... **الغُلْفَة**: ختنہ کی کھال۔ عضو تناسل کے اگلے حصہ پر مڑھی ہوئی کھال جو ختنہ میں کاٹی جاتی ہے)

تشریح:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بنی اسرائیل کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے، اور ان میں جو باتیں تھیں ان کو بیان کرتے تھے، اس لئے حضرت عطاء رحمہ اللہ نے ان سے پوچھا کہ توریت میں نبی ﷺ کی کیا صفات آئی ہیں؟ تورات سے اہل کتاب کی سب کتابیں مراد ہیں، خاص تورات مراد نہیں، جیسے کوئی بات اسلامی کتابوں میں ہوتی ہے تو غیر مسلم کہتے ہیں: مسلمانوں کے قرآن میں یہ لکھا ہے، یہی تعبیر یہاں بھی ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کچھ صفتیں بنی اسرائیل کی کتابوں میں وہی ہیں جو قرآن میں بھی ہیں، مثلاً شاہد اور بشر و نذیر ہونا۔ اور کچھ صفات مزید ہیں۔ حضرت عبداللہ نے پانچ صفات بیان کی ہیں:

۱- آپ ﷺ شاہد، مبشر اور نذیر ہیں، آپؐ کی یہ صفتیں سورۃ الاحزاب (آیت ۴۵) میں بھی آئی ہیں، شاہد کے معنی ہیں:

دیکھنے والا، گواہ (گواہی رویت (علم قطعی) کی بنیاد پر دی جاتی ہے) آپ ﷺ نے لوگوں کو دین کی دعوت دی، اور بچشم خود دیکھا کہ کس نے مانا اور کس نے نہیں مانا، پھر قیامت کے دن آپؐ اس کی گواہی دیں گے، اور آپؐ کے بعد آپؐ کی امت میں سے جو لوگ دعوت وتبلیغ کا کام کریں گے وہ بھی گواہی دیں گے کہ کس نے بات مانی اور کس نے نہیں مانی، اور یہ مضمون سورۃ الحج (آیت ۷۸) میں آیا ہے: ﴿لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ، وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾: تاکہ رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہوں، اور تم لوگوں پر گواہ ہوؤ، چنانچہ شہدائے احد کے حق میں آپؐ نے فرمایا: أنا شهيد على هؤلاء: میں ان لوگوں کے حق میں گواہی دونگا کہ ان حضرات نے دین قبول کیا، اور اس کی راہ میں خون کا آخری قطرہ بھی بہادیا۔

اور خوش خبری سنانا اور ڈرانا: دعوت وتبلیغ کے دو بازو ہیں۔ جب لوگوں کو دین کی دعوت دیں گے تو جو لوگ اس دعوت کو قبول کریں گے ان کو جنت کی خوش خبری سنائیں گے، اور جو انکار کریں گے ان کو جہنم کے عذاب سے ڈرائیں گے۔

۲- آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ناخواندہ لوگوں (عربوں) کا محافظ بنا کر بھیجا ہے، سورۃ الزخرف (آیت ۴۴) میں ہے: ﴿وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَكَ وَلِقَوْمِكَ﴾: اور قرآن آپؐ کے لئے اور آپؐ کی قوم کے لئے بقائے ذکر کا ذریعہ ہے، رہتی دنیا تک آپؐ کے ذریعہ عربوں کا ذکر خیر باقی رہے گا۔ یہی حِرْزًا للأمين کا مطلب ہے، اور یہ أرسلناك کا مفعول ہے۔

۳- أنتَ عبدي ورسولي: (اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) آپؐ میرے بندے اور میرے رسول ہیں، آنحضور ﷺ کی سب سے بڑی قابل فخر صفت: اللہ کا بندہ ہونا ہے، اور آپؐ کی سب سے بڑی فضیلت 'اللہ کا رسول' ہونا ہے، پہلی صفت اللہ کے تعلق سے ہے، یعنی بایں ہمہ عظمت ورفعت آپؐ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، کچھ شانِ الوہیت آپؐ میں پیدا نہیں ہوگئی۔ اور دوسری صفت مخلوقات کے تعلق سے ہے کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے عظیم المرتبت نمائندے ہیں، ان کا مقام: بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر ہے۔

۴- سميتُك المتوكل: (اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:) میں نے آپؐ کا نام متوکل (اللہ پر بھروسہ کرنے والا) رکھا ہے، آپؐ کا اللہ کی ذات پر بھروسہ کس درجہ کا تھا، اس کے تذکرے سے آپؐ کی سیرتِ طیبہ بھری پڑی ہے۔

۵- اور آپؐ کے اخلاقِ عالیہ یہ تھے: آپؐ تندخو سخت طبیعت نہیں تھے، اور آپؐ بازاروں میں چلا کر نہیں بولتے تھے (صَخَّاب اور سَخَّاب (ص اور سین کے ساتھ): زور سے چلانے والا) اور آپؐ برے برتاؤ کا ترکی بہ ترکی جواب نہیں دیتے تھے، بلکہ درگذر کرتے تھے اور معاف فرمادیتے تھے۔

فائدہ: آنحضور ﷺ کی صفات دو طرح کی ہیں: خاص اور عام، خاص: جیسے آپؐ کا رسول ہونا، ان میں تو کوئی آپؐ کے ساتھ حصہ دار نہیں ہوسکتا، اور جو صفات عام ہیں ان کو اپنے اندر پیدا کرنا چاہئے، جیسے اللہ تعالیٰ کی جو صفات عام ہیں ان کو اپنے اندر پیدا کرنے کا حکم ہے، فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جو ان کا احاطہ کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔ احصاء کے مفہوم میں تین باتیں شامل ہیں: ایک: ان ناموں کو یاد کرنا، دوم: ان کے معانی سمجھنا، سوم: عام صفات کو اپنے اندر پیدا کرنا،

جیسے مخلوق پر مہربانی کرنا، جب یہ تینوں باتیں حاصل ہونگی تب احصاء کا تحقق ہوگا اور بندہ دخل الجنة کی بشارت کا مستحق ہوگا۔

اسی طرح نبی ﷺ کی جو خوبیاں عام ہیں، آپؐ کے ساتھ خاص نہیں، وہ خوبیاں مؤمن کے اندر پیدا ہونی چاہئیں۔ آپؐ مارکیٹ میں زور سے نہیں بولتے تھے، آپؐ نرم مزاج تھے، تندخو اور سخت طبیعت نہیں تھے، اور برابر تاؤ کرنے والے سے درگذر فرماتے تھے اور معاف کردیتے تھے: یہ سب خوبیاں ہر امتی کو اپنے اندر پیدا کرنی چاہئیں۔

۶- گذشتہ کتابوں میں آنحضور ﷺ کی جو صفات مذکور ہیں ان میں سے ایک صفت یہ ہے کہ جب تک ٹیڑھی ملت (ملت جاہلیہ) سیدھی نہ ہوجائے یعنی جزیرۃ العرب کے لوگ جو آپؐ کی پہلی امت ہیں خالص توحید پر نہ آجائیں آپؐ کی وفات نہیں ہوگی۔ جزیرۃ العرب کے لوگ ملتِ ابراہیمی اسماعیلی پر تھے، مگر سیدھے نہیں رہے تھے، ٹیڑھے ہوگئے تھے، ان کے اعمال وعقائد میں کفر کی آمیزش ہوگئی تھی۔ نبی پاک ﷺ نے کلمۂ توحید پر لاکر ان کو سیدھا کیا اور جب پورا جزیرۃ العرب حلقہ بگوش اسلام ہوگیا تو آپؐ کی وفات ہوگئی۔ سورۃ الجمعہ میں آپؐ کی امت کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے: امیین اور آخرین، اور واو کے ذریعہ عطف کیا ہے، جو من وجہٍ اتحاد اور من وجہٍ مغائرت کو چاہتا ہے، اتحاد بایں معنی کہ دونوں آپ ﷺ کی امت ہیں اور مغائرت بایں معنی کہ پہلی امت کی دعوت براہِ راست آپؐ کے ذمہ رکھی گئی ہے اور آخرین کو دعوت دینا امیین کے توسط سے آپؐ کے ذمہ ہے۔ چنانچہ جزیرۃ العرب میں جب دعوت کا کام مکمل ہونے آیا تو سورۃ الفتح نازل ہوئی اور آپؐ کو اطلاع دی گئی کہ آپؐ کا کام پورا ہوگیا، اب آپؐ ہمارے پاس آنے کی تیاری کریں، چنانچہ آپؐ نے فرمایا: نُعِیْتُ إِلی نفسی: مجھے اپنی موت کی اطلاع دیدی گئی۔

بَابُ الْکَیْلِ عَلَی الْبَائِعِ وَالْمُعْطِیْ

مبیع کو ناپنا بیچنے والے اور دینے والے کے ذمہ ہے

مبیع تول کر اور ناپ کر دینا بائع کی ذمہ داری ہے، لہٰذا اگر اس پر خرچ آئے تو بائع اس خرچ کو برداشت کرے۔ سورۃ المطففین میں ہے: ﴿وَإِذَا کَالُوْهُمْ أَوْ وَزَنُوْهُمْ یُخْسِرُوْنَ﴾: جب ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر یعنی کم ناپ تول کر دیتے ہیں۔ کالوھم میں حرفِ جر پوشیدہ ہے أی کالوا لھم، اسی طرح وزنوھم میں بھی حرفِ جر پوشیدہ ہے أی وَزَنوا لھم، جیسے: ﴿یَسْمَعُوْنَکُمْ﴾ (الشعراء آیت: ۷۲) میں حرفِ جر پوشیدہ ہے، أی یسمعون لکم۔ اور حدیث میں ہے: ''ناپ کرلو، یہاں تک کہ پورا لو'' ناپے اور تولے بغیر لے گا تو کم بھی آسکتا ہے اور زیادہ بھی، کم آئے گا تو اپنا نقصان ہوگا اور زیادہ میں دوسرے کا حق کھانا ہے اس لئے ناپ تول کر لینا چاہئے تا کہ زیادہ آئے نہ کم، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: ''جب بیچو تو ناپ کردو، اور جب خریدو تو ناپ کرلو'' غرض ناپ تول کر دینا بائع کی ذمہ داری ہے یہ اس باب کا مقصود ہے۔

[۵۱-] بَابُ الْكَيْلِ عَلَى الْبَائِعِ وَالْمُعْطِي

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿وَإِذَا كَالُوْهُمْ أَوْ وَزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ﴾[المطففين:٣] يَعْنِيْ كَالُوْا لَهُمْ، أَوْ وَزَنُوْا لَهُمْ، كَقَوْلِهِ: ﴿يَسْمَعُوْنَكُمْ﴾[الشعراء: ٧٣]: يَسْمَعُوْنَ لَكُمْ. وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "اكْتَالُوْا حَتَّى يَسْتَوْفُوْا" وَيُذْكَرُ عَنْ عُثْمَانَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَهُ: "إِذَا بِعْتَ فَكِلْ، وَإِذَا ابْتَعْتَ فَاكْتَلْ"

[٢١٢٦-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلاَ يَبِعْهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ"[راجع: ٢١٢٦]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے خریدی کوئی کھانے پینے کی چیز تو وہ اس کو نہ بیچے یہاں تک کہ وہ اس کو پورا پورا وصول کرلے، یعنی ناپ تول کر اپنے قبضہ میں کرلے پھر آگے بیچے''

تشریح: یہ حکم طعام کے ساتھ خاص ہے یا عام ہے؟ یعنی صرف کھانے پینے کی چیزیں قبضہ سے پہلے بیچنا جائز نہیں یا ہر چیز کا یہی حکم ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ حکم طعام کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ ان کا بکثرت معاملہ ہوتا ہے، عام چیزیں کبھی کبھار خریدی بیچی جاتی ہیں، مگر کھانے پینے کی چیزیں ہر روز صبح سے شام تک ہر دکان سے خریدی بیچی جاتی ہیں، اس لئے اس میں فساد کا احتمال زیادہ ہے، اس لئے یہ حکم طعام کے ساتھ خاص ہے، اور شیخین رحمہ اللہ کے نزدیک طعام سے تمام منقولات مراد ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ طعام کی طرح منقولات میں بھی فساد کا احتمال ہے اس لئے ان کو قبضہ کے بعد بیچنے کا حکم ہے، کیونکہ اگر قبضہ سے پہلے بیچ دیا پھر مبیع ہلاک ہوگئی تو مشتری کو کیا دے گا؟ اور غیر منقولات یعنی زمین وغیرہ میں ہلاک ہونے کا احتمال نہیں اس لئے اس کو قبضہ سے پہلے بیچ سکتے ہیں، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ہر چیز کا خواہ وہ طعام کے قبیل سے ہو یا غیر طعام کے، منقولات ہوں یا غیر منقولات، سب کا یہی حکم ہے، یعنی قبضہ سے پہلے کوئی چیز بیچنا جائز نہیں۔

قولہ: حتی یستوفیہ: یہاں تک کہ وہ مبیع کو پورا پورا وصول کرلے، پورا پورا وصول کرنے کا کیا مطلب ہے؟ پہلے بتلایا تھا کہ بیع صرف میں یعنی سونے چاندی کی بیع میں أخذ بالبراجم ضروری ہے، یعنی جب متعاقدین اپنے اپنے عوض ہاتھ میں لے لیں تب قبضہ ہوگا اور یہی پورا پورا وصول کرنا ہے، اور دیگر عروض (سامان) میں تخلیہ سے بھی قبضہ ہوجاتا ہے، جب بائع نے کتاب الماری میں سے نکال کر مشتری کے سامنے رکھ دی کہ لیجئے آپ کی کتاب تو تخلیہ ہوگیا، اب مشتری اس کو بیچ سکتا ہے، چاہے اس نے کتاب پر ہاتھ نہ رکھا ہو اور نبی ﷺ نے جو تاجروں کو حکم دیا تھا کہ لادیوں سے غلہ خرید کر وہیں مت بیچو بلکہ مارکیٹ میں لے جاکر بیچو وہ حکم بربنائے مصلحت تھا، ورنہ جب لادی سے غلہ خرید لیا اور بائع نے غلہ الگ کرکے سونپ

دیا تو تخلیہ ہوگیا پس اس کو بیچ سکتا ہے، مگر نبی ﷺ نے مصلحتاً اس سے منع فرمایا تھا، اور وہ مصلحت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمائی ہے کہ اگر یہ سلسلہ شروع ہوگا تو نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ غلہ سرے سے موجود نہیں ہوگا اور اس کی خرید وفروخت شروع ہو جائے گی، اور اس طرح قبالے شروع ہو جائیں گے۔

[۲۱۲۷-] حدثنا عَبْدَانُ، أَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ مُغِيْرَةَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: تُوُفِّيَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ حَرَامٍ، وَعَلَيْهِ دَيْنٌ، فَاسْتَعَنْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم عَلٰى غُرَمَائِهِ أَنْ يَضَعُوْا مِنْ دَيْنِهِ، فَطَلَبَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِلَيْهِمْ فَلَمْ يَفْعَلُوْا، فَقَالَ لِيَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "اذْهَبْ فَصَنِّفْ تَمْرَكَ أَصْنَافًا: الْعَجْوَةَ عَلٰى حِدَةٍ، وَعِذْقَ زَيْدٍ عَلٰى حِدَةٍ، ثُمَ أَرْسِلْ إِلَيَّ" فَفَعَلْتُ ثُمَّ أَرْسَلْتُ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَجَاءَ فَجَلَسَ عَلٰى أَعْلَاهُ أَوْ: فِي وَسَطِهِ، ثُمَّ قَالَ: "كِلْ لِلْقَوْمِ" فَكِلْتُهُمْ حَتَّى أَوْفَيْتُهُمُ الَّذِيْ لَهُمْ، وَبَقِيَ تَمْرِيْ كَأَنَّهُ لَمْ يَنْقُصْ مِنْهُ شَيْءٌ.

وَقَالَ فِرَاسٌ، عَنِ الشَّعْبِيِّ: ثَنِيْ جَابِرٌ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: فَمَا زَالَ يَكِيْلُ لَهُمْ حَتَّى أَدَّاهُ. وَقَالَ هِشَامٌ، عَنْ وَهْبٍ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "جُدَّ لَهُ فَأَوْفِ لَهُ"

[انظر: ۲۳۹۵، ۲۳۹۶، ۲۴۰۵، ۲۶۰۱، ۲۷۰۹، ۲۷۸۱، ۳۵۸۰، ۴۰۵۳، ۶۲۵۰]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: عبداللہ (حضرت جابرؓ کے والد) شہید کئے گئے درانحالیکہ ان پر قرض تھا، پس میں نے ابا کے قرض خواہوں پر نبی ﷺ سے مدد مانگی کہ وہ ابا کا کچھ قرض معاف کردیں، پس نبی ﷺ نے ان کو بلاکر اس سلسلہ میں بات کی، مگر انھوں نے قرض معاف نہیں کیا، پس نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا: جاؤ اور اپنی کھجوروں کی قسمیں بناؤ، عجوہ کی الگ اور عذق کی الگ، یعنی ہر قسم کی کھجور کی الگ ڈھیری لگاؤ، پھر مجھے بلاؤ، پس میں نے ایسا ہی کیا، پھر میں نے نبی ﷺ کو بلایا، پس آپؐ آئے اور سب سے بڑی ڈھیری کے پاس یا فرمایا ڈھیریوں کے بیچ میں بیٹھے، پھر فرمایا: لوگوں کو ناپ کردو (یہاں باب ہے) پس میں نے ان کو ناپ کردیا، یہاں تک کہ میں نے ان سب کا قرض ادا کردیا، اور میری کھجوریں جوں کی توں رہیں، گویا ان میں سے ایک کھجور بھی کم نہیں ہوئی۔

اور فراسؒ: شعبیؒ سے وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے وہ نبی ﷺ سے اسی کے مانند روایت کرتے ہیں، اس میں ہے کہ حضرت جابرؓ برابر ناپتے رہے، یہاں تک کہ سارا قرض ادا کردیا۔ اور ہشام نے وہب سے انھوں نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا کہ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: "کھجوریں توڑو اور قرض خواہوں کا پورا قرض دیدو"

تشریح: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جنگ احد میں شہید ہوئے تھے اور ان پر یہودیوں کا قرض تھا، جب باغ میں کھجوریں پکیں تو حضرت جابرؓ نے قرض خواہوں سے کہا کہ ساری کھجوریں لے لو اور باقی قرض

معاف کردو، قرض خواہوں نے انکار کیا، کیونکہ کھجوریں کم تھیں اور قرض زیادہ تھا۔ حضرت جابرؓ نے آنحضور ﷺ سے سفارش کروائی، آپؐ نے قرض خواہوں کو بلا کر بات کی، مگر وہ تیار نہ ہوئے، چنانچہ آپؐ نے حضرت جابرؓ سے فرمایا کہ باغ میں جا کر ہر قسم کی کھجور کی الگ ڈھیری لگاؤ، پھر آنحضور ﷺ تشریف لے گئے، اور سب سے بڑی ڈھیری کے پاس یا ڈھیریوں کے بیچ میں بیٹھے، اور حضرت جابرؓ سے فرمایا: ایک ایک قرض خواہ کو بلاؤ اور تول کر کھجوریں دینا شروع کرو، چنانچہ حضرت جابرؓ نے باری باری سب کو بلا کر تول تول کر قرض چکا دیا، سب کا قرض ادا ہو گیا اور ڈھیریوں میں سے ایک کھجور بھی کم نہ ہوئی، اندازہ کرنا مشکل تھا کہ پہلے کھجوریں زیادہ تھیں یا اب۔ غرض حضرت جابر رضی اللہ عنہ معطی تھے، اس لئے انھوں نے ناپ کر دیا، اور یہی باب ہے کہ ناپ تول کر دینے کی ذمہ داری بائع اور معطی کی ہے۔

بَابُ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْكَيْلِ

وہ ناپنا جو مستحب ہے

باب میں یہ روایت ہے کہ اپنا کھانا ناپا کرو، اس سے تمہارے لئے برکت ہوگی، اور ایک روایت میں ممانعت ہے۔ لَاتُحْصِيْ فَيُحْصٰى عليكِ یعنی سینت کر مت رکھو ورنہ تمہیں بھی گن کر دیا جائے گا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میرے پاس تھوڑے جَو تھے، میں ان میں سے کافی دنوں تک کھاتی رہی، پھر ایک دن میں نے ان کو ناپا تو جَو ختم ہو گئے، یعنی ناپنے سے برکت ختم ہو گئی۔

اس تعارض کا حل یہ ہے کہ دونوں روایتوں کا مصداق الگ الگ ہے، حضرت الاستاذ قدس سرہ پوری بخاری شریف پڑھاتے تھے، سال کے آخر میں اگر کوئی صفحے گنتا تو بہت غصے ہوتے اور فرماتے: اس سے برکت ختم ہو جاتی ہے اور آپ خود جتنے صفحے پڑھانے ہوتے تھے گن کر مطالعہ کر کے آتے تھے، یہ گننا الگ ہے اور وہ گننا الگ ہے، اسی طرح گیہوں پسوا کر آٹا ڈبے میں بھر دیا، اس میں سے پکانے کے لئے ناپ کر نکالنا چاہئے، اگر بے حساب آٹا نکالیں گے تو کبھی روٹیاں کم پڑ جائیں گی اور کبھی بچ جائیں گی اور بے کار ہو جائیں گی، اس لئے ناپ کر جتنی ضرورت ہو اتنا ہی آٹا نکالنا چاہئے، اس سے برکت ہوتی ہے، اور ڈبے میں جو آٹا ہے اسے نہیں ناپنا چاہئے، اس سے بے برکتی ہو جاتی ہے۔ غرض دونوں حدیثوں کا مصداق الگ الگ ہے، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ یہ باب لائے کہ کونسا ناپنا مستحب ہے اور کونسا ناپا بے برکتی کا سبب ہے؟

[۵۲-] بَابُ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْكَيْلِ

[۲۱۲۸-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسَى، ثَنَا الْوَلِيْدُ، عَنْ ثَوْرٍ، عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ، عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "كِيْلُوْا طَعَامَكُمْ يُبَارَكْ لَكُمْ"

بَابُ بَرَكَةِ صَاعِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَمُدِّهِ

نبی ﷺ کے صاع اور مد میں برکت

پہلے یہ بات بتائی ہے کہ مدینہ منورہ میں جو مد استعمال ہوتا تھا وہ دو رطل کا تھا اور صاع پانچ رطل اور تہائی رطل کا تھا، اور جزیرۃ العرب میں مدّ تو وہی تھا جو مدینہ میں استعمال ہوتا تھا مگر صاع بڑا تھا یعنی آٹھ رطل کا تھا، اس سے مدینہ کے تاجروں کو پریشانی تھی، وہ تھوک میں صاع سے خریدتے تھے اور خردے میں مدّ سے بیچتے تھے یعنی چھوٹے پیمانے سے لیتے تھے اور بڑے پیمانے سے دیتے تھے، اس سے گھاٹا ہوتا تھا، چنانچہ صحابہ نے آنحضور ﷺ سے صاع بڑا کرنے کی درخواست کی مگر آپؐ نے ایسا نہیں کیا، صرف مدینہ کے صاع اور مد میں برکت کی دعا فرمائی۔ آنحضور ﷺ کی آرزو تھی کہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات ہو کہ کوئی حق تلفی کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو، اگر آپؐ صاع بڑا کرتے تو جن تاجروں نے چھوٹے صاع سے خرید کر اسٹاک کیا ہے ان کا نقصان ہوتا اس لئے آپؐ نے صرف دعا فرمائی اور صاع بڑا نہیں کیا۔

پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلامی حکومت پھیل گئی اور روم، شام، ایران اور مصر وغیرہ اسلامی حکومت میں شامل ہوئے تو اب یہ بات چلنے والی نہیں تھی، اب دو ہی صورتیں تھیں یا مد چھوٹا کر دیا جائے، مگر اس میں خلفشار ہوتا یا صاع بڑا کر دیا جائے اور اس میں کوئی خاص پریشانی نہیں تھی اس لئے کہ مدینہ کے علاوہ سارے جزیرۃ العرب میں آٹھ رطل کا صاع مستعمل تھا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آٹھ رطل کا صاع کر دیا، تفصیل تحفۃ الالمعی (۵۳۶:۲) میں ہے۔

فائدہ: حکومت کے لئے کنٹرول ریٹ قائم کرنا جائز نہیں، اس میں تاجروں کا نقصان ہے، لیکن اگر بھاؤ بہت زیادہ بڑھ جائیں اور ضرر عام لازم آئے تو حکومت قیمتوں پر کنٹرول کر سکتی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل سے اس کا جواز ثابت ہو، اضرر عام کے ازالہ کے لئے ضرر خاص برداشت کیا جا سکتا ہے، یہ بات اہون ہے۔ دیکھئے: تحفۃ الالمعی (۲۴۲:۴)

[۵۳-] بَابُ بَرَكَةِ صَاعِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَمُدِّهِ

فِيْهِ عَائِشَةُ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

[۲۱۲۹-] حدثنا مُوْسَى، ثَنَا وُهَيْبٌ، ثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ زَيْدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " إِنَّ إِبْرَاهِيْمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَدَعَا لَهَا، وَحَرَّمْتُ الْمَدِيْنَةَ كَمَا حَرَّمَ إِبْرَاهِيْمُ مَكَّةَ، وَدَعَوْتُ لَهَا فِي مُدِّهَا وَصَاعِهَا مِثْلَ مَا دَعَا إِبْرَاهِيْمُ لِمَكَّةَ"

[۲۱۳۰-] حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْ مِكْيَالِهِمْ، وَبَارِكْ لَهُمْ فِيْ صَاعِهِمْ، وَمُدِّهِمْ" يَعْنِيْ: أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ. [انظر: ٦٧١٤، ٧٣٣١]

قولہ: فیہ عائشة: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت کتاب الحج کے آخر میں گذری ہے (حدیث ۱۸۸۹)

بَابُ مَا يُذْكَرُ فِي بَيْعِ الطَّعَامِ وَالْحُكْرَةِ

وہ روایت جو غلہ بیچنے اور ذخیرہ کرنے کے بارے میں آئی ہے

غلہ کی تجارت جائز ہے اور جو غلہ کی تجارت کرے گا وہ ضرورت کے بقدر دکان میں غلہ کا اسٹاک بھی کرے گا، پس یہ بھی جائز ہے۔ دو لفظ ہیں: احتکار اور حُکرۃ، دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، مگر یہاں حُکرۃ: اسٹاک کرنے کے معنی میں ہے، احتکار یعنی ذخیرہ اندوزی کے معنی میں نہیں ہے۔ ذخیرہ اندوزی یہ ہے کہ کوئی چیز بڑی مقدار میں خرید کر رکھ لی جائے اور گرانی کا انتظار کیا جائے اور جب تک بھاؤ نہ بڑھے نہ بیچی جائے، یہ جائز نہیں۔ حدیث میں ہے: لَايَحْتَكِرُ إلا خاطئٌ: ذخیرہ اندوزی خطاکار ہی کرتا ہے (ترمذی حدیث ۱۲۵۲) اور وہ ممنوع اس لئے ہے کہ اس سے چیزوں کی قلت ہوجاتی ہے بلکہ تجار اس طرح مصنوعی قحط پیدا کردیتے ہیں، اور اسٹاک کرنا یہ ہے کہ دکان کی ضرورت کے بقدر چیز خرید کر رکھ لی جائے اور فروختگی جاری رکھی جائے، یہ جائز ہے، کیونکہ اس سے نہ داموں پر اثر پڑتا ہے نہ قحط سالی پیدا ہوتی ہے۔ باب میں جو حدیثیں ہیں ان میں ذخیرہ اندوزی کی ممانعت کا کوئی تذکرہ نہیں، بلکہ حضرت رحمہ اللہ نے **بیع الطعام** اور **حکرۃ** کو ساتھ رکھ کر اس کے جواز کی طرف اشارہ کیا ہے، معلوم ہوا کہ یہاں **حکرۃ** اسٹاک کرنے کے معنی میں ہے، احتکار یعنی ذخیرہ اندوزی کے معنی میں نہیں ہے۔

[٥٤-] بَابُ مَا يُذْكَرُ فِي بَيْعِ الطَّعَامِ وَالْحُكْرَةِ

[٢١٣١-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ: ثَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: رَأَيْتُ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ الطَّعَامَ مُجَازَفَةً، يُضْرَبُوْنَ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، أَنْ يَبِيْعُوْهُ حَتَّى يُؤْوُوْهُ إِلَى رِحَالِهِمْ. [انظر: ٢١٣٣]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے ان لوگوں کو دیکھا ہے جو غلہ بے تعیین خریدتے تھے، وہ نبی ﷺ کے زمانہ میں مارے جاتے تھے، یعنی داروگیر کرنے والا (محتسب) تنبیہ کے طور پر مارتا تھا، اس بات پر کہ وہ اس کو بیچتے تھے (اسی جگہ جہاں خریدتے تھے جب کہ حکم یہ تھا کہ نہ بیچیں وہ غلہ کو) یہاں تک کہ ٹھکانہ دیں وہ اس کو اپنے ڈیروں میں یعنی گھر لے جا کر بیچیں (اور اس جگہ بیچنے کی ممانعت کی وجہ اگلی روایت میں ہے)

تشریح: مُجازفة کے معنی ہیں: اٹکل سے بیچنا خریدنا، یہ جائز ہے، مثلاً غلہ کا ایک ڈھیر ہے، اس میں کتنا اناج ہے، یہ بات معلوم نہیں، اس ڈھیر کو اٹکل سے بیچنا خریدنا جائز ہے، پس یہاں مجازفة کے مجازی معنی ہیں یعنی مبیع علاحدہ نہ کرنا، غلہ کا ایک

ڈھیر ہے اس میں سے مشتری نے دس من غلہ خریدا، ابھی بائع نے وہ غلہ الگ کر کے مشتری کو نہیں سونپا اس سے پہلے مشتری اس کو بیچ دے تو یہ جائز نہیں۔ عہد رسالت میں اگر کوئی ایسا کرتا تو اس کو تنبیہ کی جاتی، اس کی تفصیل اگلی حدیث میں آرہی ہے۔

[۲۱۳۲-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا وُهَيْبٌ، عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهَى أَنْ يَبِيْعَ الرَّجُلُ طَعَامًا حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ. قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: كَيْفَ ذَاكَ؟ قَالَ: ذَاكَ دَرَاهِمُ بِدَرَاهِمَ، وَالطَّعَامُ مُرْجَأٌ. قَالَ أَ بُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: ﴿مُرْجَوْنَ﴾:[التوبة: ۱۰۶] مُؤَخَّرُوْنَ. [انظر: ۲۱۳۵]

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے کھانے کی چیز کو بیچنے سے منع فرمایا، یہاں تک کہ اس کو پورا وصول کرلے، طاؤس کہتے ہیں: میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا: اس کی وجہ کیا ہے؟ یعنی عروض میں تخلیہ کافی ہے، پھر یہ قید کہ غلہ گھر لے جاکر بیچو: کیوں ہے؟ ابن عباسؓ نے فرمایا: اگر یہ قید نہیں ہوگی تو دراہم کی دراہم کے بدلے میں بیع شروع ہوجائے گی، اور غلہ ندارد ہوگا۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مُرْجَوْن کے معنی ہیں: مؤخر کیا ہوا (اور مرجأ کے معنی ہیں: ندارد)

تشریح: اسی حدیث کا میں نے پہلے حوالہ دیا تھا، آنحضور ﷺ نے یہ حکم دیا تھا کہ لوگ لادیوں سے غلہ خرید کر وہیں نہ بیچیں بلکہ دکان میں یا گھر پر لے جاکر بیچیں۔ حضرت طاؤس رحمہ اللہ نے اس کی وجہ پوچھی کہ عروض میں تخلیہ کافی ہے، جب لادی سے غلہ خریدا اور غلہ الگ کرلیا تو قبضہ ہوگیا، اب اس کو بیچنا جائز ہے۔ پھر یہ حکم کیوں دیا کہ غلہ خرید کر وہیں نہ بیچیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ روپے کی بیع روپے کے بدلے میں شروع نہ ہوجائے، اس کی روک تھام کے لئے یہ حکم دیا تھا۔ میں نے پہلے اس کی یہ مثال دی ہے کہ ایک شخص کو قرض چاہئے اس نے ایک شخص سے قرض مانگا، اس نے کہا: آپ مجھ سے سرسوں خرید لیں، چنانچہ اس نے بازار کے ریٹ سے بڑھا کر دو لاکھ کا سروں سال بھر کے ادھار پر بیچ دیا، پھر مشتری نے کم دام پر بائع ہی کو ڈیڑھ لاکھ نقد میں بیچ دیا اور بائع نے ڈیڑھ لاکھ اس کو دیدیئے اور دو لاکھ اس کے ذمہ ادھار کھڑے رہے، درانحالیکہ سرسوں سرے سے موجود ہی نہیں اور وہ خریدی بھی گئی اور بیچی بھی گئی، یہ سرسوں کی بیع نہیں، بلکہ روپے کی روپے کے بدلہ میں بیع ہے جو سود ہے اور حرام ہے، اس کی روک تھام کے لئے آنحضور ﷺ نے یہ حکم دیا تھا، جب غلہ خریدنے کے بعد گھر یا دکان پر لے جاکر بیچے گا تو اب سود اور سٹے کا امکان نہیں رہے گا۔

[۲۱۳۳-] حدثنا أَبُوْ الْوَلِيْدِ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ، يَقُوْلُ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتَّى يَقْبِضَهُ" [راجع: ۲۱۲۴]

[۲۱۳۴-] حدثنا عَلِيٌّ، ثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: كَانَ عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ يُحَدِّثُهُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسٍ، أَنَّهُ قَالَ: مَنْ كَانَ عِنْدَهُ صَرْفٌ؟ فَقَالَ طَلْحَةُ: أَنَا، حَتَّى يَجِيْءَ خَازِنُنَا مِنَ الْغَابَةِ. قَالَ سُفْيَانُ:

هُوَ الَّذِیْ حَفِظْنَاهُ مِنَ الزُّهْرِیِّ، لَیْسَ فِیْهِ زِیَادَةٌ، قَالَ: أَخْبَرَنِیْ مَالِكُ بْنُ أَوْسٍ، سَمِعَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، یُخْبِرُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم، قَالَ: "الذَّهَبُ بِالْوَرِقِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالشَّعِیْرُ بِالشَّعِیْرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ"

[انظر: ۲۱۷۰، ۲۱۷٤]

دوسری حدیث: علی بن المدینی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہم سے سفیان بن عیینہؒ نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ عمرو بن دینارؒ ان سے بیان کیا کرتے تھے زہریؒ سے روایت کرتے ہوئے، وہ مالک بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مالکؓ نے پوچھا: کس کے پاس چینج ہے؟ یعنی کون میرے سونے کو دراہم سے بدلے گا؟ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں بدلوں گا، یہاں تک کہ ہمارا خزانچی غابہ (جنگل) سے آجائے —— سفیانؒ کہتے ہیں: عمرو بن دینار نے جیسی زہریؒ سے روایت بیان کی، ویسی ہی ہم کو زہریؒ سے یاد ہے، اس میں کوئی بات زیادہ نہیں ہے، زہری نے کہا: مجھ کو مالک بن اوسؓ نے بتایا، انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا وہ نبی ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: سونے کا چاندی سے تبادلہ سود ہے، مگر دست بدست (هاء وهاء: اسم فعل میں اس کے معنی ہیں: لو اور لاؤ، اور مراد ہے دست بدست) اور گندم کا گندم سے تبادلہ سود ہے مگر دست بدست، اور کھجور کا کھجور سے تبادلہ سود ہے مگر دست بدست، اور جَو کا جَو سے تبادلہ سود ہے مگر دست بدست۔

تشریح: حضرت مالک بن اوس رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ گھر سے سونا لے کر چلے تا کہ اس کو بھنائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چند صحابہ بیٹھے تھے ان سے جا کر کہا: کون میرے سونے کو دراہم سے بدلے گا؟ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے (جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں) فرمایا: اپنا سونا دکھاؤ، انھوں نے سونا جانچ کر فرمایا: ابھی ہمارا خزانچی موجود نہیں، غابہ گیا ہوا ہے جب وہ آجائے تو آپ اپنی چاندی لے جائیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یا تو آپ اس کو ابھی چاندی دیں یا اس کا سونا واپس کریں، اس لئے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: چاندی کا سونے سے تبادلہ سود ہے، مگر دست بدست، اور گندم کا گندم سے تبادلہ سود ہے مگر دست بدست الی آخرہ یعنی ربوی اشیاء کا خلاف جنس سے تبادلہ ہو یا ہم جنس سے ہر صورت میں عوضین کا نقد ہونا ضروری ہے، ادھار حرام ہے۔

مسئلہ: بیع صرف میں دونوں عوضوں کا مجلس عقد میں ہونا ضروری ہے، اگر ایک عوض مجلس میں موجود ہو اور دوسرا عوض موجود نہ ہو تو یہ بیع جائز نہیں، کیونکہ اثمان (سونا چاندی) متعین کرنے سے بھی متعین نہیں ہوتے، تقابض سے متعین ہوتے ہیں، پس اگر اثمان کا آپس میں تبادلہ ہو اور احد العوضین پر مجلس عقد میں قبضہ ہو جائے اور دوسرا عوض مجلس میں موجود نہ ہو تو اس صورت میں ثانی عوض متعین نہ ہوگا، پس یہ بیع العین بالدین ہوئی اور بیع العین بالدین ادھار بیع ہے اور اثمان کے تبادلہ میں نسیئہ حرام ہے، اس لئے سونے چاندی کے تبادلہ میں بیع الغائب بالناجز جائز نہیں (تحفۃ الالمعی ۴: ۱۵۷)

بَابُ بَیْعِ الطَّعَامِ قَبْلَ أَنْ یُقْبَضَ، وَبَیْعِ مَالَیْسَ عِنْدَكَ

کھانے پینے کی چیزیں قبضہ سے پہلے بیچنا، اور وہ چیز بیچنا جو بائع کے پاس نہیں

اس باب میں دو مسئلے ہیں اور دونوں میں گہرا ربط ہے:

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ غلہ پر قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا بالاجماع جائز نہیں، اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جو چیز بائع کی ملکیت میں نہیں: اسے بیچنا جائز نہیں۔ جب خریدا ہوا غلہ قبضہ سے پہلے بیچنا جائز نہیں تو جو چیز بائع کی ملکیت ہی میں نہیں اس کو بیچنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

آرڈر کا حکم:

جو چیز ملکیت میں نہیں اس کو بیچنا جائز نہیں، البتہ اس کا آرڈر لے سکتے ہیں، مثلاً میرا کتب خانہ ہے، میرے پاس آرڈر آتے ہیں، آرڈر میں جو کتابیں ہوتی ہیں میں ان کو بازار میں تلاش کرتا ہوں اور جتنی کتابیں مہیا ہوجاتی ہیں ان کو بھیج دیتا ہوں، باقی کے بارے میں لکھ دیتا ہوں کہ دستیاب نہیں ہوئیں، یہ آرڈر لینا بیع نہیں ہے بلکہ وعدۂ بیع ہے یعنی آرڈر بھیجنے والا اس کا پابند ہے کہ جو کتابیں بھیجی جائیں ان کو ضرور لے گا۔

اور حقیقتاً بیع کے لئے دو شرطیں ہیں: ایک: مبیع کا بائع کی ملکیت میں ہونا، دوسری: مبیع کا بائع کے ضمان (قبضہ) میں ہونا، اگر ان دونوں میں سے ایک شرط بھی مفقود ہوگی تو بیع جائز نہیں ہوگی۔

اور یہ شرطیں اس لئے ہیں کہ جو چیز ملکیت اور قبضہ میں نہیں وہ ہلاک ہوسکتی ہیں، یا نہ ملے یہ بھی ممکن ہے، پس بائع وہ چیز کہاں سے لاکر دے گا؟ مثلاً ایک کتب خانہ میں میں نے ایک کتاب دیکھی، اس کا ایک ہی نسخہ ہے، اب گاہک آتا ہے اور اس کتاب کا سودا کرتا ہے: بائع وہ کتاب اس کو بیچ دیتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ اس کتب خانہ سے لاکر دیدوں گا، مگر جب لینے گیا تو معلوم ہوا کہ وہ کتاب بک گئی، اب وہ کتاب کہاں سے لاکر دے گا! اس ہلاکت کے اندیشہ سے شریعت نے یہ ضابطہ بنایا ہے کہ جو چیز ملکیت اور ضمان میں نہیں اس کو بیچنا جائز نہیں، اور آرڈر لینے کی حقیقت الگ ہے، وہ وعدۂ بیع ہے، چیز ملے گی تو بھیجے گا ورنہ معذرت کردے گا، اس لئے آرڈر لینا اس حدیث کے تحت نہیں آتا۔

[۵۵-] بَابُ بَیْعِ الطَّعَامِ قَبْلَ أَنْ یُقْبَضَ، وَبَیْعِ مَالَیْسَ عِنْدَكَ

[۲۱۳۵-] حدثنا عَلِیُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنَا سُفْیَانُ، قَالَ: الَّذِیْ حَفِظْنَاهُ مِنْ عَمْرِو بْنِ دِیْنَارٍ: سَمِعَ طَاوُسًا، یَقُوْلُ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، یَقُوْلُ: أَمَّا الَّذِیْ نَهٰی عَنْهُ النَّبِیُّ صلی اللہ علیه وسلم فَهُوَ الطَّعَامُ أَنْ یُبَاعَ حَتّٰی یُقْبَضَ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: وَلَا أَحْسِبُ كُلَّ شَیْئٍ إِلَّا مِثْلَهُ. [راجع: ۲۱۳۲]

[۲۱۳٦-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، ثَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ" زَادَ إِسْمَاعِيْلُ: مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتَّى يَقْبِضَهُ" [راجع: ۲۱۲٤]

قوله: ولا أحسب كل شيئ إلا مثله: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حدیث میں تو یہی ہے کہ طعام کو قبضہ سے پہلے بیچنا جائز نہیں، مگر میں سمجھتا ہوں کہ ہر چیز کا یہی حکم ہے، پہلے بتلایا ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ حکم طعام کے ساتھ خاص ہے، اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک تمام منقولات کا یہی حکم ہے اور غیر منقولات یعنی جائداد اس حکم سے مستثنیٰ ہے، اس کو قبضہ سے پہلے بیچ سکتے ہیں۔ اور حضرت ابن عباسؓ اور امام محمدؒ کے نزدیک کوئی بھی چیز خواہ طعام ہو یا غیر طعام، منقولات ہوں یا غیر منقولات: قبضہ سے پہلے ان کو بیچنا جائز نہیں۔

قوله: زاد إسماعيل: اسماعیل بن ابی اویس کی روایت میں يَسْتَوْفِيَهُ کی جگہ يَقْبِضَهُ ہے۔ اور کہتے ہیں کہ اس لفظ میں معنی کی زیادتی ہے، بائع مبیع ناپ تول کر اپنے گھر میں جدا کردے تو یہ استیفاء ہے، مشتری کا اس پر قبضہ ضروری نہیں اور یقبضہ میں قبضہ ضروری ہے یہی معنی کی زیادتی ہے (فتح) مگر یہ بات سرسری ہے، استیفاء میں بھی قبضہ ضروری ہے، کہیں گے: اسْتَوْفٰى منه مالَه: اس سے اپنا سب مال لے لیا، پورا حق وصول کرلیا، پس صحیح بات یہ ہے کہ زیادتی غیر واضح ہے، صرف الفاظ کا فرق ہے۔

بَابُ مَنْ رَأَى إِذَا اشْتَرَى طَعَامًا جُزَافًا أَنْ لَايَبِيْعَهُ حَتَّى يُؤْوِيَهُ إِلَى رَحْلِهِ، وَالْأَدَبِ فِي ذٰلِكَ

ایک رائے یہ ہے کہ جب کوئی غیر متعین کھانے کی چیز خریدے تو اس کو نہ بیچے یہاں تک کہ اس کو اپنے ڈیرے میں لے جائے، اور جو اس کی خلاف ورزی کرے اس کو سزادی جائے

جُزافا: جیم پر تینوں حرکتیں درست ہیں اور فصیح کسرہ ہے، اور اس کے معنی ہیں: اٹکل اور اندازہ یعنی بوری اور ڈھیر میں سے غلہ خریدا اور ابھی ناپ تول کر اس کو مشخص نہیں کیا۔ اور الأدب کے معنی ہیں: سزادینا۔

اور یہ بات پہلے گذری ہے کہ زمانۂ نبوت میں رُکبان (لادی) سے غلہ خریدنے والے تاجروں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اسی جگہ غلہ فروخت نہ کریں، وہاں سے دکان یا گھر پر منتقل کریں، پھر بیچیں، اور جو اس حکم کی خلاف ورزی کرتا تھا اس کو سزادی جاتی تھی، اور اس کی وجہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کی تھی کہ سودی معاملات شروع نہ ہوجائیں اس کے لئے یہ پیش بندی تھی، پس یہ مسئلہ نہیں تھا، بلکہ مصلحت تھی۔ اس باب میں یہی بات بیان کی ہے، اور لفظ من رأى سے اس طرف اشارہ کیا ہے۔

مسئلہ تو یہ ہے کہ غلہ خریدا، پھر ناپ تول کر کے مبیع متعین کر لی اور مشتری نے اس پر قبضہ کر لیا، پس اسی جگہ اس کو فروخت کر سکتے ہیں، دوسری جگہ منتقل کرنا ضروری نہیں، مگر اندیشہ تھا کہ اگر اسی جگہ فروختگی شروع ہو جائے گی تو روپے روپے کے عوض بکنے لگیں گے اور غلہ کا سرے سے وجود ہی نہیں ہوگا، جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے اس لئے مصلحۃً اس جگہ بیچنے سے منع کیا گیا تھا اور اس پر سختی کی جاتی تھی۔

[۵۶-] بَابُ مَنْ رَأَى إِذَا اشْتَرَى طَعَامًا جُزَافًا أَنْ لَايَبِيْعَهُ حَتَّى يُؤْوِيَهُ إِلٰى رَحْلِهِ، وَالْأَدَبِ فِي ذٰلِكَ

[۲۱۳۷-] حدثنا يَحْيىَ بْنُ بُكَيْرٍ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يُوْنُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِيْ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُ النَّاسَ فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم يَبْتَاعُوْنَ جِزَافًا – يَعْنِيْ الطَّعَامَ – يُضْرَبُوْنَ أَنْ يَبِيْعُوْهُ فِي مَكَانِهِمْ حَتَّى يُؤْوُوْهُ إِلٰى رِحَالِهِمْ.[راجع: ۲۱۲۳]

بَابٌ: إِذَا اشْتَرَى مَتَاعًا أَوْ دَابَّةً فَوَضَعَهُ عِنْدَ الْبَائِعِ فَضَاعَ أَوْ مَاتَ قَبْلَ أَنْ يُقْبَضَ

جب کوئی سامان یا جانور خریدا، اور اس کو بائع کے پاس چھوڑ دیا، پھر وہ قبضہ سے پہلے ضائع ہو گیا یا مر گیا

کسی شخص نے کوئی سامان یا جانور خریدا اور اس پر قبضہ کر لیا پھر یہ کہہ کر کہ تھوڑی دیر کے بعد لے جاؤں گا بائع کے پاس سامان اور جانور چھوڑ دیا، پھر جب واپس آیا تو سامان ضائع ہو چکا تھا یا جانور مر گیا تھا تو مشتری کا نقصان ہوا، کیونکہ وہ اس پر قبضہ کر چکا تھا، پس وہ اس کا مال تھا اور بائع کے پاس امانت تھا اور امانت تعدی کے بغیر ضائع ہو جائے تو ضمان واجب نہیں ہوتا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کتاب خریدی اور پیسے دیدیئے اور مشتری یہ کہہ چلا گیا کہ کتاب نکال کر رکھنا میں سبزی لے کر واپسی میں لے جاؤنگا پھر دکان میں آگ لگ گئی اور کتاب جل گئی تو یہ بائع کا نقصان ہوا، کیونکہ ابھی مشتری نے کتاب پر قبضہ نہیں کیا، قبضہ کرنے کے بعد بائع کے پاس رکھتا تو مشتری کا نقصان ہوتا۔

قولہ: فَضَاعَ: اصل کتاب میں فَبَاعَ ہے، اور حاشیہ میں ہے کہ یہ تصحیف ہے، صحیح فضاع ہے یعنی وہ سامان ضائع ہو گیا اور حضرت رحمہ اللہ نے إذا کا جواب ذکر نہیں کیا، کیونکہ مسئلہ کی دو صورتیں تھیں، اگر مبیع پر مشتری قبضہ کر چکا ہے تو اس کا نقصان ہے اور قبضہ نہیں کیا تو بائع کا نقصان ہے۔

اثر: ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جس نے مبیع کو زندہ اور اکٹھا (صحیح سلامت) پایا پھر وہ ضائع ہو گئی تو یہ مشتری کا نقصان ہے، مثلاً ایک شخص نے بکری خریدی، بکری زندہ صحیح سلامت ہے، سودا مکمل ہو گیا، بائع نے ثمن وصول کر لیا اور مشتری سے کہا: اپنی بکری لے جاؤ، مشتری نے کہا: میں شام کو منگوالوں گا، پھر بکری مر گئی تو یہ مشتری کا نقصان ہے کیونکہ مبیع زندہ صحیح

سلامت ہے اور بائع نے تخلیہ کردیا، پس مشتری کا قبضہ ہوگیا، اس لئے اس کا نقصان متصور ہوگا۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ بکری خریدی، بائع نے کہا کہ بکریاں جنگل میں چرنے گئی ہیں، شام میں آکر لے جانا، پھر بکری مرگئی تو یہ بائع کا نقصان ہے، کیونکہ مبیع پر ابھی مشتری کا قبضہ نہیں ہوا۔

[۵۷-] بَابٌ: إِذَا اشْتَرَى مَتَاعًا أَوْ دَابَّةً فَوَضَعَهُ عِنْدَ الْبَائِعِ فَضَاعَ أَوْ مَاتَ قَبْلَ أَنْ يُقْبَضَ

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: مَا أَدْرَكَتِ الصَّفْقَةُ حَيًّا مَجْمُوْعًا فَهُوَ مِنَ الْمُبْتَاعِ.

[۲۱۳۸-] حدثنا فَرْوَةُ بْنُ أَبِي الْمَغْرَاءِ، أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَقَلَّ يَوْمٌ كَانَ يَأْتِيْ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم إِلَّا يَأْتِيْ فِيْهِ بَيْتَ أَبِيْ بَكْرٍ أَحَدَ طَرَفَيِ النَّهَارِ، فَلَمَّا أُذِنَ لَهُ فِي الْخُرُوْجِ إِلَى الْمَدِيْنَةِ لَمْ يَرُعْنَا إِلَّا وَقَدْ أَتَانَا ظُهْرًا، فَخُبِّرَ بِهِ أَبُوْ بَكْرٍ، فَقَالَ: مَاجَاءَ نَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِي هٰذِهِ السَّاعَةِ إِلَّا مِنْ حَدَثٍ، فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ قَالَ لِأَبِيْ بَكْرٍ: "أَخْرِجْ مَا عِنْدَكَ" قَالَ: يَارَسُوْلَ اللهِ! إِنَّمَا هُمَا ابْنَتَایَ - يَعْنِيْ عَائِشَةَ وَأَسْمَاءَ- قَالَ: "أَشَعَرْتَ أَنَّهُ قَدْ أُذِنَ لِيْ فِي الْخُرُوْجِ؟" قَالَ: الصُّحْبَةُ يَارَسُوْلَ اللهِ! قَالَ: "الصُّحْبَةُ" قَالَ: يَارَسُوْلَ اللهِ، إِنَّ عِنْدِيْ نَاقَتَيْنِ أَعْدَدْتُهُمَا لِلْخُرُوْجِ فَخُذْ إِحْدَاهُمَا، قَالَ: "قَدْ أَخَذْتُهَا بِالثَّمَنِ" [راجع: ۴۷۶]

اثر: ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول میں مجموعا: حیا کے معنی میں ہے یعنی صحیح سلامت، اس کے کچھ الگ معنی نہیں ہیں۔

حدیث: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ پر بہت کم ایسا دن آتا تھا کہ آپؐ دن کے دونوں کناروں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر نہ آتے ہوں یعنی آنحضور ﷺ روزانہ صبح وشام ہمارے گھر تشریف لاتے تھے، پس جب آپؐ کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اجازت مل گئی تو ہمیں گھبراہٹ میں نہیں ڈالا، مگر اس بات نے کہ آپؐ ہمارے یہاں دوپہر میں تشریف لائے، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دی گئی، آپؓ نے فرمایا: نبی ﷺ جو اس وقت ہمارے پاس تشریف لائے ہیں تو کوئی نئی بات پیش آئی ہے، پس جب آپؐ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے تو آپؐ نے ان سے فرمایا: گھر میں جو لوگ ہیں ان کو باہر کردو، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: یہاں میری دو بیٹیاں: عائشہ اور اسماء رضی اللہ عنہما ہیں (کوئی غیر آدمی نہیں) آپؐ نے فرمایا: تمہیں معلوم ہوا کہ مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: رفاقت اے اللہ کے رسول! آپؐ نے فرمایا: تم ساتھ چلو گے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول! میرے پاس دو اونٹنیاں ہیں میں نے ان کو ہجرت کے لئے ہی تیار کرکے رکھا ہے، آپؐ ان میں سے ایک لے لیجئے، آپؐ نے فرمایا: میں نے قیمتاً لی۔

تشریح: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے لئے جو دو اونٹنیاں تیار کررکھی تھیں، ان میں سے آپؐ نے ایک اونٹنی

قیمتاً لی، اور حضرت ابوبکرؓ کے پاس ہی چھوڑ دی، مگر اس واقعہ سے پورا باب ثابت نہیں ہوتا اس لئے حضرت رحمہ اللہ نے باب قائم کیا، مگر حکم ذکر نہیں کیا، البتہ حضرت ابن عمرؓ کا اثر لاکر جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

بَابٌ: لاَيَبِيْعُ عَلَى بَيْعِ أَخِيْهِ، وَلاَ يَسُوْمُ عَلٰى سَوْمِ أَخِيْهِ، حَتَّى يَأْذَنَ لَهُ أَوْ يَتْرُكَ

اپنے بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے اور اس کے بھاؤ تاؤ پر بھاؤ تاؤ نہ کرے، مگر یہ کہ وہ اجازت دیدے یا سودا چھوڑ دے

کوئی چیز برائے فروخت ہے اور کسی گاہک سے بات چیت چل رہی ہے، پس دوسرے کو بیچ میں نہیں کودنا چاہئے، البتہ اگر وہ اجازت دیدے یا سودے سے ہٹ جائے تو دوسرا شخص بھاؤ تاؤ کرسکتا ہے۔

اور یہ حکم حسنِ معاشرت کے قبیل سے ہے، کیونکہ کسی کے ساتھ سودا چل رہا ہو اور دوسرا بیچ میں کودے تو اس سے پہلے شخص کو ایذاء پہنچتی ہے اور اس کو ناگواری ہوتی ہے اور فتنوں کا دروازہ کھلتا ہے۔

قوله: ولايَسُوْمُ علی سَوْمِ أخيه: یہ پہلے جملہ کی وضاحت کے لئے بڑھایا ہے، کیونکہ حقیقۃً بیع پر بیع نہیں ہوسکتی، جب ایک کے ساتھ سودا مکمل ہوگیا تو دوسرے کے ساتھ سودا کیسے ہوسکتا ہے؟ اس لئے وضاحت کی کہ یہاں بیع بھاؤ تاؤ کرنے کے معنی میں ہے، اور یہ ممانعت اس وقت ہے جب بائع کا مشتری کی طرف میلان ہوجائے۔

جاننا چاہئے کہ بیع کے تین مرحلے ہیں:

پہلا مرحلہ: مبیع جب تک معرضِ بیع میں ہے یعنی اس پر برائے فروخت کا بورڈ لگا ہوا ہے، اس وقت ہر شخص خریدنے کی پیشکش کرسکتا ہے، کوئی ممانعت نہیں۔

دوسرا مرحلہ: جب کسی کے ساتھ سودا طے ہوگیا یعنی چیز بک گئی تو اب درمیان میں کودنے کا کوئی سوال نہیں۔

تیسرا مرحلہ: جب کسی ایک کے ساتھ سودا چل رہا ہو تو دوسرے کو بیچ میں کودنے کی اجازت نہیں، یہ اس شخص کو اس چیز سے مایوس کرنا ہے جس کے وہ درپے ہے اور اس چیز سے نامراد کرنا ہے جس کا وہ امیدوار ہے اور یہ اس کے ساتھ بدمعاملگی اور ظلم ہے، جس سے اس کو ایذاء پہنچے گی اور ناگواری ہوگی اور فتنوں کا دروازہ کھلے گا اس لئے اس کی ممانعت ہے۔

ملحوظہ: حدیث شریف میں نکاح کے پیغام پر پیغام ڈالنے کی بھی ممانعت ہے اور اس کے بھی مذکورہ تین مرحلے ہیں: جب تک لڑکا اور لڑکی معرض خطبہ میں ہیں، ان کی منگنیاں آرہی ہیں اس مرحلہ میں کوئی بھی پیغام بھیج سکتا ہے کوئی ممانعت نہیں، اور جب کسی کا پیغام قبول کرلیا گیا اور منگنی طے ہوگئی تو اب بیچ میں کودنے کا سوال ہی نہیں، اور درمیانی مرحلہ یہ ہے کہ منگنی دینے والے کی طرف جھکاؤ ہوگیا، ایک دوسرے کے گھر آنا جانا، لڑکے لڑکی کو دیکھنا اور باہم ہدیہ لینا دینا شروع ہوگیا تو

اب دوسرے کو بیچ میں نہیں کودنا چاہئے۔

[۵۸-] بَابٌ: لاَيَبِيْعُ عَلَى بَيْعِ أَخِيْهِ، وَلاَ يَسُوْمُ عَلٰى سَوْمِ أَخِيْهِ، حَتَّى يَأْذَنَ لَهُ أَوْ يَتْرُكَ

[۲۱۳۹-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ، ثَنِيْ مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لاَ يَبِيْعُ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ أَخِيْهِ"[انظر: ۲۱۶۵، ۵۱۴۲]

[۲۱۴۰-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنَا سُفْيَانُ، ثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ يَبِيْعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ، وَلاَ تَنَاجَشُوْا، وَلاَ يَبِيْعُ الرَّجُلُ عَلٰى بَيْعِ أَخِيْهِ، وَلاَ يَخْطُبُ عَلٰى خِطْبَةِ أَخِيْهِ، وَلاَ تَسْأَلُ الْمَرْأَةُ طَلاَقَ أُخْتِهَا لِتَكْفَأَ مَا فِي إِنَائِهَا"

[انظر: ۲۱۴۸، ۲۱۵۰، ۲۱۵۱، ۲۱۶۰، ۲۱۶۲، ۲۷۲۳، ۲۷۲۷، ۵۱۴۴، ۵۱۵۲، ۶۶۰۱]

دوسری حدیث میں پانچ مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: کوئی شہری کسی دیہاتی کے فائدے کے لئے نہ بیچے، نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے —— أن یبیع سے پہلے من پوشیدہ ہے اور حاضر کے معنی ہیں: شہری اور بَادِیٔ اور بَادٍ کے معنی ہیں: خانہ بدوش، دیہاتی۔

کوئی دیہاتی تجارتی مال لے کر شہر آیا، اس نے مارکیٹ ڈاؤن (گری ہوئی) پائی، کسی شہری نے اس سے کہا: آج بھاؤ گرا ہوا ہے، مال مت بیچ، میرے پاس رکھ چھوڑ، جب بھاؤ اٹھے گا میں فروخت کروں گا، نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا، کیونکہ اگر دیہاتی خود بیچے گا تو اس میں اس کا فائدہ ہے اور لوگوں کا بھی فائدہ ہے، دیہاتی اگر اپنا مال آج بیچے گا تو کم نفع پر بیچے گا کیونکہ اس کو گھر لوٹنے کی جلدی ہوگی، اور شہر میں رکھنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی، پس اس میں لوگوں کا فائدہ ہے کہ ان کو چیز سستی ملے گی، اور دیہاتی کا بھی فائدہ ہے کہ وہ پیسے لے کر گھر لوٹے گا اور نقد ادھار سے بہتر ہے۔

اور اگر شہری اس کا مال بیچے گا تو اس میں لوگوں کا بھی نقصان ہے اور دیہاتی کا بھی، لوگوں کا نقصان یہ ہے کہ شہری وہ مال زیادہ داموں میں فروخت کرے گا اور دیہاتی کا نقصان یہ ہے کہ کبھی مارکیٹ ہفتوں ڈاؤن رہتی ہے پس دیہاتی کو انتظار کی زحمت برداشت کرنی پڑے گی، پس یہ ممانعت ملکی مصلحت سے ہے، مسئلہ نہیں ہے۔

اور اس کی برعکس صورت یعنی شہری کا دیہاتی کے فائدے کے لئے خریدنا جائز ہے مثلاً کسی دیہاتی کو اپنی لڑکی کی شادی کے لئے جہیز خریدنا ہے کوئی شہری اس کو مناسب قیمت پر چیزیں دلوادے تو یہ جائز ہے اس میں شہری دکاندار کا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ تاجر دھوکہ نہیں کھاتا، وہ چالاک ہوتا ہے اور دیہاتی کا فائدہ ہے وہ مہنگا خریدنے سے بچ جائے گا، شہری اجنبی کو لوٹتے ہیں۔

فائدہ: پہلے یہ طریقہ تھا کہ لوگ منڈی میں مال لے کر آتے تھے اور خود ہی بیچتے تھے، مگر اب یہ طریقہ ہے کہ جو بھی گنج

میں مال لے کر آئے گا اسے کسی نہ کسی پیڑھی والے کو مال سونپنا ہوگا، پیڑھی والا اسے نیلام کرے گا، جب نیلامی شروع ہوگی تو تاجر بولی لگائیں گے اور جو سب سے زیادہ بولی لگائے گا اگر مالک چاہے گا تو اس کو وہ مال دیدے گا، ورنہ مالک کو مال لوٹا دے گا، اگر مالک آخری بولی پر راضی ہے تو نیلامی کرنے والا پورا مال ناپ تول کر مشتری کو دے گا اور مال والے کو اپنے پاس سے پیسے دے گا، اور مشتری دس پندرہ دن کے بعد اس پیڑھی والے کو پیسے دے گا، اس لئے اس میں اس کا کمیشن ہوتا ہے، انتظامی صورت حال کے لئے یہ طریقہ ہے، اور یہ مذکورہ حدیث کے تحت نہیں آتا۔

دوسرا مسئلہ: ایک دوسرے کے حق میں نجش مت کرو، لَاتناجشوا: باب تفاعل سے ہے، نَجَشَ الشيئَ الْخَبِيْئَةَ کے معنی ہیں: چھپی ہوئی چیز کو کرید کر نکالنا۔ اور اصطلاحی معنی ہیں: مشتری کو دھوکہ دینے کے لئے خریدنے کی پیشکش کرنا، مثلاً ایک کتب خانہ میں بیروت کی ایک کتاب ہے اور صرف اسی کے پاس ہے اور ایک ہی نسخہ ہے، ایک شخص اس کو خریدنا چاہتا ہے مگر اس کو قیمت زیادہ معلوم ہورہی ہے، چنانچہ وہ بیٹھا ہوا سوچ رہا ہے، دوسرے کتب خانہ والے نے دیکھا کہ گاہک پھنس نہیں رہا، چنانچہ وہ آتا ہے اور پوچھتا ہے فلاں کتاب ہے؟ اس نے کہا: ہاں ہے! مگر یہ خریدار ہے، اس نے کہا: اگر یہ نہ خریدے تو مجھے فون ماردینا، میرے پاس گاہک ہے، وہ یہ بات کہہ کر چلا گیا حالانکہ اس کے پاس کوئی گاہک نہیں، نہ اسے خریدنا ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ مشتری اس کو خریدلے اس کو نجش کہتے ہیں، ظاہر ہے یہ دھوکہ بازی ہے اس لئے یہ حرکت ممنوع ہے۔

تیسرا اور چوتھا مسئلہ: کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے اور اپنے مسلمان بھائی کے نکاح کے پیغام پر پیغام نہ ڈالے، ان مسائل کی تفصیل گذر چکی۔

پانچواں مسئلہ: کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے تاکہ وہ اپنے برتن میں انڈیل لے اس چیز کو جو اس دوسری کے برتن میں ہے، یعنی وہ اپنے شوہر کے لئے خالص ہوجائے اور سوکن کا کانٹا درمیان سے نکل جائے۔

معاشرتی خرابیوں میں سے ایک خرابی یہ ہے کہ اگر کسی کی دو یا زیادہ بیویاں ہوتی ہیں تو ہر بیوی اپنی سوکن کے خلاف شوہر کے کان بھرتی ہے، یہاں تک کہ وہ غالب آجاتی ہے اور دوسری کو طلاق دلوادیتی ہے۔ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا، اور بہترین انداز میں تمثیلی پیرایہ میں یہ مضمون بیان فرمایا، اور سوکن کو بہن جذبۂ ترحم ابھارنے کے لئے کہا۔

بَابُ بَيْعِ الْمُزَايَدَةِ

نیلامی کا بیان

المزايدة: باب مفاعلہ ہے اس میں دو یا زیادہ آدمی شریک ہوتے ہیں اور بیع مزایدہ کا ترجمہ ہے: نیلامی۔ بعض مرتبہ نیلامی ناگزیر ہوجاتی ہے، خاص طور پر میراث میں، ایک شخص کا انتقال ہوا، اس کے کئی وارث ہیں اور میراث میں ایک بھینس

ہے، ظاہر ہے اس کو نیلام کریں گے، تبھی وہ تقسیم ہوگی، جو زیادہ قیمت لگائے گا اس کو بھینس دیدیں گے اور قیمت ورثاء میں تقسیم کردیں گے اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں، یا مال غنیمت میں ایک گھوڑا ہے اور مجاہدین ایک سے زیادہ ہیں، ایسی صورت میں گھوڑے کو نیلام کریں گے اور قیمت مجاہدین میں بانٹیں گے۔

غرض بعض مرتبہ نیلامی ناگزیر ہوجاتی ہے اس لئے شریعت نے نیلامی کو جائز رکھا ہے، مگر اسلامی نیلامی اور دنیاوی نیلامی میں فرق ہے، دنیاوی نیلامی میں آخری بولی پر بیع لازم ہوجاتی ہے اور مشتری کو خیار رویت اور خیارِ عیب حاصل نہیں ہوتا۔ اور اسلامی نیلامی میں بیع تام اس وقت ہوتی ہے جب آخری بولی پر دینے کے لئے بائع راضی ہو، کیونکہ بیع میں تراضی طرفین شرط ہے اور مشتری کو خیار رویت اور خیارِ عیب حاصل ہوتا ہے وہ ان خیاروں کی وجہ سے بیع فسخ کرسکتا ہے۔

غرض نیلامی شرعاً جائز ہے اور امت کا اس پر عمل رہا ہے، حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے لوگوں کو دیکھا وہ غنیمت کا مال اس شخص کے ہاتھ فروخت کرنے میں جو زائد قیمت دے کچھ حرج نہیں سمجھتے تھے، یعنی مالِ غنیمت میں نیلامی ہمیشہ سے ہوتی آئی ہے، میں بچپن سے یہی دیکھتا آرہا ہوں۔

[۵۹-] بَابُ بَيْعِ الْمُزَايَدَةِ

وَقَالَ عَطَاءٌ: أَدْرَكْتُ النَّاسَ لَايَرَوْنَ بَأْسًا بِبَيْعِ الْمَغَانِمِ فِيْمَنْ يَزِيْدُ.

[۲۱٤۱-] حدثنا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، نا عَبْدُ اللّٰهِ، أَنَا الْحُسَيْنُ الْمُكْتِبُ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِیْ رَبَاحٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ: أَنَّ رَجُلاً أَعْتَقَ غُلَامًا لَهُ عَنْ دُبُرٍ، فَاحْتَاجَ، فَأَخَذَهُ النَّبِیُّ صلی اللہ علیه وسلم، فَقَالَ: "مَنْ يَشْتَرِيْهِ مِنِّیْ؟" فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بِكَذَا وَكَذَا، فَدَفَعَهُ إِلَيْهِ.

[انظر: ۲۲۳۰، ۲۲۳۱، ٤۳۰۳، ۲٤۱۵، ۲۵۳٤، ٦۷۱٦، ٦۹٤۷، ۷۱۸٦]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنا غلام اپنے مرنے کے بعد آزاد کیا، یعنی یہ کہا کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے، پس وہ غریب ہوگیا (وہ شخص پہلے سے غریب اور مقروض تھا) پس نبی ﷺ نے اس غلام کو لیا اور فرمایا: "کون اس کو مجھ سے خریدتا ہے؟" یعنی آپؐ نے غلام کو نیلام کیا، پس اس کو نعیم بن عبداللہ نے اتنے اور اتنے میں خریدا، پس آپؐ نے ان کو وہ غلام دیدیا۔

تشریح: ایک انصاری صحابی نے جن کا نام ابو مذکور تھا اپنے غلام یعقوب کو مدبر بنایا وہ مقروض تھے، اور ان کے پاس اس غلام کے علاوہ دوسرا کوئی مال نہیں تھا، قرض خواہوں نے آنحضور ﷺ سے اس کی شکایت کی تو آپؐ نے اس غلام کو نیلام کیا، نعیم بن عبداللہ نے آخری بولی لگائی اور آپؐ نے ان کے ہاتھ وہ غلام فروخت کیا۔ معلوم ہوا کہ نیلام کرنا جائز ہے۔

ملحوظہ: مدبر کی دو قسمیں ہیں: مدبر مطلق اور مدبر مقید اور مدبر کی بیع جائز ہے یا نہیں؟ یہ مسائل ترمذی شریف میں آئیں

گے اور تفصیل تحفۃ الالمعی (۱۲۱:۴) میں ہے۔

بَابُ النَّجْشِ، وَمَنْ قَالَ: لاَيَجُوْزُ ذٰلِكَ الْبَيْعُ

خریدنا نہیں اور بھاؤ تاؤ کرنا، اور جس نے کہا کہ یہ بیع جائز نہیں

نَجْش: ج کے سکون کے ساتھ مصدر ہے اور فتح کے ساتھ اسم ہے۔ نَجَشَ الشيئَ الخبيئةَ کے معنی ہیں: چھپی ہوئی چیز کو کرید کر نکالنا۔ اور اصطلاحی معنی ہیں: مشتری کو دھوکہ دینے کے لئے خریدنے کی پیش کش کرنا، اوپر اس کی مثال آئی ہے کہ دکان میں ایک شخص کتاب خریدنے آیا، وہ باہر کی کتاب ہے اور ایک ہی نسخہ ہے، گاہک کو قیمت زیادہ معلوم ہو رہی ہے، برابر کی دکان والا آتا ہے اور اس کتاب کو خریدنے کی پیشکش کرتا ہے، اس کا ارادہ خریدنے کا نہیں ہے وہ صرف مشتری کو پھنسانا چاہتا ہے یہ نجش ہے۔

اگر کوئی شخص نجش کرے تو بیع درست ہے یا نہیں؟ اس بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ بیع درست نہیں، کیونکہ نبی ﷺ نے نجش سے منع فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نجش کرنے والا سود کھانے والا اور چور ہے!

سوال: نجش کرنے والا بائع کے علاوہ ہے اور مال بائع کھائے گا پس نجش کرنے والا سود خور کیسے ہوا؟

جواب: آج اس نے دھوکہ دہی کے لئے خریدنے کی پیشکش کی ہے، کل جب اس کے یہاں گاہک آئے گا تو یہ اس کے لئے نجش کرے گا اور وہ مال کھائے گا، پس وہ مال اس کے لئے بمنزلہ سود ہوا، اور نجش صریح دھوکہ ہے اس لئے جائز نہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''دھوکہ باز جہنم میں جائے گا، اور جو کوئی ایسا کام کرے جو ہمارے امر کے خلاف ہے تو وہ مردود ہے'' یہ ایک رائے ہے، ائمہ اربعہ اس سے متفق نہیں۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کسی شخص نے دھوکہ دہی کے لئے خریدنے کی پیشکش کی تو نجش کرنے والا اس کام کی وجہ سے گنہ گار ہوگا، مگر بیع درست ہوگی، کیونکہ نجش کرنے والا بائع کے علاوہ ہے، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ قول ترمذی شریف (أبواب البيوع باب ۶۳) میں ہے، چاروں ائمہ اسی کے قائل ہیں۔

[۶۰-] بَابُ النَّجْشِ، وَمَنْ قَالَ: لاَيَجُوْزُ ذٰلِكَ الْبَيْعُ

وَقَالَ ابْنُ أَبِي أَوْفَى: النَّاجِشُ آكِلُ الرِّبٰوا خَائِنٌ، وَهُوَ خِدَاعٌ بَاطِلٌ لاَيَحِلُّ، قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: '' الْخَدِيْعَةُ فِي النَّارِ، وَمَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ''

[۲۱۴۲-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، ثَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنِ النَّجْشِ. [انظر: ۶۹۶۳]

بَابُ بَيْعِ الْغَرَرِ وَحَبَلِ الْحَبَلَةِ

دھوکے کی اور حمل کے حمل کی بیع

غرر کے معنی ہیں: دھوکہ۔ ہر وہ بیع جس میں کسی بھی قسم کا دھوکہ ہو وہ بیع ناجائز ہے، اس کی بہت مثالیں ہیں: مثلاً: معدوم کو فروخت کرنا، مجہول کو فروخت کرنا، وہ چیز جس کو سپرد کرنے پر بائع قادر نہیں اس کو بیچنا، جس چیز پر بائع کی ملک تام نہیں اس کو بیچنا، بیع منابذہ، بیع ملامسہ اور بیع الحصاۃ وغیرہ سب **بیع الغرر** کی شکلیں ہیں، اس کی ایک جزئی **حبل الحبلة** (حمل کے حمل کا بیچنا) ہے، حضرت رحمہ اللہ نے باب میں بطور مثال اس کو ذکر کیا ہے۔

حدیث: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حمل کے حمل کو بیچنے سے منع فرمایا۔

تشریح: اس حدیث کے علماء نے دو مطلب بیان کئے ہیں، ایک: حمل کے حمل کو بیچنا جائز نہیں، کیونکہ مبیع کا ابھی وجود نہیں، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ حمل کے حمل کو کسی بیع میں ثمن کی ادائیگی کی مدت مقرر کرنا درست نہیں، کیونکہ اس میں جہالت ہے۔

پہلی صورت اس لئے بھی ممنوع ہے کہ یہ ایک طرح کا سٹہ تھا، بائع مشتری سے کہتا: میں اس گابھن بکری کے حمل کے حمل کو تیرے ہاتھ دس روپے میں بیچتا ہوں، مشتری قبول کر لیتا اور دس روپے دیدیتا، یہ بیع ناجائز ہے، کیونکہ اس میں احتمال ہے کہ بکری گابھن نہ ہو، کسی بیماری کی وجہ سے پیٹ پھولا ہوا ہو، یا بکری گابھن تو ہو مگر حمل گر جائے یا مرا ہوا بچہ پیدا ہو، یا مذکر پیدا ہو، یا بچہ مؤنث پیدا ہو، مگر وہ گابھن ہونے تک زندہ نہ رہے یا اس کو حمل قرار نہ پائے۔ غرض یہ ایک قسم کا جوا تھا اس لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔

اسی طرح گابھن کے حمل کو فروخت کرنا بھی جائز نہیں، حنفیہ نصوص میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں کرتے، اگر یہاں مفہوم مخالف کا اعتبار کریں گے تو مسئلہ یہ ہوگا کہ حمل کے حمل کی بیع تو ناجائز ہے مگر خود اس حمل کی بیع درست ہے، حالانکہ اس حمل کی بیع بھی بالاتفاق ناجائز ہے اور حمل کے حمل کی تخصیص اس لئے کی کہ عربوں میں ایسے سٹوں کا رواج تھا۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ دو شخصوں کے درمیان لین دین ہوا اور حمل کے حمل کو ثمن کی ادائیگی کی مدت قرار دیا یہ بھی ناجائز ہے، کیونکہ مدت مجہول ہے، ہوسکتا ہے وہ جانور بچہ ہی نہ جنے، یا مرا ہوا جنے، یا مذکر جنے یا حمل کو حمل قرار نہ پائے۔ غرض یہ اجل مجہول ہے اس لئے اس کو ثمن کی ادائیگی کی مدت مقرر کرنا بھی صحیح نہیں۔

[٦١-] بَابُ بَيْعِ الْغَرَرِ وَحَبَلِ الْحَبَلَةِ

[٢١٤٣-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنْ بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ، وَكَانَ بَيْعًا يَتَبَايَعُهُ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ، كَانَ الرَّجُلُ يَبْتَاعُ الْجَزُوْرَ إِلٰى أَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ، ثُمَّ تُنْتَجُ الَّتِيْ فِيْ بَطْنِهَا. [انظر: ٢٢٥٦، ٣٨٤٣]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حمل کے حمل کو بیچنے سے منع فرمایا، اور یہ زمانۂ جاہلیت کی ایک بیع تھی۔ لوگ ایسی بیع کیا کرتے تھے، ایک شخص قصائی کا اونٹ (کاٹنے کا اونٹ) خریدتا یہاں تک کہ اونٹنی بچہ جنے، پھر اس کے پیٹ کا بچہ بھی بچہ جنے، یعنی ادھار بیع میں حبل الحبلة کو ثمن کی ادائیگی کی مدت مقرر کرتے تھے۔

بَابُ بَيْعِ الْمُلاَمَسَةِ، وَبَابُ بَيْعِ الْمُنَابَذَةِ

مبیع یا ثمن کو چھونے یا پھینکنے پر سودا مکمل ہوجانا

یہ دو باب ساتھ ہیں۔ ملامسہ اور منابذہ: جاہلیت کی بیعیں تھیں، مُلاَمَسَة: لَمْسٌ (چھونا، ہاتھ لگانا) سے باب مفاعلہ ہے جس کے معنی ہیں: ایک دوسرے کو چھونا، اور منابذة: نَبْذٌ (پھینکنا، ڈالنا) سے باب مفاعلہ ہے، جس کے معنی ہیں: ایک دوسرے کی طرف ڈالنا، پھینکنا۔ زمانۂ جاہلیت کا دستور تھا کہ اگر سودا کرتے وقت بائع ثمن کو ہاتھ لگادے یا مشتری مبیع کو ہاتھ لگادے تو سودا مکمل ہوگیا، اب دوسرے کو بولنے کا اختیار نہیں۔ اور منابذہ کی صورت یہ ہوتی تھی کہ سودا کرتے وقت بائع: مبیع کو مشتری کی طرف پھینک دے یا مشتری: ثمن کو بائع کی طرف پھینک دے تو سودا مکمل ہوگیا، اب دوسرے کو بولنے کا حق نہیں۔

یہ دستور زبان بندی تھا اسلام نے اس کو ختم کردیا، بیع میں آخر تک ہر فریق کو اپنی بات کہنے کا اختیار ہے، البتہ یہ اختیار کب تک ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک: تفرق اقوال تک ہے، جب ایجاب وقبول مکمل ہوگئے، اب کسی کو بیع ختم کرنے کا اختیار نہیں، اور چھوٹے دو اماموں کے نزدیک تفرق ابدان تک یا اختر اختر کہنے تک ہے اور اسی کا نام خیارِ مجلس ہے، جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

[٦٢-] بَابُ بَيْعِ الْمُلاَمَسَةِ

وَقَالَ أَنَسٌ: نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْهُ.

[٢١٤٤-] حدثنا سَعِيْدُ بْنُ عُفَيْرٍ، ثَنِيْ اللَّيْثُ، ثَنِيْ عُقَيْلٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِيْ عَامِرُ بْنُ سَعْدٍ، أَنَّ أَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنِ الْمُنَابَذَةِ، وَهِيَ طَرْحُ الرَّجُلِ ثَوْبَهُ بِالْبَيْعِ إِلَى الرَّجُلِ، قَبْلَ أَنْ يُقَلِّبَهُ أَوْ يَنْظُرَ إِلَيْهِ، وَنَهَى عَنِ الْمُلاَمَسَةِ، وَالْمُلاَمَسَةُ لَمْسُ الثَّوْبِ لاَ يَنْظُرُ إِلَيْهِ. [راجع: ٣٦٧]

[٢١٤٥-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، ثَنَا أَيُّوْبُ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: نُهِيَ عَنْ لِبْسَتَيْنِ: أَنْ يَحْتَبِيَ الرَّجُلُ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ، ثُمَّ يَرْفَعُهُ عَلَى مَنْكِبِهِ، وَعَنْ بَيْعَتَيْنِ: اللِّمَاسِ وَالنِّبَاذِ. [راجع: ٣٦٨]

[٦٣-] بَابُ بَيْعِ الْمُنَابَذَةِ

وَقَالَ أَنَسٌ: نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْهُ.

[٢١٤٦-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ، ثَنِيْ مَالِكٌ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنِ الْمُلاَمَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ.

[راجع: ٣٦٨]

[٢١٤٧-] وَحَدَّثَنِيْ عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيْدِ، ثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى، ثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيْدَ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ، قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ لِبْسَتَيْنِ، وَعَنْ بَيْعَتَيْنِ: الْمُلاَمَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ.

[راجع: ٣٦٧]

پہلی حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے بیع منابذہ سے منع فرمایا، اور بیع منابذہ یہ ہے کہ آدمی (بائع) سودا کرتے وقت اپنا کپڑا مشتری کی طرف پھینک دے، اس سے پہلے کہ مشتری مبیع کو الٹے پلٹے یا دیکھے ـــــ دونوں جملوں کا ایک ہی مطلب ہے اور عطف تفسیری ہے، یعنی جب بائع نے کپڑا وغیرہ مشتری کی طرف پھینک دیا تو بیع لازم ہوگئی، خواہ مشتری نے مبیع کو دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو، مشتری کو نہ خیارِ عیب حاصل ہے نہ خیارِ رویت۔

اور بیع ملامسہ سے بھی منع فرمایا، اور ملامسہ: کپڑے کو چھونا ہے جس کو اس نے دیکھا نہیں، یعنی جب مشتری نے مبیع کو ہاتھ لگا دیا تو بیع لازم ہوگئی، اب خیارِ رویت وغیرہ کچھ حاصل نہیں۔

دوسری حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے دو کپڑے پہننے کے طریقوں سے منع فرمایا: ایک یہ کہ آدمی ایک کپڑے میں حبوہ بنائے پھر اس کو کاندھے پر ڈال لے (اور دوسرا اشتمال الصمّاء ہے، تفصیل کتاب الصلوٰۃ (ثیاب المصلی) باب ۱۰ (تحفۃ القاری ۲:۱۴۴) میں گذر چکی ہے) اور دو بیعوں سے یعنی بیع ملامسہ اور بیع مبابذہ سے منع فرمایا۔

بَابُ النَّهْيِ لِلْبَائِعِ أَنْ لاَ يُحَفِّلَ الإِبِلَ وَالْبَقَرَ وَالْغَنَمَ

بائع کے لئے ممانعت کہ اونٹ گائے اور بکری کا دودھ نہ روکے

اوپر جنرل باب آیا ہے کہ ہر وہ بیع جس میں دھوکہ ہو ممنوع ہے، اب اس کی مثال دیتے ہیں کہ جانور کے تھن میں دودھ روک کر بیچنا ممنوع ہے، کیونکہ یہ بھی ایک طرح کا دھوکہ ہے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص اونٹنی، گائے، بھینس یا بکری خریدنے آیا، اس نے مالک سے جانور کے دودھ کے بارے میں پوچھا، مالک نے کہا: کل صبح آجانا تمہارے سامنے

دودھ نکالوں گا جو دودھ ہے وہ تمہارے سامنے آجائے گا۔ پھر اس نے شام کو آدھا دودھ نکالا اور آدھا تھن میں چھوڑ دیا، جب صبح جانور دوہا گیا تو ظاہر ہے دودھ زیادہ نکلے گا، مشتری نے دودھ کی مقدار دیکھ کر جانور خرید لیا، مگر جب گھر لے جاکر دوہا تو دودھ کم نکلا، اس طرح کرنا دھوکہ بازی ہے، آنحضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

اور باب میں لا ہے یا نہیں؟ بخاری شریف کے ایک دو نسخوں میں لا نہیں ہے، پس مطلب واضح ہے، مگر بخاری کے عام نسخوں میں لا ہے، اس صورت میں أن تفسیر یہ ہوگا اور یہ النهی کی تفسیر ہوگی، میرے خیال میں یہی نسخہ بہتر ہے۔

اور کلُّ محفَّلة کو دونوں شارحوں (عسقلانی اور عینی) نے باب کا جزء قرار دیا ہے اور الإبل پر عطف کیا ہے اور عام کا خاص پر عطف قرار دیا ہے اور منصوب پڑھا ہے، مگر میرے خیال میں یہ باب کا جزء نہیں، بلکہ مرفوع ہے اور اگلی عبارت کے ساتھ اس کا تعلق ہے یعنی محفلة اور مصرَّاة ایک چیز ہیں، دونوں کے معنی ہیں: تھن میں دودھ جمع کرنا، روکنا، حَفَل کے معنی ہیں: جمع کرنا، بس کو حافلة، مجلس کو حَفَلة اور مَحفِل کہتے ہیں کیونکہ اس میں بہت لوگ جمع ہوتے ہیں، اور تصرية کے اصل معنی ہیں: پانی روکنا، کہتے ہیں: صَرَّيْتُ الماءَ: میں نے پانی روکا اور مُصرَّاة کے معنی ہیں: دودھ روکنا۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کئی دنوں تک جانور کو نہ دوہنا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے جانور نہیں پالے، اگر ایک وقت جانور کو نہ دوہا جائے تو وہ چلائے گا، پھر اگر کئی دن تک نہ دوہا جائے تو دودھ خشک ہوجائے گا، اس لئے صحیح صورت یہ ہے کہ کچھ دودھ دوہا اور کچھ چھوڑ دیا تاکہ اگلے وقت میں زیادہ دودھ نکلے، یہی تحفیل اور تصرية ہے۔

[٦٤-] بَابُ النَّهْيِ لِلْبَائِعِ أَنْ لاَ يُحَفِّلَ الإِبِلَ وَالْبَقَرَ وَالْغَنَمَ

وَكُلُّ مُحَفَّلَةٍ وَالْمُصَرَّاةُ: الَّتِىْ صُرِّىَ لَبَنُهَا وَحُقِنَ فِيْهِ وَجُمِعَ، فَلَمْ يُحْلَبْ أَيَّامًا. وَأَصْلُ التَّصْرِيَةِ: حَبْسُ الْمَاءِ، يُقَالُ مِنْهُ: صَرَّيْتُ الْمَاءَ: إِذَا حَبَسْتَهُ.

[٢١٤٨-] حدثنا يَحْيىَ بْنُ بُكَيْرٍ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيْعَةَ، عَنِ الأَعْرَجِ، قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: " لاَ تُصَرُّوْا الإِبِلَ وَالْغَنَمَ، فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدُ، فَإِنَّهُ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَحْتَلِبَهَا، إِنْ شَاءَ أَمْسَكَ وَإِنْ شَاءَ رَدَّهَا وَصَاعَ تَمْرٍ"

وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِىْ صَالِحٍ، وَمُجَاهِدٍ، وَالْوَلِيْدِ بْنِ رَبَاحٍ، وَمُوْسَى بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: " صَاعَ تَمْرٍ"

وَقَالَ بَعْضُهُمْ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ، وَهُوَ بِالْخِيَارِ ثَلاَثًا.

وَقَالَ بَعْضُهُمْ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ: " صَاعًا مِنْ تَمْرٍ" وَلَمْ يَذْكُرْ: ثَلاَثًا.

وَالتَّمْرُ أَكْثَرُ. [راجع: ٢١٤٠]

ترجمہ: اور ہر محفلہ (دودھ روکا ہوا) اور ہر مصرات: وہ جانور ہے جس کا دودھ روکا گیا اور تھن میں محفوظ کیا گیا اور جمع کیا گیا، پس جانور کئی دن تک نہیں دوہا گیا۔ اور تصریہ کے اصل معنی ہیں پانی روکنا، اسی سے صَرَّیْتُ الماءَ ہے، جب پانی روک لیا جائے اور دوسرے کے کھیت میں نہ جانے دیا جائے اس وقت یہ جملہ بولتے ہیں۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: اونٹنی اور بکری کا دودھ نہ روکا جائے، پس جس شخص نے دودھ روکنے کے بعد (**بعدُ: أی بعد التصریة**) جانور خریدا تو وہ جانور کو دوہنے کے بعد دو مفید باتوں میں اختیار رکھتا ہے، اگر چاہے تو جانور کو روک لے اور اگر چاہے تو واپس کردے اور ایک صاع چھوہارے (دودھ کے بدلے میں) دے۔

اختلاف رواۃ:

حدیث شریف میں صَاعَ تمر ہے یا صاعَ طعام؟ ابوصالح، مجاہد، ولید بن رباح اور موسیٰ بن یسار وغیرہ نے صاعَ تمر کہا ہے، پس یہ اعرج کے متابع ہیں۔ اور محمد بن سیرین کے بعض تلامذہ صاعَ طعام کہتے ہیں، اور ان کی روایت میں یہ بات زائد ہے کہ جانور کو واپس کرنے کا اختیار تین دن تک ہے اور بعض تلامذہ صاع تمر روایت کرتے ہیں اور تین دن تک اختیار ہے، یہ بات ان کی روایت میں نہیں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اکثر رواۃ نے صاع تمر روایت کیا ہے، لہٰذا یہی صحیح ہے۔

تشریح:

۱- اگر کوئی شخص دودھ روک کر جانور فروخت کرے تو مشتری کو اختیار ہے اگر جانور پسند ہو تو روک لے ورنہ واپس کردے، مگر مشتری جانور کو روکے گا تو قیمت میں سے کچھ کم نہیں ہوگا، کیونکہ دودھ کا کم زیادہ ہونا مبیع کا وصف ہے اور وصف کے مقابل ثمن نہیں آتا، ثمن صرف عین کے مقابل آتا ہے، اور اگر مشتری کو جانور پسند نہ ہو اور وہ سودا ختم کردے تو اس کو چاہئے کہ مبیع کے ساتھ ایک صاع چھوہارے یا کوئی اور غلہ دے اور یہ بائع کا دل خوش کرنے کے لئے ہے، دودھ کا ضمان نہیں کیونکہ ضابطہ ہے: **الخَرَاج بالضَّمان**: آمدنی نقصان کے عوض ہے (ابن ماجہ حدیث ۲۲۴۳) یعنی اگر جانور لوٹانے سے پہلے مرجاتا تو مشتری کا نقصان ہوتا، پس اس زمانہ کا دودھ بھی مشتری کا ہے، اس کا کوئی ضمان واجب نہیں[1]

۲- مشتری کو جانور لوٹانے کا اختیار تین دن تک ہے، تین دن کے بعد حق ساقط ہوجاتا ہے کیونکہ جانور کو دو چار مرتبہ دوہنے سے دودھ کا پتا چل جاتا ہے، پس زیادہ دنوں تک اختیار دینے میں بائع کا نقصان ہے، نیز عرصہ گذرنے کے بعد دودھ خود بخود بھی کم ہوجاتا ہے اور دیگر عوارض سے بھی کم ہوتا ہے، اس لئے تین دن تک ہی اختیار ہے۔

(۱) ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک ایک صاع غلہ دینا واجب ہے اور یہ دودھ کا بغیر حساب کے بدلہ ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ایک صاع غلہ یا دودھ کی قیمت میں سے ایک چیز واجب ہے اور طرفین کے نزدیک یہ دینا مستحب ہے، تفصیل تحفۃ الالمعی (۱۷۲:۴) میں ہے ۱۲

۳- جب کوئی شخص ایسا فریب کرتا ہے اور راز کھل جاتا ہے اور مشتری بیع ختم کرنا چاہتا ہے تو جانور کو بائع کے کھونٹے سے باندھ کر چلا آتا ہے اور معاوضہ کے نام سے کچھ نہیں دیتا بلکہ دس باتیں سنا کر آتا ہے، یہ ایک معاشری خرابی ہے۔ حدیث شریف کا اصل زور اسی پر ہے کہ بائع کا دل خوش کیا جائے، اس کو ایک صاع چھوہارے یا کوئی اور غلہ دیا جائے تا کہ بائع کا دل نہ دکھے، کیونکہ اس زمانہ کا دودھ مشتری نے استعمال کیا ہے، پس بائع خیال کرے گا کہ میرا خواہ مخواہ نقصان ہوا، غرض چھوہارے، کوئی غلہ یا دودھ کی قیمت دے کر بائع کا دل خوش کرنا چاہئے یہ اس حدیث کا ماسیق لاجلہ الکلام ہے۔

۴- غرر کی دو قسمیں ہیں: غرر قولی اور غرر فعلی، غرر قولی یہ ہے کہ بائع دودھ زیادہ بتا کر فروخت کرے، اس صورت میں تمام ائمہ متفق ہیں کہ خیار وصف کی بناء پر مشتری سودا ختم کرسکتا ہے اور بائع انکار کرے تو قاضی سودا ختم کردے گا۔

اور غرر فعلی یہ ہے کہ اپنے عمل سے دھوکہ دے اور زبان سے کچھ نہ کہے، اس صورت میں مشتری کو بیع فسخ کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ فرماتے ہیں: مشتری کو اختیار تام حاصل ہے وہ ڈکٹیٹر ہے، بیع فسخ کرسکتا ہے، اور طرفین کے نزدیک مشتری کو خیار ناقص حاصل ہے، وہ بائع کو راضی کر کے سودا ختم کرسکتا ہے، تنہا ختم نہیں کرسکتا۔

[۲۱۴۹-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا مُعْتَمِرٌ، سَمِعْتُ أَبِيْ يَقُوْلُ: ثَنَا أَبُوْ عُثْمَانَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: مَنِ اشْتَرَى شَاةً مُحَفَّلَةً فَرَدَّهَا، فَلْيَرُدَّ مَعَهَا صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، وَنَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ تُلَقَّى الْبُيُوْعُ.[انظر: ۲۱۶۴]

وضاحت: یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت ہے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکور مرفوع روایت کے ہم معنی ہے، پس جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ یہ روایت ہر طرح سے قیاس کے خلاف ہے، اور اس کے راوی (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) غیر فقیہ صحابی ہیں، اس لئے اس روایت کو نہیں لیا جائے گا: یہ باتیں ٹھیک نہیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بالاجماع فقیہ صحابی ہیں اور ان کا بھی یہی فتوی ہے اور یہ بات حدیث کا ماسیق لاجلہ الکلام پیش نظر نہ ہونے کی وجہ سے کہی گئی ہے، حدیث کا ماسیق لاجلہ الکلام: معاشرتی خرابی کی اصلاح ہے، اور ایک صاع چھوہارے بائع کا دل خوش کرنے کے لئے دلوائے ہیں، یہ دودھ کا ضمان نہیں۔ پس یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں۔

قوله: ونهى النبي صلى الله عليه وسلم أن تُلَقَّى البيوع: تَلَقِّی کے معنی ہیں: استقبال کرنا، ملاقات کرنا، اور بیوع بمعنی مبیعات ہے یعنی برائے فروخت لائی جانے والی چیزیں۔ اگر کوئی شخص تجارتی مال لے کر شہر آرہا ہو تو اس کو شہر میں آکر فروخت کرنے کا موقع دینا چاہئے، تاجروں کو آگے بڑھ کر خریدنا نہیں چاہئے، اگر تاجر اس سے باہر نکل کر ملاقات کرے اور اس سے سودا کرے تو یہ تلقی البیوع ہے، اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، کیونکہ اس میں عام لوگوں کا نقصان ہے اور

بائع کا بھی نقصان ہے۔ تفصیل آگے آئے گی۔

[۲۱۵۰-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لَا تَلَقَّوُا الرُّكْبَانَ، وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ، وَلَا تَنَاجَشُوْا، وَلَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ، وَلَا تُصَرُّوْا الْغَنَمَ، وَمَنِ ابْتَاعَهَا فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَحْلِبَهَا، إِنْ رَضِيَهَا أَمْسَكَهَا، وَإِنْ سَخِطَهَا رَدَّهَا وَصَاعًا مِنْ تَمْرٍ"[راجع: ۲۱٤۰]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: لادی کا استقبال مت کرو، اور نہ بیچیں تم میں سے بعض بعض کی بیع پر، اور نجش مت کرو یعنی دھوکہ دہی کے لئے خریدنے کی پیشکش مت کرو، اور کوئی شہری کسی دیہاتی کے لئے نہ بیچے، اور بکری کا دودھ نہ روکا جائے، اور جس نے ایسی بکری خریدی پس اسے دودھ دوہنے کے بعد دو مفید باتوں میں اختیار ہے، اگر اس کو بکری پسند آئے تو اس کو روک لے اور اگر پسند نہ آئے تو اس کو واپس کردے، اور ایک صاع چھوہارے دے۔

بَابٌ: إِنْ شَاءَ رَدَّ الْمُصَرَّاةَ، وَفِي حَلْبَتِهَا صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ

اگر مشتری چاہے تو دودھ روکا ہوا جانور واپس کردے،

اور اس کے دوہے ہوئے دودھ میں ایک صاع چھوہارے ہیں

مُصَرَّاۃ: اسم مفعول ہے، مادہ: ص، ر، ر ہے اور اس کے معنی ہیں: باندھنا، روکنا، بٹوے کو صُرَّۃ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ پیسے روکتا ہے، اور ایک صاع چھوہارے یا غلہ دینا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک واجب ہے، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ایک صاع غلہ یا دودھ کی قیمت میں سے کوئی ایک واجب ہے اور طرفین کے نزدیک یہ دینا مستحب ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ کے ساتھ ہیں۔

[٦٥-] بَابٌ: إِنْ شَاءَ رَدَّ الْمُصَرَّاةَ، وَفِي حَلْبَتِهَا صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ

[۲۱۵۱-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو، ثَنَا الْمَكِّيُّ، ثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِي زِيَادٌ، أَنَّ ثَابِتًا مَوْلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنِ اشْتَرَى غَنَمًا مُصَرَّاةً، فَاحْتَلَبَهَا، فَإِنْ رَضِيَهَا أَمْسَكَهَا، وَإِنْ سَخِطَهَا فَفِي حَلْبَتِهَا صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ"[راجع: ۲۱٤۰]

وضاحت: ابھی بتایا ہے کہ اگر بائع غرر قولی کرے یعنی دودھ زیادہ بتا کر بیچے تو تمام ائمہ متفق ہیں کہ مشتری کو قضاءً بیع فسخ کرنے کا حق ہے اور غرر فعلی کی صورت میں بیع فسخ کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور امام

ابو یوسف رحمہم اللہ کے نزدیک اس صورت میں بھی قضاءً بیع فسخ کرنے کا حق ہے اور طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک قضاءً فسخ کرنے کا حق نہیں، دیانۃً فسخ کرسکتا ہے۔

اور یہ اختلاف درحقیقت نص فہمی کا اختلاف ہے، حدیث میں تین مسئلے ہیں: ایک: دودھ روکے ہوئے جانور کو واپس کرنے کا اختیار۔ دوسرا: تین دن تک اختیار، تیسرا: دودھ کا عوض دینا —— حدیث کا ماسیق لاجلہ الکلام ان میں سے کونسے مسئلے ہیں؟ احناف کے نزدیک دوسرے اور تیسرے مسائل زیر بحث ہیں، اور پہلا مسئلہ ضمناً آیا ہے، معاشرہ میں خرابی پچھلے دو مسئلوں میں پائی جاتی ہے، کئی دنوں کے بعد مشتری جانور واپس کرنا چاہتا ہے اور اس عرصہ کے دودھ کا کچھ عوض نہیں دینا چاہتا، اس حدیث میں ان دونوں باتوں کی اصلاح کی گئی ہے کہ یہ اختیار صرف تین دن تک ہے اور دودھ کا واجبی بدلہ دینا چاہئے تاکہ بائع کا دل نہ دکھے، وہ خوشی سے جانور واپس لے لے، رہا پہلا مسئلہ تو وہ تمہید کلام کے طور پر زیر بحث آیا ہے، کیونکہ ایسے جانور کو واپس لینے میں بائع حیل حجت نہیں کرتا اور کوئی کرتا ہے تو مسلمانوں کا صالح معاشرہ مشتری کا ساتھ دیتا ہے، ہر کوئی بائع سے کہتا ہے: فریب بھی کرتا ہے اور پُٹھے پر ہاتھ بھی نہیں رکھنے دیتا! ایسے وقت میں اس حدیث کا طرز بیان بھی مشتری کا معاون ہوگا، مگر جمہور کے نزدیک بحث پہلے مسئلے سے ہے۔

اور اختلاف کی دوسری بنیاد یہ ہے کہ حدیث میں خیارِ تام ہے یا خیارِ ناقص؟ جمہور کے نزدیک خیارِ تام ہے، پس مشتری بیع فسخ کرسکتا ہے اور بائع انکار کرے تو قاضی سودا ختم کردے گا، اور طرفین کے نزدیک خیارِ ناقص ہے، پس بائع کی رضامندی سے سودا ختم کیا جاسکتا ہے، تنہا فسخ نہیں کرسکتا اور قاضی بھی فسخ نہیں کرسکتا۔ تفصیل تحفۃ الالمعی (۴:۱۷۱) میں ہے۔

فائدہ: یہ حدیث بکری اور اونٹنی کے سلسلہ میں ہے، اونٹنی کا دودھ اگرچہ زیادہ ہوتا ہے مگر کم قیمت ہوتا ہے، گائے بھینس کا یہ حکم نہیں۔ ان کا دودھ زیادہ ہوتا ہے اور قیمتی ہوتا ہے اس لئے جتنے وقت کا دودھ استعمال کیا ہے اس کی قیمت لوٹانی چاہئے تاکہ بائع خوش دلی سے جانور واپس لے لے۔

بَابُ بَيْعِ الْعَبْدِ الزَّانِىْ

زنا کرنے والے غلام کو بیچنا

اگر باندی میں زنا کی عادت ہے اور بائع سودا کرتے وقت یہ بات ظاہر نہ کرے تو مشتری خیارِ عیب کی وجہ سے سودا ختم کرسکتا ہے اور بائع انکار کرے تو قاضی سودا ختم کردے گا، یہ اجماعی مسئلہ ہے، کیونکہ باندی میں زنا کی عادت بالاجماع عیب ہے، مگر غلام میں یہ عیب ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک غلام میں بھی یہ عیب ہے، اس کی وجہ سے مشتری بیع فسخ کرسکتا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہر وہ چیز جس کی وجہ سے تاجروں کے نزدیک قیمت کم ہوجائے وہ عیب ہے، اس کی وجہ سے مشتری کو خیارِ عیب حاصل ہوتا ہے اور احناف کے نزدیک صرف

باندی میں یہ عیب ہے غلام میں عیب نہیں، باندی کو آقا بیوی کے طور پر استعمال کرتا ہے اس لئے اگر اس میں زنا کی عادت ہے تو مولیٰ کا نسب محفوظ نہیں رہے گا اس لئے باندی میں یہ عیب ہے اور غلام خدمت کے لئے ہوتا ہے، اس میں یہ عیب ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لئے حنفیہ غلام میں اس کو عیب نہیں مانتے، پس یہ مسئلہ اجتہادی ہے، منصوص نہیں، اور حدیث شریف میں صرف باندی کا ذکر ہے، بعض فقہاء نے اس پر غلام کو قیاس کیا ہے اور بعض قیاس نہیں کرتے، قاضی شریح رحمہ اللہ فرماتے ہیں: زنا کی وجہ سے واپس کرسکتا ہے، مگر غلام کو یا باندی کو یا دونوں کو؟ اس کی صراحت نہیں کی۔

[٦٦-] بَابُ بَيْعِ الْعَبْدِ الزَّانِي

وَقَالَ شُرَيْحٌ: إِنْ شَاءَ رَدَّ مِنَ الزِّنَا.

[٢١٥٢-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، ثَنَا اللَّيْثُ، ثَنِيْ سَعِيْدُ الْمَقْبُرِيُّ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، أَنَّـهُ سَمِعَهُ يَقُوْلُ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم:" إِذَا زَنَتِ الْأَمَةُ، فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا، فَلْيَجْلِدْهَا، وَلاَ يُثَرِّبْ، ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَلْيَجْلِدْهَا وَلاَ يُثَرِّبْ، ثُمَّ إِنَّ زَنَتِ الثَّالِثَةَ فَلْيَبِعْهَا، وَلَوْ بِحَبْلٍ مِنْ شَعْرٍ"

[انظر ٢١٥٣، ٢٢٣٣، ٢٢٣٤، ٢٥٥٥، ٦٨٣٧، ٦٨٣٩]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: جب باندی زنا کرے اور اس کا زنا کھل جائے یعنی رنگے ہاتھوں پکڑی جائے تو اس کو کوڑے مارے، اور سرزنش نہ کرے، پھر اگر زنا کرے تو کوڑے مارے اور سرزنش نہ کرے، پھر اگر تیسری مرتبہ زنا کرے تو اس کو فروخت کردے، اگرچہ بالوں کی رسّی کے عوض ہو، یعنی نہایت معمولی قیمت پر بکے پھر بھی بیچ دے۔

تشریح:

۱- تمام ائمہ متفق ہیں کہ غلام باندی اگر زنا کریں تو وہ خواہ شادی شدہ ہوں یا کنوارے ان کی سزا پچاس کوڑے ہے اور یہ مسئلہ سورۃ النساء آیت ۲۵ میں ہے، البتہ حد جاری کرنے کا حق صرف حاکم کو ہے یا آقا کو بھی ہے؟ اس میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک آقا کو بھی یہ حق حاصل ہے اور حنفیہ کے نزدیک آقا کو یہ حق حاصل نہیں، صرف حاکم حد جاری کرسکتا ہے، تفصیل اپنی جگہ آئے گی۔

۲- **قولہ:** ولایُثرِّب: اس کے علماء نے دو مطلب بیان کئے ہیں: **ایک:** اگر غلام باندی زنا کریں تو ان کو ڈانٹ ڈپٹ کر چھوڑ نہ دے، ان پر حد جاری کرائے یعنی ان کے گناہ کو مت چھپاؤ، جب کوئی شخص اپنے غلام یا باندی کو زنا کرتے دیکھتا ہے تو معاملہ دبا دیتا ہے، کیونکہ اس میں مولیٰ کی بھی بدنامی ہے، یہ ٹھیک نہیں، ان پر حد جاری کرائے، تاکہ وہ آئندہ اس گناہ سے باز رہیں۔ اور دوسرا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جب حد جاری کرادی تو اب ان کو لعن طعن اور ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے کیونکہ ان کو ان کے گناہ کی سزا مل چکی۔

۳-اگر باندی بار بار زنا کرے تو اس کو فروخت کرنے کا حکم اس لئے ہے کہ یہ آقا اس پر کنٹرول نہیں کرسکتا، اس کو برائی سے روک نہیں سکتا، جب وہ دوسرے آقا کے پاس جائے گی تو وہ اس کو بالکل سیدھا کردے گا۔

مناسبت: باندی میں زنا کی عادت عیب ہے اسی لئے اس کو سزا دینے کا اور پھر بھی باز نہ آئے تو بیچ دینے کا حکم ہے، اور مبیع میں عیب ہو تو مشتری کو خیارِ عیب کی وجہ سے بیع فسخ کرنے کا حق ہوتا ہے، یہ اس حدیث سے استدلال ہے اور جمہور نے غلام کو باندی پر قیاس کیا ہے، مگر احناف قیاس نہیں کرتے، کیونکہ غلام اور باندی کے الگ الگ مقاصد ہیں۔

[۲۱۵۳و۲۱۵۴-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ، ثَنِىْ مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ، وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم سُئِلَ عَنِ الْأَمَةِ إِذَا زَنَتْ وَلَمْ تُحْصِنْ؟ قَالَ:" إِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوْهَا، ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوْهَا، ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَبِيْعُوْهَا وَلَوْ بِضَفِيْرٍ" قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: لاَ أَدْرِىْ أَبَعْدَ الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ [راجع: ۲۱۵۲، وانظر: ۲۲۳۲، ۲۵۵۶. ۶۸۳۸]

وضاحت: غلام باندی خواہ شادی شدہ ہوں یا کنوارے ان کی سزا پچاس کوڑے ہے، پس ولم تُحْصِنْ کی قید احترازی نہیں .... ضفیر کے معنی ہیں: بکری کے بالوں کی رسّی .... امام زہریؒ کہتے ہیں: زانیہ باندی کو تیسری مرتبہ کے بعد بیچنے کا حکم ہے یا چوتھی مرتبہ کے بعد؟ یہ بات ان کو معلوم نہیں، مگر گذشتہ روایت میں تیسری مرتبہ کے بعد بیچنے کا حکم ہے۔

بَابُ الشِّرَى وَالْبَيْعِ مَعَ النِّسَاءِ

عورتوں کے ساتھ خرید وفروخت کرنا

مرد وزن کا باہم خرید وفروخت کرنا جائز ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو یہودی آقا سے خریدا ہے، اور یہ مسئلہ اس لئے بیان کیا ہے کہ عورت کو دھوکہ دینا آسان ہے، جب بائع مبیع کی جم کر تعریف کرتا ہے تو عورت دھوکہ میں آجاتی ہے، تاہم مرد کا عورت سے اور عورت کا مرد سے بیچنا خریدنا جائز ہے اس میں کچھ حرج نہیں۔

[۶۷-] بَابُ الشِّرَى وَالْبَيْعِ مَعَ النِّسَاءِ

[۲۱۵۵-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، أَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِىِّ، قَالَ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: قَالَتْ عَائِشَةُ: دَخَلَ عَلَىَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَذَكَرْتُ لَهُ، فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "اشْتَرِىْ وَأَعْتِقِىْ فَإِنَّمَا الْوَلاَءُ لِمَنْ أَعْتَقَ" ثُمَّ قَامَ النَّبِىُّ صلى الله عليه وسلم مِنَ الْعَشِىِّ، فَأَثْنَى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ:" أَمَّا بَعْدُ! مَابَالُ أُنَاسٍ يَشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَيْسَ فِى كِتَابِ اللّٰهِ! مَنِ اشْتَرَطَ

شَرْطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَ بَاطِلٌ، وَإِنِ اشْتَرَطَ مِائَةَ شَرْطٍ، شَرْطُ اللّٰهِ أَحَقُّ وَأَوْثَقُ"[راجع: ٤٥٦]

[٢١٥٦-] حدثنا حَسَّانُ بْنُ أَبِي عَبَّادٍ، ثنا هَمَّامٌ، سَمِعْتُ نَافِعًا يُحَدِّثُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عَائِشَةَ سَاوَمَتْ بَرِيْرَةَ، فَخَرَجَ إِلَى الصَّلاَةِ، فَلَمَّا جَاءَ قَالَتْ: إِنَّهُمْ أَبَوْا أَنْ يَبِيْعُوْهَا إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطُوْا الْوَلاَءَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "إِنَّمَا الْوَلاَءُ لِمَنْ أَعْتَقَ" قُلْتُ لِنَافِعٍ: حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا أَوْ عَبْدًا؟ فَقَالَ: مَا يُدْرِيْنِي؟[انظر: ٢١٦٩، ٢٥٦٢، ٦٧٥٢، ٦٧٥٧، ٦٧٥٩]

حوالہ: یہ حدیث بار بار گذری ہے، پہلی بار کتاب الصلوٰۃ باب ۷۰ (تحفۃ القاری ۲:۳۰۳) میں آئی ہے............**قوله:** أن عائشة ساوَمَتْ بريرة: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا (ان کے آقاؤں سے) بھاؤ تاؤ کیا............قلتُ لنافع: ہمام بن یحییٰ نے حضرت نافع سے پوچھا: جب حضرت بریرہؓ آزاد ہوئیں تو ان کے شوہر مغیث آزاد تھے یا غلام؟ نافع رحمہ اللہ نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں، اس کی تفصیل کتاب الطلاق میں آئے گی۔ حنفیہ کے نزدیک شوہر خواہ آزاد ہو یا غلام: دونوں صورتوں میں آزاد ہونے والی باندی کو خیارِ عتق حاصل ہوتا ہے۔

بَابٌ: هَلْ يَبِيْعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ بِغَيْرِ أَجْرٍ؟ وَهَلْ يُعِيْنُهُ أَوْ يَنْصَحُهُ؟

کیا شہری دیہاتی کے لئے اجرت لئے بغیر بیچ سکتا ہے؟ اور کیا اس کی مدد یا خیر خواہی کرے؟

یہ حدیث بار بار آئی ہے کہ کوئی شہری کسی دیہاتی کے لئے نہ بیچے، اس حکم کی وجہ کیا ہے؟ اور کونسی صورت ممنوع ہے؟ میں نے بتایا تھا کہ ایک معین صورت ممنوع ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی دیہاتی گاؤں سے گڑ وغیرہ بیچنے کے لئے شہر لایا اور اس نے مارکیٹ کو ڈاؤن پایا، کوئی شہری اس کا دوست ہے اس نے کہا: ابھی مت بیچ، مارکیٹ ڈاؤن ہے اپنا مال میرے پاس رکھ چھوڑ جب بھاؤ بڑھے گا میں بیچوں گا۔ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا، کیونکہ آج دیہاتی خود بیچے گا تو کم نفع پر بیچے گا، اس کو گھر لوٹنے کی جلدی ہوگی، پس اس میں لوگوں کا فائدہ ہے، ان کو چیز سستی ملے گی اور دیہاتی کا بھی فائدہ ہے، وہ رقم لے کر گھر لوٹے گا اور نقد ادھار سے بہتر ہے، اور شہری اگر اس کا مال بیچے گا تو دیہاتی کا بھی نقصان ہے اور لوگوں کا بھی، دیہاتی کا نقصان یہ ہے کہ کبھی مارکیٹ ہفتوں ڈاؤن رہتی ہے پس دیہاتی کو رقم کے لئے انتظار کرنا پڑے گا اور لوگوں کا نقصان یہ ہے کہ شہری وہ مال زیادہ داموں پر فروخت کرے گا اس لئے نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا، پس یہ ممانعت ملکی مصلحت سے ہے، باب شریعت سے نہیں یعنی یہ ممانعت مصلحۃً ہے، مسئلہ نہیں ہے۔ البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی دوسری شرح فرمائی ہے جو آگے آرہی ہے اور اسی کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے۔

اس کے علاوہ جتنی صورتیں ہیں سب جائز ہیں۔ مثلاً شہری کا دیہاتی کے لئے خریدنا جائز ہے، اس میں دکاندار کا کوئی نقصان نہیں، تاجر دھوکہ نہیں کھاتا وہ چالاک ہوتا ہے اور دیہاتی کا فائدہ ہے، اس کو مال سستا ملے گا، شہری رعایت سے

دلوائے گا، اور وہ دھوکہ سے بھی بچ جائے گا، تاجر اجنبی کو دھوکہ دیتے ہیں۔

اسی طرح پیڑھی والے کا دیہاتی کا مال نیلام کرنا بھی جائز ہے، آج کل یہی طریقہ ہے کہ جو مال لے کر منڈی میں آتا ہے وہ اپنا مال کسی پیڑھی پر اتارتا ہے، پیڑھی والا اس کا مال نیلام کرتا ہے، اور اس میں اس کا کمیشن ہوتا ہے، یہ بھی جائز ہے اس میں کچھ حرج نہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک شہری کے لئے دیہاتی کا مال بیچنے کی جو ممانعت ہے اس کی بنیاد اجرت لے کر بیچنا ہے۔ اگر کوئی شہری اجرت لئے بغیر دیہاتی کا مال بیچے تو جائز ہے کیونکہ یہ اس دیہاتی کی مدد اور اس کی خیر خواہی ہے جو شرعاً مطلوب ہے۔ نبی ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے، فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے نصیحت چاہے تو چاہئے کہ وہ اس کی خیر خواہی کرے'' حضرت عطاء رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اجرت لئے بغیر دیہاتی کا مال فروخت کرے تو جائز ہے۔ اور حدیث کا یہ مطلب امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی روشنی میں بیان کیا ہے، اور آئندہ تین ابواب اسی بنیاد پر قائم کئے ہیں۔

[٦٨-] بَابٌ: هَلْ يَبِيْعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ بِغَيْرِ أَجْرٍ؟ وَهَلْ يُعِيْنُهُ أَوْ يَنْصَحُهُ؟

وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: '' إِذَا اسْتَنْصَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيَنْصَحْ لَهُ'' وَرَخَّصَ فِيْهِ عَطَاءٌ.

[٢١٥٧-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ، عَنْ قَيْسٍ، سَمِعْتُ جَرِيْرًا يَقُوْلُ: بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَلٰى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَإِقَامِ الصَّلاَ ةِ، وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ'' [راجع: ٥٧]

قوله: والنصح لكل مسلم: یہ جملہ باب سے متعلق ہے، دیہاتی جو مال لے کر شہر میں بیچنے کے لئے آیا ہے اس کے ساتھ خیر خواہی کرنی چاہئے اور اجرت لئے بغیر اس کا مال بیچنا اس کی خیر خواہی ہے جو جائز ہے، اور حدیث کتاب الایمان کے آخری باب میں گذر چکی ہے ترجمہ اور شرح وہاں پڑھیں۔

[٢١٥٨-] حدثنا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، ثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: '' لَا تَلَقَّوُا الرُّكْبَانَ، وَلَا يَبِيْعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ'' فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: مَا قَوْلُهُ: لَا يَبِيْعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ؟ قَالَ: لَايَكُوْنُ لَهُ سِمْسَارًا. [انظر: ٢١٦٣، ٢٢٧٤]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: ''لادی کا استقبال مت کرو اور کوئی شہری کسی دیہاتی کے لئے نہ بیچے'' طاؤس رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ نبی ﷺ کے اس ارشاد: **لایبیع حاضر لباد:** کا کیا مطلب ہے؟ ابن عباسؓ نے کہا: دیہاتی کے لئے دلال نہ بنے، یعنی اجرت لے کر دیہاتی کا مال نہ بیچے، یہ صورت حدیث کا مصداق ہے۔

بَابُ مَنْ كَرِهَ أَنْ يَبِيْعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ بِأَجْرٍ

ایک رائے یہ ہے کہ شہری کا دیہاتی کے لئے اجرت لے کر بیچنا مکروہ ہے

اوپر بغیر أجر تھا، یہاں بأجر ہے، پس نیا باب ہوگیا، ایک رائے یہ ہے کہ اجرت پر دیہاتی کا مال بیچنا ممنوع ہے، اور یہی صورت حدیث کا مصداق ہے، اجرت لئے بغیر بیچ سکتا ہے۔ یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمائی ہے۔

[٦٩-] بَابُ مَنْ كَرِهَ أَنْ يَبِيْعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ بِأَجْرٍ

[٢١٥٩-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ صَبَّاحٍ، ثَنَا أَبُوْ عَلِي الْحَنَفِيُّ، هُوَ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ المَجِيْدِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ، حَدَّثَنِيْ أَبِيْ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ يَبِيْعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ، وَبِهِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ.

قوله: وبه قال ابن عباس: گیلری میں یہ عبارت حدیث سے پہلے ہے اور وہی موزون جگہ ہے۔

بَابٌ: لاَ يَشْتَرِيْ حَاضِرٌ لِبَادٍ بِالسَّمْسَرَةِ

کوئی شہری کسی دیہاتی کے لئے اجرت لے کر نہ خریدے

شہری دیہاتی کے لئے خریداری کرے اور اس کی اجرت لے یہ بھی جائز نہیں، یعنی جس طرح اجرت پر دیہاتی کا مال بیچنا جائز نہیں، اجرت پر دیہاتی کے لئے خریدنا بھی جائز نہیں، حضرات محمد بن سیرین اور ابراہیم نخعی رحمہما اللہ نے اس کو مکروہ فرمایا ہے، غرض بائع کی دلالی کرے یا مشتری کی: دونوں صورتیں ناجائز ہیں، مگر اب اجرت پر خریدنے اور بیچنے کے جواز کا فتوی ہے۔

[٧٠-] بَابٌ: لاَ يَشْتَرِيْ حَاضِرٌ لِبَادٍ بِالسَّمْسَرَةِ

وَكَرِهَهُ ابْنُ سِيْرِيْنَ وَإِبْرَاهِيْمُ لِلْبَائِعِ وَلِلْمُشْتَرِيْ، وَقَالَ إِبْرَاهِيْمُ: إِنَّ الْعَرَبَ تَقُوْلُ: بِعْ لِيْ ثَوْبًا، وَهِيَ تَعْنِيْ الشِّرَاءَ.

[٢١٦٠-] حدثنا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، أَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " لاَيَبْتَاعُ الْمَرْءُ عَلَى بَيْعِ أَخِيْهِ، وَلاَ تَنَاجَشُوْا، وَلاَ يَبِيْعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ"[راجع: ٢١٤٠]

[٢١٦١-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، ثَنَا مُعَاذٌ، قَالَ: ثَنَا ابْنُ عَوْنٍ، عَنْ مُحَمَّدٍ، قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: نُهِيْنَا أَنْ يَبِيْعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ.

قولہ: إن العرب تقول: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ حضرت رحمہ اللہ نے باب قائم کیا ہے کہ شہری کا دلال بن کر دیہاتی کے لئے خریدنا جائز نہیں۔ اور حدیث لائے ہیں: لایبیع حاضر لباد: اس حدیث سے باب کیسے ثابت ہوگا؟ اس میں تو بیچنے کی ممانعت ہے؟ جواب یہ ہے کہ لفظ بیع اضداد میں سے ہے، اس کے معنی بیچنے کے بھی ہیں اور خریدنے کے بھی، عرب کہتے ہیں: بِعْ لی ثوبا: یعنی میرے لئے کپڑا خرید، پس حدیث سے باب ثابت ہوگا۔

بَابُ النَّهْيِ عَنْ تَلَقِّى الرُّكْبَانِ، وَأَنَّ بَيْعَهُ مَرْدُوْدٌ

لادی کے استقبال کی ممانعت اور اس کی بیع مردود ہے

تَلَقِّی کے معنی ہیں: استقبال کرنا، ملاقات کرنا۔ اور رُکبان: راکب کی جمع ہے اور اس سے لادی مراد ہے، پرانے زمانہ میں بڑے تاجر عام لوگوں کی ضروریات جانوروں پر لاد کر شہر شہر، قصبہ قصبہ اور گاؤں گاؤں بیچتے تھے اس کو لادی اور کھیپ کہتے تھے اور جو صبح کے وقت دیہات سے لوگ بوگیوں میں سبزیاں وغیرہ بھر کر شہر میں فروخت کرنے کے لئے لاتے ہیں وہ بھی رکبان کا مصداق ہیں، حضرت رحمہ اللہ نے اسی اعتبار سے یہ باب قائم کیا ہے۔

شہر کے باہر سے کوئی شخص (لادی، دیہاتی) تجارتی مال لے کر شہر آرہا ہو تو اس کو شہر میں آکر فروخت کرنے کا موقع دینا چاہئے، لوگوں کو آگے بڑھ کر خریدنا نہیں چاہئے، اگر تاجر اس سے شہر سے باہر نکل کر ملاقات کرے اور سودا کرے تو یہ تلقی الرکبان اور تلقی البیوع ہے، نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، کیونکہ اس میں عام لوگوں کا بھی نقصان ہے اور بائع کا بھی نقصان ہے۔ بائع کا نقصان یہ ہے کہ عام طور پر دیہاتی اور لادی والے کو یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ شہر میں اس چیز کا کیا بھاؤ ہے؟ تاجر کم دام بتا کر سامان خرید لیتا ہے، اگر دیہاتی اپنا مال لے کر بازار میں آئے گا تو اس کو زیادہ قیمت ملے گی، اور عوام کا نقصان یہ ہے کہ جب مال ایک یا چند تاجروں نے مل کر خرید لیا اور اس مال کی شہر میں قلت ہے تو وہ من مانی قیمت پر بیچیں گے اور لوگ خریدنے پر مجبور ہونگے، کیونکہ وہ مال دوسروں کے پاس نہیں ہے، اس لئے نبی ﷺ نے ملکی مصلحت سے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اگر شہری دیہاتی یا لادی کو دھوکا دے کر کم داموں میں مال خرید لے اور اس نے غرر قولی کیا ہو یعنی غلط بھاؤ بتا کر کم داموں میں مال خریدا ہو تو جب دیہاتی کو دھوکہ کا علم ہوگا اس کو بالاجماع قضاءً بیع فسخ کرنے کا حق ہوگا اور اگر غرر فعلی کیا ہے یعنی زبان سے تو کچھ نہیں کہا مگر طرزِ عمل ایسا اختیار کیا ہے جس سے دیہاتی یہ سمجھا کہ آج مارکیٹ ڈاؤن ہے، اور اس نے کم داموں میں اپنا مال اس تاجر کو بیچ دیا، بعد میں اس کو دھوکہ کا علم ہوا تو وہ قضاءً بیع فسخ کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں قضاءً بیع فسخ کرنے کا حق نہیں، ہاں دیانۃً اس بیع کو فسخ کردینا چاہئے، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس صورت میں بھی دیہاتی کو قضاءً بیع فسخ کرنے کا حق ہے۔ غرض شاۃ مصرات

میں جو اختلاف ہے وہی اختلاف یہاں بھی ہے۔

قولہ: وأن بیعه مردود: اگر شہری تاجر لادی سے ملاقات کرے اور غلط بھاؤ بتا کر کم داموں میں اس کا مال خرید لے تو جمہور کے نزدیک بیع درست ہے، البتہ جب دیہاتی کو دھوکہ کا علم ہوگا تو وہ بیع فسخ کرسکتا ہے اور ظاہریہ کے نزدیک سرے سے بیع منعقد ہی نہیں ہوگی۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا اسی کی طرف رجحان ہے، یہ بات حاشیہ میں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ دھوکہ بازی ہے اور دھوکا دینا جائز نہیں، اس لئے بیع منعقد نہیں ہوگی۔

[۷۱-] بَابُ النَّهْيِ عَنْ تَلَقِّي الرُّكْبَانِ، وَأَنَّ بَيْعَهُ مَرْدُوْدٌ

لِأَنَّ صَاحِبَهُ عَاصٍ آثِمٌ، إِذَا كَانَ بِهِ عَالِمًا، وَهُوَ خِدَاعٌ فِي الْبَيْعِ، وَالْخِدَاعُ لَايَجُوْزُ.

[۲۱۶۲-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ الْعُمَرِيُّ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِيْ سَعِيْدٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنِ التَّلَقِّي، وَأَنْ يَبِيْعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ[راجع: ۲۱۴۰]

[۲۱۶۳-] حدثنا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيْدِ، ثنا عَبْدُ الْأَعْلٰى، ثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ: مَا مَعْنَى قَوْلِهِ: لَايَبِيْعَنَّ حَاضِرٌ لِبَادٍ؟ فَقَالَ: لَاتَكُنْ لَهُ سِمْسَارًا.[راجع: ۲۱۵۸]

[۲۱۶۴-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، ثَنَا التَّيْمِيُّ، عَنْ أَبِيْ عُثْمَانَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: مَنِ اشْتَرَى مُحَفَّلَةً فَلْيَرُدَّ مَعَهَا صَاعًا، قَالَ: وَنَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ تَلَقِّي الْبُيُوْعِ.[راجع: ۲۱۴۹]

[۲۱۶۵-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " لَايَبِيْعُ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ، وَلَا تَلَقَّوُا السِّلَعَ حَتَّى يُهْبَطَ بِهَا إِلَى السُّوْقِ"[راجع: ۲۱۳۹]

قولہ: لَاتَكُنْ له سِمْسَاراً: نہ بن تو اس کے لئے دلال یعنی اجرت لے کر اس کا مال فروخت مت کر، بغیر اجرت کے کرسکتا ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ممانعت کی وجہ ہے .... **مُحَفَّلَة:** دودھ روکا ہوا جانور .... **البیوع:** المبیعات .... **السِّلع:** بیچنے کی چیزیں۔

بَابُ مُنْتَهَى التَّلَقِّيْ

کہاں تک فروختگی کے سامان کا استقبال کرسکتے ہیں؟

شہر سے باہر کتنی دور تک نکل کر خریداری کرنا ممنوع ہے؟ اس کی کوئی حد ہے؟ جواب یہ ہے کہ جب منڈی کے دروازہ پر بوگی آجائے تو خریداری کرسکتا ہے، یہ حد ہے، اس سے آگے بڑھ کر خریدنا ممنوع ہے۔

[۷۲-] بَابُ مُنْتَهَى التَّلَقِّيْ

[۲۱۶۶-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا جُوَيْرِيَةُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: كُنَّا نَتَلَقَّى الرُّكْبَانَ، فَنَشْتَرِيْ مِنْهُمُ الطَّعَامَ، فَنَهَانَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ نَبِيْعَهُ حَتَّى نَبْلُغَ بِهِ سُوْقَ الطَّعَامِ.
[راجع: ۲۱۲۳]

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: هٰذَا فِي أَعْلَى السُّوْقِ، وَيُبَيِّنُهُ حَدِيْثُ عُبَيْدِ اللّٰهِ.

[۲۱۶۷-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، ثَنِيْ نَافِعٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: كَانُوْا يَتَبَايَعُوْنَ الطَّعَامَ فِي أَعْلَى السُّوْقِ، فَيَبِيْعُوْنَهُ فِيْ مَكَانِهِ، فَنَهَاهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ يَبِيْعُوْهُ فِيْ مَكَانِهِ حَتَّى يَنْقُلُوْهُ.[راجع: ۲۱۲۳]

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ہم لادی سے ملاقات کرتے تھے اور ان سے کھانے پینے کی چیزیں خریدتے تھے، پس ہمیں نبی ﷺ نے لادی سے خریدنے سے منع کیا، یہاں تک کہ ہم اس کے ساتھ غلہ کے بازار تک پہنچیں یعنی جب لادی بازار میں پہنچ جائے تب خریدیں اس سے پہلے خریدنے سے منع فرمایا —— امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سوق الطعام سے مراد أعلی السوق ہے یعنی بازار کے دروازہ پر خریداری کر سکتے ہیں، اس سے آگے بڑھ کر خریدنا ممنوع ہے، عبیداللہ کی حدیث میں جو اس کے بعد ہے اس کی وضاحت ہے۔

دوسری حدیث: ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ہم بازار کے دروازہ پر غلہ خریدتے تھے —— یہ حد ہے، بازار کے دروازہ تک جا سکتے ہیں، اس سے آگے بڑھنا ممنوع ہے —— پھر اسی جگہ غلہ بیچ دیا کرتے تھے، پس ہمیں نبی ﷺ نے جہاں خریدا ہے اسی جگہ بیچنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ ہم اس کو گھر یا بازار میں لے جائیں۔

بَابٌ: إِذَا اشْتَرَطَ فِي الْبَيْعِ شُرُوْطاً لَاتَحِلُّ

جب کوئی شخص بیع میں ناجائز شرطیں لگائے

بیع میں ناجائز شرطیں لگانے سے بیع فاسد ہو جاتی ہے، ہر وہ شرط جس میں احد المتعاقدین کا فائدہ ہو یا مبیع کا فائدہ ہو، درانحالیکہ مبیع اہل استحقاق میں سے ہو: شرط فاسد ہے اور اس سے بیع فاسد ہو جاتی ہے —— باب میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جو آپ کی پڑھی ہوئی ہے، اس میں بہت سے مسائل ہیں، حاشیہ میں پانچ اہم مسئلے لکھے ہیں:

۱- مکاتب کی بیع ہو سکتی ہے یا نہیں؟ حضرت بریرہؓ نے اپنے آقاؤں سے کتابت کا معاملہ کر رکھا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خرید کر آزاد کیا، معلوم ہوا کہ مکاتب کی بیع ہو سکتی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں اور امام ابوحنیفہ اور

امام شافعی رحمہما اللہ کا مذہب اور امام مالک رحمہ اللہ کی ایک روایت یہ ہے کہ مکاتب کی بیع جائز نہیں، کیونکہ وہ من وجہٍ (تصرف کے اعتبار سے) آزاد ہو چکا ہے، اور حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ انھوں نے کتابت سے اپنے آپ کو عاجز کر دیا تھا، مکاتب اپنے آپ کو کتابت سے عاجز کر سکتا ہے اس کے بعد اس کی خرید وفروخت جائز ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

۲- حضرت بریرہؓ کے آقاؤں نے وَلاء کی شرط لگائی تھی، یہ شرط فاسد ہے کیونکہ اس میں مشتری کا فائدہ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ وَلاء کی شرط اعتاق میں تھی جواز قبیل یمین ہے، بیع میں یہ شرط نہیں تھی، اور بیع میں شرط فاسد سے بیع فاسد ہوتی ہے اور یمن میں اگر شرط فاسد لگائی جائے تو وہ شرط خود فاسد ہو جاتی ہے، معاملہ درست رہتا ہے، تفصیل گذر چکی ہے (تحفۃ القاری ۲:۷-۳۰) مگر روایات اس انداز سے آئی ہیں کہ دھوکہ لگتا ہے کہ وَلاء کی شرط بیع میں تھی، حالانکہ ایسا نہیں تھا، کیونکہ بیع کے بعد اعتاق ضروری نہیں، اور اعتاق کے بغیر وَلاء ثابت نہیں ہوتا۔ یہ نکتہ خاص یاد رکھنے کا ہے۔

۳- ولاء آزاد کرنے والے کا حق ہے، غلام باندی کو آزاد کرنے سے معتِق (آزاد کرنے والے) اور معتَق (آزاد شدہ) کے درمیان جو رشتہ (تعلق) قائم ہوتا ہے اس کا نام وَلاء ہے، غیر معتق کے لئے اس کی شرط لگانا جائز نہیں، اگر کوئی غیر معتق کے لئے اس کی شرط لگائے تو وہ شرط باطل ہے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

۴- آزاد ہونے کے بعد باندی کو خیارِ عتق حاصل ہوتا ہے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، البتہ اگر باندی کا شوہر آزاد ہو تو خیارِ عتق حاصل ہوگا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس صورت میں خیارِ عتق حاصل نہیں ہوگا اور حنفیہ کے نزدیک حاصل ہوگا۔

اور اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ جب حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا آزاد ہوئیں تو ان کے شوہر مغیثؓ غلام تھے یا آزاد؟ دونوں طرح کی روایتیں ہیں اور احناف نے دونوں روایتوں کو جمع کیا ہے، وہ دونوں صورتوں میں خیار کے قائل ہیں۔

اور اختلاف کی دوسری بنیاد یہ ہے کہ طلاق میں عورت کا اعتبار ہے یا مرد کا؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مرد کا اعتبار ہے اور حنفیہ کے نزدیک عورت کا، اس کی تفصیل اپنی جگہ آئے گی۔

۵- بیع میں کیسی شرط لگانے سے بیع فاسد ہوتی ہے؟ احناف کے نزدیک ہر اس شرط سے جس میں احد المتعاقدین کا فائدہ ہو یا مبیع کا فائدہ ہو، درانحالیکہ مبیع اہل استحقاق میں سے ہو: بیع فاسد ہو جاتی ہے، کیونکہ شرط کی وجہ سے نزاع ہوگا، اور اگر مبیع اہل استحقاق میں سے نہ ہو تو بیع صحیح ہے، مثلاً گھوڑا بیچا اور شرط لگائی کہ مشتری روزانہ اس کو ایک کلو چنا کھلائے گا تو اس میں کچھ حرج نہیں، کیونکہ اس میں اگرچہ مبیع یعنی گھوڑے کا فائدہ ہے مگر گھوڑا اہل استحقاق میں سے نہیں ہے، اس کو چنا نہیں کھلایا جائے گا تو وہ کوئی جھگڑا نہیں کرے گا، لیکن اگر غلام اس شرط پر بیچا کہ وہ اس کو روزانہ پلاؤ زردہ کھلائے گا تو بیع فاسد ہوگی، کیونکہ مبیع اہل استحقاق میں سے ہے اس کو اگر روزانہ پلاؤ زردہ نہیں کھلائے جائے گا تو وہ لڑے گا، یا گھوڑا بیچا اور بائع نے سواری کی شرط لگائی یا

کپڑا خریدا اور مشتری نے سی کر دینے کی شرط لگائی تو بیع فاسد ہے، کیونکہ اس میں احد المتعاقدین کا فائدہ ہے۔

فائدہ: اشتراط فی البیع کی دو صورتیں ہیں: ایک: وہ اشتراط ہے جو مقصود ہوتا ہے، دوم: وہ اشتراط ہے جو محض وعدہ ہوتا ہے، اشتراط مقصود میں شرط قبول کرنے نہ کرنے پر بیع موقوف ہوتی ہے اگر شرط قبول کی جائے گی تو بیع ہوگی ورنہ نہیں، ایسے اشتراط سے بیع فاسد ہوتی ہے، مثلاً مکان کا سودا کیا، بائع نے چھ مہینے اس میں رہنے کی شرط لگائی تو یہ شرط ناجائز ہے۔

اور اشتراط غیر مقصود وعدہ کے قبیل سے ہوتا ہے، اس میں شرط کے منظور کرنے نہ کرنے پر بیع کا مدار نہیں ہوتا، بس اتنی بات ہوتی ہے کہ اگر شرط منظور کی جائے گی تو بیع خوش دلی سے ہوگی اور شرط منظور نہیں کی جائے گی تو بھی بیع ہوگی، مگر خوش دلی سے نہیں ہوگی۔ مثلاً ایک شخص نے میرے کتب خانہ سے کتابیں خریدیں اور شرط لگائی کہ کتابیں ٹرانسپورٹ سے روانہ کر کے بلٹی بنا کر دیں، ہم نے معذرت کر دی کہ ہمارے پاس کوئی ملازم نہیں پسیبج ہوگی اور وہ کتابوں کی روانگی کا کوئی اور انتظام کرے گا، یہ شرط وعدہ کے قبیل سے ہے اس سے بیع فاسد نہیں ہوتی، کیونکہ وہ صلب عقد میں داخل نہیں ہوتی، اور معاوضات (لین دین) میں جو وعدے ہوتے ہیں وہ دیانۃً واجب ہوتے ہیں دیانۃً ان کا پورا کرنا ضروری ہے، قضاءً پورا کرنا ضروری نہیں۔

[۷۳-] بَابٌ: إِذَا اشْتَرَطَ فِي الْبَيْعِ شُرُوْطاً لاَتَحِلُّ

[۲۱۶۸-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، نَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: جَاءَ تْنِي بَرِيْرَةُ، فَقَالَتْ: كَاتَبْتُ أَهْلِيْ عَلٰى تِسْعِ أَوَاقٍ، فِي كُلِّ عَامٍ أُوْقِيَّةٌ، فَأَعِيْنِيْنِيْ، فَقُلْتُ: إِنْ أَحَبَّ أَهْلُكِ أَنْ أَعُدَّهَا لَهُمْ، وَيَكُوْنَ وَلاَءُ كِ لِيْ فَعَلْتُ، فَذَهَبَتْ بَرِيْرَةُ إِلٰى أَهْلِهَا، فَقَالَتْ لَهُمْ فَأَبَوْا[ذٰلِكَ] عَلَيْهَا، فَجَاءَ تْ مِنْ عِنْدِهِمْ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم جَالِسٌ، فَقَالَتْ: إِنِّيْ عَرَضْتُ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ فَأَبَوْا إِلاَّ أَنْ يَكُوْنَ الْوَلاَءُ لَهُمْ، فَسَمِعَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَأَخْبَرَتْ عَائِشَةُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: " خُذِيْهَا وَاشْتَرِطِيْ لَهُمُ الْوَلاَءَ، فَإِنَّمَا الْوَلاَءُ لِمَنْ أَعْتَقَ " فَفَعَلَتْ عَائِشَةُ، ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِي النَّاسِ، فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: " أَمَّا بَعْدُ! مَابَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللّٰهِ؟ مَاكَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَ بَاطِلٌ، وَإِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ، قَضَاءُ اللّٰهِ أَحَقُّ، وَشَرْطُ اللّٰهِ أَوْثَقُ، وَإِنَّمَا الْوَلاَءُ لِمَنْ أَعْتَقَ "[راجع: ٤٥٦]

[۲۱۶۹-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ أَرَادَتْ أَنْ تَشْتَرِيَ جَارِيَةً فَتُعْتِقَهَا، فَقَالَ أَهْلُهَا: نَبِيْعُكِهَا عَلٰى أَنَّ وَلاَءَ هَا لَنَا، فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: " لاَ يَمْنَعُكِ ذٰلِكِ، فَإِنَّمَا الْوَلاَءُ لِمَنْ أَعْتَقَ "[راجع: ٢١٥٦]

حوالہ: یہ حدیث گذر چکی ہے، دیکھئے: تحفۃ القاری (۲:۳۰۴)............ إِنْ أَحَب أهلك: اگر تیرا آقا پسند کرے کہ

میں ان کے لئے بدل کتابت تیار کروں اور تیری ولاء میرے لئے ہو تو میں ایسا کرسکتی ہوں، یعنی تو اپنے آقا سے بات کر اگر وہ پوری رقم میں تجھ کو بیچ دے تو میں خرید کر تجھے آزاد کردوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کو ولاء کی ضرورت نہیں تھی، یہ راوی کی تعبیر ہے۔ کتاب المکاتب کی آخری حدیث میں اس کی صراحت ہے............**قولہ: ما کان من شرط**: ما موصولہ ہے اور من شرط اس کا بیان ہے............**قولہ: قضاءُ اللہ أحق**: اللہ کا فیصلہ زیادہ حقدار ہے اور اللہ کی شرط زیادہ مؤکد ہے، دونوں جملوں کا ایک ہی مطلب ہے یعنی شریعت کا حکم مقدم ہے۔

بَابُ بَیْعِ التَّمْرِ بِالتَّمْرِ

چھوہاروں کی چھوہاروں کے بدل بیع

اب ربا الفضل کا بیان شروع ہو رہا ہے، پہلے بتلایا تھا کہ ربا کی دو قسمیں ہیں: ربا القرض اور ربا الفضل، اور ایک تیسری قسم ربا النسیئہ ہے جو ربا الفضل کا بچہ ہے۔ قرآنِ کریم میں صرف ربا القرض کا ذکر ہے اور ربا الفضل اور ربا النسیئہ کا ذکر حدیثوں میں ہے۔

قرض پر زیادتی کا نام ربا القرض ہے، اور اشیائے ستہ کی حدیث میں اصالۃً ربا الفضل کا اور ضمناً ربا النسیئہ کا ذکر ہے، ربوی اشیاء کا تبادلہ اگر ہم جنس سے کیا جائے تو برابر سرابر اور دست بدست ہونا ضروری ہے، کمی بیشی جائز نہیں، نہ ادھار جائز ہے، اگر کمی بیشی کرے گا تو ربا الفضل ہوگا اور ادھار معاملہ کرے گا تو ربا النسیئہ ہوگا، تفصیل تحفۃ الالمعی (۱۴۹:۴) میں ہے اور کچھ تفصیل پہلے (أبواب البیوع باب ۲۳ میں) گذر چکی ہے۔

اب چند باتیں سمجھنی چاہئیں:

پہلی بات: ربا القرض کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ راست زر سے زر پیدا کرنے کی شریعت حوصلہ افزائی نہیں کرتی، شریعت چاہتی ہے کہ اگر زر سے زر پیدا کیا جائے تو درمیان میں عمل کا واسطہ آئے، کیونکہ زر سے بلا توسطِ عمل زر پیدا کرنے سے دو بڑی خرابیاں لازم آتی ہیں، ایک: دولت کا اکتناز ہو جاتا ہے یعنی دولت چند ہاتھوں میں سمٹ آتی ہے۔ دوسری: بے روزگاری پھیلتی ہے، تفصیل أبواب البیوع کے شروع میں گذر چکی ہے۔

اور ربا الفضل کی حرمت کی وجہ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں یہ تحریر فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو رفاہیت بالغہ یعنی بہت زیادہ بلند معیارِ زندگی پسند نہیں، کیونکہ جو شخص بہت اونچے معیار کی زندگی گذارے گا وہ طلب دنیا میں زیادہ منہمک ہوگا، اور اسی کے بقدر آخرت سے غافل ہوگا۔

اور اعلیٰ معیارِ زندگی کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر چیز بڑھیا سے بڑھیا اور اعلیٰ معیار کی استعمال کی جائے، گیہوں اعلیٰ قسم ہی کا کھایا جائے، کھجوریں اعلیٰ قسم ہی کی کھائی جائیں، سونا اور چاندی اعلیٰ معیار ہی کی استعمال کی جائے جس کی عملی صورت یہی ہوسکتی

ہے کہ اگر اپنے پاس اعلیٰ درجہ کی چیز نہ ہو بلکہ معمولی درجہ کی ہو تو وہ زیادہ مقدار میں دے کر اس کے بدلے میں اعلیٰ درجہ کی چیز تھوڑی مقدار میں لے لی جائے، اور اس طرح زندگی کا اعلیٰ معیار برقرار رکھا جائے۔ اس لئے رفاہیت بالغہ کی یہ صورت امت مرحومہ کے لئے نبی رحمت ﷺ کے ذریعہ یعنی وحی غیر متلو کے ذریعہ ممنوع قرار دی گئی۔ اور جنس واحد میں جید وردی کا تفاوت لغو کر دیا، تا کہ ہر شخص جو کچھ اس کو میسر ہے اس پر قناعت کرے اور رئیسانہ ٹھاٹ سے بچے[۱] تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ (۵۴۶:۴) میں ہے۔

دوسری بات: آنحضور ﷺ نے چھ چیزیں: سونا، چاندی، کھجور، گندم، نمک اور جَو کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اگر ان کا تبادلہ ہم جنس سے کیا جائے تو برابر سرابر اور دست بدست ہونا ضروری ہے، نہ کمی بیشی جائز ہے اور نہ ادھار، اگر کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرے گا تو یہ ربا الفضل ہے اور ادھار معاملہ کرے گا تو یہ ربا النسیئہ ہے، مثلاً کھجور کا کھجور سے تبادلہ کیا جائے تو دو چیزیں ضروری ہیں: مساوات اور دونوں عوضوں کا نقد ہونا، اگر برابر سرابر نہیں ہے، کمی بیشی کے ساتھ فروخت کیا ہے تو یہ ربا الفضل ہے اور یہ بیع ناجائز ہے اور اگر کوئی ایک عوض ادھار ہے تو یہ ربا النسیئہ ہے اور یہ بھی ناجائز ہے اور اگر دونوں عوض ادھار ہیں تو بیع الکالئ بالکالئ ہے اور یہ بھی ناجائز ہے۔

اور اگر غیر جنس کے ساتھ تبادلہ کیا جائے یعنی ایک طرف کھجور ہو اور دوسری طرف گندم تو کمی بیشی جائز ہے، یہ کمی بیشی ربا الفضل نہیں، البتہ ادھار اب بھی جائز نہیں، اگر کوئی عوض ادھار ہوگا تو یہ ربا النسیئہ ہے اور بیع ناجائز ہوگی، غرض ہم جنس کے ساتھ تبادلہ میں ربا الفضل اور ربا النسیئہ دونوں متحقق ہوتے ہیں اور غیر جنس کے ساتھ تبادلہ میں صرف ربا النسیئہ متحقق ہوتا ہے، ربا الفضل متحقق نہیں ہوتا۔

تیسری بات: ربا مذکورہ چھ چیزوں میں منحصر ہے یا ان چیزوں میں سے علت نکالی جائے گی؟ اصحابِ ظواہر یعنی غیر مقلدین کے نزدیک ربا مذکورہ چھ چیزوں میں منحصر ہے، ساتویں کسی چیز میں ربا نہیں، ان کے علاوہ تمام مجتہدین کے نزدیک حدیث معلل ہے، ربا کا حکم اُن تمام چیزوں میں جاری ہوتا ہے جن میں وہ علت پائی جائے، پھر اس میں تو اتفاق ہے کہ سونے اور چاندی کی علت الگ ہے اور باقی چار چیزوں کی الگ، مگر علت نکالنے میں اختلاف ہوا ہے۔

سونے اور چاندی کی علت: شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک سونے اور چاندی میں علت: ثمنیت ہے یعنی ایسی چیز ہونا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے معاملات میں ثمن (وسیلہ) بننے کے لئے پیدا کیا ہے، ایسی چیزیں دو ہی ہیں: سونا اور چاندی، پس یہ

(۱) اگر کسی واقعی ضرورت سے ہم جنس سے تبادلہ کرنا پڑے مثلاً ایک کسان کے پاس معمولی گیہوں ہیں اور اس کو بیج کے لئے عمدہ گیہوں درکار ہیں اور فریقین جید وردی کا تفاوت ملحوظ رکھنا چاہتے ہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ دو بیعیں کی جائیں، اپنے معمولی گیہوں کسی کو نقد بیچ دیئے جائیں پھر اس رقم سے عمدہ گیہوں خرید لئے جائیں، عمدہ گیہوں والے کے ہاتھ ہی ان معمولی گیہوں کو بیچنا ضروری نہیں، پس یہ حیلہ نہیں ۱۲

علت ان دو کے ساتھ خاص ہوگی، اور احناف اور حنابلہ کے نزدیک علت: وزن یعنی موزونی چیز ہونا ہے، پس جو بھی چیز تولی جاتی ہے وہ سونے چاندی کے حکم میں ہے، مثلاً زعفران، لوہا، تانبا، پیتل، گوشت، آلو اور ٹماٹر وغیرہ ہزاروں چیزیں موزونی ہیں، پس یہ سب ربوی اشیاء ہیں۔

باقی چار چیزوں میں علت: احناف اور حنابلہ کے نزدیک کیل یعنی مکیلی ہونا علت ہے، پس جو بھی چیز پیمانے سے ناپی جاتی ہے وہ ربوی ہے، خواہ وہ مطعوم ہو یا غیر مطعوم، جیسے چاول، چنا، مکئی وغیرہ اور معدودات (جو گن کر فروخت کی جاتی ہیں) اور مزروعات (جو گز وغیرہ سے ناپ کر فروخت کی جاتی ہیں) وہ ربوی چیزیں نہیں۔

پس احناف اور حنابلہ کے نزدیک مذکورہ چھ چیزوں میں ربا کی علت وزن وکیل ہیں اور ان دونوں کے لئے مشترک لفظ 'قدر' ہے پس قدر مع الجنس میں یعنی جب دونوں عوض ایک جنس کے ہوں اور دونوں قدری یعنی مکیلی یا موزونی ہوں تو ربا الفضل اور ربا النسیئہ دونوں کا تحقق ہوگا، ان میں نہ تفاضل جائز ہوگا نہ ادھار، بلکہ برابر سرابر اور دست بدست فروخت کرنا ضروری ہے، اور قدر مع غیر الجنس میں یعنی جب دونوں عوض الگ الگ جنس کے ہوں مگر دونوں مکیلی یا موزونی ہوں تو صرف ربا النسیئہ کا تحقق ہوگا، ربا الفضل متحقق نہیں ہوگا، یعنی اس صورت میں کمی بیشی جائز ہوگی اور ادھار ناجائز۔ جیسے گیہوں کو چنے کے عوض بیچا جائے تو تفاضل جائز ہے اور ادھار حرام ہے۔

اور شافعیہ کے نزدیک باقی چیزوں میں علت: طُعم (کھانے کی چیز) ہونا ہے اور طُعم میں ان کے نزدیک تین چیزیں شامل ہیں: اول: مطعومات یعنی وہ چیزیں جو غذا بننے کے لئے پیدا کی گئی ہیں، گیہوں اور جَو اس کی مثالیں ہیں، اور چاول، چنا اور مکئی وغیرہ اس کے ساتھ ملحق ہیں۔ دوم: فواکہ (پھل) کھجور اس کی مثال ہے، اور کشمش اور انجیر وغیرہ اس کے ساتھ ملحق ہیں۔ سوم: مصلحات یعنی وہ چیزیں جو طعام یا جسم کی اصلاح کرتی ہیں نمک اس کی مثال ہے اور تمام ادویہ اور مسالے اس کے ساتھ ملحق ہیں۔

اور مالکیہ کے نزدیک:

(۱) صرف ربا النسیئہ کے لئے طعام میں علت: مطعوم ہونا ہے بشرطیکہ وہ چیز دواء کے طور پر نہ کھائی جاتی ہو خواہ وہ مطعوم اقتیات وادخار کے قابل ہو یا نہ ہو، جیسے ککڑی، خربوزہ، لیموں اور گاجر وغیرہ کو دست بدست بیچنا ضروری ہے —— اور فواکہ کی جملہ انواع جیسے سیب اور کیلے وغیرہ کو بھی دست بدست فروخت کرنا ضروری ہے، ادھار بیچنا سود ہے، البتہ ان میں ربا الفضل متحقق نہیں ہوگا، پس کمی بیشی جائز ہے۔

(۲) اور ربا الفضل اور ربا النسیئہ دونوں کے تحقق کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں: ایک: طعام کا مُقتات ہونا یعنی عموماً انسان ان کو کھاتے ہوں اور صرف ان پر گذر بسر کرتے ہوں۔ دوم: طعام کا ادخار کے قابل ہونا، یعنی عرصہ تک رکھنے سے وہ چیز خراب نہ ہو، جہاں یہ دونوں چیزیں (اقتیات وادخار) پائی جائیں گی وہاں دونوں ربا متحقق ہونگے، پس نہ کم وبیش فروخت

کرنا درست ہوگا نہ ادھار۔

ملحوظہ: شافعیہ اور مالکیہ نے سونے اور چاندی میں جو علت: ثمنیت تجویز کی ہے اس میں غور طلب بات یہ ہے کہ جب ثمنیت سونے اور چاندی کے ساتھ خاص ہے تو اس تعلیل کا کیا فائدہ؟ تعلیل تو حکم کے تعدیہ کے لئے ہوتی ہے، اس لئے اس سے بہتر وزن کو علت بنانا ہے، کیونکہ لوہے وغیرہ کی طرف اس کا تعدیہ ہوتا ہے، علاوہ ازیں حدیث میں وزن وکیل کے علت ہونے کی طرف اشارہ بھی ہے۔ تفصیل تحفۃ الالمعی (۱۵۱:۴) میں ہے۔

[٧٤-] بَابُ بَيْعِ التَّمْرِ بِالتَّمْرِ

[٢١٧٠-] حدثنا أَبُوْ الْوَلِيْدِ، ثَنَا لَيْثٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسٍ، سَمِعَ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " الْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ"[راجع: ٢١٣٤]

بَابُ بَيْعِ الزَّبِيْبِ بِالزَّبِيْبِ، وَالطَّعَامِ بِالطَّعَامِ

زبیب کو زبیب اور غلہ کو غلہ کے بدل بیچنا

کشمش (چھوٹا سوکھا ہوا انگور) اور منقی (بڑا سوکھا ہوا انگور) دونوں کو عربی میں زبیب کہتے ہیں، اگر زبیب کا زبیب کے ساتھ تبادلہ کیا جائے تو قدر مع الجنس کی وجہ سے کمی بیشی ناجائز ہے اور ادھار بھی، دیگر غلوں کا بھی یہی حکم ہے، جب دونوں عوض ہم جنس ہوں اور دونوں قدری (مکیلی یا موزونی) ہوں تو مساوات (برابری) ضروری ہے اور دونوں عوضوں کا نقد ہونا بھی ضروری ہے، کمی بیشی ربا الفضل ہے اور ادھار ربا النسیئہ۔

[٧٥-] بَابُ بَيْعِ الزَّبِيْبِ بِالزَّبِيْبِ، وَالطَّعَامِ بِالطَّعَامِ

[٢١٧١-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ، ثَنِيْ مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنِ الْمُزَابَنَةِ، وَالْمُزَابَنَةُ: بَيْعُ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ كَيْلاً، وَبَيْعُ الزَّبِيْبِ بِالْكَرْمِ كَيْلاً.

[انظر: ٢١٧٢، ٢١٨٥، ٢٢٠٥]

ترجمہ: نبی ﷺ نے بیع مزابنہ سے منع فرمایا، اور بیع مزابنہ: درخت کی کھجور کو خشک کھجور (چھوہاروں) کے بدل پیمانہ کے ذریعہ (برابر کرکے) بیچنا ہے اور کشمش کو انگور کی بیلوں کے بدل پیمانہ کے ذریعہ (برابر کرکے) بیچنا ہے۔

تشریح: بیع مزابنہ: درخت پر لگے ہوئے پھلوں کو مثلاً کھجوروں کو ہم جنس ٹوٹے ہوئے پھلوں کے عوض بیچنا ہے، اسی

کے مانند محاقلہ ہے یعنی کھڑی کھیتی کو مثلاً گیہوں کو ہم جنس غلہ کے عوض بیچنا۔ یہ دونوں بیوع ممنوع ہیں اور ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ غلہ اور پھل ربوی چیزیں ہیں ان کی ہم جنس سے بیع میں مساوات ضروری ہے، کمی بیشی حرام ہے، اور کھڑی کھیتی کا اور درخت پر لگے ہوئے پھلوں کا صحیح اندازہ مشکل ہے، اس لیے کمی بیشی کے احتمال کی وجہ سے یہ بیوع ممنوع ہیں، البتہ کھڑی کھیتی کو اور درخت پر لگے ہوئے پھلوں کو پیسوں کے بدل یا غیر جنس کے پھلوں اور غلہ کے بدل بیچنا جائز ہے کیونکہ غیر جنس کے ساتھ بیع کی صورت میں تفاضل جائز ہے۔

وجہ تسمیہ: مُحاقلة: حَقْل (ہری کھیتی) سے باب مفاعلہ ہے حَاقَلَہ کے معنی ہیں: کسی کو پکنے سے پہلے کھڑی کھیتی ہم جنس غلہ کے عوض بیچنا............اور مزابنة: زبن سے باب مفاعلہ ہے اس کے لغوی معنی ہیں: دھکا دینا، ہٹانا، اور زَابَنَہ کے معنی ہیں: درخت پر لگے ہوئے پھلوں کو ہم جنس ٹوٹے ہوئے پھلوں کے عوض اندازہ سے برابری کر کے بیچنا —— گویا مشتری نے درخت والے کو کٹے ہوئے پھل دے کر دھکا دیا اور بائع نے کٹے ہوئے پھل لے کر مشتری کو دھکا دیا، یوں ہر ایک نے دوسرے کو دھکا دیا، اس لئے باب مفاعلہ استعمال کیا گیا۔

فائدہ: لوگ بیع محاقلہ اور بیع مزابنہ کبھی تعاون باہمی کے جذبہ سے کرتے ہیں، مثلاً ایک شخص کی کھیتی پکنے میں ابھی دیر ہے اور اس کے یہاں کوئی تقریب آئی ہے، اسے گندم کی ضرورت ہے اور اس کے کسی رشتہ دار، پڑوسی یا دوست کی کھیتی پک کر کٹ چکی ہے وہ اس سے کہتا ہے کہ میرے کھیت کا اندازہ کر کے اس کے بقدر گندم مجھے دیدو، اور جب میری کھیتی پک جائے تو اسے آپ لے لینا۔

مگر تعاون باہمی کا جذبہ تو کم اور نفع کا لالچ زیادہ ہوتا ہے، اس لئے کہ کھڑی کھیتی میں سے جو گھاس نکلے گی وہ نفع میں رہے گی اور یہ سود ہے۔ علاوہ ازیں احتمال ہے کہ جو اندازہ ٹھہرا گیا ہے وہ صحیح نہ ہو، غلہ اندازہ سے زیادہ ہو، پس یہ زیادہ غلہ بھی سود ہے، غرض ربا یا احتمالِ ربا کی وجہ سے یہ دونوں بیوع ممنوع ہیں۔

[۲۱۷۲-] حدثنا أَبُوْ النُّعْمَانِ، ثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیه وسلم نَهَی عَنِ الْمُزَابَنَةِ. قَالَ: وَالْمُزَابَنَةُ: أَنْ يَبِيْعَ الثَّمَرَ بِكَيْلٍ، إِنْ زَادَ فَلِیْ، وَإِنْ نَقَصَ فَعَلَیَّ. [راجع: ۲۱۷۱]

[۲۱۷۳-] قَالَ: وَحَدَّثَنِیْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ: أَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیه وسلم رَخَّصَ فِی الْعَرَايَا بِخَرْصِهَا.

[انظر: ۲۱۸۴، ۲۱۸۸، ۲۱۹۲، ۲۳۸۰]

ترجمہ: مزابنہ یہ ہے کہ پھل بیچے/ خریدے پیمانے کے ذریعہ اور کہے اگر درخت سے پھل زیادہ اتریں تو میرے اور کم تریں تو میں ذمہ دار! اس احتمال ربا کی وجہ سے بیع مزابنہ ممنوع ہے۔

قولہ: وحدثني زيد بن ثابت: حدیث میں دومضمون ہیں: ایک: بیع مزابنہ کی ممانعت، یہ بات حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما آنحضور ﷺ سے براہِ راست روایت کرتے ہیں، اور دوسرا مضمون ہے بیع عریہ کی اجازت، یہ بات حضرت زید بن ثابتؓ کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں، اور بیع عریہ کی وضاحت آگے آئے گی۔

بَابُ بَيْعِ الشَّعِيْرِ بِالشَّعِيْرِ

جَو کو جَو کے بدل بیچنا

اگر جَو کو جَو کے عوض بیچے تو قدر مع الجنس کی وجہ سے مساوات اور نقد ضروری ہے، تفاضل ربا الفضل، اور ادھار ربا النسیئہ ہے۔

[٧٦-] بَابُ بَيْعِ الشَّعِيْرِ بِالشَّعِيْرِ

[٢١٧٤-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسٍ، أَخْبَرَهُ أَنَّهُ الْتَمَسَ صَرْفًا بِمِائَةِ دِيْنَارٍ، فَدَعَانِىْ طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ، فَتَرَاوَضْنَا، حَتّٰى اصْطَرَفَ مِنِّىْ، فَأَخَذَ الذَّهَبَ يُقَلِّبُهَا فِىْ يَدِهِ، ثُمَّ قَالَ: حَتَّى يَأْتِىَ خَازِنِىْ مِنَ الْغَابَةِ، وَعُمَرُ يَسْمَعُ ذٰلِكَ، فَقَالَ: وَاللّٰهِ! لَا تُفَارِقُهُ حَتَّى تَأْخُذَ مِنْهُ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "الذَّهَبُ بِالْوَرِقِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ"[راجع: ٢١٣٤]

حوالہ: حدیث گذر چکی ہے، دیکھئے: أبواب البيوع باب ۵۴.......... **إلتمس الشيءَ من فلان:** مانگنا، طلب کرنا......

قولہ: فتراوضنا: پس ہم نے بھاؤ تاؤ کیا، **تراوض القومُ فی الأمر:** کسی معاملہ میں باہم مناظرہ کرنا.......... **تراوضنا في البيع والشراء:** آپس میں خرید وفروخت میں جھگڑنا.......... **اصطرف المالَ بمثله:** تبدیل کرنا، سکہ بدلنا، ریزگاری لینا دینا۔

ترجمہ: مالکؒ نے امام زہریؒ کو بتایا کہ انھوں نے سو دینار کا چینج (تبادلہ) چاہا یعنی سو دینار درہموں سے بھنانے چاہے، پس مجھ کو طلحہ بن عبید اللہؓ نے بلایا، پس ہم نے بھاؤ تاؤ کیا یہاں تک کہ انھوں نے مجھ سے بیع صرف کی، یعنی قیمت طے کی، پس انھوں نے سونا لیا اور اس کو اپنے ہاتھ میں الٹنے پلٹنے لگے، یعنی سونا جانچ رہے ہیں، پھر مجھ سے کہا: یہاں تک کہ میرا منیجر جنگل (کھیت) سے آئے (پس آپ اپنے دراہم لے جائیں) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ بات سن رہے تھے، پس انھوں نے کہا: بخدا! نہ جدا ہوں آپ ان (طلحہ) سے یہاں تک کہ لیں آپ (دراہم) ان سے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: "سونا چاندی کے بدل سود ہے مگر لو اور لاؤ، یعنی بدست ہونا ضروری ہے۔ الی آخرہ۔

بَابُ بَيْعِ الذَّهَبِ بِالذَّهَبِ

سونا سونے کے بدل بیچنا

اگر سونے کا سونے سے تبادلہ کیا جائے تو برابری ضروری ہے، اعلی اور ادنی کا فرق ظاہر نہیں ہوگا، **جیِّدها وردیُّها سواء** اگرچہ حدیث نہیں ہے (ہدایہ میں اس کو حدیث کے طور پر پیش کیا ہے) مگر یہ مضمون صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ (نصب الرایہ ۴/ ۳۷)

اور اگر کوئی ربوی چیز کا ہم جنس سے تبالہ کرے اور ادنی اور اعلی کا فرق ظاہر کرنا چاہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ دو بیعیں کرے، اپنا معمولی سونا کسی کو دراہم کے عوض بیچ دے پھر اس رقم سے عمدہ سونا خریدے، عمدہ سونے والے کے ہاتھ ہی اس معمولی سونے کو بیچنا ضروری نہیں، پس یہ حیلہ نہیں۔

سوال: اگر کوئی کہے کہ دو بیعیں کرنے سے مسئلہ کیا حل ہوگا؟ سیدھی ناک پکڑو یا گھما کر پکڑو بات ایک ہی ہے!

جواب: بات ایک نہیں، جو لوگ رئیسانہ زندگی گزارتے ہیں یعنی ہر چیز اعلی درجہ کی استعمال کرتے ہیں، اعلی درجہ ہی کا گندم اور مسالہ کھاتے ہیں اور اعلی درجہ ہی کا سونا چاندی استعمال کرتے ہیں، جو رفاہیت بالغہ (رئیسانہ ٹھاٹھ) ہے وہ جب جنس کو جنس کے ساتھ بدلیں گے تو معمولی چیز زیادہ دے کر اس کے بدلہ میں اعلی درجہ کی چیز تھوڑی لیں گے، مگر جب قیمتاً خریدیں گے تو پیسے پیسے کا حساب کریں گے، میں اپنی مثال دیتا ہوں، جب میرے پاس کوئی غریب آتا ہے اور اس کو سو روپے دینے پڑتے ہیں تو میری طبیعت پر بوجھ پڑتا ہے اور ڈیڑھ سو کی کتاب کسی عالم کو ہدیہ دینے میں کوئی بوجھ نہیں پڑتا، اس لیے کہ میں کتابوں کا تاجر ہوں، اسی طرح جنسوں کے تبادلہ میں عام طور پر لوگ خیال نہیں کرتے اور جب دو بیعیں ہونگی تو اب پیسوں میں خریدنا ہوگا، اس لئے اب آنکھ بند کر کے نہیں خریدے گا، اس لئے یہ کہنا کہ اجناس باہم بدلی جائیں یا دو بیعیں کی جائیں بات ایک ہے: صحیح نہیں، دونوں میں بڑا فرق ہے۔

[۷۷-] بَابُ بَيْعِ الذَّهَبِ بِالذَّهَبِ

[۲۱۷۵-] حدثنا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ: أَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ عُلَيَّةَ: ثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِىْ إِسْحَاقَ، ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ أَبِىْ بَكْرَةَ، قَالَ قَالَ أَبُوْ بَكْرَةَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " لَاتَبِيْعُوْا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ، وَالْفِضَّةَ بِالْفِضَّةِ إِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ. وَبِيْعُوْا الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ وَالْفِضَّةَ بِالذَّهَبِ كَيْفَ شِئْتُمْ"[انظر: ۲۱۸۲]

وضاحت: اگر سونے کا سونے سے یا چاندی کا چاندی سے تبادلہ کیا جائے تو برابری ضروری ہے، اور دست بدست ہونا

بھی ضروری ہے۔اور اگر خلاف جنس سے تبادلہ کیا جائے یعنی سونے کا چاندی سے یا چاندی کا سونے سے تبادلہ کیا جائے تو کمی بیشی جائز ہے،مگر دست بدست ہونا ضروری ہے۔

بَابُ بَيْعِ الْفِضَّةِ بِالْفِضَّةِ

چاندی: چاندی کے بدل بیچنا

امام بخاری رحمہ اللہ کا طریقہ ہے کہ حدیث جتنی صحیح سندوں سے ان کے پاس ہوتی ہے اُن سب سندوں سے اس کو لاتے ہیں،اور ہر حدیث پر نیا عنوان قائم کرتے ہیں،اگرچہ نئے عنوان کا کوئی خاص مفاد نہ ہو۔

[۷۸-] بَابُ بَيْعِ الْفِضَّةِ بِالْفِضَّةِ

[۲۱۷۶-] حدثنا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعْدٍ، ثَنَا عَمِّى يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، ثَنَا ابْنُ أَخِى الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَمِّهِ، ثَنِى سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ أَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ حَدَّثَهُ مِثْلَ ذٰلِكَ حَدِيْثًا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم. فَلَقِيَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ، فَقَالَ: يَا أَبَا سَعِيْدٍ! مَا هٰذَا الَّذِىْ تُحَدِّثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم؟ فَقَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ فِى الصَّرْفِ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ مِثْلٌ بِمِثْلٍ، وَالْوَرِقُ بِالْوَرِقِ مِثْلٌ بِمِثْلٍ"[انظر: ۲۱۷۷، ۲۱۷۸]

وضاحت: اس حدیث میں اختصار اور تقدیم وتاخیر ہے،مسلم شریف کی روایت میں ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بنولیث کے ایک آدمی نے بیان کیا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں اور اسماعیلی کی تخریج میں ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ نے ان سے بیع صرف کے سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث کی طرح حدیث بیان کی، پس حضرت ابن عمرؓ بات پکی کرنے کے لیے حضرت ابوسعید خدریؓ کے پاس گئے اور ان سے پوچھا: اے ابوسعید! آپؓ نبی ﷺ کی کیا حدیث بیان کرتے ہیں؟ پس ابوسعیدؓ نے بیع صرف کے بارے میں فرمایا کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:"سونا سونے کے بدلے میں برابر سرابر بیچو اور چاندی چاندی کے بدلے میں برابر سرابر بیچو"

تشریح: پہلے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے یہ تھی کہ اگر سونا اور چاندی ہم جنس دست بدست بیچے جائیں تو کمی بیشی جائز ہے اور ان کو غلط فہمی ایک حدیث سے ہوئی تھی،آپؓ بقیع قبرستان کے پاس جانوروں کی مارکیٹ میں اونٹ فروخت کرتے تھے،کبھی اونٹ دیناروں میں بیچتے مگر خریدار کے پاس دینار نہ ہوتے تو ان کی جگہ درہم لیتے،اور کبھی دراہم میں بیچتے اور ان کی جگہ دینار لیتے،کسی نے ان سے کہا: یہ جائز نہیں،چنانچہ وہ نبی ﷺ کے پاس پہنچے اس وقت آپؐ حضرت

حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے نکل رہے تھے، انھوں نے آپؐ سے یہ مسئلہ پوچھا: آپؐ نے فرمایا: ''اس دن کے بھاؤ سے ایسا کرنے میں کچھ حرج نہیں'' مثلاً دینار میں اونٹ فروخت کیا اور مشتری دینار کے بدلے میں دراہم دینا چاہتا ہے تو اس دن دینار کی جو قیمت ہے اس کے اعتبار سے دراہم لینا جائز ہے۔ یہ حدیث ترمذی (حدیث ۱۲۲۶) میں ہے، اسی حدیث کی وجہ سے حضرت ابن عمرؓ کو غلط فہمی ہوئی کہ اثمان کا باہم تبادلہ بھی اگر دست بدست ہو تو کمی بیشی جائز ہے اور غلط فہمی کی بنیاد یہ تھی کہ سونا اور چاندی کیرٹ [1] کے اعتبار سے یکساں نہیں ہوتے، پس آپؓ نے خیال کیا کہ اس دن کے بھاؤ کا لحاظ کر کے دینار کی جگہ دینار اور دراہم کی جگہ دراہم کم وبیش لے سکتے ہیں کیونکہ سونا چاندی یکساں نہیں ہوتے، ان میں کیرٹ کے اعتبار سے تفاوت ہوتا ہے، پس قیمت کا اعتبار کر کے سونے چاندی کا باہم تبادلہ بھی کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے حالانکہ یہ قیاس صحیح نہیں تھا اس لیے کہ دراہم ودینار الگ الگ جنسیں ہیں، پس اس دن کے بھاؤ کا لحاظ کر کے دینار کی جگہ دراہم اور دراہم کی جگہ دینار کم وبیش لے سکتے ہیں مگر اس سے یہ سمجھ لینا کہ سونے اور چاندی میں بھی چونکہ کیرٹ کے اعتبار سے تفاوت ہوتا ہے اس لئے ان میں بھی کمی بیشی جائز ہے: صحیح نہیں، سونا اور چاندی ربوی اشیاء ہیں اور ربوی اشیاء میں جید اور ردی کا تفاوت ظاہر نہیں ہوتا، چنانچہ جب حضرت ابوسعید خدریؓ نے حدیث سنائی تو حضرت ابن عمرؓ نے اپنے قول سے رجوع کر لیا۔

[۲۱۷۷-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، نَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لَاتَبِيْعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا مِثْلاً بِمِثْلٍ، وَلَا تُشِفُّوْا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ، وَلَا تَبِيْعُوْا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ إِلَّا مِثْلاً بِمِثْلٍ، وَلَا تُشِفُّوْا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ، وَلَا تَبِيْعُوْا مِنْهَا غَائِبًا بِنَاجِزٍ"
[راجع: ۲۱۷۶]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: سونے کو سونے کے عوض مت بیچو مگر برابر سرابر، اور ایک کو دوسرے پر مت بڑھاؤ، یعنی کمی بیشی جائز نہیں، اور چاندی کو چاندی کے عوض مت بیچو مگر برابر سرابر، اور ایک کو دوسرے پر مت بڑھاؤ، اور ان میں سے غائب (غیر موجود) کو ناجز (موجود) کے عوض مت بیچو، یعنی دونوں عوض دست بدست ہونے ضروری ہیں۔

لغات: لَاتُشِفُّوْا: فعل مضارع معروف منفی از باب افعال أَشَفَّ الدِّرْهَمَ، درہم میں کمی بیشی کرنا، یہ اضداد میں سے ہے.........غائب: غیر موجود.........الناجز: حاضر وموجود، کہا جاتا ہے: وَعْدٌ ناجِزٌ: پورا کیا ہوا وعدہ، مجرد نَجَزَ الشَّيئُ (ن) نَجْزًا: مکمل اور پورا ہونا۔

تشریح: بیع صرف میں دونوں عوضوں کا مجلس عقد میں ہونا ضروری ہے اگر ایک عوض مجلس میں موجود ہو اور دوسرا عوض موجود نہ ہو تو یہ بیع جائز نہیں، کیوں کہ اثمان (سونا چاندی) متعین کرنے سے بھی متعین نہیں ہوتے، تقابض ہی سے متعین

(۱) کیرٹ انگریزی لفظ ہے، سونے چاندی کی معدنی حالت کو کیرٹ کہتے ہیں، عربی میں اس کو عیار کہتے ہیں ۱۲

ہوتے ہیں، پس اگر اثمان کا آپس میں تبادلہ کیا جائے اور احد العوضین پر مجلس میں قبضہ ہوجائے اور دوسرا عوض مجلس میں موجود نہ ہوتو اس صورت میں ثانی عوض متعین نہ ہوگا، پس یہ بیع العین بالدین ہوئی اوربیع العین بالدین ادھار بیع ہے اور اثمان کے تبادلہ میں نسیئہ حرام ہے اس لیے سونے چاندی کے تبادلہ میں بیع الغائب بالناجز جائز نہیں۔

بَابُ بَيْعِ الدِّيْنَارِ بِالدِّيْنَارِ نَسَاءً

دینار کو دینار کے بدل ادھار بیچنا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے بھی یہ تھی کہ اگر سونا اور چاندی ہم جنس دست بدست بیچے جائیں تو کمی بیشی جائز ہے، اور ان کو حدیث لاربا إلا فی النسيئة سے غلط فہمی ہوئی تھی، حالانکہ یہ حصر ادعائی تھا، مگر ابن عباسؓ نے اس کو حقیقی حصر سمجھ لیا کہ ادھار ہی میں سود ہے، دست بدست معاملہ ہوتو سود نہیں، خواہ برابر سرابر بیچے یا کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرے، سب درست ہے، جب حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپؓ حضرت ابن عباسؓ کے پاس گئے اور پوچھا: آپؓ جو فتوی دیتے ہیں کہ سونے چاندی کی ہم جنس دست بدست بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے کیا یہ بات آپؓ نے نبی ﷺ سے سنی ہے یا قرآنِ کریم میں پائی ہے؟ ابن عباسؓ نے عرض کیا: نہ یہ بات قرآن میں ہے اور نہ میں نے نبی ﷺ سے سنی ہے اور آپ حضرات آنحضور ﷺ کی حدیثیں مجھ سے زیادہ جانتے ہیں، البتہ حضرت اسامہؓ نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ: ''ربا نہیں ہے مگر ادھار میں'' اس حدیث کی بنیاد پر ابن عباسؓ مذکورہ فتوی دیتے تھے مگر جب حضرت ابوسعید خدریؓ نے ان کو مذکورہ حدیث سنائی تو انھوں نے اپنے قول سے رجوع کرلیا۔

فائدہ: لا ربا إلا فی النسيئة میں ربا النسیئہ کی شناعت وقباحت ذہنوں میں بٹھانے کے لیے حصر کیا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حقیقی ربا تو ربا القرض ہے اسی لئے اسی کو قرآن میں لیا ہے اور ربا الفضل حکمی ربا ہے یعنی دوسرے درجہ کا ربا ہے اور ربا النسیئہ اس کا بچہ ہے پس وہ تیسرے درجہ کا ربا ہے، یہ جو درجہ بندی کی گئی ہے اس سے کسی کو غلط فہمی ہوسکتی ہے کہ حقیقی ربا یعنی ربا القرض سے بچنا تو ضروری ہے مگر ربا الفضل سے بچنے کی کچھ زیادہ تاکید نہیں، کیونکہ وہ دوسرے درجہ کا ربا ہے مگر امت میں ایسا خیال نہیں پایا جاتا، سب لوگ یہی جانتے ہیں کہ ربا کی دونوں قسمیں یکساں ہیں، البتہ ربا النسیئہ کے بارے میں غلط فہمی ہوسکتی ہے بلکہ پائی جارہی ہے کہ یہ دونوں سے فروتر ہے اس لئے اس کی شناعت وقباحت ذہنوں میں بٹھانے کے لئے حصر کرکے فرمایا: سود ادھار ہی میں ہے یعنی اس کو ہلاکامت سمجھو وہی حقیقی سود ہے۔

[۷۹-] بَابُ بَيْعِ الدِّيْنَارِ بِالدِّيْنَارِ نَسَاءً

[۲۱۷۸و۲۱۷۹-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنَا ضَحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ، ثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِيْ عَمْرُو

ابْنُ دِيْنَارٍ، أَنَّ أَبَا صَالِحٍ الزَّيَّاتَ، أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ يَقُوْلُ: الدِّيْنَارُ بِالدِّيْنَارِ، وَالدِّرْهَمُ بِالدِّرْهَمِ، فَقُلْتُ لَهُ: فَإِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ لاَ يَقُوْلُهُ، فَقَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ: سَأَلْتُهُ، فَقُلْتُ: سَمِعْتَهُ مِنَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَوْ وَجَدْتَهُ فِي كِتَابِ اللّٰهِ؟ فَقَالَ: كُلَّ ذٰلِكَ لاَ أَقُوْلُ، وَأَنْتُمْ أَعْلَمُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنِّيْ، وَلٰكِنْ أَخْبَرَنِيْ أُسَامَةُ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: ”لاَرِبَا إِلَّا فِي النَّسِيْئَةِ“

[راجع: ۲۱۷٦]

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ بْنَ حَرْبٍ يَقُوْلُ: لاَ رِبَا إِلَّا فِي النَّسِيْئَةِ، قَالَ: هٰذَا عِنْدَنَا فِي الذَّهَبِ بِالْوَرِقِ وَالْحِنْطَةِ بِالشَّعِيْرِ مُتَفَاضِلاً، لاَبَأْسَ بِهِ يَدًا بِيَدٍ وَلاَ خَيْرَ فِيْهِ نَسِيْئَةً.

قال أبو عبد الله: حدیث لاربا إلا فی النسیئة کا ایک مطلب تو میں نے بیان کیا تھا کہ ربا النسیئہ کی شناعت وقباحت ظاہر کرنا مقصود ہے، لوگ ربا النسیئہ کو معمولی سمجھتے ہیں، ادھار کو سود ہی نہیں سمجھتے اس لیے اس کی قباحت ذہنوں میں بٹھائی گئی ہے، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے دوسرا مطلب بیان کیا ہے، انھوں نے سلیمان بن حربؒ کا قول نقل کیا ہے کہ: سونے کو چاندی کے عوض یا گندم کو جَو کے عوض کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے، کیونکہ اجناس مختلف ہیں، مگر دست بدست ہونا ضروری ہے، ادھار سود ہے، یہ بات بھی صحیح ہے مگر اس میں سے حصر کی وجہ نہیں نکلتی اور میں نے جو مطلب بیان کیا ہے اس سے حصر کی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔

بَابُ بَيْعِ الْوَرِقِ بِالذَّهَبِ نَسِيْئَةً، وَبَابُ بَيْعِ الذَّهَبِ بِالْوَرِقِ يَدًا بِيَدٍ

چاندی کو سونے کے بدل ادھار بیچنا اور سونے کو چاندی کے بدل دست بدست بیچنا

سونے کا چاندی سے یا چاندی کا سونے سے تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے مگر ادھار جائز نہیں، کیونکہ قاعدہ ہے: قدر مع الجنس میں یعنی جب دونوں عوض ایک جنس کے ہوں اور دونوں قدری (مکیلی یا موزونی) ہوں تو ربا الفضل اور ربا النسیئہ دونوں کا تحقق ہوگا اور نہ تفاضل جائز ہوگا نہ ادھار، بلکہ برابر سرابر اور دست بدست فروخت کرنا ضروری ہوگا، اور قدر مع غیر الجنس میں یعنی جب دونوں عوض الگ الگ جنس کے ہوں اور دونوں مکیلی یا موزونی ہوں تو صرف ربا النسیئہ کا تحقق ہوگا ربا الفضل متحقق نہیں ہوگا، یعنی اس صورت میں کمی بیشی جائز اور ادھار ناجائز ہوگا، پس چاندی کو سونے کے عوض بیچا جائے تو تفاضل جائز ہے اور ادھار حرام ہے۔

[۸۰-] بَابُ بَيْعِ الْوَرِقِ بِالذَّهَبِ نَسِيْئَةً

[۲۱۸۰و۲۱۸۱-] حدثنا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، ثَنَا شُعْبَةُ، أَخْبَرَنِيْ حَبِيْبُ بْنُ ثَابِتٍ، سَمِعْتُ أَبَا الْمِنْهَالِ،

قَالَ: سَأَلْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ وَزَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ عَنِ الصَّرْفِ، فَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَقُوْلُ: هٰذَا خَيْرٌ مِنِّيْ، فَكِلَاهُمَا يَقُوْلُ: نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ بَيْعِ الذَّهَبِ بِالْوَرِقِ دَيْنًا.

[راجع: ٢٠٦٠، ٢٠٦١]

[٨١-] بَابُ بَيْعِ الذَّهَبِ بِالْوَرِقِ يَدًا بِيَدٍ

[٢١٨٢-] حدثنا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ، ثَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ، نَا يَحْيَى بْنُ أَبِيْ إِسْحَاقَ، ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ أَبِيْ بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْفِضَّةِ بِالْفِضَّةِ، وَالذَّهَبِ بِالذَّهَبِ إِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ، وَأَمَرَنَا أَنْ نَبْتَاعَ الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ كَيْفَ شِئْنَا، وَالْفِضَّةَ بِالذَّهَبِ كَيْفَ شِئْنَا.

[راجع: ٢١٧٥]

بَابُ بَيْعِ الْمُزَابَنَةِ، وَبَيْعِ الْعَرَايَا

مزابنہ اور عرایا کا بیان

اب بیع مزابنہ کے ابواب شروع ہورہے ہیں، مزابنہ کی ممانعت احتمال ربا کی وجہ سے ہے، اس لئے ربا کے ابواب کے بعد یہ ابواب لائے ہیں —— جو کھجوریں سوکھ کر چھوہارے بن گئے ہیں وہ تمر ہیں، اور درخت پر جو تازہ کھجوریں لگی ہوئی ہیں وہ ثمر ہیں، چھوہاروں کو درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کے عوض اندازے سے برابری کرکے بیچنا یا کشمش کو بیلوں کے انگوروں کے عوض یعنی درخت پر لگے ہوئے انگوروں کے عوض اندازہ سے برابری کرکے بیچنا جائز نہیں، اور اس باب کا مقصد یہ ہے کہ مزابنہ کی ممانعت ہے، مگر عرایا کی اجازت ہے، مزابنہ اور محاقلہ ایک ہیں پھلوں کی بیع مزابنہ ہے اور کھیتی کی محاقلہ، تفصیل أبواب البیوع باب ۷۵ میں گذر چکی ہے، اور عرایا کی تفسیر آگے آرہی ہے۔

[٨٢-] بَابُ بَيْعِ الْمُزَابَنَةِ، وَهِيَ بَيْعُ التَّمْرِ بِالثَّمَرِ، وَبَيْعُ الزَّبِيْبِ بِالْكَرْمِ، وَبَيْعِ الْعَرَايَا

وَقَالَ أَنَسٌ: نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ.

[٢١٨٣-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِيْ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لَا تَبِيْعُوْا الثَّمَرَ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهُ، وَلَا تَبِيْعُوْا الثَّمَرَ بِالتَّمْرِ" [راجع: ١٤٨٦]

[٢١٨٤-] قَالَ سَالِمٌ: أَخْبَرَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم رَخَّصَ بَعْدَ ذٰلِكَ فِيْ بَيْعِ الْعَرِيَّةِ بِالرُّطَبِ أَوْ: بِالتَّمْرِ، وَلَمْ يُرَخِّصْ فِيْ غَيْرِهِ. [راجع: ٢١٧٣]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: درخت کے پھلوں کومت بیچو جب تک ان کا کارآمد ہونا ظاہر نہ ہو (یہ مسئلہ آگے آرہا ہے) اور درخت کی کھجوروں کو چھوہاروں کے عوض مت بیچو (یہ جزء باب سے متعلق ہے اور ابن عمرؓ اتنی ہی حدیث آنحضور ﷺ سے براہ راست روایت کرتے ہیں اور بیع عریہ کی اجازت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں)

سالم کہتے ہیں: مجھے ابن عمرؓ نے خبر دی، وہ زید بن ثابتؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے بیع مزابنہ کی ممانعت کے بعد بیع عریہ کی اجازت دی تازہ کھجوروں کے عوض میں بھی اور چھوہاروں کے عوض میں بھی، اور عریہ کے علاوہ اور کسی صورت میں اجازت نہیں دی (بیع عریہ کی تفسیر آگے آرہی ہے)

[۲۱۸۵-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَهَى عَنِ الْمُزَابَنَةِ، وَالْمُزَابَنَةُ: اشْتِرَاءُ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ كَيْلاً، وَبَيْعُ الْكَرْمِ بِالزَّبِيْبِ كَيْلاً. [راجع: ۲۱۷۱]

[۲۱۸۶-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ، عَنْ أَبِيْ سُفْيَانَ مَوْلَى ابْنِ أَبِيْ أَحْمَدَ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَهَى عَنِ الْمُزَابَنَةِ، وَالْمُحَاقَلَةِ، وَالْمُزَابَنَةُ اشْتِرَاءُ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ عَلَى رُؤُوْسِ النَّخْلِ.

[۲۱۸۷-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ.

[۲۱۸۸-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، ثَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم رَخَّصَ لِصَاحِبِ الْعَرِيَّةِ أَنْ يَبِيْعَهَا بِخَرْصِهَا. [راجع: ۲۱۷۳]

قوله: رخَّصَ لصاحب العرية: عرية کے معنی ہیں: عطیہ، آنحضور ﷺ نے عطیہ والے کو اندازے سے بیچنے کی اجازت دی، تفصیل آگے آرہی ہے۔

بَابُ بَيْعِ الثَّمَرِ عَلَى رُؤُسِ النَّخْلِ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

درخت کے پھل سونے اور چاندی کے بدل بیچنا

درخت پر جو پھل ہیں ان کو روپیوں سے خریدنا اور بیچنا جائز ہے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

[۸۳-] بَابُ بَيْعِ الثَّمَرِ عَلَى رُؤُسِ النَّخْلِ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

[۲۱۸۹-] حدثنا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ، ثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِيْ ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، وَأَبِي الزُّبَيْرِ،

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتَّى يَطِيْبَ، وَلَا يُبَاعُ شَيْئٌ مِنْهُ إِلَّا بِالدِّيْنَارِ وَالدِّرْهَمِ إِلَّا الْعَرَايَا. [راجع: ١٤٨٧]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے پھلوں کو بیچنے سے منع فرمایا، یہاں تک کہ وہ عمدہ ہوجائیں یعنی کارآمد ہوجائیں، اور کوئی پھل نہ بیچا جائے مگر دینار و دراہم کے بدلے میں مگر عرایا مستثنیٰ ہے، اس کی تفصیل آئندہ باب میں آرہی ہے۔

[٢١٩٠-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ، قَالَ: سَمِعْتُ مَالِكًا، وَسَأَلَهُ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ الرَّبِيْعِ، أَحَدَّثَكَ دَاوُدُ، عَنْ أَبِيْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم رَخَّصَ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا فِي خَمْسَةِ أَوْسُقٍ أَوْ: دُوْنَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ؟ قَالَ: نَعَمْ. [انظر: ٢٣٨٢]

ترجمہ: عبیداللہ نے امام مالکؒ سے پوچھا: کیا داؤد بن الحصینؒ نے آپ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے پانچ وسق میں یا فرمایا پانچ وسق سے کم میں عریہ کی اجازت دی؟ امام مالکؒ نے فرمایا: ہاں —— یہ داؤد بن الحصینؒ کا شک ہے اور پانچ وسق ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تقریباً ساڑھے چھ کوئنٹل کھجوریں ہوتی ہیں اور حنفیہ کے نزدیک تقریباً دس کوئنٹل، ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور حنفیہ کا صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے اور ائمہ ثلاثہ کا صاع پانچ رطل اور تہائی رطل کا ہوتا ہے، غرض داؤد کو شک ہے اور شوافع نے مادون خمسة أوسق کو لیا ہے، اس میں احتیاط ہے اور مالکیہ نے دونوں کو لیا ہے۔

[٢١٩١-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ: سَمِعْتُ بُشَيْرًا، قَالَ: سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ أَبِيْ حَثْمَةَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ، وَرَخَّصَ فِي الْعَرِيَّةِ: أَنْ تُبَاعَ بِخَرْصِهَا، يَأْكُلُهَا أَهْلُهَا رُطَبًا.

وَقَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً أُخْرَى: إِلَّا أَنَّهُ رَخَّصَ فِي الْعَرِيَّةِ: يَبِيْعُهَا أَهْلُهَا بِخَرْصِهَا، يَأْكُلُوْنَهَا رُطَبًا.

قَالَ: هُوَ سَوَاءٌ.

قَالَ سُفْيَانُ: قُلْتُ لِيَحْيَى وَأَنَا غُلَامٌ: إِنَّ أَهْلَ مَكَّةَ يَقُوْلُوْنَ: إِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم رَخَّصَ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا، فَقَالَ: وَمَا يُدْرِيْ أَهْلَ مَكَّةَ؟ قُلْتُ: إِنَّهُمْ يَرْوُوْنَهُ عَنْ جَابِرٍ، فَسَكَتَ.

قَالَ سُفْيَانُ: إِنَّمَا أَرَدْتُ أَنَّ جَابِرًا مِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ.

قِيْلَ لِسُفْيَانَ: وَلَيْسَ فِيْهِ نَهْيٌ عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهُ، قَالَ: لَا. [انظر: ٢٣٨٤]

ترجمہ: حضرت سہل بن ابی حثمہؓ سے روایت ہے: نبی ﷺ نے درخت پر کی کھجوروں کو چھوہاروں کے بدل بیچنے سے

منع فرمایا اور عریہ کی اجازت دی کہ اندازہ سے کھجوریں بیچی خریدی جائیں تا کہ گھر والے تازہ کھجوریں کھائیں (امام شافعیؒ نے عریہ کی یہی تفسیر کی ہے) —— اور سفیانؒ نے دوسری مرتبہ کہا: مگر آپؐ نے عریہ کی اجازت دی، عریہ والا کھجوروں کو اندازے سے بیچے تا کہ گھر والوں کو تازہ کھجوریں کھلائے —— سفیان نے کہا: دونوں برابر ہیں (ابن عیینہؒ نے پہلی مرتبہ حدیث الگ لفظوں سے اور دوسری مرتبہ الگ لفظوں سے بیان کی، ابن المدینیؒ نے عرض کیا: آپ نے پہلی مرتبہ ان الفاظ سے حدیث بیان کی تھی اور اب دوسرے الفاظ سے بیان کی! ابن عیینہؒ نے فرمایا: دونوں برابر ہیں یعنی دونوں کا مطلب ایک ہے —— سفیانؒ کہتے ہیں: میں نے یحییٰ بن سعید سے پوچھا درانحالیکہ میں بچہ تھا کہ اہل مکہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے بیع عریہ کی اجازت دی ہے، یحییٰ نے کہا: مکہ والے کیا جانیں؟ یعنی مکہ میں تو کھجوریں نہیں ہوتیں، ان کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟ میں نے عرض کیا: مکہ والے یہ بات حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، پس یحییٰ خاموش ہوگئے —— سفیانؒ کہتے ہیں: میرا مطلب یہ تھا کہ حضرت جابرؓ مدینہ والوں میں سے ہیں —— سفیانؒ سے پوچھا گیا: اس حدیث میں پھلوں کو کارآمد ہونے سے پہلے بیچنے کی ممانعت نہیں ہے؟ انھوں نے فرمایا: نہیں، یعنی یہ مضمون اس حدیث میں نہیں ہے۔

بَابُ تَفْسِيْرِ الْعَرَايَا

بیع عرایا کی تفسیر

عریہ کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں جو فتح الباری اور تحفۃ الاحوذی میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان میں سے ایک تفسیر امام مالک رحمہ اللہ کے حوالے سے بیان کی ہے جو ان کے نزدیک مختار ہے اور وہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی رائے ہے۔

سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اگر درخت پر لگے ہوئے پھل مثلاً کھجوریں اور انگور ہم جنس پھلوں کے بدلے میں اندازے سے برابری کر کے بیچے جائیں تو یہ بیع مزابنہ ہے اور وہ ربا یا احتمالِ ربا کی وجہ سے ممنوع ہے۔

البتہ بیع عریہ مستثنیٰ ہے، اور یہ استثناء متصل ہے یا منقطع؟ یعنی بیع عریہ حقیقۃً بیع مزابنہ ہے یا صرف صورۃ؟ اس میں اختلاف ہوا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک حقیقۃً بیع عریہ ہے یعنی استثناء متصل ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صرف صورۃ بیع مزابنہ ہے، پس استثناء منقطع ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ نے دونوں احتمال لئے ہیں، یعنی استثناء متصل بھی ہے اور منقطع بھی اس لئے عریہ کی تین تفسیریں ہوگئیں:

پہلی تفسیر: کسی باغ والے نے اپنے باغ میں سے کسی حبیب، قریب یا غریب کو کھجوروں کے چند درخت ہبہ کئے، پھر جب کھجوروں کے پکنے کا وقت آیا تو باغ والا اپنی فیملی لے کر باغ میں چلا گیا تا کہ پھلوں کی دیکھ بھال کر سکے، اب وہ شخص جس کو چند درخت دیئے ہیں روزانہ باغ میں آتا ہے تا کہ درختوں پر چڑھ کر پکی ہوئی کھجوریں چن کر لے جائے اس کے اس

طرح روز روز آنے سے مستورات کو پریشانی ہوئی، انھوں نے شوہر سے شکوہ کیا کہ ہمیں روزانہ گھنٹہ بھر پردہ میں رہنا پڑتا ہے، باغ کا کام کیسے نمٹے؟ باغ والے نے عورتوں کی پریشانی دیکھ کر اس حبیب قریب یا غریب سے اندازہ کر کے چھوہاروں کے عوض درختوں کے پھل خرید لئے، یہ بیع عریہ ہے اور جائز ہے، اور یہ حقیقتاً بیع نہیں ہے صرف صورۃً بیع ہے کیونکہ درخت کے پھلوں پر ابھی حبیب، قریب یا غریب کا قبضہ نہیں ہوا اس لئے ہبہ تام نہیں ہوا، وہ پھل بدستور مالک کے ہیں، اس صورت میں بیع عریہ: بیع مزابنہ میں داخل نہیں، اور استثناء منقطع ہے۔

اور پانچ وسق سے کم کی شرط اس لئے لگائی کہ عشر کی اتنی ہی مقدار باغ کا مالک غرباء کو دے سکتا ہے اگر عشر کی مقدار اس سے زیادہ ہوگی تو اس کو حکومت وصول کرے گی، تفصیل کتاب الزکاۃ باب ۵۶ (تحفۃ القاری ۴: ۲۶۶) میں گذر چکی ہے۔

عریہ کی یہ تفسیر امام مالک رحمہ اللہ نے کی ہے جو ان کے مذہب کی مشہور کتاب المدونۃ الکبریٰ میں ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو نقل کیا ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

فائدہ: عرایا: عریۃ کی جمع ہے اور اس کے معنی ہیں: عطیہ، باغ والے نے حبیب، قریب یا غریب کو جو چند درخت دیئے ہیں وہ عطیہ ہیں، ابھی موہوب لہ ان پھلوں کا مالک نہیں ہوا کیونکہ اس کا ان پر قبضہ نہیں ہوا، پس اگر وہ پھل خرید لئے جائیں تو وہ ایک عطیہ کے بدلے میں دوسرا عطیہ ہوگا۔

دوسری تفسیر: امام مالک رحمہ اللہ سے دوسری تفسیر یہ بھی منقول ہے کہ کسی باغ میں دو آدمی شریک ہیں اور ایک کے نوے درخت ہیں دوسرے کے دس، پس زیادہ درخت والا اپنی فیملی لے کر باغ میں جائے گا اور کم درخت والا روز آئے گا، اس سے زیادہ درخت والے کی فیملی کو پریشانی ہوگی، پس اگر وہ اندازہ سے چھوہاروں کے عوض اپنے شریک کے درختوں کے پھل خرید لے تو یہ جائز ہے، یہ حقیقۃً بیع عریہ ہے اور حقیقتاً بیع مزابنہ ہے، اس صورت میں استثناء متصل ہوگا، اس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے نہیں لیا۔

تیسری تفسیر: امام شافعی رحمہ اللہ نے کتاب الام میں کی ہے کہ کسی کے پاس چھوہارے ہیں، مگر پیسے نہیں ہیں اس لئے جب موسم آیا تو اس کے بچوں نے تازہ کھجوروں کے لیے اصرار کیا اس نے کسی باغ والے سے اندازہ سے برابری کر کے چھوہاروں کے عوض درخت پر لگی ہوئی تازہ کھجوریں خرید لیں پس یہ حقیقۃً بیع عریہ ہے اور پانچ وسق تک کی اجازت ہے۔ نبی ﷺ نے حاجت مندوں کی حاجت کے پیش نظر اجازت دی ہے، اتنی مقدار ایک گھرانے کی ضرورت کے لئے کافی ہے، اس صورت میں حقیقتاً بیع مزابنہ سے استثناء ہوگا اور استثناء متصل ہوگا، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس تفسیر کو بھی نہیں لیا۔

فائدہ: امام شافعی رحمہ اللہ نے عریہ کی جو تفسیر کی ہے اس کی کوئی معقول وجہ تسمیہ بیان نہیں کی جاسکتی، ان کی تفسیر پر بیع عریہ پر عطیہ کا اطلاق نہیں ہوسکتا، پھر ان کی تفسیر پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں، ایک: پانچ وسق ان کے نزدیک تقریباً

ساڑھے چھ کوئنٹل کھجوریں ہوتی ہیں اور حنفیہ کے نزدیک تقریباً دس کوئنٹل، جو ایک فیملی کی ضرورت سے بہت زیادہ ہیں پھر اتنی بڑی مقدار کا استثناء آخر کیوں کیا گیا؟ دوسرا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ اگر کوئی حیلہ کرے اور پانچ وسق سے کم کی چند بیعیں کر کے پورا باغ خرید لے تو یہ جائز ہوگا۔ پس بیع مزابنہ کی ممانعت گاؤخورد ہوگئی!

اور امام اعظم رحمہ اللہ نے جو تفسیر لی ہے وہ عربیہ کے لغوی معنی عطیہ سے ہم آہنگ ہے اور پانچ وسق سے کم کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ عشر کی اتنی ہی مقدار مالک از خود غریبوں کو دے سکتا ہے اور اس سے زیادہ عشر حکومت وصول کرتی ہے، تفصیل کتاب الزکاۃ میں گذر چکی ہے۔

[٨٤-] بَابُ تَفْسِيْرِ الْعَرَايَا

[١-] وَقَالَ مَالِكٌ: الْعَرِيَّةُ: أَنْ يُعْرِىَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ النَّخْلَةَ، ثُمَّ يَتَأَذّٰى بِدُخُوْلِهِ عَلَيْهِ. فَرُخِّصَ لَهُ أَنْ يَشْتَرِيَهَا مِنْهُ بِتَمْرٍ.

[٢-] وَقَالَ ابْنُ إِدْرِيْسَ: لَاتَكُوْنُ إِلَّا بِالْكَيْلِ مِنَ التَّمْرِ يَدًا بِيَدٍ، وَلَاتَكُوْنُ بِالجِزَافِ. وَمِمَّا يُقَوِّيْهِ قَوْلُ سَهْلِ بْنِ أَبِىْ حَثْمَةَ: بِالْأَوْسُقِ الْمُوَسَّقَةِ.

[٣-] وَقَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ فِى حَدِيْثِهِ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: كَانَتِ الْعَرَايَا أَنْ يُعْرِىَ الرَّجُلُ فِى مَالِهِ النَّخْلَةَ وَالنَّخْلَتَيْنِ.

[٤-] وَقَالَ يَزِيْدُ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ حُسَيْنٍ: الْعَرَايَا نَخْلٌ كَانَتْ تُوْهَبُ لِلْمَسَاكِيْنِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ أَنْ يَنْتَظِرُوْا بِهَا، فَرُخِّصَ لَهُمْ أَنْ يَبِيْعُوْهَا بِمَا شَاءُوْا مِنَ التَّمْرِ.

[٢١٩٢-] حدثنا مُحَمَّدٌ هُوَ ابْنُ مُقَاتِلٍ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، نَا مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم رَخَّصَ فِى الْعَرَايَا أَنْ تُبَاعَ بِخَرْصِهَا كَيْلًا. قَالَ مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ: وَالْعَرَايَا نَخَلَاتٌ مَعْلُوْمَاتٌ يَأْتِيْهَا فَيَشْتَرِيْهَا. [راجع: ٢١٧٣]

ترجمہ: (۱) امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عریہ یہ ہے کہ کوئی آدمی دوسرے کو کھجور کا درخت ہبہ کرے، پھر موہوب لہ کے باغ میں آنے سے اس کو تکلیف ہو تو باغ والے کو چھوہاروں کے بدل موہوب لہ سے اس کے درخت کی کھجوریں خریدنے کی اجازت دی گئی۔

(۲) اور ابن ادریس یعنی عبداللہ بن ادریس اَوْدی کوفی رحمہ اللہ جو ثقہ، فقیہ، عابد اور صحاح ستہ کے راوی ہیں فرماتے ہیں: بیع باقاعدہ ہو، بیع اٹکل پچو نہیں ہونی چاہئے، بلکہ چھوہاروں کا پیمانے کے ساتھ اندازہ کر کے دست بدست بیع ہونی چاہئے، یعنی درخت پر جو کھجوریں ہیں وہ سوکھ کر کتنے چھوہارے بنیں گے اتنے چھوہارے فوراً دیئے جائیں، ادھار نہ کیا

جائے۔[1] حضرت سہل رضی اللہ عنہ کے قول سے اس کی تائید ہوتی ہے، حضرت سہلؓ کا قول طبری میں ہے: بالأَوْسُقِ الْمُوَسَّقَةِ: ناپنے ہوئے وسقوں کے ذریعہ، المؤسَّقة تاکید کے لئے ہے۔ جیسے: القناطیر المقنطرة، یہ جملہ إلا بالکیل کے ساتھ جڑے گا، یعنی وسقوں سے اندازہ کرے اٹکل سے بیع نہ کرے۔

(۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ (عربوں میں) عرایا (عطایا) کا دستور تھا، ایک شخص اپنے کھجور کے درختوں میں سے ایک درخت کسی کو ہدیہ دیتا تھا۔

(۴) سفیان بن حسین سے بھی یہی مروی ہے کہ عرایا وہ کھجور کے درخت ہیں جو غریبوں کو بطور ہدیہ دیئے جاتے ہیں، پھر وہ کھجوریں پکنے کا انتظار نہیں کر سکتے تھے اس لئے اجازت دی گئی کہ چھوہاروں کے بدل اس کو خرید لیں۔

حدیث: سے بھی اسی تفسیر کی تائید ہوتی ہے، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے عریہ کی اجازت دی کہ اندازہ کر کے پھل خرید لیے جائیں، نافع کے شاگرد موسیٰ بن عقبہؒ کہتے ہیں: عرایا چند معین درخت ہوتے تھے، موہوب لہ ان درختوں کے پاس آتا تھا (جس سے باغ والے کو پریشانی ہوتی تھی) پس باغ والا ان درختوں کو خرید لیتا تھا۔

ملحوظہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے عرایا کی تفسیر میں امام مالک رحمہ اللہ کا صرف وہ قول لیا ہے جس کو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے لیا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کی تفسیر نہیں لی، پس امام بخاریؒ نے اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کی موافقت کی ہے، اور جن شارحین نے ابن ادریس سے امام شافعی رحمہ اللہ کو مراد لیا ہے ان کو باب کی شرح میں بہت تکلف کرنا پڑا ہے۔

بَابُ بَيْعِ الثِّمَارِ قَبْلَ أَنْ يَّبْدُوَ صَلاَحُهَا

کارآمد ہونے سے پہلے پھلوں کو بیچنا

بَدَا (ن) بُدُوًّا: ظاہر ہونا، اور صلاح کے معنی ہیں: کارآمد ہونا، پھل جب تک کارآمد نہ ہو جائیں حضور ﷺ نے بیچنے سے منع فرمایا —— اور حدیث میں تین مسئلے سمجھنے چاہئیں:

پہلا مسئلہ: یہ ہے کہ بدوّ صلاح —— کارآمد ہونا، ظاہر ہونا —— کی تفسیر کیا ہے؟ ائمہ ثلاثہ کی تفسیر ہے تَحْمَارُّ أَوْ تَصْفَارُّ: کھجوریں سرخ ہو جائیں یا پیلی پڑ جائیں، کھجوریں جب درخت پر لگتی ہیں تو ہری ہوتی ہیں، گھاس جیسا رنگ ہوتا ہے، پھر جب پکنے کے قریب آجاتی ہیں تو بعض سرخ ہو جاتی ہیں اور بعض زرد، اب وہ بیماریوں سے محفوظ ہو جاتی ہے، جیسے آم

---

(۱) عبداللہ بن ادریس اَوْدیؒ کا قول اس لئے لائے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ باغ کا مالک درخت کی کھجوروں کا اٹکل سے کچھ ویسے ہی بدلہ دیدے، یہ خیال کرے کہ ابھی کھجوروں کا غریب مالک نہیں ہوا، پس جو کچھ بھی دیدیا جائے ٹھیک ہے۔ ابن ادریس نے فرمایا: ایسا نہ کیا جائے باقاعدہ پیمانے سے اندازہ کر کے بیع کی جائے اور گویہ بیع نہیں ہے، مگر صورتِ بیع ہے، مزابنہ سے اس کا استثناء کیا گیا ہے۔

کے درخت پر جب پھل آتا ہے تو ایک وقت تک گٹھلی نہیں بنتی، اس وقت تک کوئی بھی بیماری اور آفت آسکتی ہے، اور جب گٹھلی بن گئی تو اب کوئی بیماری نہیں آتی، آم میں گٹھلی بن جانا، کھجور کا سرخ ہو جانا، کھجور کا زرد پڑ جانا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بدوّصلاح ہے۔

اور حنفیہ نے تفسیر کی ہے: الأمنُ من العاهات والآفاتِ لا الحوادثات: پھلوں کا بیماریوں سے محفوظ ہو جانا، عاہات اور آفات ہم معنی ہیں، بیماریوں سے پھل محفوظ ہو جائیں، حادثہ سے محفوظ ہونا ضروری نہیں، اولے پڑ جائیں، آندھی آجائے تو کسی بھی وقت پھل ٹوٹ پڑے گا، اس لئے حادثہ سے محفوظ ہونا ضروری نہیں۔

اور حنفیہ نے بدوصلاح کی جو تفسیر کی ہے وہ مسلم شریف کی روایت میں آئی ہے اور ائمہ ثلاثہ نے جو تفسیر کی ہے وہ بھی روایتوں میں آئی ہے، مگر ائمہ ثلاثہ کی تفسیر کھجوروں کے ساتھ خاص ہے، آم میں یہ تفسیر نہیں چلے گی، امردو میں نہیں چلے گی، اور حنفیہ نے جو تفسیر کی ہے وہ ہر پھل میں چلے گی۔

دوسرا مسئلہ: حضور ﷺ نے جو بیع کی ممانعت فرمائی ہے وہ نہی تشریعی ہے یا ارشادی؟ یعنی یہ شرعی مسئلہ ہے یا لوگوں کو ان کی بھلائی کی بات بتلائی گئی ہے؟ ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں: یہ نہی تشریعی ہے، بدوصلاح سے پہلے اگر کھجوروں کی، آم کی بیع کی جائے گی تو وہ بیع باطل ہوگی، اور حنفیہ کہتے ہیں: یہ مسئلہ نہیں ہے، یہ نہی تشریعی نہیں ہے بلکہ یہ نہی ارشادی ہے لوگوں کو بھلائی کی ایک بات بتائی گئی ہے کیونکہ بدوصلاح سے پہلے بیچیں گے تو بائع کا نقصان ہو سکتا ہے اور مشتری کا بھی، اور بدوصلاح کے بعد بیچیں گے تو کسی کا نقصان نہیں ہوگا، پس یہ نص فہمی کا اختلاف ہے۔

اور حنفیہ کی دلیل باب کی حدیث ہے: حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب نبی ﷺ ہجرت کر کے مدینہ آئے تو مدینہ میں بدوصلاح سے پہلے کھجوروں کے باغات بیچنے کا رواج تھا، پھر بیماریاں آتی تھیں، جب کھجوریں اترتیں تو باغ والا کہتا: لاؤ پیسے! باغ خریدنے والا کہتا: کہاں سے لاؤں؟ آمدنی نہیں ہوئی! کھجوروں میں یہ بیماری آئی وہ بیماری آئی، پھر یہ جھگڑے حضور ﷺ کے پاس آتے تھے جب ایسے کئی جھگڑے آئے تو حضرت زیدؓ کہتے ہیں: حضور ﷺ نے فرمایا: جب تم جھگڑوں سے باز نہیں آتے تو بدوصلاح سے پہلے باغ مت بیچو، کَالْمَشُوْرَةِ لَهُمْ: یہ آنحضور ﷺ نے لوگوں کو ایک مشورہ دیا تھا، معلوم ہوا کہ بدوصلاح سے پہلے بیع کی ممانعت ارشادی ہے تشریعی نہیں، دوسری حدیث بھی باب میں آرہی ہے کہ آپؐ نے بدوصلاح سے پہلے کھجوریں بیچنے سے منع کیا: بائع کو بھی اور مشتری کو بھی، یہ تخصیص کیوں ہے؟ جب یہ مسئلہ شرعی ہے تو بدوصلاح سے پہلے بیچنا مطلقاً جائز نہیں، بالتخصیص بائع کو منع کرنا اور مشتری کو منع کرنا اس میں اشارہ ہے کہ یہ دونوں کو ان کی بھلائی کی بات بتلائی ہے۔

ان دونوں روایتوں کی وجہ سے حنفیہ نے کہا کہ یہ نہی ارشادی ہے اور دیگر ائمہ کہتے ہیں کہ یہ نہی تشریعی ہے، اور بدوصلاح سے پہلے بیع باطل ہے، بدوصلاح کے بعد ہی بیع جائز ہے۔

تیسرا مسئلہ: اگر کوئی بدو صلاح سے پہلے بیع کرے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع صحیح نہیں، بیع باطل ہے اور حنفیہ کے نزدیک بیع کی صحت وعدم صحت کا مدار مال ہونے نہ ہونے پر ہے، پس بدو صلاح سے پہلے بھی بیع ہوسکتی ہے۔

اس کی تفصیل ہدایہ آخرین میں ہے کہ اگر پھل مال بن گیا ہے ـــــ مال وہ ہے جس کی طرف طبیعتیں مائل ہوں: المالُ مایمیل إلیه النفس ـــــ تو بیع درست ہے اور اگر ابھی مال نہیں بنا، آم لگ گئے ہیں مگر وہ چوہے کی مینگنی کے بقدر ہیں تو اس مرحلہ میں بیع درست نہیں، جیسے بہار بیچنا جائز نہیں، اسی طرح اگر پھل مال نہیں بنا تو بھی بیع صحیح نہیں، اور یہ صرف پھل ہی کا مسئلہ نہیں، کھیت میں گیہوں بوئے وہ گیہوں اُگ آئے لیکن ابھی چھوٹے ہیں، درانتی سے کاٹیں تو ہاتھ میں کچھ نہیں آئے گا، جانور چریں تو ان کے ہونٹوں میں گھاس نہیں آئے گی، یہ ابھی مال نہیں بنا، اور اگر گھاس اتنی بڑی ہوگئی کہ اسے کاٹ کر جانور کو کھلا سکتے ہیں یا جانور کو اس میں چھوڑ دیں تو وہ چر سکتے ہیں، پس جب کھیتی ایسی ہوجائے تو مال بن گئی، گیہوں کے پودے مال بن گئے، اب بیچ سکے، اور جب تک مال نہ بنے اس وقت تک بیع باطل ہے۔ ایسے ہی پھلوں میں بھی جب مال بن جائیں، کارآمد ہوجائیں اور بکنے لگیں، لوگ استعمال کرنے لگیں تو اب ان کی بیع درست ہے، اور اس سے پہلے جب تک مال نہ بنیں بیع درست نہیں۔

پھر مال بننے کے بعد بیع کی تین صورتیں ہیں: بشرط القطع، بشرط الترک اور مطلقاً، بشرط القطع: کاٹ لینے کی شرط کے ساتھ بیع جائز ہے اور اگر بشرط الترک بیع ہوئی ہے یعنی پکنے تک گیہوں کھیت میں کھڑے رکھنے کی شرط لگائی ہے تو بیع فاسد ہے، کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جس میں احد المتعاقدین کا فائدہ ہے۔

تیسری صورت: مطلق بیع کی جائے، قطع اور ترک کا کوئی تذکرہ نہ کیا جائے، پھر مشتری نے کہا: اگر آپ اجازت دیں تو میں پھل پکنے تک درخت پر رہنے دوں؟ اس نے کہا: رہنے دو، تو اب وہ پھل پکنے تک رکھ سکتا ہے اس شرط کے ساتھ کہ اس علاقہ میں پھل پکنے تک درختوں پر رکھنے کا رواج نہ ہو، اور اگر عرف ورواج ہو تو مطلقاً بھی بیع صحیح نہیں۔

[۸۵-] بَابُ بَيْعِ الثِّمَارِ قَبْلَ أَنْ يَّبْدُوَ صَلَاحُهَا

[۲۱۹۳-] وَقَالَ اللَّيْثُ، عَنْ أَبِيْ الزِّنَادِ: عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، يُحَدِّثُ عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِيْ حَثْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ: مِنْ بَنِيْ حَارِثَةَ، أَنَّـهُ حَدَّثَهُ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، قَالَ: كَانَ النَّاسُ فِي عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَتَبَايَعُوْنَ الثِّمَارَ، فَإِذَا جَدَّ النَّاسُ، وَحَضَرَ تَقَاضِيْهِمْ، قَالَ الْمُبْتَاعُ: إِنَّـهُ أَصَابَ الثَّمَرَ الدُّمَانُ، أَصَابَهُ مُرَاضٌ، أَصَابَهُ قُشَامٌ: عَاهَاتٌ يَحْتَجُّوْنَ بِهَا. فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَمَّا كَثُرَتْ عِنْدَهُ الْخُصُوْمَةُ فِيْ ذٰلِكَ: "فَإِمَّا لَا، فَلَا تَبْتَاعُوْا حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُ الثَّمَرِ" كَالْمَشُوْرَةِ، يُشِيْرُ بِهَا، لِكَثْرَةِ خُصُوْمَتِهِمْ.

قَالَ: وَأَخْبَرَنِیْ خَارِجَةُ بْنُ زَیْدٍ: أَنَّ زَیْدَ بْنَ ثَابِتٍ لَمْ یَکُنْ یَبِیْعُ ثِمَارَ أَرْضِهِ حَتّٰی تَطْلُعَ الثُّرَیَّا، فَیَتَبَیَّنَ الْأَصْفَرُ مِنَ الْأَحْمَرِ.

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: وَرَوَاهُ عَلِیُّ بْنُ بَحْرٍ، ثَنَا حَکَّامٌ، ثَنَا عَنْبَسَةُ، عَنْ زَکَرِیَّا، عَنْ أَبِی الزِّنَادِ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ سَهْلٍ، عَنْ زَیْدٍ.

[۲۱۹۴-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ یُوْسُفَ، نَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم نَهٰی عَنْ بَیْعِ الثِّمَارِ حَتّٰی یَبْدُوَ صَلَاحُهَا: نَهَی الْبَائِعَ وَ الْمُبْتَاعَ.[راجع: ۱۴۸۶]

[۲۱۹۵-] حدثنا ابْنُ مُقَاتِلٍ، أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، أَنَا حُمَیْدٌ الطَّوِیْلُ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم نَهٰی أَنْ تُبَاعَ ثَمَرَةُ النَّخْلِ حَتّٰی تَزْهُوَ.

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: یَعْنِیْ حَتّٰی تَحْمَرَّ.[راجع: ۱۴۸۸]

[۲۱۹۶-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا یَحْیَی بْنُ سَعِیْدٍ، عَنْ سَلِیْمِ بْنِ حَیَّانَ، ثَنَا سَعِیْدُ بْنُ مِیْنَاءَ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: نَهَی النَّبِیُّ صلی اللہ علیه وسلم أَنْ تُبَاعَ الثَّمَرَةُ حَتّٰی تُشْقِحَ.[فَقِیْلَ: وَمَا تُشْقِحُ؟] قَالَ: تَحْمَارُّ أَوْ تَصْفَارُّ، وَیُؤْکَلُ مِنْهَا.[راجع: ۱۴۸۷]

ترجمہ: حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں پھل بیچتے خریدتے تھے، پس جب لوگ پھل اتار لیتے اور باغ کے مالکوں کا تقاضا شروع ہوتا تو خریدار کہتا: پھلوں کو دُمان بیماری پہنچی، مُراض بیماری آگئی، قُشام بیماری پہنچی: چند بیماریاں جن کے ذریعہ لوگ ٹال مٹول کرتے تھے، پس جب نبی ﷺ کے پاس اس قسم کے بہت جھگڑے آئے تو آپؐ نے فرمایا: جب تم جھگڑوں سے باز نہیں آتے تو پھل مت بیچو، یہاں تک کہ پھل کا کارآمد ہونا ظاہر ہوجائے۔ آپؐ نے یہ بات مشورہ کے طور پر فرمائی تھی، ان کے جھگڑوں کے زیادہ ہونے کی وجہ سے۔

اور ابوالزناد کہتے ہیں: مجھ کو خارجہ بن زید نے بتلایا کہ زید بن ثابتؓ اپنے باغ کے پھل اس وقت تک نہیں بیچتے تھے جب تک ثریا ستارہ طلوع نہ ہوتا پس زردی سرخی سے نمایاں ہوجاتی (ثریا ایک ستارہ ہے جب وہ طلوع ہونا شروع ہوتا ہے تو کھجوروں کی بیماری ختم ہوجاتی ہے، اس کے بعد کھجوروں میں بیماریاں نہیں آتی ہیں، حضرت زید رضی اللہ عنہ اپنا باغ جب ثریا ستارہ طلوع ہوتا تب بیچتے تھے، صبح صادق سے پہلے ثریا ستارہ طلوع ہونا شروع ہوجائے تو اب کھجوروں میں بیماریاں نہیں آتیں) پس جن کھجوروں کو پیلا ہونا ہے وہ پیلی ہوجائیں گی اور جن کو سرخ ہونا ہے وہ سرخ ہوجائیں گی (باقی تین حدیثیں پہلے گذری ہیں)

لغات: تَبَایَعَ یَتَبَایَعُ: باہم خرید وفروخت کرنا............ المَشْوَرَةُ وَالْمَشُوْرَةُ: مشورہ، ہمدردانہ رائے............ جَذَّهُ (ن) جَذًّا: توڑنا، کاٹنا............تَقَاضِیْ: قرض کا مطالبہ کرنا............ الدُّمَان (دال کا پیش افصح، زبر جائز) کھجور کی ایک

بیماری جس سے کھجور گوبر کی طرح کالی پڑ جاتی ہے، الدِّمَن: کوڑی .... المُرَاض (میم کا پیش اور زبر) کھجوروں کو لگنے والی بیماری جس سے پھل سڑ جاتا ہے، وهو اسم لجميع الأمراض بوزن الصُّداع والسعال (فتح) .... قُشَام: میوہ کا پکنے سے پہلے جھڑ جانا، کم ہو جانا .... عَاهَة، آفة، بیماری .... احْتَجَّ به: اس (بیماری) سے استدلال کرنا، دلیل قائم کرنا .... الثُّرَيَّا: ثور (بیل) کی شکل میں ستاروں کا مجموعہ (ثریا گیارہ ستارے ہیں، جو آنکھ سے برابر نظر نہیں آتے، مگر دوربین سے صاف دکھائی دیتے ہیں) جب یہ ستارے صبح صادق کے ساتھ طلوع ہوتے ہیں تو پھلوں کی بیماریاں ختم ہو جاتی ہے، ابوداؤد میں ہے: إذا طلع النجم صباحاً رُفعت العاهة عن كل بلد اهـ وطلوعها صباحاً يقع في أول فصل الصيف (فتح) .... فتبين الأصفر من الأحمر: جن کھجوروں کو پیلا پڑنا ہے وہ پیلی ہو جائیں، اور جن کو سرخ ہونا ہے وہ سرخ ہو جائیں .... زَهَا (ن) زَهْوًا اللونُ: رنگ کا صاف اور کھلا ہوا ہونا، خوشنما اور بھڑک دار ہونا، امام بخاری رحمہ اللہ نے تفسیر کی ہے کہ جب کھجوریں سرخ ہو جائیں تب بیچی جائیں .... أَشْقَحَ الْبُسْر: گدر کھجور میں سرخی یا زردی آ جانا اور کھانے کے قابل ہو جانا۔

وضاحت: پہلی حدیث معلق ہے، اس کی دوسری پوری سند بعد میں ذکر کی ہے۔

بَابُ بَيْعِ النَّخْلِ قَبْلَ أَنْ يَّبْدُوَ صَلاَحُهَا

بدوصلاح سے پہلے کھجور کے درخت یعنی پھل بیچنا

یہ ذیلی باب ہے اوپر ثمار آیا تھا، یہاں نخل ہے، اس لئے دو باب الگ ہو گئے، امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک اتنا فرق باب قائم کرنے کے لئے کافی ہے۔ اور مسئلہ وہی ہے جو پہلے باب میں ہے، نخل (کھجور کے درخت) سے بھی مراد کھجور کے پھل ہیں۔

[۸۶-] بَابُ بَيْعِ النَّخْلِ قَبْلَ أَنْ يَّبْدُوَ صَلاَحُهَا

[۲۱۹۷-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ الْهَيْثَمِ، ثَنَا مُعَلَّى بْنِ مَنْصُوْرٍ الرَّازِيُّ، ثنا هُشَيْمٌ، أَنَا حُمَيْدٌ، ثنا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: أَنَّـهُ نَهَى عَنْ بَيْعِ الثَّمَرَةِ حَتَّى يَبْدُوَ صَلاَحُهَا، وَعَنِ النَّخْلِ حَتَّى تَزْهُوَ، قِيْلَ: وَمَا تَزْهُوَ؟ قَالَ: تَحْمَارُّ أَوْ تَصْفَارُّ. [راجع: ۱٤۸۸]

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: كَتَبْتُ أَنَا عَنْ مُعَلَّى بْنِ مَنْصُوْرٍ إِلاَّ أَنِّي لَمْ أَكْتُبْ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْهُ.

وضاحت: معلّی بن منصور رازی: امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ ہیں، مگر حضرت رحمہ اللہ نے یہ حدیث خود معلّی سے نہیں سنی، اس لئے علی کے واسطہ سے لائے ہیں۔

قوله: قیل: وما تزهو؟ یہ طلبہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

بَابٌ إِذَا بَاعَ الثِّمَارَ قَبْلَ أَنْ يَّبْدُوَ صَلاَحُهَا، ثُمَّ أَصَابَتْهُ عَاهَةٌ فَهُوَ مِنَ الْبَائِعِ

اگر بدوصلاح سے پہلے پھل بیچا پھر پھلوں میں کوئی آفت آئی تو نقصان کا ذمہ دار بائع ہوگا

ابھی یہ مسئلہ آیا ہے کہ بدوصلاح سے پہلے جو بیع ممنوع ہے، وہ مسئلہ ہے یا مصلحت؟ امام بخاری رحمہ اللہ اس مسئلہ میں حنفیہ کے ساتھ ہیں کہ یہ مصلحت ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مسئلہ ہے، پس اگر کھجور کے پھل بدوصلاح سے پہلے بیچے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع باطل ہے اور حنفیہ کے نزدیک اگر پھل مال بن گیا ہے تو بیع درست ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں: اگر بدوصلاح سے پہلے کوئی پھل بیچے پھر پھلوں میں کوئی آفت آئے تو نقصان بائع کا ہوگا۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تو بیع باطل ہے، پس نقصان بھگتنے کا سوال ہی نہیں (۱) اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں: نقصان بائع بھگتے گا، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ بدوصلاح سے پہلے جو بیع ہوئی ہے وہ درست ہوئی ہے۔ بین السطور میں بھی یہی لکھا ہے: **هذا يدل على أن البخاري قائل بصحة هذا البيع وإن لم يبدو صلاحها۔**

مگر حنفیہ اور شافعیہ شاید اس میں حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کی موافقت نہ کرسکیں، کیونکہ جب بیع درست ہوگئی تو اب نفع نقصان سے بائع کو کیا لینا دینا؟ اب نقصان کا ذمہ دار مشتری ہوگا، کیونکہ نفع اسی کا ہے اور شریعت کا ضابطہ ہے: **الخراج بالضَّمان**: اور: **الغُنْمُ بالغُرْم**: اور یہ جو مشتری کا نقصان ہوا ہے وہ دونوں نے خود اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے، شریعت نے تو پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ بدوصلاح سے پہلے پھل مت بیچو، ورنہ دونوں میں سے کسی کا نقصان ہوگا، اور اس کی دلیل مسلم شریف کی حدیث ہے جو حاشیہ میں ہے کہ ایک صحابی نے باغ خریدا، اس میں ان کو نقصان ہوگیا تو نبی ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ **تصدقوا عليه**: ان کو خیرات دو، مگر وہ بھی قرضہ کے بقدر جمع نہیں ہوئی تو آپؐ نے قرض خواہوں سے فرمایا: **خذوا ماوجدتم، وليس لكم إلا ذلك**: جو تمہیں مل گیا اس پر بس کرو، تمہارے لئے یہی ہے یعنی باقی قرضہ چھوڑ دو، اس واقعہ میں آپؐ نے نقصان کا ذمہ دار مشتری کو ٹھہرایا ہے۔

اور باب میں جو حدیث ہے اس کا تعلق اخلاقیات سے ہے، یعنی اگر مشتری کا نقصان ہوجائے تو بائع کو سمجھنا چاہئے، جو قیمت طے ہوئی ہے اس میں سے کچھ گھٹا دینا چاہئے، مثلاً پچاس ہزار میں باغ بیچا، مشتری کو صرف چالیس ہزار کی آمدنی ہوئی، پس بائع مشتری سے کہے کہ چل پینتیس ہزار دیدے، پس یہ اخلاقی بات ہے، آمدنی میں سے بھی پانچ ہزار چھوڑ دے تاکہ مشتری نے جو محنت کی ہے اس کا کچھ نفع اس کو مل جائے۔

---

(۱) مگر یہ عجیب بات ہے کہ نقصان کی صورت میں امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تہائی قیمت چھوڑ دے اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سارا ثمن چھوڑ دے (یہ بات حاشیہ میں ہے)

[۸۷-] بَابٌ إِذَا بَاعَ الثِّمَارَ قَبْلَ أَنْ يَّبْدُوَ صَلاَحُهَا، ثُمَّ أَصَابَتْهُ عَاهَةٌ، فَهُوَ مِنَ الْبَائِعِ

[۲۱۹۸-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتى تُزْهِيَ، فَقِيْلَ لَهُ: وَمَا تُزْهِيَ؟ قَالَ: حَتَّى تَحْمَرَّ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أَرَأَيْتَ إِنْ مَنَعَ اللّٰهُ الثَّمَرَةَ، بِمَ يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ مَالَ أَخِيْهِ؟" [راجع: ۱٤۸۸]

[۲۱۹۹-] وَقَالَ اللَّيْثُ: ثَنِيْ يُوْنُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: لَوْ أَنَّ رَجُلاً ابْتَاعَ ثَمَرًا قَبْلَ أَنْ يَبْدُوَ صَلاَحُهُ، ثُمَّ أَصَابَتْهُ عَاهَةٌ، كَانَ مَا أَصَابَهُ عَلَى رَبِّهِ، أَخْبَرَنِيْ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " لاَ تَبْتَاعُوْا الثَّمَرَ حَتَّى يَبْدُوَ صَلاَحُهَا، وَلاَ تَبِيْعُوْا الثَّمَرَ بِالتَّمْرِ"

[راجع: ۱٤۸٦]

وضاحت: تُزْهِيَ: أَزْهَى (باب افعال) سے ہے اور مجرد زُهِيَ کے معنی میں ہے، زُهِيَ الشيئُ: چیز اسے بھا گئی، پسند آ گئی............فقيل له: طلبہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا:...........أرأيتَ: بتاؤ! اگر اللہ تعالیٰ پھل کو روک دیں تو تم میں سے ایک اپنے بھائی کا مال کیسے کھائے گا؟ یعنی اگر مشتری کا نقصان ہو جائے تو بائع پورا ثمن کیسے لے گا؟

وقال الليث: امام بخاری رحمہ اللہ یہ دوسری سند اس لئے لائے ہیں کہ نقصان کا ذمہ دار بائع ہوگا، یہ مسئلہ امام زہریؒ نے حدیث سے مستنبط کیا ہے، امام زہریؒ کہتے ہیں: اگر کوئی شخص بدوصلاح سے پہلے پھل بیچے پھر پھلوں میں آفت آئے تو نقصان باغ والے کے ذمہ ہوگا، اس لئے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: پھل بدوصلاح سے پہلے مت بیچو خریدو، اور تازہ کھجوریں چھوہاروں کے بدلہ میں مت بیچو، یعنی بیع مزابنہ مت کرو، مگر امام زہری رحمہ اللہ کا یہ استنباط محل نظر ہے کیونکہ ممانعت مصلحتاً ہے اور نبی ﷺ کا ارشاد أرأيت بھی دلیل ہے کہ نقصان کا ذمہ دار مشتری ہے مگر اخلاقی بات یہ ہے کہ بائع اس کا خیال کرے۔

بَابُ شِرَاءِ الطَّعَامِ إِلٰى أَجَلٍ

کھانے پینے کی چیزیں ادھار خریدنا

غلہ اور دیگر کھانے پینے کی چیزیں بلکہ کوئی بھی چیز ادھار خریدنا جائز ہے، نبی ﷺ نے ایک یہودی سے جو ادھار خریدے ہیں، بلکہ فقہ میں یہ مسئلہ ہے کہ ادھار کی وجہ سے قیمت بڑھانا بھی جائز ہے۔

[۸۸-] بَابُ شِرَاءِ الطَّعَامِ إِلٰى أَجَلٍ

[۲۲۰۰-] حدثنا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ، ثَنَا أَبِيْ، ثَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ: ذَكَرْنَا عِنْدَ إِبْرَاهِيْمَ الرَّهْنَ

فِي السَّلَفِ، فَقَالَ: لَا بَأْسَ بِهِ، ثُمَّ ثَنَا عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم اشْتَرَى طَعَامًا مِنْ يَهُوْدِيٍّ إِلَى أَجَلٍ وَرَهَنَهُ دِرْعَهُ. [راجع: ۲۰۶۸]

بَابٌ: إِذَا أَرَادَ بَيْعَ تَمْرٍ بِتَمْرٍ خَيْرٍ مِنْهُ

جب کوئی معمولی کھجور عمدہ کھجور کے عوض بیچنا چاہے تو کس طرح کرے؟

یہ مسئلہ پہلے آیا ہے کہ ربوی اشیاء میں جید اور ردی یکساں ہیں اگر چہ گیہوں اور گیہوں برابر نہیں ہوتے مگر چونکہ گیہوں ربوی ہیں اس لئے اعلی اور گھٹیا کا فرق ہم جنس کے تبادلہ میں ظاہر نہیں کیا جاسکتا، برابر سرابر بیچنا ضروری ہے۔ اور یہ بات بھی پہلے آئی ہے کہ اگر کوئی جید اور ردی کا فرق ظاہر کرنا چاہے تو دو بیعیں کرے، معمولی گیہوں رقم میں بیچ دے پھر ان پیسوں سے اچھے گیہوں خرید لے، اس طرح جید اور ردی کا فرق ظاہر کیا جاسکتا ہے۔

حدیث: خیبر میں صحابہ کی زمینیں تھیں، وہ بٹائی پر یہودیوں کے پاس تھیں، اب ہر صحابی اپنے کھیت اور باغ کو دیکھنے نہیں جاسکتا تھا، وہ جہاد میں مشغول تھے اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی طرف سے عامل (کارندہ) بھیج دیا کرتے تھے، وہ سب کے حصے وصول کر کے ان کے گھر پہنچادیا کرتا تھا، اسی طرح خیبر میں گورنمنٹ کی بھی زمینیں تھیں وہ زمینیں خمس میں ملی تھیں اس کی آمدنی حکومت کے پاس آتی تھی اس کو وصول کرنے کے لیے بھی عامل بھیجا جاتا تھا، چنانچہ ایک عامل خیبر سے کھجوریں لے کر آیا وہ سب جنیب (شاندار کھجوریں) تھیں، آپؐ نے پوچھا: کیا خیبر میں سب کھجوریں ایسی عمدہ ہوتی ہیں؟ عامل نے کہا: نہیں، ہر طرح کی کھجوریں ہوتی ہیں، مگر ہم معمولی کھجوروں کے دو صاع دے کر عمدہ کھجوروں کا ایک صاع لے لیتے ہیں، یا تین صاع دے کر دو صاع لے لیتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تو سود ہوا! تم معمولی کھجوریں دراہم میں بیچ دو، پھر ان پیسوں سے عمدہ کھجوریں خرید لو: یہ درست ہے۔

جاننا چاہئے کہ یہ سود سے بچنے کا حیلہ نہیں ہے، کیونکہ جس کو معمولی کھجوریں بیچی ہیں اسی سے عمدہ کھجوریں خریدنا ضروری نہیں، لیکن اگر کوئی معمولی کھجوروں کی قیمت وصول کرنے سے پہلے اور جدا ہونے سے پہلے اسی خریدار سے عمدہ کھجوریں خرید لے تو اس میں اختلاف ہے جو حاشیہ میں مذکور ہے۔ امام مالکؒ اس کو ناجائز کہتے ہیں اور دوسرے فقہاء جائز کہتے ہیں۔

[۸۹-] بَابٌ: إِذَا أَرَادَ بَيْعَ تَمْرٍ بِتَمْرٍ خَيْرٍ مِنْهُ

[۲۲۰۱و۲۲۰۲-] حدثنا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الْمَجِيْدِ بْنِ سُهَيْلِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلَى خَيْبَرَ، فَجَاءَهُ بِتَمْرٍ جَنِيْبٍ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هٰكَذَا؟"

قَالَ: لاَ، وَاللّٰهِ! يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّا لَنَأْخُذُ الصَّاعَ مِنْ هٰذَا بِالصَّاعَيْنِ، وَالصَّاعَيْنِ بِالثَّلاَثَةِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: "لاَتَفْعَلْ، بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ، ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيْبًا"

[الحديث: ۲۲۰۱، انظر: ۲۳۰۲، ۴۲۴۴، ۴۲۴۶، ۷۳۵۰]

[الحديث: ۲۲۰۲، انظر: ۲۳۰۳، ۴۲۴۵، ۴۲۴۷، ۷۳۵۱]

لغات: جَنِيْب: عمدہ کھجوروں کی ایک قسم .... **الجَمْع:** معمولی اور عمدہ رلی ملی کھجوریں۔

بَابٌ: مَنْ بَاعَ نَخْلاً قَدْ أُبِّرَتْ، أَوْ أَرْضًا مَزْرُوْعَةً، أَوْ بِإِجَارَةٍ

جس نے: گابھادیئے ہوئے کھجور کے درخت اور بوئی ہوئی زمین بیچی، یا کرایہ پر لی

یہ ذرا الجھا ہوا باب ہے، غور سے پڑھیں، کتاب میں بابٌ کے بعد جو لفظ قبض ہے یہ لفظ عمدۃ القاری، فتح الباری اور مصری نسخہ میں نہیں ہے۔ اور اس پر نسخہ کا نون بنا ہوا ہے اور گیلری میں کچھ نہیں، یعنی یہ لفظ صرف ابوذر کے نسخہ میں ہے باقی نسخوں میں نہیں ہے۔ اور یہاں یہ لفظ بے معنی ہے، اس لئے میں نے اس کو حذف کیا ہے۔

اس باب کے تین اجزاء ہیں یا کہیں کہ اس باب میں تین مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: نخلِ مؤبّر (گابھادیئے ہوئے کھجور کے درخت) بیچنا، یعنی پھل نہیں بیچے بلکہ کھجور کے درخت بیچے، اور مالک گابھادے چکا ہے تو پھل مشتری کا ہوگا یا بائع کا؟ حدیث میں ہے کہ پھل بائع کا ہوگا، کیونکہ اس نے تأبیر کی ہے، البتہ اگر سودے میں صراحت ہو کہ وہ پھل کے ساتھ بیچ رہا ہے یا خرید رہا ہے تو پھل مشتری کا ہوگا، اور اگر ایسی صراحت نہ ہو تو پھل بائع کا ہوگا۔

دوسرا مسئلہ: ارض مزروعہ (بوئی ہوئی زمین) بیچی، کسی زمین میں گیہوں بوئے ہوئے ہیں، مالک نے وہ کھیت بیچ دیا، پس گیہوں کس کا؟ یہاں بھی وہی مسئلہ ہے: کھیت میں کھڑے گیہوں بائع کے ہیں، البتہ اگر سودے میں صراحت ہو کہ گیہوں کے ساتھ زمین بیچ رہا ہے یا خرید رہا ہے تو گیہوں مشتری کے ہونگے۔

تیسرا مسئلہ: کوئی زمین کرایہ پر لی، زمین میں گیہوں کھڑے ہیں جیسے کسی مدرسہ والوں کو جلسہ کرنا ہے، انھوں نے کھیت کرایہ پر لیا تو کھیت میں کھڑے گیہوں کس کے؟ یہاں بھی وہی مسئلہ ہے: گیہوں زمین کے مالک ہیں، وہ کاٹ لے گا لیکن اگر سودے میں صراحت ہو کہ زمین کھیتی کے ساتھ کرایہ پر لے رہا ہے تو پھر گیہوں کرایہ دار کے ہونگے۔

ایک اور مسئلہ: حدیث میں غلام کا بھی ذکر ہے، کسی شخص کا کوئی غلام ہے اس کی بازار میں دکان ہے یعنی وہ عبد مأذون ہے اب مالک نے وہ غلام بیچ دیا تو اس کی دکان بیع میں شامل ہوگی یا نہیں؟ یہاں بھی وہی مسئلہ ہے: اگر بیع میں صراحت ہے کہ غلام کو اس کی دکان کے ساتھ خریدتا ہے تو وہ بھی بیع میں شامل ہوگی ورنہ نہیں۔ اسی طرح باندی بیچی اس نے زیور پہن رکھا

ہے، یہ زیور بائع کا ہے، البتہ اگر معاملہ میں صراحت ہو کہ مشتری زیور کے ساتھ خریدتا ہے تو پھر زیور مشتری کا ہوگا۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ غلام باندی کے سلسلہ میں تو کوئی اختلاف نہیں، لیکن کھیتی اور باغ وغیرہ کے سلسلہ میں حنفیہ کے یہاں قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز مبیع کے ساتھ علی الدوام متصل ہو، اس میں صراحت کرے یا نہ کرے: وہ بیع میں شامل ہوگی اور جو چیز عارضی طور پر متصل ہو اس میں صراحت ضروری ہے، مثلاً مکان بیچا اس میں پنکھے لٹک رہے ہیں، یہ پنکھے مکان کے ساتھ علی الدوام جڑے ہوئے نہیں ہیں اس لئے صراحت ہوگی تو وہ بیع میں داخل ہونگے ورنہ بائع اتار لے گا۔ اور دروازے بھی مکان کے ساتھ متصل ہیں مگر وہ ہمیشہ کے لئے متصل ہیں اس لئے وہ بہرحال بیع میں داخل رہیں گے، پس کھیتی علی الدوام زمین کے ساتھ متصل نہیں، ایک وقت کے بعد کٹ جائے گی اس لئے اس میں صراحت ضروری ہے۔

دوسری بات یہ جاننی چاہئے کہ گابھا دینے سے کیا مراد ہے؟ حنفیہ کے نزدیک یہ ''ظہور ثمرۃ'' سے کنایہ ہے، گابھا دینے کے بعد عام طور پر جلدی پھل ظاہر ہو جاتے ہیں، پس اگر پھل درخت پر نمودار ہو چکے ہیں تو اس میں صراحت ضروری ہے اور اگر گابھا دیا ہے مگر پھل ظاہر نہیں ہوئے تو وہ پھل مشتری کا ہوگا، کیونکہ وہ اس کی ملک میں ظاہر ہوا ہے۔

[۹۰-] بَابٌ: مَنْ بَاعَ نَخْلاً قَدْ أُبِّرَتْ، أَوْ أَرْضًا مَزْرُوْعَةً، أَوْ بِإِجَارَةٍ

[۲۲۰۳-] قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: وَقَالَ لِيْ إِبْرَاهِيْمُ، ثَنَا هِشَامٌ، أَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، سَمِعْتُ ابْنَ أَبِيْ مُلَيْكَةَ، يُخْبِرُ عَنْ نَافِعٍ مَوْلَى ابْنِ عُمَرَ: أَيُّمَا نَخْلٍ بِيْعَتْ قَدْ أُبِّرَتْ، لَمْ يُذْكَرِ الثَّمَرُ، فَالثَّمَرُ لِلَّذِيْ أَبَّرَهَا، وَكَذٰلِكَ الْعَبْدُ وَالْحَرْثُ، سَمَّى لَهُ نَافِعٌ هٰؤُلاَءِ الثَّلاَثَ. [انظر ۲۲۰۴، ۲۲۰۶، ۲۳۷۹، ۲۷۱۶]

[۲۲۰۴-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: '' مَنْ بَاعَ نَخْلاً قَدْ أُبِّرَتْ، فَثَمَرُهَا لِلْبَائِعِ، إِلاَّ أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ''

[راجع: ۲۲۰۳]

ترجمہ: امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اور مجھ سے ابراہیم بن المنذرؒ نے کہا، یعنی یہ حدیث مذاکرہ میں حاصل کی ہے، تحدیث کے طور پر نہیں لی.......... جونسا کھجور کا درخت بیچا گیا، تحقیق گابھا دیدیا گیا ہے (اور) پھل کا ذکر نہیں کیا گیا، پس پھل اس شخص کے لیے ہے جس نے درختوں کو گابھا دیا ہے یعنی بائع کے لیے ہے، اور اسی طرح غلام اور کھیتی (کا حکم ہے) نافع نے ابن ابی ملیکہ کے سامنے ان تینوں چیزوں کا تذکرہ کیا (یہ حدیث موقوف ہے اور بعد والی حدیث مرفوع ہے)

لغت: اَبَّرَ النَّخْلَ: گابھا دینا، مادہ درخت کا پھول پھاڑ کر نر درخت کے پھول میں سے کچھ حصہ اس میں داخل کرنا، ایسا کرنے سے پھل عمدہ اور بڑا ہوتا ہے.......... قوله: بإجارة: أى أَخَذَ بإجارة.......... قوله: نخلٌ بيعت: متعلق بالجزء الأول.......... قوله: والحرث: متعلق بالثانى.......... وقاس الإجارة على البيع۔

بَابُ بَيْعِ الزَّرْعِ بِالطَّعَامِ كَيْلاً

کھیتی کوغلّہ کے بدل پیمانے سے بیچنا

مزابنہ کا ذکر پہلے آیا ہے اور محاقلہ کا تذکرہ رہ گیا تھا، اب یہ باب محاقلہ کے لئے ہے، گیہوں کا کھڑا کھیت اگر گیہوں کے عوض بیچا جائے اور اندازہ کر کے برابری کرلی جائے تو یہ محاقلہ ہے، اور یہ بھی ربوا کی وجہ سے یا احتمال ربوا کی وجہ سے ناجائز ہے۔

[۹۱-] بَابُ بَيْعِ الزَّرْعِ بِالطَّعَامِ كَيْلاً

[۲۲۰۵-] حدثنا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْمُزَابَنَةِ: أَنْ يَبِيْعَ ثَمَرَ حَائِطِهِ إِنْ كَانَ نَخْلاً بِتَمْرٍ كَيْلاً، وَإِنْ كَانَ كَرْمًا: أَنْ يَبِيْعَهُ بِزَبِيْبٍ كَيْلاً، وَإِنْ كَانَ زَرْعًا: أَنْ يَبِيْعَهُ بِكَيْلِ طَعَامٍ، نَهَى عَنْ ذٰلِكَ كُلِّهُ.[راجع: ۲۱۷۱]

وضاحت: حدیث پہلے آچکی ہے............اورأن يبيع سے پہلے هي / هو محذوف ہے۔

بَابُ بَيْعِ النَّخْلِ بِأَصْلِهِ

کھجور کے درخت ہی بیچنا

کھجور کے پھل نہیں بیچے، بلکہ درخت ہی بیچے، یہ مسئلہ بھی اوپر آچکا ہے، یہ بیچنا جائز ہے، رہی یہ بات کہ پھل کس کے ہونگے؟ یہ بات بھی اوپر آچکی ہے، اور بأصلہ کا یہ مطلب بھی لے سکتے ہیں کہ کھجور کے درخت زمین کے ساتھ بیچ دیئے! یہ بھی جائز ہے۔

[۹۲-] بَابُ بَيْعِ النَّخْلِ بِأَصْلِهِ

[۲۲۰۶-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "أَيُّمَا امْرِئٍ أَبَّرَ نَخْلاً، ثُمَّ بَاعَ أَصْلَهَا، فَلِلَّذِيْ أَبَّرَ ثَمَرُ النَّخْلِ، إِلاَّ أَنْ يَشْتَرِطَهُ الْمُبْتَاعُ"

[راجع: ۲۲۰۳]

ترجمہ: جس شخص نے کھجور کے درختوں کا گابھا کیا، پھر وہ درخت ہی بیچ دیئے، پس اس شخص کے لیے جس نے گابھا کیا ہے درختوں کے پھل ہیں یعنی پھل بائع کے لیے ہیں، مگر یہ کہ مشتری پھلوں کی شرط لگائے کہ وہ درخت پھلوں کے ساتھ خرید

رہا ہے تو پھر پھل مشتری کے ہونگے۔

بَابُ بَيْعِ الْمُخَاضَرَةِ

ہری کھیتی اور پھلوں کو بیچنا

بدوصلاح سے پہلے بیع کی ممانعت آئی ہے، وہی مخاضرہ ہے، ابھی پھل ہرا ہے، کھیتی ہری ہے، بدوصلاح نہیں ہوا اور بیچ دیا تو یہ بیع ممنوع ہے، رہی یہ بات کہ یہ ممانعت مسئلہ ہے یا مصلحت؟ اس کی تفصیل پہلے آ چکی ہے۔

[۹۳-] بَابُ بَيْعِ الْمُخَاضَرَةِ

[۲۲۰۷-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ وَهْبٍ، ثَنَا عُمَرُ بْنُ يُوْنُسَ، ثَنِيْ أَبِيْ، ثنا إِسْحَاقُ بْنُ أَبِيْ طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيُّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ قَالَ: نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُخَاضَرَةِ وَالْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ وَالْمُزَابَنَةِ.

[۲۲۰۸-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتَّى تَزْهُوَ ـــــ فَقُلْنَا لِأَنَسٍ: مَا زَهْوُهَا؟ قَالَ: تَحْمَرُّ أَوْ تَصْفَرُّ ـــــ "أَرَأَيْتَ إِنْ مَنَعَ اللّٰهُ الثَّمْرَةَ، بِمَ تَسْتَحِلُّ مَالَ أَخِيْكَ؟" [راجع: ١٤٨٨]

وضاحت: مُحاقلہ: حَقل سے ہے، جس کے معنی ہیں: بویا ہوا کھیت .... مُخاضرۃ: خَضْرٌ سے ہے، جس کے معنی ہیں: سرسبز وشاداب ہونا .... مُلامَسَة: لَمْسٌ سے ہے، جس کے معنی ہیں: چھونا، ہاتھ لگانا .... مُنابذۃ: نبذٌ سے ہے، جس کے معنی ہیں: پھینکنا .... مزابنۃ: زَبْنٌ سے ہے، جس کے معنی ہیں: دفع کرنا، ہٹانا .... محاقلہ اور مزابنہ خاص ہیں اور مخاضرہ دونوں کو عام ہے، بلکہ بدوصلاح سے پہلے بھی پھلوں کو بیچنے کے لئے یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے .... حتی تزھو: پیلا پڑنے اور سرخ ہونے سے پہلے بیچنا، یہی مخاضرہ ہے، حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے .... قولہ: أریت إلخ: بدوصلاح سے پہلے بیچنا کیوں ممنوع ہے؟ آپؐ نے اس کی وجہ بیان کی ہے۔

بَابُ بَيْعِ الْجُمَّارِ وَأَكْلِهِ

کھجور کے درخت کا گوند بیچنا اور اس کا کھانا

جُمَّار: کھجور کے درخت کا گوند جو چربی کی طرح سفید ہوتا ہے اور کھایا جاتا ہے، پس وہ مال ہے اس لئے اس کو بیچنا اور کھانا جائز ہے۔ اور حدیث پہلے کتاب العلم میں گذر چکی ہے۔ نبی ﷺ صحابہ کے ساتھ جمار تناول فرما رہے تھے، اس

مناسبت سے آپؐ نے فرمایا: ''ایک درخت مسلمان کی مثال ہے، جس کے پتّے کبھی نہیں جھڑتے، بتاؤ وہ کونسا درخت ہے؟'' ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ذہن میں جواب آیا، کیونکہ جمّار کھایا جارہا تھا، اور صحابہ کا ذہن جواب کی طرف منتقل نہیں ہوا، کیونکہ کھجور کے پتے نہیں ہوتے۔ کھجور کی شاخوں کو وَرَق (پتّے) نہیں کہا جاتا، سَعْف کہا جاتا ہے، پس جب کسی نے جواب نہیں دیا تو آپؐ نے فرمایا: ''وہ کھجور کا درخت ہے'' اور اس کی شاخوں کو پتّے مجازاً کہا گیا ہے۔ بہرحال کھجور کا گوند کھانا جائز ہے اور بیچنا بھی۔

[۹۴-] بَابُ بَيْعِ الْجُمَّارِ وَأَكْلِهِ

[۲۲۰۹-] حدثنا أَبُوْ الْوَلِيْدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ، ثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ أَبِیْ بِشْرٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ يَأْكُلُ جُمَّارًا، فَقَالَ: '' مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةٌ كَالرَّجُلِ الْمؤْمِنِ'' فَأَرَدْتُ أَنْ أَقُوْلَ: هِیَ النَّخْلَةُ، فَإِذَا أَنَا أَحْدَثُهُمْ، قَالَ: '' هِیَ النَّخْلَةُ''[راجع: ٦١]

بابُ مَنْ أَجْرَى أَمْرَ الأَمْصَارِ عَلٰى مَا يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ إلخ

عرف وعادت ثابت ہے اور غیر منصوص مسائل میں اس کا اعتبار ہے

باب کی عبارت لمبی ہے، اور اس میں عرف وعادت کا اثبات ہے، یعنی غیر منصوص معاملات میں عرف وعادت کے مطابق حکم کیا جائے گا، معاملات کے بہت سے مسائل عرف وعادت پر متفرع ہوتے ہیں اور باب میں جو دلیلیں ہیں ان سے بات اچھی طرح واضح ہوجائے گی(۱)

اب باب دیکھیں: بابٌ: من أجرى أَمْرَ الأَمْصَار: جس نے علاقوں کے معاملہ کو جاری کیا أمصار کا ترجمہ علاقے ہے، مختلف علاقوں کا عرف مختلف ہوتا ہے، پس علاقہ اور جس ملک میں جو عرف وعادت ہے اس پر مسائل متفرع کئے جائیں گے۔ **علی ما یتعارفون بینهم**: اس بات پر جس کا لوگوں کے درمیان عرف ہے، اور وہ امور کیا ہیں؟ **فی البیوع والإجارة والمکیال والوزن**: بیع وشراء، اجارہ اور ناپ تول میں یعنی ان کے احکام عرف وعادت کے مطابق طے کئے جائیں گے، **وسُنَّتِهِمْ**: اس کا عطف مایتعارفون پر ہے یعنی مختلف علاقوں میں لوگوں کا جو طریقہ رائج ہے ان پر احکام جاری کئے جائیں گے، سنۃ اور مایتعارفون ایک ہی چیز ہیں۔ **علی نیاتهم ومذاهبهم المشهورة**: لوگوں کی نیتوں کے موافق اور ان کے مشہور طریقوں کے مطابق: احکام کو جاری کیا جائے گا، یہاں تک باب ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عرف وعادت ثابت

(۱) حضرت مولانا مفتی شعیب اللہ خاں صاحب کے اس موضوع پر دو رسالے ہیں، ایک عربی میں، دوسرا اردو میں، اور دونوں ان کی کتاب نفائس الفقہ، جلد اول میں شامل ہیں، عرف وعادت کی مزید تفصیل جاننے کے لئے ان کی طرف رجوع کریں۔

ہیں، اس لئے غیر منصوص مسائل میں ان کا اعتبار کیا جائے گا۔

پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے چھ دلیلیں پیش کی ہیں:

پہلی دلیل: قاضی شریح رحمہ اللہ جو ساٹھ سال تک کوفہ کے قاضی رہے ہیں، جو اکابر تابعین میں سے ہیں: ان کے پاس سوت کاتنے والوں کا کوئی معاملہ آیا، ان لوگوں نے کہا: ہمارا عرف یہ ہے، قاضی صاحب نے کہا: جو تمہارا عرف ہے وہی تمہارے درمیان معتبر ہے۔

دوسری دلیل: ابن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں: دس فیصد نفع پر بیچنا اور خرچہ الگ سے لینا درست ہے، اس لئے کہ اس طرح معاملہ کرنے کا لوگوں میں رواج ہے، بائع کہے: میں دس فیصد نفع لونگا اور مصارف الگ سے لونگا تو بیع درست ہے۔

قوله: يأخذ للنفقة ربحا: شارحین نے اس جملہ کی مختلف شرحیں کی ہیں، میرے نزدیک راجح مطلب وہ ہے جو میں نے بیان کیا کہ مصارف الگ سے لوں گا۔

جاننا چاہئے کہ بیع کی تین صورتیں ہیں: مرابحہ، تولیہ اور وضیعہ، تولیہ: جتنے میں لایا اتنے میں بیچ دیا، مرابحہ: نفع لے کر بیچا اور وضیعہ: قیمت گھٹا کر بیچا، پھر مرابحہ کی دو شکلیں ہیں: ایک: دس فیصد نفع پر بیچا، اور مصارف الگ سے نہیں لئے، دوسری: خرچ الگ سے لینے کی بات طے ہوئی، مرابحہ کی یہ دونوں شکلیں جائز ہیں۔ **العشرةُ بأحد عشرة:** یہ مرابحہ ہے یعنی دس فیصد نفع لوں گا۔ و**يأخذ للنفقة ربحا:** یعنی خرچ الگ سے لوں گا، اس طرح بیع کرنا درست ہے، کیونکہ عرفاً اس طرح معاملہ کیا جاتا ہے۔

تیسری دلیل: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت ہند رضی اللہ عنہا فتح مکہ کے دن بیعت کے لئے حاضر ہوئیں، ان کے شوہر ابوسفیان رضی اللہ عنہ گھر کے خرچ میں بخیلی کرتے تھے، پس ہندؓ نے مسئلہ پوچھا کہ اگر وہ اپنے شوہر کی نظر بچا کر ان کے مال میں سے کچھ لے لیں تو جائز ہے یا نہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: معروف طریقہ پر لے سکتی ہو، یعنی عام طور پر گھر میں جتنا خرچ ہوتا ہے اتنا لے سکتی ہو۔

چوتھی دلیل: قرآنِ کریم میں ہے کہ یتیم کا سرپرست جو یتیم کا کاروبار سنبھالتا ہے اگر وہ نادار ہو تو یتیم کے مال میں سے معروف طریقہ پر تنخواہ لے سکتا ہے، یہ حکم عرف کے لحاظ سے ہے۔

پانچویں دلیل: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے عبدالرحمٰن بن مرداس سے گدھا دو دانق میں کرایہ پر لیا، ایک درہم چھ دانق کا ہوتا ہے، پھر دوسرے وقت آئے اور کہا: گدھا لاؤ، اور بغیر کرایہ طے کئے گدھے پر بیٹھ کر چلے گئے اور واپس آ کر تین دانق دیئے، یعنی کچھ بڑھا کر دیا، جیسے دارالعلوم سے اسٹیشن تک رکشہ کا کرایہ پندرہ روپے ہے، مگر میں جب کرایہ پوچھتا ہوں تو رکشہ والا نہیں بتلاتا، چنانچہ میں اسٹیشن پہنچ کر بیس روپے دیتا ہوں۔

چھٹی دلیل: نبی ﷺ نے ایک مرتبہ پچھنے لگوائے اور کچھ اجرت طے نہیں کی، پھر جب ابوطیبہ اپنے کام سے فارغ

ہوئے تو آپؐ نے معروف طریقہ پر ایک صاع غلہ اجرت میں دیا۔

ان سب دلیلوں سے یہ بات ثابت ہوئی کہ شریعت: عرف وعادت کا اعتبار کرتی ہے، پس اس کے مطابق غیر منصوص مسائل طے کئے جائیں گے، اور یہ جنرل باب ہے، آگے اس سلسلہ کے پانچ ذیلی ابواب بھی آرہے ہیں۔

[۹۵-] بابُ مَنْ أَجْرَى أَمْرَ الْأَمْصَارِ عَلٰى مَا يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ، فِي الْبُيُوْعِ وَالإِجَارَةِ، وَالْمِكْيَالِ وَالْوَزْنِ؛ وَسُنَّتِهِمْ، عَلٰى نِيَّاتِهِمْ وَمَذَاهِبِهِمُ الْمَشْهُوْرَةِ

[۱-] وَقَالَ شُرَيْحٌ لِلْغَزَّالِيْنَ: سُنَّتُكُمْ بَيْنَكُمْ.

[۲-] وَقَالَ عَبْدُ الْوَهَّابِ: عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ: لَابَأْسَ الْعَشَرَةُ بَأَحَدَ عَشَرَ، وَيَأْخُذُ لِلنَّفَقَةِ رِبْحًا.

[۳-] وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لِهِنْدٍ: " خُذِىْ مَا يَكْفِيْكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوْفِ"

[۴-] وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾[النساء:۶]

[۵-] واكْتَرَى الْحَسَنُ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مِرْدَاسٍ حِمَارًا فَقَالَ: بِكَمْ؟ فَقَالَ: بِدَانِقَيْنِ، فَرَكِبَهُ، ثُمَّ جَاءَ مَرَّةً أُخْرَى فَقَالَ: الْحِمَارَ الْحِمَارَ، فَرَكِبَهُ وَلَمْ يُشَارِطْهُ. فَبَعَثَ إِلَيْهِ بِنِصْفِ دِرْهَمٍ.

[۲۲۱۰-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيْلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: حَجَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَبُوْ طَيْبَةَ، فَأَمَرَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِصَاعٍ مِنْ تَمْرٍ، وَأَمَرَ أَهْلَهُ أَنْ يُخَفِّفُوْا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهِ.[راجع: ۲۱۰۲]

[۲۲۱۱-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: قَالَتْ هِنْدٌ أُمُّ مُعَاوِيَةَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيْحٌ، فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ أَنْ آخُذَ مِنْ مَالِهِ سِرًّا؟ قَالَ: " خُذِىْ أَنْتِ وَبَنُوْكِ مَا يَكْفِيْكِ بِالْمَعْرُوْفِ"

[انظر: ۲۴۶۰، ۳۸۲۵، ۵۳۵۹، ۵۳۶۴، ۵۳۷۰، ۶۶۴۱، ۷۱۶۱، ۷۱۸۰]

[۲۲۱۲-] حدثنا إِسْحَاقُ، ثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، ثَنَا هِشَامٌ ،ح: وَحَدَّثَنِىْ مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عُثْمَانَ بْنَ فَرْقَدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ عُرْوَةَ، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّهُ سَمِعَ عَائِشَةَ، تَقُوْلُ﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ، وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾[النساء:۶]: أُنْزِلَتْ فِي وَالِي الْيَتِيْمِ الَّذِىْ يُقِيْمُ عَلَيْهِ، وَيُصْلِحُ فِيْ مَالِهِ: إِنْ كَانَ فَقِيْرًا أَكَلَ مِنْهُ بِالْمَعْرُوْفِ"[انظر: ۲۷۶۵، ۴۵۷۵]

وضاحتیں: غَزَّال: سوت کاتنے والے، دھاگے بنانے والے.........سُنَّتَکم: اگر منصوب ہے تو الزموا وغیرہ کا مفعول ہے، اور مرفوع ہے تو مبتدا ہے أي عادتكم معتبرة في معاملاتكم.........العشرةُ: مبتدا ہے، اور بأحد عشر:

خبر ہے أي يُبَاع بأحد عشر.........شارَطه على كذا: کسی سے کسی بات کی شرط لگانا یعنی کرایہ طے نہیں کیا............ شحيح :بخيل.........خذي: تم اور تمہارے بیٹے معروف طریقہ پر لو جو تمہارے لئے کافی ہو جائے ....قوله تعالیٰ: وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا الآية: ترجمہ: اور جو شخص (تنخواہ سے) مستغنی ہو سو وہ تو اپنے کو بالکل بچائے، اور جو شخص حاجت مند ہو وہ مناسب مقدار سے کھائے یعنی (بقدر ضرورت) تنخواہ لے سکتا ہے۔

بَابُ بَيْعِ الشَّرِيْكِ مِنْ شَرِيْكِهِ

شریک کا شریک کو حصہ بیچنا

یہ عرف وعادت کی اعتباریت کا ذیلی باب ہے، کسی چیز میں دو شخص شریک ہیں، ایک شریک اپنا حصہ دوسرے شریک کو بیچ دے تو یہ جائز ہے۔ خواہ وہ چیز قابل تقسیم ہو یا نہ ہو، یعنی مشترک مشاع ہو، بانٹی جاسکتی ہو، جیسے گیہوں، یا بانٹی نہ جاسکتی ہو، جیسے غسل خانہ۔ پس اگر ایک شریک اپنا حصہ دوسرے شریک کو بیچ دے تو جائز ہے، کیونکہ یہ لوگوں میں معروف ہے۔

اور حدیث آگے آئے گی جب شفعہ کا بیان آئے گا وہاں حدیث سمجھائی جائے گی۔ یہاں بالاجمال حدیث سمجھ کر باب پر استدلال کرنا ہے۔ جمہور (ائمہ ثلاثہ اور امام بخاری) کے نزدیک شفعہ صرف نفس مبیع میں شریک کو ملتا ہے، جار کے لئے شفعہ نہیں، خواہ وہ جار فی الحقوق ہو یا جار محض، اور حنفیہ کے نزدیک تینوں کو ترتیب وار شفعہ ملتا ہے، پہلے نفس مبیع میں شریک کو، وہ نہ ہو یا نہ لے تو جار فی الحقوق کو، اور وہ بھی نہ ہو یا نہ لے تو جار محض کو شفعہ ملے گا، تفصیل آگے آئے گی، پس جو نفس مبیع میں شریک ہے مثلاً کوئی گھر دو بھائیوں میں مشترک ہے، اب ایک بھائی اپنا حصہ کسی اجنبی کو بیچ دے تو دوسرا بھائی جو گھر میں شریک ہے شفعہ لے گا، جتنے میں اجنبی کو بیچا ہے اتنے میں وہ بھائی خرید لے گا، یہ شریک نے شریک کو بیچا پس باب ثابت ہو گیا۔

قوله: في كل مال لم يُقسم: اس لفظ میں راویوں میں اختلاف ہوا ہے، یعنی مال لفظ ہے یا ما موصولہ، اور یہ اختلاف اگلے باب میں مذکور ہے، مگر اس اختلاف کا حاصل کچھ نہیں کیونکہ ما موصولہ سے بھی جائداد مراد ہے اور مال سے بھی، اس لئے روایوں کے اس اختلاف کا مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

[۹۶-] بَابُ بَيْعِ الشَّرِيْكِ مِنْ شَرِيْكِهِ

[۲۲۱۳-] حدثنا مَحْمُوْدٌ، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: جَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم الشُّفْعَةَ فِي كُلِّ مَالٍ لَمْ يُقْسَمْ، فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ وَصُرِفَتِ الطُّرُقُ فَلاَ شُفْعَةَ. [انظر: ۲۲۱۴، ۲۲۵۷، ۲۴۹۵، ۲۴۹۶، ۶۹۷۶]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شفعہ ہر اس مال (جائداد) میں گردانا جو بانٹا نہ گیا ہو، پس

جب سرحدیں قائم ہوگئیں اور راستے پھیر دیئے گئے تو شفعہ نہیں۔

بَابُ بَيْعِ الْأَرْضِ وَالدُّوْرِ وَالْعُرُوْضِ مُشَاعًا غَيْرَ مَقْسُوْمٍ

مشترک زمین، گھر اور سامان بیچنا

عرف وعادت کی اعتباریت کے سلسلہ کا یہ دوسرا ذیلی باب ہے۔ شریک کا شریک کو بیچنا بھی جائز ہے اور غیر شریک کو بھی، مثلاً کسی نے اپنی زمین، مکان یا مشین کا آدھا حصہ کسی کو بیچ دیا تو یہ بیع درست ہے، بانٹ کر بیچے یا مشترک: دونوں جائز ہیں، کیونکہ اس کا لوگوں میں عرف ہے۔

[۹۷-] بَابُ بَيْعِ الْأَرْضِ وَالدُّوْرِ وَالْعُرُوْضِ مُشَاعًا غَيْرَ مَقْسُوْمٍ

[۲۲۱٤-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوْبٍ، ثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، ثنا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَضَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِالشُّفْعَةِ فِيْ كُلِّ مَالٍ لَمْ يُقْسَمْ، فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ، وَصُرِفَتِ الطُّرُقُ فَلاَ شُفْعَةَ.

حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بِهٰذَا. وَقَالَ: فِيْ كُلِّ مَالَمْ يُقْسَمْ، تَابَعَهُ هِشَامٌ، عَنْ مَعْمَرٍ، وَقَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ: فِي كُلِّ مَالٍ لَمْ يُقْسَمْ، وَرَوَاهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ إِسْحَاقَ عَنِ الزُّهْرِيِّ. [راجع: ۲۲۱۳]

وضاحت: الدُّور: واؤ کے ساتھ اور الدُّؤر: ہمزہ کے ساتھ: دونوں دار کی جمع ہے .... مُشاعًا: کے معنی ہیں: مشترک، پس غیر مقسوم: اس کی تفسیر ہے......... قضٰی: شفعہ کا فیصلہ کیا یعنی شفعہ دلوایا۔

قوله: بهذا أى بالحديث المذكور قبله: البتہ اس سند سے روایت میں ما موصولہ ہے، اور باب کے شروع میں جو عبدالرزاق صنعانیؒ کی روایت ہے، اس میں مال ہے۔

بَابٌ: إِذَا اشْتَرَى شَيْئًا لِغَيْرِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ فَرَضِيَ

بے اجازت کسی کے لئے کوئی چیز خریدی اور وہ راضی ہوگیا

یہ بھی عرف وعادت کی اعتباریت کے سلسلہ کا تیسرا ذیلی باب ہے۔ فضولی کے بیچنے اور خریدنے کا بھی لوگوں میں رواج ہے، دوسرے کی چیز بیچنا یا اس کے لئے کوئی چیز خریدنا جائز ہے، جبکہ اصیل اس کو منظور کرلے۔ مثلاً کوئی شخص دیوبند آیا، اس نے اپنے دوست کے مطلب کی کوئی کتاب دیکھی اور اس کو خرید لیا، پس یہ فضولی کا خریدنا ہے، اگر دوست اس پر راضی ہوجائے تو بیع درست ہے۔

حدیث: تین شخص جنگل میں جارہے تھے، اچانک بارش شروع ہوگئی، وہ لوگ بارش سے بچنے کے لئے ایک غار میں جا چھپے، اچانک ایک بڑی چٹان لڑھکی، اور غار کے دہانے پر آ کر سیٹ ہوگئی، اب اندر نہ روشنی رہی نہ ہوا، تینوں نے سوچا اب مرے! اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، پس ہر شخص نے اپنے نیک عمل کے وسیلہ سے دعا کی، اور اللہ نے ان کو نجات بخشی۔

اس واقعہ میں تیسرے شخص نے ایک مزدور کی مزدوری میں تصرف کیا تھا، اس کو بڑھا کر بکریاں خریدیں، پھر گائیں خریدیں۔ یہ سب فضولی کا عمل تھا اور اصل یعنی مزدور جب آیا تو اس سے کہا کہ یہ سب تیرا ہے، چنانچہ وہ لے کر چلا گیا، یعنی اس نے منظور کرلیا، پس درمیان میں جو سیکڑوں بیعیں ہوئی وہ سب درست ہوگئیں۔

[۹۸-] بَابٌ: إِذَا اشْتَرَى شَيْئًا لِغَيْرِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ فَرَضِيَ

[۲۲۱۵-] حدثنا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، ثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ، أَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِيْ مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" خَرَجَ ثَلاَثَةُ نَفَرٍ يَمْشُوْنَ، فَأَصَابَهُمُ الْمَطَرُ، فَدَخَلُوْا فِيْ غَارٍ فِي جَبَلٍ، فَانْحَطَّتْ عَلَيْهِمْ صَخْرَةٌ. قَالَ: فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: ادْعُوْا اللّٰهَ بِأَفْضَلِ عَمَلٍ عَمِلْتُمُوْهُ.

فَقَالَ أَحَدُهُمْ: اللّٰهُمَّ إِنِّيْ كَانَ لِيْ أَبَوَانِ شَيْخَانِ كَبِيْرَانِ، فَكُنْتُ أَخْرُجُ، فَأَرْعَى، ثُمَّ أَجِيْءُ فَأَحْلُبُ، فَأَجِيْءُ بِالْحِلاَبِ، فَآتِيْ بِهِ أَبَوَيَّ فَيَشْرَبَانِ، ثُمَّ أَسْقِي الصِّبْيَةَ وَأَهْلِيْ وَامْرَأَتِيْ. فَاحْتُبِسْتُ لَيْلَةً فَجِئْتُ، فَإِذَا هُمَا نَائِمَانِ، قَالَ: فَكَرِهْتُ أَنْ أُوْقِظَهُمَا، وَالصِّبْيَةُ يَتَضَاغَوْنَ عِنْدَ رِجْلَيَّ. فَلَمْ يَزَلْ ذٰلِكَ دَأْبِيْ وَدَأْبَهُمَا حَتَّى طَلَعَ الْفَجْرُ. اللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّيْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجِ عَنَّا فُرْجَةً نَرَى مِنْهَا السَّمَاءَ. قَالَ: فَفُرِجَ عَنْهُمْ.

فَقَالَ الآخِرُ: اللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّيْ كُنْتُ أُحِبُّ امْرَأَةً مِنْ بَنَاتِ عَمِّي كَأَشَدِّ مَا يُحِبُّ الرَّجُلُ النِّسَاءَ، فَقَالَتْ: لاَ تَنَالُ ذٰلِكَ مِنْهَا حَتَّى تُعْطِيَهَا مِائَةَ دِيْنَارٍ، فَسَعَيْتُ فِيْهَا حَتَّى جَمَعْتُهَا، فَلَمَّا قَعَدْتُ بَيْنَ رِجْلَيْهَا، قَالَتِ: اتَّقِ اللّٰهَ وَلاَ تَفُضَّ الْخَاتَمَ إِلاَّ بِحَقِّهِ، فَقُمْتُ وَتَرَكْتُهَا، فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّيْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا فُرْجَةً، قَالَ: فَفَرَجَ عَنْهُمُ الثُّلُثَيْنِ.

وَقَالَ الآخَرُ: اللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّيْ اسْتَأْجَرْتُ أَجِيْرًا بِفَرَقٍ مِنْ ذُرَةٍ فَأَعْطَيْتُهُ، فَأَبَى ذٰلِكَ أَنْ يَأْخُذَ، فَعَمَدْتُ إِلٰى ذٰلِكَ الْفَرَقِ، فَزَرَعْتُهُ، حَتَى اشْتَرَيْتُ مِنْهُ بَقَرًا وَرَاعِيَهَا، ثُمَّ جَاءَ، فَقَالَ: يَا عَبْدَ اللّٰهِ! أَعْطِنِيْ حَقِّيْ، فَقُلْتُ: انْطَلِقْ إِلٰى تِلْكَ الْبَقَرِ وَرَاعِيْهَا [فَإِنَّهَا لَكَ] فَقَالَ: أَتَسْتَهْزِئُ بِيْ؟ قَالَ: قُلْتُ: مَا

أَسْتَهْزِئُ بِكَ وَلٰكِنَّهَا لَكَ، اللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّيْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا، فَكُشِفَ عَنْهُمْ"[انظر: ۲۲۷۲، ۲۳۳۳، ۳۴۶۵، ۵۹۷۴]

ترجمہ: یہ حدیث پہلی مرتبہ آئی ہے اس لئے ترجمہ کرتا ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تین شخص نکلے، وہ چل رہے تھے، پس ان کو بارش پہنچی، پس وہ پہاڑ کی ایک کھوہ میں جا گھسے، پس ان پر ایک بڑی چٹان لڑھک آئی، نبی ﷺ نے فرمایا: پس ان میں سے بعض نے بعض سے کہا: اللہ سے دعا کرو اپنے اُس بہترین عمل کے ذریعہ جو تم نے کیا ہے۔

پس ان میں سے ایک نے دعا کی: اے اللہ! میرے بہت بوڑھے ماں باپ تھے، میں نکلتا تھا، پس بکریاں چراتا تھا، پھر آتا تھا، پس دوہتا تھا، پس میں دودھ کے ساتھ آتا تھا اور اس کو اپنے والدین کے پاس لاتا تھا، وہ دونوں اس کو پیتے تھے، پھر میں بچوں کو، گھر والوں کو اور اپنی بیوی کو پلاتا تھا، پس میں ایک رات روک دیا گیا پس میں آیا تو اچانک دونوں سو چکے تھے، پس میں نے ناپسند کیا کہ ان کو جگاؤں اور بچے میرے پیروں کے پاس شور مچا رہے تھے، پس میرا اور ان دونوں کا یہی حال رہا یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ اے اللہ! اگر آپ جانتے ہیں کہ میں نے یہ کام آپ کی خوشنودی کے لئے کیا ہے تو کھول دیں ہم سے تھوڑا کھولنا، دیکھیں ہم اس (سوراخ) سے آسمان کو، نبی ﷺ نے فرمایا: پس اللہ تعالیٰ نے ان سے کھول دیا۔

پس دوسرے نے دعا کی: اے اللہ! آپ جانتے ہیں کہ میں اپنی چچازاد بہنوں میں سے ایک عورت سے محبت کرتا تھا جتنا زیادہ سے زیادہ کوئی مرد عورتوں سے محبت کر سکتا ہے، پس اس بہن نے کہا: نہیں حاصل کر سکتا ہے تو وہ چیز اس سے یہاں تک کہ دے تو اس کو سو دینار، پس کوشش کی میں نے ان دیناروں کو حاصل کرنے کی، یہاں تک کہ جمع کر لیا میں نے ان کو، پس جب بیٹھ گیا میں اس کے دونوں پیروں کے درمیان تو اس نے کہا: اللہ سے ڈر اور مہر مت توڑ، مگر اس کے حق کے ساتھ۔ پس میں اٹھ گیا اور دینار چھوڑ دیئے، پس اگر آپ جانتے ہیں کہ میں نے یہ کام کیا ہے آپ کی خوشنودی کے لیے تو ہم سے کچھ کشادگی کر دیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: پس ان سے اللہ تعالیٰ نے دوتہائی کشادگی کر دی۔

اور تیسرے نے کہا: اے اللہ! آپ جانتے ہیں کہ میں نے ایک مزدور رکھا تھا، مکئی کے ایک فَرَق (تین صاع) کے بدل پس میں نے وہ مزدوری اس کو دی، پس اس نے لینے سے انکار کر دیا، پس میں نے اس فرق کا قصد کیا، پس اس کو بویا، یہاں تک کہ میں نے اس سے گائیں اور ان کا چرواہا خریدا، پھر وہ آیا تو اس نے کہا: اے بندۂ خدا! مجھے میرا حق دے، پس میں نے کہا: ان گایوں اور ان کے چرواہے کی طرف جا (پس وہ سب تیرے ہیں) پس اس نے کہا: کیا آپ میرا ٹھٹھا کرتے ہیں؟ میں نے کہا: میں آپ کا ٹھٹھا نہیں کرتا، بلکہ وہ (واقعتاً) تیرے ہیں۔ اے اللہ! اگر آپ جانتے ہیں کہ میں نے یہ کام آپ کی خوشنودی کے لئے کیا ہے تو ہم سے کھول دیں، چنانچہ ان سے کھول دیا گیا۔

لغات: اِنْحَطَّ: لڑھک آیا، گر پڑا .... صخرة: بڑا پتھر .... دأب: طریقہ، عادت .... فَضَّ الشيئَ: کھولنا .... خاتم: مہر، مراد ناموس ہے .... بحقّه: یعنی نکاح کر کے .... تَضَاغَى القِطّ: بلی کا شور مچانا، مجرد:

ضَغَا القطّ: بلی کا تکلیف کی وجہ سے شور مچانا۔

بَابُ الشِّرَى وَالْبَيْعِ مَعَ الْمُشْرِكِيْنَ وَأَهْلِ الْحَرْبِ

مشرکوں اور حربیوں کے ساتھ خرید وفروخت کرنا

یہ عرف وعادت کی اعتباریت کے سلسلہ کا چوتھا باب ہے، حربی یعنی دارالحرب کا باشندہ اور مشرک عام ہے، دارالحرب کا باشندہ ہو یا ذمی ہو ان کے ساتھ خرید وفروخت کرنا جائز ہے۔

اور اگر کوئی کہے کہ غیر مسلم کے پاس اس کا اپنا کوئی مال نہیں ہوتا، اس کا سب مال: مال غنیمت ہے، پھر اس سے بیچنا خریدنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات خاص حالت میں ہے، عام حالات میں غیر مسلم کی ملکیت تسلیم کی گئی ہے اور چونکہ اس قسم کے معاملات کا رواج ہے اس لئے جائز ہیں۔

[۹۹-] بَابُ الشِّرَى وَالْبَيْعِ مَعَ الْمُشْرِكِيْنَ وَأَهْلِ الْحَرْبِ

[۲۲۱۶-] حدثنا أَبُوْ النُّعْمَانِ، ثَنَا مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ عُثْمَانَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ أَبِيْ بَكْرٍ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ جَاءَ رَجُلٌ مُشْرِكٌ مُشْعَانٌ طَوِيْلٌ بِغَنَمٍ يَسُوْقُهَا، قَالَ لَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "بَيْعًا أَوْ عَطِيَّةً؟" أَوْ قَالَ: "أَمْ هِبَةً؟" قَالَ: لَا، بَلْ بَيْعٌ، فَاشْتَرَى مِنْهُ شَاةً. [انظر: ۲۶۱۸، ۵۳۸۲]

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ہم (کسی غزوہ میں) نبی ﷺ کے ساتھ تھے، ایک غیر مسلم لمبوجی آیا جو اپنی بکریاں ہانک رہا تھا، اس سے نبی ﷺ نے پوچھا: بیچے گا یا بخشش دے گا؟ اس نے کہا: بیچونگا، پس آپؐ نے اس سے ایک بکری خریدی۔

لغات: مُشْعَانٌ طویل: طویل: مُشعانٌ کا عطف بیان ہے، اگر کوئی مشعان کو نہ سمجھے تو طویل کو سمجھ جائے اور دونوں کا ترجمہ ہے: لمڈھنگ، لمبوجی.......... بغنم یسوقها: وہ بکریاں چراتا ہوا وہاں پہنچا.......... بیعًا أو عطیّةً: بکری بیچے گا یا ہدیہ دے گا۔

بَابُ شِرَى الْمَمْلُوْكِ مِنَ الْحَرْبِيِّ وَهِبَتِهِ وَعِتْقِهِ

حربی سے غلام خریدنا اور حربی کا غلام بخشنا اور آزاد کرنا

یہ عرف وعادت کی اعتباریت کے سلسلہ کا پانچواں اور آخری باب ہے، اور شِرَى المملوك میں مصدر کی مفعول کی

طرف اضافت ہے یعنی حربی کا مملوکہ غلام، حربی یعنی دارالحرب کا غیر مسلم باشندہ۔ اس سے غلام خریدنا جائز ہے، کیونکہ وہ اس کی ملک ہے اور حربی کسی کو غلام ہبہ کرے تو یہ بھی جائز ہے، اور وہ اپنے غلام کو آزاد کرے تو یہ بھی جائز ہے۔ **لأن هذا مما يتعارفه الناس**............اور دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حرّالاصل تھے مگر پھنس گئے تھے اور غلام بنالئے گئے تھے، پھر وہ کتنے ہی آقاؤں کے پاس ہوتے ہوئے مدینہ کے ایک یہودی کے پاس پہنچے، جب نبی ﷺ ہجرت کرکے مدینہ آئے تو حضرت سلمانؓ مسلمان ہوگئے۔ آپؐ نے ان سے فرمایا: تم اپنے آقا سے کتابت کا معاملہ کرلو، یعنی وہ بیچے گا تو نہیں اس لئے کتابت کا معاملہ کرلو، ان کے آقا نے کہا: کھجور کی فلاں قسم مثلاً عجوہ کے تین سو درخت لگاؤ، اور ان کی خدمت کرو، جب ان پر پھل آجائیں تم آزاد ہو، حضرت سلمانؓ نے کھیت تیار کیا، نرسری سے پودے لائے، نبی ﷺ نے تشریف لے جاکر خود اپنے ہاتھ سے پودے لگائے۔ حضرت سلمانؓ نے ان کی خدمت کی، اللہ کا کرنا کہ پہلے ہی سال پھل آگیا، جبکہ کھجور کے درخت پر دس سال کے بعد پھل آتے ہیں۔ البتہ ایک درخت پر پھل نہیں آیا، اس لئے شرط پوری نہیں ہوئی، حضرت سلمانؓ نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ایک درخت نہیں پھلا، آپؐ نے پوچھا کیا بات ہوئی؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ درخت میں نے لگایا تھا۔ حضور ﷺ تشریف لے گئے اس کو اکھاڑا اور دوبارہ لگایا اللہ کا کرنا کہ اسی سال اس پر بھی پھل آگیا، اور اس طرح حضرت سلمانؓ آزاد ہوگئے۔ پس کتابت کے ذریعہ آزاد کرنا یا مفت آزاد کرنا ایک ہی بات ہے، غرض حربی کی طرف سے غلام کا آزاد کرنا پایا گیا۔

۲۔حضرت عمار، حضرت صہیب اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم بھی قید کئے گئے تھے اور غلام بنالئے گئے تھے، پھر مختلف لوگوں نے ان کو خرید کر آزاد کیا ہے، معلوم ہوا کہ غیر مسلم کا آزاد کرنا صحیح ہے۔(۱)

۳۔سورۃ النحل کی آیت ۷۱ ہے: اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعضوں کو بعضوں پر رزق میں فضیلت دی ہے، وہ اپنے حصہ کا مال اپنے غلاموں کو اس طرح کبھی دینے والے نہیں کہ وہ (مالک اور مملوک) سب اس میں برابر ہوجائیں، کیا پھر بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتے ہو؟

(۱) فتح الباری میں ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا قید ہونا میری (حافظ رحمہ اللہ کی) سمجھ میں نہیں آیا۔ اس لئے کہ وہ عربی تھے، کبھی قید نہیں ہوئے، ان کے والد نے قبیلہ عنسی سے مکہ آکر بنومخزوم سے دوستی کی تھی، بنومخزوم نے ان کا حضرت سمیّہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا، وہ آزاد شدہ تھیں، ان کے بطن سے حضرت عمار رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ اس لئے مشرکین نے شاید ان کے ساتھ قیدیوں جیسا معاملہ کیا۔

اور حضرت صُہیب رومی بھی عربی تھے، نمر قبیلہ سے ان کا تعلق تھا، رومیوں نے ان کو قید کیا تھا اور عبدالرحمٰن بن جدعان نے ان کو آزاد کیا تھا، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابوجہل سے یا امیہ بن خلف سے خرید کر آزاد کیا تھا۔

اس آیت میں شرک کی انتہائی درجہ کی برائی بیان کی گئی ہے کہ جب تمہارے غلام رزق میں تمہارے برابر کے شریک نہیں ہوسکتے تو اللہ تعالیٰ کے غلام اس کے ساتھ الوہیت میں کیسے شریک ہوسکتے ہیں؟

آیت میں مشرکین کے غلاموں کو ﴿مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ﴾ کہا ہے، پس جب وہ اپنے غلاموں کے مالک ہوئے تو ہم ان سے خرید سکتے ہیں اور مشرک آزاد کرے یا ہبہ کرے تو وہ آزاد کرنا اور ہبہ کرنا بھی درست ہے۔

قولہ: فهم فيه سواء: یعنی آقا غلاموں کو خوراک پوشاک تو دیتا ہے مگر اتنا نہیں دیتا کہ وہ برابر کی پوزیشن میں آجائیں۔

۴- حضرت سارۃ رضی اللہ عنہا کے واقعہ کے آخر میں ہے: وأَخْدَمَ وليدةً: اس ظالم بادشاہ نے حضرت ہاجرہؓ کو باندی کے طور پر خدمت کے لئے دیا، یہ کافر کا غلام کو ہبہ کرنا ہے، اور حدیث کا ترجمہ بعد میں آئے گا۔

۵- حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے مقدمہ میں نبی ﷺ نے فیصلہ فرمایا: الولد للفراش وللعاهر الحجر: یہ فیصلہ عرف وعادت پر مبنی ہے، جو عورت کسی کے گھر میں ہوتی ہے دنیا اس کے بچہ کو شوہر ہی کا قرار دیتی ہے۔ نبی ﷺ نے بھی عتبہ کے ساتھ واضح مشابہت کے باوجود نسب زمعہ سے ثابت کیا۔

۶- حضرت صُہیب رومی رضی اللہ عنہ خود کو عربی النسل کہتے تھے اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا کہ تم غلام تھے، آزاد کئے گئے، پھر تم عربی النسل کیسے ہوگئے؟ حضرت صہیبؓ نے جواب دیا: میں بچپن میں چرالیا گیا تھا، اور مجھے غلام بنالیا گیا تھا، پھر ان کے آقا نے ان کو آزاد کیا، معلوم ہوا کہ کافر کا آزاد کرنا صحیح ہے۔

۷- حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے اپنے جاہلیت کے اعمال صالحہ کے بارے میں دریافت کیا کہ ان کا کوئی ثواب ان کو ملے گا؟ انھوں نے زمانہ جاہلیت میں صلہ رحمی کی تھی، غلام آزاد کئے تھے اور دان پون کیا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: یہی تمہارے خیر کے کام تمہارے اسلام کا سبب بنے ہیں، معلوم ہوا کہ غیر مسلم کا غلاموں کو آزاد کرنا درست ہے، اور وہ خیر کا کام ہے جس کا صلہ اس کو دنیا ہی میں دیدیا جاتا ہے۔

[۱۰۰-] بَابُ شِرَى الْمَمْلُوْكِ مِنَ الْحَرْبِيِّ وَهِبَتِهِ وَعِتْقِهِ

[۱-] وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لِسَلْمَانَ: كَاتِبْ، وَكَانَ حُرًّا فَظَلَمُوْهُ وَبَاعُوْهُ.

[۲-] وَسُبِيَ عَمَّارٌ وَصُهَيْبٌ وَبِلَالٌ.

[۳-] وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَادِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَاءٌ، أَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ﴾ [النحل: ۷۱]

[۲۲۱۷-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، أَنَا شُعَيْبٌ، أَنَا أَبُوْ الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " هَاجَرَ إِبْرَاهِيْمُ بِسَارَةَ، فَدَخَلَ بِهَا قَرْيَةً فِيْهَا مَلِكٌ مِنَ الْمُلُوْكِ، أَوْ: جَبَّارٌ

مِنَ الْجَبَابِرَةِ. فَقِيْلَ: دَخَلَ إِبْرَاهِيْمُ بِامْرَأَةٍ هِيَ مِنْ أَحْسَنِ النِّسَاءِ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ: أَنْ يَا إِبْرَاهِيْمُ! مَنْ هٰذِهِ الَّتِيْ مَعَكَ؟ قَالَ: أُخْتِيْ، ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهَا فَقَالَ: لاَ تُكَذِّبِيْ حَدِيْثِيْ، فَإِنِّيْ أَخْبَرْتُهُمْ أَنَّكِ أُخْتِيْ، وَاللّٰهِ إِنْ عَلَى الْأَرْضِ مِنْ مُؤْمِنٍ غَيْرِيْ وَغَيْرُكِ.

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہجرت کی، پس وہ ان کے ساتھ ایک بستی میں داخل ہوئے جس میں بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ یا فرمایا: ظالموں میں سے ایک ظالم تھا، پس کہا گیا کہ ابراہیم ایک ایسی عورت کے ساتھ آئے ہیں کہ وہ نہایت خوبصورت عورتوں میں سے ہے، پس بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف آدمی بھیجا کہ اے ابراہیم! یہ کون عورت ہے جو تیرے ساتھ ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میری بہن ہے، پھر وہ حضرت سارہؓ کی طرف لوٹے پس فرمایا: تم میری بات کی تکذیب نہ کرنا اس لئے کہ میں نے ان کو بتایا ہے کہ تم میری بہن ہو، بخدا! میرے اور تمہارے علاوہ زمین میں کوئی مؤمن نہیں، یعنی ایمانی رشتہ سے میں نے بہن کہا ہے۔

فَأَرْسَلَ بِهَا إِلَيْهِ، فَقَامَ إِلَيْهَا، فَقَامَتْ تَوَضَّأُ وَتُصَلِّيْ، فَقَالَتْ: اللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتُ آمَنْتُ بِكَ وَبِرَسُوْلِكَ، وَأَحْصَنْتُ فَرْجِي إِلَّا عَلَى زَوْجِيْ، فَلاَ تُسَلِّطْ عَلَيَّ الْكَافِرَ، فَغُطَّ حَتَّى رَكَضَ بِرِجْلِهِ، قَالَ الْأَعْرَجُ قَالَ: أَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَتْ: اللّٰهُمَّ إِنْ يَمُتْ يُقَالُ: هِيَ قَتَلَتْهُ، فَأُرْسِلَ، ثُمَّ قَامَ إِلَيْهَا، فَقَامَتْ تَوَضَّأُ وَتُصَلِّيْ، وَتَقُوْلُ: اللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتُ آمَنْتُ بِكَ وَبِرَسُوْلِكَ، وَأَحْصَنْتُ فَرْجِيْ إِلَّا عَلَى زَوْجِيْ، فَلاَ تُسَلِّطْ عَلَيَّ هٰذَا الْكَافِرَ، فَغُطَّ حَتَّى رَكَضَ بِرِجْلِهِ. قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ: قَالَ أَبُوْ سَلَمَةَ قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ:" فَقَالَتْ: اللّٰهُمَّ إِنْ يَمُتْ يُقَلْ: هِيَ قَتَلَتْهُ. فَأُرْسِلَ فِي الثَّانِيَةِ أَوْ فِي الثَّالِثَةِ.

ترجمہ: پس بھیجا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو بادشاہ کی طرف، پس اٹھا وہ سارہ کی طرف (بدنیتی سے) پس حضرت سارہؓ اٹھیں، وضو کیا اور نماز پڑھنے لگیں، اور دعا کی: اے اللہ! اگر میں آپ پر اور آپ کے رسول پر ایمان لائی ہوں اور میں نے اپنے شوہر کے علاوہ ہر کسی سے اپنے ناموس کی حفاظت کی ہے تو مجھ پر اس کافر کو مسلط نہ فرما۔ پس وہ دم گھٹنے والے کی طرح آواز نکالنے لگا، یہاں تک کہ اپنا پیر پٹخنے لگا —— حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت سارہؓ نے دعا کی: اے اللہ! اگر وہ مر گیا تو کہا جائے گا کہ سارہؓ نے اس کو قتل کر دیا، پس وہ چھوڑ دیا گیا —— پھر وہ بادشاہ حضرت سارہؓ کی طرف کھڑا ہوا (بدنیتی سے) پس وہ کھڑی ہوئیں، وضو کیا اور نماز پڑھنے لگیں، اور دعا کی: اے اللہ! اگر میں آپ پر اور آپ کے رسول پر ایمان لائی ہوں اور اپنے شوہر کے علاوہ ہر کسی سے میں نے اپنے ناموس کی حفاظت کی ہے تو مجھ پر اس کافر کو مسلط نہ فرما۔ پس وہ دم گھٹنے والے کی طرح آواز نکالنے لگا، یہاں تک کہ اپنا پیر پٹخنے لگا —— حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں: پس حضرت سارہؓ نے دعا کی: اے اللہ! اگر وہ مر گیا تو کہا جائے گا کہ اس نے اس کو قتل کر دیا، پس

وہ دوسری مرتبہ یا تیسری مرتبہ چھوڑ دیا گیا۔

لغت: غَطَّ في النوم: نیند میں خراٹے لینا............ غَطَّ المخنوق: دم گھٹنے والے کی طرح آواز نکالنا۔

فَقَالَ: وَاللّٰهِ مَا أَرْسَلْتُمْ إِلَيَّ إِلَّا شَيْطَانًا، أَرْجِعُوْهَا إِلٰى إِبْرَاهِيْمَ، وَأَعْطُوْهَا آجَرَ، فَرَجَعَتْ إِلٰى إِبْرَاهِيْمَ فَقَالَتْ: أَشْعَرْتَ أَنَّ اللّٰهَ كَبَتَ الْكَافِرَ، وَأَخْدَمَ وَلِيْدَةً؟"

[انظر: ٢٦٣٥، ٣٣٥٧، ٣٣٥٨، ٥٠٨٤، ٦٩٥٠]

ترجمہ: پس اس نے کہا: بخدا! نہیں بھیجا تم نے میری طرف مگر بھوتنی کو، لوٹاؤ اس کو ابراہیم کی طرف، اور دو اس کو ہاجرہ، پس لوٹیں حضرت سارہؓ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف، پس انھوں نے کہا کہ آپ نے جانا کہ اللہ نے کافر کو لگام دیدی اور اس نے خدمت کے لئے ایک لڑکی دی۔

وضاحت: حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو جب سے پولیس والے لے گئے تھے تب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام برابر نماز میں مشغول تھے، جب پولیس والے حضرت سارہؓ کو واپس لائے اس وقت بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نیت بندھی ہوئی تھی، اس لئے انھوں نے أشعرت کہا۔

لغت: كَبَتَ اللّٰهُ العدوَّ: دشمن کو اس کے غیظ وغضب کے باوجود پیچھے ہٹا دینا، اس کی ایک نہ چلنے دینا۔

[٢٢١٨-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ: اخْتَصَمَ سَعْدُ بْنُ أَبِيْ وَقَّاصٍ وَعَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ فِيْ غُلَامٍ، فَقَالَ سَعْدٌ: هٰذَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! ابْنُ أَخِيْ عُتْبَةَ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ، عَهِدَ إِلَيَّ أَنَّهُ ابْنُهُ، انْظُرْ إِلٰى شَبَهِهِ، وَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ: هٰذَا أَخِيْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وُلِدَ عَلٰى فِرَاشِ أَبِيْ مِنْ وَلِيْدَتِهِ، فَنَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِلٰى شَبَهِهِ، فَرَأَى شَبَهًا بَيِّنًا بِعُتْبَةَ فَقَالَ: "هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ! الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ، وَاحْتَجِبِيْ مِنْهُ يَا سَوْدَةُ بِنْتُ زَمْعَةَ" فَلَمْ تَرَهُ سَوْدَةُ قَطُّ. [راجع: ٢٠٥٣]

ترجمہ: فتح مکہ کے دن حضرت سعدؓ اور عبدؓ کا ایک لڑکے کے بارے میں مقدمہ خدمتِ نبوی میں آیا، حضرت سعدؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ میرا بھتیجا ہے، عتبہ کا لڑکا ہے اس نے مجھ کو ذمہ دار بنایا ہے کہ وہ اس کا لڑکا ہے، آپ دیکھیں عتبہ کے ساتھ اس کی مشابہت کو اور عبد نے کہا: یارسول اللہ! یہ میرا بھائی ہے، میرے ابا کے بستر پر جنا گیا ہے ان کی باندی سے، پس رسول اللہ ﷺ نے اس کی مشابہت میں غور کیا تو اس کو واضح طور پر عتبہ کے ساتھ مشابہ پایا، پس آپؐ نے فرمایا: اے عبد! وہ تیرے لئے ہے، بچہ بستر کے لئے ہے اور زانی کے لئے پتھر (حرماں نصیبی) ہے، اور پردہ کریں آپ اس سے اے

سودہ! پس نہیں دیکھا اس کو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے کبھی بھی (یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے)

[٢٢١٩-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا غُنْدَرٌ، ثنا شُعْبَةُ، عَنْ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عُوْفٍ لِصُهَيْبٍ: اتَّقِ اللّٰهَ! وَلاَ تَدَّعِ إِلٰى غَيْرِ أَبِيْكَ. فَقَالَ صُهَيْبٌ: مُا يَسُرُّنِىْ أَنَّ لِىْ كَذَا وَكَذَا وَأَنِّىْ قُلْتُ ذٰلِكَ. ولٰكِنِّىْ سُرِقْتُ وَأَنَا صَبِىٌّ.

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت صُہیب رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ سے ڈرو! اور اپنے باپ کے علاوہ سے اپنا نسب مت جوڑو، حضرت صہیبؓ نے جواب دیا: نہیں خوش کرتی مجھ کو کہ میرے لئے یہ اور یہ ہو اور میں یہ بات کہوں یعنی اپنے عربی النسل ہونے کا دعوی کروں، بلکہ میں چرایا گیا تھا درانحالیکہ میں بچہ تھا۔

لغت: ادَّعی علی فلانٍ: غیر باپ کی طرف منسوب کرنا۔

[٢٢٢٠-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، أَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِىْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ حَكِيْمَ بْنَ حِزَامٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ أُمُوْرًا كُنْتُ أَتَحَنَّثُ أَوْ: أَتَحَنَّتُ بِهَا فِى الْجَاهِلِيَّةِ: مِنْ صِلَةٍ وَعَتَاقَةٍ وَصَدَقَةٍ، هَلْ لِىْ فِيْهَا أَجْرٌ؟ قَالَ حَكِيْمٌ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " أَسْلَمْتَ عَلٰى مَا سَلَفَ لَكَ مِنْ خَيْرٍ "[راجع: ١٤٣٦]

ترجمہ: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یارسول اللہ! بتلائیں، چند کام جن کو میں زمانۂ جاہلیت میں عبادت کے طور پر کیا کرتا تھا یعنی صلہ رحمی، غلام آزاد کرنا اور خیر خیرات کرنا، کیا میرے لئے ان میں کوئی ثواب ہے؟ نبی ﷺ نے جواب دیا: أسلمتَ علی ماسَلَفَ لك من خير: تم مسلمان ان خیر کے کاموں کی وجہ سے ہوئے ہو جو تم نے پہلے کئے ہیں (یہ حدیث بھی پہلے آئی ہے)

لغت: تَحَنَّث (آخر میں ثاء مثلثہ) اور تَحَنَّتَ (آخر میں تاء مثناۃ) دونوں کے معنی ہیں: عبادت کرنا۔

بَابُ جُلُوْدِ الْمَيْتَةِ قَبْلَ أَنْ تُدْبَغَ

رنگنے سے پہلے مردار کی کھالیں

مردار ناپاک ہے اس کا بیچنا خریدنا جائز نہیں، اور کھال گوشت کے حکم میں ہے، جس کو قربانی کا گوشت دے سکتے ہیں اس کو کھال بھی دے سکتے ہیں، اس لئے ائمہ اربعہ کے نزدیک مردار کی کھال رنگنے سے پہلے بیچنا خریدنا جائز نہیں، کیونکہ وہ ناپاک ہے، البتہ رنگنے سے پاک ہوجاتی ہے، پس اس کو بیچ سکتے ہیں۔

اورامام بخاری رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ رنگنے سے پہلے بھی مردار کی کھال بیچ سکتے ہیں، امام زہری رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے، اسی کو امام بخاریؒ نے اختیار کیا ہے۔ اور قرینہ اس کا یہ ہے کہ میتہ کے لئے الگ باب لائے ہیں، مگر حضرتؒ نے صاف نہیں کہا، بات مجمل رکھی ہے۔

اور باب میں حدیث یہ ہے کہ ایک بکری مرگئی، اس کو کھینچ کر گاؤں سے باہر ڈالنے کے لئے لے جارہے تھے، آپؐ نے فرمایا: اس کی کھال اتارلو، لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ مردار ہے، آپؐ نے فرمایا: اس کا کھانا حرام ہے، یعنی کھال اتار کر اس سے فائدہ اٹھاسکتے ہو۔

اس حدیث میں نبی ﷺ نے ایسی کوئی تفصیل نہیں کی کہ رنگنے کے بعد فائدہ اٹھاسکتے ہو، علاوہ ازیں: إھاب کچے چمڑے کو کہتے ہیں اور حدیث سے معلوم ہوا کہ إھاب سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں اور فائدہ اٹھانے کی ایک شکل یہ ہے کہ اس کو بیچ دیا جائے اور اس کی قیمت سے فائدہ اٹھایا جائے، مگر چاروں ائمہ اس کو ناجائز کہتے ہیں۔ آگے مردار کی چربی کا حکم آرہا ہے اس کو پگھال کر بیچنا بھی جائز نہیں، پس چمڑے کا بھی یہی حکم ہے۔

ملحوظہ: آج کل ٹینیروں کا زمانہ ہے، چمڑا رنگنے والے چمار نہیں رہے، اس لئے مردار اور مذبوحہ جانوروں کے چمڑے بکتے بکتے ٹینیریوں تک پہنچتے ہیں، پھر ہاتھ سے رنگنے کی صورت میں چمڑے کی قیمت کچھ بھی نہیں رہتی، اور ٹینیریوں میں جو چمڑے رنگے جاتے ہیں ان کی قیمت زیادہ ہوتی ہے، اس لئے اس زمانہ میں جواز بیع کا حیلہ یہ ہے کہ چمڑے پر نمک لگادیا جائے یا پانی سے دھودیا جائے یا سکھادیا جائے تو دباغت ہوگئی، اب بیچنا جائز ہے۔ یا مفتیانِ کرام ضرورت کے پیش نظر امام بخاریؒ کے قول پر فتوی دیں تو بیع درست ہوسکتی ہے۔

[۱۰۱-] بَابُ جُلُوْدِ الْمَيْتَةِ قَبْلَ أَنْ تُدْبَغَ

[۲۲۲۱-] حدثنا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، ثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، ثَنَا أَبِيْ، عَنْ صَالِحٍ، ثَنِيْ ابْنُ شِهَابٍ، أَنَّ عُبَيْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ أَخْبَرَهُ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مَرَّ بِشَاةٍ مَيِّتَةٍ فَقَالَ: "هَلَّا اسْتَمْتَعْتُمْ بِإِهَابِهَا؟" قَالُوْا: إِنَّهَا مَيِّتَةٌ، قَالَ: "إِنَّمَا حَرُمَ أَكْلُهَا" [راجع: ۱٤۹۲]

بَابُ قَتْلِ الْخِنْزِيْرِ

سور کو مار ڈالنا

ربط: اس باب کا ابواب البیوع سے ربط حاشیہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس چیز کے قتل کا حکم دیا گیا ہے اس کی بیع جائز نہیں، مگر گذشتہ باب سے ربط کے لئے یہ بات کافی نہیں۔ میرے خیال میں یہ باب دفع دخل مقدر کے طور پر لایا گیا

ہے، پچھلے باب میں یہ مسئلہ آیا ہے کہ مردار کے چمڑے سے رنگنے سے پہلے بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں، پس کوئی خیال کرسکتا ہے کہ جب مردار کے چمڑے سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور اس کو بیچ سکتے ہیں تو اس کے گوشت سے، اس کی ہڈیوں سے اور بالوں وغیرہ سے بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور ان کو بھی بیچ سکتے ہیں بلکہ ناپاکی میں مردار سے بڑھا ہوا خنزیر ہے اس کو بھی بیچ سکتے ہیں، اس لئے یہ باب لائے کہ خنزیر کو تو زندہ ہی نہیں چھوڑا جائے گا، جہاں ملے گا مارڈالا جائے گا، پس جب خنزیر رہے گا ہی نہیں تو اس کے بیچنے کا کیا سوال؟ اور مردار کی کچی کھال کی بیع کا جواز نص کی وجہ سے ہے، گوشت وغیرہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ چاروں فقہاء کے نزدیک قتل خنزیر کا حکم نہیں، کیونکہ خنزیر بھی ایک امت ہیں اور کتوں کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر کتے امتوں میں سے ایک امت نہ ہوتے تو میں ان کو مارڈالنے کا حکم دیتا، اس ارشاد سے آپؐ نے کتوں کو مارڈالنے کا حکم اٹھادیا، ایسے ہی خنزیر بھی ایک امت ہیں ان کو بھی مارڈالنے کا حکم نہیں، ہاں کتا پریشان کرتا ہو تو مارڈالیں گے، اسی طرح خنزیر پریشان کرتا ہو تو مارڈالیں گے، لیکن بےضرورت خنزیر کو مارنے کا حکم نہیں۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال اس طرح ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے تو تمام خنزیروں کو قتل کردیں گے، لہٰذا خنزیر جہاں ملے اس کو مارڈالنا چاہئے۔

مگر حضرت رحمہ اللہ کا یہ استدلال محل نظر ہے، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو صلیبیں بھی توڑدیں گے، تو کیا دنیا کی سب صلیبیں توڑدی جائیں؟ عیسائی ہمارے ملک کے شہری ہیں پھر ان کی صلیبیں کیسے توڑیں گے؟ جب وہ ہمارے شہری ہیں اور ہم نے ان کی مذہبی باتوں کو برقرار رکھا ہے تو ان کی صلیبیں بھی باقی رہیں گی، اسی طرح خنزیر ان کی بکریاں ہیں، پس ہم ان کو کیسے مارڈالیں گے؟ اور اگر ہم سب خنزیروں کو مارڈالیں گے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کوئی خنزیر ہوگا ہی نہیں، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کس کو قتل کریں گے؟

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو خنزیروں کو قتل کریں گے اور صلیبوں کو توڑیں گے تو وہ عیسائیوں کی ناک زمین میں رگڑنے کے لئے ایسا کریں گے۔ ان کی صلیبیں توڑدیں گے ان کے سوروں کو قتل کردیں گے، یا ان کے زمانہ میں عیسائی رہیں گے ہی نہیں، سب مسلمان ہوجائیں گے اس لئے ان کی سب صلیبیں توڑدیں گے۔

اور آگے نو ابواب کے بعد حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث آرہی ہے کہ نبی ﷺ نے خنزیر کی بیع کو حرام کیا ہے، اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ خنزیر کو زندہ چھوڑنا ہی جائز نہیں: یہ استدلال بھی صحیح نہیں۔ خنزیر کا بیچنا تو اس لئے جائز نہیں کہ وہ مسلمان کے حق میں مال متقوم نہیں، پھر بیع کیسے ہوگی؟ رہا ان کو زندہ رکھنا تو وہ دیگر حرام جانوروں کی طرح ایک امت ہیں، پس ان کو بھی زندہ رہنے کا حق ہے۔

[۱۰۲-] بَابُ قَتْلِ الْخِنْزِيْرِ

وَقَالَ جَابِرٌ: حَرَّمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بَيْعَ الْخِنْزِيْرِ.

[۲۲۲۲-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَيُوْشِكَنَّ أَنْ يَنْزِلَ فِيْكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا مُقْسِطًا، فَيَكْسِرَ الصَّلِيْبَ، وَيَقْتُلَ الْخِنْزِيْرَ، وَيَضَعَ الْجِزْيَةَ، وَيَفِيْضَ الْمَالُ حَتَّى لاَ يَقْبَلَهُ أَحَدٌ"[انظر: ۲٤۷٦، ۳٤٤۸، ۳٤٤۹]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے عنقریب تم میں مریم کے بیٹے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) انصاف پرور حاکم بن کر اتریں گے۔ پس صلیب کو توڑ ڈالیں گے، اور سور کو مار ڈالیں گے اور جزیہ موقوف کردیں گے اور مال کی ریل پیل ہو جائے گی، یہاں تک کہ کوئی اس کو قبول کرنے والا نہیں رہے گا۔

لغت: أَوْشَكَ: فعل مقارب ہے یعنی کسی فعل پر داخل ہو کر اس کے قربِ وقوع پر دلالت کرتا ہے، اس کے بعد اکثر أن کے ساتھ فعل ہوتا ہے، اور وہی أن فاء کے بعد کے افعال کو بھی نصب دیتا ہے۔

بَابٌ: لاَ يُذَابُ شَحْمُ الْمَيْتَةِ، وَلاَ يُبَاعُ وَدَكُهُ

مردار کی چربی پگھالی نہ جائے اور اس کا گھی بیچا نہ جائے

پیٹ میں سے جو چربی نکلتی ہے وہ شَحْم کہلاتی ہے اور پگھلانے کے بعد جو گھی تیار ہوتا ہے وہ وَدَك کہلاتا ہے۔ اور مردار چونکہ حرام ہے اس لئے اس کا ہر جزء حرام ہے، پس چربی کا بیچنا خریدنا بھی جائز نہیں۔

حدیث: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شکایت پہنچی کہ ایک مسلمان نے شراب بیچی (اس نے سوچا ہوگا کہ شراب پینا تو حرام ہے مگر اس کو ضائع کرنے سے بہتر یہ ہے کہ بیچ دی جائے اور پیسوں سے فائدہ اٹھایا جائے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کا ناس ہو! یہود نے بھی تو یہی کیا تھا، ان پر مذبوحہ جانور کے پیٹ کی چربی حرام کی گئی تو انھوں نے اس کو پگھلایا اور گھی بنا کر بیچا، اور اس کا ثمن کھایا۔ نبی ﷺ نے ان پر لعنت فرمائی، پس شراب بیچ کر ثمن کھانا بھی حرام ہے اور لعنت کا سبب ہے۔

[۱۰۳-] بَابٌ: لاَ يُذَابُ شَحْمُ الْمَيْتَةِ، وَلاَ يُبَاعُ وَدَكُهُ

رَوَاهُ جَابِرٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

[۲۲۲۳-] حدثنا الْحُمَيْدِيُّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ طَاوُسٌ، أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، يَقُوْلُ: بَلَغَ عُمَرَ أَنَّ فُلاَنًا بَاعَ خَمْرًا، فَقَالَ: قَاتَلَ اللّٰهُ فُلاَنًا! أَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ

رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ:" قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ! حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُوْمُ، فَجَمَلُوْهَا فَبَاعُوْهَا"

[انظر: ٣٤٦٠]

[٢٢٢٤-] حدثنا عَبْدَانُ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، أَخْبَرَنَا يُوْنُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، سَمِعْتُ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ:" قَاتَلَ اللّٰهُ يَهُوْدًا! حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُوْمُ فَبَاعُوْهَا، وَأَكَلُوْا أَثْمَانَهَا"

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ: لَعَنَهُمْ﴿ قُتِلَ﴾: لُعِنَ﴿ الْخَرَّاصُوْنَ﴾: الْكَذَّابُوْنَ.

لغات: قاتلهم الله: محاورہ ہے اس کے معنی ہیں: لعنهم الله، تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے دور کریں، لعنت کا یہی مفہوم ہے.........اَلْخَرّاصُوْن کے معنی ہیں: الکذّابون: مہا جھوٹے، بےسند باتیں کرنے والے، یہ دونوں لفظ سورۃ الذاریات آیت: ۱۰ میں آئے ہیں.........جَمَلَ الشحمَ وَأَجْمَلَ: چربی کو پگھلانا۔

بَابُ بَيْعِ التَّصَاوِيْرِ الَّتِيْ لَيْسَ فِيْهَا رُوْحٌ، وَمَا يُكْرَهُ مِنْ ذٰلِكَ

غیر جاندار کی تصویریں بیچنا، اور جو تصویریں مکروہ ہیں

غیر جاندار کی تصویریں بیچنا خریدنا جائز ہے، اور جاندار کی تصویریں بنانا، بیچنا اور خریدنا ناجائز ہے۔

حدیث: ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا، اس نے عرض کیا: میں ایک ایسا انسان ہوں جس کا گذارہ دست کاری پر ہے، میں کاری گر ہوں اور تصویر بناتا بیچتا ہوں، اور اس سے گذارہ کرتا ہوں، پس اس کا کیا حکم ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا۔ حدیث سناتا ہوں، نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کوئی بھی (جاندار کی) تصویر بنائے گا تو قیامت کے دن اس کی تمام تصویریں حاضر کی جائیں گی اور اس سے کہا جائے گا کہ اپنی تصویروں کو پایۂ تکمیل تک پہنچا، ان میں روح ڈال، جب تک وہ ان میں روح نہیں ڈالے گا ـــــ اور وہ کبھی بھی ان میں روح نہیں ڈال سکتا ـــــ فرشتے پٹائی کرتے رہیں گے''

جب حضرت ابن عباسؓ نے یہ حدیث سنائی تو وہ پھول کر کپّا ہوگیا، اس کا چہرہ زرد پڑ گیا، حضرت ابن عباسؓ سمجھ گئے، پس فرمایا: تیرا ناس ہو! اگر تجھے تصویریں بنانی ہی ہیں تو غیر جاندار کی تصویریں بنا، اور ان کو بیچ، جملہ كل شيئ: الشجر سے بدل ہے، یعنی درخت وغیرہ کی تصویر بنا، اور اس کی آمدنی سے گذارہ کر۔

جاننا چاہئے کہ جاندار کی تصویریں بنانے کی حرمت دو وجہ سے ہے: ایک: اس سے شرک کا دروازہ کھلتا ہے، لوگ بڑوں کی تصویریں بنا کر احترام سے رکھتے ہیں، پھر جب جہالت کا دور شروع ہوتا ہے تو ان کی پوجا شروع ہوجاتی ہے، آج کل دیوبند میں بعض فوٹو گرافر اکابر کی تصویریں بنا کر بیچتے ہیں، اور لوگ شوق سے خریدتے ہیں، یہ خطرہ کی گھنٹی ہے، اللہ نہ کرے

کہ کل ان کی پوجا شروع ہوجائے!

دوسری وجہ: جاندار کی تصویریں فواحش کے پھیلنے کا ذریعہ ہیں، آج پوری دنیا فواحش سے بھر گئی ہے، ٹی وی اور اخبار وغیرہ میں ایسی دل کش عورتوں کی تصویریں آتی ہیں کہ لوگ دیکھتے ہی رہ جاتے ہیں اور اسی کے لئے اخبار خریدتے ہیں۔

[۱۰۴-] بَابُ بَيْعِ التَّصَاوِيْرِ الَّتِيْ لَيْسَ فِيْهَا رُوْحٌ، وَمَا يُكْرَهُ مِنْ ذٰلِكَ

[۲۲۲۵-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ، ثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، ثَنَا عَوْفٌ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِي الْحَسَنِ، قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ، إِذْ أَتَاهُ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا أَبَا عَبَّاسٍ! إِنِّيْ إِنْسَانٌ، إِنَّمَا مَعِيْشَتِيْ مِنْ صَنْعَةِ يَدِيْ، وَإِنِّيْ أَصْنَعُ هٰذِهِ التَّصَاوِيْرَ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لاَ أُحَدِّثُكَ إِلَّا مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: "مَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً فَإِنَّ اللّٰهَ مُعَذِّبُهُ، حَتَّى يَنْفُخَ فِيْهَا الرُّوْحَ، وَلَيْسَ بِنَافِخٍ فِيْهَا أَبَدًا" فَرَبَا الرَّجُلُ رَبْوَةً شَدِيْدَةً، وَاصْفَرَّ وَجْهُهُ فَقَالَ: وَيْحَكَ إِنْ أَبَيْتَ إِلَّا أَنْ تَصْنَعَ، فَعَلَيْكَ بِهٰذَا الشَّجَرِ، كُلِّ شَيْئٍ لَيْسَ فِيْهِ رُوْحٌ.

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَبْدَةَ، عَنْ سَعِيْدٍ، قَالَ سَمِعْتُ النَّضْرَ بْنَ أَنَسٍ، قَالَ كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ.

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: سَمِعَ سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ عَرُوْبَةَ مِنَ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ هٰذَا الْوَاحِدَ[انظر: ۵۹۶۳، ۷۰۴۲]

لغت: رَبَا (ن) الشيئُ رَبْوًا: بڑھنا، پھولنا............حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی کنیت، ابوعباس بھی ہے، ان کے بیٹے کا نام عباس تھا۔

سند کا بیان: پہلی سند عوف اعرابی کی ہے، وہ حضرت حسن بصریؒ کے بھائی سعید بن ابی الحسنؒ سے روایت کرتے ہیں۔ بخاری شریف میں سعید کی یہی ایک روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں: میں حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر تھا (الی آخرہ) اور دوسری سند محمد بن سلام کی ہے، وہ عبدۃ بن سلیمان سے روایت کرتے ہیں، اور وہ سعید بن ابی عروبہ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: میں نے نضر بن انسؒ سے سنا کہ میں ابن عباسؓ کے پاس حاضر تھا (الی آخرہ) پس یہ حدیث کی دوسری سند ہے، پھر امام بخاریؒ نے فرمایا کہ سعید بن ابی عروبہ نے نضر سے یہی ایک حدیث سنی ہے۔

بَابُ تَحْرِيْمِ التِّجَارَةِ فِي الْخَمْرِ

شراب کا کاروبار حرام ہے

جس طرح خنزیر مسلمان کے حق میں مال متقوم نہیں، اسی طرح شراب بھی مال متقوم نہیں، اس لئے مسلمان نہ شراب بیچ سکتا ہے، نہ خرید سکتا ہے، اور غیر مسلموں کے حق میں شراب سرکہ کی طرح مال متقوم ہے، پس غیر مسلم آپس میں شراب بیچ

خرید سکتے ہیں۔

[۱۰۵-] بَابُ تَحْرِيْمِ التِّجَارَةِ فِي الْخَمْرِ

وَقَالَ جَابِرٌ: حَرَّمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بَيْعَ الْخَمْرِ.

[۲۲۲۶-] حدثنا مُسْلِمٌ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي الضُّحَى، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَائِشَةَ: لَمَّا نَزَلَتْ آيَاتُ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ مِنْ آخِرِهَا خَرَجَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: حُرِّمَتِ التِّجَارَةُ فِي الْخَمْرِ. [ر: ۴۵۹]

حوالہ: حدیث کی شرح کتاب الصلوٰۃ (آداب المساجد) باب ۷۳ (تحفۃ القاری ۲: ۳۱۰) میں گذر چکی ہے۔

بَابُ إِثْمِ مَنْ بَاعَ حُرًّا

آزاد کو بیچنے کا گناہ

کسی آزاد شخص کو پکڑ کر بیچ دیا تو بیع باطل ہے اور یہ گناہ کبیرہ ہے۔ اس لئے کہ آزاد کسی کے حق میں بھی مال نہیں، اور آزاد کو غلام بتا کر بیچنا کتنا بڑا گناہ ہے؟ اس کا باب کی حدیث سے اندازہ ہو جائے گا۔

حدیثِ قدسی: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: قیامت کے دن تین شخصوں کی طرف سے میں خود دعوی دائر کروں گا، جیسے دنیا میں کبھی خود حکومت دعوی دائر کرتی ہے اسی طرح میدانِ قیامت میں جب کورٹ قائم ہوگی تو ان تین شخصوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ خود دعوی داخل کریں گے: ایک: جس نے اللہ تعالیٰ کے نام سے کسی کو پناہ دی، پھر بے وفائی کی، اور اس کو قتل کر دیا۔ دوم: جس نے کسی آزاد کو غلام بتا کر بیچ دیا۔ سوم: نوکر رکھا دن بھر کام لیا پھر جب اجرت دینے کا وقت آیا تو ٹکا سا جواب دیدیا، مزدور بے چارہ مجبور ہو کر چلا گیا۔ ان تین شخصوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ خود دعوی دائر کریں گے، اور جس کے خلاف اللہ تعالیٰ دعویدار ہوں اس کو کہاں پناہ مل سکتی ہے!

[۱۰۶-] بَابُ إِثْمِ مَنْ بَاعَ حُرًّا

[۲۲۲۷-] حدثنا بِشْرُ بْنُ مَرْحُوْمٍ، ثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بْنِ أُمَيَّةَ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِي سَعِيْدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " قَالَ اللّٰهُ: ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: رَجُلٌ أَعْطَى بِي ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيْرًا فَاسْتَوْفَى مِنْهُ، وَلَمْ يُعْطِهِ أَجْرَهُ"

وضاحت: رجل أعطى بي: میں مفعول محذوف ہے أي أعطى العهدَ باسمي، ثم نقض العهد، وقتله۔

بَابُ أَمْرِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم الْيَهُوْدَ بِبَيْعِ أَرَضِيْهِمْ حِيْنَ أَجْلاَهُمْ

جب نبی ﷺ نے یہود کو جلاوطن کیا تو ان کو ان کی زمینیں بیچنے کا حکم دیا

بنونضیر یہود کا ایک قبیلہ تھا، جب نبی ﷺ نے ان کو جلاوطن کرنے کا ارادہ کیا تو ان سے کہا: تمہاری جو املاک ہیں وہ بیچ کر پیسے بنالو، اور مدینہ سے چلے جاؤ، معلوم ہوا کہ غیر مسلموں کے پاس بھی املاک ہوتی ہیں، وہ ان کے مالک ہیں، اور ان کو بیچ سکتے ہیں۔

اور دلیل میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث پیش کی ہے جو آگے کتاب الجہاد (حدیث ۳۱۶۷) میں آرہی ہے، مگر اس کی دوسری سند نہیں تھی، اس لئے صرف حوالہ دیا ہے۔ یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ اُس حدیث میں: فَمَنْ يَجِدْ مِنْكُمْ بمالِه شَيْئًا فَلْيَبِعْهُ: ہے، زمینوں کا تذکرہ نہیں ہے، اور لفظ مال کا اطلاق اگرچہ زمینوں پر بھی ہوسکتا ہے مگر ان کی تمام زمینیں مالِ فَیْ قرار دی گئی تھیں۔ پس مال سے مراد منقولات ہیں، یعنی ساز وسامان، پس باب میں زمینوں کا تذکرہ تسامح ہے۔ اور أَرَضِيْنَ (راء کے زبر کے ساتھ) أَرْض (راء کے سکون کے ساتھ) کی جمع سالم ہے، اور نون اضافت کی وجہ سے حذف ہوا ہے، مگر مفرد کا وزن جمع میں باقی نہیں رہا، اس لئے یہ جمع شاذ ہے۔

[۱۰۷-] بَابُ أَمْرِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم الْيَهُوْدَ بِبَيْعِ أَرَضِيْهِمْ حِيْنَ أَجْلاَهُمْ
فِيْهِ الْمَقْبُرِيُّ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ.

بَابُ بَيْعِ الْعَبِيْدِ بِالْعَبْدِ وَالْحَيْوَنِ بِالْحَيْوَانِ نسِيْئَةً

غلاموں کو غلام کے بدل، اور جانور کو جانور کے بدل ادھار بیچنا

جانور ربوی نہیں، ربوی چیزیں صرف مکیلی اور موزونی ہیں، اور جو چیزیں ہاتھ سے ناپ کر یا گن کر بیچی جاتی ہیں وہ ربوی نہیں، اور حیوانات گن کر بیچے جاتے ہیں پس وہ ربوی نہیں۔ (۱)

اور اس باب میں دو مسئلے ہیں: ایک ضمنی ہے دوسرا بنیادی:

ضمنی مسئلہ: حیوانات کی بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے، ایک بکرا دے کر دو بکرے لے سکتے ہیں۔

(۱) یہاں اگر کوئی کہے کہ اب تو مرغیاں تول کر بیچی جاتی ہیں، پورا ٹرک تولا جاتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس تولنے سے مقصود تقدیر ثمن (قیمت کا اندازہ کرنا) ہوتا ہے، ہر مرغی کی الگ قیمت کرنا مشکل ہے، اس لئے ٹرک تولا جاتا ہے، پھر ٹرک کا وزن کم کر کے مرغیوں کی قیمت طے کر لی جاتی ہے، پس یہ تولنا تقدیر ثمن کے لئے ہے اور اگر حقیقتاً تولنا ہی مقصود ہو تو پھر حیوان کی بیع تول کر درست نہیں۔

بنیادی مسئلہ: حیوانات کی بیع میں اگر دونوں عوض نقد ہوں تو بالاتفاق بیع درست ہے، اور اگر دونوں عوض ادھار ہوں تو بالاتفاق بیع درست نہیں، کیونکہ یہ بیع کالیٔ بالکالیٔ ہے جس کی حدیث میں ممانعت آئی ہے۔ اور اگر ایک عوض نقد ہو اور دوسرا ادھار تو اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی، امام مالک اور امام بخاری رحمہم اللہ کے نزدیک بیع درست ہے، اور احناف وحنابلہ کے نزدیک درست نہیں۔

اور امام بخاریؒ نے اپنے موقف پر درج ذیل دلائل پیش کئے ہیں:

پہلی دلیل: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک راحلہ (سواری کا اونٹ) خریدا، اس کے بدلے میں چار (عام) اونٹ دیئے، راحلہ پر تو حضرت نے فوراً قبضہ کرلیا اور اس کی قیمت میں جو چار اونٹ دینے تھے وہ اپنے ذمہ لے لئے، مضمونۃ کے معنی ہیں: ذمہ پر لے لینا۔ فرمایا: وہ چار اونٹ میں رَبذہ گاؤں میں دوں گا، وہاں میرے اونٹ چر رہے ہیں، پس ایک عوض نقد ہے اور دوسرا ادھار، معلوم ہوا کہ یہ جائز ہے۔

دوسری دلیل: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کبھی ایک اونٹ دو اونٹوں کی قیمت کے برابر ہوتا ہے، پس حیوانات میں کمی بیشی جائز ہے۔

تیسری دلیل: حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے ایک اونٹ دو اونٹوں کے بدلے میں خریدا اور ثمن کے جو دو اونٹ تھے ان میں سے ایک اونٹ فوراً دیدیا اور دوسرے کے بارے میں کہا کہ وہ ان شاء اللہ آئندہ کل اطمینان سے دوں گا۔ رَھْوًا کے معنی ہیں: اطمینان سے۔

چوتھی دلیل: حضرت سعید بن المسیبؒ کا فتوی ہے کہ حیوانات ربوی نہیں، پس ایک بکری دو بکری کے بدلے میں اور ایک اونٹ دو اونٹ کے بدلے میں ادھار (بھی) بیچ سکتے ہیں۔

پانچویں دلیل: محمد بن سیرینؒ نے فرمایا: ایک اونٹ دو اونٹوں کے بدل اور درہم درہم کے بدل ادھار بیچ سکتے ہیں۔

ملحوظہ: درہم درہم کے بدل ادھار نہیں بیچ سکتے، یہ بیع صرف ہے، مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا پہلے فتوی تھا: لا ربوا إلا فی النسیئۃ: اس فتوی کی بنیاد پر ابن سیرینؒ نے یہ بات فرمائی ہے۔

چھٹی دلیل: ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پہلے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی تھیں، نبی ﷺ نے ان کو سات یا نو بردے دے کر لیا تھا، معلوم ہوا کہ حیوان میں کمی بیشی جائز ہے۔

دلائل پر ایک نظر:

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے جو دلائل پیش کئے ہیں وہ سب آثار ہیں، صرف آخری دلیل حدیث ہے، مگر اس کا تعلق کمی بیشی کے مسئلہ سے ہے ادھار کے مسئلہ سے نہیں ہے اور احناف اور حنابلہ کی دلیل مرفوع صحیح حدیث ہے، جو ترمذی میں ہے (حدیث ۱۲۲۱) نھی النبیُّ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الحیوان بالحیوان نِسْئَۃً۔ حضرت سمرہؓ کی یہ حدیث حسن

صحیح ہے، کیونکہ حضرت حسن بصریؒ کا سماع حضرت سمرہؓ سے ثابت ہے۔

دوسری حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: الحیوانُ: اثْنَیْنِ بواحدٍ، لایَصْلُح نِسْئًا، ولاَ بَأْس به یدًا بیدٍ: اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے حسن کہا ہے، پس احادیث مرفوعہ کی موجودگی میں آثار سے استدلال درست نہیں۔ اور ان حدیثوں کی یہ تاویل کرنا کہ دونوں عوض ادھار مراد ہیں، اپاہج تاویل ہے، چل نہیں سکتی۔

اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ نے جس مرفوع حدیث سے استدلال کیا ہے وہ یہ ہے: اسْتَقْرَضَ رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم سِنًّا فَأَعْطٰی سِنًّا خیراً مِنْ سِنِّه: اور قرض میں ایک عوض ادھار ہوتا ہے اور قرض اور بیع کا معاملہ یکساں ہے، پس بیع میں بھی ایک عوض ادھار ہوسکتا ہے، مگر یہ حدیث درحقیقت قرض لینے کی نہیں ہے، ادھار خریدنے کی ہے، ایک جہاد کے موقع پر سواریوں کی ضرورت تھی، چنانچہ اونٹ ادھار خریدے گئے، پھر جب زکوٰۃ میں اونٹ آئے تو قیمت دینے کے بجائے جنس دی گئی، اور بہتر اونٹ دیئے گئے، تفصیل تحفۃ الالمعی (۴: ۲۴۵) میں ہے۔

[۱۰۸-] بَابُ بَیْعِ الْعَبِیْدِ بِالْعَبْدِ وَالْحَیْوَانِ بِالْحَیْوَانِ نِسِیْئَةً

[۱-] وَاشْتَرَی ابْنُ عُمَرَ رَاحِلَةً بِأَرْبَعَةِ أَبْعِرَةٍ مَضْمُوْنَةٍ عَلَیْهِ، یُوَفِّیْهَا صَاحِبَهَا بِالرَّبَذَةِ.

[۲-] وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَدْ یَکُوْنُ الْبَعِیْرُ خَیْرًا مِنَ الْبَعِیْرَیْنِ.

[۳-] وَاشْتَرَی رَافِعُ بْنُ خَدِیْجٍ بَعِیْرًا بِبَعِیْرَیْنِ فَأَعْطَاهُ أَحَدَهُمَا، وَقَالَ: آتِیْكَ بِالآخَرِ غَدًا رَهْوًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ.

[۴-] وَقَالَ ابْنُ الْمُسَیَّبِ: لَارِبَا فِی الْحَیْوَانِ، الْبَعِیْرُ بِالْبَعِیْرَیْنِ، والشَّاةُ بِالشَّاتَیْنِ إِلٰی أَجَلٍ.

[۵-] وَقَالَ ابْنُ سِیْرِیْنَ: لَا بَأْسَ بَعِیْرٌ بِبَعِیْرَیْنِ وَدِرْهَمٌ بِدِرْهَمٍ نَسِیْئَةً.

[۲۲۲۸-] حدثنا سُلَیْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: ثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَیْدٍ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: کَانَ فِیْ السَّبْیِ صَفِیَّةُ، فَصَارَتْ إِلٰی دِحْیَةَ الْکَلْبِیِّ. ثُمَّ صَارَتْ إِلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیه وسلم. [راجع: ۳۷۱]

قوله: مضمونة: صفةُ راحلةٍ، أی تکون فی ضمان البائع حتی یوفیها (فتح)............قوله: رَهْوًا: أی سَهْلاً والرهو: السیر السهل، والمراد به ههنا: أن یأتیه به سریعاً من غیر مَطَل (فتح)

بَابُ بَیْعِ الرَّقِیْقِ

غلاموں کو بیچنا

غلام باندی کو بیچ سکتے ہیں اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ایک انصاری صحابی نے مسئلہ پوچھا کہ جنگ میں فوجی کے حصہ میں باندی آتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ گھر لوٹ کر اس کو بیچ دے اور سفر میں وہ بغیر بیوی کے ہے، باندی کے استعمال کی اس کو ضرورت ہے۔ پس اگر استعمال کرے اور حمل ٹھہر جائے تو وہ ام ولد بن جائے گی۔ اس لئے اس کو بیچ نہیں سکے گا، پس کیا ہم عزل کر سکتے ہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: کیا اور تم اس طرح کرتے ہو یعنی اس طرح کرنے کا ارادہ رکھتے ہو، اگر تم عزل نہ کرو تو کیا حرج ہے، کیونکہ جس کو دنیا میں آنا ہے: آنا ہے عزل کرو یا نہ کرو جو مقدر ہے وہ ہو کر رہے گا۔ اس حدیث کا یہ جملہ کہ فوجی گھر جا کر باندی کو بیچنا چاہتا ہے، باب کی دلیل ہے، اس سے معلوم ہوا کہ غلام باندی کو بیچ سکتے ہیں، اور عزل کا مسئلہ کتاب النکاح کا مسئلہ ہے، تحفۃ القاری (۵۶۹:۳) میں یہ مسئلہ تفصیل سے آیا ہے۔

[۱۰۹-] بَابُ بَيْعِ الرَّقِيْقِ

[۲۲۲۹-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، أَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ مُحَيْرِيْزٍ، أَنَّ أَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ أَخْبَرَهُ: أَنَّـهُ بَيْنَمَا هُوَ جَالِسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّا نُصِيْبُ سَبْيًا، فَنُحِبُّ الأَثْمَانَ، فَكَيْفَ تَرَى فِي الْعَزْلِ؟ فَقَالَ: " أَوَ إِنَّكُمْ تَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ؟ لاَ عَلَيْكُمْ أَنْ لاَ تَفْعَلُوْا ذٰلِكُمْ، فَإِنَّهَا لَيْسَتْ نَسْمَةٌ كَتَبَ اللّٰهُ أَنْ تَخْرُجَ إِلاَّ هِيَ خَارِجَةٌ"

قوله: بينما هو جالس: يوهم أنه السائل، وليس كذلك، بل وقع في السياق حذف كمافي رواية النسائي (فتح)

بَابُ بَيْعِ الْمُدَبَّرِ

مدبر کو بیچنا

صغانی اور نسفی کے نسخوں میں یہاں باب نہیں ہے، اس باب کی سب حدیثیں اوپر والے باب میں ہیں، اور آگے کتاب العتق میں یہی باب آرہا ہے۔

مدبر وہ غلام ہے جس سے آقا نے کہہ دیا ہو: أنتَ حُرٌّ عن دُبُرٍ مِنِّي: میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے۔ تدبیر کے بعد بھی مدبر: غلام ہی رہتا ہے، لیکن اب اس کو نہ بیچ سکتے ہیں، نہ ہبہ کر سکتے ہیں، اور نہ کسی اور طرح سے — آزاد کرنے کے علاوہ — آقا کی ملکیت سے نکل سکتا ہے، پھر جب آقا مرے گا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔

پھر تدبیر کی دو قسمیں ہیں: مطلق اور مقید، مطلق یہ ہے کہ آقا کہے کہ میں جب بھی مروں تو تو آزاد ہے، اور مقید یہ ہے کہ آقا کہے کہ میں سفر حج میں جا رہا ہوں اگر اس سفر میں مر جاؤں تو تو آزاد ہے، پس اگر آقا سفر حج میں نہیں مرا تو تدبیر ختم ہوگئی، آقا اس کو بیچ سکتا ہے اور اگر سفر حج میں مر گیا تو وہ آزاد ہو گیا، اب بیچنے کا سوال ہی نہیں۔

اور مدبر مطلق کو آقا کے مرنے کے بعد بالاتفاق فروخت کرنا جائز نہیں، کیونکہ وہ موت کے ساتھ ہی آزاد ہوجائے گا، البتہ آقا کی حیات میں فروخت کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک فروخت کرنا جائز ہے اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کے نزدیک مدبر مطلق کو فروخت کرنا جائز نہیں، کیونکہ وہ اگرچہ فی الحال آزاد نہیں ہوا مگر آزادی کا اس کو استحقاق حاصل ہوگیا ہے، پس اس کی بیع جائز نہیں، البتہ امام مالکؒ فرماتے ہیں: اگر مدبر بنانے سے پہلے آقا مدیون ہو اور غلام دین میں مشغول ہو یعنی اس غلام کو بیچ کر ہی قرض ادا کیا جاسکتا ہو، قرض کو ادا کرنے کی کوئی اور صورت نہ ہو تو آقا اس مدبر غلام کو بیچ سکتا ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک آقا کو یہ حق حاصل نہیں، البتہ قاضی تدبیر فسخ کرکے غلام کو بیچ سکتا ہے۔

حدیث: ایک انصاری صحابی نے جن کا نام ابو مذکور تھا، اپنے غلام یعقوب کو مدبر بنایا چونکہ ان کے پاس اس غلام کے علاوہ دوسرا کوئی مال نہیں تھا اس لئے آنحضور ﷺ نے اس کو نعیم بن نحام کے ہاتھ فروخت کردیا، وہ قبطی غلام (مصر کا باشندہ) تھا اور وہ ہمیشہ غلام ہی رہا۔ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے پہلے سال میں اس کا انتقال ہوا (یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو کتاب میں مختصر آئی ہے)

تشریح: اس حدیث سے امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ نے استدلال کیا ہے کہ وہ غلام مدبر مطلق تھا اور آنحضور ﷺ نے اس کو فروخت کیا، معلوم ہوا کہ مدبر مطلق کو فروخت کرسکتے ہیں۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کا جواب یہ ہے کہ وہ غلام دین میں مشغول تھا اس لئے فروخت کیا گیا، اس سے ہر مدبر مطلق کی بیع کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کو آنحضور ﷺ نے یعنی قاضی نے فروخت کیا تھا، مولیٰ نے فروخت نہیں کیا تھا، اور وہ مدبر جو دین میں مشغول ہو قاضی تدبیر فسخ کرکے اس کو فروخت کرسکتا ہے، البتہ مولیٰ کو یہ حق نہیں۔ غرض یہ حدیث کسی کے بھی معارض نہیں اور اختلاف نص فہمی کا ہے۔

[۱۱۰-] بَابُ بَيْعِ الْمُدَبَّرِ

[۲۲۳۰-] حدثنا ابْنُ نُمَيْرٍ، ثَنَا وَكِيْعٌ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: بَاعَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الْمُدَبَّرَ. [راجع: ۲۱۴۱]

[۲۲۳۱-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، يَقُوْلُ: بَاعَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم. [راجع: ۲۱۴۱]

[۲۲۳۲و۲۲۳۳-] حدثنا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، ثَنَا يَعْقُوْبُ، ثَنَا أَبِیْ، عَنْ صَالِحٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ، أَنَّ عُبَيْدَ اللّٰهِ أَخْبَرَهُ، أَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ، وَأَبَا هُرَيْرَةَ، أَخْبَرَاهُ، أَنَّهُمَا سَمِعَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه

وسلم يُسْأَلُ عَنِ الْأَمَةِ تَزْنِىْ، وَلَمْ تُحْصَنْ، قَالَ:" اجْلِدُوْهَا، ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوْهَا ثُمَّ بِيْعُوْهَا بَعْدَ الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ"[راجع: ۲۱۵۲]

[۲۲۳٤-] حدثنا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ سَعِيْدٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِىَّ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" إِذَا زَنَتْ أَمَةُ أَحَدِكُمْ فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا، فَلْيَجْلِدْهَا الْحَدَّ، وَلاَ يُثَرِّبْ عَلَيْهَا، ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَلْيَجْلِدْهَا الْحَدَّ، وَلاَ يُثَرِّبْ عَلَيْهَا، ثُمَّ إِنْ زَنَتِ الثَّالِثَةَ فَتبَيَّنَ زِنَاهَا فَلْيَبِعْهَا، وَلَوْ بِحَبْلٍ مِنْ شَعَرٍ"[راجع: ۲۱۵۲]

وضاحت: آخری حدیث ابھی آئی ہے۔اوراس کی شرح کی جاچکی ہے،اس میں مدبر کا ذکر نہیں، پس یا تو یہ کہا جائے کہ حدیث باب بیع الرقیق کی ہے یا یہ کہا جائے کہ یہ زنا کار باندی مدبرہ بھی ہوسکتی ہے،اور آپؐ نے اس کو بیچ دینے کا حکم دیا،معلوم ہوا کہ مدبر کی بیع درست ہے۔

بَابٌ: هَلْ يُسَافِرُ بِالْجَارِيَةِ قَبْلَ أَنْ يَّسْتَبْرِئَهَا؟

استبراءِرحم سے پہلے باندی کے ساتھ سفر کیا جاسکتا ہے؟

اِسْتَبْرَأَ من كذا کے لغوی معنی ہیں: پاکی چاہنا۔اوراصلاحی معنی ہیں: جب باندی میں ملکیت بدلے تو ایک حیض کا انتظار کرنا،تاکہ معلوم ہوجائے کہ اس کی بچہ دانی حمل سے خالی ہے،اب باندیوں کا زمانہ نہیں رہا،جب باندیاں تھیں تو جو نکاح کے احکام تھے وہی باندیوں کے بھی تھے،مثلاً دو باندیاں بہنیں ہوں تو مولیٰ دونوں کو صحبت میں جمع نہیں کرسکتا،اور باندی مسلمان، یہودی یا عیسائی ہو تو ہی مولیٰ صحبت کرسکتا ہے۔ ہندو یا مجوسی ہو تو صحبت نہیں کرسکتا۔اور جب باندیوں میں ملکیت بدلتی تھی تو استبراءِرحم واجب تھا، کیونکہ امکان تھا کہ پہلے آقا کی صحبت سے حمل ٹھہر گیا ہو،اور ابھی حمل ظاہر نہ ہوا ہو، پس اگر دوسرا آقا مالک ہوتے ہی صحبت کرے گا اور بچہ پیدا ہوگا تو یہ جاننا مشکل ہوگا کہ بچہ کس کا ہے، پہلے آقا کا یا دوسرے آقا کا؟ اس لئے ایک حیض تک انتظار کرنا پڑتا تھا۔

یہ تو صحبت کرنے کا مسئلہ ہے،اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ رہا دواعی صحبت کا معاملہ یعنی بوس وکنار مباشرت (ساتھ لٹانا) اور ساتھ سفر کرنا (سفر میں مولیٰ باندی کے ساتھ ایک خیمہ میں قیام کرے گا) یہ دواعی: استبراءِرحم سے پہلے جائز ہیں یا نہیں؟ اس مسئلہ میں علماء کی رائیں مختلف ہیں۔اور امام بخاری رحمہ اللہ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا، ہل چلایا ہے، بیج نہیں ڈالا یعنی دوٹوک بات نہیں کہی، مگر باب میں جو آثار،آیت اور حدیث لائے ہیں اس سے سفر کے جواز کی طرف رجحان معلوم ہوتا ہے۔

پہلا اثر: حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: دواعی صحبت کی گنجائش ہے، پس ساتھ سفر کرنا بھی جائز ہے۔

دوسرا اثر: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دو باتیں فرمائی ہیں۔امام صاحب نے ان کو ملا دیا ہے۔

پہلی بات: باندی اگر (بالغہ یا) ایسی مراہقہ ہے جس سے صحبت کی جا سکتی ہے: اس باندی کو اگر کوئی ہبہ کرے یا بیچی جائے (اور ملکیت بدلے) یا آزاد کی جائے اور وہ نکاح کرنا چاہے تو استبراء رحم ضروری ہے۔

دوسری بات: کنواری باندی میں استبراء رحم ضروری نہیں، کیونکہ علوق کا احتمال نہیں، پس ایسی باندی کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے۔

تیسرا اثر: حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر باندی خریدی یا بخشش میں ملی اور وہ حاملہ ہے تو جب تک وضع حمل نہ ہو جائے دوسرا آقا اس سے صحبت نہیں کر سکتا، لیکن صحبت سے نیچے کے معاملات مثلاً چومنا، ہاتھ لگانا وغیرہ میں کوئی حرج نہیں، پس باندی کے ساتھ سفر کرنا بھی جائز ہے۔

آیت کریمہ: قرآنِ کریم میں دو جگہ (المؤمنون آیات: ۵-۷، المعارج، آیات: ۲۹-۳۱) مؤمنین کی صفات میں یہ بات آئی ہے کہ وہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت رکھنے والے ہیں، لیکن اپنی بیویوں سے یا اپنی شرعی باندیوں سے (حفاظت نہیں کرتے) کیونکہ ان پر اس میں کوئی الزام نہیں، ہاں جو اس کے علاوہ کا طلب گار ہو ایسے لوگ ہی حد شرعی سے نکلنے والے ہیں۔

ان آیات سے باندیوں سے مطلقاً فائدہ اٹھانا جائز ثابت ہوتا ہے، پھر دوسرے دلائل سے استبراء رحم سے پہلے صحبت کا عدم جواز ثابت ہوا، تو دواعی اس آیت کی رو سے جائز ہونگے، پس اس کے ساتھ سفر بھی جائز ہوگا۔

حدیث: ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پہلے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں گئی تھیں، پھر نبی ﷺ نے نو یا سات بردے دے کر ان کو خرید لیا، پھر جب واپسی ہوئی تو وہ سفر میں آپ کے ساتھ تھیں، معلوم ہوا کہ استبراء رحم سے پہلے باندی کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے، ان کو خیبر کے قیام کے زمانہ میں حیض شروع ہوا، راستہ میں سدّ الروحاء میں وہ پاک ہوئیں پس آپ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ اور حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا نے ان کو سنوار کر پیش کیا، اور زفاف عمل میں آیا، پھر آپؐ نے ان کے پردے کا اہتمام فرمایا، آپؐ نے اونٹ پر اپنے پیچھے اینڈوا بنا کر ان کو باپردہ بٹھایا۔ اس سے پہلے ان کے لئے پردہ کا اہتمام نہیں کیا تھا، کیونکہ اس وقت وہ باندی تھیں۔

عقلی دلیل: جب کوئی شخص کسی باندی کا مالک ہو گیا تو آیت کریمہ کی رو سے اور قیاس کی رو سے ہر معاملہ باندی کے ساتھ جائز ہے، پھر صحبت کا عدم جواز بالذات ہے اور وہ دوسرے دلائل سے ثابت ہے، کیونکہ اس میں علوق کا احتمال ہے اور نسب میں اختلاط کا اندیشہ ہے، مگر دواعی صحبت میں ایسا کوئی اندیشہ نہیں اس لئے اس کا لذاتہ جواز ہے، اور دواعی میں ساتھ سفر کرنا بھی ہے۔

مگر جمہور یعنی ائمہ اربعہ استبراء رحم سے پہلے دواعی صحبت کو بھی جائز نہیں کہتے، وہ دواعی کو صحبت کے حکم میں رکھتے ہیں، کیونکہ دواعی کے بعد جماع سے بچنا مشکل امر ہے اور شریعت میں اس کی بہت مثالیں ہیں کہ سبب ظاہری کو سبب خفی کے قائم مقام گردانا جاتا ہے، جیسے نوم ناقض وضوء ہے، خروج ریح کا مظنہ ہونے کی وجہ سے، اور نیند میں اس کا ادراک مشکل ہے

اس لئے چت لیٹ کر سونے کو جو ظاہری سبب ہے حقیقی سبب کی جگہ رکھا گیا ہے، اب سوتے ہی وضو ٹوٹ جائے گا، چاہے نفس الامر میں ریح نہ نکلی ہو۔

[۱۱۱-] بَابٌ: هَلْ يُسَافِرُ بِالْجَارِيَةِ قَبْلَ أَنْ يَّسْتَبْرِئَهَا؟

[۱-] وَلَمْ يَرَ الْحَسَنُ بَأْسًا أَنْ يُقَبِّلَهَا أَوْ يُبَاشِرَهَا.

[۲-] وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: إِذَا وُهِبَتِ الْوَلِيْدَةُ الَّتِىْ تُوْطَأُ أَوْ بِيْعَتْ أَوْ عَتَقَتْ فَلْيُسْتَبْرَأْ رَحِمُهَا بِحَيْضَةٍ، وَلاَ تُسْتَبْرَأُ الْعَذْرَاءُ.

[۳-] وَقَالَ عَطَاءٌ: لاَبَأْسَ أَنْ يُصِيْبَ مِنْ جَارِيَتِهِ الْحَامِلِ مَا دُوْنَ الْفَرْجِ.

[٤-] وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿إِلَّا عَلٰى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ﴾ [المؤمنون:٦]

[۲۲۳۵-] حدثنا عَبْدُ الْغَفَّارِ بْنُ دَاوُدَ، ثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِىْ عَمْرٍو، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَدِمَ النَّبِىُّ صلى الله عليه وسلم خَيْبَرَ، فَلَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْحِصْنَ، ذُكِرَ لَهُ جَمَالُ صَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيِّ بْنِ أَخْطَبَ، وَقَدْ قُتِلَ زَوْجُهَا، وَكَانَتْ عَرُوْسًا، فَاصْطَفَاهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لِنَفْسِهِ، فَخَرَجَ بِهَا، حَتَّى بَلَغْنَا سَدَّ الرَّوْحَاءِ حَلَّتْ، فَبَنَى بِهَا، ثُمَّ صَنَعَ حَيْسًا فِىْ نِطَعٍ صَغِيْرٍ، ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " آذِنْ مَنْ حَوْلَكَ" فَكَانَتْ تِلْكَ وَلِيْمَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَلٰى صَفِيَّةَ، ثُمَّ خَرَجْنَا إِلٰى الْمَدِيْنَةِ، قَالَ: فَرَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُحَوِّىْ لَهَا وَرَاءَهُ بِعَبَاءَةٍ، ثُمَّ يَجْلِسُ عِنْدَ بَعِيْرِهِ، فَيَضَعُ رُكْبَتَهُ فَتَضَعُ صَفِيَّةُ رِجْلَهَا عَلٰى رُكْبَتَيْهِ، حَتَّى تَرْكَبَ. [راجع: ۳۷۱]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ خیبر میں تشریف لے گئے، پس جب اللہ نے ان پر قلعہ فتح کیا تو آپؐ کے سامنے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی خوبصورتی کا تذکرہ آیا، ان کا شوہر جنگ میں مارا گیا تھا اور وہ نئی نویلی دلہن تھیں، پس نبی ﷺ نے ان کو اپنی ذات کے لئے منتخب کیا، پس آپؐ ان کے ساتھ نکلے (یہاں باب ہے) یہاں تک کہ ہم سدّ الروحاء پہنچے تو وہ پاک ہوگئیں، پس آپؐ نے ان کے ساتھ زفاف فرمایا، پھر ایک چھوٹے چمڑے کے دسترخوان میں حیس (کھجور اور ستو اور گھی ملا کر بنایا ہوا کھانا) تیار کیا، پھر نبی ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تمہارے اردگرد جو لوگ ہوں ان کو کھانے پر آنے کی اجازت دیدو، چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ ہوا، پھر ہم مدینہ کی طرف نکلے، حضرت انسؓ کہتے ہیں: پس میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپؐ ان کے لئے اپنے پیچھے کمبل کا اینڈوا بناتے تھے، پھر آپؐ اپنے اونٹ کے پاس بیٹھتے تھے اور اپنا گھٹنا کھڑا کرتے تھے، پس حضرت

صفیہؓ اپنا پیر آپ کے گھٹنے پر رکھتی تھیں، یہاں تک کہ وہ سوار ہوتی تھیں۔
لغت: حَوَّی حَوِیَّۃً: کپڑے کو گول لپیٹ کر گھر سا بنانا، اینڈوا بنانا، جو گھڑا اٹھانے کے لئے سر پر رکھا جاتا ہے۔

بَابُ بَيْعِ الْمَيْتَةِ وَالأَصْنَامِ

مردار اور مورتیوں کو بیچنا

مردار مال نہیں، اس لئے اس کی بیع باطل ہے، اور مورتیاں دو طرح کی ہیں ایک وہ جس کو توڑ پھوڑ کر کباڑ کر دیا گیا ہو، اس کو بیچنا جائز ہے، کیونکہ میٹریل مال ہے، دوسری وہ جس کو لوگ خرید کر لے جاتے ہیں اور ان کی پوجا کرتے ہیں، ان کا بیچنا جائز نہیں۔ وہ ﴿وَلاَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ کے تحت آتی ہیں۔ حضرت رحمہ اللہ نے باب میں اس دوسری قسم کا حکم بیان کیا ہے۔

حدیث: فتح مکہ کی تقریر میں آپؐ نے فرمایا: إن الله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام: اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کا بیچنا حرام کیا ہے: شراب، مردار، خنزیر اور مورتیاں۔ اور پہلے قاعدہ بتلایا ہے کہ ایک سلسلۂ بیان میں مختلف المدارج احکام اکٹھا ہوتے ہیں، پس میتہ، خمر اور خنزیر تو مال ہی نہیں، کوئی سرے سے مال نہیں اور کوئی مسلمانوں کے حق میں مال متقوم نہیں۔ اور مورتیوں کی بیع گناہ میں تعاون کی وجہ سے ممنوع ہے۔

لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مردار کی چربی کا استثناء فرمادیں، مردار کی چربی سے کشتیاں باہر سے لیپی جاتی ہیں تاکہ پانی سے لکڑی خراب نہ ہو، اور وہ چمڑوں پر بھی لگائی جاتی ہے تاکہ چمڑا نرم رہے، پہلے چمار کے رنگے ہوئے چمڑے کا جوتا بنتا تھا۔ اس پر مہینہ میں ایک بار تیل لگانا پڑتا تھا، ورنہ وہ اکڑ کر سخت ہو جاتا تھا، اور لوگ گھروں میں چربی سے چراغ بھی جلاتے تھے، کٹورے میں چربی بھر دیتے تھے، اور اس میں فتیلہ رکھ کر جلا دیتے تھے، چربی تھوڑی تھوڑی پگھلتی رہتی، اور چراغ جلتا رہتا۔ ان ضرورتوں میں چربی مستعمل ہے۔ پس مردار کی چربی کا استثناء فرمادیں، مگر آپؐ نے فرمایا: لاهو حرام: نہیں وہ حرام ہے، یعنی اس کے خارجی استعمال کی بھی اجازت نہیں، پھر فرمایا: یہود کا ناس ہو! ان پر ماکول اللحم مذبوحہ جانور کی پیٹ کی چربی حرام کی گئی پس انھوں نے اس کو پگھالا اور گھی بنا کر بیچا اور اس کا پیسہ کھایا۔ اسی طرح مردار کی چربی کا خارجی استعمال بھی جائز نہیں۔

[۱۱۲-] بَابُ بَيْعِ الْمَيْتَةِ وَالأَصْنَامِ

[۲۲۳۶-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيْدَ بْنِ أَبِيْ حَبِيْبٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِيْ رَبَاحٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ: أَنَّـهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ شُحُوْمَ الْمَيْتَةِ، فَإِنَّهَا يُطْلٰى بِهَا السُّفُنُ، وَتُدَّهَنُ بِهَا الْجُلُوْدُ، وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ؟ فَقَالَ: "لاَ، هُوَ حَرَامٌ" ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ

اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم عِنْدَ ذٰلِكَ: ”قَاتَلَ اللّٰهُ الْیَهُوْدَ! إِنَّ اللّٰهَ لَمَّا حَرَّمَ شُحُوْمَهَا جَمَلُوْهُ ثُمَّ بَاعُوْهُ فَأَكَلُوْا ثَمَنَهُ“

وَقَالَ أَبُوْ عَاصِمٍ: ثَنَا عَبْدُ الْحَمِیْدِ، ثَنَا یَزِیْدُ، كَتَبَ إِلَیَّ عَطَاءٌ: سَمِعْتُ جَابِرًا عَنِ النَّبِیِّ صلی الله علیه وسلم. [انظر: ٤٢٩٦، ٤٦٣٣]

وضاحت: دوسری سند لاکر یہ بات واضح کی کہ یہ حدیث یزید نے حضرت عطاءؒ سے سنی نہیں، بلکہ مکاتبۃً حاصل کی ہے۔

بَابُ ثَمَنِ الْكَلْبِ

کتے کی قیمت

صاحب ہدایہ نے ہر کتے کی بیع جائز قرار دی ہے اور امام سرخسیؒ نے معلَّم کتے کی یعنی جس کو کوئی فن سکھایا گیا ہو، اس کی بیع جائز ہے اور بے ہنر کتے کی بیع ناجائز ہے، اِس زمانہ میں کتوں کو بہت سے فنون سکھائے جاتے ہیں اور وہ بڑی قیمت پر بکتے ہیں۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے تین چیزوں سے منع فرمایا: کتے کی قیمت سے، رنڈی کی فیس سے، اور کاہن (جوتشی) کے حلوے مانڈے (نذرانے) سے۔

حدیث (۲): عون کہتے ہیں: میرے ابا نے ایک پچھنے لگانے والا غلام خریدا، اور حکم دیا کہ اس کے پچھنے لگانے کے آلات توڑ دیئے جائیں، میں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا: نبی ﷺ نے چند باتوں سے منع فرمایا ہے: خون کی قیمت سے یعنی پچھنے لگانے کی اجرت سے اور کتے کی قیمت سے۔ اور باندی کی کمائی سے (جو زنا کے ذریعہ حاصل کی گئی ہو) اور گودنے والی اور گدوانے والی پر اور سود کھانے والے پر، اور سود دینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ اور (جاندار کی) تصویر بنانے والے پر (بھی) لعنت فرمائی ہے۔

ان دونوں حدیثوں میں نبی ﷺ نے کتے کے ثمن سے منع فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس کی بیع درست نہیں، اگر بیع درست ہوتی تو اس کے ثمن سے کیوں منع کیا جاتا؟

مگر حضرت رحمہ اللہ نے باب میں کوئی فیصلہ نہیں کیا، کیونکہ نبی ﷺ نے مختلف ضرورتوں سے کتا پالنے کی اجازت دی ہے، پس جب ان کا پالنا جائز ہے تو خریدنا بھی جائز ہے، اسی لئے سرخسی رحمہ اللہ نے یہ تطبیق دی ہے کہ شکاری کتا چونکہ معلَّم ہے اس لئے اس کی بیع جائز ہے، اور نکمے کتے کی بیع جائز نہیں۔ مگر صاحب ہدایہ مطلقاً جائز کہتے ہیں، کیونکہ کتا نجس العین نہیں، پس وہ مال ہے اس لئے اس کی بیع درست ہے۔

فائدہ: بعض پیشے فی نفسہ جائز ہوتے ہیں، مگر نبی ﷺ نے اختیار اولیٰ کے طور پر ان سے منع فرمایا ہے، جیسے: پچھنے

لگانے کا پیشہ گندہ پیشہ ہے، منہ سے خون چوسنا پڑتا ہے، کمائی کا پیشہ یعنی بھنگی کا کام بھی گندہ کام ہے، اسی طرح بدن کی چمپی کرنے کا پیشہ اور کتوں کا کاروبار کرنا وغیرہ، سب نکمے کام ہیں، انسان کو ایسے دھندے نہیں کرنے چاہئیں، کوئی اچھا کاروبار کرنا چاہئے۔

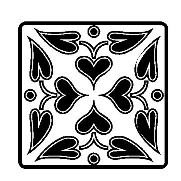
اور اگر کوئی کہے کہ پھر یہ گندے پیشے کون کرے گا؟ تو جواب یہ ہے کہ تم اپنی فکر کرو، ان گندے پیشوں کا کرنے والا بھی کوئی نہ کوئی ملے گا۔ لِکلِّ ساقطةٍ لاقطةٌ: ہر گری پڑی چیز کا کوئی نہ کوئی اٹھانے والا ہوتا ہے، جیسے حدیث میں ہے کہ کنواری لڑکی سے شادی کرو، یہاں بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر بیوہ سے کون کرے گا؟ اس کا جواب بھی یہی ہے کہ تو اپنی نبھیڑ پرائی مٹ چھیڑ!

[۱۱۳-] بَابُ ثَمَنِ الْكَلْبِ

[۲۲۳۷-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِىْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِىْ مَسْعُوْدٍ الْأَنْصَارِيِّ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ، وَمَهْرِ الْبَغِيِّ، وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ. [انظر: ۲۲۸۲، ۵۳۴۶، ۵۷۶۱]

[۲۲۳۸-] حدثنا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ، أَنَا شُعْبَةُ، أَخْبَرَنِىْ عَوْنُ بْنُ أَبِىْ جُحَيْفَةَ، قَالَ: رَأَيْتُ أَبِىْ اشْتَرَى حَجَّامًا، فَأَمَرَ بِمَحَاجِمِهِ، فَكُسِرَتْ، فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الدَّمِ، وَثَمَنِ الْكَلْبِ، وَكَسْبِ الْأَمَةِ، وَلَعَنَ الْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ، وَآكِلَ الرِّبَا وَمُوْكِلَهُ، وَلَعَنَ الْمُصَوِّرَ. [راجع: ۲۰۸۶]

لغات: البَغِيّ: چاہی ہوئی عورت یعنی رنڈی ...... مهر: بدلہ، فیس ...... الحُلْوان: نذرانہ ...... الكاهن: غیب دانی کا مدعی، پیش گوئی کرنے والا ...... المِحجَم: سینگی، پچھنے لگانے کا آلہ، جمع مَحاجِمْ ...... کسب الأمة اور مهر البغی ایک چیز ہیں، زمانۂ جاہلیت میں باندیاں زنا کے ذریعہ کمائی کر کے مولیٰ کو دیتی تھیں، مولیٰ کو اس کے لینے سے منع کیا ...... وَشَمَ الجلدَ يَشِمُ وَشْمًا: کھال کو سوئی سے گود کر سرمہ یا نیل بھرنا، الواشمة: گودنے والی عورت، اسْتَوْشَم: گدائی کا خواہش مند ہونا المستوشمة: گدائی کرانے والی عورت ...... مُوْكِل (اسم فاعل) کھلانے والا یعنی سود دینے والا۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتابُ السَّلَمِ

بیع سلم کا بیان

بیع سلم: وہ بیع ہے جس میں قیمت فوری ادا کی جاتی ہے، اور مبیع بائع کے ذمہ واجب الاداء ہوتی ہے۔ عروض (سامان) کی بیع میں ثمن ادھار ہوسکتا ہے، مبیع ادھار نہیں ہوسکتی اور سلم میں ثمن نقد دیا جاتا ہے، اور مبیع ادھار ہوتی ہے، اس لئے یہ بیع خلاف قیاس جائز ہے، جب نبی ﷺ ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے تو دیکھا کہ مدینہ والے کھجوروں میں بیع سلم کرتے ہیں، تو آپ نے چند شرطوں کے ساتھ اس کو برقرار رکھا۔

شریعت نے بیع سلم کو لوگوں کی حاجت اور ضرورت کے پیش نظر جائز رکھا ہے، بیع سلم کے ذریعہ آدمی بغیر پیسے کے کاروبار کھڑا کرسکتا ہے، مثلاً: کسی کو بنیان بنانے کا کارخانہ کھولنا ہے، مشینیں دس لاکھ کی آئیں گی، اور اس کے پاس پیسے نہیں، لیکن لوگوں میں اس کی ساکھ (اعتبار) ہے چنانچہ اس نے دکانداروں سے سودا کیا اور بنیان کی تمام تفصیلات طے کیں اور بھاؤ چل رہا ہے دس روپے فی بنیان، اس نے کہا: میں نو روپے میں دوں گا، چنانچہ کسی تاجر نے ایک لاکھ بنیان خریدے اور کسی نے کم وبیش، اور سب نے قیمت فوراً ادا کردی اور طے پایا کہ چھ ماہ کے بعد سپلائی شروع کرے گا، اس طرح اس نے دس لاکھ روپے جمع کرلئے، وہ ان کی مشینیں لایا اور کام شروع کردیا، اور چھ ماہ کے بعد سپلائی شروع کردی، دو تین سال میں سب کے بنیان سپلائی ہوگئے۔ کارخانے کے مالک کو کوئی خاص نفع ہوا، مگر مشینیں پھری ہوگئیں۔

دوسری مثال: ایک شخص کے پاس پانچ سو بیگھ زمین ہے، وہ بونا چاہتا ہے مگر بیج کھاد وغیرہ کے لئے پیسے نہیں، اس نے غلہ کے تاجروں سے سودا کیا، سیزن میں گیہوں کا بھاؤ ہزار روپئے ہوتا ہے اس نے کہا: میں نو سو میں دوں گا، چنانچہ کسی نے سو من گیہوں خریدا، کسی نے کم وبیش اور سب تاجروں نے مجلس عقد میں قیمت دیدی، وہ ٹریکٹر لایا، بیج اور کھاد لایا اور بوائی شروع کردی، اور طے پایا تھا کہ چار ماہ کے بعد گیہوں دے گا، تین مہینہ میں گیہوں تیار ہوگیا، اس نے سب کی سپلائی کردی اور ڈیڑھ سو من گیہوں بچ گیا، یہ سلم کا فائدہ ہے۔

فائدہ: نبی ﷺ کے زمانہ میں تو سلم غلوں اور پھلوں میں ہوتا تھا مگر اب مشینری دور ہے، بے شمار چیزیں ایک طرح کی تیار ہوتی ہیں پس ہر وہ چیز جس کی جملہ تفصیلات طے کی جاسکتی ہوں اور آئندہ نزاع کا کوئی اندیشہ نہ ہو: ایسی تمام چیزوں میں

بیع سلم کی جاسکتی ہے، اور یہی لوگوں کی وہ حاجت ہے جس کے پیش نظر شریعت نے بیع سلم کو خلاف قیاس جائز رکھا ہے۔

بَابُ السَّلَمِ فِي كَيْلٍ مَعْلُوْمٍ، وَبَابُ السَّلَمِ فِي وَزْنٍ مَعْلُوْمٍ

بیع سلم میں مبیع کا پیمانوں سے یا وزن سے طے ہونا ضروری ہے

بیع سلم میں چونکہ مبیع ادھار ہوتی ہے، ایک مدت کے بعد سپرد کی جاتی ہے، اس لئے اس کی جملہ تفصیلات طے ہوجانی چاہئیں، ورنہ بوقتِ تسلیم مبیع نزاع پیش آئے گا، مثلاً: گیہوں کے پیمانے (صاع) یا وزن (من) طے ہوجانے چاہئیں۔ زعفران کے تولے متعین کر لئے جائیں، نیز مبیع سپرد کرنے کا وقت طے ہوجانا چاہئے۔ حدیث میں انہی دو باتوں (کیل ووزن اور اجل) کا ذکر آیا ہے، پھر فقہاء نے تفصیل کی اور پانچ سات شرطیں کردیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ مبیع کی ہر طرح تعیین ہوجانی چاہئے، تاکہ آئندہ کوئی نزاع پیش نہ آئے۔

حدیث (۱): حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں وارد ہوئے، درانحالیکہ لوگ کھجوروں میں سال اور دو سال کے لئے قرض دیتے تھے، یعنی بیع سلم کرتے تھے، پس آپؐ نے فرمایا: جو چھوہاروں کی بیع سلم کرے وہ چاہئے کہ معلوم پیمانوں سے اور معلوم وزن سے کرے۔

حدیث (۲): عبداللہ بن شداد اور ابو بردہ میں بیع سلف کے سلسلہ میں اختلاف ہوا، انھوں نے اپنے شاگرد محمد بن ابی المجالد کو یا عبداللہ بن ابی المجالد کو عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، انھوں نے کہا: ہم نبی ﷺ کے زمانہ میں اور شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں گیہوں، جو، کشمش اور چھوہاروں کی بیع سلم کرتے تھے، قاصد کہتا ہے: میں نے یہ مسئلہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیؓ سے بھی پوچھا، انھوں نے بھی یہی جواب دیا۔

تشریح: نبی ﷺ نے دو شرطوں کے ساتھ بیع سلم کی اجازت دی ہے، ایک: مکیلی چیزوں میں پیمانے اور وزنی چیزوں میں وزن متعین ہوجانا چاہئے۔ اور مبیع کی مقدار بھی متعین ہوجانی چاہئے۔ دوسری: اجل معلوم یعنی سپرد کرنے کی مدت بھی متعین ہوجانی چاہئے، پھر صاحبین نے ان دو شرطوں کو بڑھا کر پانچ شرطیں کردیا اور امام اعظمؒ نے سات: وہ سب اسی حدیث کی تفصیل ہیں، جن کا ذکر فقہ کی کتابوں میں ہے۔

قولہ: والناس يُسْلِفون: لوگ چھوہاروں پر قرض دیتے تھے، یعنی چھوہارے خریدتے تھے، اور اس کی قیمت پیشگی دیتے تھے، یہ گویا قرض دیا، کیونکہ چھوہاروں کا ابھی وجود نہیں، اور دیتے تھے ایک سال کے لئے اور دو سال کے لئے، جتنی مدت لمبی ہوگی اتنی مبیع سستی ہوگی، بہر حال مدینہ میں اس کا رواج تھا، حضور ﷺ نے اس کو برقرار رکھا، پس یہ تقریر نبوی کی مثال ہے۔

فائدہ (۱): چیزیں دو قسم کی ہیں: ذوات القیم اور ذوات الامثال، ذوات القیم وہ چیزیں ہیں جن کے افراد یکساں نہیں ہوتے، جیسے جانور، اور ذوات الامثال وہ چیزیں ہیں جن کے افراد تقریباً یکساں ہوتے ہیں، جیسے اخروٹ، بیع سلم ذوات

الامثال ہی کی ہوسکتی ہے، ذوات القیم کی نہیں ہوسکتی، کیونکہ ان کی تفصیلات طے کرنا ممکن نہیں۔

اور پہلے ذوات الامثال چیزیں تھوڑی تھیں زیادہ تر چیزیں ذوات القیم تھیں، مگر اب مشینری دور میں زیادہ تر چیزیں ذوات الامثال ہیں، پس اب بہت سی چیزوں کی بیع سلم ہوسکتی ہے۔

فائدہ (۲): قرض صرف مکیلات، موزونات اور معدودات کا لے سکتے ہیں، کیونکہ ان کی تعیین ہوسکتی ہے مگر اب مشینری دور میں بہت سی چیزیں قرض لے سکتے ہیں، مثلاً گیس سلنڈر کا ریگیو لیٹر خراب ہوگیا، پڑوسی کے یہاں زائد رکھا ہے، اس سے قرض لے لیا، پھر اس کمپنی کا ریگیو لیٹر لاکر اسے دیدیا تو یہ جائز ہے اور آٹا اور روٹی بھی قرض لے سکتے ہیں، اگرچہ وہ ذوات الامثال نہیں ہیں، مگر معاشرتی ضرورت کے پیش نظر ان کا قرض لینا جائز رکھا گیا ہے۔

۳۵- كِتَابُ السَّلَمِ

[۱-] بَابُ السَّلَمِ فِي كَيْلٍ مَعْلُوْمٍ

[۲۲۳۹-] حدثنا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ عُلَيَّةَ، ثنَا ابْنُ أَبِيْ نَجِيْحٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَثِيْرٍ، عَنْ أَبِيْ الْمِنْهَالِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم الْمَدِيْنَةَ، وَالنَّاسُ يُسْلِفُوْنَ فِي الثَّمَرِ الْعَامَ وَالْعَامَيْنِ— أَوْ قَالَ: عَامَيْنِ أَوْ ثَلاَثَةً، شَكَّ إِسْمَاعِيْلُ — فَقَالَ:" مَنْ سَلَفَ فِي تَمْرٍ فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَعْلُوْمٍ وَوَزْنٍ مَعْلُوْمٍ"

حدثنا مُحَمَّدٌ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ، عَنِ ابْنِ أَبِيْ نَجِيْحٍ بِهٰذَا:" فِيْ كَيْلٍ مَعْلُوْمٍ وَوَزْنٍ مَعْلُوْمٍ"

[انظر: ۲۲۴۰، ۲۲۴۱، ۲۲۵۳]

[۲-] بَابُ السَّلَمِ فِيْ وَزْنٍ مَعْلُوْمٍ

[۲۲۴۰-] حدثنا صَدَقَةُ، أَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، أَنَا ابْنُ أَبِيْ نَجِيْحٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَثِيْرٍ، عَنْ أَبِيْ الْمِنْهَالِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الْمَدِيْنَةَ، وَهُمْ يُسْلِفُوْنَ بِالثَّمْرِ السَّنَتَيْنِ وَالثَّلاَثَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" مَنْ أَسْلَفَ فِيْ شَيْئٍ فَفِيْ كَيْلٍ مَعْلُوْمٍ، وَوَزْنٍ مَعْلُوْمٍ، إِلٰى أَجَلٍ مَعْلُوْمٍ"[راجع: ۲۲۳۹]

حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنَا سُفْيَانُ، ثنَا ابْنُ أَبِيْ نَجِيْحٍ، وَقَالَ:" فَلْيُسْلِفْ فِيْ كَيْلٍ مَعْلُوْمٍ إِلٰى أَجَلٍ مَعْلُوْمٍ"

[۲۲۴۱-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا سُفْيَانُ، ثَنِيْ ابْنُ أَبِيْ نَجِيْحٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَثِيْرٍ، عَنْ أَبِيْ الْمِنْهَالِ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَقَالَ:" فِي كَيْلٍ مَعْلُوْمٍ، وَوَزْنٍ مَعْلُوْمٍ،

إِلٰى أَجَلٍ مَعْلُوْمٍ"[راجع: ۲۲۳۹]

[۲۲۴۲و۲۲۴۳-] حدثنا أَبُوْ الْوَلِيْدِ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ ابْنِ أَبِيْ الْمُجَالِدِ. ح: وَحَدَّثَنِيْ يَحْيىَ، ثَنَا وَكِيْعٌ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِيْ الْمُجَالِدِ، ح: وَحَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، ثَنَا شُعْبَةُ، أَخْبَرَنِيْ مُحَمَّدٌ أَوْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِيْ الْمُجَالِدِ، قَالَ: اخْتَلَفَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ، وَأَبُوْ بُرْدَةَ، فِي السَّلَفِ فَبَعَثُوْنِيْ إِلٰى ابْنِ أَبِيْ أَوْفٰى، فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ: إِنَّا كُنَّا نُسْلِفُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَأَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ، فِي الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ وَالزَّبِيْبِ وَالتَّمْرِ، وَسَأَلْتُ ابْنَ أَبْزٰى فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ.

[الحديث: ۲۲۴۲، انظر: ۲۲۴۴، ۲۲۵۵]؛[الحديث:۲۲۴۳، انظر: ۲۲۴۵، ۲۲۵۴]

وضاحت: آخری حدیث میں ابوالمجالد کے لڑکے کے نام میں شک ہے، راجح نام محمد ہے۔

بَابُ السَّلَمِ إِلٰى مَنْ لَيْسَ عِنْدَه أَصْلٌ

جس کے پاس مبیع کی اصل (باغ اور کھیت نہ ہو) اس سے سلم کرنا

أصل سے مراد باغ اور کھیت ہیں، جس شخص کے پاس کھجور کا باغ یا کھیت نہیں، اس سے چھوہاروں یا غلّے کا سلم کرنا جائز ہے، کیونکہ سلم میں بوقت عقد بائع کے پاس مبیع کا یا مبیع کی اصل کا ہونا ضروری نہیں، البتہ احناف کے نزدیک عقد کے وقت سے مبیع سپرد کرنے کے وقت تک مارکیٹ میں مبیع کا وجود ضروری ہے، بائع کی ملکیت میں ہونا ضروری نہیں، گویا مارکیٹ میں مبیع کا وجود بائع کے پاس وجود مان لیا گیا ہے، اس لئے کہ جب مبیع مارکیٹ میں ہوگی تو بائع جب چاہے گا خرید کر مشتری کو سپرد کردے گا، اسی طرح بائع کے پاس باغ اور کھیت کا ہونا بھی ضروری نہیں، وہ مارکیٹ سے خرید کر سپرد کرسکتا ہے۔

اور باب میں دو حدیثیں ہیں، پہلی حدیث تو وہی ہے جو گذشتہ باب میں آئی ہے، عبداللہ بن شداد اور ابو بردہ میں سلم کے جواز وعدم جواز کے سلسلہ میں اختلاف ہوا، انھوں نے محمد بن ابی المجالد کو عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ ان سے پوچھ آؤ، صحابہ عہدِ نبوی میں گیہوں کا سلم کرتے تھے؟ حضرت عبداللہ نے جواب دیا: ہم شام کے نبطیوں سے گیہوں، جو اور زیتون کے تیل کا سلم کرتے تھے، پیمانے متعین کرکے اور مدت مقرر کرکے۔ محمد کہتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہؓ سے پوچھا: کیا ان لوگوں کے پاس جن کے ساتھ آپ سلم کرتے تھے باغ اور کھیت ہوتے تھے؟ عبداللہؓ نے کہا: ہم ان سے یہ بات نہیں پوچھتے تھے (معلوم ہوا کہ مسلم فیہ کی اصل بائع کے پاس ہونا ضروری نہیں) پھر دونوں نے مجھے حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰؓ کے پاس بھیجا کہ ان سے بھی پوچھ آؤ، انھوں نے بھی فرمایا کہ صحابہ عہدِ نبوی میں سلم کیا کرتے تھے اور بائع سے یہ بات دریافت نہیں کرتے تھے کہ ان کے پاس کھیت ہے یا نہیں۔

پھر یہی حدیث دوسرے طریق سے ذکر کی ہے، اس میں زیتون کے تیل کا ذکر نہیں، اور تیسرے طریق میں ہے، اور

چوتھے طریق میں کشمش کا بھی ذکر ہے۔

دوسری حدیث: ابوالبختری کہتے ہیں: میں نے حضرت ابن عباسؓ سے کھجور کے درخت میں سلم کے بارے میں پوچھا: (یہاں سلم: بیع کے معنی میں ہے یعنی درخت کی کھجوریں خریدنے کے بارے میں پوچھا) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: نبی ﷺ نے کھجور کے درخت کے پھل بیچنے سے منع فرمایا، یہاں تک کہ وہ کھانے کے قابل ہوجائیں، اور یہاں تک کہ وہ تولے جائیں، پس ایک شخص نے پوچھا: تولے جانے کا کیا مطلب ہے؟ (درخت پر کے پھل تو تولے نہیں جاسکتے) حضرت ابن عباسؓ کے پہلو میں ایک آدمی بیٹھا تھا، اس نے جواب دیا: تولے جانے کا مطلب سمیٹ لیا جانا ہے۔

تشریح: چونکہ اس حدیث میں لفظ سلم آیا ہے، اس لئے حضرت امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو اس باب میں لائے ہیں، مگر ابن بطالؒ نے اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث کا باب سے کچھ تعلق نہیں، اور ابن المنیر نے تطبیق دی ہے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ ابن بطال رحمہ اللہ کی بات باون تولہ پاؤرتی ہے۔ اور اس حدیث میں دو مسئلے ہیں:

۱- بدوصلاح سے پہلے پھل بیچنے سے نبی ﷺ نے منع کیا ہے۔

۲- لادی سے مبیع خریدنے کے بعد جب تک تول کر اپنی دکان میں نہ لے جائے غلہ کو بیچنے سے نبی ﷺ نے منع کیا ہے (یہ دونوں مسئلے پہلے گذر چکے ہیں) اور حضرت ابن عباسؓ کے جواب میں دونوں مسئلے جمع ہیں، آپؓ کے ساتھی نے اس کو الگ کیا ہے۔

[۳-] بَابُ السَّلَمِ إِلٰى مَنْ لَيْسَ عِنْدَهُ أَصْلٌ

[۲۲۴٤و۲۲٤٥-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، ثَنَا الشَّيْبَانِيُّ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي مُجَالِدٍ، قَالَ: بَعَثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ شَدَّادٍ، وَأَبُوْ بُرْدَةَ إِلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي أَوْفٰى، فَقَالاَ: سَلْهُ هَلْ كَانَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم يُسْلِفُوْنَ فِي الْحِنْطَةِ؟ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: كُنَّا نُسْلِفُ نَبِيْطَ أَهْلِ الشَّأْمِ فِي الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ، وَالزَّبِيْبِ، فِيْ كَيْلٍ مَعْلُوْمٍ إِلٰى أَجَلٍ مَعْلُوْمٍ. قُلْتُ: إِلٰى مَنْ كَانَ أَصْلُهُ عِنْدَهُ؟ قَالَ: مَا كُنَّا نَسْأَلُهُمْ عَنْ ذٰلِكَ، ثُمَّ بَعَثَانِي إِلٰى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى، فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ: كَانَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم يُسْلِفُوْنَ فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَلَمْ نَسْأَلْهُمْ: أَلَهُمْ حَرْثٌ أَمْ لاَ؟ [راجع: ۲۲٤۲، ۲۲٤۳]

حدثنا إِسْحَاقُ الْوَاسِطِيُّ، ثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي مُجَالِدٍ بِهٰذَا، وَقَالَ: فَنُسْلِفُهُمْ فِي الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ.

حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا جَرِيْرٌ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، وَقَالَ: فِي الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ وَالزَّبِيْبِ.

وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْوَلِيْدِ، عَنْ سُفْيَانَ، ثَنَا الشَّيْبَانِيِّ وَقَالَ والزَّيْت.

[٢٢٤٦-] حدثنا آدَمُ، ثَنَا شُعْبَةُ، ثَنَا عَمْرٌو، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَاالْبَخْتَرِيَّ الطَّائِيَّ، قَالَ: سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنِ السَّلَمِ فِي النَّخْلِ، فَقَالَ: نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتَّى يُؤْكَلَ مِنْهُ، وَحَتّٰى يُوْزَنَ فَقَالَ الرَّجُلُ: وَأَيُّ شَيْئٍ يُوْزَنَ؟ فَقَالَ رَجُلٌ إِلٰى جَانِبِهِ: حَتَّى يُحْرَزَ"

وَقَالَ مُعَاذٌ: ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرٍو، قَالَ أَبُوْ الْبَخْتَرِيِّ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ: نَهَى النبيُّ صلى الله عليه وسلم مِثْلَهُ.[انظر: ٢٢٤٨، ٢٢٥٠]

نَبِيْط: ملک شام اور جزیرۃ العرب کے باڈر پر بسی ہوئی ایک عرب قوم، چونکہ یہ شام کے باڈر پر بسے ہوئے تھے، اس لئے نبیط الشام کہلاتے تھے.......... جب کوئی جنگ ہوتی اور صحابہ کو مالِ غنیمت ملتا تو وہ لوگ صحابہ کے پاس آتے اور ان سے بیع سلم کرتے، صحابہ ان سے گیہوں وغیرہ خریدتے اور مالِ غنیمت میں جو پیسے ملے تھے وہ ان کو دیدیتے، وہ مقررہ وقت پر غلہ سپلائی کردیتے، صحابہ ان سے نہیں پوچھتے تھے کہ ان کے پاس زمینیں ہیں یا نہیں؟

بَابُ السَّلَمِ فِي النَّخْلِ

کھجور کے (معین) درخت میں سلم کرنا

پہلے کسی وقت بتایا ہے کہ حضرت امام بخاریؒ کی ایک عادت یہ ہے کہ باب کے آخر میں جو حدیث آتی ہے اس کو پیش نظر رکھ کر اگلا باب قائم کرتے ہیں۔ یہاں بھی حضرتؒ نے ایسا ہی کیا ہے، پس اس باب میں نظر ہے، کیونکہ معین درخت یا معین باغ یا معین علاقے کی پیداوار کی شرط لگانا بیع سلم میں جائز نہیں، ممکن ہے اس درخت میں یا اس باغ میں یا اس چھوٹے گاؤں میں پیداوار نہ ہو، پھر بائع مبیع کہاں سے لاکر دے گا؟ پس حدیث میں نخل کے معنی کھجور کے درخت کے ہیں، مگر حدیث میں چونکہ السلم فی النخل آیا ہے، اس لئے حضرتؒ نے باب قائم کردیا ہے، حالانکہ اس حدیث میں سلم مجازاً بیع کے معنی میں ہے۔

[٤-] بَابُ السَّلَمِ فِي النَّخْلِ

[٢٢٤٧و٢٢٤٨-] حدثنا أَبُوْ الْوَلِيْدِ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ أَبِيْ البَخْتَرِيِّ، قَالَ: سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ عَنِ السَّلَمِ فِي النَّخْلِ، فَقَالَ: نُهِيَ عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتَّى يَصْلُحَ، وَعَنْ بَيْعِ الْوَرِقِ نَسَاءً بِنَاجِزٍ.

وَسَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنِ السَّلَمِ فِي النَّخْلِ فَقَالَ: نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتَّى يُؤْكَلَ مِنْهُ- أَوْ: يَأْكُلَ مِنْهُ- وَحَتَّى يُوْزَنَ.[راجع: ١٤٨٦، ٢٢٤٦]

[٢٢٤٩و٢٢٥٠-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا غُنْدَرٌ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ أَبِيْ الْبَخْتَرِيِّ،

قَالَ: سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ عَنِ السَّلَمِ فِي النَّخْلِ، فَقَالَ: نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتَّى يَصْلُحَ، وَنَهَى عَنِ الْوَرِقِ بِالذَّهَبِ نَسَاءً بِنَاجِزٍ.

وَسَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ: نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتَّى يَأْكُلَ أَوْ: يُؤْكَلَ، وَحَتَّى يُوْزَنَ. قُلْتُ: وَمَا يُوْزَنُ؟ قَالَ رَجُلٌ عِنْدَهُ: حَتَّى يُحْرَزَ. [راجع: ١٤٨٦، ٢٢٤٦]

حدیث (۲۲۴۷): ابوالبختریؒ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کھجور کے درخت کے پھل خریدنے کے بارے میں دریافت کیا، آپؓ نے فرمایا: کھجور کے درخت بیچنے سے منع کیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ کارآمد ہوجائیں، اور چاندی ادھار بیچنے سے منع کیا گیا ہے، نقد کے عوض (بیع صرف میں)

حدیث (۲۲۴۸): اور میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی سوال کیا، تو انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ نے کھجور کے درخت بیچنے سے منع کیا، یہاں تک کہ اس میں سے کھایا جائے، یا فرمایا: اس میں سے کھائے، اور یہاں تک کہ تولا جائے (یہ دو مسئلے جمع کئے ہیں)

حدیث (۲۲۴۹): ابوالبختریؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے وہی سوال کیا، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ نے پھل بیچنے سے منع کیا ہے، یہاں تک کہ وہ کارآمد ہوجائے (اس حدیث میں لفظ بیع ہے، پس اوپر والی حدیث میں جو لفظ سلم آیا ہے اس سے بھی بیع مراد ہے) اور چاندی کو سونے کے بدل ادھار بیچنے سے منع کیا، نقد کے عوض میں .... اور حدیث (۲۲۵۰) کا ترجمہ اوپر آچکا۔

بَابُ الْكَفِيْلِ فِي السَّلَمِ

سلم میں ضامن لینا

بیع سلم میں ثمن نقد دیا جاتا ہے اور مبیع ادھار ہوتی ہے، اس لئے اگر مشتری بائع سے ضامن لینا چاہے تو لے سکتا ہے۔ اور حدیث وہی ہے جو پہلے گذری ہے، حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کی مجلس میں سلم میں گروی لینے کا مسئلہ چھڑا، انھوں نے حدیث سنائی کہ نبی ﷺ نے ایک یہودی سے مقررہ مدت کے لئے ادھار غلہ خریدا تھا اور اس کے پاس لوہے کی زرہ گروی رکھی تھی، پس جب ادھار ثمن میں گروی رکھ سکتے ہیں تو ادھار مبیع میں بھی رہن اور کفیل لے سکتے ہیں، کیونکہ دونوں کا مقصد توثیق اور اعتماد پیدا کرنا ہے۔

[٥-] بَابُ الْكَفِيْلِ فِي السَّلَمِ

[٢٢٥١-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ، ثَنَا يَعْلَى، ثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ،

قَالَتْ: اشْتَرَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم طَعَامًا مِنْ يَهُوْدِيٍّ بِنَسِيْئَةٍ، وَرَهَنَهُ دِرْعًا لَهُ مِنْ حَدِيْدٍ.

[راجع: ۲۰٦۸]

بَابُ الرَّهْنِ فِي السَّلَمِ

سلم میں گروی

بیع سلم میں مشتری اعتماد اور توثیق کے لئے بائع سے گروی بھی لے سکتا ہے۔ اور حدیث وہی ہے جو اوپر آئی۔ حضور ﷺ نے یہودی کے پاس زرہ گروی رکھی، پس سلم میں بھی گروی لینا جائز ہے۔

[٦-] بَابُ الرَّهْنِ فِي السَّلَمِ

[۲۲۵۲-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوْبٍ، ثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، ثَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ: تَذَاكَرْنَا عِنْدَ إِبْرَاهِيْمَ الرَّهْنَ فِي السَّلَفِ، فَقَالَ: حَدَّثَنِي الْأَسْوَدُ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم اشْتَرَى مِنْ يَهُوْدِيٍّ طَعَامًا إِلٰى أَجَلٍ مَعْلُوْمٍ، وَارْتَهَنَ مِنْهُ دِرْعًا مِنْ حَدِيْدٍ. [راجع: ۲۰٦۸]

وضاحت: ارتهن: گروی لی یعنی یہودی نے منه یعنی نبی ﷺ سے۔

بَابُ السَّلَمِ إِلٰى أَجَلٍ مَعْلُوْمٍ

معین مدت کے لئے سلم کرنا

سلم میں مسلم فیہ (مبیع) سپرد کرنے کی مدت متعین ہونی ضروری ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: وہ غلہ جس کی تمام تفصیلات طے کردی گئی ہوں مقررہ بھاؤ کے ساتھ مقررہ مدت تک سودا کرنے میں کوئی حرج نہیں، ہاں ایسی کھیتی کا سودا نہ کیا جائے جو ابھی کار آمد نہ ہوئی ہو، اس کی بیع جائز نہیں۔ اور پہلی حدیث میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ہمیں مالِ غنیمت میں جو کچھ ملتا تھا ہم وہ نبطیوں کو قرض دیتے تھے یعنی ان کے ساتھ بیع سلم کرتے تھے، اور حدیث کا ترجمہ پہلے آچکا ہے۔

[۷-] بَابُ السَّلَمِ إِلٰى أَجَلٍ مَعْلُوْمٍ

[۱-] وَبِهِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ، وَأَبُوْ سَعِيْدٍ، وَالْأَسْوَدُ، وَالْحَسَنُ.

[۲-] وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: لَابَأْسَ بِالطَّعَامِ الْمَوْصُوْفِ بِسِعْرٍ مَعْلُوْمٍ إِلٰى أَجَلٍ مَعْلُوْمٍ، مَالَمْ يَكُ ذٰلِكَ فِي زَرْعٍ لَمْ يَبْدُ صَلَاحُهُ.

[۲۲۵۳-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيْحٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَثِيْرٍ، عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ،

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم الْمَدِيْنَةَ، وَهُمْ يُسْلِفُوْنَ فِي الثِّمَارِ: السَّنَتَيْنِ وَالثَّلَاثَ، فَقَالَ: ”أَسْلِفُوْا فِي الثِّمَارِ فِي كَيْلٍ مَعْلُوْمٍ إِلٰى أَجَلٍ مَعْلُوْمٍ“

وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْوَلِيْدِ: ثَنَا سُفْيَانُ: ثَنَا ابْنُ أَبِي نَجِيْحٍ، وَقَالَ: ”فِي كَيْلٍ مَعْلُوْمٍ وَوَزْنٍ مَعْلُوْمٍ“

[راجع: ۲۲۳۹]

[۲۲۵۴و۲۲۵۵-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ، أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، أَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سُلَيْمَانَ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي الْمُجَالِدِ، قَالَ: أَرْسَلَنِي أَبُوْ بُرْدَةَ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ شَدَّادٍ، إِلٰى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى، وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى، فَسَأَلْتُهُمَا عَنِ السَّلَفِ، فَقَالَا: كُنَّا نُصِيْبُ الْمَغَانِمَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم، فَكَانَ يَأْتِيْنَا أَنْبَاطٌ مِنْ أَنْبَاطِ الشَّأْمِ، فَنُسْلِفُهُمْ فِي الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ وَالزَّبِيْبِ إِلٰى أَجَلٍ مُسَمًّى، قَالَ: قُلْتُ: أَكَانَ لَهُمْ زَرْعٌ أَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ زَرْعٌ؟ قَالَ: مَاكُنَّا نَسْأَلُهُمْ عَنْ ذٰلِكَ.

[راجع: ۲۲۴۲، ۲۲۴۳]

بَابُ السَّلَمِ إِلٰى أَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ

سلم میں اونٹنی بیاہنے کو مدت مقرر کرنا

بیع سلم میں ایسی مدت مقرر کرنا جو مفضی الی النزاع ہو: درست نہیں، مثلاً ایک اونٹنی گابھن ہے، سودا کیا گیا کہ جب یہ بچہ جنے گی تب مبیع سپرد کی جائے گی: یہ درست نہیں، کیونکہ ممکن ہے اونٹنی کے پیٹ میں گیس ہو، حمل نہ ہو، اسی طرح جب موسم کی پہلی بارش ہوگی تب مبیع سپرد کی جائے گی: یہ بھی درست نہیں، کیونکہ موسم کی پہلی بارش میں تقدیم وتاخیر ہوسکتی ہے۔

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: زمانۂ جاہلیت کے لوگ قصائی کے اونٹ بیچا خریدا کرتے تھے، حمل کے حمل تک یعنی ایک بکری گابھن ہے جب وہ بچہ جنے گی پھر وہ بچہ بڑا ہوکر بچہ جنے گا تب پیسے دوں گا۔ پس نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا، کیونکہ یہ ایک قسم کا سٹّہ تھا جو وہ کھیلا کرتے تھے، اور نافع رحمہ اللہ نے حَبَلُ الْحَبَلَة کی شرح کی ہے: جب گابھن اونٹنی بچہ جنے گی: یہ اجل مجہول ہے، کیونکہ اس کے بچہ جننے کا وقت معلوم نہیں۔ اب یہ مدت مجہولہ کی مثال بن گئی۔

[۸-] بَابُ السَّلَمِ إِلٰى أَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ

[۲۲۵۶-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا جُوَيْرِيَةُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: كَانُوْا يَتَبَايَعُوْنَ الْجَزُوْرَ إِلٰى حَبَلِ الْحَبَلَةِ، فَنَهَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْهُ، فَسَّرَهُ نَافِعٌ إِلٰى أَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ مَا فِي بَطْنِهَا. [راجع: ۲۱۴۳]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كتابُ الشفُعَةِ

شفعہ کا بیان

مادہ ش، ف، ع کے لغوی معنی ہیں: ملانا، دو رکعتیں شفعہ کہلاتی ہیں کیونکہ ان کو آپس میں ملایا جاتا ہے، اسی طرح کسی کی درخواست پر جو سفارش لکھی جاتی ہے اس کو 'شفاعت' کہتے ہیں، کیونکہ سفارش لکھنے والے نے اپنی سفارش درخواست کے ساتھ ملائی۔

اور اصطلاح میں: شفعہ بکی ہوئی جائداد کو اپنی جائداد کے ساتھ ملانے کا نام ہے۔ جو جائداد فروخت ہوئی ہے شفیع اس کو اپنی جائداد کے ساتھ ملاتا ہے، شریعت نے اس کو یہ حق دیا ہے اس لئے اس کا نام 'حق شفعہ' ہے۔

شفعہ کا مسئلہ معرکۃ الآراء ہے، اس میں حجازی اور عراقی فقہاء کے درمیان اختلاف ہوا ہے، شفیع کتنے ہیں؟ اور کون ہیں؟ حجازی فقہاء (ائمہ ثلاثہ) کہتے ہیں کہ شفیع صرف ایک ہے، بکی ہوئی جائداد میں جو شریک ہے اور وہ جائداد قابل تقسیم ہے (۱) تو شریک کو حق شفعہ ملے گا، بکی ہوئی جائداد شفیع اجنبی کو نہیں لینے دے گا، بلکہ جس قیمت پر وہ جائداد بکی ہے اسی قیمت پر شفیع اس کو خرید کر اپنی جائداد کے ساتھ ملالے گا، یہی حق شفعہ ہے۔

اور فقہاء عراق (حنفیہ) کہتے ہیں کہ شفیع تین ہیں:

اول: نفس مبیع میں شریک، خواہ مبیع قابل تقسیم ہو یا نا قابل تقسیم۔

دوم: شریک فی الحقوق، مبیع کے کچھ حقوق ہوتے ہیں، جیسے دو بھائیوں کی زمین الگ الگ ہے مگر کنواں مشترک ہے، دونوں اسی سے اپنی زمینیں سیراب کرتے ہیں، پس یہ شریک فی الحقوق ہیں، اسی طرح مکان کا راستہ ایک ہے، بدرو (گندے پانی کی نالی) ایک ہے تو یہ بھی شریک فی الحقوق ہیں، اسی طرح مکانوں کا راستہ ایک ہے تو یہ بھی شریک فی الحقوق ہیں۔

(۱) قابل تقسیم جیسے بڑا گھر، جس کے بیچ میں دیوار کر کے دو گھر بنا سکیں۔ اور چھوٹا غسل خانہ قابل تقسیم نہیں، قابل تقسیم وہ جائداد کہلاتی ہے، جس کی پہلی منفعت تقسیم کے بعد باقی رہے، بڑا گھر بیچ میں دیوار کر کے بھی رہنے کے قابل ہوتا ہے اور چھوٹے غسل خانہ میں اگر دیوار کر لی جائے گی تو غسل خانہ نہیں رہے گا، مرغیوں کا ڈربہ بن جائے گا، ہاں بڑا غسل خانہ جو دیوار بننے کے بعد دو غسل خانے ہو جائیں قابل تقسیم ہے۔

سوم: محض پڑوسی جو کسی بات میں شریک نہیں، نہ مبیع میں نہ حقوق میں، بلکہ محض پڑوسی ہے۔

حنفیہ کے نزدیک یہ تینوں ترتیب وار شفیع ہیں، سب سے پہلے شفعہ کا حق شریک فی نفس المبیع کا ہے، چاہے مبیع قابل تقسیم ہو یا نہ ہو۔ اور اگر یہ شفیع نہیں ہے یا وہ شفعہ نہیں لینا چاہتا تو دوسرے نمبر پر شریک فی الحقوق ہے، اور اگر وہ بھی نہیں ہے یا شفعہ لینا نہیں چاہتا تو پھر جار محض کو حق شفعہ ملے گا۔

نوٹ: شریک فی الحقوق کو جار بھی کہتے ہیں، پس جار کی دو قسمیں ہوئیں: جار فی الحقوق، اور جار محض۔

دلائل:

اس مسئلہ میں چار حدیثیں ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے ان میں سے ایک یا دو حدیثیں پیش کی ہیں، باقی نہیں لائے، اس لئے مسئلہ سمجھنے میں دشواری ہوگی۔ امام ترمذی رحمہ اللہ چاروں حدیثیں لائے ہیں۔

پہلی حدیث: جو اصح مافی الباب ہے: **الشفعۃُ فیمالم یُقسم:** حق شفعہ اس جائداد میں ہے جو بانٹی نہیں گئی۔ **فإذا وقعت الحدود:** پس جب سرحدیں قائم ہوجائیں، **وصُرفت الطرق:** اور راہیں الگ الگ کرلی جائیں یعنی سرکاری راستہ تک پہنچنے کی راہیں ہر ایک نے جدا کرلیں، **فلاشفعۃ:** تو شفعہ نہیں ہے، یہ حدیث اصح مافی الباب ہے مگر اس کا مطلب (**ما سِیْقَ لأجله الکلام**) کیا ہے؟ اس میں حجازی اور عراقی فقہاء کے درمیان اختلاف ہوا ہے، جیسا کہ آگے آئے گا۔

دوسری حدیث: **الشریكُ شفیع، والشفعۃ فی کل شیئ:** مبیع میں شریک شفیع ہے اور شفعہ ہر چیز (جائداد) میں ہے، خواہ وہ قابل تقسیم ہو یا نا قابل تقسیم۔

تیسری حدیث: **الشریكُ شفیع إذا کان طریقهما واحداً ینتظر به إذا کان غائبا:** شریک کے لئے حق شفعہ ہے جب دونوں جائدادوں کا راستہ ایک ہو، اگر وہ شریک سفر میں ہو تو اس کا انتظار کیا جائے، کیونکہ اس کا حق پہلے ہے۔

چوتھی حدیث: **جار الدار أحق بالدار:** گھر کا پڑوسی گھر کا زیادہ حق دار ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس کو حدیث حسن صحیح کہا ہے، اور یہ حدیث **الجار أحق بسقبه** کے الفاظ سے بھی مروی ہے، سقب کے معنی ہیں: قرب، یعنی پڑوسی اپنے قریب کی جائداد کا زیادہ حق دار ہے۔

یہ سب حدیثیں قابل استدلال ہیں اور حنفیہ نے سب کو لیا ہے، کوئی حدیث چھوڑی نہیں، حنفیہ کا یہی طریقہ ہے وہ پہلے جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں، چنانچہ حنفیہ نے کہا کہ دوسری حدیث سے شریک فی نفس المبیع کے لئے شفعہ ثابت ہوا، اور تیسری حدیث سے جار فی الحقوق کے لئے اور آخری حدیث سے جار محض کے لئے شفعہ کا حق ثابت ہوا۔

اور ائمہ ثلاثہ نے پہلی حدیث لی جو اصح مافی الباب ہے اور کہا کہ شفعہ صرف اس شریک کے لئے ہے جو نفس مبیع میں شریک ہے، اور مبیع قابل تقسیم ہے، جیسے گھر اور زمین، اور اگر مبیع قابل تقسیم نہیں، جیسے چھوٹا غسل خانہ تو شریک کے لئے بھی حق شفعہ نہیں، اور باقی تینوں حدیثیں انھوں نے نہیں لیں۔ انھوں نے ترجیح کا راستہ اختیار کیا، جو حدیث اصح مافی الباب تھی

اس کو لے لیا اور باقی کو چھوڑ دیا۔

اور حنفیہ اصح مافی الباب حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس میں مسئلہ کا بیان نہیں، بلکہ ایک غلط فہمی کا ازالہ ہے، ایک شخص مرگیا، پچاس بیگھے زمین چھوڑی، اس کے وارث تین لڑکے ہیں انھوں نے زمین تقسیم کرلی، اور اپنے کھیتوں کی مینڈھیں بنالیں اور سرکاری راستہ تک جانے کا ہر ایک نے راستہ الگ کرلیا پھر ایک بھائی کے پڑوس میں زمین بکی تو تینوں بھائی شفعہ لینے کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں، کہتے ہیں: ہمارے باپ کی زمین کے پاس جائداد بکی ہے پس ہم سب اس کے شفیع ہیں۔ نبی ﷺ نے ایسے ایک قضیہ میں فیصلہ کیا کہ تینوں کے لئے حق شفعہ نہیں، اگر زمین مشترک ہوتی، بانٹی نہ گئی ہوتی تو تینوں بھائی شفعہ کے حق دار تھے۔ مگر جب بھائیوں نے زمین بانٹ لی اور ہر ایک نے اپنی زمین کی سرحد قائم کرلی اور راستے الگ کرلئے تو اب تینوں بھائیوں کے لئے حق شفعہ نہیں، صرف اس بھائی کے لئے حق شفعہ ہے جس کی زمین بکی ہوئی زمین کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔

بہر حال یہ ایک جھگڑے کا تصفیہ ہے یہ مسئلہ نہیں ہے، مسائل باقی تین حدیثوں میں ہیں اور اصح مافی الباب حدیث میں صرف غلط فہمی کا ازالہ ہے۔

اور اختلاف کی بنیاد یہ بھی ہے کہ شفعہ کی علت کیا ہے؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک علت: ضرر قسمت سے بچنا ہے اور احناف کے نزدیک علت: ضرر جوار سے بچنا ہے۔ ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں: جب کوئی گھر دو بھائیوں میں مشترک ہوگا تو دونوں ساتھ رہیں گے، پھر جب کوئی اجنبی خریدار آگیا تو گھر دیوار بنا کر تقسیم کرنا پڑے گا، اور اس کے خرچہ میں بھائی کو بھی شریک ہونا پڑے گا، پس اگر وہ بٹوارے کے خرچہ سے بچنا چاہے تو اجنبی کو نہ آنے دے، اس کا حصہ اسی قیمت پر خود خرید لے، اور یہ علت صرف اس شریک میں پائی جاتی ہے جو نفس مبیع میں شریک ہے، اور مبیع قابل تقسیم ہے، اگر مبیع قابل تقسیم نہ ہو تو بٹوارے کا سوال ہی نہیں۔

اور احناف کے نزدیک شفعہ کی علت برے پڑوسی کے ضرر سے بچنا ہے، اگر ناہنجار پڑوسی آگیا تو زندگی اجیرن کردے گا، اور یہ علت تینوں شفیعوں میں پائی جاتی ہے، پس ترتیب وار تینوں کے لئے حق شفعہ ہے۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے کیا ہے؟ وہ حجازی فقہاء کے ساتھ ہیں یا عراقی؟ حضرت رحمہ اللہ نے اس کا پتہ نہیں چلنے دیا، وہ اصح مافی الباب روایت بھی لائے ہیں اور **الجار أحق بسقبه** کو بھی لائے ہیں، اور میرا رجحان یہ ہے کہ امام بخاریؒ اس مسئلہ میں حنفیہ کے ساتھ ہیں، وہ جار محض کے لئے بھی شفعہ مانتے ہیں مگر حضرتؒ نے کوئی واضح باب قائم نہیں کیا، صرف دو قرینوں سے میں نے یہ بات سمجھی ہے: ایک: **قَضٰی رسولُ الله إلخ**: نبی ﷺ نے فیصلہ کیا، اس میں اشارہ ہے کہ جو حدیث اصح مافی الباب ہے اس میں مسئلہ کا بیان نہیں ہے بلکہ وہ ایک قضیہ کا تصفیہ ہے۔ دوم: حدیث **الجار أحق بسقبه** کی تخریج کی ہے، یہ بھی قرینہ ہے کہ حضرت رحمہ اللہ اس مسئلہ میں حنفیہ کے ساتھ ہیں۔ واللہ اعلم

بَابُ الشُّفْعَةِ فِيمَا لَمْ يُقْسَمْ، فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ فَلاَ شُفْعَةَ

شفعہ اس جائداد میں ہے جو بانٹی نہیں گئی، پھر جب سرحدیں قائم ہوگئیں تو شفعہ نہیں

یہ حدیث ہی کے الفاظ ہیں، ائمہ ثلاثہ اس کا منطوق اور مفہوم دونوں لیتے ہیں، یعنی جائداد قابل قسمت ہو تو اس میں شفعہ ہے، اور اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جو چیز قابل تقسیم نہیں اس میں شفعہ نہیں۔ اور احناف اس حدیث کو مسئلہ سے متعلق نہیں کرتے، بلکہ اس کو قضیہ کا تصفیہ قرار دیتے ہیں، کیونکہ باب کی حدیث میں لفظ قضی اس پر صاف دلالت کرتا ہے۔ واللہ اعلم

٣٦- كتاب الشفعة

بسم الله الرحمن الرحيم

[١-] بَابُ الشُّفْعَةِ فِيمَا لَمْ يُقْسَمْ، فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ فَلاَ شُفْعَةَ

[٢٢٥٧-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، ثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَضَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ مَا لَمْ يُقْسَمْ، فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ، وَصُرِفَتِ الطُّرُقُ، فَلاَ شُفْعَةَ. [راجع: ٢٢١٣]

ملحوظہ: ابوحاتم رازی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ یہ حدیث صرف لم یُقْسَمْ تک ہے، باقی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا کلام ہے جو حدیث میں مدرج ہے، مگر حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ بات بے دلیل ہے (فتح)

بَابُ عَرْضِ الشُّفْعَةِ عَلٰى صَاحِبِهَا قَبْلَ الْبَيْعِ

فروخت کرنے سے پہلے شفیع کے سامنے پیش کش کرنا

کوئی شخص اپنی جائداد بیچنا چاہتا ہے اور اس کا کوئی شفیع ہے تو اس کو چپکے سے جائداد اجنبی کو فروخت نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ یہ بات چھپی نہیں رہے گی، کسی دن ظاہر ہوگی تو شفیع دعوی کر کے جائداد لے لیگا، پھر چھپانے سے کیا فائدہ ہوا؟ البتہ زندگی بھر کے لئے شفیع کا دل کھٹا ہو جائے گا، بلکہ اسلامی طریقہ یہ ہے کہ پہلے شفیع کے سامنے پیش کش کرے، عرض کے معنی ہیں: پیش کرنا، اگر شفیع انکار کرے تو جس کو چاہے بیچے۔

مسئلہ: شفیع کے انکار کے بعد اگر جائداد اجنبی کو بیچی تو اب شفیع شفعہ کا دعوی کرسکتا ہے یا نہیں؟ حکم بن عتیبہؒ جو بڑے تابعی ہیں کہتے ہیں: اگر شفیع بیع سے پہلے حق شفعہ سے دستبردار ہو جائے تو اب بیع کے بعد شفعہ کا دعوی نہیں کرسکتا۔ اور امام

شعبی رحمہ اللہ جو بڑے تابعی ہیں، فرماتے ہیں: اگر مجلس عقد میں شفیع موجود تھا اور اس نے اعتراض نہیں کیا، خاموش رہا تو اب بیع کے بعد شفعہ کا دعوی نہیں کرسکتا، اس کی خاموشی دلیل ہے کہ وہ شفعہ نہیں لینا چاہتا۔

اور حنفیہ کہتے ہیں: وہ دعوی کرسکتا ہے، کیونکہ جس وقت اس نے شفعہ چھوڑا تھا اس وقت تک حق شفعہ ثابت نہیں ہوا تھا، جیسے بیٹیاں باپ کے سامنے بیٹوں کے حق میں جائداد میں اپنے حق میراث سے دستبردار ہوجائیں، پھر باپ مرجائے تو اب بہنوں کو اپنا حق مانگنے کا حق ہے، کیونکہ جب وہ اپنے حق سے دستبردار ہوئی تھیں اس وقت تک ان کا حق میراث ثابت ہی نہیں ہوا تھا۔ ہاں یہ بات الگ ہے کہ باپ اپنی زندگی میں مکان یا زمین تقسیم کرکے بیٹوں کو قبضہ دیدے تو اب بیٹیاں دعوی نہیں کرسکتیں۔

حدیث: میں ایک واقعہ ہے، عمرو بن الشریدؒ کہتے ہیں: میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑا تھا کہ مسور بن مخرمہؓ آئے اور وہ میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہوگئے، اتنے میں حضرت ابو رافعؓ آئے جو حضور ﷺ کے آزاد کردہ ہیں، انھوں نے حضرت سعدؓ سے کہا: آپ کے گھیر (بڑے احاطہ میں چند گھروں کا مجموعہ) میں میرے جو دو کمرے ہیں وہ بیچنے ہیں، حضرت سعدؓ نے کہا: مجھے ضرورت نہیں، حضرت مسورؓ نے کہا: آپ کو وہ دونوں گھر لینے پڑیں گے، پس حضرت سعدؓ نے کہا: میں چار ہزار درہم یعنی چار سو دینار سے زیادہ نہیں دونگا، اور وہ بھی قسط وار دوں گا، حضرت ابو رافعؓ نے کہا: میرے پاس پانچ سو دینار یعنی پانچ ہزار درہم کا گاہک موجود ہے، لیکن اگر میں نے نبی ﷺ سے نہ سنا ہوتا کہ **الجار أحق بِسَقَبِه**: پڑوسی اپنی قریب کی جائداد کا زیادہ حق دار ہے تو وہ دونوں گھر چار ہزار دینار میں نہ دیتا، درانحالیکہ میں ان دونوں کے پانچ سو دینار دیا جارہا ہوں، میں وہ گھر آپ کو چار سو دینار میں دے رہا ہوں (حدیث پوری ہوئی)

اب فقہاء آئے، حنفیہ کہتے ہیں: حضرت سعدؓ جار محض تھے اور ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں: وہ شریک فی نفس المبیع تھے، حنفیہ کہتے ہیں: شریک فی نفس المبیع وہ ہوتا ہے جو مبیع کے ہر ہر جزء میں شریک ہو، اور یہاں ایک گھیر ہے جس میں دو کمرے حضرت ابو رافعؓ کے ہیں، ان میں حضرت سعدؓ کی کوئی شرکت نہیں، جیسے ایک بڑی بلڈنگ میں اپارٹمینٹ ہوں، اور ہر فلیٹ کا مالک الگ ہو، تو وہ شریک فی نفس المبیع نہیں، وہ جار محض ہے، پس اس واقعہ سے جار محض کے لئے شفعہ ثابت ہوا۔

[۲-] بَابُ عَرْضِ الشُّفْعَةِ عَلٰى صَاحِبِهَا قَبْلَ الْبَيْعِ

[۱-] وَقَالَ الْحَكَمُ: إِذَا أَذِنَ لَهُ قَبْلَ الْبَيْعِ فَلاَ شُفْعَةَ لَهُ.

[۲-] وَقَالَ الشَّعْبِيُّ: مَنْ بِيعَتْ شُفْعَتُهُ وَهُوَ شَاهِدٌ لاَ يُغَيِّرُهَا فَلاَ شُفْعَةَ لَهُ.

[۲۲۵۸-] حدثنا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِيْ إِبْرَاهِيمُ بْنُ مَيْسَرَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيْدِ، قَالَ: وَقَفْتُ عَلٰى سَعْدِ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ، فَجَاءَ الْمِسْوَرُ بْنُ مَخْرَمَةَ، فَوَضَعَ يَدَهُ عَلٰى إِحْدٰى

مَنْكَبِيَّ، إِذْ جَاءَ أَبُوْ رَافِعٍ مَوْلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ، فَقَالَ: يَا سَعْدُ ابْتَعْ مِنِّىْ بَيْتَيَّ فِى دَارِكَ، فَقَالَ سَعْدٌ: وَاللّٰهِ مَا أَبْتَاعُهُمَا، فَقَالَ الْمِسْوَرُ: وَاللّٰهِ لَتَبْتَاعَنَّهُمَا، فَقَالَ سَعْدٌ: وَاللّٰهِ لاَ أَزِيْدُكَ عَلٰى أَرْبَعَةِ آلاَفٍ مُنَجَّمَةً أَوْ: مُقَطَّعَةً، قَالَ أَبُوْ رَافِعٍ: لَقَدْ أُعْطِيْتُ بِهِمَا خَمْسَ مِائَةِ دِيْنَارٍ، وَلَوْلاَ أَنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" الْجَارُ أَحَقُّ بِسَقَبِهِ" مَا أَعْطَيْتُكَمَا بِأَرْبَعَةِ آلاَفٍ، وَأَنَا أُعْطَى بِهِمَا خَمْسَ مِائَةِ دِيْنَارٍ، فَأَعْطَاهَا إِيَّاهُ.[انظر: ٦٩٧٧، ٦٩٨١]

وضاحت: حضرت مسور رضی اللہ عنہ سفارش ہی کے لئے پہلے سے آئے ہوئے تھے............**منجمة** اور **مقطعة** کے ایک معنی ہیں، یعنی قسط وار۔

بَابٌ: أَيُّ الْجِوَارِ أَقْرَبُ؟

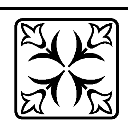
کونسا پڑوسی زیادہ نزدیک ہے؟

حنفیہ کے نزدیک اگر کسی فروخت شدہ جائداد کے کئی پڑوسی ہوں، تو جار ملاصق کو شفعہ ملے گا، یعنی جس پڑوسی کی جائداد فروخت شدہ جائداد کے ساتھ ملی ہوئی ہے اس کو شفعہ ملے گا، کیونکہ ضرر جوار سے وہی متأثر ہوگا، اور جن پڑوسیوں کی جائداد ملاصق نہیں، ان کے لئے حق شفعہ نہیں۔

اور یہ مسئلہ اجتہادی ہے، اس سلسلہ میں کوئی نص نہیں۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے غیر باب کی حدیث پیش کی ہے، صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اگر مجھے کوئی ہدیہ دینا ہو، اور کئی پڑوسی ہوں تو کس کو دوں؟ آپؐ نے فرمایا: ''جس کا دروازہ تمہارے دروازے سے قریب ہو اس کو دو'' ہدیہ موانست (انسیت) پیدا کرنے کے لئے دیا جاتا ہے تاکہ وہ آڑے وقت کام آئے، پس جو اقرب ہے وہ احق ہے۔ اور شفعہ کی بنیاد ضرر جوار سے بچنے پر ہے اور اس کا تحقق جار ملاصق ہی میں ہوتا ہے، اس لئے شفعہ کو ہدیہ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

[٣-] بَابٌ: أَيُّ الْجِوَارِ أَقْرَبُ؟

[٢٢٥٩-] حدثنا حَجَّاجٌ، ثَنَا شُعْبَةُ، ح: وَحَدَّثَنِىْ عَلِيٌّ، حَدَّثَنَا شَبَابَةُ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، حَدَّثَنَا أَبُوْ عِمْرَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ طَلْحَةَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ لِىْ جَارَيْنِ فَإِلٰى أَيِّهِمَا أُهْدِى؟ قَالَ:" إِلٰى أَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا"[انظر: ٢٥٩٥، ٦٠٢٠]



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الإجَارَۃِ

کرایہ پر لینے کا بیان

حاشیہ میں اجارہ کی تین تعریفیں لکھی ہیں، ان میں واضح تیسری تعریف ہے، جو یہ ہے: بیعُ منفعةٍ معلومةٍ بأجرٍ معلومٍ: جانی پہچانی منفعت (نفع) کو معلوم اجرت کے بدل بیچنا، پس اجارہ میں منفعت بھی معلوم ہونی چاہئے اور اجرت بھی۔

بَابُ اسْتِئْجَارِ الرَّجُلِ الصَّالِحِ، وَالْخَازِنُ الْأَمِيْنُ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَعْمِلْ مَنْ أَرَادَ

(۱) کام کے لئے نیک آدمی رکھنا چاہئے (۲) خزانچی امانت دار ہونا چاہئے

(۳) اور جو عہدہ مانگے اس کو عہدہ نہ دیا جائے

اس باب میں تین باتیں ہیں:

پہلی بات: کام کے لئے نیک آدمی کو رکھنا چاہئے، تاکہ کام میں اس کی نیکی کی برکتیں شامل ہوں، اور اس کی دلیل آیتِ کریمہ ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں مدین کے نیک آدمی کی دولڑکیوں میں سے ایک نے اپنے ابا کو مشورہ دیا کہ اس پردیسی کو نوکر رکھ لیں، کیونکہ نوکر میں دو صفتیں ہونی چاہئیں، وہ دونوں اس میں موجود ہیں: ایک: نوکر قوی (طاقت ور) ہونا چاہئے، تاکہ مشکل کام نمٹا سکے۔ دوم: امانت دار ہونا چاہئے، تاکہ کام میں یا مال میں خیانت نہ کرے۔

دوسری بات: منیجر امانت دار ہی ہونا چاہئے، الخازنُ الأمینُ: مبتدا خبر ہیں، اور جب جملہ اسمیہ کے دونوں جزء معرفہ ہوتے ہیں تو وہ تخصیص کا فائدہ دیتے ہیں، اور دلیل پہلی حدیث ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امانت دار خزانچی جو خوش دلی سے وہ کام کرے جس کا اس کو حکم دیا گیا ہے تو وہ دو خیرات کرنے والوں میں سے ایک ہے، یعنی گھر کا یا دکان کا منیجر اگر خوش دلی سے سیٹھ جو صدقہ کرنے کے لئے کہے وہ کرے تو ایسے منیجر کو بھی صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خازن امانت دار ہونا چاہئے، اگر منیجر خائن ہوگا تو پیڑھی کا بھٹہ بٹھا دے گا۔

تیسری بات: جو شخص کوئی سرکاری عہدہ چاہے اس کو وہ عہدہ نہیں سونپنا چاہئے، عہدہ کا طلب گار عام طور پر مخلص نہیں ہوتا، بلکہ امانت دار بھی نہیں ہوتا، وہ بس اپنا الو سیدھا کرنا چاہتا ہے، ایسے کو عہدہ سونپنے سے کیا فائدہ؟!

اوراس جزء کی دلیل دوسری حدیث ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں ایک مرتبہ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا، میرے ساتھ میرے قبیلہ کے دو آدمی بھی تھے، انھوں نے نبی ﷺ سے کوئی سرکاری نوکری چاہی، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ یہ نوکری کی تلاش میں آئے ہیں (یہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اپنی صفائی پیش کی کہ کہیں حضور ﷺ یہ نہ سمجھیں کہ میں سفارشی بن کر آیا ہوں) پس نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہم سرکاری کام اس شخص کو ہرگز نہیں دیتے جو اس کو چاہتا ہے''

۳۷- كتاب الإجارة

بسم الله الرحمن الرحيم

[۱-] بَابُ اسْتِئجَارِ الرَّجُلِ الصَّالِحِ

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى:﴿إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِيْنُ﴾[القصص:۲٦]

وَالْخَازِنُ الْأَمِيْنُ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَعْمِلْ مَنْ أَرَادَهُ

[۲۲٦۰-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ، أَخْبَرَنِيْ جَدِّيْ أَبُوْ بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيْهِ أَبِيْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم:" الْخَازِنُ الْأَمِيْنُ الَّذِيْ يُؤَدِّيْ مَا أُمِرَ بِهِ طَيِّبَةً نَفْسُهُ أَحَدُ الْمُتَصَدِّقِيْنَ"[راجع: ۱٤۳۸]

[۲۲٦۱-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا يَحْيىَ، عَنْ قُرَّةَ بْنِ خَالِدٍ، ثَنِيْ حُمَيْدُ بْنُ هِلَالٍ، ثَنَا أَبُوْ بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيْ مُوْسَى، قَالَ: أَقْبَلْتُ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَمَعِيَ رَجُلَانِ مِنَ الْأَشْعَرِيِّيْنَ، فَقُلْتُ: مَا عَلِمْتُ أَنَّهُمَا يَطْلُبَانِ الْعَمَلَ، قَالَ:" لَنْ، أَوْ: لَا نَسْتَعْمِلُ عَلٰى عَمَلِنَا مَنْ أَرَادَهُ"

[انظر: ۳۰۳۸، ٤۳٤۱، ٤۳٤٤، ٦۱۲٤، ٦۹۲۳، ۷۱٤۹، ۷۱٥٦]

ترکیب: حدیث میں الخازن: مبتدا، الأمین: پہلی صفت، الذی: دوسری صفت، طیبةً: یؤدی کے فاعل سے حال، أحد: خبر، (حدیث پہلے کتاب الزکاۃ میں آچکی ہے)

بَابُ رَعْيِ الْغَنَمِ عَلٰى قَرَارِيْطَ

قیراطوں پر بکریاں چرانا

قراریط: قیراط کی جمع ہے، درہم کا چھٹا حصہ قیراط کہلاتا ہے۔ اجیر کی دو قسمیں ہیں: اجیر خاص اور اجیر عام۔ اجیر خاص

وہ ہے جو معین آدمی کا کام کرے، جیسے شخصی ملازم اور مزدور۔ هو الذی يَعْمَل لواحدٍ، ولا يَعمل لغيره: اور اجیر عام وہ ہے جو ایک ساتھ کئی آدمیوں کا کام کرے، جیسے دھوبی، درزی اور رنگریز وغیرہ، الذی يعمل لكل من قَدَّم له العَمَلَ۔

جاننا چاہئے کہ دونوں طرح کا اجارہ صحیح ہے، نبی ﷺ بچپن میں اجیر عام کے طور پر لوگوں کی بکریاں چراتے تھے، اور فی بکری چند قیراط لیتے تھے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب دادا عبدالمطلب کا انتقال ہوا تو کوئی چچا یتیم بھتیجے کے سر پر دست شفقت رکھنے کے لئے تیار نہیں تھا، خواجہ ابوطالب جو کثیر العیال اور نادار تھے انھوں نے نبی ﷺ کو اپنی پرورش میں لے لیا، حضور ﷺ نے فرمایا: جب میں نے ہوش سنبھالا تو سوچا کہ چچا کی اولاد بہت ہے اور آمدنی ناکافی ہے، پس میں مکہ کے لوگوں کی بکریاں چرانے لگا، کسی کی دو بکریاں، کسی کی چار، کسی کی چھ، اس طرح ریوڑ بنا کر میں بکریاں چراتا تھا، اور شام کو سب کی بکریاں ان کے گھر پہنچا دیتا تھا، اس طرح جو آمدنی ہوتی تھی وہ چچا کی خدمت میں پیش کرتا تھا تا کہ ان کی کچھ معاونت ہو جائے۔

حدیث: ایک مرتبہ نبی ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں، صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! آپؐ نے بھی؟ آپؐ نے فرمایا: میں بھی مکہ میں (بچپن میں) مکہ والوں کی بکریاں چراتا تھا، اور ہر بکری کی چرائی چند قیراط لیتا تھا۔

تشریح: جاننا چاہئے کہ یہ منطقی قاعدہ نہیں، جو کلیہ ہوتا ہے، بلکہ خطابی قاعدہ ہے جو اکثری ہوتا ہے، اور علماء نے بکریاں چروانے کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ بکری ضعیف، مسکین جانور ہے اور انبیاء کے پہلے متبعین ضعفاء ہوتے ہیں، ان کے ساتھ کس طرح معاملہ کرنا چاہئے اس کی تربیت بکریاں چروا کر کی جاتی تھی۔

[۲-] بَابُ رَعْيِ الْغَنَمِ عَلٰى قَرَارِيْطَ

[۲۲۶۲-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَكِّيُّ، ثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيىَ، عَنْ جَدِّهِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا إِلَّا رَعَى الْغَنَمَ" فَقَالَ أَصْحَابُهُ: وَأَنْتَ؟ فَقَالَ: "نَعَمْ، كُنْتُ أَرْعَاهَا عَلٰى قَرَارِيْطَ لِأَهْلِ مَكَّةَ"

بَابُ اسْتِئْجَارِ الْمُشْرِكِيْنَ عِنْدَ الضَّرُوْرَةِ، وَإِذَا لَمْ يُوْجَدْ أَهْلُ الإِسْلَامِ

بوقت ضرورت غیر مسلم کو نوکر رکھنا، یا جب کوئی مسلمان ملازم نہ ملے

ہمارے نسخہ میں واؤ ہے، اور مصری نسخہ میں اور گیلری میں أو ہے، پس یہ واؤ بھی أو کے معنی میں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک غیر مسلم کو (خواہ ذمی ہو یا حربی) بوقت ضرورت ہی ملازم رکھا جا سکتا ہے، جیسے نبی ﷺ نے خیبر کے یہودیوں سے بٹائی کا معاملہ کیا، یہ ضرورت کی وجہ سے تھا، کیونکہ مسلمان سب جہاد میں مشغول تھے، وہ اپنی زمینیں خود نہیں بو سکتے تھے۔

یا کوئی مسلمان ملازم دستیاب نہ ہوتو غیر مسلم کو ملازم رکھ سکتے ہیں، جیسے سفر ہجرت میں غیر مسلم راہبر رکھا گیا تھا، کیونکہ کوئی مسلمان راہبر دستیاب نہیں تھا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب نبی ﷺ ہجرت کے لئے چلے تو چار آدمی ساتھ تھے، ایک: آپ ﷺ، دوسرے: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، تیسرا: اونٹوں کا خادم، سفر میں جہاں رکیں گے وہاں اونٹوں کو چرانے کے لئے اور پانی پلانے کے لئے کسی خادم کی ضرورت ہوگی، چوتھے: عرب کا علاقہ پہاڑی علاقہ ہے، اور پہاڑی علاقہ میں جو عام راستہ تھا اس پر سفر نہیں کرنا تھا، کیونکہ اس راستہ پر مکہ والے ڈھونڈھیں گے، اس لئے انجانے راستہ پر سفر کرنا تھا، اور پہاڑی علاقہ میں ہر آدمی خود سفر نہیں کرسکتا، گم ہوجائے گا، گھاٹیوں میں پھنس جائے گا، اس لئے راستوں کا ایک ماہر ساتھ لیا تھا اور وہ مشرک تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دو اونٹنیاں اس کو دیدی تھیں، اور اس سے کہا تھا کہ تیسری رات کو صبح صادق سے پہلے دونوں اونٹنیاں لے کر جبل ثور کے پاس آجانا، وقت پر آپ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پہاڑ سے اترے اور مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے، وہ غیر مسلم راہبر غیر معروف راستہ پر لے کر چلا اور مدینہ تک پہنچادیا۔

لیکن ابن بطالؒ وغیرہ نے اعتراض کیا ہے کہ غیر مسلم کو ہر حال میں نوکر رکھ سکتے ہیں، خواہ ضرورت ہو یا نہ ہو، اور خواہ مسلمان نوکر دستیاب ہو یا نہ ہو۔ پس حضرت امام نے جو قیدیں لگائی ہیں اس سے فقہاء متفق نہیں۔

[٣-] بَابُ اسْتِئْجَارِ الْمُشْرِكِيْنَ عِنْدَ الضَّرُوْرَةِ، وَإِذَا لَمْ يُوْجَدْ أَهْلُ الإِسْلَامِ

وَعَامَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَهُوْدَ خَيْبَرَ.

[٢٢٦٣-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسَى، ثَنَا هِشَامٌ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ: وَاسْتَأْجَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَأَبُوْ بَكْرٍ رَجُلًا مِنْ بَنِيْ الدِّيْلِ، ثُمَّ مِنْ بَنِيْ عَبْدِ بْنِ عَدِيٍّ هَادِيًا خِرِّيْتًا ـــ وَالْخِرِّيْتُ: الْمَاهِرُ بِالْهِدَايَةِ ـــ قَدْ غَمَسَ يَمِيْنَ حِلْفٍ فِيْ آلِ الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ، وَهُوَ عَلٰى دِيْنِ كُفَّارِ قُرَيْشٍ، فَأَمِنَاهُ، فَدَفَعَا إِلَيْهِ رَاحِلَتَيْهِمَا، وَوَاعَدَاهُ غَارَ ثَوْرٍ بَعْدَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، فَأَتَاهُمَا بِرَاحِلَتَيْهِمَا صَبِيْحَةَ لَيَالٍ ثَلَاثٍ، فَارْتَحَلَا، وَانْطَلَقَ مَعَهُمَا عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ وَالدَّلِيْلُ الدِّيْلِيُّ، فَأَخَذَ بِهِمْ أَسْفَلَ مَكَّةَ وَهُوَ طَرِيْقُ السَّاحِلِ. [راجع: ٤٧٦]

ترجمہ: اور نبی ﷺ نے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو اجرت پر رکھا جو قبیلہ بنو دیل کا تھا، پھر اس کی شاخ بنو عبد بن عدی کا تھا راہبری کے لئے، جو راستوں کا ماہر تھا، جس نے عاص بن وائل کے خاندان سے دوستی گانٹھی تھی، یعنی اب وہ مکہ کا باشندہ تھا، اور وہ مشرک تھا، پس دونوں نے اس پر اطمینان کیا اور اس کو اپنی دونوں سواریاں دیدیں، اور اس سے تین راتوں کے بعد غار ثور کا وعدہ کیا، پس وہ دونوں کے پاس تیسری رات کی صبح کو اپنی سواریاں لے کر آیا، پس دونوں

نے کوچ کیا اوران دونوں کے ساتھ عامر بن فہیرہؓ اور دیلی گائڈ چلا، پس وہ ان کو زیریں مکہ سے لے چلا جو ساحل سمندر کا راستہ ہے۔

وضاحت: حدیث کے شروع میں واؤ اس لئے ہے کہ یہ لمبی حدیث کا حصہ ہے، اس کا شروع کا حصہ پہلے دو جگہ آچکا ہے.........**والخريت: الماهر بالهداية** امام زہری رحمہ اللہ کی تفسیر ہے جو حدیث میں مدرج ہے۔

بَابٌ: إِذَا اسْتَأْجَرَ أَجِيْرًا إلخ

خاص وقت سے کام شروع کرنے کے لئے اجیر رکھنا درست ہے

باب کی عبارت لمبی ہے۔ اس کا ترجمہ ہے: ''جب کوئی اجیر کرایہ پر رکھا تاکہ وہ اس کے لئے کام کرے تین دن کے بعد یا مہینہ کے بعد یا سال کے بعد تو یہ درست ہے۔ اور وہ دونوں اپنی اس شرط پر ہونگے جو ان دونوں نے طے کی ہے، جبکہ مقررہ وقت آئے گا'' اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی کو نوکر رکھا اور کام کرنے کا زمانہ طے کیا کہ چوتھے دن سے کام شروع کرنا ہے تو ایسا اجارہ درست ہے۔ اور وہ وقت مقررہ پر کام شروع کرے گا، اور جو معاملہ طے ہوا ہے اس کے مطابق اجرت پائے گا، اور حدیث وہی ہے جو اوپر گذری کہ نبی ﷺ نے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بنو دیل کے ایک آدمی کے ساتھ معاملہ طے کیا کہ وہ تین راتوں کے بعد غارِ ثور کے پاس پہنچے گا، چنانچہ وہ وقت مقررہ پر پہنچا اور اسی وقت سے اس کا اجارہ شروع ہوا۔

[٤-] بَابٌ: إِذَا اسْتَأْجَرَ أَجِيْرًا، لِيَعْمَلَ لَهُ بَعْدَ ثَلاَثَةِ أَيَّامٍ، أَوْ بَعْدَ شَهْرٍ، أَوْ بَعْدَ سَنَةٍ جَازَ، وَهُمَا عَلٰى شَرْطِهِمَا الَّذِيْ اشْتَرَطَاهُ إِذَا جَاءَ الأَجَلُ

[٢٢٦٤-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَأَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَتْ: وَاسْتَأْجَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَأَبُوْ بَكْرٍ رَجُلاً مِنْ بَنِيْ الدِّيْلِ هَادِيًا خِرِّيْتًا، وَهُوَ عَلٰى دِيْنِ كُفَّارِ قُرَيْشٍ، فَدَفَعَا إِلَيْهِ رَاحِلَتَيْهِمَا، وَوَاعَدَاهُ غَارَ ثَوْرٍ بَعْدَ ثَلاَثِ لَيَالٍ، بِرَاحِلَتَيْهِمَا صُبْحَ ثَلاَثٍ. [راجع: ٤٧٦]

بَابُ الأَجِيْرِ فِي الْغَزْوِ

جہاد میں مزدور رکھنا

کوئی شخص جہاد کے لئے نکلے اور نوکر ساتھ لیجائے تو یہ جائز ہے، کیونکہ گھوڑے کی خدمت کے لئے، کھانا پکانے کے لئے

اور دوسرے کاموں کے لئے نوکر کی ضرورت ہوتی ہے، اور نوکر ساتھ لے جانے سے اس کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آئیگی۔

حدیث: حضرت یعلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں ایک جہاد میں اپنے ساتھ نوکر لے گیا، سفر میں میرے نوکر اور ایک دوسرے مجاہد کے نوکر کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ اس نے میرے نوکر کا ہاتھ کاٹا، میرے نوکر نے اپنا ہاتھ چھڑایا تو دوسرے نوکر کا دانت ٹوٹ گیا، وہ فریاد لے کر حضور ﷺ کے پاس پہنچا اور قصاص کا مطالبہ کیا، آپ نے کوئی قصاص نہیں دلوایا، بلکہ اس کو ڈانٹا کہ کیا وہ تیرے منہ میں اپنا ہاتھ دیئے رہتا کہ تو اس کو سانڈ کی طرح چپاتا رہتا!

[٥-] بَابُ الْأَجِيْرِ فِي الْغَزْوِ

[٢٢٦٥-] حدثنا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ عُلَيَّةَ، أَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِيْ عَطَاءٌ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَعْلٰى، عَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ، قَالَ: غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم جَيْشَ الْعُسْرَةِ، فَكَانَ مِنْ أَوْثَقِ أَعْمَالِيْ فِي نَفْسِيْ، وَكَانَ لِيْ أَجِيْرٌ، فَقَاتَلَ إِنْسَانًا، فَعَضَّ أَحَدُهُمَا إِصْبَعَ صَاحِبِهِ، فَانْتَزَعَ إِصْبَعَهُ، فَأَنْدَرَ ثَنِيَّتَهُ، فَسَقَطَتْ، فَانْطَلَقَ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَأَهْدَرَ ثَنِيَّتَهُ، وَقَالَ:" أَفَيَدَعُ إِصْبَعَهُ فِي فِيْكَ تَقْضَمُهَا؟" قَالَ: أَحْسِبُهُ قَالَ:" كَمَا يَقْضَمُ الْفَحْلُ"[راجع: ١٨٤٨]

[٢٢٦٦-] وَقَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: وَحَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِيْ مُلَيْكَةَ، عَنْ جَدِّهِ بِمِثْلِ هٰذِهِ الْقِصَّةِ، أَنَّ رَجُلاً عَضَّ يَدَ رَجُلٍ فَأَنْدَرَ ثَنِيَّتَهُ، فَأَهْدَرَهَا أَبُوْ بَكْرٍ.

قوله: فكان من أوثق أعمالي: حضرت یعلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں جیش عسرہ (غزوۂ تبوک) میں نبی ﷺ کے ساتھ تھا، اگرچہ اس غزوہ میں لڑنا نہیں پڑا، لیکن مجھے زندگی بھر کے تمام اچھے کاموں میں سب سے زیادہ اعتماد غزوۂ تبوک کی شرکت پر ہے، یعنی میرے نزدیک سب سے افضل عمل غزوۂ تبوک کی شرکت ہے اگرچہ لوگ بدر کو افضل سمجھتے ہیں۔

قوله: فانتزع إصبعه: یہ واقعہ کے متعلقات کا اختلاف ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ دوسرے نوکر نے حضرت یعلیؓ کے نوکر کی کلائی پر کاٹا تھا، اور جب اس نے اپنی کلائی چھڑائی تو دوسرے نوکر کا دانت ٹوٹ گیا۔

قوله: فأهدر ثنيته: حضور ﷺ نے اس کے دانت کو رائگاں کیا، یعنی نہ قصاص دلوایا نہ دیت دلوائی۔

قوله: أحسبه قال: راوی کہتا ہے کہ میرا خیال ہے کہ یہ ٹکرا: كما يقضم الفحل بھی حدیث میں ہے۔

ملحوظہ: دوسری حدیث: حاکم ابو احمد نے کُنی میں روایت کی ہے: اس میں عن جده کے بعد عن أبي بكر ہے، اور اس میں آخر میں فأهدرها أبوبكر ہے، مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی، کیونکہ اس کو رائگاں نبی ﷺ نے کیا تھا .... اور **قوله: بمثل هذه القصة:** مصری نسخہ میں بمثل هذه الصفة ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہی واقعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی پیش آیا ہے............ اور مغلطائی کہتے ہیں کہ اس دوسری حدیث کی سند میں دو جگہ انقطاع ہے۔

بَابٌ: إِذَا اسْتَأْجَرَ أَجِيْرًا، فَبَيَّنَ لَهُ الْأَجَلَ، وَلَمْ يُبَيِّنِ الْعَمَلَ

اجیر رکھا، اس کو کام کی مدت بتلائی، اور کام نہیں بتلایا

کتاب الاجارہ کے شروع میں بتایا ہے کہ اجارہ منفعت معلومہ کو بیچنا ہے، پس اگر منفعت دلالۃً یا عرفاً معلوم ہو تو عقد صحیح ہے، اس کا تذکرہ ضروری نہیں، اور کسی طرح بھی معلوم نہ ہو تو اجارہ فاسد ہے۔

مدین کے نیک آدمی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو تمہارے ساتھ بیاہ دوں، اس شرط پر کہ تم آٹھ سال میری نوکری کرو، پھر اگر تم دس سال پورے کرو تو یہ تمہاری طرف سے (احسان) ہے اور میں اس معاملہ میں تم پر کوئی مشقت ڈالنا نہیں چاہتا، اور تم مجھ کو اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو خوش معاملہ پاؤ گے، یعنی کام لینے میں اور وقت کی پابندی وغیرہ تمام امور میں آسانی برتوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہے اور دونوں مدتوں میں سے جس مدت کو بھی پورا کردوں مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا، اور ہم جو بات کررہے ہیں اللہ اس کے گواہ ہیں۔ اس نیک بندے نے مدت مقرر کی ہے، آٹھ سال یا دس سال، مگر کام نہیں بتلایا، کیونکہ عرف میں گھر کے ملازم سے کیا کام لیا جاتا ہے وہ معلوم ہے، اسی طرح تعمیر لگ رہی ہے، مزدور کو بلایا تو معلوم ہے کہ اسے کیا کرنا ہے یا مستری کو رکھا تو معلوم ہے کہ اسے کیا کرنا ہے، یا مدرس رکھا تو معلوم ہے کہ اس کو کیا کرنا ہے، وقت کی پابندی کے ساتھ مفوضہ کام انجام دینا ہے۔

[٦-] بَابٌ: إِذَا اسْتَأْجَرَ أَجِيْرًا، فَبَيَّنَ لَهُ الْأَجَلَ، وَلَمْ يُبَيِّنِ الْعَمَلَ

لِقَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿إِنِّيْ أُرِيْدُ أَنْ أُنْكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى مَانَقُوْلُ وَكِيْلٌ﴾ [القصص:٢٧-٢٨] يَأْجُرُ فُلَانًا: يُعْطِيْهِ أَجْرًا، وَمِنْهُ فِي التَّعْزِيَةِ: آجَرَكَ اللّٰهُ.

لغات: آیت کریمہ میں ﴿أَنْ تَأْجُرَنِيْ﴾ آیا ہے کہ تو میری نوکری کرے، تو میری مزدوری کرے۔ أَجَرَ يَأْجُرُ (ن) أَجْرًا کے معنی ہیں: کسی کی مزدوری کرنا، أن ناصبہ ہے، تأجر مضارع کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے، نون وقایہ کا ہے اور ی ضمیر واحد متکلم ہے۔ اور أَجَرَ اللّٰهُ عَبْدَهُ کے معنی ہیں: ثواب دینا، یہی معنی آجر إِيْجَارًا (باب افعال) کے ہیں، چنانچہ تعزیت کے موقع پر کہتے ہیں: آجرك الله: اللہ آپ کو مصیبت کا بدلہ دے۔

بَابٌ: إِذَا اسْتَأْجَرَ أَجِيْرًا عَلٰى أَنْ يُقِيْمَ حَائِطًا يُرِيْدُ أَنْ يَنْقَضَّ جَازَ

اجیر رکھا کہ بوسیدہ دیوار سیدھی کردے تو یہ جائز ہے

اجارہ کی ایک شکل ٹھیکہ دینا ہے، دیوار بوسیدہ ہوگئی، مستری کو بلایا اور کہا کہ یہ دیوار ٹھیک کردے، کتنے پیسے لے گا؟ اس

نے کہا: سات سوروپے، یہ ٹھیکہ ہوگیا، یہ جائز ہے۔ کیونکہ یہ بھی ایک طرح کا اجارہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعلیمی سفرنامہ میں یہ جملہ آیا ہے: ﴿لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا﴾ موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے کہا: اگر آپ دیوار سیدھی کرنے کا ٹھیکہ لیتے تو کیا اچھا ہوتا، ہم کچھ خرید کر کھا پی لیتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دیوار سیدھی کرنے کے لئے یا کسی بھی کام کے لئے ٹھیکہ دینا جائز ہے۔

[۷-] بَابٌ: إِذَا اسْتَأْجَرَ أَجِيْرًا عَلٰى أَنْ يُقِيْمَ حَائِطًا يُرِيْدُ أَنْ يَنْقَضَّ جَازَ

[۲۲۶۷-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسَى، أَنَا هِشَامُ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ يَعْلٰى بْنُ مُسْلِمٍ، وَعَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ، يَزِيْدُ أَحَدُهُمَا عَلٰى صَاحِبِهِ، وَغَيْرُهُمَا قَالَ: قَدْ سَمِعْتُهُ يُحَدِّثُهُ عَنْ سَعِيْدٍ، قَالَ: قَالَ لِيْ ابْنُ عَبَّاسٍ: ثَنِيْ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: ﴿فَانْطَلَقَا فَوَجَدَا جِدَارًا يُرِيْدُ أَنْ يَّنْقَضَّ﴾ [الكهف: ۷۷]- قَالَ سَعِيْدٌ: بِيَدِهِ هٰكَذَا- وَرَفَعَ يَدَهُ - فَاسْتَقَامَ" قَالَ يَعْلٰى: حَسِبْتُ أَنَّ سَعِيْدًا قَالَ: " فَمَسَحَهُ بِيَدِهِ فَاسْتَقَامَ قَالَ: ﴿لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا﴾ [الكهف: ۷۷]" قَالَ سَعِيْدٌ: أَجْرًا نَأْكُلُهُ. [راجع: ۷۴]

وضاحت: یہ لمبی حدیث ہے، کتاب التفسیر (حدیث ۴۷۲۶) میں مفصل ہے، ابن جریج یہ حدیث متعدد اساتذہ سے روایت کرتے ہیں، ان میں سے یعلی اور عمرو بن دینار بصیغۂ عن حضرت سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہیں، اور ان دونوں میں سے ایک اپنے ساتھی پر حدیث میں اضافہ کرتا ہے۔ ابن جریج نے دونوں کی حدیثوں کو ملا کر ایک کیا ہے۔ اور ابن جریج یہ حدیث ان دونوں کے علاوہ اساتذہ سے بھی روایت کرتے ہیں، ان میں سے ایک سماع کی صراحت کرتا ہے، کہتا ہے: قد سمعتُه يحدِّثُه عن سعيد: ابن جریج کہتے ہیں: میں نے اس کو سنا وہ حضرت سعید بن جبیر سے سن کر حدیث نقل کرتا ہے۔

قال سعيد بيده هكذا: حضرت سعیدؒ نے اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا، قال کے صلہ میں باء آئے تو اس کے معنی اشارہ کرنے کے ہوتے ہیں، اور اٹھایا سعید نے اپنا ہاتھ، یعنی دیوار کی جڑ میں ہاتھ رکھ کر اوپر کی طرف اٹھایا، تو دیوار سیدھی ہوگئی۔

بَابُ الإِجَارَةِ إِلٰى نِصْفِ النَّهَارِ، وَبَابُ الإِجَارَةِ إِلٰى صَلَاةِ الْعَصْرِ

آدھے دن کے لئے مزدور رکھنا، اور نماز عصر تک کے لئے مزدور رکھنا

یہ تین باب ہیں، پہلا باب ہے: آدھے دن کے لئے مزدور رکھنا۔ دوسرا باب ہے: دوپہر سے عصر کی نماز تک کے لئے

مزدور رکھنا، پھر تیسرا باب آئے گا باب الإجارة من العصر إلى الليل، عصر کے وقت سے رات تک کے لئے مزدور رکھنا، اور بیچ میں دفع دخل مقدر کے طور پر باب آئے گا: باب إثم من منع أجر الأجير: مزدور کو مزدوری نہ دینے کا گناہ، ان تینوں بابوں میں ایک ہی واقعہ ہے، جو بخاری شریف میں کئی جگہ آیا ہے، اور پہلے بھی آچکا ہے۔

اور دورِ اول میں روایت بالمعنی کی جاتی تھی، صحابہ ایک ہی واقعہ مختلف اوقات میں بیان کرتے تھے، ایسی صورت میں واقعہ کے متعلقات میں کچھ اختلاف ناگزیر ہے، اس لئے اس کو نظر انداز کرنا چاہئے۔ اور واقعہ کی صحیح نوعیت یہ ہے کہ پہلے مزدروں کو دن بھر کے لئے رکھا تھا، اور دوسروں کو دوپہر سے شام تک کے لئے اور تیسروں کو عصر سے رات تک کے لئے، لیکن مسئلہ کی رو سے اگر آپ آدھے دن کے لئے مزدور رکھیں تو جائز ہے۔

واقعہ کی صحیح نوعیت: پہلے حدیث ۵۵۸ آئی ہے، نبی ﷺ نے یہود ونصاری اور مسلمانوں کی ایک مثال بیان فرمائی: ایک شخص کو کوئی ضروری تعمیر کرنی ہے، اور شام تک اس کو نمٹانا ہے، وہ مزدور لایا اور دہاڑی ایک ایک قیراط طے کی، دوپہر کو وہ تھک گئے، انھوں نے کہا: اب ہم آگے کام نہیں کریں گے، اور جو کام ہم نے کیا ہے اس کی اجرت بھی نہیں چاہئے، پھر بھی مالک نے ان کو پوری اجرت دے کر رخصت کیا، پھر وہ رات تک کے لئے دوسرے مزدور لایا، ان کی اجرت بھی ایک ایک قیراط طے کی، عصر کے وقت وہ بھی تھک گئے، انھوں نے کہہ دیا کہ ہم آگے کام نہیں کریں گے، اور جو کام ہم نے کیا ہے اس کی مزدوری بھی ہمیں نہیں چاہئے، پھر بھی مالک نے ان کو پوری اجرت دے کر رخصت کیا، پھر وہ تیسرے مزدور رات تک کے لئے لایا، اور ان سے کہا: لگ لپٹ کر کام پورا کرو، میں تمھیں ڈبل مزدوری دوں گا، چنانچہ انھوں نے کام پورا کیا اور دو قیراط پائے، پس پہلے دونوں مزدور آئے، کہنے لگے: کام ہم نے زیادہ کیا اور ہمیں ایک ایک قیراط ملا، اور انھوں نے کام تھوڑا کیا اور ڈبل مزدوری پائی۔ مالک نے کہا: میں نے جو تم سے مزدوری طے کی تھی وہ پوری دی یا نہیں؟ انھوں نے کہا: آپ نے ہمیں مزدوری پوری دی، آقا نے کہا: پھر تمہارا کیا مطالبہ ہے؟ مجھے جس کا کام پسند آیا اس کو ڈبل مزدوری دی، تمہارا تو کوئی حق نہیں مارا، پہلے مزدور یہود ہیں، دوسرے نصاری اور آخری مزدور یہ امت ہے جس نے لگ لپٹ کر کام نمٹا دیا ہے، اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہوئے اور ان کو ایک کے دس دیئے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

[۸-] بَابُ الإِجَارَةِ إِلٰى نِصْفِ النَّهَارِ

[۲۲۶۸-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، ثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " مَثَلُكُمْ وَمَثَلُ أَهْلِ الْكِتَابَيْنِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَأْجَرَ أُجَرَاءَ، فَقَالَ: مَنْ يَعْمَلُ لِيْ مِنْ غُدْوَةٍ إِلٰى نِصْفِ النَّهَارِ عَلٰى قِيْرَاطٍ؟ فَعَمِلَتِ الْيَهُوْدُ، ثُمَّ قَالَ: مَنْ يَعْمَلُ لِيْ مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ إِلٰى صَلَاةِ الْعَصْرِ عَلٰى قِيْرَاطٍ؟ فَعَمِلَتِ النَّصَارٰى، ثُمَّ قَالَ: مَنْ يَعْمَلُ مِنَ الْعَصْرِ إِلٰى أَنْ تَغِيْبَ الشَّمْسُ

عَلٰى قِيْرَاطَيْنِ؟ فَأَنْتُمْ هُمْ، فَغَضِبَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى، فَقَالُوْا: مَا لَنَا أَكْثَرَ عَمَلاً وَأَقَلَّ عَطَاءً؟ قَالَ: هَلْ نَقَصْتُكُمْ مِنْ حَقِّكُمْ؟ قَالُوْا: لاَ، قَالَ: فَذٰلِكَ فَضْلِيْ أُوْتِيْهِ مَنْ أَشَاءُ"[راجع: ۵۵۷]

[۹-] بَابُ الإِجَارَةِ إِلٰى صَلاَةِ الْعَصْرِ

[۲۲۶۹-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ أَبِيْ أُوَيْسٍ، ثَنِيْ مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ مَوْلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ:" إِنَّمَا مَثَلُكُمْ وَالْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى كَرَجُلٍ اسْتَعْمَلَ عُمَّالاً، فَقَالَ: مَنْ يَعْمَلُ لِيْ إِلٰى نِصْفِ النَّهَارِ عَلٰى قِيْرَاطٍ قِيْرَاطٍ؟ فَعَمِلَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى قِيْرَاطٍ قِيْرَاطٍ، ثُمَّ عَمِلَتِ النَّصَارٰى عَلٰى قِيْرَاطٍ قِيْرَاطٍ، ثُمَّ أَنْتُمُ الَّذِيْنَ تَعْمَلُوْنَ مِنْ صَلاَةِ الْعَصْرِ إِلٰى مَغَارِبِ الشَّمْسِ عَلٰى قِيْرَاطَيْنِ قِيْرَاطَيْنِ، فَغَضِبَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى وَقَالُوْا: نَحْنُ أَكْثَرُ عَمَلاً وَأَقَلُّ عَطَاءً! قَالَ: هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ حَقِّكُمْ شَيْئًا؟ قَالُوْا: لاَ، قَالَ: فَذٰلِكَ فَضْلِيْ أُوْتِيْهِ مَنْ أَشَاءُ"

[راجع: ۵۵۷]

وضاحت: ان دونوں روایتوں میں پہلے مزدوروں کے تعلق سے إلی نصف النھار آیا ہے، اس لئے حضرت نے پہلا باب قائم کیا ہے، حالانکہ وہ بھی پورے دن کے لئے رکھے گئے تھے۔

بَابُ إِثْمِ مَنْ مَنَعَ أَجْرَ الأَجِيْرِ

اجیر کو اجرت نہ دینے کا گناہ

مزدور رکھا، کام لے لیا، اور مزدوری نہیں دی، یہ ان تین شخصوں میں سے ایک ہے جس کے خلاف قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دعوی دائر کریں گے۔ اور حدیث پہلے گذر چکی ہے۔ اور یہ باب دفع دخل مقدر کے طور پر لائے ہیں کہ جتنے وقت کا اجارہ ہوا ہے، اس کی پوری مزدوری دینی چاہئے، مگر حدیث میں ہے کہ مزدوروں نے درمیان میں خود کام چھوڑ دیا تھا، اور انھوں نے تسلیم کیا تھا کہ ان کا اجرت کا استحقاق نہیں ہے، ہاں اگر کوئی معقول عذر کی وجہ سے کام چھوڑ دے تو جتنی دیر کام کیا ہے اتنی اجرت دینی چاہئے، مگر کریم آقا نے بلا وجہ درمیان میں کام چھوڑنے پر بھی پوری اجرت دی، یہ اس کا کرم واحسان ہے۔

[۱۰-] بَابُ إِثْمِ مَنْ مَنَعَ أَجْرَ الأَجِيْرِ

[۲۲۷۰-] حدثنا يُوْسُفُ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بْنِ أُمَيَّةَ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِيْ

سَعِيْدٍ، عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ صلی الله عليه وسلم، قَالَ:" قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: رَجُلٌ أَعْطٰی بِیْ ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيْرًا فَاسْتَوْفٰی مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهِ أَجْرَهُ"[راجع: ٢٢٢٧]

بَابُ الإِجَارَةِ مِنَ الْعَصْرِ إِلَی اللَّيْلِ

عصر سے رات تک کے لئے مزدور رکھنا

اس باب اور حدیث کے بارے میں پہلے گفتگو آچکی ہے، اور باب کی حدیث سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ عصر کا وقت دو مثل سے شروع ہوتا ہے، کیونکہ زوال سے ایک مثل کے ختم تک اور دوسرے مثل سے غروب تک تقریباً وقت مساوی ہوتا ہے، صرف آدھے گھنٹہ کا فرق رہتا ہے، یہ فرق آج گھڑیوں کے زمانہ میں تو معلوم کیا جاسکتا ہے، لیکن اگر گھڑی نہ ہو تو یہ فرق محسوس نہیں کیا جاسکتا۔ نیز باب کی روایت میں ہے: بَقِیَ من النهار شيئ يسير: پس وقت تھوڑا ہی بچا ہے! معلوم ہوا کہ عصر کا وقت تیسرے مثل سے شروع ہوتا ہے۔

[١١-] بَابُ الإِجَارَةِ مِنَ الْعَصْرِ إِلَی اللَّيْلِ

[٢٢٧١-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، ثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِیْ بُرْدَةَ، عَنْ أَبِیْ مُوْسَی، عَنِ النَّبِیِّ صلی الله عليه وسلم، قَالَ:" مَثَلُ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰی كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَأْجَرَ قَوْمًا يَعْمَلُوْنَ لَهُ عَمَلاً يَوْمًا إِلَی اللَّيْلِ عَلٰی أَجْرٍ مَعْلُوْمٍ، فَعَمِلُوْا لَهُ إِلٰی نِصْفِ النَّهَارِ، فَقَالُوْا: لَاحَاجَةَ لَنَا إِلٰی أَجْرِكَ الَّذِیْ شَرَطْتَ لَنَا، وَمَا عَمِلْنَا بَاطِلٌ، فَقَالَ لَهُمْ: لَا تَفْعَلُوْا، أَكْمِلُوا بَقِيَّةَ عَمَلِكُمْ، وَخُذُوْا أَجْرَكُمْ كَامِلاً، فَأَبَوْا وَتَرَكُوْا. وَاسْتَأْجَرَ آخَرِيْنَ بَعْدَهُمْ، فَقَالَ: أَكْمِلُوا بَقِيَّةَ يَوْمِكُمْ هٰذَا، وَلَكُمُ الَّذِیْ شَرَطْتُ لَهُمْ مِنَ الْأَجْرِ، فَعَمِلُوْا حَتّٰی إِذَا كَانَ حِيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ، قَالُوْا: لَكَ مَا عَمِلْنَا بَاطِلٌ، وَلَكَ الْأَجْرُ الَّذِیْ جَعَلْتَ لَنَا فِيْهِ. فَقَالَ لَهُمْ: أَكْمِلُوْا بَقِيَّةَ عَمَلِكُمْ فَإِنَّ مَا بَقِیَ مِنَ النَّهَارِ شَيْئٌ يَسِيْرٌ، فَأَبَوْا، فَاسْتَأْجَرَ قَوْمًا أَنْ يَعْمَلُوْا لَهُ بَقِيَّةَ يَوْمِهِمْ، فَعَمِلُوْا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمْ حَتّٰی غَابَتِ الشَّمْسُ، وَاسْتَكْمَلُوْا أَجْرَ الْفَرِيْقَيْنِ كِلَيْهِمَا، فَذٰلِكَ مَثَلُهُمْ وَمَثَلُ مَا قَبِلُوْا مِنْ هٰذَا النُّوْرِ"[راجع: ٥٥٨]

وضاحت: اس حدیث میں پہلے مزدوروں کے معاملہ میں ہے: یوماً إلی اللیل: یہی صحیح واقعہ ہے، وہ دن بھر کے لئے رکھے گئے تھے.......... من هذا النور سے مراد شریعت ہے، یہود ونصاری نے دین پر عمل کم کیا، اور یہ امت عمل میں ان سے آگے بڑھ گئی۔

بَابُ مَنِ اسْتَأْجَرَ أَجِيْرًا فَتَرَكَ أَجْرَهُ فعَمِلَ فِيْهِ الْمُسْتَأْجِرُ فَزَادَ أَوْ مَنْ عَمِلَ فِي مَالِ غَيْرِهِ فَاسْتَفْضَلَ

(۱)مزدور رکھا وہ اپنی مزدوری چھوڑ کر چلا گیا، پس مالک نے اس کو بڑھایا

(۲) یا جس نے دوسرے کے مال میں عمل کیا، پس اس کو بڑھایا

اس باب میں دو باتیں ہیں، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے دونوں کا حکم بیان نہیں کیا، مہمل چھوڑ دیا ہے:

پہلی بات: ایک مزدور اپنی مزدوری چھوڑ کر چلا گیا، مالک نے اس میں عمل کیا اور اس کو بڑھایا، پس یہ بڑھوتری مزدور کا حق نہیں، کیونکہ مزدور نے اپنی مزدوری پر قبضہ نہیں کیا، اس لئے وہ اس کا مالک نہیں ہوا، پس یہ اضافہ اس کا حق نہیں۔

اور حدیث میں ان تین شخصوں کا واقعہ ہے جو کسی غار میں پھنس گئے تھے، پھر انھوں نے دعا کی تھی، اور اللہ نے ان کو نجات بخشی تھی، ان میں سے تیسرے نے دعا کی تھی: اے اللہ! میرے یہاں ایک شخص نے مزدوری کی اور وہ ناراض ہوکر اجرت لئے بغیر چلا گیا، میں نے اس کی اجرت (ایک فرق مکئی) کو اپنے کھیت میں علاحدہ بودیا، اس سے جو پیداوار ہوئی وہ پھر بوئی، پھر پیداوار ہوئی وہ پھر بوئی، اس طرح بڑھتے بڑھتے میں نے اس پیداوار سے مرغیاں خریدیں، پھر بکریاں خریدیں، پھر گائیں خریدیں۔ ایک عرصہ کے بعد وہ مزدور آیا اور اس نے اپنی مزدوری مانگی، میں نے کہا: یہ سارا ریوڑ چرواہے کے ساتھ تیرا ہے، چنانچہ وہ لے کر چلا گیا۔ اس واقعہ میں تیسرے شخص نے جو بڑھایا ہوا سب دیدیا تھا وہ اس کے کریمانہ اخلاق کا اعلی نمونہ اور بڑا ثواب کا کام تھا، مگر وہ شرعی مسئلہ نہیں، اور وہ اضافہ مزدور کا حق نہیں۔

دوسری بات: کسی کے مال میں آدمی نے تصرف کیا، مثلاً کسی نے اس کے پاس ایک من گیہوں یا ایک لاکھ روپے امانت رکھے تھے، اس نے اس کو بویا یا کاروبار میں لگا کر بڑھایا تو اگر اس عمل کو مالک جائز رکھے تو فضولی کا عمل ہوگا، اور فضولی کا مسئلہ پہلے گذر چکا ہے، اور وہاں یہ حدیث بھی گذری ہے، اور اگر وہ اس تصرف کو نافذ نہ رکھے یعنی جائز قرار نہ دے تو اس پر غصب کے احکام جاری ہونگے، اصل مال مالک کو واپس کیا جائے گا اور اضافہ کو (مصارف منہا کرکے) صدقہ کرنا واجب ہوگا۔

[۱۲-] بَابُ مَنِ اسْتَأْجَرَ أَجِيْرًا فَتَرَكَ أَجْرَهُ فعَمِلَ فِيْهِ الْمُسْتَأْجِرُ فَزَادَ أَوْ مَنْ عَمِلَ فِي مَالِ غَيْرِهِ فَاسْتَفْضَلَ

[۲۲۷۲-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، أَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، ثَنِيْ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "انْطَلَقَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَتَّى أَوَوُا

الْمَبِيْتَ إِلٰى غَارٍ فَدَخَلُوْهُ، فَانْحَدَرَتْ صَخْرَةٌ مِنَ الْجَبَلِ، فَسَدَّتْ عَلَيْهِمُ الْغَارَ، فَقَالُوْا: إِنَّـهُ لاَ يُنْجِيْكُمْ مِنْ هٰذِهِ الصَّخْرَةِ إِلَّا أَنْ تَدْعُوْا اللّٰهَ بِصَالِحِ أَعْمَالِكُمْ.

فَقَالَ رَجُلٌ مِنْهُمْ: اللّٰهُمَّ كَانَ لِيْ أَبَوَانِ شَيْخَانِ كَبِيْرَانِ، وَكُنْتُ لاَ أَغْبِقُ قَبْلَهُمَا أَهْلاً وَلاَمَالاً، فَنَأَى بِيْ فِي طَلَبِ شَيْئٍ يَوْمًا، فَلَمْ أُرِحْ عَلَيْهِمَا حَتّٰى نَامَا، فَحَلَبْتُ لَهُمَا غَبُوْقَهُمَا، فَوَجَدْتُهُمَا نَائِمَيْنِ، فَكَرِهْتُ أَنْ أَغْبِقَ قَبْلَهُمَا أَهْلاً وَمَالاً، فَلَبِثْتُ وَالْقَدَحُ عَلٰى يَدَيَّ أَنْتَظِرُ اسْتِيْقَاظَهُمَا حَتّٰى بَرَقَ الْفَجْرُ، فَاسْتَيْقَظَا فَشَرِبَا غَبُوْقَهُمَا. اللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَفَرِّجْ عَنَّا مَا نَحْنُ فِيْهِ مِنْ هٰذِهِ الصَّخْرَةِ، فَانْفَرَجَتْ شَيْئًا لاَ يَسْتَطِيْعُوْنَ الْخُرُوْجَ.

قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "وَقَالَ الآخَرُ: اللّٰهُمَّ كَانَتْ لِي بِنْتُ عَمٍّ كَانَتْ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَيَّ، فَأَرَدْتُهَا عَنْ نَفْسِهَا، فَامْتَنَعَتْ مِنِّيْ، حَتّٰى اَلَمَّتْ بِهَا سَنَةٌ مِنَ السِّنِيْنَ، فَجَاءَ تْنِيْ، فَأَعْطَيْتُهَا عِشْرِيْنَ وَمِائَةَ دِيْنَارٍ عَلٰى أَنْ تُخَلِّيَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ نَفْسِهَا، فَفَعَلَتْ، حَتّٰى إِذَا قَدَرْتُ عَلَيْهَا، قَالَتْ: لاَ أُحِلُّ لَكَ أَنْ تَفُضَّ الْخَاتَمَ إِلَّا بِحَقِّهِ، فَتَحَرَّجْتُ مِنَ الْوُقُوْعِ عَلَيْهَا، فَانْصَرَفْتُ عَنْهَا، وَهِيَ أَحَبُّ النَّاسِ إِلَيَّ، وَتَرَكْتُ الذَّهَبَ الَّذِيْ أَعْطَيْتُهَا. اللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا مَا نَحْنُ فِيْهِ، فَانْفَرَجَتْ الصَّخْرَةُ غَيْرَ أَنَّهُمْ لاَ يَسْتَطِيْعُوْنَ الْخُرُوْجَ مِنْهَا"

قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "وَقَالَ الثَّالِثُ: اللّٰهُمَّ إِنِّيْ اسْتَأْجَرْتُ أُجَرَاءَ، فَأَعْطَيْتُهُمْ أَجْرَهُمْ، غَيْرَ رَجُلٍ وَاحِدٍ، تَرَكَ الَّذِيْ لَهُ وَذَهَبَ، فَثَمَّرْتُ أَجْرَهُ حَتّٰى كَثُرَتْ مِنْهُ الْأَمْوَالُ، فَجَاءَ نِيْ بَعْدَ حِيْنٍ، فَقَالَ: يَا عَبْدَ اللّٰهِ! أَدِّ إِلَيَّ أَجْرِيْ، فَقُلْتُ لَهُ: كُلُّ مَاتَرَى مِنْ أَجْرِكَ مِنَ الإِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ وَالرَّقِيْقِ. فَقَالَ: يَا عَبْدَ اللّٰهِ، لاَ تَسْتَهْزِئْ بِيْ، فَقُلْتُ: إِنِّيْ لاَ أَسْتَهْزِئُ بِكَ، فَأَخَذَهُ كُلَّهُ فَاسْتَاقَهُ، فَلَمْ يَتْرُكْ مِنْهُ شَيْئًا، اللّٰهُمَّ فَإِنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا مَا نَحْنُ فِيْهِ، فَانْفَرَجَتِ الصَّخْرَةُ فَخَرَجُوْا يَمْشُوْنَ"

[راجع: ۲۲۱۵]

لغات: غَبَقَه (ض) غَبْقًا: شام کا مشروب پلانا، الغَبُوْق: شام کا مشروب .... ولامالاً: سے مراد غلام باندی ہیں .... سَنَة: قحط سالی، تنگ حالی .... سو دینار دیئے تھے یا ایک سو بیس؟ یہ واقعہ کے متعلقات کا اختلاف ہے۔

بَابُ مَنْ آجَرَ نَفْسَهُ لِيَحْمِلَ عَلٰى ظَهْرِهِ، ثُمَّ تَصَدَّقَ مِنْهُ، وَأَجْرِ الْحَمَّالِ

جس نے خود کو مزدوری پر لگایا تاکہ پیٹھ پر سامان ڈھوئے پھر اس سے خیرات کی، اور حمال کی اجرت

اس باب میں بھی دو باتیں ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ سامان ڈھونے کی مزدوری کرنا جائز وطیب ہے۔ دارالعلوم کے

مطبخ میں بوریاں اٹھانے کے لئے مزدور رکھا جاتا ہے، یہ مزدوری کرنا جائز ہے اور آمدنی طیب ہے اور یہ دوسری بات پہلی بات سے مستفاد ہے، حدیث کا تعلق پہلی بات سے ہے، مگر یہ دوسری بات بھی اس سے نکلتی ہے۔

اور پہلی بات یہ ہے کہ اپنے آپ کو کرایہ پر دیا یعنی مزدور رہا، تاکہ پیٹھ پر سامان ڈھوئے، پھر جو آمدنی ہوئی اس سے خیرات کی تو یہ ایک مثالی کارنامہ ہے، اسی کا نام جُهْدُ الْمُقِلّ ہے، یعنی نادار کی آخری درجہ کی کوشش!

اور حدیث یہ ہے کہ جب نبی ﷺ چندے کا اعلان کرتے تھے، جب کوئی مہم پیش آتی تھی، فوج تیار کر کے جہاد کے لئے بھیجنی ہوتی تھی تو چندہ کا اعلان کیا جاتا تھا، اس وقت بعض صحابہ جن کے پاس کچھ نہیں تھا جیسے اصحابِ صفہ وہ بازار چلے جاتے، اور سامان اٹھانے کی مزدوری کرتے، اور جو مزدوری ملتی لاکر چندہ میں دیتے۔

ایسا اعلان اس وقت بھی ہوتا تھا جب کسی قبیلہ کے بہت لوگ آکر مسلمان ہوتے تھے اور وہ قبیلہ غریب ہوتا تھا اور جو لوگ آئے ہیں وہ بھی غریب ہوتے تھے، ان کے تعاون کے لئے بھی نبی ﷺ اعلان کرتے تھے کہ صدقہ کرو۔

راوی کہتے ہیں: اس زمانہ میں صحابہ کا یہ حال تھا کہ صدقہ کرنے کے لئے مزدوری کرتے تھے، اور جو ملتا تھا وہ لاکر خیرات کرتے تھے، آج ان کے پاس ایک لاکھ روپے ہیں، راوی خود اپنی ذات کو مراد لے رہے ہیں۔

[۱۳-] بَابُ مَنْ آجَرَ نَفْسَهُ لِيَحْمِلَ عَلٰى ظَهْرِهِ، ثُمَّ تَصَدَّقَ مِنْهُ، وَأَجْرِ الْحَمَّالِ

[۲۲۷۳-] حدثنا سَعِيْدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ الْقُرَشِيِّ، ثَنَا أَبِيْ، ثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ شَقِيْقٍ، عَنْ أَبِيْ مَسْعُوْدٍ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا أَمَرَنَا بِالصَّدَقَةِ انْطَلَقَ أَحَدُنَا إِلَى السُّوْقِ فَيُحَامِلُ فَيُصِيْبُ الْمُدَّ وَإِنَّ لِبَعْضِهِمْ لَمِائَةَ أَلْفٍ. قَالَ: مَانَرَاهُ إِلَّا نَفْسَهُ.

لغت: فَيُحَامِلُ: مارکیٹ میں جاکر بیٹھ جاتا، تاکہ جس کو سامان اٹھوانا ہے اس کو لے جائے: يَطلب أن يَحمِلَ بالأجرة (فتح) مُدّ: چوتھائی صاع............قال: مانراه: راوی کہتے ہیں: حضرت ابومسعودؓ خود اپنی ذات کو مراد لے رہے ہیں۔

بَابُ أَجْرِ السَّمْسَرَةِ

دلالی کی اجرت

السَّمْسَرَة: مصدر ہے، السِّمْسَار: دلال، آڑتی، جمع: سَمَاسِرَة فارسی لفظ کا معرب ہے، بائع اور مشتری کے درمیان سہولت پیدا کرنے کے لئے کمیشن پر ثالثی کرنے والا، اگر اجرت معلوم ہو یا معلوم جیسی ہو تو بالاتفاق جائز ہے اور یہ بھی اجارہ کی ایک قسم ہے، اور اکابر کی رائیں اس مسئلہ میں درج ذیل ہیں:

۱- حضرات محمد بن سیرین، عطاء بن ابی رباح، ابراہیم نخعی اور حسن بصری رحمہم اللہ کے نزدیک دلالی کی اجرت کی گنجائش ہے۔

۲-حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اگر کسی کو کپڑا دیا اور کہا کہ اتنے میں بیچ دے، اس سے جو زیادہ ملے گا وہ تیرا ہے تو اس کی گنجائش ہے۔

۳-ابن سیرین رحمہ اللہ نے فرمایا: جب اس سے کہا کہ اتنے میں بیچ، باقی جو نفع ہوگا وہ تیرا یا میرے اور تیرے درمیان (آدھا آدھا) ہے تو اس کی گنجائش ہے۔

۴-شامی میں محمد بن سلمہ کا قول دلال کی اجرت کے بارے میں ہے: أرجو أنه لابأس به: مجھے امید ہے کہ اس کی گنجائش ہے، اگرچہ اصل کے اعتبار سے یہ معاملہ فاسد ہے مگر تعامل کی وجہ سے اس کی گنجائش ہے (یہ اضافہ ہے)

پہلی حدیث: ترمذی شریف میں حدیث (نمبر ۱۳۳۵) ہے کہ مسلمان اپنی شرطوں پر ہیں، مگر وہ شرط جو حلال کو حرام کرے یا حرام کو حلال کرے: وہ جائز نہیں، پس جب بائع اور مشتری کے درمیان ایک بات طے ہوگئی اور وہ شریعت کے خلاف بھی نہیں، اور اجرت طے شدہ ہے تو اس حدیث کی رو سے کمیشن ایجنٹ بننا جائز ہے۔

تشریح: شروط: شرط کی جمع ہے، شرط کے معنی ہیں: دفعہ، کسی انجمن یا ادارے یا ملک کا دستور بنانا ہو تو اس میں جو چاہیں دفعات رکھ سکتے ہیں، بس ایک شرط ہے کہ شریعت کے خلاف کوئی دفعہ نہ ہو، مثلاً مدرسہ کے دستور میں یہ دفعہ رکھنا کہ اگر کوئی ملازم اچانک استعفیٰ دے کر چلا جائے تو اتنا جرمانہ دینا ہوگا، ایسی شرط نہیں رکھ سکتے، کیونکہ شریعت میں مالی جرمانہ جائز نہیں، اس حدیث کے عموم میں آڑت (دلالی) بھی آتی ہے، کسی پیڑھی والے کو مال فروخت کرنے کے لئے دیا، اس نے کہا: دو فیصد کمیشن لوں گا تو یہ جائز ہے۔

دوسری حدیث: پہلے گذر چکی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے تجارتی قافلہ سے ملاقات کرنے سے منع فرمایا۔ اور کوئی شہری کسی دیہاتی کے لئے نہ بیچے، حضرت طاؤسؒ نے پوچھا: اس کا کیا مطلب ہے؟ ابن عباسؓ نے فرمایا: دیہاتی کا دلال نہ بنے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ شہری شہری کے لئے دلال بن سکتا ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے ہے، ورنہ ممانعت عمرانی مصلحت سے ہے، جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، پس شہری دیہاتی کا بھی کمیشن ایجنٹ بن سکتا ہے۔

[۱۴-] بَابُ أَجْرِ السَّمْسَرَةِ

[۱-] وَلَمْ يَرَ ابْنُ سِيرِينَ وَعَطَاءٌ وَإِبْرَاهِيمُ وَالْحَسَنُ بِأَجْرِ السِّمْسَارِ بَأْسًا.

[۲-] وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَابَأْسَ أَنْ يَقُولَ: بِعْ هٰذَا الثَّوْبَ، فَمَا زَادَ عَلٰى كَذَا وَكَذَا فَهُوَ لَكَ.

[۳-] وَقَالَ ابْنُ سِيرِيْنَ: إِذَا قَالَ: بِعْهُ بِكَذَا وَكَذَا، فَمَا كَانَ مِنْ رِبْحٍ فَهُوَ لَكَ أَوْ بَيْنِي وَبَيْنَكَ؛ فَلَا بَأْسَ بِهِ.

[٤-] وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "اَلْمُسْلِمُوْنَ عِنْدَ شُرُوْطِهِمْ"

[٢٢٧٤-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، ثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ يُتَلَقَّى الرُّكْبَانُ، وَلَا يَبِيْعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ، قُلْتُ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ! مَاقَوْلُهُ: "لَا يَبِيْعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ؟" قَالَ: لَايَكُوْنُ لَهُ سِمْسَارًا. [راجع: ٢١٥٨]

بَابٌ: هَلْ يُؤَاجِرُ الرَّجُلُ نَفْسَهُ مِنْ مُشْرِكٍ فِي أَرْضِ الْحَرْبِ؟

کیا غیر اسلامی ملک میں غیر مسلم کے یہاں نوکری کر سکتے ہیں؟

ہندوستان جیسے ملک میں جو غیر اسلامی ملک ہے، اگر کوئی مسلمان غیر مسلم کے یہاں نوکری کرے تو کر سکتا ہے، اور بنگلہ دیش اور پاکستان جیسے ملک میں جو اسلامی ملک ہیں اگر کوئی مسلمان غیر مسلم کے یہاں نوکری کرنا چاہے تو بھی کر سکتا ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلے اس کی برعکس صورت کا جواز دو شرطوں کے ساتھ بیان کیا ہے، ایک یہ کہ غیر مسلم کو ملازم رکھنے کی ضرورت (مجبوری) ہو، دوسرے یہ کہ مسلمان ملازم دستیاب نہ ہو۔ اور باب میں مذکور صورت کے بارے میں کوئی دو ٹوک فیصلہ نہیں کیا، ھل استفہامیہ لائے ہیں، مگر حدیث سے اس صورت کا بھی جواز ثابت ہوتا ہے۔

حدیث: پہلے آچکی ہے، حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے جو مسلمان تھے ہجرت سے پہلے مکہ میں جو دارالحرب تھا، عاص بن وائل کا جو غیر مسلم تھا اجیر مشترک کے طور پر لوہے کا کوئی کام کیا تھا، جس کی اجرت باقی تھی، پس جب اجیر عام کے طور پر کام کر سکتے ہیں تو اجیر خاص کے طور پر بھی کر سکتے ہیں، اور چونکہ غیر مسلم کے یہاں نوکری کرنا اپنے آپ کو ذلیل کرنا ہے، اس لئے بعض علماء نے اس کو ناجائز فرمایا ہے، مگر باب کی روایت سے جواز ثابت ہوتا ہے، اور غیر مسلم کے یہاں ملازمت کرنے میں کوئی خاص ذلت کا پہلو نہیں، اس لئے دونوں صورتیں جائز ہیں۔ اور حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ باب میں فی أرض الحرب کی قید اتفاقی ہے، دونوں ملکوں کا ایک حکم ہے۔

فائدہ: غیر مسلم کے یہاں ملازمت کرنے میں جمعہ اور جماعت سے نماز پڑھنے کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے مگر اس میں کچھ قصور مسلمان ملازم کا بھی ہے، وہ جماعت سے نماز پڑھنا چاہتا ہے اور جمعہ ادا کرنے کے لئے جانا چاہتا ہے اور اس میں جو وقت صرف ہوتا ہے اس کی تنخواہ بھی چاہتا ہے، غیر مسلم بوس (مالک) اس کے لئے روادار نہیں ہوتا، لیکن اگر مسلمان ملازم نے عبادت میں جو وقت خرچ کیا ہے اس کے بدل اُور ٹائم (اضافی کام) کرے تو کوئی نامعقول بوس ہی عبادت کے لئے جانے سے روکے گا، اس لئے مسلمان ملازم کو اس کا خاص خیال رکھنا چاہئے، وہ جو وقت عبادت میں لگائے اس کی جگہ زائد کام کرے یا اتنے وقت کی تنخواہ نہ لے، پھر ان شاء اللہ کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوگا۔

[۱۵-] بَابٌ: هَلْ يُؤَاجِرُ الرَّجُلُ نَفْسَهُ مِنْ مُشْرِكٍ فِي أَرْضِ الْحَرْبِ؟

[۲۲۷۵-] حدثنا عَمْرُ بْنُ حَفْصٍ، ثَنَا أَبِيْ، ثنَا الأَعْمَشُ، عَنْ مُسْلِمٍ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، ثَنَا خَبَّابٌ، قَالَ: كُنْتُ رَجُلاً قَيْنًا، فَعَمِلْتُ لِلْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ، فَاجْتَمَعَ لِيْ عِنْدَهُ، فَأَتَيْتُهُ أَتَقَاضَاهُ، فَقَالَ: لاَ، وَاللّٰهِ! لاَ أَقْضِيْكَ حَتَّى تَكْفُرَ بِمُحَمَّدٍ، فَقُلْتُ: أَمَا وَاللّٰهِ! حَتَّى تَمُوْتَ ثُمَّ تُبْعَثَ فَلاَ، قَالَ: وَإِنِّيْ لَمِيِّتٌ ثُمَّ مَبْعُوْثٌ؟ قُلْتُ نَعَمْ، قَالَ: فَإِنَّهُ سَيَكُوْنُ لِيْ ثَمَّ مَالٌ وَوَلَدٌ فَأَقْضِيْكَ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ أَفَرَأَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لأُوْتَيَنَّ مَالاً وَوَلَدًا﴾[مريم:۷۷] [راجع: ۲۰۹۱]

بَابُ مَايُعْطَى فِي الرُّقْيَةِ عَلٰى أَحْيَاءِ الْعَرِبِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ

سورۂ فاتحہ کے ذریعہ عرب قبیلوں کو جھاڑنے کی اجرت لینا

أحياءٌ: حَيٌّ کی جمع ہے، اس سے مراد عرب کا قبیلہ ہے، اس کے لئے دوسرا لفظ شَعْب ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ پر اعتراض کیا گیا ہے کہ جگہوں کے اختلاف سے اور جنسوں (لوگوں) کے اختلاف سے حکم نہیں بدلتا، پھر امام صاحب نے باب کو عرب قبیلوں کے ساتھ مقید کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حدیث میں جو واقعہ ہے اس کے پیش نظر یہ لفظ بڑھایا ہے، پس یہ قید اتفاقی ہے، اور رقیۃ کے معنی ہیں: جھاڑنا، کوئی دعا وغیرہ پڑھ کر کسی بیماری کا علاج کرنا۔ الرقيةُ: كلامٌ يُسْتَشْفَى به من كل عارض (فتح)

اس باب میں یہ مسئلہ ہے کہ قرآن وحدیث میں جو جھاڑیں آئی ہیں ان کے ذریعہ جھاڑ کر اجرت لے سکتے ہیں یا نہیں؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا، مگر باب کا اشارہ جواز کی طرف ہے، اور اس کے لئے کسی نص (دلیل) کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ روحانی علاج ہے، اور جیسے حکیم، ڈاکٹر جسمانی علاج کرتے ہیں اور فیس اور دواء کی قیمت لیتے ہیں جو جائز ہے اسی طرح بالاتفاق روحانی علاج کی بھی اجرت جائز ہے۔ اور صرف جھاڑ کی نہیں تعویذ وغیرہ کی اجرت بھی لے سکتے ہیں، مگر ہمارے بزرگوں نے اس کو پیشہ نہیں بنایا، وہ جھاڑ پھونک کا معاوضہ نہیں لیتے، یہ اختیار اولیٰ کے طور پر ہے۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث پیش کی ہے، یہ لمبی حدیث کا آخری حصہ ہے، وہ کتاب الطب باب ۳۴ (حدیث ۵۷۳۷) میں آرہی ہے، ابن عباسؓ فرماتے ہیں: چند صحابہ ایک چشمہ پر سے گذرے، قبیلہ کے لوگوں میں ایک بچھو ڈسا یا سانپ ڈسا تھا، پس ان کے پاس قبیلہ کا ایک آدمی آیا اور اس نے کہا: آپ لوگوں میں کوئی جھاڑنے والا ہے؟ قبیلہ میں ایک بچھو ڈسا یا سانپ ڈسا آدمی ہے، پس صحابہ میں سے ایک آدمی چلا اور اس نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر جھاڑا، مریض اچھا ہو گیا، پس وہ صحابی بکریاں لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس آئے، ساتھیوں

نے اس کو ناپسند کیا، اور کہا: أَخَذْتَ علی کتاب اللہ أجراً: تم نے اللہ کی کتاب پر مزدوری لی (جو جائز نہیں) یہاں تک کہ وہ مدینہ آئے، پس انھوں نے شکایت کی کہ اے اللہ کے رسول! أَخَذَ علی کتاب اللہ أَجْرًا: فلاں نے اللہ کی کتاب پر مزدوری لی، پس آپؐ نے فرمایا: إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ علیہ أَجْرًا کتابُ اللہ: بیشک قرآن زیادہ حق دار ہے اس کا کہ اس پر اجرت لی جائے، یعنی تم دنیا بھر کے کام کر کے مزدوری لیتے ہو اگر اس نے قرآن سے جھاڑ کر اجرت لی تو اس میں کیا حرج ہے! یہ تو نہایت پاکیزہ اور حلال کمائی ہے۔

ترکیب: إِنَّ حرف مشبہ بالفعل، أحقَّ اس کا اسم اور مضاف، اور ما أخذتم علیہ أجرًا جملہ موصولہ مضاف الیہ، اور کتابُ اللہ خبر ہے۔ لفظی ترجمہ: بیشک زیادہ حق دار (سزاوار) اس چیز کا جس پر تم کوئی اجرت لیتے ہو اللہ کی کتاب ہے۔

اس مرفوع حدیث کے علاوہ امام بخاری رحمہ اللہ نے درج ذیل آثار پیش کئے ہیں:

۱- امام عامر شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قرآن پڑھانے پر اجرت کی شرط تو نہ کرے، لیکن اگر قرآن سکھلانے پر کچھ دیا جائے تو اس کو لے سکتا ہے، یعنی اجارہ تو صحیح نہیں، مگر نذرانہ صحیح ہے، پس یہی حکم قرآن وحدیث سے جھاڑنے کا ہے۔

۲- حضرت حکم بن عتیبہ رحمہ اللہ جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں، کہتے ہیں: میں نے کسی عالم سے نہیں سنا کہ وہ معلّم (استاذ) کی اجرت کو مکروہ کہتا ہو، پس جب معلّم کی اجرت جائز ہے تو جھاڑنے کی بھی جائز ہے (مگر معلّم سے کونسا معلّم مراد ہے؟ یہ بات واضح نہیں، کیونکہ معلّم تو طاعات مقصودہ کے علاوہ دوسری چیزوں کی بھی تعلیم دیتا ہے، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں)

۳- حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے بھتیجے نے تعلیم مکمل کی تو اپنے چچا سے کہا: استاذ صاحب کچھ چاہتے ہیں، حضرت حسنؒ نے کہا: ما کانوا یأخذون شیئًا: اساتذہ کچھ نہیں لیا کرتے تھے، پھر کہا: اس کو پانچ درہم دیدو، بھتیجے نے اصرار کیا کہ کچھ زیادہ دیں تو فرمایا: دس درہم دیدو، اس میں بھی صراحت نہیں کہ معلّم نے کیا پڑھایا تھا۔

۴- پرانے زمانہ میں تحصیل میں ایک آدمی ہوتا تھا جس کا کام یہ تھا کہ اگر لوگوں کو مکانات یا زمینیں یا کوئی اور چیز بانٹنی ہے تو اس کے لئے اس آدمی کو بھیجا جاتا تھا، وہ قسّام اور قاسم کہلاتا تھا، اس کا چارج مقرر تھا، وہ اجرت لے کر کام کرتا تھا۔ حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ قسام کی اجرت کے بارے میں گنجائش کے قائل تھے، اور فرماتے تھے: جن بعض روایات میں اس اجرت کو سُحت (حرام) کہا گیا ہے اس سے مراد کورٹ میں جج کو رشوت دینا ہے، قسام کی اجرت اس ذیل میں نہیں آتی، اگرچہ وہ بھی سرکاری آدمی ہوتا ہے۔ اور حضرت فرماتے ہیں: پیداوار کا اندازہ کرنے والے کو جس کو خارص (تاڑنے والا) کہتے ہیں، اس کو لوگ اجرت دیا کرتے تھے، پس قسّام کو بھی اجرت دینا جائز ہے، یعنی بٹوارہ کرنا اور پھل اور کھیت کو تاڑنا ایک ہی طرح کا عمل ہے اور اس کی اجرت جائز ہے، اسی طرح جھاڑنا بھی ایک علاج ہے، پس اس کی اجرت بھی جائز ہے، خواہ قرآن وحدیث کی دعاؤں سے جھاڑے یا کسی اور جائز طریقہ سے علاج کرے۔

حدیث: ایک سریہ بھیجا گیا جو ایک قبیلہ کے پاس جا کر ٹھہرا اور قبیلہ والوں سے مہمانی طلب کی، چونکہ وہ کافر تھے اس لئے انھوں نے مہمانی کرنے سے انکار کردیا، حالانکہ جزیرۃ العرب کا عام دستور تھا کہ جب مسافر گذریں تو گاؤں والے کھانا کھلاتے تھے، لیکن مذہبی دشمنی کی وجہ سے گاؤں والوں نے انکار کردیا، پھر ایسا ہوا کہ قبیلہ کے سردار کو بچھو نے ڈس لیا، قبیلہ والوں نے ہر جتن کرلیا مگر شفا نہ ہوئی، تو انھوں نے کہا: یہ لوگ جو مدینہ سے آئے ہیں، ان سے پوچھو کہ کوئی جھاڑ نا جانتا ہے؟ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: میں جانتا ہوں، مگر ہم نے تم سے مہمانی مانگی تم نے انکار کیا، اس لئے ہم مفت نہیں جھاڑیں گے، جھاڑنے کی اجرت تیس بکریاں لیں گے، قبیلہ والوں نے منظور کیا۔ حضرت ابوسعیدؓ گئے اور سورۂ فاتحہ پڑھ پڑھ کر پھونکنا شروع کیا، کچھ دیر کے بعد وہ سردار اٹھ کر بیٹھ گیا، چنانچہ انھوں نے شرط کے مطابق تیس بکریاں دیں۔

اب سریہ کے لوگوں میں اختلاف ہوا کہ یہ بکریاں ہمارے لئے حلال ہیں یا نہیں؟ کیونکہ حضرت ابوسعیدؓ نے قرآن سے جھاڑا تھا، اور سب صحابہ یہ مسئلہ جانتے تھے کہ طاعات مقصودہ کا اجارہ باطل ہے، پس یہ اجرت کیسے جائز ہوگی؟ آخر فیصلہ ہوا کہ ابھی ان بکریوں میں تصرف نہ کیا جائے، مدینہ لوٹ کر مسئلہ پوچھیں گے، جب وہ مدینہ لوٹے اور آپؐ کے سامنے پورا واقعہ بیان کیا تو آپؐ کو حیرت ہوئی، آپؐ مسکرائے اور فرمایا: ابوسعید! تمہارا ذہن کیسے منتقل ہوا کہ سورۂ فاتحہ میں شفا ہے، پھر فرمایا: بکریاں بانٹ لو اور میرا بھی حصہ رکھو (حدیث پوری ہوئی)

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ اگر وہ بکریاں جھاڑنے کی اجرت تھیں تو وہ صرف جھاڑنے والے کا حق تھا، لیکن حضور ﷺ نے اس کو سریہ میں تقسیم کروایا، اس سے ذہن اس طرف جاتا ہے کہ آپؐ نے اس کو مالِ غنیمت قرار دیا ہے، پس جھاڑنے کی اجرت کے جواز پر اس سے استدلال خفی ہے۔

سوال: نبی ﷺ نے اپنا حصہ ان بکریوں میں کیوں رکھوایا؟

جواب: عام طور پر علماء کہتے ہیں کہ قافلہ والوں کے دلوں کو خوش کرنے کے لئے اپنا حصہ رکھوایا تھا، جیسے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے حلال ہونے کی حالت میں گورخر شکار کیا تھا ان کے ساتھی احرام میں تھے، وہ اس کو کھا سکتے تھے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہوا۔ جب نبی ﷺ سے مسئلہ پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا: کھا سکتے ہو اور کچھ بچا ہوا ہو تو ہمیں بھی دو، یہ آپؐ نے محرموں کے دلوں کو مطمئن کرنے کے لئے فرمایا تھا۔ یا جیسے مالِ فئی کے مصارف میں اللہ تعالیٰ نے اپنا بھی ذکر فرمایا ہے، حالانکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہے، وہ بھی تطییب قلوب کے لئے ہے۔ اسی طرح یہاں بھی سریہ والوں کے دلوں کو خوش کرنے کے لئے اپنا حصہ رکھوایا تھا۔

مگر اس توجیہ سے ایک بات تو حل ہوجاتی ہے کہ آپؐ نے اپنا حصہ کیوں رکھوایا، مگر دوسری بات ابھی باقی ہے کہ یہ بکریاں صرف جھاڑنے والے کا حق ہے، دوسروں کا اس میں کوئی حصہ نہیں، پھر وہ سریہ والوں میں کیوں تقسیم کروائی؟

اس لئے صحیح توجیہ یہ ہے کہ اس کو مالِ غنیمت قرار دیا گیا ہے، کیونکہ وہ کفار سے حاصل ہوا تھا، اور نبی ﷺ کا مالِ

غنیمت میں ایک حصہ اللہ کا رسول ہونے کی وجہ سے بھی تھا، یا امیر المؤمنین ہونے کی وجہ سے تھا۔ تحفۃ الالمعی (۴:۵۰۳) میں یہ بات حوالہ کے ساتھ لکھی گئی ہے، پس اس توجیہ سے رقیہ کے جواز پر استدلال ختم ہوجاتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ یہ مسئلہ ایک دوسرے مسئلہ پر مبنی ہے جس میں پہلے اختلاف تھا، یعنی طاعات مقصودہ کا جیسے تعلیم قرآن کا اجارہ درست ہے یا نہیں؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے اوران کی دلیل وہ حدیث ہے جو باب کے شروع میں آئی ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک یہ اجارہ باطل ہے اوران کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو طائف کا گورنر بنا کر بھیجا، تو یہ ہدایت دی تھی کہ مؤذن ایسا رکھنا جو اذان کی اجرت نہ لے، اور دوسری دلیل حاشیہ میں ہے۔ حضرت عبادہؓ کہتے ہیں: میں نے صفہ کے کچھ طالب علموں کو قرآن پڑھایا، پس ان میں سے ایک نے مجھے کمان ہدیہ میں دی، میں نے سوچا: یہ کوئی بڑا مال نہیں، اور میں اس کو اللہ کے راستہ میں استعمال کروں گا، چنانچہ میں نے وہ لے لی، پھر میں نے نبی ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: ”اگر جہنم کا طوق پہننے کا ارادہ ہے تو لے لو“ یہ حدیث ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں ہے۔ ان دونوں حدیثوں کے علاوہ دیگر حدیثوں کی بنیاد پر حنفیہ کے نزدیک طاعات مقصودہ کا اجارہ باطل ہے، کیونکہ ایسے لوگوں کی حکومت کفالت کرتی تھی، مگر جب اسلامی حکومت کمزور ہوگئی اوران کی کفالت کرنے والا کوئی نہ رہا تو حنفیہ نے فتوی بدلا اور کہا کہ ایسی طاعات جن کے ساتھ نظام اسلامی وابستہ ہے ان کا اجارہ جائز ہے، کیونکہ ان کاموں کے لئے اگر آدمی نہیں رکھے جائیں گے تو سارا نظام درہم برہم ہوجائے گا، اور جن طاعات کے ساتھ اسلامی نظام وابستہ نہیں، جیسے ایصالِ ثواب کے لئے قرآن پڑھوانا، یا رمضان میں تراویح میں قرآن سنانے کا اجارہ اب بھی باطل ہے، کیونکہ اس کے ساتھ نظام اسلامی جڑا ہوا نہیں، اگر کوئی قرآن سنانے والا نہیں ہوگا تو کوئی بھی چھوٹی سورتوں سے تراویح پڑھا دے گا۔

[۱۶-] بَابُ مَا يُعْطَى فِي الرُّقْيَةِ عَلٰى أَحْيَاءِ الْعَرَبِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ

[۱-] وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: ” أَحَقُّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ“

[۲-] وَقَالَ الشَّعْبِيُّ: لَايَشْرِطُ الْمُعَلِّمُ إِلَّا أَنْ يُعْطَى شَيْئًا، فَيَقْبَلُهُ.

[۳-] وَقَالَ الْحَكَمُ: لَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا كَرِهَ أَجْرَ الْمُعَلِّمِ.

[٤-] وَأَعْطَى الْحَسَنُ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ.

[٥-] وَلَمْ يَرَ ابْنُ سِيْرِيْنَ بِأَجْرِ الْقَسَّامِ بَأْسًا، وَقَالَ: كَانَ يُقَالُ: السُّحْتُ: الرِّشْوَةُ فِي الْحُكْمِ، وَكَانُوْا يُعْطَوْنَ عَلَى الْخَرْصِ.

[۲۲۷٦-] حدثنا أَبُو النُّعْمَانِ، ثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ أَبِيْ بِشْرٍ، عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ، قَالَ: انْطَلَقَ نَفَرٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي سَفْرَةٍ سَافَرُوْهَا، حَتَّى نَزَلُوْا عَلٰى حَيٍّ مِنْ أَحْيَاءِ

الْعَرَبِ، فَاسْتَضَافُوْهُمْ فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوْهُمْ، فَلُدِغَ سَيِّدُ ذٰلِكَ الْحَيِّ، فَسَعَوْا لَهُ بِكُلِّ شَيْئٍ لاَ يَنْفَعُهُ شَيْئٌ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَوْ أَتَيْتُمْ هٰؤُلاَءِ الرَّهْطَ الَّذِيْنَ نَزَلُوْا، لَعَلَّهُ أَنْ يَكُوْنَ عِنْدَ بَعْضِهِمْ شَيْئٌ، فَأَتَوْهُمْ فَقَالُوْا: يَا أَيُّهَا الرَّهْطُ! إِنَّ سَيِّدَنَا لُدِغَ، وَسَعَيْنَا لَهُ بِكُلِّ شَيْئٍ لاَ يَنْفَعُهُ، فَهَلْ عِنْدَ أَحَدٍ مِنْكُمْ مِنْ شَيْئٍ؟ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: نَعَمْ، وَاللّٰهِ إِنِّيْ لَأَرْقِيْ، وَلٰكِنْ وَاللّٰهِ لَقَدْ اسْتَضَفْنَاكُمْ فَلَمْ تُضَيِّفُوْنَا، فَمَا أَنَا بِرَاقٍ لَكُمْ حَتَّى تَجْعَلُوْا لَنَا جُعْلاً، فَصَالَحُوْهُمْ عَلٰى قَطِيْعٍ مِنَ الْغَنَمِ، فَانْطَلَقَ يَتْفِلُ عَلَيْهِ وَيَقْرَأُ:﴿ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ فَكَأَنَّمَا نُشِطَ مِنْ عِقَالٍ، فَانْطَلَقَ يَمْشِيْ وَمَا بِهِ قَلَبَةٌ، قَالَ: فَأَوْفُوْهُمْ جُعْلَهُمُ الَّذِىْ صَالَحُوْهُمْ عَلَيْهِ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: اقْسِمُوْا، فَقَالَ الَّذِىْ رَقِيَ: لاَ تَفْعَلُوْا حَتَّى نَأْتِيَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَنَذْكُرَ لَهُ الَّذِىْ كَانَ، فَنَنْظُرَ مَا يَأْمُرُنَا، فَقَدِمُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَذَكَرُوْا لَهُ، فَقَالَ: " وَمَا يُدْرِيْكَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ ؟" ثُمَّ قَالَ: " قَدْ أَصَبْتُمْ! اقْسِمُوْا وَاضْرِبُوْا لِيْ مَعَكُمْ سَهْمًا" فَضَحِكَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم.

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: وَقَالَ شُعْبَةُ: ثَنَا أَبُوْ بِشْرٍ، سَمِعْتُ أَبَا الْمُتَوَكِّلِ بِهٰذَا.

[انظر: ۵۰۰۷، ۵۷۳۶، ۵۷۴۹]

لغات: اسْتَضَافَ فلانا: ضیافت چاہنا.........لَدَغ: سانپ اور بچھو کے ڈسنے کے لئے ہے، پھر لدیغ: بچھوڈسے کو اور سلیم: سانپ ڈسے کو کہتے ہیں.........القَلَبة: کوئی بھی بیماری خاص طور پر دل کی بیماری.........فضحك کی جگہ فذکروا له کے بعد ہے۔

بَابُ ضَرِيْبَةِ الْعَبْدِ، وَتَعَاهُدِ ضَرَائِبِ الإِمَاءِ

غلام کا ٹیکس، اور باندیوں کے ٹیکس کی نگرانی کرنا

الضَّرِيْبَة: ٹیکس، مال کی وہ مقررہ مقدار جو پہلے آقا غلام باندی سے لیا کرتے تھے، اس کو غَلَّة (آمدنی) بھی کہتے ہیں۔ غلام باندی مزدوری کر کے مال ادا کیا کرتے تھے، اس اعتبار سے کتاب الإجارة میں یہ باب آیا ہے، اور یہ جنرل باب ہے، آگے اس سلسلہ کے اور بھی ابواب آرہے ہیں۔

باندیاں گھروں میں کام کرتی تھیں اور کما کر لا کر آقا کو دیتی تھیں، اور جو آقا بھاری آمدنی مقرر کرتا اور باندی اتنا نہیں کما سکتی تھی تو بیچاری کی پٹائی ہوتی تھی، اس لئے وہ زنا کے ذریعہ کما کر لا کر دیتی تھی، اس لئے باب کے دو جزء ہیں: پہلا: غلام پر آمدنی مقرر کرنا جائز ہے۔ دوسرا: باندی پر بھی آمدنی مقرر کرنا جائز ہے مگر اس کی نگرانی رکھنی ضروری ہے کہ وہ کس ذریعہ سے کما کر لا رہی ہے، جائز طریقہ پر کما کر لائے تو آقا کے لئے وہ آمدنی حلال ہے اور ناجائز طریقہ پر کما کر لائے تو حرام ہے۔

[۱۷-] بَابُ ضَرِيْبَةِ الْعَبْدِ، وَتَعَاهُدِ ضَرَائِبِ الإِمَاءِ

[۲۲۷۷-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا سُفْيَانُ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيْلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: حَجَمَ أَبُوْ طَيْبَةَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم، فَأَمَرَ لَهُ بِصَاعٍ أَوْ صَاعَيْنِ مِنْ طَعَامٍ، وَكَلَّمَ مَوَالِيَهُ فَخَفَّفَ عَنْ غَلَّتِهِ أَوْ: ضَرِيْبَتِهِ.[راجع: ۲۱۰۲]

بَابُ خَرَاجِ الْحَجَّامِ

پچھنے لگانے والے کی آمدنی

خَرَاج (بالفتح): آمدنی، اور یہ ذیلی باب ہے، پچھنے لگانے کی آمدنی جائز ہے، اگر ناجائز ہوتی تو آپ ﷺ پچھنے لگوا کر اجرت کیوں دیتے؟ اور اگر کوئی کہے کہ پہلے روایت آئی ہے کہ حضور ﷺ نے خون کی قیمت سے منع کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اختیار اولیٰ کے طور پر منع کیا ہے۔ آدمی کو اچھا پیشہ اختیار کرنا چاہئے، گندہ پیشہ اختیار نہیں کرنا چاہئے، پچھنے لگانے کا پیشہ پہلے گندہ پیشہ تھا، اب ترقی یافتہ دور میں منہ سے خون نہیں چوسنا پڑتا، کٹوریاں چپکا دی جاتی ہیں، وہ خون چوس لیتی ہیں اس لئے اب یہ پیشہ گندہ نہیں رہا۔

[۱۸-] بَابُ خَرَاجِ الْحَجَّامِ

[۲۲۷۸-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا وُهَيْبٌ، ثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: احْتَجَمَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَعْطَى الْحَجَّامَ أَجْرَهُ.[راجع: ۱۸۳۵]

[۲۲۷۹-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، ثَنَا خَالِدٌ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: احْتَجَمَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم، وَأَعْطَى الْحَجَّامَ أَجْرَهُ، وَلَوْ عَلِمَ كَرَاهِيَةً لَمْ يُعْطِهِ.[راجع: ۱۸۳۵]

[۲۲۸۰-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، ثَنَا مِسْعَرٌ، عَنْ عَمْرِو بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُوْلُ: كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَحْتَجِمُ، وَلَمْ يَكُنْ يَظْلِمُ أَحَدًا أَجْرَهُ.[راجع: ۲۱۰۲]

بَابُ مَنْ كَلَّمَ مَوَالِيَ الْعَبْدِ أَنْ يُخَفِّفُوْا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهِ

غلام کے آقا سے سفارش کر کے اس کے ٹیکس کو کم کرا دینا

یہ بھی ذیلی باب ہے۔ آقا غلام باندی پر آمدنی لازم کرسکتا ہے مگر وہ قابل برداشت ہونی چاہئے، ابوطیبہ پر اس کے آقا نے بھاری آمدنی لازم کی تھی۔ حضور ﷺ نے سفارش کر کے آمدنی کم کرا دی تھی۔

[۱۹-] بَابُ مَنْ كَلَّمَ مَوَالِيَ الْعَبْدِ أَنْ يُخَفِّفُوْا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهِ

[۲۲۸۱-] حدثنا آدمُ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيْلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: دَعَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم غُلاَمًا حَجَّامًا فَحَجَمَهُ، فَأَمَرَ لَهُ بِصَاعٍ أَوْ: صَاعَيْنِ، أَوْ: مُدٍّ أَوْ مُدَّيْنِ، فَكَلَّمَ فِيْهِ، فَخُفِّفَ مِنْ ضَرِيْبَتِهِ.[راجع: ۲۱۰۲]

بَابُ كَسْبِ الْبَغِيِّ وَالإِمَاءِ

رنڈی اور باندیوں کی کمائی

یہ بھی ذیلی باب ہے۔ باندیوں پر بھی آمدنی لازم کی جاسکتی ہے مگراتنی بھاری آمدنی لازم کرنا کہ وہ زنا کرانے پر مجبور ہو جائز نہیں۔ نبی ﷺ نے رنڈی کی کمائی سے منع کیا ہے، پس جب باندی زنا کرا کرفیس لائے گی تو وہ کَسْبُ البَغِیّ ہوگی اور مولیٰ کے لئے اس کا لینا جائز نہیں ہوگا۔

اورصرف زنا کے ذریعہ کمائی ہوئی آمدنی ناجائز نہیں ہے بلکہ باندیاں میت پر رونے کے لئے بھی کرایہ پر بلائی جاتی تھیں، یہ آمدنی بھی ناجائز ہے۔ اسی طرح باندیاں گانے کے لئے بھی بلائی جاتی تھیں اوراس کی ان کو اجرت ملتی تھی، یہ آمدنی بھی ناجائز ہے۔ اس لئے نگرانی رکھنی چاہئے کہ باندیاں کہاں سے کما کرلا رہی ہیں، اگرناجائز طریقہ سے کما کرلا رہی ہیں تو وہ آمدنی مولیٰ کے لئے جائز نہیں۔ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول لائے ہیں کہ رونے والی اور گانے والی کی اجرت (مولیٰ کے لئے) مکروہ تحریمی ہے، یعنی حرام ہے۔ اورسورۃ النور میں ہے کہ اگرتمہاری باندیاں پاک دامن رہنا چاہیں تو ان کو زنا پر مجبور مت کرو، مجبور کرنے کی یہ صورت ہوتی تھی کہ باندی پر بڑی بھاری آمدنی لازم کردی جائے، اب وہ اتنی آمدنی جھاڑو دے کر یا برتن کپڑے صاف کر کے نہیں لاسکتی، اس لئے زنا کرانے پر مجبور ہوتی تھی۔ قرآن نے مولیٰ سے کہا: ایسا مت کرو، بلکہ فرمایا: اگرکوئی ان کو مجبور کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کو تو معاف کردیں گے اوران کی جگہ مولیٰ کو پکڑ لیں گے، اورحضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت میں فَتَیَات (خادمائیں) سے مرادتمہاری باندیاں ہیں۔

[۲۰-] بَابُ كَسْبِ الْبَغِيِّ وَالإِمَاءِ

[۱-] وَكَرِهَ إِبْرَاهِيْمُ أَجْرَ النَّائِحَةِ وَالْمُغَنِّيَةِ.

[۲-] وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى:﴿وَلاَ تُكْرِهُوْا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا﴾ إِلٰى قَوْلِهِ:﴿ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ﴾[النور: ۳۳]

[۳-] وَقَالَ مُجَاهِدٌ: فَتَيَاتِكُمْ: إِمَاءَكُمْ.

[۲۲۸۲-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِیْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ، عَنْ أَبِیْ مَسْعُوْدٍ الْأَنْصَارِیِّ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهٰی عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ، وَمَهْرِ الْبَغِیِّ، وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ. [راجع: ۲۲۳۷]

[۲۲۸۳-] حدثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُحَادَةَ، عَنْ أَبِیْ حَازِمٍ، عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: نَهٰی النَّبِیُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ كَسْبِ الإِمَاءِ. [انظر: ۵۳۴۸]

بَابُ عَسْبِ الْفَحْلِ

سانڈ کی جفتی کا کرایہ

عسب کے معنی ہیں: سانڈ کا مادۂ منویہ۔ اور جفتی کا کرایہ، کچھ لوگ نر جانور (بجار) پالتے ہیں، جب مادہ اٹھتی ہے تو مالک اس کو لے کر آتا ہے، نر کا مالک بجار کھولتا ہے، جس سے مادہ گابھن ہوتی ہے۔ بجار کا مالک اس کا کرایہ لیتا ہے، یہ اجارہ باطلہ ہے، اس لئے کہ اگر یہ مادۂ منویہ کی قیمت ہے تو وہ کوئی مال نہیں، اور اگر گابھن کرانے کا کرایہ ہے تو منفعت مجہولہ ہے، بعض مرتبہ مادہ خالی رہ جاتی ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے عسب الفحل سے منع کیا، لوگوں نے پوچھا: إِنَّا نُكْرَم: مادہ والا نذرانہ دے کر جاتا ہے، آپؐ نے فرمایا: نذرانہ لے سکتے ہو۔

یہی مسئلہ حافظوں کے لئے بھی ہے، وہ قرآن سنانے کی اجرت نہیں لے سکتے، البتہ نذرانہ لے سکتے ہیں۔ اور نذرانہ وہ ہے جو کوئی مصلّی دے، کمیٹی اپنے فنڈ سے یا چندہ کر کے دے اور اس علاقہ میں دینے لینے کا رواج ہو تو وہ نذرانہ نہیں، المعروف کالمشروط کے قاعدہ سے وہ بھی اجرت ہے، البتہ اگر نمازیوں میں سے کوئی دے —— اور اس کو دینا چاہئے —— تو وہ لے سکتا ہے، یہ نذرانہ ہے۔

ملحوظہ: آج کل نر سی گایوں میں بیج رکھتے ہیں، یعنی انجکشن کے ذریعہ نر کا مادّہ منویہ مادہ کے رحم میں پہنچاتے ہیں، جس سے وہ گابھن ہو جاتی ہے، اس مادہ منویہ کی خرید و فروخت جائز ہے، کیونکہ وہ مال ہے، نر کے مادہ کے ساتھ دیگر اعمال بھی ہوتے ہیں، اس لئے اس کی خرید و فروخت ہوتی ہے جو جائز ہے۔

[۲۱-] بَابُ عَسْبِ الْفَحْلِ

[۲۲۸۴-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، وَإِسْمَاعِيْلُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ عَلِیِّ بْنِ الْحَكَمِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: نَهٰی النَّبِیُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ عَسْبِ الْفَحْلِ.

بَابٌ: إِذَا اسْتَأْجَرَ أَرْضًا فَمَاتَ أَحَدُهُمَا

زمین کرایہ پرلی، پھر متعاقدین میں سے ایک مرگیا

کسی نے اپنی زمین بٹائی پر یا کرایہ پر دی تو یہ بھی اجارہ ہے، البتہ اس کا الگ نام 'مزارعۃ' ہے، اب مسئلہ یہ ہے کہ عاقدین میں سے کوئی ایک مرجائے تو اجارہ باقی رہے گا یا ختم ہوجائے گا؟ مثلاً کھیت کرایہ پر دیا، کرایہ دار نے اس میں گیہوں بوئے، ابھی گیہوں کچے ہیں کہ زمین کا مالک یا کرایہ دار مرگیا تو اجارہ باقی ہے یا ختم؟ امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اجارہ اپنی مدت تک باقی رہے گا اور اکابر کی رائیں درج ذیل ہیں:

۱- ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر زمین کا مالک مرجائے تو اس کے ورثاء کرایہ دار کو مقررہ مدت سے پہلے نہیں نکال سکتے (اور اس کی برعکس صورت کا بھی یہی حکم ہوگا، اگر کرایہ دار مرجائے تو اس کے ورثاء مقررہ مدت سے پہلے زمین نہیں چھوڑ سکتے)

۲- حضرات حکم بن عتیبہ، حسن بصری اور قاضی ایاس بن معاویہ رحمہم اللہ کی بھی یہی رائے ہے کہ ٹرم تک اجارہ باقی رہے گا۔

۳- اور حنفیہ کے نزدیک اجارہ باطل ہوجائے گا، مالک کا انتقال ہوجائے یا کرایہ دار کا: دونوں صورتوں میں اجارہ ختم ہوجائے گا، اگر آگے اجارہ باقی رکھنا ہے تو عقد کی تجدید ضروری ہے، مثلاً کوئی مکان کرایہ پر دیا، پھر مالک یا کرایہ دار مرگیا تو اجارہ ختم ہوگیا، آگے اجارہ باقی رکھنا ہے تو معاملہ کی تجدید ضروری ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب مالک مرگیا تو اب ورثاء اس مکان کے مالک ہوگئے اور ورثاء نے وہ مکان کرایہ پر نہیں دیا، پس اجارہ کیسے باقی رہ سکتا ہے؟ البتہ اگر ورثاء اجارہ باقی رکھنا چاہیں تو کرایہ دار کے ساتھ صراحتاً یا دلالۃً عقد کی تجدید کریں (یہ اضافہ ہے)

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: خیبر کے یہودیوں کو نبی ﷺ نے زمین بٹائی پر دی تھی، آپؐ کی وفات کے بعد معاملہ کی تجدید نہیں کی گئی، پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو بھی تجدید نہیں کی گئی، معلوم ہوا کہ تجدید عقد کی ضرورت نہیں، سابق عقد باقی ہے۔

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ معاملہ کی تجدید کبھی دلالۃ بھی ہوتی ہے، مکان کرایہ پر دے رکھا ہے، مالک مرگیا، ورثاء نے مکان خالی کرنے کا کوئی نوٹس نہیں دیا تو یہ دلالۃً تجدید ہے، اور اگر ورثاء نے کہا کہ گھر خالی کرو، یہ گھر ہمیں میراث میں تقسیم کرنا ہے تو اب گھر خالی کرنا پڑے گا۔ اور نبی ﷺ نے جو معاملہ کیا تھا اس کی تجدید دلالۃ ہوتی رہی تھی، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ارادہ کیا کہ خیبر سے یہودیوں کو ہٹا کر دوسری جگہ بسائیں تو آپؓ نے ان کو نوٹس دیا کہ اتنے دنوں کے بعد ہمارا تمہارا معاملہ ختم ہوجائے گا، جو تمہاری چیزیں ہیں وہ بیچ کر پیسے بنالو، اب اجارہ ختم ہوگیا۔

ایک نیا مسئلہ: روایات میں اختلاف ہے کہ زمین بٹائی پر دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح باغات سینچائی پر دے سکتے

ہیں یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کہتے ہیں: دونوں جائز نہیں۔ دوسرے ائمہ کہتے ہیں: جائز ہیں اور اسی پر فتوی ہے۔ اور اس مسئلہ میں ایک تو خیبر کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے خیبر کے کھیت اور باغات مزارعت اور مساقات کے طور پر دیئے تھے۔ دوسری حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے مزارعت سے منع کیا، پس مساقات بھی ناجائز ہوگی۔ یہ مسئلہ تفصیل سے آگے کتاب المزارعہ میں آئے گا۔

ملحوظہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت جو جویریۃ بن اسماء سے مروی ہے، اس میں حتی أجلاهم عمرُ نہیں ہے اور نافع کے شاگرد عبید اللہ کی روایت میں یہ جملہ ہے اور جویریہ کی روایت میں یہ ہے کہ کھیت کرایہ پر دیئے جاتے تھے، کسی چیز پر، نافع نے اس چیز کو نامزد کیا تھا مگر جویریہ اس کو بھول گئے۔ پس حدیث کے اس جزء کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں کی جاسکتی ہے کہ زمینیں کرایہ پر دی جاتی تھیں یا بٹائی پر؟

[۲۲-] بَابٌ: إِذَا اسْتَأْجَرَ أَرْضًا فَمَاتَ أَحَدُهُمَا

[۱-] وَقَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ: لَيْسَ لِأَهْلِهِ أَنْ يُخْرِجُوْهُ إِلٰى تَمَامِ الْأَجَلِ.

[۲-] وَقَالَ الْحَسَنُ والْحَكَمُ وَإِيَاسُ بْنُ مُعَاوِيَةَ: تُمْضَى الإِجَارَةُ إِلٰى أَجَلِهَا.

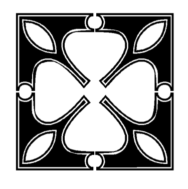
[۳-] وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: أَعْطَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم خَيْبَرَ بِالشَّطْرِ، فَكَانَ ذٰلِكَ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَأَبِيْ بَكْرٍ، وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ، وَلَمْ يُذْكَرْ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ جَدَّدَ الإِجَارَةَ بَعْدَ مَا قُبِضَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم.

[۲۲۸۵-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَاءَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: أَعْطَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم خَيْبَرَ الْيَهُوْدَ، أَنْ يَعْمَلُوْهَا وَيَزْرَعُوْهَا، وَلَهُمْ شَطْرُ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا، وَأَنَّ ابْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ الْمَزَارِعَ كَانَتْ تُكْرَى عَلٰى شَيْئٍ، سَمَّاهُ نَافِعٌ لَا أَحْفَظُهُ.

[انظر: ۲۳۲۸، ۲۳۲۹، ۲۳۳۱، ۲۳۳۸، ۲۴۹۹، ۲۷۲۰، ۳۱۵۲، ۴۲۴۸]

[۲۲۸۶-] وَأَنَّ رَافِعَ بْنَ خَدِيْجٍ حَدَّثَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنْ كِرَاءِ الْمَزَارِعِ.

وَقَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: حَتَّى أَجْلَاهُمْ عُمَرُ. [انظر: ۲۳۳۲، ۳۳۴۴، ۲۷۲۲]



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الحوالة

اپنا قرضہ دوسرے پر اتارنا

حوالہ کے اصطلاحی معنی ہیں: نَقْلُ دِیْنٍ مِنْ ذِمَّةٍ إِلٰی ذِمَّةٍ: اپنا قرضہ کسی دوسرے پر اتارنا۔ مقروض نے قرض خواہ سے کہا: آپ کا قرضہ میرا بھائی یا میرا دوست دے گا: یہ حوالہ ہے[1] اور حوالہ میں چار چیزیں ہوتی ہیں: اول: اصل مقروض جس نے اپنا قرضہ دوسرے پر اتارا ہے، اسے مُحِیل کہتے ہیں۔ محیل اسم فاعل ہے أحال علیه کے معنی ہیں: دوسرے پر قرضہ اتارنا۔ دوم: قرض خواہ اس کو محتال: حوالہ قبول کرنے والا کہتے ہیں۔ سوم: وہ شخص جس پر قرضہ اتارا گیا ہے اس کو محتال علیہ کہتے ہیں۔ چہارم: وہ قرضہ جو کسی دوسرے پر اتارا گیا ہے، اس کو محتال بہ کہتے ہیں۔

اگر محتال اور محتال علیہ دونوں راضی ہوں، محتال علیہ کہے کہ آپ کا قرضہ میں دونگا اور محتال قبول کرلے، تو حوالہ تام ہوگیا، بعض مرتبہ محتال علیہ (جس پر قرضہ اتارا گیا ہے) اصیل سے بھی زیادہ نادہند ہوتا ہے، اس سے قرضہ ملنے کی کوئی امید نہیں ہوتی، اس لئے محتال یعنی قرض خواہ کی رضامندی ضروری ہے، اسی طرح اگر قرض خواہ راضی ہے، مگر محتال علیہ راضی نہیں تو بھی اس پر قرض کیسے اترے گا؟ اس لئے دونوں کی رضامندی ضروری ہے۔

مسئلہ: جب حوالہ درست ہوگیا تو قرضہ اصل مقروض سے مطلقاً اتر گیا یا کوئی شرط ہے؟ حنفیہ کے نزدیک اصل (مقروض) بری ہوتا ہے، بشرط اداء المحتال علیہ یعنی اگر محتال علیہ قرضہ ادا کرے تو اصیل بری ہوگا، اور اگر وہ قرضہ ادا نہ کرے تو قرضہ اصل کی طرف لوٹ آئے گا، اب قرض خواہ اپنا قرضہ پھر اس سے مانگے گا۔ ترمذی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قول ہے: لیس علی مَالِ المسلم تَوِیً: مسلمان کا مال ضائع نہیں ہوتا، یا تو محتال علیہ ادا کرے یا پھر اصل مقروض ادا کرے، دونوں میں سے کسی ایک کو تو دینا ہی ہوگا (تَوِیَ (س) تَوًی: مال کا برباد ہونا، آدمی کا ہلاک ہونا)

اور ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں: جس وقت حوالہ کیا گیا ہے اس وقت اگر محتال علیہ مالدار ہے یعنی قرضہ بھر سکتا ہے تو قرضہ ہمیشہ کے لئے اتر گیا، اب محتال علیہ خواہ ادا کرے یا نہ کرے اصل پر قرضہ واپس نہیں لوٹے گا۔ اور اگر قرض خواہ بوقت حوالہ یہ

(۱) آج کل ایک ملک کی کرنسی دوسرے ملک کی کرنسی سے بدلنے کا اور دوسرے ملک میں رقم پہنچانے کا نام 'حوالہ کا کاروبار' ہے، یہ یہاں مراد نہیں۔

سمجھتا تھا کہ محتال علیہ مالدار ہے مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ تو کنگلا ہے، اس کے پاس کچھ نہیں، تو حوالہ درست نہیں، قرض اصل پر باقی ہے قرض خواہ اسی سے مانگے گا۔

بَابٌ: فِي الْحَوَالَةِ، وَهَلْ يَرْجِعُ فِي الْحَوَالَةِ؟

دوسرے پر قرضہ اتارنا اور کیا حوالے میں (قرضہ) لوٹے گا؟

باب میں دو مسئلے ہیں: ایک: مسئلہ ابھی گذرا کہ حوالہ جائز ہے یا نہیں؟ جائز ہے، اور دوسرا مسئلہ اختلافی ہے کہ حوالے سے اصیل بری ہوگا یا نہیں؟ اس کی تفصیل اوپر آچکی، اس اختلافی مسئلہ میں آراء درج ذیل ہیں:

۱- حضرت حسن بصری اور حضرت قتادہ رحمہما اللہ کی رائے وہی ہے جو ائمہ ثلاثہ کی ہے کہ جس دن قرضہ اتارا ہے، اس دن محتال علیہ مالدار ہو تو حوالہ درست ہوگیا۔ اب قرض اصیل کی طرف نہیں لوٹے گا، اور اگر اس دن محتال علیہ کنگلا (محتاج) ہے تو حوالہ درست نہیں، قرض خواہ اصل مقروض سے قرض مانگے گا۔

۲- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک دکان میں دو شریک ہیں یا ترکہ ورثاء میں مشترک ہے اور کچھ مال نقد ہے اور کچھ ادھار، ڈیڑھ لاکھ روپے لوگوں کے ذمہ باقی ہیں، اور موجود ایک لاکھ کا مال ہے۔ اب ان شریکوں نے چاہا کہ شرکت ختم کردیں یا ورثاء ترکہ تقسیم کرنا چاہتے ہیں، پس ایک شریک نے یا وارث نے موجود مال لے لیا اور دوسرے نے ڈیڑھ لاکھ جو ادھار ہے وہ لے لیا (یہ ایک دوسرے کو حوالہ ہوا) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس طرح معاملہ کرنا درست ہے، پھر جس نے قرضہ لیا ہے اگر وہ قرضہ پورا وصول نہ ہو تو وہ جانے، وہ اپنے ساتھی سے کچھ نہیں لے سکتا۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: **مَطْلُ الغنیِّ ظُلْمٌ:** مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ **فإذا أُتْبِعَ أَحدُكم على مَلِيءٍ فَلْيَتْبَعْ:** پس جب پیچھے لگایا جائے تم میں سے کوئی کسی مالدار کے تو چاہئے کہ وہ اس کا پیچھا کرے (**فَلْيَتْبَعْ** اور **فَلْيَتَّبِعْ:** دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں)

تشریح: اس حدیث میں دو باتیں ہیں:

پہلی بات: مقروض اگر قرضہ ادا کرنے کی پوزیشن میں ہے تو قرضہ ادا کرنے میں ٹال مٹول نہیں کرنا چاہئے، ہاں تنگ دست ہو تو دوسری بات ہے، پہلے دو باب آئے ہیں: ایک: تنگ دست سے درگذر کرنے کا، یعنی اس کا قرضہ چھوڑ دو، اور مالدار سے نرمی کرنے کا یعنی اس کو مہلت دو، یہ بات کب ہے؟ جب کہ وہ نادہندنہ ہو، اور اگر وہ مالدار ہے، قرض دے سکتا ہے، مگر ٹال مٹول کرتا ہے، تو حضور ﷺ نے فرمایا: اس کے ساتھ نرمی کرنے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ اور دوسری جگہ اسی حدیث میں ہے: **يُحِلُّ عُقُوْبَتَه:** جائز کرتا ہے وہ ٹال مٹول کرنا اس کی سزا دہی کو یعنی اس کو سزا دینا جائز ہے۔ قاضی کے پاس لے جاؤ، وہ قرضہ دلوائے گا۔

دوسری بات: جب تم میں سے کوئی کسی مالدار کے پیچھے لگایا جائے تو چاہئے کہ وہ اس کا پیچھا کرے، قرض خواہ آیا، باپ نے کہا: میرے پاس پیسے نہیں، میرا یہ بیٹا آپ کا قرض ادا کرے گا اور بیٹا قبول کرتا ہے، پھر بھی قرض خواہ اکڑتا ہے، وہ کہتا ہے: میں کیا جانوں تیرے بیٹے کو؟ میرا قرضہ تجھ پر ہے، میں تو تجھی سے لونگا! حضور ﷺ نے فرمایا: ایسی ضدمت کرو، بیٹے سے قرض وصول کرنے پر راضی ہو جاؤ، آم سے مطلب رکھو، پیڑ سے کیا لینا ہے! پس یہ حسن اخلاق کی تعلیم ہے۔

۳۸- كتاب الحوالة

بسم الله الرحمن الرحيم

[۱-] بَابٌ: فِي الْحَوَالَةِ، وَهَلْ يَرْجِعُ فِي الْحَوَالَةِ؟

[۱-] وَقَالَ الْحَسَنُ وَقَتَادَةُ: إِذَا كَانَ يَوْمَ أَحَالَ عَلَيْهِ مَلِيًّا جَازَ.

[۲-] وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: يَتَخَارَجُ الشَّرِيْكَانِ وَأَهْلُ الْمِيْرَاثِ، فَيَأْخُذُ هٰذَا عَيْنًا وَهٰذَا دَيْنًا، فَإِنْ تَوِىَ لِأَحَدِهِمَا لَمْ يَرْجِعْ عَلٰى صَاحِبِهِ.

[۲۲۸۷-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ، فَإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ عَلٰى مَلِيٍّ فَلْيَتَّبِعْ"

[انظر: ۲۲۸۸، ۲۴۰۰]

بَابٌ: إِذَا أَحَالَ عَلٰى مَلِيٍّ فَلَيْسَ لَهُ رَدٌّ

جب مالدار پر قرض اتارا تو اس کے لئے لوٹنا نہیں

یہ وہی اختلافی مسئلہ ہے جس کی تفصیل اوپر آچکی۔ علماء حجاز کے نزدیک جس وقت قرض اتارا ہے اگر محتال علیہ قرض ادا کرنے کی پوزیشن میں ہے تو قرضہ ہمیشہ کے لئے اتر گیا، اب اگر محتال علیہ ادا نہ کرے تو قرض خواہ اپنی قسمت کو روئے، وہ قرض اب لوٹ کر محیل پر نہیں آئے گا۔ البتہ جس وقت قرضہ اتارا ہے محتال علیہ غریب تھا، مگر بظاہر مالدار نظر آرہا تھا تو حوالہ درست نہیں ہوا، حضرت امام بخاری رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور حنفیہ کے نزدیک حوالے میں قرضہ براءتِ اصیل کی شرط کے ساتھ دوسرے پر اترتا ہے، پس محتال علیہ نفس الامر میں مالدار ہو یا غریب: حوالہ درست ہے، پھر اگر وہ قرض ادا کردے تو اصیل بری ہو جائے گا ورنہ قرض لوٹ کر اصیل پر آجائے گا، اور حدیث وہی ہے جو اوپر آئی ہے، مگر حدیث میں صرف اخلاقی تعلیم ہے، مسئلہ کا بیان نہیں ہے۔

مگر امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: من أُتْبِعَ على مَلِيٍّ فَلْيَتَّبِعْ: کا مطلب یہ ہے کہ تیرے کنگال ہونے کے باوجود

محتال علیہ سے قرض کا مطالبہ ہوتا ہے، تیرے افلاس کا اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا، پس اس کی برعکس صورت میں یعنی محتاج علیہ کے کنگال ہونے کی صورت میں بھی دین تجھ پر نہیں لوٹے گا۔

عبارت کا لفظی ترجمہ: حدیث کے معنی ہیں: جب ہو کسی کے لئے تجھ پر کوئی چیز یعنی قرضہ ہو، پس اتار دیا تو نے اس کو کسی مالدار آدمی پر، پس ذمہ دار بن گیا وہ اس کا تیری طرف سے، پس اگر دیوالیہ ہو گیا تو اس کے بعد: تو قرض خواہ کے لئے حق ہے کہ حوالہ قبول کرنے والے کا یعنی محتال علیہ کا پیچھا کرے، پس اس سے قرض مانگے۔

مثال: زید نے اپنا قرضہ بکر پر اتار دیا، درانحالیکہ وہ مالدار ہے اور محتال علیہ (بکر) نے حوالے کو قبول کر لیا کہ ٹھیک ہے تمہارا قرضہ میں دیدوں گا، پھر قاضی نے اس محیل (زید) کے دیوالیہ ہونے کا اعلان کر دیا، جب قاضی کسی کے دیوالیہ ہونے کا اعلان کرتا ہے تو پھر اس سے کوئی قرضہ نہیں مانگ سکتا لیکن قرض خواہ اس محتال علیہ (بکر) سے قرضہ مانگے گا، کیونکہ اصیل کے دیوالیہ ہو جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، لہٰذا اس کی برعکس صورت میں بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا، برعکس صورت یہ ہے کہ محتال علیہ کنگلا ہو جائے، قاضی اس کے دیوالیہ ہونے کا اعلان کردے پس اگرچہ افلاس کے اعلان کے بعد محتال علیہ سے قرض خواہ قرضہ نہیں مانگ سکتا مگر اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا، یعنی قرضہ اسی کے ذمہ رہے گا، اصیل (زید) کی طرف نہیں لوٹے گا۔

جواب: حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے یہ جو معنی سمجھائے ہیں ہم نے اوپر عرض کیا ہے کہ یہ حدیث کا مطلب نہیں ہے، حدیث میں صرف اخلاقی تعلیم ہے کہ قرض خواہ کو خواہ مخواہ کی ضد نہیں کرنی چاہئے، جب مقروض اپنا قرضہ کسی مالدار پر اتار رہا ہے تو قرض خواہ کو اس کی بات مان لینی چاہئے، اس کو قرض سے مطلب ہے، کہاں سے ملا اس سے کیا مطلب؟ اور زیر بحث مسئلہ کے بارے میں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔

[۲-] بَابٌ: إِذَا أَحَالَ عَلٰى مِلِيٍّ فَلَيْسَ لَهُ رَدٌّ

وَمَنْ أُتْبِعَ عَلٰى مِلِيٍّ فَلْيَتَّبِعْ، مَعْنَاهُ: إِذَا كَانَ لِأَحَدٍ عَلَيْكَ شَيْئٌ، فَأَحَلْتَهُ عَلٰى رَجُلٍ مَلِيٍّ، فَضَمَنَ ذٰلِكَ مِنْكَ، فَإِنْ أَفْلَسْتَ بَعْدَ ذٰلِكَ، فَلَهُ أَنْ يَتَّبِعَ صَاحِبَ الْحَوَالَةِ فَيَأْخُذَ عَنْهُ.

[۲۲۸۸-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ ابْنِ ذَكْوَانَ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ، وَمَنْ أُتْبِعَ عَلٰى مَلِيٍّ فَلْيَتَّبِعْ" [راجع: ۲۲۸۷]

بَابٌ: إِذَا أَحَالَ دَيْنَ الْمَيِّتِ عَلٰى رَجُلٍ جَازَ

میت کا قرضہ کسی پر اتارنا جائز ہے

حاشیہ میں لکھا ہے کہ اس ترجمہ میں مجاز ہے، یعنی حقیقی تعبیر نہیں، کیونکہ جب ایک آدمی مر گیا تو اب اس کا قرضہ دوسرے

پر کون اتارے گا؟ ہاں میت کی طرف سے اگر کوئی رضا کارانہ ضامن بن جائے تو یہ دوسری بات ہے، پس یہ ضمان کا مسئلہ ہے حوالہ کا مسئلہ نہیں ہے۔ پھر حاشیہ میں لکھا ہے کہ ابن بطال رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ضمان اور حوالہ ایک ہی چیز ہیں، پس یہ مجازی تعبیر ہے۔

حدیث: مختلف وقتوں میں تین جنازے لائے گئے، حضور ﷺ نے پہلے کے بارے میں پوچھا: اس کے ذمہ قرضہ ہے؟ جواب دیا گیا: نہیں، اور ترکہ میں بھی کچھ نہیں، تو حضور ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی، دوسرے جنازہ کے بارے میں بھی یہی سوال کیا، جواب دیا گیا کہ جی ہاں اس پر قرضہ ہے، مگر ترکہ میں بھرپائی ہے، نبی ﷺ نے اس کی بھی نماز جنازہ پڑھائی۔ تیسری میت کے بارے میں بھی یہی پوچھا: جواب دیا گیا: جی ہاں مقروض ہے، آپؐ نے پوچھا: ترکہ میں بھرپائی ہے؟ جواب دیا گیا: نہیں، نبی ﷺ نے نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کردیا، اور فرمایا: آپ لوگ اپنے آدمی کا جنازہ پڑھیں اور دفن کردیں۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس کا قرضہ میں اپنے ذمہ لیتا ہوں، آپؐ نے پوچھا: بالوفاء؟ واقعی بھروگے یا صرف زبانی جمع خرچ کرتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: بالوفاء، واقعی بھروں گا۔ پس آپؐ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔

اس حدیث میں جو علیَّ دینُہ ہے وہ حوالہ نہیں ہے بلکہ ضمانت ہے کہ اس کا قرضہ میں بھروں گا۔ ابن بطالؒ نے اسی کے بارے میں کہا ہے کہ حوالہ اور ضمان ہم معنی ہیں، اس لئے کتاب الحوالہ میں یہ باب لانے میں کچھ حرج نہیں۔

[۳-] بَابٌ: إِذَا أَحَالَ دَيْنَ الْمَيِّتِ عَلٰى رَجُلٍ جَازَ

[۲۲۸۹-] حدثنا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، ثَنَا يَزِيْدُ بْنُ أَبِيْ عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الأَكْوَعِ، قَالَ: كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم إِذْ أُتِيَ بِجَنَازَةٍ، فَقَالُوْا: صَلِّ عَلَيْهَا، فَقَالَ: "هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ؟" فَقَالُوْا: لَا، قَالَ: "فَهَلْ تَرَكَ شَيْئًا؟" قَالُوْا: لَا، فَصَلّٰى عَلَيْهِ. ثُمَّ أُتِيَ بِجَنَازَةٍ أُخْرٰى، فَقَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! صَلِّ عَلَيْهَا. قَالَ: "هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ؟" قِيْلَ: نَعَمْ، قَالَ: "هَلْ تَرَكَ شَيْئًا؟" قَالُوْا: ثَلَاثَةَ دَنَانِيْرَ، فَصَلّٰى عَلَيْهَا. ثُمَّ أُتِيَ بِالثَّالِثَةِ فَقَالُوْا: صَلِّ عَلَيْهَا. قَالَ: "هَلْ تَرَكَ شَيْئًا؟" قَالُوْا: لَا، قَالَ: "فَهَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ؟" قَالُوْا: ثَلَاثَةُ دَنَانِيْرَ، قَالَ: "صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ" فَقَالَ أَبُوْ قَتَادَةَ: صَلِّ عَلَيْهِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَعَلَيَّ دَيْنُهُ. فَصَلّٰى عَلَيْهِ.

[انظر: ۲۲۹۵]

وضاحت: پہلے آپ ﷺ مقروض کا جنازہ نہیں پڑھتے تھے، تاکہ لوگوں کو تنبیہ ہو اور لوگ خواہ مخواہ قرضہ نہ کریں، پھر جب بیت المال میں گنجائش ہوگئی تو آپؐ کا عمل بدل گیا، پھر آپؐ مقروض کا جنازہ پڑھتے تھے اور بیت المال سے اس کا قرضہ ادا کرتے تھے، اور بے آسرا اولاد کی کفالت بھی کرتے تھے، جیسا کہ آگے باب الدین میں حدیث آرہی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الکفالۃ

ذمہ داری لینے کا بیان

کفالہ کے اصطلاحی معنی ہیں: ضَمُّ الذمَّۃِ إلی الذمۃ: ذمہ داری کو ذمہ داری کے ساتھ ملانا، یعنی پہلے قرضہ کا ذمہ دار ایک آدمی تھا اب دو ہو گئے، اسی کا نام ضامن بننا ہے۔ اب قرض خواہ دونوں سے مطالبہ کر سکتا ہے، اصیل سے بھی اور کفیل سے بھی۔

بَابُ الْکَفَالَۃِ فِی الْقَرْضِ وَالدُّیُوْنِ: بِالأَبْدَانِ وَغَیْرِھَا

قرض اور دین کی ذمہ داری لینا نفس کی بھی اور غیر نفس کی بھی

قرض: وہ ذوات الامثال ہیں جو کسی کو دی جائیں تاکہ وہ اس کا مانند آئندہ واپس کرے، جیسے روپے قرض دیئے، گیہوں قرض دیئے، تاکہ ایک وقت کے بعد مقروض اس کے مانند کو واپس کرے۔

اور دَین: وہ مال ہے جو ذمہ پر واجب ہوتا ہے کسی عقد کی وجہ سے یا کسی کی کوئی چیز ہلاک کرنے کی وجہ سے یا قرض لینے کی وجہ سے۔ پس قرض اور دَین میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے۔ قرض خاص ہے اور دَین عام ہے، پھر کفالہ نفس کا بھی ہوتا ہے اور مال وغیرہ کا بھی۔ اور حضرت رحمہ اللہ نے باب میں تین روایتیں پیش کی ہیں:

پہلی روایت: حضرت حمزۃ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زکوٰتیں وصول کرنے کے لئے ایک قبیلہ میں بھیجا، وہاں ایک واقعہ پیش آیا تھا، ایک شخص نے اپنی بیوی کی باندی سے صحبت کی تھی، اور کئی مرتبہ کی تھی، اور اس سے ایک لڑکا بھی پیدا ہوا تھا، جب حضرت حمزہؓ وہاں پہنچے تو یہ واقعہ سامنے آیا، یہ واقعہ رجم کا تھا، مگر قبیلہ کے لوگوں نے بتایا کہ یہ معاملہ حضرت عمرؓ کے پاس جاچکا ہے اور حضرت عمرؓ نے رجم کے بجائے اس کو سو کوڑے مارے ہیں۔ حضرت حمزہؓ کی سمجھ میں بات نہیں آئی، انھوں نے قبیلہ والوں سے کہا: اس شخص کو لے کر مدینہ آؤ اور یہ بھاگ نہ جائے اس کے لئے ضامن دو، چنانچہ قبیلہ والے ضامن بنے، یہ کفالہ بالنفس ہوا، پھر قبیلہ کے لوگ اس شخص کو لے کر مدینہ آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ٹھیک ہے ہم نے اس کو کوڑے مار دیئے ہیں۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کوڑے کیوں مارے، وہ شادی شدہ تھا، اس کو سنگسار کرنا چاہئے تھا؟
جواب یہ ہے کہ وہ قبیلہ جاہل تھا، شرعی حکم جانتا نہیں تھا کہ بیوی کی باندی شوہر استعمال نہیں کر سکتا، اس لئے حضرت عمرؓ

نے جہالت کو عذر قرار دے کر سنگسار کرنے کے بجائے کوڑے مارے۔

دوسری روایت: کوفہ میں کچھ لوگ مرتد ہو گئے، ان کا مقدمہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی کورٹ میں آیا، مرتد کو قتل کیا جاتا ہے، مگر جریر اور اشعث نے عرض کیا: آپ ان کو قتل نہ کریں، ان سے توبہ کرائیں، کیونکہ مرتد توبہ کرلے تو پھر قتل نہیں کیا جاتا، اور ان کی توبہ حقیقی ہے یا دکھاوا ہے؟ اس کے لئے آپ ضامن لے لیں، چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے توبہ کروائی اور ان کی قوم سے ضامن لئے کہ آئندہ یہ مرتد نہیں ہونگے، یہی کفالہ بالنفس ہے۔

مسئلہ: اگر کسی شخص کو ضامن بنکر جیل سے چھڑایا، پھر وہ مرگیا اور کورٹ مطالبہ کرے کہ مجرم کو لاؤ تو حضرت حماد بن ابی سلیمان رحمہ اللہ (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے فقہ کے استاذ) فرماتے ہیں کہ کفالہ ختم ہوگیا، جب وہ شخص مرگیا تو مجرم کو کہاں سے لائیں گے؟! یہی مفتی بہ قول ہے۔

اور حکم بن عتیبہؒ کہتے ہیں: اب بھی کفیل ضامن ہوگا، کورٹ سے جب کسی مجرم کو چھڑاتے ہیں تو ضمانت کی ایک رقم طے ہوتی ہے، کفیل اس رقم کا ضامن ہوگا (مگر رقم کا ضامن اس صورت میں ہوتا ہے جب مجرم زندہ ہو اور روپوش ہو جائے، مجرم کے مرنے کی صورت میں کورٹ بھی رقم کا مطالبہ نہیں کرتی)

تیسری روایت: پہلے اسی جلد میں گذری ہے۔ بنی اسرائیل کا واقعہ ہے، ایک نے دوسرے سے قرض مانگا، اس نے کہا: ضامن لاؤ، قرض خواہ نے کہا: میرے ضامن اللہ تعالیٰ ہیں، چنانچہ اس نے قرض دیدیا، پس جب اللہ تعالیٰ کو کفیل بنا سکتے ہیں تو کسی بندہ کو بھی کفیل بنانا درست ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۳۹- کتاب الکفالۃ

[۱-] بَابُ الْكَفَالَةِ فِي الْقَرْضِ وَالدُّيُوْنِ: بِالْأَبْدَانِ وَغَيْرِهَا

[۲۲۹۰-] وَقَالَ أَبُوْ الزِّنَادِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَمْزَةَ بْنِ عَمْرٍو الْأَسْلَمِيِّ، عَنْ أَبِيْهِ: أَنَّ عُمَرَ بَعَثَهُ مُصَدِّقًا، فَوَقَعَ رَجُلٌ عَلٰى جَارِيَةِ امْرَأَتِهِ، فَأَخَذَ حَمْزَةُ مِنَ الرَّجُلِ كُفَلَاءَ، حَتّٰى قَدِمَ عَلٰى عُمَرَ، وَكَانَ عُمَرُ قَدْ جَلَدَهُ مِائَةَ جَلْدَةٍ فَصَدَّقَهُمْ وَعَذَرَهُ بِالْجَهَالَةِ.

[۱-] وَقَالَ جَرِيْرٌ وَالْأَشْعَثُ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ فِي الْمُرْتَدِّيْنَ: اسْتَتِبْهُمْ وَكَفِّلْهُمْ فَتَابُوْا وَكَفَلَهُمْ عَشَائِرُهُمْ.

[۲-] وَقَالَ حَمَّادٌ: إِذَا تَكَفَّلَ بِنَفْسٍ فَمَاتَ فَلَا شَيْئَ عَلَيْهِ.

[۳-] وَقَالَ الْحَكَمُ: يَضْمَنُ.

[۲۲۹۱-] وَقَالَ اللَّيْثُ: ثَنِيْ جَعْفَرُ بْنُ رَبِيْعَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: " أَنَّـهُ ذَكَرَ رَجُلاً مِنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ سَأَلَ بَعْضَ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ أَنْ يُسْلِفَهُ أَلْفَ دِيْنَارٍ، فَقَالَ: ائْتِنِيْ بِالشُّهَدَاءِ أُشْهِدُهُمْ، فَقَالَ: كَفَى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا، قَالَ: فَأْتِنِيْ بِالْكَفِيْلِ، قَالَ: كَفَى بِاللّٰهِ كَفِيْلاً. قَالَ: صَدَقْتَ، فَدَفَعَهَا إِلَيْهِ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى، فَخَرَجَ فِي الْبَحْرِ فَقَضَى حَاجَتَهُ، ثُمَّ الْتَمَسَ مَرْكَبًا يَرْكَبُهَا يَقْدَمُ عَلَيْهِ لِلْأَجَلِ الَّذِيْ أَجَّلَهُ، فَلَمْ يَجِدْ مَرْكَبًا، فَأَخَذَ خَشَبَةً فَنَقَرَهَا، فَأَدْخَلَ فِيْهَا أَلْفَ دِيْنَارٍ، وَصَحِيْفَةً مِنْهُ إِلَى صَاحِبِهِ، ثُمَّ زَجَّجَ مَوْضِعَهَا، ثُمَّ أَتَى بِهَا إِلَى الْبَحْرِ فَقَالَ: اللّٰهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنِّيْ كُنْتُ تَسَلَّفْتُ فُلاَنًا أَلْفَ دِيْنَارٍ، فَسَأَلَنِيْ كَفِيْلاً، فَقُلْتُ: كَفَى بِاللّٰهِ كَفِيْلاً فَرَضِيَ بِكَ، وَسَأَلَنِيْ شَهِيْدًا فَقُلْتُ: كَفَى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا فَرَضِيَ بِذٰلِكَ. وَإِنِّيْ جَهَدْتُ أَنْ أَجِدَ مَرْكَبًا، أَبْعَثُ إِلَيْهِ الَّذِيْ لَهُ فَلَمْ أَقْدِرْ، وَإِنِّيْ أَسْتَوْدِعُكَهَا، فَرَمَى بِهَا فِي الْبَحْرِ حَتَّى وَلَجَتْ فِيْهِ، ثُمَّ انْصَرَفَ، وَهُوَ فِيْ ذٰلِكَ يَلْتَمِسُ مَرْكَبًا يَخْرُجُ إِلَى بَلَدِهِ، فَخَرَجَ الرَّجُلُ الَّذِيْ كَانَ أَسْلَفَهُ، يَنْظُرُ لَعَلَّ مَرْكَبًا قَدْ جَاءَ بِمَالِهِ، فَإِذَا بِالْخَشَبَةِ الَّتِيْ فِيْهَا الْمَالُ، فَأَخَذَهَا لِأَهْلِهِ حَطَبًا، فَلَمَّا نَشَرَهَا وَجَدَ الْمَالَ وَالصَّحِيْفَةَ، ثُمَّ قَدِمَ الَّذِيْ كَانَ أَسْلَفَهُ فَأَتَى بِالْأَلْفِ دِيْنَارٍ، فَقَالَ: وَاللّٰهِ مَا زِلْتُ جَاهِدًا فِيْ طَلَبِ مَرْكَبٍ لِآتِيَكَ بِمَالِكَ، فَمَا وَجَدْتُ مَرْكَبًا قَبْلَ الَّذِيْ أَتَيْتُ فِيْهِ، قَالَ: هَلْ كُنْتَ بَعَثْتَ إِلَيَّ بِشَيْءٍ؟ قَالَ: أُخْبِرُكَ أَنِّيْ لَمْ أَجِدْ مَرْكَبًا قَبْلَ الَّذِيْ جِئْتُ فِيْهِ، قَالَ: فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَدَّى عَنْكَ الَّذِيْ بَعَثْتَ فِي الْخَشَبَةِ، وَانْصَرِفْ بِالْأَلْفِ الدِّيْنَارِ رَاشِدًا"

[راجع: ۱٤۹۸]

لغات: أُشْهِدُهُمْ: گواہ بناؤں میں ان کو...... زَجَّجَ: لوہا یا لاکھ وغیرہ کی ڈاٹ لگانا، تاکہ پانی اندر نہ جائے...... أَسْتَوْدِعُكَهَا: سونپتا ہوں میں آپ کو وہ روپے...... حَطَبًا: سوختہ کے طور پر، جلانے کے لئے۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ﴾

عقد موالات کا بیان

سورۂ نساء کی آیت (۳۳) ہے: ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُوْنَ، وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ، إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا﴾ ترجمہ: اور ہر ایسے مال کے لئے جس کو والدین اور رشتہ دار چھوڑ جائیں ہم نے وارث مقرر کردیئے ہیں، اور جن لوگوں سے تمہارے عہد بندھے ہوئے ہیں ان کو ان کا حصہ (سدس) دیدو، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر مطلع ہیں۔

تفسیر: زمانۂ جاہلیت سے عقد موالات کا سلسلہ چلا آرہا تھا، عقد موالات یہ ہے کہ کسی کا کوئی وارث نہیں، وہ دوسرے

کے ساتھ اس طرح معاملہ کرے کہ اگر میں کوئی جنایت کروں تو آپ اس کی دیت دیں، اور آپ جنایت کریں تو میں دیت دوں۔ اور میں مروں تو میراث آپ کو ملے گی اور آپ مریں تو آپ کی میراث میں پاؤں گا، زمانۂ جاہلیت میں لوگ ایسی دوستی کیا کرتے تھے، اور اس کو عقد موالات کہتے تھے، زمانۂ جاہلیت میں اس موالات کی وجہ سے میراث ملتی تھی اور دیت دینی پڑتی تھی، اور وہ مولی الموالات کہلاتے تھے۔ پھر جب اسلام کا زمانہ آیا تو ہجرت سے پہلے والے سال تو گذر گئے پھر جب صحابہ ہجرت کر کے مدینہ آئے تو حضور ﷺ نے مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات کرائی، یہ مواخات وہی موالات تھی کیونکہ مہاجرین کے سب ورثاء کافر تھے، اس لئے انصار کے ساتھ مواخات کرائی تا کہ ایک دوسرے کو میراث ملے۔

پھر ایک وقت آیا کہ مہاجرین کے ورثاء مسلمان ہو گئے تو اس حکم میں تبدیلی آئی اور مذکورہ آیت نازل ہوئی، جس میں یہ حکم دیا گیا کہ ہر ایک کے وارث ہیں، وہی میراث پائیں گے، اور جن کے ساتھ عقد موالات ہے ان کو ایک سدس ملے گا، باقی ترکہ ورثاء کو ملے گا۔

پھر زمانہ آگے بڑھا تو سورۃ الانفال کی آخری آیت نازل ہوئی: ﴿وَأُولُوا الْأَرحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ﴾ اس آیت کے ذریعہ مولی الموالات کا جو سدس تھا وہ ختم ہو گیا، اب میراث رشتہ داروں ہی کو ملے گی، البتہ مولی الموالات کی مدد، تعاون، خیر خواہی اور وصیت کرنا جائز رہا۔

نوٹ: عاقدت ایک قراءت ہے ہماری قراءت عَقَدَتْ ہے، کتاب میں یہ تبدیلی کی ہے۔

سوال: امام بخاری رحمہ اللہ عقد موالات کا بیان کتاب الکفالہ میں کیوں لائے ہیں؟

جواب: عقد موالات ایک دوسرے کا ضامن بننا ہے کہ تم جنایت کرو گے تو میں دیت دوں گا، اور میں جنایت کروں تو آپ دیت دیں، یہ ایک دوسرے کا ضامن بننا ہے، پس کفالہ اور عقد موالات گویا ایک ہی چیز ہیں، جیسے ابن بطال رحمہ اللہ کا قول گذرا ہے کہ حوالہ اور ضمان ایک ہی ہیں، ایسے ہی یہاں بھی کفالہ اور عقد موالات ایک ہی ہیں۔

[۲-] بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ﴾

[۲۲۹۲-] حدثنا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ إِدْرِيْسَ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ، عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ قَالَ: وَرَثَةً ﴿وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾: كَانَ الْمُهَاجِرُوْنَ لَمَّا قَدِمُوْا الْمَدِيْنَةَ وَرِثَ الْمُهَاجِرُ الْأَنْصَارِيَّ دُوْنَ ذَوِي رَحِمِهِ، لِلْأُخْوَةِ الَّتِيْ آخَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بَيْنَهُمْ، فَلَمَّا نَزَلَتْ ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ نُسِخَتْ، ثُمَّ قَالَ: ﴿وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ إِلَّا النَّصْرَ وَالرِّفَادَةَ وَالنَّصِيْحَةَ. وَقَدْ ذَهَبَ الْمِيْرَاثُ وَيُوْصَى لَهُ. [انظر: ۴۵۸۰، ۶۷۴۷]

[۲۲۹۳-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَدِمَ عَلَيْنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ

ابْنِ عَوْفٍ، فَآخَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بَيْنَهُ وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ.[راجع: ۲۰۳۹]
[۲۲۹٤-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ زَكَرِيَّا، ثَنَا عَاصِمٌ، قَالَ: قُلْتُ لِأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَبَلَغَكَ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" لَاحِلْفَ فِي الإِسْلَامِ؟" فَقَالَ: قَدْ حَالَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بَيْنَ قُرَيْشٍ وَالأَنْصَارِ فِي دَارِيْ.[انظر: ٦٠٨٣، ٧٣٤٠]

وضاحت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے موالی کا ترجمہ ورثاء کیا ہے............نُسِخَتْ: یعنی آیت:﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ منسوخ ہوگئی، اب میراث ورثاء کو ملے گی............﴿فَآتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ﴾ کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ نے مدد، تعاون اور خیر خواہی سے کی ہے، اور فرمایا کہ میراث تو ختم ہوگئی البتہ مولی الموالات کے لئے وصیت کر سکتے ہیں، مگر صحیح بات یہ ہے کہ نصیب سے سدس مراد ہے، پھر بالکلیہ توریث سورۃ الانفال کی آخری آیت سے ختم ہوئی ہے۔............
الرِّفادة: تعاون، سہارا، غریب حاجیوں کی ضیافت، زمانۂ جاہلیت میں قریش اپنے مالوں میں سے ایک حصہ نکال کر غریب حاجیوں کے کھانے وغیرہ کا انتظام کرتے تھے، اس کو رفادہ کہتے تھے۔
آخری حدیث: عاصم احول نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ لا حِلْفَ في الإسلام: اسلام میں قسمیں کھا کر معاہدہ کرنا نہیں ہے، حضرت انسؓ نے کہا: نبی ﷺ نے میرے گھر میں قریش اور انصار کے درمیان معاہدہ کرایا ہے (پس وہ بات کیسے صحیح ہوسکتی ہے؟)
تشریح: حدیث لاحِلْفَ في الإسلام متعدد طرق سے مروی ہے یعنی اسلام میں تعاون باہمی کے لئے قسمیں کھا کر انجمن بنانے کی ضرورت نہیں، کیونکہ اخوت اسلامی ہی تعاون باہمی کے لئے کافی ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ جائز نہیں، پس مواخات نبوی اور حدیث میں کوئی تعارض نہیں۔

بَابُ مَنْ تَكَفَّلَ عَنْ مَيِّتٍ دَيْنًا، فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَرْجِعَ

جو کسی میت کے قرضہ کا ضامن بن جائے وہ رجوع نہیں کر سکتا

ابھی یہ مسئلہ آیا ہے کہ اگر کوئی کسی میت کی طرف سے قرضہ کا ضامن بننا چاہے تو بن سکتا ہے، اب یہ مسئلہ ہے کہ یہ ضمانت لازم ہے یا اختیاری؟ یعنی اگر رجوع کرنا چاہے اور قرضہ نہ بھرنا چاہے تو اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضمانت لازم ہے، اب رجوع نہیں کر سکتا، اس کو قرضہ بھرنا ہی پڑے گا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔ مگر ائمہ: ابوحنیفہ، شافعی اور مالک رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ یہ رضا کارانہ ضمانت ہے، اس کو قرضہ بھرنا چاہئے، لیکن اگر نہ بھرے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔
اور امام بخاری رحمہ اللہ نے باب میں دو حدیثیں پیش کی ہیں۔ پہلی حدیث ابھی گذری ہے کہ جب حضرت ابوقتادہ رضی

اللہ عنہ نے میت کا قرضہ اپنے ذمہ لیا تو حضور ﷺ نے پوچھا: بالوفاء؟ واقعی بھروگے؟ انھوں نے کہا: بالوفاء، واقعی بھرونگا اس سے امام بخاریؒ نے لزوم ضمانت پر استدلال کیا ہے، مگر یہ استدلال صحیح نہیں، اگر ضمانت لازم ہوتی تو حضور ﷺ یہ کیوں پوچھتے کہ واقعی بھروگے؟

دوسری حدیث: نبی ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں مختلف لوگوں سے کچھ وعدے کر رکھے تھے، مثلاً حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے وعدہ کیا تھا کہ جب بحرین کا محصول آئے گا میں تمہیں اتنا اتنا دوں گا، اور آپؐ نے تین مرتبہ لپ بھر کر ڈالے، حضور ﷺ کی حیات میں بحرین کا محصول نہیں آیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں آیا، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں اعلان کرایا کہ حضور ﷺ نے کسی سے کوئی وعدہ کیا ہو یا حضور ﷺ کے ذمہ کوئی قرضہ ہو تو وہ آئے میں اس کو پورا کروں گا۔ حضرت جابرؓ آئے اور انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے مجھ سے یہ فرمایا تھا، حضرت ابوبکرؓ نے بحرین کے مال میں سے لپ بھر کر ڈالا، اور فرمایا: گنو، وہ پانچ سو درہم تھے، آپؓ نے فرمایا: اس کا دوگنا لے لو (حدیث پوری ہوئی)

یہ نبی ﷺ کا ایک وعدہ تھا، اس کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پورا کیا، یہ نبی ﷺ کے ذمہ کوئی قرض نہیں تھا، مگر سخی آدمی جب کوئی وعدہ کرتا ہے تو گویا وہ قرضہ ہوجاتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو چکایا۔ معلوم ہوا کہ اگر کوئی میت کی طرف سے کسی قرضہ کا ضامن بنے تو ضمانت لازم ہے، یہ امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال ہے۔

لیکن یہ استدلال غور طلب ہے، اول: اس لئے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ضامن نہیں بنے تھے، بلکہ حکومت کے مال میں سے دیا تھا۔ ثانیاً: یہ وعدہ تھا، قرضہ نہیں تھا، پس حدیث سے قرض کی ضمانت پر استدلال تام نہیں۔

[۳-] بَابُ مَنْ تَكَفَّلَ عَنْ مَيِّتٍ دَيْنًا، فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَرْجِعَ

وَبِهِ قَالَ الْحَسَنُ.

[۲۲۹۵-] حدثنا أَبُوْ عَاصِمٍ، عَنْ يَزِيْدَ بْنِ أَبِيْ عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أُتِيَ بِجَنَازَةٍ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهَا، فَقَالَ:" هَلْ عَلَيْهِ مِنْ دَيْنٍ؟" فَقَالُوْا: لاَ، فَصَلَّى عَلَيْهِ. ثُمَّ أُتِيَ بِجَنَازَةٍ أُخْرَى، فَقَالَ:" هَلْ عَلَيْهِ مِنْ دَيْنٍ؟" قَالُوْا: نَعَمْ، قَالَ:" فَصَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ" قَالَ أَبُوْ قَتَادَةَ: عَلَيَّ دَيْنُهُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَصَلَّى عَلَيْهِ. [راجع: ۲۲۸۹]

[۲۲۹۶-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنَا سُفْيَانُ، ثَنَا عَمْرٌو، سَمِعَ مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيٍّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم:" لَوْ قَدْ جَاءَ مَالُ الْبَحْرَيْنِ قَدْ أَعْطَيْتُكَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا، فَلَمْ يَجِئْ مَالُ الْبَحْرَيْنِ حَتَّى قُبِضَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَلَمَّا جَاءَ مَالُ الْبَحْرَيْنِ أَمَرَ أَبُوْ بَكْرٍ فَنَادَى: مَنْ كَانَ لَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم عِدَةٌ أَوْ دَيْنٌ فَلْيَأْتِنَا، فَأَتَيْتُهُ، فَقُلْتُ: إِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه

وسلم قَالَ لِیْ کَذَا وَکَذَا، فَحَثَا لِیْ حَثْیَةً، فَعَدَدْتُهَا فَإِذَا هِیَ خَمْسُ مِائَةٍ، وَقَالَ: خُذْ مِثْلَیْهَا.
[انظر: ۲۵۹۸، ۲۶۸۳، ۳۱۳۷، ۳۱۶۴، ٤۳۸۳]

بَابُ جُوَارِ أَبِیْ بَکْرٍ الصَّدِّیْقِ فِی عَهْدِ النَّبِیِّ صلی الله علیه وسلم، وَعَقْدِهِ

عہدِ نبوی میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا پناہ لینا، اور پیمان باندھنا

جَاوَرَ مُجَاوَرَةً وَجُوَارًا (جیم کا زبر اور پیش) کسی کی حمایت وحفاظت کرنا، پناہ لینا۔ اور عقد کے معنی ہیں: گرہ باندھنا یعنی عقد و پیمان باندھنا، پس باب کے دونوں جزوں کا ایک مطلب ہے۔

مکی دور میں جب لوگ ہجرت کر کے حبشہ جارہے تھے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی اہل مکہ کی ایذاء رسانی سے تنگ آکر ہجرت کا ارادہ کیا اور مکہ سے نکل کھڑے ہوئے، برك الغماد (ایک جگہ) پر پہنچے تو ابنُ الدَّغِنَة سے ملاقات ہوئی، اس سے سابقہ معرفت تھی، اس نے پوچھا: کہاں جارہے ہو؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری قوم نے مجھے تنگ کردیا، مجھے مکہ سے نکلنے پر مجبور کردیا، اب میں اللہ کی زمین میں پھرونگا اور اللہ کی عبادت کروں گا (یہ نہیں بتایا کہ حبشہ جارہا ہوں) ابن الدغنہ نے کہا: آپ جیسا آدمی جو یہ اور یہ رفاہی کام کرتا ہے، مکہ سے نکل جائے گا تو مکہ والوں کا کیا ہوگا؟ ابن الدغنہ نے وہی پانچ رفاہی کام گنائے ہیں جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کی شان میں بیان کئے تھے، پھر اس نے کہا: آپ واپس چلیں، میں آپ کے ساتھ آتا ہوں، میں آپ کو اپنی پناہ میں لوں گا، یہ کفالہ بالنفس کے مشابہ ہے، وہ آپ کو لیکر مکہ آیا اور مکہ کے تمام سرداروں سے ملا اور کہا: ابوبکر میری پناہ میں ہیں، الی آخرہ۔ حدیث کا ترجمہ آگے آرہا ہے۔

دوسری حدیث: جب فتوحات ہونے لگیں اور حکومت کی آمدنی شروع ہوگئی تو نبی ﷺ نے فرمایا: أنا أولى بالمؤمنين من أنفسهم: أولى بمعنى أقرب ہے، یعنی میں مؤمنین سے ان کی ذاتوں سے زیادہ قریب ہوں، ہر شخص پہلے اپنی فکر کرتا ہے، نبی ﷺ مؤمنین کی اس سے زیادہ فکر کرتے ہیں، پھر آپؐ نے اعلان کیا: اگر کوئی مرے گا اور قرضہ چھوڑے گا تو وہ قرضہ میں (بیت المال سے) ادا کروں گا اور بچے چھوڑے گا اور ان کی پرورش کا کوئی نظم نہیں ہوگا تو میں ان کی کفالت کروں گا، البتہ ترکہ چھوڑے گا تو حکومت وارث نہیں ہوگی، بلکہ اس کی میراث اس کے ورثاء کو ملے گی۔ یہ نبی ﷺ نے مرنے والے کے قرضہ کی اور بے آسرا بچوں کی کفالت کی۔

[٤-] بَابُ جُوَارِ أَبِیْ بَکْرٍ الصَّدِّیْقِ فِی عَهْدِ النَّبِیِّ صلی الله علیه وسلم، وَعَقْدِهِ

[۲۲۹۷-] حدثنا یَحْیَی بْنُ بُکَیْرٍ، ثَنَا اللَّیْثُ، عَنْ عُقَیْلٍ، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَأَخْبَرَنِیْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَیْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِیِّ صلی الله علیه وسلم قَالَتْ: لَمْ أَعْقِلْ أَبَوَیَّ قَطُّ إِلَّا وَهُمَا یَدِیْنَانِ الدِّیْنَ.

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: وَقَالَ أَبُوْ صَالِحٍ: ثَنِیْ عَبْدُ اللّٰهِ، عَنْ یُوْنُسَ، عَنِ الزُّهْرِیِّ: أَخْبَرَنِیْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَیْرِ: أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: لَمْ أَعْقِلْ أَبَوَیَّ قَطُّ إِلَّا وَهُمَا یَدِیْنَانِ الدِّیْنَ، وَلَمْ یَمُرَّ عَلَیْنَا یَوْمٌ إِلَّا یَأْتِیْنَا فِیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم طَرَفَیِ النَّهَارِ بُکْرَةً وَعَشِیَّةً، فَلَمَّا ابْتُلِیَ الْمُسْلِمُوْنَ خَرَجَ أَبُوْ بَکْرٍ مُهَاجِرًا قِبَلَ الْحَبَشَةِ، حَتّٰی إِذَا بَلَغَ بَرْکَ الْغُمَادِ لَقِیَهُ ابْنُ الدَّغِنَةِ، وَهُوَ سَیِّدُ الْقَارَةِ، فَقَالَ: أَیْنَ تُرِیْدُ یَا أَبَا بَکْرٍ؟ فَقَالَ أَبُوْ بَکْرٍ: أَخْرَجَنِیْ قَوْمِیْ، وَأَنَا أُرِیْدُ أَنْ أَسِیْحَ فِی الْأَرْضِ، وَأَعْبُدَ رَبِّیْ، قَالَ ابْنُ الدَّغِنَةِ: إِنَّ مِثْلَكَ لَایَخْرُجُ وَلَا یُخْرَجُ، فَإِنَّكَ تَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ، وَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْکَلَّ، وَتَقْرِی الضَّیْفَ، وَتُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ، وَأَنَا لَكَ جَارٌ، فَارْجِعْ فَاعْبُدْ رَبَّكَ بِبِلَادِكَ.

ترجمہ: حدیث لمبی ہے اور پہلی بار آئی ہے، اس لئے چند ٹکروں میں ترجمہ کرتا ہوں ـــــ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے اپنے والدین کو دیندار پایا ہے (حدیث کا اتنا حصہ پہلے بھی آچکا ہے) اور ہم پر کوئی دن نہیں گذرتا تھا مگر اس میں نبی ﷺ ہمارے یہاں تشریف لاتے تھے، دن کے دونوں کناروں میں یعنی صبح وشام، پس جب مسلمان آزمائش میں ڈالے گئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حبشہ کی طرف ہجرت کے ارادہ سے نکلے، یہاں تک کہ جب آپ برک الغماد پہنچے تو ان سے ابن الدغنہ ملا، اور وہ قبیلہ قارہ کا سردار تھا (اور اس سے ابوبکرؓ کی سابقہ معرفت تھی) اس نے پوچھا: ابوبکر! کہاں کا ارادہ ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے، پس میں چاہتا ہوں کہ زمین میں پھروں اور میرے پروردگار کی عبادت کروں، ابن الدغنہ نے کہا: آپ جیسا آدمی نہ نکلے گا نہ نکالا جائے گا، اس لئے کہ آپؐ معدوم (نابود) کو کماتے ہیں اور صلہ رحمی کرتے ہیں اور بوجھ اٹھاتے ہیں اور مہمان نوازی کرتے ہیں اور قدرتی حوادث میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں اور میں آپؓ کو پناہ دینے والا ہوں، پس آپؓ واپس چلیں اور اپنے شہر میں اپنے رب کی عبادت کریں۔

فَارْتَحَلَ ابْنُ الدَّغِنَةِ فَرَجَعَ مَعَ أَبِیْ بَکْرٍ فَطَافَ فِیْ أَشْرَافِ کُفَّارِ قُرَیْشٍ، فَقَالَ لَهُمْ: إِنَّ أَبَا بَکْرٍ لَا یَخْرُجُ مِثْلُهُ وَلَا یُخْرَجُ. أَتُخْرِجُوْنَ رَجُلًا یَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ، وَیَصِلُ الرَّحِمَ وَیَحْمِلُ الْکَلَّ، وَیَقْرِی الضَّیْفَ، وَیُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ؟ فَأَنْفَذَتْ قُرَیْشٌ جِوَارَ ابْنِ الدَّغِنَةِ، وَآمَنُوْا أَبَا بَکْرٍ، وَقَالُوْا لِابْنِ الدَّغِنَةِ: مُرْ أَبَا بَکْرٍ فَلْیَعْبُدْ رَبَّهُ فِیْ دَارِهِ، فَلْیُصَلِّ وَلْیَقْرَأْ مَاشَاءَ، وَلَا یُؤْذِیْنَا بِذٰلِكَ، وَلَا یَسْتَعْلِنْ بِهِ، فَإِنَّا قَدْ خَشِیْنَا أَنْ یَفْتِنَ أَبْنَاءَ نَا وَنِسَاءَ نَا، قَالَ ذٰلِكَ ابْنُ الدَّغِنَةِ لِأَبِیْ بَکْرٍ، فَطَفِقَ أَبُوْ بَکْرٍ یَعْبُدُ رَبَّهُ فِیْ دَارِهِ، وَلَا یَسْتَعْلِنُ بِالصَّلَاةِ، وَلَا الْقِرَاءَ ةِ فِیْ غَیْرِ دَارِهِ.

ترجمہ: پس ابن الدغنہ نے سفر کیا اور وہ ابوبکرؓ کے ساتھ لوٹا اور کفار قریش کے بڑے لوگوں سے ملا اور ان سے کہا: ابوبکر

جیسا آدمی نہ نکلے گا نہ نکالا جائے گا، کیا تم ایسے آدمی کو نکالتے ہو جو معدوم کو کماتا ہے، صلہ رحمی کرتا ہے، بوجھ اٹھاتا ہے، مہمان نوازی کرتا ہے اور قدرتی حادثات میں لوگوں کی مدد کرتا ہے؟ پس قریش نے ابن الدغنہ کی پناہ کو نافذ کیا یعنی مان لیا اور انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کو امن دیدیا۔ اور انھوں نے ابن الدغنہ سے کہا: آپ ابوبکر کو حکم دیں کہ وہ اپنے رب کی عبادت کریں اپنے گھر میں، پس نماز اور جو چاہیں پڑھیں اور ہمیں اس کے ذریعہ نہ ستائیں، اور وہ اپنی عبادت برملا نہ کریں، اس لئے کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ ہمارے بیٹے اور ہماری بیویاں فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گی۔ ابن الدغنہ نے یہ بات حضرت ابوبکرؓ سے کہی، پس حضرت ابوبکرؓ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کرنے لگے، اور برملا نماز نہیں پڑھتے تھے اور اپنے گھر کے سواء قرآن بھی نہیں پڑھتے تھے۔

ثُمَّ بَدَا لِأَبِیْ بَکْرٍ فَابْتَنَی مَسْجِدًا بِفِنَاءِ دَارِهِ وَبَرَزَ فَکَانَ یُصَلِّیْ فِیْهِ وَیَقْرَأُ الْقُرْآنَ، فَیَتَقَصَّفُ عَلَیْهِ نِسَاءُ الْمُشْرِکِیْنَ وَأَبْنَاؤُهُمْ، یَعْجَبُوْنَ وَیَنْظُرُوْنَ إِلَیْهِ، وَکَانَ أَبُوْ بَکْرٍ رَجُلاً بَکَّاءً، لاَ یَمْلِكُ دَمْعَهُ حِیْنَ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ، فَأَفْزَعَ ذٰلِكَ أَشْرَافَ قُرَیْشٍ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ، فَأَرْسَلُوْا إِلٰی ابْنِ الدَّغِنَةِ، فَقَدِمَ عَلَیْهِمْ، فَقَالُوْا لَهُ: إِنَّا کُنَّا أَجَرْنَا أَبَا بَکْرٍ عَلٰی أَنْ یَعْبُدَ رَبَّهُ فِی دَارِهِ، وَإِنَّهُ جَاوَزَ ذٰلِكَ، فَابْتَنَی مَسْجِدًا بِفِنَاءِ دَارِهِ، وَأَعْلَنَ الصَّلاَةَ وَالْقِرَاءَةَ، وَقَدْ خَشِیْنَا أَنْ یَفْتِنَ أَبْنَاءَ نَا وَنِسَاءَ نَا، فَأْتِهِ، فَإِنْ أَحَبَّ أَنْ یَقْتَصِرَ عَلٰی أَنْ یَعْبُدَ رَبَّهُ فِی دَارِهِ فَعَلَ، وَإِنْ أَبٰی إِلاَّ أَنْ یُعْلِنَ ذٰلِكَ فَسَلْهُ أَنْ یَرُدَّ إِلَیْكَ ذِمَّتَكَ فَإِنَّا کَرِهْنَا أَنْ نُخْفِرَكَ، وَلَسْنَا مُقِرِّیْنَ لِأَبِیْ بَکْرٍ الِاسْتِعْلاَنَ.

ترجمہ: پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے بدلی، چنانچہ انھوں نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنائی اور باہر نکلے، پس وہ اس میں نماز اور قرآن پڑھتے تھے، پس مشرکین کی بیویاں اور ان کے بیٹے ان پر ٹوٹ پڑتے تھے، وہ تعجب کرتے تھے، اور ابوبکرؓ کو دیکھتے تھے، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کثیر البکاء تھے، وہ اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں رکھ سکتے تھے، جب قرآن پڑھتے تھے، پس اس چیز نے گھبراہٹ میں ڈال دیا مشرکین میں سے قریش کے بڑے لوگوں کو، پس انھوں نے ابن الدغنہ کے پاس آدمی بھیجا، وہ ان کے پاس آیا، انھوں نے اس سے کہا: ہم نے ابوبکر کو پناہ دی تھی، اس شرط پر کہ وہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کریں، اور بیشک انھوں نے اس سے تجاوز کیا ہے، پس اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنائی ہے اور برملا نماز اور قرآن پڑھتے ہیں اور ہمیں اندیشہ ہے کہ ہمارے بیٹے اور ہماری بیویاں فتنہ میں مبتلا ہو جائیں، پس آپ ان کے پاس جائیں اگر وہ اس بات کو پسند کریں کہ اکتفا کریں اس پر کہ وہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کریں تو کریں۔ اور اگر وہ انکار کریں مگر اس بات کا کہ وہ اس کو علی الاعلان کریں گے تو آپ ان سے کہئے کہ وہ آپ کی طرف آپ کی ذمہ داری واپس کر دیں، اس لئے کہ ہم اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ آپ کی ذمہ داری میں رخنہ ڈالیں، اور ہم برملا کرنے کے روادار بھی نہیں۔

لغت: تَقَصَّفَ القومُ علی شیئٍ: کسی چیز پر ٹوٹ پڑنا۔

قَالَتْ عَائِشَةُ فَأَتَى ابْنُ الدَّغِنَةِ أَبَا بَكْرٍ فَقَالَ: قَدْ عَلِمْتَ الَّذِىْ عَقَدْتُ لَكَ عَلَيْهِ، فَإِمَّا أَنْ تَقْتَصِرَ عَلٰى ذٰلِكَ، وَإِمَّا أَنْ تَرُدَّ إِلَيَّ ذِمَّتِىْ، فَإِنِّىْ لَاأُحِبُّ أَنْ تَسْمَعَ الْعَرَبُ أَنِّىْ أُخْفِرْتُ فِى رَجُلٍ عَقَدْتُ لَهُ، قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ: فَإِنِّىْ أَرُدُّ إِلَيْكَ جِوَارَكَ، وَأَرْضَى بِجِوَارِ اللّٰهِ، وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَوْمَئِذٍ بِمَكَّةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " قَدْ أُرِيْتُ دَارَ هِجْرَتِكُمْ، رَأَيْتُ سَبْخَةً ذَاتَ نَخْلٍ بَيْنَ لَابَتَيْنِ" وَهُمَا الْحَرَّتَانِ. فَهَاجَرَ مَنْ هَاجَرَ قِبَلَ الْمَدِيْنَةِ حِيْنَ ذَكَرَ ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَرَجَعَ إِلَى الْمَدِيْنَةِ بَعْضُ مَنْ كَانَ هَاجَرَ إِلٰى أَرْضِ الْحَبَشَةِ، وَتَجَهَّزَ أَبُوْ بَكْرٍ مُهَاجِرًا، فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " عَلٰى رِسْلِكَ، فَإِنِّىْ أَرْجُوْ أَنْ يُؤْذَنَ لِىْ" قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ: هَلْ تَرْجُوْ ذٰلِكَ بِأَبِىْ أَنْتَ؟ قَالَ: " نَعَمْ" فَحَبَسَ أَبُوْ بَكْرٍ نَفْسَهُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لِيَصْحَبَهُ، وَعَلَفَ رَاحِلَتَيْنِ كَانَتَا عِنْدَهُ وَرَقَ السَّمُرِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ. [راجع: ٤٧٦]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: پس ابن الدغنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے کہا: آپ جانتے ہیں اس بات کو جس پر میں نے آپ کو پناہ دی ہے، پس یا تو اکتفاء کریں آپ اُس پر اور یا پھیر دیں آپ میری طرف میری ذمہ داری، اس لئے کہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ عربوں میں یہ بات پھیلے کہ میری ذمہ داری میں رخنہ ڈالا گیا، ایک ایسے آدمی کے بارے میں جس کو میں نے پناہ دی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا: میں آپ کی پناہ آپ کی طرف واپس کرتا ہوں، اور میں اللہ کی پناہ پر خوش ہوں۔ اور رسول اللہ ﷺ اس زمانہ میں مکہ میں تھے، پس آپؐ نے فرمایا: میں تمہارا دار الہجرۃ خواب میں دکھایا گیا ہوں، میں نے دولابوں کے درمیان نخلستان والی شور زمین دیکھی ہے" .... اور دولابے دو حرّے ہیں یعنی سیاہ پتھروں والی زمین، پس مدینہ کی طرف ہجرت کی جس نے ہجرت کی، جب نبی ﷺ نے یہ خواب ذکر کیا اور بعض وہ لوگ جنھوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی وہ بھی مدینہ کی طرف لوٹ آئے، اور حضرت ابوبکرؓ نے ہجرت کے لئے سامان تیار کیا، پس ان سے نبی ﷺ نے فرمایا: "ٹھہرو! مجھے بھی امید ہے کہ مجھے ہجرت کی اجازت دی جائے گی" حضرت ابوبکرؓ نے کہا: کیا آپؐ بھی اس کی امید کرتے ہیں، میرے والد آپؐ پر فدا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں، پس ابوبکرؓ نے اپنی ذات کو رسول اللہ ﷺ پر روک لیا تاکہ وہ آپؐ کے ساتھ ہجرت کریں، اور دو سواریوں کو چار مہینہ تک کیکر کے پتوں کا چارہ کھلایا جو ان کے پاس تھیں۔

[٢٢٩٨-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِىْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُؤْتَى بِالرَّجُلِ الْمُتَوَفَّى عَلَيْهِ الدَّيْنُ،

فَيَسْأَلُ: " هَلْ تَرَكَ لِدَيْنِهِ فَضْلاً؟" فَإِنْ حُدِّثَ أَنَّهُ تَرَكَ لِدَيْنِهِ وَفَاءً صَلَّى، وَإِلَّا قَالَ لِلْمُسْلِمِيْنَ: " صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ" فَلَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْفُتُوْحَ قَالَ: " أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ، فَمَنْ تُوُفِّيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَتَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ قَضَاؤُهُ، وَمَنْ تَرَكَ مَالاً فَلِوَرَثَتِهِ"

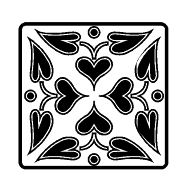
[انظر: ٢٣٩٨، ٢٣٩٩، ٤٧٨١، ٥٣٧١، ٦٧٣١، ٦٧٤٥، ٦٧٦٣]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایسے شخص کا جنازہ لایا جاتا جس پر قرض ہوتا، پس آپؐ پوچھتے: کیا اس شخص نے قرض سے زیادہ مال چھوڑا ہے؟ پس اگر لوگ کہتے کہ اس نے اپنے قرضہ کی بھر پائی چھوڑی ہے تو آپؐ اس کی نماز جنازہ پڑھتے ورنہ مسلمانوں سے فرماتے: تم اپنے آدمی کا جنازہ پڑھ لو۔ پھر جب آپؐ کے لئے فتوحات ہوئیں تو آپؐ نے فرمایا: میں مسلمانوں سے خود ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہوں، پس جس مسلمان کا انتقال ہوا اور اس نے قرض چھوڑا ہو تو اس کا قرضہ مجھ پر ہے اور جس نے مال چھوڑا ہو تو وہ مال اس کے ورثاء کے لئے ہے۔

سوال: اس حدیث کا باب جوار أبی بکر سے کیا تعلق ہے؟

جواب: پہلے یہ سوال ہونا چاہئے کہ بَابُ جوار أبی بکر کا کتاب الکفالۃ سے کیا تعلق ہے؟ میں نے پہلے اس کا جواب دیا ہے کہ ابن الدغنہ کا حضرت ابوبکرؓ کو پناہ دینا کفالہ بالنفس کے مشابہ ہے، اس لئے یہ باب لائے ہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ یہاں بخاری شریف کے نسخوں میں بہت اختلاف ہے، اصیلی اور کریمہ کے نسخوں میں یہاں باب الدَّین ہے۔ اور ابوذر اور ابوالوقت کے نسخوں میں نہ باب ہے نہ ترجمہ، اور مستملی کے نسخہ میں یہ حدیث ہی نہیں ہے، اور نسفی اور شبُّویہ کے نسخوں میں صرف باب بلا ترجمہ ہے، اور اسماعیلی کو یہی نسخہ پسند ہے، اور ابن بطالؒ نے یہ حدیث باب من تکفل عن میت بدین کے آخر میں ذکر کی ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کو مناسب قرار دیا ہے، اور میرے نزدیک صرف بابٌ ہونا چاہئے جو کالفصل من الباب السابق ہو جائے، یا باب الدَّین ہونا چاہئے جیسا کہ مصری نسخہ میں ہے، پہلے میت کے قرضہ کی کفالت کا باب آیا ہے اب یہ باب مطلق لائے ہیں، نبی ﷺ نے نادار وفات پانے والے کے قرضہ کی ذمہ داری لی اور اس کے بے سہارا بچوں کی پرورش کی ذمہ داری لی، یہ اگرچہ رضا کارانہ تھا مگر کفالہ کے مشابہ ہے، اس لئے یہاں یہ باب اور یہ حدیث لائے ہیں۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الوکالة

دوسرے سے کام کرانا

وکالت کے معنی ہیں: کوئی کام خود کرنے کے بجائے دوسرے سے کرانا، کتاب خریدنی ہے، خود خریدنے کے بجائے دوسرے سے خریدوائی: یہ وکالت ہے۔ تَفویضُ شخصٍ أمرَہ إلیٰ آخرَ، وإِقَامتُه مَقامَہ فی التَّصَرُّفِ (معجم لغة الفقهاء) آج کل وکیل اور وکالت ایک دوسرے معنی میں مستعمل ہیں، یعنی ایڈوکیٹ، اس کے لئے عربی میں لفظ مُحامی ہے، یہ یہاں مراد نہیں۔

بَابُ وَكَالَةِ الشَّرِيْكِ فِي الْقِسْمَةِ وَغَيْرِهَا

بانٹنے وغیرہ میں شریک کو وکیل بنانا

دو شخص کسی چیز میں شریک ہیں ایک نے دوسرے کو وکیل بنایا کہ یہ چیز آپ لوگوں میں بانٹ دیں، تو یہ جائز ہے۔ حجۃ الوداع میں منیٰ میں نبی ﷺ نے سو اونٹ قربان کئے تھے ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپؐ نے شریک کرلیا تھا، پھر تریسٹھ اونٹ آپؐ نے خود ذبح کئے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وکیل بنایا کہ باقی تم ذبح کرو اور گوشت اور کھال وغیرہ بانٹ دو، یہ فرما کر آپؐ قیام گاہ پر تشریف لے آئے، باقی کام حضرت علیؓ نے انجام دیا، یہ وکالت کے جواز کی پہلی دلیل ہے۔

دوسری دلیل: ایک سفر میں بقرعید آ گئی، نبی ﷺ نے حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کو بکریاں دیں اور فرمایا: ہر صحابی کو ایک ایک بکری دیدو، بکریاں حضور ﷺ کی طرف سے تقسیم ہوئیں، مگر حضور ﷺ نے بذاتِ خود تقسیم کرنے کے بجائے حضرت عقبہؓ کو وکیل بنایا، یہ جواز وکالت کی دوسری دلیل ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

٤٠- كتاب الوكالة

[١-] بَابُ وَكَالَةِ الشَّرِيْكِ فِي الْقِسْمَةِ وَغَيْرِهَا

وَقَدْ أَشْرَكَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَلِيًّا فِيْ هَدْيِهِ، ثُمَّ أَمَرَهُ بِقِسْمَتِهَا.

[۲۲۹۹-] حدثنا قَبِيْصَةُ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ ابْنِ أَبِيْ نَجِيْحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِيْ لَيْلٰى، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: " أَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ أَتَصَدَّقَ بِجِلَالِ الْبُدْنِ الَّتِيْ نُحِرَتْ، وَبِجُلُوْدِهَا"[راجع: ۱۷۰۷]

[۲۳۰۰-] حدثنا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيْدَ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَعْطَاهُ غَنَمًا يَقْسِمُهَا عَلٰى صَحَابَتِهِ، فَبَقِيَ عَتُوْدٌ فَذَكَرَهُ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: " ضَحِّ بِهِ أَنْتَ"[انظر: ۲۵۰۰، ۵۵۴۷، ۵۵۵۵]

لغات: الجُلّ: جانور کی جھول، جمع جِلال.........العَتُود: بکری کا ایک سالہ بچہ، جمع أعتِدَۃ۔

بَابٌ: إِذَا وَكَّلَ الْمُسْلِمُ حَرْبِيًّا فِي دَارِ الْحَرْبِ أَوْ فِي دَارِ الإِسْلَامِ جَازَ

مسلمان نے دارالحرب میں یا دارالاسلام میں حربی کو وکیل بنایا تو جائز ہے

مسلمان نے غیر مسلم کو وکیل بنایا تو یہ جائز ہے خواہ دارالحرب میں بنائے یا دارالاسلام میں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

حدیث: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا امیہ بن خلف کے ساتھ معاہدہ تھا کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کے جو متعلقین مکہ میں ہیں ان کی حفاظت امیہ کرے گا اور امیہ کے جو متعلقین مدینہ میں ہیں ان کی حفاظت حضرت عبدالرحمٰنؓ کریں گے، پورا واقعہ حدیث کے بعد آرہا ہے۔ اس حدیث سے یہ استدلال کرنا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے امیہ کو وکیل بنایا۔ معلوم ہوا کہ کافر کو وکیل بنانا جائز ہے۔

[۲-] بَابٌ: إِذَا وَكَّلَ الْمُسْلِمُ حَرْبِيًّا فِي دَارِ الْحَرْبِ أَوْ فِي دَارِ الإِسْلَامِ جَازَ

[۲۳۰۱-] حدثنا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنَا يُوْسُفُ بْنُ الْمَاجِشُوْنَ، عَنْ صَالِحِ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، قَالَ: كَاتَبْتُ أُمَيَّةَ بْنَ خَلَفٍ كِتَابًا، بِأَنْ يَحْفَظَنِيْ فِيْ صَاغِيَتِيْ بِمَكَّةَ، وَأَحْفَظَهُ فِي صَاغِيَتِهِ بِالْمَدِيْنَةِ، فَلَمَّا ذَكَرْتُ 'الرَّحْمٰنَ' قَالَ: لَا أَعْرِفُ 'الرَّحْمٰنَ'، كَاتِبْنِيْ بِاسْمِكَ الَّذِيْ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَكَاتَبْتُهُ: عَبْدُ عَمْرٍو.

فَلَمَّا كَانَ فِي يَوْمِ بَدْرٍ خَرَجْتُ إِلٰى جَبَلٍ لِأُحْرِزَهُ حِيْنَ نَامَ النَّاسُ، فَأَبْصَرَهُ بِلَالٌ، فَخَرَجَ حَتّٰى وَقَفَ عَلٰى مَجْلِسِ الأَنْصَارِ، فَقَالَ: أُمَيَّةُ بْنُ خَلَفٍ! لَا نَجَوْتُ إِنْ نَجَا أُمَيَّةُ! فَخَرَجَ مَعَهُ فَرِيْقٌ مِنَ الأَنْصَارِ فِي آثَارِنَا، فَلَمَّا خَشِيْتُ أَنْ يَلْحَقُوْنَا خَلَّفْتُ لَهُمُ ابْنَهُ لِأَشْغَلَهُمْ، فَقَتَلُوْهُ، ثُمَّ أَبَوْا حَتّٰى يَتْبَعُوْنَا، وَكَانَ رَجُلًا ثَقِيْلًا، فَلَمَّا أَدْرَكُوْنَا قُلْتُ لَهُ: ابْرُكْ، فَبَرَكَ فَأَلْقَيْتُ عَلَيْهِ نَفْسِيْ لِأَمْنَعَهُ، فَتَخَلَّلُوْهُ بِالسُّيُوْفِ مِنْ تَحْتِيْ حَتّٰى

قَتَلُوْهُ، وَأَصَابَ أَحَدُهُمْ رِجْلِي بِسَيْفِهِ؛ وَكَانَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ يُرِيْنَا ذٰلِكَ الْأَثَرَ فِي ظَهْرِ قَدَمِهِ.
قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: سَمِعَ يُوْسُفُ صَالِحًا، وَإِبْرَاهِيْمُ أَبَاهُ. [انظر: ۳۹۷۱]

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے امیہ بن خلف کے ساتھ خط وکتابت کی کہ وہ میری حفاظت کرے مکہ میں میرے متعلقین میں، اور میں اس کی حفاظت کروں مدینہ میں اس کے متعلقین میں، پس جب میں نے اپنے نام میں 'الرحمٰن' لکھا تو اس نے کہا: میں 'الرحمٰن' کو نہیں جانتا، میرے ساتھ آپ خط وکتابت کریں، اپنے اس نام سے جو آپ کا زمانہ جاہلیت میں تھا، پس میں نے اس سے خط وکتابت کی 'عبد عمرو' کے ساتھ۔

پھر جب جنگ بدر کا موقع آیا تو میں پہاڑ کی طرف نکلا تا کہ اس کی حفاظت کروں، جب لوگ سوگئے، پس اس کو بلال رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا، پس وہ نکلے یہاں تک کہ وہ پہنچے انصار کی ایک مجلس کے پاس اور انھوں نے کہا: امیہ بن خلف! نہیں بچا میں اگر امیہ بچ گیا! پس اس کے ساتھ انصار کی ایک جماعت نکلی، ہمارے پیروں کے نشانات پر، پس جب میں ڈرا کہ وہ ہم سے مل جائیں گے تو میں نے پیچھے کردیا ان کے لئے امیہ کے بیٹے کو تا کہ مشغول کردوں میں ان کو، پس انھوں نے اس کو قتل کردیا، پھر انھوں نے انکار کیا، مگر یہ کہ پیچھا کریں وہ ہمارا اور امیہ بھاری بدن کا تھا، پس جب انھوں نے ہم کو پالیا تو میں نے امیہ سے کہا: سینہ کے بل گرجا، پس وہ گر گیا، پس میں نے اس پر اپنے آپ کو ڈال دیا، تا کہ اس کو بچاؤں، پس انصار نے میرے نیچے تلواریں گھسا کر اس کا کام تمام کردیا۔ اور ان میں سے ایک اپنی تلوار کے ذریعہ میرے پیر کو پہنچا (صاحبزادے ابراہیم کہتے ہیں:) اور حضرت عبدالرحمٰن ہمیں وہ نشان دکھلایا کرتے تھے اپنے پیر کے بالائی حصہ میں۔

لغات: **الصَّاغِيَة**: مصاحبین، متعلقین، ماتحت لوگ، مجرد صَغِيَ (س) صَغًا: جھکنا، مائل ہونا .... **فَتَخَلَّلُوْهُ**، **تَخَلَّلَ الشيئَ**: گھسنا، پار ہونا۔

بَابُ الْوَكَالَةِ فِي الصَّرْفِ وَالْمِيْزَانِ

سونے چاندی اور تولنے کی چیزوں میں وکیل بنانا

سونے چاندی کی خرید وفروخت میں وکیل بنانا جائز ہے۔ صرف اور میزان ایک چیز ہیں، عطف تفسیری ہے، بیع صرف میں چونکہ قبض بالبراجم ضروری ہے یعنی دونوں عوضوں کو ہاتھوں میں لینا ضروری ہے، اس لئے اگر وکیل بنایا ہے تو وکیل ہاتھ میں لے گا اصیل نہیں لے گا۔ مگر پھر بھی بیع صرف میں اور تولنے کی چیزوں میں وکیل بنانا جائز ہے، وکیل کا اپنے ہاتھ میں لینا مؤکل کا اپنے ہاتھ میں لینا ہے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ایک سونے کا ملمع کیا ہوا برتن دیا اور کہا: اسے بیچ دو، چنانچہ انھوں نے ایک یہودی کے ہاتھ اس کو بیچ دیا، اسی طرح حسن بن سعد کے حضرت ابن عمرؓ کے ذمہ دراہم نکلتے تھے، ان کے پاس دینار تھے،

انھوں نے میرے ساتھ ایک آدمی بھیجا کہ یہ دینار بیچ کر ان کے درہم دیدو۔ معلوم ہوا کہ بیع صرف میں وکیل بنانا جائز ہے۔

اور حدیث وہی ہے جو پہلے گذری ہے کہ خیبر سے عامل جنیب کھجوریں لایا تو آپؐ نے پوچھا: کیا خیبر میں سبھی کھجوریں ایسی ہوتی ہیں، عامل نے کہا: نہیں، بلکہ ہم تبادلہ کرتے ہیں اچھی کھجوروں کا ایک صاع معمولی کھجوروں کے دوصاع سے اور اچھی کھجوروں کے دوصاع معمولی کھجوروں کے تین صاع سے بدل لیتے ہیں، آپؐ نے فرمایا: ایسا مت کرو، رلی ملی کھجوریں دراہم میں بیچو، پھر دراہم سے جنیب کھجوریں خریدو، یہ نبی ﷺ نے عامل کو اجازت دی، یہی وکیل بنانا ہے، مگر کھجوریں مکیلی ہیں اس لئے حضرت رحمہ اللہ نے بیع صرف کو مکیلات کے ساتھ ملحق کیا ہے۔

اور حدیث کے آخر میں ہے: وقال فی المیزان مثل ذلک: یعنی جو حکم مکیلی چیزوں کا ہے وہی حکم موزونی چیزوں کا بھی ہے، اب حدیث صراحتاً باب سے متعلق ہوگئی، اس زمانہ میں موزونی چیزیں صرف سونا چاندی تھیں۔

فائدہ: اس حدیث سے امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ نے استدلال کیا ہے کہ ربوی چیزوں میں علت کیل ووزن ہیں، جن کا مشترک نام 'قدر' ہے، اس کی تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ (۵۵۲:۴) اور تحفۃ الالمعی (۱۵۱:۴) میں ہے۔

[۳-] بَابُ الْوَكَالَةِ فِي الصَّرْفِ وَالْمِيْزَانِ

وَقَدْ وَكَّلَ عُمَرُ وَابْنُ عُمَرَ فِي الصَّرْفِ.

[۲۳۰۲و۲۳۰۳-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ الْمَجِيْدِ بْنِ سُهَيْلِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَوْفٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم اسْتَعْمَلَ رَجُلاً عَلٰى خَيْبَرَ، فَجَاءَ هُمْ بِتَمْرٍ جَنِيْبٍ، فَقَالَ: "أَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هٰكَذَا؟" فَقَالَ: إِنَّا لَنَأْخُذُ الصَّاعَ بِالصَّاعَيْنِ، وَالصَّاعَيْنِ بِالثَّلَاثَةِ، فَقَالَ: " لَا تَفْعَلْ، بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ، ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيْبًا" وَقَالَ فِي الْمِيْزَانِ مِثْلَ ذٰلِكَ. [راجع: ۲۲۰۱، ۲۲۰۲]

نوٹ: یہ حدیث دو صحابہ سے مروی ہے، اس لئے دو حدیثیں ہوگئیں۔

بَابٌ: إِذَا أَبْصَرَ الرَّاعِي أَوِ الْوَكِيْلُ شَاةً تَمُوْتُ أَوْ شَيْئًا يَفْسُدُ: ذَبَحَ أَوْ أَصْلَحَ مَايَخَافُ الْفَسَادَ

چرواہے یا وکیل نے دیکھا کہ بکری مر رہی ہے، یا کوئی چیز بگڑ رہی ہے

پس اس نے بکری ذبح کردی یا جو چیز بگڑ رہی تھی اس کو سنوار دیا تو یہ جائز ہے

ایک باندی سلع پہاڑی کے پاس بکریاں چرارہی تھی، ایک بکری مرنے لگی، باندی نے ایک دھار پتھر سے اس کو ذبح

کردیا، اور مردار ہوجانے سے بچالیا، شام کو جب گھر آئی تو اس نے صورت حال بیان کی، پس حضور ﷺ سے مسئلہ پوچھا گیا کہ دھاردار پتھر سے ذبح کیا ہوا جانور کھاسکتے ہیں یا نہیں؟ آپؐ نے فرمایا: کھاسکتے ہو۔ اس واقعہ میں باندی نے آقا کی بکری کو ذبح کرکے مردار ہونے سے بچالیا: یہ دلالۃ وکالت ہے، یا جیسے کسی کا قربانی کا بکرا تھا اور تیسرے دن شام کو ذبح کرنے کا پروگرام تھا، مالک دہلی گیا اور شام تک نہیں لوٹ سکا، پس گھر والوں نے یا کسی دوست نے اس کی قربانی کردی تو قربانی درست ہوگئی، اور یہ عرفاً توکیل ہے، کیونکہ مالک ہوتا تو بھی قربانی کرتا، پس گھر والوں نے اچھا کیا کہ قربانی کردی۔

[٤-] بَابٌ: إِذَا أَبْصَرَ الرَّاعِي أَوِ الْوَكِيْلُ شَاةً تَمُوْتُ أَوْ شَيْئًا يَفْسُدُ: ذَبَحَ أَوْ أَصْلَحَ مَايَخَافُ الْفَسَادَ

[٢٣٠٤-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، سَمِعَ الْمُعْتَمِرَ، قَالَ: أَنْبَأَنَا عُبَيْدُ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّهُ كَانَتْ لَهُ غَنَمٌ تَرْعَى بِسَلْعٍ، فَأَبْصَرَتْ جَارِيَةٌ لَنَا بِشَاةٍ مِنْ غَنَمِنَا مَوْتًا، فَكَسَرَتْ حَجَرًا فَذَبَحَتْهَا بِهِ، فَقَالَ لَهُمْ: لَا تَأْكُلُوْا حَتَّى أَسْأَلَ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَوْ: أُرْسِلَ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مَنْ يَسْأَلُهُ، وَأَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم عَنْ ذٰلِكَ أَوْ: أَرْسَلَ، فَأَمَرَهُ بِأَكْلِهَا. قَالَ عُبَيْدُ اللهِ: فَيُعْجِبُنِيْ أَنَّهَا أَمَةٌ، وَأَنَّهَا ذَبَحَتْ، تَابَعَهُ عَبْدَةُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ.[انظر: ٥٥٠١، ٥٥٠٢، ٥٥٠٤]

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ان کی بکریاں سلع پہاڑ پر چرا کرتی تھیں، پس ہماری ایک باندی نے ہماری بکریوں میں سے ایک بکری کو مرتے ہوئے دیکھا، پس اس نے ایک پتھر توڑا اور اس پتھر سے اس کو ذبح کردیا، حضرت کعبؓ نے گھر والوں سے کہا: اس کو نہ کھاؤ یہاں تک کہ میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھوں یا کہا: نبی ﷺ کے پاس آدمی بھیجا گیا جو آپؐ سے اس کے بارے میں پوچھے، اور اس نے نبی ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا، یا کہا کسی کو بھیج کر دریافت کروایا تو نبی ﷺ نے اس کو کھانے کا حکم دیا۔ عبید اللہ (راوی) کہتے ہیں: مجھے حیرت ہے کہ باندی (عورت) نے بکری کو ذبح کردیا۔

بَابٌ: وَكَالَةُ الشَّاهِدِ وَالْغَائِبِ جَائِزَةٌ

موجود اور غیر موجود کو وکیل بنانا جائز ہے

وکیل حاضر کو بھی بناسکتے ہیں اور غائب کو بھی۔ خط لکھ کر بھیج دیا، ٹیلیفون کردیا یا کسی ذریعہ سے کہلوادیا کہ میرا فلاں کام کردو، تو وکیل اگرچہ غیر حاضر ہے مگر توکیل درست ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ نے اپنے منیجر کو لکھا کہ میری پوری فیملی کا

صدقہ فطر ادا کردو، اور حدیث میں یہ واقعہ ہے کہ جب زکوٰۃ کے اونٹ آتے تھے تو نبی ﷺ صحابہ کو حکم دیتے تھے کہ فلاں سے ہم نے اونٹ خریدے ہیں اس کے ثمن میں زکوٰۃ کے اونٹوں میں سے اونٹ ادا کردو۔ پس عبداللہ بن عمرو کے واقعہ سے غائب کی توکیل ثابت ہوئی اور حدیث سے حاضر کی۔

[٥-] بَابٌ: وَكَالَةُ الشَّاهِدِ وَالْغَائِبِ جَائِزَةٌ

وَكَتَبَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو إِلٰى قَهْرَمَانِهِ، وَهُوَ غَائِبٌ عَنْهُ، أَنْ يُزَكِّيَ عَنْ أَهْلِهِ الصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ.

[٢٣٠٥-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ لِرَجُلٍ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم سِنٌّ مِنَ الإِبِلِ، فَجَاءَهُ يَتَقَاضَاهُ، فَقَالَ: "أَعْطُوْهُ" فَطَلَبُوْا سِنَّهُ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُ إِلَّا سِنًّا فَوْقَهَا، فَقَالَ: "أَعْطُوْهُ" فَقَالَ: أَوْفَيْتَنِيْ أَوْفَى اللّٰهُ بِكَ، قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "إِنَّ خِيَارَكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً"

[انظر: ٢٣٠٦، ٢٣٩٠، ٢٣٩٢، ٢٣٩٣، ٢٤٠١، ٢٦٠٦، ٢٦٠٩]

ترجمہ: ایک شخص کا نبی ﷺ کے ذمہ ایک خاص عمر کا اونٹ تھا، پس وہ آپؐ کے پاس اس کا تقاضہ کرنے کے لئے آیا، پس آپؐ نے صحابہ سے فرمایا: تم اس کو دو، پس صحابہ نے اس عمر کا اونٹ تلاش کیا مگر اس کو نہیں پایا، ہاں اس سے بڑی عمر کا اونٹ ملا، پس آپؐ نے فرمایا: وہی اس کو دیدو، پس اس نے (شکریہ ادا کیا اور) کہا: أَوْ فَيْتَنِيْ أَوْفَى اللّٰهُ بك: آپؐ نے میرا حق پورا دیا، اللہ آپؐ کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے، نبی ﷺ نے فرمایا: إِنَّ خيارَكُمْ أحسنُكم قضاءً: تم میں بہترین وہ ہے جو دوسرے کا حق ادا کرنے میں بہترین ہے۔

لغت: قهرمان: فارسی لفظ ہے، اس کے معنی ہیں: خادم خاص، منیجر، سکریٹری۔

بَابُ الْوَكَالَةِ فِي قَضَاءِ الدُّيُوْنِ

قرضہ چکانے میں وکیل بنانا

مقروض نے کسی کو وکیل بنایا کہ وہ اس کا قرضہ چکادے اور اس کو پیسے دیئے اور اس نے جا کر قرضہ چکا دیا یا اس نے اپنی جیب سے چکایا، پھر آکر مؤکل سے لے لیا تو درست ہے، یہ قرضہ چکانے کے لئے وکیل بنانا ہے، اور باب میں وہی حدیث ہے جو گذشتہ باب میں آئی ہے، مگر اس کا انداز بدلا ہوا ہے، پس ممکن ہے یہ واقعہ کے متعلقات کا اختلاف ہو یا یہ دوسرا واقعہ ہو۔

حدیث: نبی ﷺ نے کسی یہودی سے اونٹ خریدا، وہ قبل از وقت آ گیا اور قرض کا مطالبہ کیا، اور گفتگو میں بدتمیزی اختیار کی، صحابہ جو وہاں موجود تھے ان کو غصہ آیا اور بجانے کا ارادہ کیا، آپؐ نے صحابہ کو روک دیا، اور فرمایا: جب ہم نے قرض لیا

ہے تو اس کا ہم پر حق ہے اور صاحب حق کو زور زور سے بولنے کا حق ہے، ہمیں اس کو برداشت کرنا چاہئے، پھر حکم دیا کہ اونٹ خرید کر اس کا ثمن ادا کردو، جب اونٹ تلاش کیا گیا تو بڑی عمر کا اونٹ ملا، آپؐ نے فرمایا: اسی کو خرید کر دیدو۔ اس واقعہ میں نبی ﷺ نے قرضہ چکانے کے لئے صحابہ کو وکیل بنایا ہے۔

[٦-] بَابُ الْوَكَالَةِ فِي قَضَاءِ الدُّيُوْنِ

[٢٣٠٦-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَجُلاً أَتَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَتَقَاضَاهُ، فَأَغْلَظَ، فَهَمَّ بِهِ أَصْحَابُهُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "دَعُوْهُ فَإِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالاً" ثُمَّ قَالَ: "أَعْطُوْهُ سِنًّا مِثْلَ سِنِّهِ" قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! لانَجِدُ إِلَّا أَمْثَلَ مِنْ سِنِّهِ، فَقَالَ: "أَعْطُوْهُ، فَإِنَّ خَيْرَكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً "[راجع: ٢٣٠٥]

بَابٌ: إِذَا وَهَبَ شَيْئًا لِوَكِيْلٍ أَوْ شَفِيْعِ قَوْمٍ جَازَ

جب کسی وکیل کو یا کسی قوم کے سفارشی کو کوئی چیز بخشی تو جائز ہے

کسی قوم کا یا کسی شخص کا وکیل یا سفارشی آیا، آپ نے اس کے مؤکل کو کوئی چیز بخشی یا جس قوم کی وہ سفارش کر رہا تھا اس کو کوئی چیز بخشی اور وہ چیز اس وکیل یا سفارشی کو دیدی تو یہ جائز ہے۔ غزوۂ حنین کی جب غنیمت تقسیم ہوگئی تو آپؐ کے پاس قبیلۂ ہوازن کا وفد آیا اور اس نے اپنا مال اور اپنے قیدی واپس مانگے، آپؐ نے ان سے فرمایا: میرے ساتھ بارہ ہزار کا لشکر ہے، میں نے غنیمت تقسیم کرنے میں تاخیر کی، تاکہ تم مسلمان ہوکر آجاؤ مگر تم نہیں آئے، چنانچہ میں نے غنیمت تقسیم کردی، اب دونوں چیزیں واپس نہیں مل سکتیں، یا تو مال واپس لو یا قیدی، انھوں نے قیدیوں کو واپس لینا پسند کیا، چنانچہ ان کے بیوی بچے ان کو واپس کردیئے، یہ وفد سفارشی تھا، قوم کا وکیل تھا۔ حضور ﷺ نے ان کو بخشا تو ان کو مالک نہیں بنایا بلکہ بیوی شوہر کو دی، بچے باپ کے حوالہ کئے اور سردست سفارشیوں کو دیئے، یہ ان کو پہنچانے کے لئے دیئے ہیں، یعنی آپؐ نے ان کو وکیل بنایا ہے۔

[٧-] بَابٌ: إِذَا وَهَبَ شَيْئًا لِوَكِيْلٍ أَوْ شَفِيْعِ قَوْمٍ جَازَ

لِقَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم لِوَفْدِ هَوَازِنَ حِيْنَ سَأَلُوْهُ الْمَغَانِمَ، فَقَالَ: "نَصِيْبِيْ لَكُمْ"

[٢٣٠٧و٢٣٠٨-] حدثنا سَعِيْدُ بْنُ عُفَيْرٍ، حَدَّثَنِي اللَّيْثُ، ثَنِيْ عُقَيْلٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: وَزَعَمَ عُرْوَةُ أَنَّ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَخْبَرَاهُ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَامَ حِيْنَ جَاءَهُ وَفْدُ هَوَازِنَ مُسْلِمِيْنَ، فَسَأَلُوْهُ أَنْ يَرُدَّ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَسَبْيَهُمْ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله

علیه وسلم:" أَحَبُّ الْحَدِيْثِ إِلَيَّ أَصْدَقُهُ، فَاخْتَارُوْا إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ: إِمَّا السَّبْيَ وَإِمَّا الْمَالَ. وَلَقَدْ كُنْتُ اسْتَأْنَيْتُ بِهِمْ" ـــــ وَقَدْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم انْتَظَرَهُمْ بِضْعَ عَشْرَةَ لَيْلَةً حِيْنَ قَفَلَ مِنَ الطَّائِفِ ـــــ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم غَيْرُ رَادٍّ إِلَيْهِمْ إِلَّا إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ، قَالُوْا: فَإِنَّا نَخْتَارُ سَبْيَنَا، فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِي الْمُسْلِمِيْنَ، فَأَثْنَى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ:" أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ إِخْوَانَكُمْ هٰؤُلَاءِ قَدْ جَاؤُنَا تَائِبِيْنَ، وَإِنِّيْ قَدْ رَأَيْتُ أَنْ أَرُدَّ إِلَيْهِمْ سَبْيَهُمْ، فَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يُطَيِّبَ بِذٰلِكَ فَلْيَفْعَلْ، وَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يَكُوْنَ عَلَى حَظِّهِ حَتَّى نُعْطِيَهُ إِيَّاهُ مِنْ أَوَّلِ مَا يُفِيْءُ اللّٰهُ عَلَيْنَا فَلْيَفْعَلْ" فَقَالَ النَّاسُ: قَدْ طَيَّبْنَا ذٰلِكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" إِنَّا لَا نَدْرِيْ مَنْ أَذِنَ مِنْكُمْ فِيْ ذٰلِكَ مِمَّنْ لَمْ يَأْذَنْ، فَارْجِعُوْا حَتَّى يَرْفَعَ إِلَيْنَا عُرَفَاؤُكُمْ أَمْرَكُمْ" فَرَجَعَ النَّاسُ، فَكَلَّمَهُمْ عُرَفَاؤُهُمْ، ثُمَّ رَجَعُوْا إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَأَخْبَرُوْهُ أَنَّهُمْ قَدْ طَيَّبُوْا وَأَذِنُوْا.[الحدث: ۲۳۰۷، انظر: ۲۵۳۹، ۲۵۸۴، ۲۶۰۷، ۳۱۳۱، ۴۳۱۸، ۷۱۷۶]؛[الحديث: ۲۳۰۸، انظر: ۲۵۴۰، ۲۵۸۳، ۲۶۰۸، ۳۱۳۲، ۴۳۱۹، ۷۱۷۷]

ترجمہ: نبی ﷺ نے ہوازن کے وفد سے جب انھوں نے غنیمتوں کو واپس مانگا: فرمایا: نصیبي لکم: میرا حصہ تمہارے لئے ہے یعنی جو قیدی میرے حصہ میں آئے ہیں وہ میں تمہیں واپس کرتا ہوں۔

حدیث: مروان اور مسور بیان کرتے ہیں کہ جب قبیلہ ہوازن کا وفد نبی ﷺ کی خدمت میں مسلمان ہوکر حاضر ہوا تو انھوں نے آپؐ سے درخواست کی کہ ان کو پھیر دیا جائے ان کا مال اور ان کے قیدی، پس ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے سچی بات سب سے زیادہ پسند ہے! پس پسند کرو تم دو چیزوں میں سے ایک کو یا قیدیوں کو یا مال کو۔ اور میں نے ان کے بارے میں تاخیر کی تھی ـــــ نبی ﷺ نے ان کا دس دن سے زیادہ انتظار کیا تھا جب آپؐ طائف سے لوٹے تھے ـــــ پس جب وفد ہوازن کے لئے واضح ہوگیا کہ نبی ﷺ نہیں لوٹانے والے ہیں ان کو مگر دو چیزوں میں سے ایک، تو انھوں نے کہا: ہم اختیار کرتے ہیں ہمارے قیدیوں کو، پس نبی ﷺ نے مسلمانوں کے سامنے تقریر فرمائی اور اللہ کی وہ تعریف کی جس کے وہ حقدار ہیں، پھر فرمایا: أما بعد! پس بیشک یہ تمہارے بھائی ہمارے پاس آئے ہیں تائب ہوکر، اور میری رائے یہ ہے کہ میں ان کو ان کے قیدی واپس کردوں، پس جو شخص تم میں سے پسند کرے کہ خوش دلی سے یہ کام کرے تو چاہئے کہ کرے اور جو تم میں سے پسند کرے کہ رہے وہ اپنے حصہ پر یہاں تک کہ دیں ہم اس کو وہ اس پہلے مال سے جو لوٹائیں اللہ تعالیٰ ہم پر تو چاہئے کہ کرے، پس لوگوں نے کہا: ہم خوش دلی سے یہ کام کرتے ہیں اے اللہ کے رسول! ان کے لئے، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک نہیں جانتے ہم کہ کس نے تم میں سے اس کی اجازت دی اور کس نے اجازت نہیں دی، پس لوٹو تم، یہاں تک کہ پیش کریں ہمارے سامنے تمہارے سردار تمہارا معاملہ، پس لوگ لوٹے، پس ان سے ان کے

سرداروں نے گفتگو کی پھر وہ لوٹے حضور ﷺ کی طرف پس انھوں نے آپؐ کو بتلایا کہ وہ سب خوش دل ہو گئے ہیں اور انھوں نے اجازت دیدی ہے۔

لغت:استأْنیٰ فی الأمر: آہستگی اختیار کرنا،ٹھہر ٹھہر کر کام کرنا، مجرد أنَی (ض) أَنْیًا وَإِنًی وَأَنَاۃً:قریب ہونا،وقت آجانا۔

بَابٌ: إِذَا وَكَّلَ رَجُلًا أَنْ يُعْطِيَ شَيْئًا، وَلَمْ يُبَيِّنْ كَمْ يُعْطِيْ؟ فَأَعْطَى عَلٰى مَا يَتَعَارَفُهُ النَّاسُ

کسی کو وکیل بنایا کہ وہ کچھ دے اور نہیں بتلایا کہ کتنا دے پس اس نے عرف کے مطابق دیا تو درست ہے

دکان پر یا گھر پر سائل یا سفیر آیا، پس سیٹھ نے یا شوہر نے منیجر یا بیوی سے کہا کہ کچھ دیدو، مگر کوئی مقدار نہیں بتلائی تو ایسی توکیل بھی جائز ہے، اب منیجر یا بیوی عرف کے لحاظ سے دیں گے، عام سائل ہو تو روپیہ دو روپیہ دیں گے اور کوئی مدرسہ کا سفیر ہو تو مدرسہ کی حیثیت کے مطابق دیں گے۔ اور حدیث وہی ہے جو پہلے بار بار آئی ہے۔ ابن جریج حضرت عطاء وغیرہ اساتذہ سے روایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں: میرے اساتذہ کی حدیثوں میں کسی میں مضمون کم ہے کسی میں زیادہ، میں نے سب کو ملا کر مکمل روایت بنائی ہے۔ پھر وہی واقعہ بیان کیا جس میں نبی ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اونٹنی کو مارا تھا اور وہ تیز ہو گئی تھی، پھر آپؐ نے وہ اونٹنی حضرت جابرؓ سے خرید لی تھی۔ اس روایت کے آخر میں ہے کہ مدینہ پہنچنے پر جب حضرت جابرؓ اونٹنی لے کر حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا: بلال! ان کی رقم ادا کر دو اور کچھ زیادہ دو، پس حضرت بلالؓ نے ان کو چار دینار اور ایک قیراط زائد دیا (یہاں باب ہے) حضرت جابرؓ کہتے ہیں: حضور ﷺ کا زائد دیا ہوا (ایک قیراط) میں ہمیشہ ساتھ رکھتا ہوں، ان کے توشہ دان میں وہ قیراط رہتا تھا۔

[۸-] بَابٌ: إِذَا وَكَّلَ رَجُلًا أَنْ يُعْطِيَ شَيْئًا، وَلَمْ يُبَيِّنْ كَمْ يُعْطِيْ؟ فَأَعْطَى عَلٰى مَا يَتَعَارَفُهُ النَّاسُ

[۲۳۰۹-] حدثنا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، ثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِيْ رَبَاحٍ، وَغَيْرِهِ —— يَزِيْدُ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ، لَمْ يُبَلِّغْهُ كُلَّهُ رَجُلٌ وَاحِدٌ مِنْهُمْ —— عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِيْ سَفَرٍ، فَكُنْتُ عَلَى جَمَلٍ ثَفَالٍ، إِنَّمَا هُوَ فِي آخِرِ الْقَوْمِ، فَمَرَّ بِيْ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: "مَنْ هٰذَا؟" فَقُلْتُ: جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ فَقَالَ: "مَا لَكَ؟" فَقُلْتُ: إِنِّيْ عَلٰى جَمَلٍ ثَفَالٍ، قَالَ: "أَمَعَكَ قَضِيْبٌ؟" قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: "أَعْطِنِيْهِ" فَأَعْطَيْتُهُ، فَضَرَبَهُ وَزَجَرَهُ، فَكَانَ مِنْ ذٰلِكَ الْمَكَانِ مِنْ أَوَّلِ الْقَوْمِ، قَالَ: "بِعْنِيْهِ" قَالَ: بَلْ هُوَ لَكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: "بَلْ بِعْنِيْهِ، قَالَ: "قَدْ أَخَذْتُهُ بِأَرْبَعَةِ دَنَانِيْرَ وَلَكَ ظَهْرُهُ إِلَى الْمَدِيْنَةِ" فَلَمَّا دَنَوْنَا مِنَ الْمَدِيْنَةِ أَخَذْتُ أَرْتَحِلُ، قَالَ: "أَيْنَ تُرِيْدُ" قُلْتُ:

تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً قَدْ خَلاَ مِنْهَا، قَالَ:" فَهَلاَّ جَارِيَةً تُلاَعِبُهَا وَتُلاَعِبُكَ؟" قُلْتُ: إِنَّ أَبِيْ تُوُفِّيَ وَتَرَكَ بَنَاتٍ، فَأَرَدْتُ أَنْ أَنْكِحَ امْرَأَةً قَدْ جَرَّبَتْ وَخَلاَ مِنْهَا، قَالَ:" فَذٰلِكَ" فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ قَالَ:" يَا بِلاَلُ! اقْضِهِ وَزِدْهُ" فَأَعْطَاهُ أَرْبَعَةَ دَنَانِيْرَ وَزَادَهُ قِيْرَاطًا، قَالَ جَابِرٌ: لاَ تُفَارِقُنِيْ زِيَادَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَلَمْ يَكُنِ الْقِيْرَاطُ يُفَارِقُ قِرَابَ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ.[راجع: ٤٤٣]

لغات: الثَّقَال: سست رفتار جانور.........**قضیب:** چھری.........**قَدْ خَلاَ منها:** جو بیوہ ہے.........**فذلك:** پس ٹھیک کیا.........**قِرَاب:** خورجی، وہ تھیلا جس میں مسافر کا توشہ رہتا ہے۔

وضاحت: لَمْ يُبَلِّغْهُ كلَّه رجلٌ واحدٌ منهم: نہیں پہنچایا ہے اس (حدیث) کو اس کی ساری کو یعنی کامل بیان نہیں کیا ان میں سے کسی نے بھی۔ یہ جملہ ہمارے ہندوستانی نسخہ میں بگڑ گیا ہے، اس لئے اس کی ترکیب بھی مشکل ہوگئی ہے، اس لئے ہم نے مصری نسخہ کی عبارت رکھی ہے۔ اور لَمْ يَبْلُغْهُ بھی پڑھ سکتے ہیں یعنی نہیں پہنچا ہے ساری حدیث کو ان میں سے کوئی بھی، اور اس صورت میں كلَّه: ضمیر مفعول بہ کی تاکید یا بدل ہوگا۔

بَابُ وَكَالَةِ الْمَرْأَةِ الإِمَامَ فِي النِّكَاحِ

عورت کا امیر المؤمنین کو نکاح کا وکیل بنانا

ایک عورت نے کسی کو وکیل بنایا کہ آپ میرا نکاح کردیں، تو یہ توکیل صحیح ہے۔ پھر وہ جہاں مناسب سمجھے شادی کرسکتا ہے۔ اور باب میں یہ حدیث ہے کہ جب سورۃ احزاب کی یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ﴾ اور کوئی مسلمان عورت اگر اپنی ذات بخش دے حضور ﷺ کو تو حضور ﷺ اس سے نکاح کرسکتے ہیں۔ اس آیت کے نزول کے بعد ایک دو واقعے پیش آئے، بعض مسلمان عورتوں نے اپنا نفس حضور ﷺ کو ہبہ کیا مگر آپ نے اس کو قبول نہیں کیا، پس یہ سلسلہ رک گیا۔

ان واقعات میں سے ایک واقعہ باب کی حدیث میں ہے، ایک عورت نے اپنا نفس حضور ﷺ کو ہبہ کیا، حضورؐ خاموش رہے یعنی اس کو نکاح میں قبول نہیں کیا، پس ایک صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر آپؐ ان سے نکاح نہیں کرنا چاہتے تو میرا نکاح ان سے کردیں، یہ عورت نے امیر المؤمنین کو وکیل بنایا کہ یا تو آپؐ خود مجھ سے نکاح کرلیں یا جہاں چاہیں میرا نکاح کردیں، چنانچہ آپؐ نے ان صحابی کے ساتھ تعلیم قرآن پر نکاح کردیا۔

مگر اس واقعہ سے باب پر استدلال ذرا مشکل ہے، اس عورت نے نبی ﷺ کو اپنا نفس ہبہ کیا تھا، آپؐ کو وکیل نہیں بنایا تھا، البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب اس نے اپنا نفس حضور ﷺ کو ہبہ کیا تو اختیار دیا کہ یا تو آپؐ خود نکاح کرلیں یا کسی دوسرے سے نکاح کرادیں۔ یا یہ کہیں کہ جب آپؐ نے خاموش رہ کر انکار کیا اور ایک صحابی نے عرض کیا، اور آپؐ نے پوچھا

تمہارے پاس مہر میں دینے کے لئے کیا ہے؟ (الی آخرہ) اور وہ عورت خاموش رہی تو یہ دلالۃً توکیل ہوگئی، اس طرح باب ثابت ہوجائے گا۔

[۹-] بَابُ وَكَالَةِ الْمَرْأَةِ الإِمَامَ فِي النِّكَاحِ

[۲۳۱۰-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: جَاءَ تِ امْرَأَةٌ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَتْ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنِّيْ قَدْ وَهَبْتُ لَكَ مِنْ نَفْسِيْ، فَقَالَ رَجُلٌ: زَوِّجْنِيْهَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ:" قَدْ زَوَّجْنَاكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ"[انظر: ۵۰۲۹، ۵۰۳۰، ۵۰۸۷، ۵۱۲۱، ۵۱۲۶، ۵۱۳۲، ۵۱۳۵، ۵۱٤۱، ۵۱٤۹، ۵۱۵۰، ۵۸۷۱، ۷٤۱۷]

بَابٌ: إِذَا وَكَّلَ رَجُلاً فَتَرَكَ الْوَكِيْلُ شَيْئًا فَأَجَازَهُ الْمُوَكِّلُ فَهُوَ جَائِزٌ وَإِنْ أَقْرَضَهُ إِلٰى أَجَلٍ مُسَمًّى جَازَ

(۱) کسی کو وکیل بنایا، وکیل نے کوئی چیز چھوڑ دی، اور مؤکل نے اس کو نافذ کیا تو جائز ہے

(۲) اور اگر اس کو مقررہ مدت کے لئے قرض دیا تو (بھی) جائز ہے

اس باب میں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: ایک شخص نے دوسرے کو وکیل بنایا کسی چیز کی حفاظت کا، وکیل نے اس چیز میں سے کسی کو کوئی چیز لے جانے دی، پھر جب مؤکل کے علم میں یہ بات آئی تو اس نے اس کو نافذ کیا تو وکیل کا یہ تصرف درست ہے، باب میں لمبا واقعہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو صدقۃ الفطر کے غلہ کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا تھا، رات میں شیطان آیا اور غلہ میں سے گٹھری باندھنے لگا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے اس کو پکڑا کہ میں تجھے حضور ﷺ کے پاس لے جاؤں گا، اس نے عیال داری اور محتاج ہونے کا شکوہ کیا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے اس کو غلہ لے جانے دیا، کیونکہ وہ اس مال کا مصرف تھا، فجر کی نماز کے بعد حضور ﷺ نے پوچھا: ابو ہریرہ! گذشتہ رات تمہارے قیدی کا معاملہ کیا رہا؟ انھوں نے عرض کیا: اس نے عیال داری اور غربت کی شکایت کی تو مجھے ترس آ گیا اور میں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا، اور وہ وعدہ کر کے گیا ہے کہ آئندہ نہیں آئے گا، آپؐ نے فرمایا: اس نے جھوٹ کہا، وہ آئندہ آئے گا، چنانچہ دوسری رات بھی وہ آیا اور حضرت ابو ہریرہؓ نے اس کو غلہ لے جانے دیا، حضور ﷺ نے فرمایا: پھر آئے گا، چنانچہ تیسری رات بھی آیا، حضرت ابو ہریرہؓ نے اس کو پکڑا کہ اب تو میں تجھے چھوڑوں گا نہیں، اس نے کہا: میں چند کلمات آپ کو سکھلاتا ہوں جن سے اللہ آپ کو نفع پہنچائیں گے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا: وہ کلمات کیا ہیں؟ اس

نے کہا: جب آپ رات کو بستر پر آجائیں تو پوری آیت الکرسی پڑھیں پس اللہ کی طرف سے آپ پر ایک نگہبان مقرر ہوجائے گا اور صبح تک شیطان آپ کے پاس نہیں آسکے گا، چنانچہ تیسری رات بھی آپؓ نے اس کو چھوڑ دیا اور غلہ لے جانے دیا، صبح حضور ﷺ نے فرمایا: اس نے جو بتایا وہ صحیح ہے درانحالیکہ وہ مہا جھوٹا ہے، جانتے ہو تم تین راتوں سے کس سے ہم کلام ہورہے تھے؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا: نہیں، آپؐ نے فرمایا: وہ شیطان (جنّ) تھا، وہ چور چونکہ غریب تھا اور غلہ صدقہ کا تھا اس لئے حضرت ابو ہریرہؓ نے لے جانے دیا، اور حضور ﷺ نے اس کو نافذ کیا، پس وکیل کا یہ تصرف درست ہے۔

دوسرا مسئلہ: کسی شخص کو کسی چیز کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا یا وکیل بنایا، اس نے اس چیز میں سے کسی کو مقررہ مدت کے لئے قرضہ دیا اور مؤکل نے اس کو نافذ کیا تو یہ قرض دینا درست ہے، یہ مسئلہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث سے مستنبط کیا ہے اور شارحین نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ قرضہ دینے کا اختیار نہیں، میرے نزدیک اگر وہ شخصی مال ہے اور رب المال وکیل کے تصرف کو نافذ کرے تو کوئی اشکال نہیں، اور اگر وہ قوم کا مال ہے جیسے مدرسہ کی رقم تو مہتمم چونکہ اس کا مالک نہیں اس لئے نہ وہ خود قرض دے سکتا ہے نہ اس کا وکیل۔

[۱۰-] بَابٌ: إِذَا وَكَّلَ رَجُلاً فَتَرَكَ الْوَكِيْلُ شَيْئًا فَأَجَازَهُ الْمُوَكِّلُ فَهُوَ جَائِزٌ وَإِنْ أَقْرَضَهُ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى جَازَ

[۲۳۱۱-] وَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ الْهَيْثَمِ أَبُوْ عَمْرٍو: حَدَّثَنَا عَوْفٌ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: وَكَّلَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِحِفْظِ زَكَاةِ رَمَضَانَ، فَأَتَانِيْ آتٍ، فَجَعَلَ يَحْثُو مِنَ الطَّعَامِ، فَأَخَذْتُهُ، وَقُلْتُ: لَأَرْفَعَنَّكَ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: إِنِّيْ مُحْتَاجٌ وَعَلَيَّ عِيَالٌ وَلِي حَاجَةٌ شَدِيْدَةٌ! قَالَ: فَخَلَّيْتُ عَنْهُ، فَأَصْبَحْتُ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! مَا فَعَلَ أَسِيْرُكَ الْبَارِحَةَ؟" قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! شَكَا حَاجَةً شَدِيْدَةً وَعِيَالاً فَرَحِمْتُهُ، فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهُ. قَالَ: "أَمَا إِنَّهُ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُوْدُ" فَعَرَفْتُ أَنَّهُ سَيَعُوْدُ لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "إِنَّهُ سَيَعُوْدُ" فَرَصَدْتُهُ فَجَعَلَ يَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ، فَأَخَذْتُهُ، فَقُلْتُ: لَأَرْفَعَنَّكَ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: دَعْنِيْ فَإِنِّيْ مُحْتَاجٌ وَعَلَيَّ عِيَالٌ، لاَ أَعُوْدُ، فَرَحِمْتُهُ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهُ! فَأَصْبَحْتُ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! مَافَعَلَ أَسِيْرُكَ؟" قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! شَكَا حَاجَةً شَدِيْدَةً وَعِيَالاً فَرَحِمْتُهُ، فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهُ. قَالَ: "أَمَا إِنَّهُ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُوْدُ" فَرَصَدْتُهُ الثَّالِثَةَ، فَجَعَلَ يَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ فَأَخَذْتُهُ، فَقُلْتُ: لَأَرْفَعَنَّكَ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَهٰذَا آخِرُ ثَلَاثِ مَرَّاتٍ، أَنَّكَ تَزْعُمُ لاَ تَعُوْدُ ثُمَّ تَعُوْدُ، قَالَ: دَعْنِيْ أُعَلِّمْكَ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهَا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے نبی ﷺ نے رمضان کی زکوٰۃ یعنی صدقۃ الفطر کے غلّے کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا، پس میرے پاس ایک آنے والا آیا اور غلہ میں سے مٹھی بھرنے لگا، پس میں نے اس کو پکڑا اور کہا: بخدا! میں ضرور تجھے پیش کروں گا رسول اللہ ﷺ کے سامنے، اس نے کہا: میں غریب آدمی ہوں، میرے بال بچے ہیں، اور میں سخت حاجت مند ہوں (اور اب نہیں آؤں گا) حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں: پس میں نے اس کو چھوڑ دیا، پس جب صبح کی میں نے تو نبی ﷺ نے پوچھا: ابو ہریرہؓ! گذشتہ رات تمہارے قیدی کا معاملہ کیا رہا؟ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس نے سخت حاجت اور بچوں کا شکوہ کیا، پس میں نے اس پر رحم کیا اور اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ آپؐ نے فرمایا: سنو! بیشک اس نے تم سے جھوٹ کہا، اور عنقریب وہ آئے گا، پس رسول اللہ ﷺ کے فرمانے کی وجہ سے کہ وہ عنقریب آئے گا میں نے جان لیا کہ وہ ضرور آئے گا، پس نگرانی کی میں نے اس کی۔ پس وہ غلہ میں سے مٹھیاں بھرنے لگا، میں نے اس کو پکڑا اور کہا: ضرور لے جاؤں گا میں تجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس، اس نے کہا: مجھے چھوڑ دو، میں غریب آدمی ہوں اور میرے بال بچے ہیں، اب دوبارہ میں نہیں آؤں گا، پس مجھے اس پر رحم آیا اور میں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا، پس میں نے صبح کی تو مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ابو ہریرہؓ! تمہارے قیدی کا معاملہ کیا رہا؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس نے سخت غربت کا اور عیال داری کا شکوہ کیا تو مجھے اس پر رحم آ گیا، پس میں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ آپؐ نے فرمایا: سنو! بیشک اس نے تم سے جھوٹ کہا، اور عنقریب لوٹے گا، پس میں نے تیسری رات اس کی نگرانی کی، پس اس نے غلہ میں سے مٹھیاں بھرنی شروع کیں پس میں نے اس کو پکڑا اور میں نے کہا: میں ضرور تجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جاؤں گا اور یہ تین مرتبہ میں سے آخری مرتبہ ہے، تو کہتا ہے کہ نہیں آئے گا پھر آتا ہے، اس نے کہا: مجھے چھوڑ دو، میں تمہیں ایسے کلمات سکھلاتا ہوں جن سے اللہ تعالیٰ تمہیں نفع پہنچائیں گے۔

قُلْتُ: مَاهُنَّ؟ قَالَ: إِذَا أَوَيْتَ إِلٰى فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ آيَةَ الْكُرْسِيِّ: ﴿ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴾ حَتَّى تَخْتِمَ الآيَةَ، فَإِنَّكَ لَنْ يَزَالَ عَلَيْكَ مِنَ اللّٰهِ حَافِظٌ، وَلَا يَقْرَبَنَّكَ شَيْطَانٌ حَتَّى تُصْبِحَ، فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهُ. فَأَصْبَحْتُ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " مَافَعَلَ أَسِيْرُكَ الْبَارِحَةَ؟" قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، زَعَمَ أَنَّهُ يُعَلِّمُنِيْ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُنِيَ اللّٰهُ بِهَا، فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهُ. قَالَ: " مَاهِيَ؟" قُلْتُ: قَالَ لِيْ: إِذَا أَوَيْتَ إِلٰى فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ آيَةَ الْكُرْسِي مِنْ أَوَّلِهَا حَتَّى تَخْتِمَ الآيَةَ: ﴿ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴾ وَقَالَ لِيْ: لَنْ يَزَالَ عَلَيْكَ مِنَ اللّٰهِ حَافِظٌ، وَلَا يَقْرَبُكَ شَيْطَانٌ حَتَّى تُصْبِحَ — وَكَانُوْا أَحْرَصَ شَيْئٍ عَلَى الْخَيْرِ — فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " أَمَا إِنَّهُ قَدْ صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوْبٌ! تَعْلَمُ مَنْ تُخَاطِبُ مُذْ ثَلَاثِ لَيَالٍ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟" قَالَ: لَا، قَالَ: " ذَاكَ شَيْطَانٌ" [انظر: ۳۲۷۵، ۵۰۱۰]

ترجمہ: میں نے کہا: وہ کلمات کیا ہیں؟ اس نے کہا: جب آپ اپنے بستر پر ٹھکانہ پکڑیں تو آیت الکرسی پڑھیں: ﴿ اللّٰهُ

لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ یہاں تک کہ آیت پوری کریں، پس بے شک برابر رہے گا آپ پر اللہ کی طرف سے ایک نگہبان۔ اور ہرگز نزدیک نہیں ہوسکے گا آپ سے شیطان، یہاں تک کہ آپ صبح کریں، پس میں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا، پس صبح کی میں نے تو مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: گذشتہ رات تمہارے قیدی کا معاملہ کیا رہا؟ میں نے کہا: یارسول اللہ! اس نے کہا کہ وہ مجھے چند کلمات سکھلائے گا جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مجھے نفع پہنچائیں گے، پس میں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ حضور ﷺ نے پوچھا: وہ کلمات کیا ہیں؟ میں نے کہا: اس نے مجھ سے کہا: جب آپ اپنے بستر پر ٹھکانہ پکڑیں تو آیت الکرسی پڑھیں اس کے شروع سے یہاں تک کہ آپ اس کو پورا کریں ﴿اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ اور اس نے مجھ سے کہا: برابر رہے گا آپ پر اللہ کی طرف سے ایک نگہبان اور نزدیک نہیں ہوگا آپ سے شیطان، یہاں تک کہ آپ صبح کریں ـــــ اور صحابہ خیر کی بات کے سب سے زیادہ حریص تھے، یعنی صحابہ نصیحت کے بڑے رسیا تھے، جب نصیحت کی کوئی بات مل جاتی تو بڑی سے بڑی کوتاہی معاف کردیتے ـــــ پس نبی ﷺ نے فرمایا: سنو! بیشک اس نے سچ کہا، درانحالیکہ وہ مہا جھوٹا ہے یعنی اگرچہ وہ جھوٹا مکار ہے مگر یہ بات اس نے آپ کو صحیح بتائی، کیونکہ جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے۔ اے ابوہریرہ! جانتے ہو کہ تم تین راتوں سے کس سے بات چیت کرتے رہے؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، آپؐ نے فرمایا: وہ شیطان ہے۔

تشریح: یہ تو بخاری شریف کی حدیث ہے اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت میں ایسے ہی واقعہ میں یہ زیادتی آئی ہے کہ آیت الکرسی کے ساتھ سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں: ﴿آمَنَ الرَّسُوْلُ﴾ سے آخر تک پڑھیں۔ یہ حدیث تفصیل سے فتح الباری میں ہے، پس طلبہ کو چاہئے کہ سوتے وقت آیت الکرسی اور ﴿آمَنَ الرَّسُوْلُ﴾ سے آخر تک پڑھنے کو معمول بنائیں، اللہ تعالیٰ مجھے بھی توفیق دیں اور آپ حضرات کو بھی (آمین)

بَابٌ: إِذَابَا عَ الْوَكِيْلُ شَيْئًا فَاسِدًا فَبَيْعُهُ مَرْدُوْدٌ

وکیل نے بیع فاسد کی تو وہ بیع مردود ہے

کسی شخص کو وکیل بنایا کہ میری یہ چیز بیچ دو، اس نے کسی کے ساتھ بیع فاسد کی تو وہ واجب الرد ہے، کیونکہ اگر مؤکل فاسد بیع کرتا تو اس کی بیع مردود ہوتی، اور وکیل کا تصرف مؤکل کا تصرف ہوتا ہے، پس اس کی فاسد بیع کو بھی ختم کرنا ضروری ہے۔

حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حضرت بلال رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس برنی کھجوریں لائے، آپؐ نے ان سے پوچھا: کہاں سے لائے؟ حضرت بلالؓ نے عرض کیا: میرے پاس معمولی کھجوریں تھیں، میں نے اس کے دو صاع برنی کے ایک صاع کے بدلے میں بیچ دیئے تاکہ میں یہ اچھی کھجوریں آپؐ کی خدمت میں پیش کروں، نبی ﷺ نے فرمایا: اُفّ! اُفّ! بالکل سود! بالکل سود!! ایسا مت کرو، البتہ اگر تم اچھی کھجوریں خریدنا چاہو تو معمولی کھجوروں کی

الگ بیع کرو، پھر رقم سے اچھی کھجوریں خریدو۔

اس حدیث سے باب پر استدلال خفی ہے کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو وکیل نہیں بنایا تھا، وہ خود عمدہ کھجوریں خرید کر لائے تھے، تاکہ آپؐ تناول فرمائیں۔ یا پھر یہ کہا جائے کہ حضرت بلالؓ چونکہ خادم خاص تھے، اس لئے وہ آپؐ کے یہاں سے معمولی کھجوریں لے کر بدل لائے تھے، پس وہ عرفاً وکیل ہوئے۔ اور اُف: اَوَّہ کا ترجمہ ہے، ہم اردو میں ناگواری کے اظہار کے لئے یہی لفظ استعمال کرتے ہیں، اور عینُ الربوا کے معنی ہیں: یہی تو سود ہے۔

[۱۱-] بَابٌ: إِذَا بَاعَ الْوَكِيْلُ شَيْئًا فَاسِدًا فَبَيْعُهُ مَرْدُوْدٌ

[۲۳۱۲-] حدثنا إِسْحَاقُ، أَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ، ثَنَا مُعَاوِيَةُ هُوَ ابْنُ سَلَّامٍ، عَنْ يَحْيَى، قَالَ: سَمِعْتُ عُقْبَةَ بْنَ عَبْدِ الْغَافِرِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ، قَالَ: جَاءَ بِلَالٌ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِتَمْرٍ بَرْنِيٍّ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "مِنْ أَيْنَ هٰذَا؟" قَالَ بِلَالٌ: كَانَ عِنْدِيْ تَمْرٌ رَدِيْءٌ، فَبِعْتُ مِنْهُ صَاعَيْنِ بِصَاعٍ، لِيُطْعِمَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم. فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عِنْدَ ذٰلِكَ: "أَوَّهْ أَوَّهْ! عَيْنُ الرِّبَا! لَاتَفْعَلْ، وَلٰكِنْ إِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَشْتَرِيَ فَبِعِ التَّمْرَ بِبَيْعٍ آخَرَ، ثُمَّ اشْتَرِ بِهِ"

بَابُ الْوَكَالَةِ فِي الْوَقْفِ وَنَفَقَتِهِ، وَأَنْ يُطْعِمَ صَدِيْقًا لَهُ، وَيَأْكُلَ بِالْمَعْرُوْفِ

وقف کو خرچ کرنے کی وکالت اور وکیل اپنے دوست کو کھلا سکتا ہے اور عرف کے مطابق کھا سکتا ہے

اوقاف شخصِ حکمی ہوتے ہیں یعنی قانونی آدمی ہوتے ہیں، جیسے دارالعلوم دیوبند یا جامع مسجد شخصِ حکمی ہیں، اور ان کا جو مہتمم یا متولی ہے وہ اس وقف کا وکیل ہے، وہ وقف کو اس کے مصارف میں خرچ کرے گا، اور وقف کے مہمانوں کی مہمان نوازی کر سکتا ہے اور عرف کے مطابق تنخواہ بھی لے سکتا ہے، البتہ وقف کی رقم میں سے کسی کو قرض نہیں دے سکتا۔

مدارس کے مہتممین دو جہتیں رکھتے ہیں وہ چندہ دینے والوں کے بھی وکیل ہیں اور طلبہ کے بھی، پس چندہ دینے والوں نے جس مصرف میں خرچ کرنے کے لئے رقم دی ہے، مہتمم پابند ہے کہ اسی مصرف میں خرچ کرے، اور وہ طلبہ کا بھی وکیل ہے، پس وہ مصارف طلبہ میں زکات کی رقم خرچ کرسکتا ہے، حیلۂ تملیک کی ضرورت نہیں، حیلۂ تملیک محض ڈھونگ ہے، اس سے کوئی حلت پیدا نہیں ہوتی، نیز وہ حیلہ کرنے کے لئے کسی کو بڑی رقم دینے کا مجاز بھی نہیں۔

اور مصارف طلبہ میں وہ تمام خرچے آتے ہیں جو غریب طلبہ کے خورد و نوش رہائش، روشنی پانی اور تعلیم پر آتے ہیں، پس غریب طلبہ کے اساتذہ کی تنخواہ بھی مہتمم طلبہ کا وکیل ہونے کی حیثیت سے زکوۃ کے فنڈ میں دے سکتا ہے، البتہ مصارف طلبہ میں صرف وہ چیزیں آتی ہیں جن کی منفعت غریب پر ختم ہو جاتی ہے، پس عمارت، تپائیاں، ٹاٹ اور کتابیں وغیرہ مصارف

میں شمار نہیں، کیونکہ ان کی منفعت طالب علموں پر ختم نہیں ہوتی۔

جاننا چاہئے کہ روشنی پانی غریب طلبہ پر بھی خرچ ہوتا ہے اور مستطیع طلبہ پر بھی، اور آفس، راستہ وغیرہ میں بھی، ان کا حساب کرنا ہوگا، غریب طلبہ کے حصہ میں جو مصارف آئیں وہی زکوۃ سے ادا کئے جاسکتے ہیں اور یہی حکم تعلیمی مصارف کا بھی ہے۔

حدیث: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خیبر میں ایک زمین وقف کی تھی، اور وقف نامہ میں لکھا تھا کہ متولی کے لئے اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ خود کھائے یعنی تنخواہ لے، اور اپنے دوست کو کھلائے، یعنی وقف کے مہمانوں کی میزبانی کرے، درانحالیکہ وہ مال کا ذخیرہ کرنے والا نہ ہو، اس کا تعلق أن یأکل سے ہے، یعنی متولی عرف کے مطابق وقف سے تنخواہ لے سکتا ہے، عرف سے زیادہ نہیں لے سکتا۔

پھر جب تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ حیات رہے خود ہی متولی رہے، آپ کے بعد صاحبزادے حضرت ابن عمرؓ متولی بنے، وہ ان لوگوں کو بھی وقف میں سے ہدیہ دیتے تھے یعنی کھلاتے تھے جو ان کے پاس آتے تھے یعنی وہ وقف کھیت اور باغات تھے، اس کی پیداوار خریدنے کے لئے مکہ سے جو گاہک آتے تھے وہ اس وقف سے ان کی مہمان نوازی کرتے تھے۔

خیال رہے کہ وقف کی آمدنی سے مہمان نوازی کرنا اور مدرسہ کے مہمانوں کو زکوۃ کے فنڈ سے کھلانا دو الگ الگ چیزیں ہیں، زکوۃ کے فنڈ سے مہمانوں کی میزبانی نہیں کی جاسکتی، البتہ جو امداد اور عطاء کی رقمیں ہیں ان سے مہتمم مہمان نوازی کرسکتا ہے۔

[۱۲-] بَابُ الْوَكَالَةِ فِي الْوَقْفِ وَنَفَقَتِهِ، وَأَنْ يُطْعِمَ صَدِيْقًا لَهُ، وَيَأْكُلَ بِالْمَعْرُوْفِ

[۲۳۱۳-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، قَالَ فِي صَدَقَةِ عُمَرَ: لَيْسَ عَلَى الْوَلِيِّ جُنَاحٌ أَنْ يَأْكُلَ، وَيُؤْكِلَ صَدِيْقًا لَهُ، غَيْرَ مُتَأَثِّلٍ مَالاً وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ هُوَ يَلِيْ صَدَقَةَ عُمَرَ، يُهْدِيْ لِلنَّاسِ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ كَانَ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ. [انظر: ۲۷۳۷، ۲۷٦٤، ۲۷۷۲، ۲۷۷۳، ۲۷۷۷]

بَابُ الْوَكَالَةِ فِي الْحُدُوْدِ

حد جاری کرنے کے لئے وکیل بنانا

قاضی نے کسی پر حد (سزا) کا فیصلہ کیا، پھر اس نے کسی کو وکیل بنایا کہ وہ حد جاری کرے تو یہ توکیل درست ہے۔ اور باب میں دو واقعے ہیں:

پہلا واقعہ: بہت لمبا ہے، آگے کئی جگہ آئے گا۔ ایک شخص کا جوان لڑکا دوسرے کے یہاں ملازم تھا، اس نے مالک کی بیوی سے زنا کیا، یہ مقدمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو آپؐ نے لڑکے کو جو کنوارا تھا سو کوڑے مارے اور حضرت اُنیس

رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ صبح اس کے گاؤں میں جاؤ اور اس کی بیوی سے پوچھو، اگر وہ اقرار کرے تو اسے سنگسار کردو، یہ حد جاری کرنے کے لئے حضور ﷺ نے وکیل بنایا۔

دوسرا واقعہ: نُعیمان یا ان کے لڑکے نے شراب پی اور نشہ کی حالت میں نبی ﷺ کے پاس لائے گئے، آپؐ نے گھر میں موجود لوگوں کو حکم دیا کہ اس کو مارو، یہ آپؐ نے لوگوں کو حد جاری کرنے کا وکیل بنایا۔ راوی حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں بھی پٹائی کرنے والوں میں تھا، پس ہم نے اس کو چپلوں سے اور کھجور کی چھڑی سے مارا، یہ واقعہ آگے دوجگہ آئے گا۔

[۱۳-] بَابُ الْوَكَالَةِ فِي الْحُدُوْدِ

[۲۳۱۴و۲۳۱۵-] حدثنا أَبُوْ الْوَلِيْدِ، أَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ، وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "وَاغْدُ يَا أُنَيْسُ إِلَى امْرَأَةِ هٰذَا، فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا" [الحديث: ۲۳۱٤، انظر: ۲٦٤۹، ۲٦۹٦، ۲۷۲٥، ٦٦۳٤، ٦٨٢٨، ٦٨٣١، ٦٨٣٦، ٦٨٤٣، ٦٨٦٠، ۷۱۹٤، ۷۲٥۹، ۷۲۷۹] [الحديث: ۲۳۱٥، انظر: ۲٦۹٥، ۲۷۲٤، ٦٦٣٣، ٦٨٢٧، ٦٨٣٣، ٦٨٣٥، ٦٨٤٢، ٦٨٥٩، ۷۱۹۳، ۷۲٥٨، ۷۲٦٠، ۷۲۷٨]

[۲۳۱٦-] حدثنا ابْنُ سَلَامٍ، أَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنِ ابْنِ أَبِيْ مُلَيْكَةَ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ: جِيْءَ بِالنُّعَيْمَانِ أَوِ ابْنِ النُّعَيْمَانِ شَارِبًا، فَأَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مَنْ كَانَ فِي الْبَيْتِ أَنْ يَضْرِبُوْهُ، قَالَ: فَكُنْتُ أَنَا فِيْمَنْ ضَرَبَهُ، فَضَرَبْنَاهُ بِالنِّعَالِ وَالْجَرِيْدِ [انظر: ٦۷۷٤، ٦۷۷٥]

بَابُ الْوَكَالَةِ فِي الْبُدْنِ وَتَعَاهُدِهَا

ہدی کے اونٹوں کی نگرانی کا وکیل بنانا

تعاهُد کے معنی ہیں: نگرانی کرنا۔ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں قربانی کے لئے جو اونٹ مدینہ سے ساتھ لئے تھے، وہ ذوالحلیفہ میں دو تین آدمیوں کو سونپے تھے، جن کے سردار ناجیہ خُزاعی رضی اللہ عنہ تھے، وہ اونٹ لے کر قافلہ سے الگ چلے تھے، کیونکہ وہ راستہ میں چرتے ہوئے چلیں گے۔ یہ حضور ﷺ نے حضرت ناجیہؓ کو اور ان کے ساتھیوں کو اونٹوں کی نگرانی کا وکیل بنایا۔

اور باب میں ایک دوسرا واقعہ ہے جو پہلے گذرا ہے، سن ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حج کرانے کے لئے تشریف لے گئے تھے، ان کے ساتھ نبی ﷺ نے سو بکریاں قربانی کے لئے بھیجی تھیں۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کو وکیل بنایا،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے اپنے ہاتھوں سے نبی ﷺ کی قربانی کی بکریوں کے ہار بٹے تھے، پھر ان کو نبی ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے پہنایا تھا، پھر ان کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھیجا تھا، پس نبی ﷺ پر کوئی چیز حرام نہیں ہوئی جس کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا تھا، یہاں تک کہ ہدی ذبح کی گئی، یعنی حاجی کے ساتھ ہدی بھیجنے سے احرام کی پابندی لازم نہیں ہوتیں۔

[١٤-] بَابُ الْوَكَالَةِ فِي الْبُدْنِ وَتعَاهُدِهَا

[٢٣١٧-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنِيْ مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ، قَالَتْ عَائِشَةُ: أَنَا فَتَلْتُ قَلاَ ئِدَ هَدْيِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِيَدَيَّ، ثُمَّ قَلَّدَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِيَدَيْهِ، ثُمَّ بَعَثَ بِهَا مَعَ أَبِيْ بَكْرٍ، فَلَمْ يَحْرُمْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم شَيْئٌ أَحَلَّهُ اللّٰهُ لَهُ حَتَّى نُحِرَ الْهَدْيُ. [راجع: ١٦٩٦]

بَابٌ: إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِوَكِيْلِهِ: ضَعْهُ حَيْثُ أَرَاكَ اللّٰهُ، وَقَالَ الْوَكِيْلُ: قَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ

کسی کو کوئی چیز دی اور وکیل بنایا کہ جہاں چاہیں خرچ کریں تو یہ توکیل درست ہے

ایک شخص نے دوسرے کو کوئی رقم وغیرہ دی اور کہا: جس مصرف میں آپ خرچ کرنا مناسب سمجھیں خرچ کریں، وکیل نے کہا: بہت اچھا! پس یہ توکیل درست ہے، پھر اگر رقم زکوٰۃ کی ہے تو وہ اس کے مصارف میں خرچ کرے گا، اور امداد وعطاء کی ہے تو جہاں چاہے خرچ کرے۔

اور باب میں وہ واقعہ ہے جو پہلے (حدیث ۱۴۶۱) آچکا ہے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک باغ خیرات کیا، جب آیت: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ﴾ نازل ہوئی، انھوں نے کہا: یہ میرا بہترین مال ہے جو میں اللہ کے راستہ میں دیتا ہوں، آپؐ جہاں چاہیں خرچ کریں، یہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو وکیل بنایا، پس حضور ﷺ نے فرمایا: واہ! یہ تو بہت عمدہ مال ہے اور جو تم نے کہا وہ میں نے سن لیا، اب میری رائے یہ ہے کہ تم اس باغ کو اپنے خاندان کے غریبوں میں تقسیم کردو، یہ نبی ﷺ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو وکیل بنایا، چنانچہ انھوں نے خاندان کے غریبوں میں اس کو تقسیم کردیا۔

[١٥-] بَابٌ: إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِوَكِيْلِهِ: ضَعْهُ حَيْثُ أَرَاكَ اللّٰهُ، وَقَالَ الْوَكِيْلُ: قَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ

[٢٣١٨-] حدثنا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلٰى مَالِكٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُوْلُ: كَانَ أَبُوْ طَلْحَةَ أَكْثَرَ أَنْصَارِيٍّ بِالْمَدِيْنَةِ مَالاً، وَكَانَ أَحَبُّ أَمْوَالِهِ إِلَيْهِ بِيْرُحَاءَ،

وَكَانَتْ مُسْتَقْبِلَةَ الْمَسْجِدِ. وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَدْخُلُهَا، وَيَشْرَبُ مِنْ مَاءٍ فِيْهَا طَيِّبٍ، فَلَمَّا نَزَلَتْ﴿ لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾[آل عمران: ۹۲] قَامَ أَبُوْ طَلْحَةَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ فِيْ كِتَابِهِ:﴿ لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ وَإِنَّ أَحَبَّ أَمْوَالِيْ إِلَيَّ بِيْرُحَاءُ، وَإِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلّٰهِ أَرْجُوْ بِرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَ اللّٰهِ، فَضَعْهَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ حَيْثُ شِئْتَ. فَقَالَ:" بَخْ، ذٰلِكَ مَالٌ رَائِحٌ! ذٰلِكَ مَالٌ رَائِحٌ! قَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ فِيْهَا وَإِنِّيْ أَرَى أَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْأَقْرَبِيْنَ" قَالَ: أَفْعَلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَقَسَمَهَا أَبُوْ طَلْحَةَ فِيْ أَقَارِبِهِ وَبَنِيْ عَمِّهِ، تَابَعَهُ إِسْمَاعِيْلُ، عَنْ مَالِكٍ. وَقَالَ رَوْحٌ، عَنْ مَالِكٍ:" رَابِحٌ"[راجع: ۱۴۶۱]

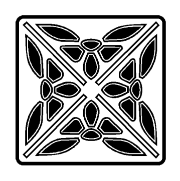
بَابُ وَكَالَةِ الْأَمِيْنِ فِي الْخِزَانَةِ وَنَحْوِهَا

مال وغیرہ کے سلسلہ میں امانت دار کو وکیل بنانا

اگر مال یا قیمتی چیز کا کسی کو وکیل بنانا ہے تو اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ وکیل امانت دار ہو، اور حدیث ابھی گذری ہے کہ امانت دار منیجر جو خرچ کرے اس چیز کو جس کا حکم دیا گیا ہے کامل ومکمل طور پر خوشدلی سے اس شخص پر جس پر خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو وہ دو خیرات کرنے والوں میں سے ایک ہے، کاملاً اور موفّرا کے ایک ہی معنی ہیں، موفّرا: تاکید کے لئے ہے۔

[۱۶-] بَابُ وَكَالَةِ الْأَمِيْنِ فِي الْخِزَانَةِ وَنَحْوِهَا

[۲۳۱۹-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، ثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيْ مُوْسَى، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" الْخَازِنُ الْأَمِيْنُ الَّذِيْ يُنْفِقُ - وَرُبَّمَا قَالَ: الَّذِيْ يُعْطِيْ- مَاأُمِرَ بِهِ كَامِلاً مُوَفَّرًا، طَيِّبًا نَفْسُهُ، إِلٰى الَّذِيْ أُمِرَ بِهِ: أَحَدُ الْمُتَصَدِّقِيْنِ"[راجع: ۱۴۳۸]



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كتابُ الْحَرْثِ وَالْمُزَارَعَةِ

کھیتی اور بٹائی کا بیان

حرثٌ: کھیتی، خواہ خود بوئے یا کسی سے بوائے۔ اور مزارعہ: بٹائی، یعنی دوسرے سے بوانا، پس حرث عام ہے اور مزارعہ خاص ہے۔

بَابُ فَضْلِ الزَّرْعِ وَالْغَرْسِ إِذَا أُكِلَ مِنْهُ

کھیتی باڑی کی فضیلت جب اس سے کھایا جائے

زَرْعٌ کے معنی ہیں: کھیتی۔ اور غَرْس کے معنی ہیں: باڑی، جیسے لوکی بوئی، ٹماٹر بوئے یا بیگن کی باڑی لگائی، باغبانی کے لئے کتاب المساقاة آرہی ہے۔

کھیتی باڑی کی اہمیت کے سلسلہ میں یہ پہلا باب ہے، پھر اگلا باب دفع دخل مقدر کے طور پر آیا ہے، پھر اس کے بعد پانچ باب اور کھیتی باڑی کی اہمیت کے سلسلہ میں آئیں گے، اس کے بعد مسائل شروع ہونگے۔

کھیتی باڑی کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں موضع امتنان میں فرمایا ہے: ''اچھا پھر بتلاؤ کہ تم جو کچھ بوتے ہو اس کو تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے والے؟ (اللہ ہی اگاتے ہیں، یہ اضافت تشریف کے لئے ہے، اور یہی کھیتی باڑی کی فضیلت ہے) اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا کردیں، پھر تم حیرت میں رہ جاؤ'' یعنی اللہ تعالیٰ نہ صرف کھیتی اگاتے ہیں، بلکہ اس کی حفاظت بھی فرماتے ہیں، اس سے بھی کھیتی کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: جو بھی مسلمان کوئی پودا لگاتا ہے یا کھیتی بوتا ہے، پس اس سے کوئی پرندہ یا انسان یا جانور کھاتا ہے تو اس کو اس کھانے کی وجہ سے خیرات کا ثواب ملتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے باب میں قید بڑھائی ہے: إذا أُكل منه: جب مخلوقات اس کھیتی باڑی سے فائدہ اٹھائیں تو کسان کو صدقہ کا ثواب ملتا ہے، یہی کھیتی باڑی کی فضیلت ہے، اور مسلمان کی قید احترازی ہے یہ ثواب مسلمان ہی کو ملتا ہے۔

لطیفہ: جس دن کسان ہل بیل لے کر جوتائی کے لئے کھیت میں اترتا ہے یا باڑی لگانے کی تیاری کرتا ہے اس دن اگر وہ تمام مخلوقات جو اس کھیت یا باڑی سے فائدہ اٹھائے گی، حاضر ہو اور کسان سے کہے: بوؤ، ہم کھائیں گے تو کسان یہ کہہ کر

لوٹ جائے گا کہ کھالو بابا! میں بوتا ہی نہیں! غرض بے شمار مخلوقات فائدہ اٹھاتی ہے اور کسان کو اس کا ثواب ملتا ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

٤١- كتاب الحَرْثِ والمُزارَعَةِ

[١-] بَابُ فَضْلِ الزَّرْعِ وَالْغَرَسِ إِذَا أُكِلَ مِنْهُ

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى:﴿ أَفَرَأَيْتُم مَا تَحْرُثُوْنَ، أَأَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُوْنَ، لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا﴾[الواقعه: ٦٣-٦٥]

[٢٣٢٠-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، ثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، ح: وَحَدَّثَنِى عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْمُبَارَكِ، ثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ،عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم:" مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ أَوْ إِنْسَانٌ أَوْ بَهِيْمَةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ"

وَقَالَ مُسْلِمٌ: حَدَّثَنَا أَبَانُ، ثَنَا قَتَادَةُ، ثَنَا أَنَسٌ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.[انظر: ٦٠١٢]

بَابُ مَا يُحَذَّرُ مِنْ عَوَاقِبِ الاِشْتِغَالِ بِآلَةِ الزَّرْعِ، أَوْ جَاوَزَ الْحَدَّ الَّذِىْ أُمِرَ بِهِ

کھیتی کے آلات میں مشغول ہونے سے یا مامور بہ حد سے نکل جانے سے ڈرانا

یہ باب دفع دخل مقدر کے طور پر لایا گیا ہے، گذشتہ باب سے کھیتی باڑی کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے جبکہ دیگر احادیث میں اس کی برائی آئی ہے۔ باب میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، آپؓ نے کسی گھر میں ہل کی پھار یا کھیتی کا کوئی آلہ دیکھا تو کہا: میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: لایدخلُ هذا بیتَ قوم إلا أدخله الله الذُّلَّ: یہ آلات جس گھر میں بھی داخل ہوتے ہیں اس گھر میں اللہ تعالیٰ رسوائی داخل کردیتے ہیں۔

اور ابوداؤد میں حدیث ہے: جب تم بیع عینہ کرنے لگو، اور بیلوں کی دُمیں پکڑلو اور راہِ خدا میں جہاد چھوڑ دو تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت مسلط کریں گے جو اس وقت تک نہیں ہٹے گی جب تک تم یہ باتیں نہ چھوڑو۔

ان حدیثوں میں کھیتی باڑی کی برائی ہے، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کیا ہے اور اس تعارض کو دو طرح سے رفع کیا ہے:

ا- کھیتی باڑی فی نفسہ بری چیز نہیں، اس کی تو فضیلت آئی ہے مگر کھیتی باڑی میں ایسا مشغول ہونا کہ دین کی ضروری باتیں رہ جائیں اس کے نتائج برے ہیں، ابوداؤد کی حدیث کا یہ جملہ: وترکتم الجهاد فی سبیل الله: برائی کی بنیاد ہے، جب راہِ خدا میں جہاد بند ہوجائے گا تو اس کا برا نتیجہ سامنے آجائے گا۔

۲-ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے، کھیتی باڑی اور تجارت وغیرہ کی بھی ایک حد ہے، اس حد سے کوئی آگے بڑھ جائے تو برے انجام سے دوچار ہوگا، مثلاً: ملازمت کی ایک حد ہے، جو اس حد سے آگے بڑھ گیا، حج فرض ہوگیا اور حج کے لئے نہیں گیا، اسی طرح تجارت کی بھی ایک حد ہے، اگر اس میں خود غرضی شامل ہوگئی اور لوگ بیع عینہ کرنے لگیں تو پھر یہ چیزیں بری ہیں۔

فائدہ: بیعِ عینہ یہ ہے کہ ایک شخص آپ کے پاس دس ہزار روپے قرض لینے آیا، آپ نے کہا: پیسے تو میرے پاس نہیں، البتہ یہ بھینس بارہ ہزار میں بیچنی ہے تم پیسے ایک سال کے بعد دیدینا، جب کہ بھینس دس ہزار کی ہے، قرض خواہ نے سوچا: میں بھینس بارہ ہزار میں خریدلوں اور بازار میں دس ہزار میں بیچ دوں اور اپنا کام نکال لوں، پھر سال بھر کے بعد بارہ ہزار دیدوں گا، تو یہ بیعِ عینہ ہے، یعنی قرض دینے کے بجائے قرض خواہ کے ہاتھ کوئی چیز گراں قیمت پر فروخت کرنا، اس بیع میں خود غرضی شامل ہوگئی ہے، اس لئے وہ رسوائی کا سبب ہے۔

[۲-] بَابُ مَا يُحَذَّرُ مِنْ عَوَاقِبِ الِاشْتِغَالِ بِآلَةِ الزَّرْعِ، أَوْ جَاوَزَ الْحَدَّ الَّذِیْ أُمِرَ بِهِ

[۲۳۲۱-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَالِمٍ الْحِمْصِیُّ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ الْأَلْهَانِیُّ، عَنْ أَبِیْ أُمَامَةَ الْبَاهِلِیِّ، قَالَ: وَرَأَى سِكَّةً وَشَيْئًا مِنْ آلَةِ الْحَرْثِ، فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "لَا يَدْخُلُ هٰذَا بَيْتَ قَوْمٍ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الذُّلَّ" قَالَ مُحَمَّدٌ: وَاسْمُ أَبِیْ أُمَامَةَ: صُدَیُّ بْنُ عَجْلَانَ.

بَابُ اقْتِنَاءِ الْكَلْبِ لِلْحَرْثِ

کھیتی کے لئے کتا پالنا

یہ کھیتی باڑی کی اہمیت کے سلسلہ کا دوسرا باب ہے، کھیتی باڑی کی حفاظت کے لئے کتا پالنے کی اجازت ہے، حالانکہ کتا پالنے کی ممانعت آئی ہے، جو شخص شوقیہ کتا پالتا ہے اس کا روزانہ ایک قیراط ثواب گھٹ جاتا ہے، لیکن کھیت اور باغیچہ کی حفاظت کے لئے کتا پالنے کی اجازت ہے، اس لئے کہ کھیتی باڑی ذرائع معاش میں نہایت اہم ذریعہ ہے، اگر اس کی حفاظت کے لئے کتا پالنے کی اجازت نہیں دی جائے گی تو لوگ کھیتوں اور باغوں کی حفاظت کیسے کریں گے؟ اس سے کھیتی باڑی کی اہمیت ثابت ہوتی ہے۔

حدیث (۱): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کوئی کتا روکا یعنی پالا، پس بیشک شان یہ ہے کہ گھٹ جائے گا روزانہ اس کے عمل میں سے ایک قیراط، مگر کھیت کا کتا یا جانوروں کا کتا مستثنیٰ ہے، یہ ابو سلمہ کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ اور ابن سیرین اور ابو صالح کی روایت میں ہے: مگر بکریوں کا یا کھیتی کا یا

شکار کا کتا مستثنیٰ ہے۔اور ابو حازم کی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے: شکار کا یا جانوروں کا کتا مستثنیٰ ہے۔

حدیث (۲): سفیان بن ابی زہیر جو قبیلۂ ازد شنوءہ کے ہیں اور صحابی ہیں، کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا: جس نے کوئی کتا پالا جو نہ کھیتی کے کام کا ہے اور نہ تھن یعنی بکریوں کے کام کا ہے تو ہر دن اس کے عمل میں سے ایک قیراط گھٹ جائے گا۔ طالب علموں نے حضرت سفیانؓ سے پوچھا: آپ نے خود یہ حدیث حضور ﷺ سے سنی ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، اس مسجد کے پروردگار کی قسم!

تشریح: شوقیہ کتا پالنا ممنوع ہے، مگر کسی مصلحت اور ضرورت سے کتا پالنے کی اجازت ہے، اور حدیثوں میں جو دو تین مصلحتوں کا بیان ہے ان میں حصر نہیں، اب کتوں کو بے شمار ہنر سکھائے جاتے ہیں، اور ان سے بڑے بڑے کام لئے جاتے ہیں، اس کی اجازت ہے، شوقیہ جیسے یوروپ اور امریکہ کے لوگ پالتے ہیں اور اولاد سے زیادہ ان سے محبت کرتے ہیں، یہ ممنوع ہے، کیونکہ جو Dog (کتے) کو پکڑے گا وہ God (خدا) سے کٹ جائے گا۔

[۳-] بَابُ اقْتِنَاءِ الْكَلْبِ لِلْحَرْثِ

[۲۳۲۲-] حدثنا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، ثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " مَنْ أَمْسَكَ كَلْبًا فَإِنَّـهُ يَنْقُصُ كُلَّ يَوْمٍ مِنْ عَمَلِهِ قِيْرَاطٌ، إِلَّا كَلْبَ حَرْثٍ، أَوْ مَاشِيَةٍ" وَقَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ وَأَبُوْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: " إِلَّا كَلْبَ غَنَمٍ أَوْ حَرْثٍ أَوْ صَيْدٍ" وَقَالَ أَبُوْ حَازِمٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: " كَلْبَ صَيْدٍ أَوْ مَاشِيَةٍ. [انظر: ۳۳۲٤]

[۲۳۲۳-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ يَزِيْدَ بْنِ خُصَيْفَةَ، أَنَّ السَّائِبَ بْنَ يَزِيْدَ حَدَّثَهُ، أَنَّـهُ سَمِعَ سُفْيَانَ بْنَ أَبِيْ زُهَيْرٍ، رَجُلًا مِنْ أَزْدِ شَنُوْءَةَ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: " مَنِ اقْتَنَى كَلْبًا لَا يُغْنِيْ عَنْهُ زَرْعًا وَلَا ضَرْعًا نَقَصَ كُلَّ يَوْمٍ مِنْ عَمَلِهِ قِيْرَاطٌ" قُلْتُ: أَأَنْتَ سَمِعْتَ هٰذَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم؟ قَالَ: إِيْ وَرَبِّ هٰذَا الْمَسْجِدِ. [انظر: ۳۳۲۵]

بَابُ اسْتِعْمَالِ الْبَقَرِ لِلْحِرَاثَةِ

کھیتی کے لئے بیل استعمال کرنا

یہ کھیتی باڑی کی اہمیت کے سلسلہ کا تیسرا باب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کھیتی کے مقصد کے لئے بیل پیدا کیا ہے، اس سے کھیتی

کی اہمیت ظاہر ہے، اللہ تعالیٰ نے نہ صرف کھیتی کی اجازت دی بلکہ اس کے لئے اسباب بھی مہیا کئے۔

حدیث: ایک بار نبی ﷺ نے گذشتہ زمانہ کا ایک واقعہ بیان کیا کہ دریں اثناء کہ ایک شخص بیل پر بیٹھ کر جارہا تھا (بیل آہستہ چلتا ہے، اس نے اس کو تیز چلانے کے لئے مارا ہوگا تو) بیل اس کی طرف متوجہ ہوا، اور اس سے کہا: میں اس مقصد (سواری) کے لئے نہیں پیدا کیا گیا، میں تو کھیت کے لئے پیدا کیا گیا ہوں (اس پر لوگوں کو حیرت ہوئی کہ بیل بولا پس) نبی ﷺ نے فرمایا: میں اور ابوبکر وعمر اس پر ایمان رکھتے ہیں، یعنی تصدیق کرتے ہیں۔

اور (ایک دوسرے موقع پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ) ایک بھیڑیے نے بکری پکڑی، پس چرواہے نے اس کا پیچھا کیا پس اس سے بھیڑیے نے کہا: درندوں کے دن بکری کو کون بچائے گا، جس دن میرے علاوہ بکریوں کا کوئی چرواہا نہیں ہوگا (اس پر لوگوں کو حیرت ہوئی کہ بھیڑیا بولا، پس) نبی ﷺ نے فرمایا: میں اور ابوبکر وعمر اس پر ایمان رکھتے ہیں، ابوسلمہ (راوی) کہتے ہیں: ابوبکر وعمر اس وقت لوگوں میں موجود نہیں تھے۔

تشریح: بیل کا اور بھیڑیے کا بولنا خرقِ عادت ہے اور خرقِ عادت نبی کے ہاتھ سے ظاہر ہو تو معجزہ ہے اور کسی ولی کے ہاتھ سے ظاہر ہو تو کرامت ہے، اور غیر مسلم کے ہاتھ سے ظاہر ہو تو استدراج (ڈھیل دینا) ہے۔ اور ان کے علاوہ ظاہر ہو تو اللہ کی ایک نشانی ہے جو اللہ تعالیٰ کبھی مخلوقات کو دکھاتے ہیں۔ حدیث میں جو دو واقعے ہیں دونوں آیتٌ من آیاتِ اللّٰہِ ہیں۔

لوگ کھیتی کے لئے تین جانور استعمال کرتے ہیں: اونٹ، بھینس بھینسا اور گائے بیل، مگر یہ سب کھیتی کے لئے پیدا نہیں کئے گئے، اونٹ ریگستان میں سواری کے لئے پیدا کیا گیا ہے، گائے بھینس دودھ کے لئے اور کھیتی کے لئے صرف بیل پیدا کیا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسرے جانوروں کو کھیتی میں استعمال نہیں کرسکتے، بلکہ اس حدیث سے یہ ثابت کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیل کو کھیتی کے لئے پیدا کیا ہے، اس سے کھیتی کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

کرامتوں کے سلسلہ میں صحیح موقف:

کرامتوں کے واقعات اگر پکی دلیل سے ثابت ہوں تو ان کی تصدیق بے چون وچرا کرنی چاہئے، فوراً ان کو مان لینا ایمان کی پختگی کی دلیل ہے، معراج سے جب نبی ﷺ لوٹے اور واقعہ بیان کیا تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے بے چون وچرا مان لیا، چنانچہ صدیق لقب پایا، اسی طرح مذکورہ حدیث میں جو بیل اور بھیڑیے کے بولنے کا واقعہ ہے وہ صحابہ کے سامنے نبی ﷺ نے بیان کیا ہے، اس سے زیادہ اور پکا ثبوت کیا ہوسکتا ہے؟ پس اس کو فوراً مان لینا چاہئے۔ حضور ﷺ نے اپنے ساتھ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو شامل کیا یہ ان کے ایمان کی پختگی کی دلیل ہے۔

اس کے برخلاف بے ثبوت بزرگوں کی کرامتوں کے واقعات کو مان لینا ایمان کی کمزوری کی دلیل ہے، بزرگوں کی کرامتوں کے جو واقعات کتابوں میں ہیں ان میں سے آدھے خود ساختہ ہیں، اور آدھوں میں نمک مرچ ملا کر چٹ پٹا بنایا

ہے، کمزور ایمان والے ان کو فوراً مان لیتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ایسا نہیں ہوسکتا؟ جواب یہ ہے کہ سب کچھ ہوسکتا ہے، آسمان زمین پر گرسکتا ہے، مگر ہوا اس کی کیا دلیل ہے؟ اور بے دلیل کوئی بات مان لینا اور اس کو آگے بڑھانا خطرناک بات ہے۔ حدیث میں ہے: جو شخص ہر سنی ہوئی بات بیان کرتا ہے وہ دو جھوٹوں میں سے ایک ہے، بہر حال کرامتوں کے واقعات پختہ ثبوت کے بعد ہی ماننے چاہئیں۔ اور جاننا چاہئے کہ واقعات سے عقائد ثابت نہیں ہوتے مگر عقائد بگڑتے ضرور ہیں، اللہ تعالیٰ اس بات کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

[٤-] بَابُ اسْتِعْمَالِ الْبَقَرِ لِلْحِرَاثَةِ

[٢٣٢٤-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا غُنْدَرٌ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " بَيْنَمَا رَجُلٌ رَاكِبٌ عَلٰى بَقَرَةٍ الْتَفَتَ إِلَيْهِ، فَقَالَتْ: لَمْ أُخْلَقْ لِهٰذَا. خُلِقْتُ لِلْحِرَاثَةِ، قَالَ: آمَنْتُ بِهِ أَنَا وَأَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ. وَأَخَذَ الذِّئْبُ شَاةً فَتَبِعَهَا الرَّاعِيْ فَقَالَ لَهُ الذِّئْبُ: مَنْ لَهَا يَوْمَ السَّبُعِ؟ يَوْمَ لاَ رَاعِيَ لَهَا غَيْرِيْ؟ قَالَ: آمَنْتُ بِهِ أَنَا وَأَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ " قَالَ أَبُوْ سَلَمَةَ: وَمَا هُمَا يَوْمَئِذٍ فِي الْقَوْمِ. [انظر: ٣٤٧١، ٣٦٦٣، ٣٦٩٠]

بَابٌ: إِذَا قَالَ: اكْفِنِيْ مُؤُوْنَةَ النَّخْلِ وَغَيْرِهِ، وَتُشْرِكُنِيْ فِي الثَّمَرِ

کہا: آپ میری طرف سے کھجور وغیرہ کی محنت برداشت کریں اور پھل میں شریک ہوجائیں

یہ کھیتی باڑی کی اہمیت کے سلسلہ کا چوتھا باب ہے، ہر کام خود کرنا پڑتا ہے، تجارت خود کرنی پڑتی ہے، نوکری خود کرنی پڑتی ہے، مگر کھیتی باڑی دوسرا بھی کر کے دے سکتا ہے، کسی کے پاس زمین ہے اس نے دوسرے کو دیدی اور کہا: کھیتی کر یا باغ لگا اور محنت کر، اور پیداوار میں ہم دونوں شریک! اس طرح زمین سے بے محنت روزی مل سکتی ہے، اس کو کہتے ہیں: نہ لگے مہندی نہ لگے پھٹکڑی اور رنگ آئے چوکھا!

حدیث: جب صحابہ ہجرت کر کے مدینہ آئے اور نبی ﷺ نے مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات کرائی تو انصار نے عرض کیا: کھجوروں کے باغات ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے درمیان بانٹ دیجئے، آپؐ نے انکار فرمایا، پس انصار نے کہا: باغات اور کھیتوں میں محنت مہاجرین کریں اور پیداوار میں ہم ان کو شریک کرلیں، پس مہاجرین نے کہا: ہم نے سنا اور ہم نے مان لیا، یعنی یہ بات ہمیں منظور ہے۔

[٥-] بَابٌ: إِذَا قَالَ: اكْفِنِيْ مُؤُوْنَةَ النَّخْلِ وَغَيْرِهِ، وَتُشْرِكُنِيْ فِي الثَّمَرِ

[٢٣٢٥-] حدثنا الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ، أَنَا شُعَيْبٌ، ثَنَا أَبُو الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ:

قَالَتِ الأَنْصَارُ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: اقْسِمْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ إِخْوَانِنَا النَّخِيْلَ، قَالَ:"لَا" فَقَالُوْا: فَتَكْفُوْنَا الْمَؤُوْنَةَ وَنُشْرِكُكُمْ فِي الثَّمَرَةِ، قَالُوْا: سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا. [انظر: ۲۷۱۹، ۳۷۸۲]

بَابُ قَطْعِ الشَّجَرِ وَالنَّخْلِ

عام درخت اور کھجور کے درخت کاٹنا

یہ کھیتی باڑی کی اہمیت کے سلسلہ کا پانچواں باب ہے — کھیتی اور باغبانی کی ضرورت سے کبھی ہرے درخت کاٹنے پڑتے ہیں جب کہ درختوں کے کاٹنے میں بڑا نقصان ہے، ایک درخت کئی سال میں تیار ہوتا ہے، پس اس کو کاٹنا جائز نہیں ہونا چاہئے، مگر جنگی مصلحت سے یا کھیتی باڑی کی مصلحت سے درخت کاٹنے پڑیں تو الأهم فالأهم کے قاعدہ سے جائز ہے، اس سے بھی کھیتی باڑی کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

اور باب میں دو روایتیں ہیں:

۱- حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جہاں مسجد نبوی بنی ہے وہاں پہلے کھجور کے درخت تھے، نبی ﷺ کے حکم سے وہ کاٹے گئے، پس جس طرح تعمیر کی مصلحت سے درخت کاٹ سکتے ہیں کھیتی باڑی کی مصلحت سے بھی کاٹ سکتے ہیں۔

۲- غزوۂ بنونضیر میں یہود قلعہ بند ہوگئے، باہر نہیں نکلتے تھے، ان کو باہر نکالنے کے لئے مہاجرین نے ان کے کھجوروں کے باغات اجاڑے اور کاٹے، یہ باغات بُویرہ مقام میں تھے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے ایک شعر میں اس کا ذکر ہے۔

وَهَانَ عَلٰى سَرَاةِ بَنِىْ لُؤَيٍّ ❁ حَرِيْقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيْرُ

(آسان ہوگیا بنولؤی کے سرداروں (مہاجرین) کے لئے بویرہ مقام میں ایسی آگ لگانا جس کے شرارے ہر سو اڑ رہے تھے)

پھر قرآنِ کریم نے سورۂ حشر میں صحابہ کے اس عمل کی تصویب کی، پس جب جنگی مصلحت سے ہرے درخت کاٹ سکتے ہیں تو کھیتی باڑی کی مصلحت سے بھی کاٹ سکتے ہیں، اس سے بھی کھیتی باڑی کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

[٦-] بَابُ قَطْعِ الشَّجَرِ وَالنَّخْلِ

وقَالَ أَنَسٌ: أَمَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِالنَّخْلِ فَقُطِعَ.

[٢٣٢٦-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا جُوَيْرِيَةُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: أَنَّهُ حَرَّقَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيْرِ وَقَطَعَ، وَهِيَ الْبُوَيْرَةُ، وَلَهَا يَقُوْلُ حَسَّانُ:

وَهَانَ عَلٰى سَرَاةِ بَنِىْ لُؤَيٍّ ❁ حَرِيْقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيْرُ

[انظر: ٣٠٢١، ٤٠٣١، ٤٠٣٢، ٤٨٨٤]

بَابٌ

کھیتی اور درختوں پر کبھی آفت آتی ہے

یہ کھیتی باڑی کی اہمیت کے سلسلہ کا چھٹا اور آخری باب ہے اور یہ باب کالفصل من الباب السابق ہے، اور اس میں ایک الگ نوعیت کی دلیل ہے کہ کھیتی اور کھجور کے درختوں پر کبھی قدرتی آفت آتی ہے، پس اگر انسان اپنی ضرورت کے لئے درختوں کو کاٹیں تو یہ بھی جائز ہے۔

حدیث: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم (ہمارا خاندان) مدینہ والوں میں کھیتوں کے اعتبار سے سب سے زیادہ تھے اور ہم زمین کو کرایہ پر دیا کرتے تھے، اس کے ایک معین کونے کے بدلہ میں زمین والے کے لئے، حضرت رافعؓ کہتے ہیں: پھر ایسا ہوتا تھا کہ اس معین حصہ میں آفت آتی تھی اور باقی زمین محفوظ رہتی تھی، اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ ساری زمین پر آفت آتی تھی اور وہ معین حصہ محفوظ رہتا تھا، پس ہم اس طرح کرایہ پر دینے سے منع کئے گئے، اور رہا سونا اور چاندی تو وہ اس زمانہ میں نہیں تھا، اس لئے کرایہ پر دینے کا رواج نہیں تھا، بٹائی پر دینے کا رواج تھا، مگر بٹائی کی جو صورت اوپر آئی ہے وہ جائز نہیں، اس لئے نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔

[۷-] بَابٌ

[۲۳۲۷-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ، أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، أَنَا يَحْيىٰ بْنُ سَعِيْدٍ، عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ قَيْسٍ الأَنْصَارِيِّ، سَمِعَ رَافِعَ بْنَ خَدِيْجٍ، قَالَ: كُنَّا أَكْثَرَ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مُزْدَرَعًا، كُنَّا نُكْرِى الأَرْضَ بِالنَّاحِيَةِ مِنْهَا مُسَمًّى لِسَيِّدِ الأَرْضِ، قَالَ: فَمِمَّا يُصَابُ ذٰلِكَ وَتَسْلَمُ الأَرْضُ، وَمِمَّا تُصَابُ الأَرْضُ وَيَسْلَمُ ذٰلِكَ، فَنُهِيْنَا، وَأَمَّا الذَّهَبُ وَالْوَرِقُ فَلَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ.

لغت: مُزْدَرَعًا: باب افتعال سے ہے، اصل مُزْتَرَع تھا، تاء کو دال سے بدلا ہے۔

بَابُ الْمُزَارَعَةِ بِالشَّطْرِ وَنَحْوِهِ

آدھے اور اس کے مانند پر زمین بٹائی پر دینا

شَطر کے معنی ہیں: نصف اور نحوہ میں تہائی، دو تہائی، چوتھائی وغیرہ سب شکلیں آجاتی ہیں۔ جاننا چاہئے کہ تین صورتوں میں اتفاق ہے، ایک کے جواز پر اور دو کے عدم جواز پر اور چوتھی صورت میں اختلاف ہے۔ امام اعظم اور امام شافعی رحمہما اللہ عدم جواز کے قائل ہیں۔ اور جمہور جواز کے، وہ چار شکلیں یہ ہیں:

۱- زمین روپیوں کے عوض کرایہ پر دینا، یہ بالاتفاق جائز ہے۔

۲- زمین بٹائی پر دینا اور شرط لگانا کہ زمین کے مخصوص حصہ کی پیداوار ایک کی اور دوسرے حصہ کی پیداوار دوسرے کی، یہ بالاجماع ناجائز ہے۔

۳- زمین بٹائی پر دینا اور پیداوار کی خاص مقدار مالک کے لئے یا عامل کے لئے طے کرنا، یہ بھی بالاجماع ناجائز ہے۔

۴- زمین بٹائی پر دینا، اور فی صد پیداوار تقسیم کرنا یعنی آدھا آدھا کرنا یا ایک تہائی اور دو تہائی کرنا، اس کو امام اعظم اور امام شافعی رحمہما اللہ ناجائز کہتے ہیں، مگر احناف اور شوافع کے نزدیک فتوی جواز پر ہے۔ اور باقی تمام فقہاء جائز کہتے ہیں۔ اور حضرت امام بخاری رحمہ اللہ بھی جواز کے قائل ہیں اور انھوں نے اس سلسلہ میں مختلف آثار اور ایک حدیث پیش کی ہے۔

پہلا اثر: امام ابوجعفر (امام باقر) کہتے ہیں: مدینہ میں مہاجرین کے خاندان زمین بٹائی پر لیتے اور بوتے تھے، اور جس طرح معاملہ طے ہوتا تھا اس طرح پیداوار تقسیم کر لیتے تھے۔

دوسرا اثر: حضرات علی، سعد بن ابی وقاص، ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور حضرات عمر بن عبدالعزیز، قاسم، عروہ، خاندانِ ابوبکر، خاندانِ عمر، خاندانِ علی اور ابن سیرین رحمہم اللہ جو بڑے صحابہ اور تابعین ہیں: سب زمینیں بٹائی پر لیتے تھے، اپنا حصہ رکھ لیتے تھے اور زمین والوں کا حصہ ان کو دیدیتے تھے۔

تیسرا اثر: عبدالرحمٰن بن الاسود اور ان کے چچا عبدالرحمٰن بن یزید دونوں مل کر لوگوں سے زمینیں بٹائی پر لیتے تھے اور بوتے تھے۔

چوتھا اثر: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی زمین بٹائی پر دی، اس طرح کہ اگر بیج حضرت عمرؓ دیں تو پیداوار آدھی آدھی اور اگر بیج عامل دے تو عامل کے لئے اتنی پیداوار ہوگی۔

پانچواں اثر: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں: زمین اس طرح بٹائی پر دینا کہ خرچہ دونوں کریں اور پیداوار یوں تقسیم کریں تو یہ درست ہے۔ امام زہری رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔

چھٹا اثر: حسن بصریؒ کہتے ہیں: نصفا نصفی پر روئی چننے کے لئے دینے کی گنجائش ہے۔

وضاحت: روئی کے پودوں پر جب پھول کھلتا ہے تو روئی چننی پڑتی ہے، ہر ہفتہ یہ عمل کرنا پڑتا ہے، پس اگر اس طرح اجرت مقرر کی کہ جو روئی تم نے چنی ہے اس میں سے آدھی تمہاری اور آدھی ہماری تو حسن بصریؒ فرماتے ہیں: یہ جائز ہے، لیکن فقہاء کے نزدیک یہ جائز نہیں، قفیز طحان کی حدیث کی وجہ سے، مزدور کے عمل سے جو چیز وجود میں آئے اس کو مزدوری نہیں بنا سکتے۔ قفیز طحان سے جو منع کیا گیا ہے اس کی یہی وجہ ہے، یہ حدیث دارقطنی، بیہقی اور مسند ابویعلی میں ہے (بحوالہ نصب الرایہ) پہلے یہ طریقہ تھا کہ اناج پیسنے کے لئے چکی والے کو دیتے تھے اور پسے ہوئے آٹے میں سے اجرت مقرر کرتے تھے، مثلاً ایک من گیہوں پیسنے کی اجرت ایک قفیز آٹا، نبی ﷺ نے اس سے منع کیا، پس روئی آدھے پر چنوانا فقہاء کے

نزدیک درست نہیں۔

ساتواں اثر: حضرات ابرہیم نخعی، ابن سیرین، عطاء بن ابی رباح، حکم بن عتیبہ، زہری اور قتادہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ سوت بُنکر کو دیا اور کہا کہ جو کپڑا تیار کروگے اس میں سے تہائی یا چوتھائی تمہارا باقی ہمارا، تو اس کی گنجائش ہے، مگر فقہاء کے نزدیک یہ بھی قفیز طحان کے معنی میں ہے اور جائز نہیں۔

آٹھواں اثر: معمر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر بیل کھیتی کے لئے معین مدت کے لئے کرایہ پر دیئے اور شرط کی کہ پیداوار کی تہائی یا چوتھائی بیل والے کی اور باقی عامل کی تو اس کی گنجائش ہے، لیکن فقہاء کے نزدیک یہ بھی درست نہیں، یہ بھی قفیز طحان کے معنی میں ہے۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے آخری تین آثار سے مزارعت کے جواز پر استدلال کیا ہے، کیونکہ مزارعت میں بھی اسی طرح سے پیداوار تقسیم کی جاتی ہے۔

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نبی ﷺ نے خیبر کے یہودیوں سے آدھے آدھ پر معاملہ کیا تھا جو کھجوریں یا کھیتی تیار ہوگی اس کا آدھا عامل (یہودی) کا اور آدھا زمین کے مالک کا۔ نبی ﷺ کی بھی خیبر میں زمینیں تھیں، جب اس کی آمدنی ہوتی تھی تو آپؐ ہر بیوی صاحبہ کو سو وسق سال بھر کا خرچہ دیدیتے تھے، اسّی وسق چھوہارے دیتے تھے اور بیس وسق جو (ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے) پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کو خیبر سے دوسری جگہ منتقل کیا تو سب زمینیں خالی ہوگئیں، پس حضرت عمرؓ نے ازواج مطہرات سے کہا: اب دو شکلیں ہیں: ایک یہ کہ جس طرح حضور ﷺ ہر بیوی صاحبہ کو سو وسق دیتے تھے میں بھی دیتا رہوں۔ اور زمینوں کا منتظم میں رہوں، اور دوسری صورت یہ ہے کہ اتنی زمین جس میں سے سو وسق پیداوار ہو سکے اتنی زمین پانی کے ساتھ میں تمہیں دیدوں اور تم خود کھیتی کراؤ، یعنی بٹائی پر دو، چنانچہ بعض ازواج مطہرات نے سو وسق لینے کو پسند کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے زمین لی، وہ خود کھیتی کرواتی تھیں، پس اس سے بھی مزارعت کا جواز ثابت ہوا۔

[۸-] بَابُ الْمُزَارَعَةِ بِالشَّطْرِ وَنَحْوِهِ

[۱-] وَقَالَ قَيْسُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ أَبِيْ جَعْفَرٍ، قَالَ: مَا بِالْمَدِيْنَةِ أَهْلُ بَيْتِ هِجْرَةٍ إِلَّا يَزْرَعُوْنَ عَلَى الثُّلُثِ وَالرُّبْعِ.

[۲-] وَزَارَعَ عَلِيٌّ، وَسَعْدُ بْنُ مَالِكٍ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ، وَعُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ، وَالْقَاسِمُ، وَعُرْوَةُ، وَآلُ أَبِيْ بَكْرٍ، وَآلُ عُمَرَ، وآلُ عَلِيٍّ، وَابْنُ سِيْرِيْنَ.

[۳-] وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْأَسْوَدِ: كُنْتُ أُشَارِكُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ يَزِيْدَ فِي الزَّرْعِ.

[٤-] وَعَامَلَ عُمَرُ النَّاسَ عَلَى إِنْ جَاءَ عُمَرُ بِالْبَذْرِ مِنْ عِنْدِهِ فَلَهُ الشَّطْرُ، وَإِنْ جَاؤُوْا بِالْبَذْرِ فَلَهُمْ كَذَا.

[٥-] وَقَالَ الْحَسَنُ: لَابَأْسَ أَنْ تَكُوْنَ الْأَرْضُ لِأَحِدِهِمَا، فَيُنْفِقَانِ جَمِيْعًا فَمَا خَرَجَ فَهُوَ بَيْنَهُمَا، وَرَأَى ذٰلِكَ الزُّهْرِيُّ.

[٦-] وَقَالَ الْحَسَنُ: لَا بَأْسَ أَنْ يُجْتَنَى الْقُطْنُ عَلَى النِّصْفِ.

[٧-] وَقَالَ إِبْرَاهِيْمُ، وَابْنُ سِيْرِيْنَ، وَعَطَاءٌ، وَالْحَكَمُ، وَالزُّهْرِيُّ، وَقَتَادَةُ: لَابَأْسَ أَنْ يُعْطِيَ الثَّوْبَ بِالثُّلُثِ أَوِ الرُّبُعِ وَنَحْوِهِ.

[٨-] وَقَالَ مَعْمَرٌ: لَا بَأْسَ أَنْ تُكْرَى الْمَاشِيَةُ عَلَى الثُّلُثِ أَوِ الرُّبُعِ إِلٰى أَجَلٍ مُسَمًّى.

[٢٣٢٨-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، ثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَخْبَرَهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم عَامَلَ أَهْلَ خَيْبَرَ بِشَطْرِ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ زَرْعٍ أَوْ ثَمَرٍ، وَكَانَ يُعْطِي أَزْوَاجَهُ مِائَةَ وَسْقٍ، ثَمَانُوْنَ وَسْقَ تَمْرٍ، وَعِشْرُوْنَ وَسْقَ شَعِيْرٍ، فَقَسَمَ عُمَرُ خَيْبَرَ فَخَيَّرَ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنْ يُقْطِعَ لَهُنَّ مِنَ الْمَاءِ وَالْأَرْضِ، أَوْ يُمْضِيَ لَهُنَّ، فَمِنْهُنَّ مَنِ اخْتَارَ الْأَرْضَ، وَمِنْهُنَّ مَنِ اخْتَارَ الْوَسْقَ، وَكَانَتْ عَائِشَةُ اخْتَارَتِ الْأَرْضَ. [راجع: ٢٢٨٥]

بَابٌ: إِذَا لَمْ يَشْتَرِطِ السِّنِيْنَ فِي الْمُزَارَعَةِ

جب مزارعت میں سالوں کی تعیین نہ کرے

زمین بٹائی پر دی، کتنے سالوں کے لئے؟ اس کی تعیین نہیں کی تو بھی کچھ حرج نہیں، اس سلسلہ میں عرف کا اعتبار ہے، مکان ماہانہ کرایہ پر اور زمین سالانہ بٹائی پر دی جاتی ہے، اور ماہ بہ ماہ اور سال بہ سال معاملہ کی تجدید ہوتی رہتی ہے، پھر جب مالک نہیں چاہتا تو نوٹس دیتا ہے کہ مہینہ کے ختم پر مکان خالی کرنا یا سال کے ختم پر بٹائی کا معاملہ ختم ہو جائے گا تو ایسا ہی ہوتا ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے جب خیبر کے یہودیوں سے مزارعت کا معاملہ کیا تو ان سے کہا تھا: ''ہم تمہیں یہ زمینیں اور یہ باغات بٹائی پر دے رہے ہیں اور جب تک ہم چاہیں گے تمہیں برقرار رکھیں گے'' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب یہودیوں کو وہاں سے دوسری جگہ منتقل کیا گیا تو ان کو پہلے اطلاع دیدی تھی کہ اب جب پھلوں اور کھیتی کا سیزن ختم ہو جائے گا تو ہمارا تمہارا معاملہ ختم ہو جائے گا۔

[٩-] بَابٌ: إِذَا لَمْ يَشْتَرِطِ السِّنِيْنَ فِي الْمُزَارَعَةِ

[٢٣٢٩-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، ثَنِيْ نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: عَامَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم خَيْبَرَ بِشَطْرِ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ ثَمَرٍ أَوْ زَرْعٍ. [راجع: ٢٢٨٥]

بَابٌ

مزارعت کی ممانعت ارشادی ہے

یہ باب کالفصل من الباب السابق ہے، اور اس میں جواز مزارعت کی ایک اور طرح کی دلیل ہے:

حدیث: حضرت طاؤس رحمہ اللہ لوگوں سے زمین بٹائی پر لیتے تھے، عمرو بن دینار نے ان سے کہا: کیا اچھا ہوتا کہ آپ مزارعت پر زمینیں نہ لیتے! اس لئے کہ نبی ﷺ نے مخابرہ سے منع کیا ہے۔ حضرت طاؤس رحمہ اللہ نے کہا: میں زمین والوں کو کما کر دیتا ہوں، ان کا تعاون کرتا ہوں، ان کا کچھ نقصان نہیں کرتا، پھر مزارعت کیوں جائز نہیں؟ اور نبی ﷺ نے جو مخابرہ سے منع کیا ہے: اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو صحابہ میں بڑے ذی علم تھے، مجھے یہ بتایا ہے کہ نبی ﷺ نے اس کی ممانعت نہیں کی تھی، بلکہ یہ فرمایا تھا کہ تم میں سے ایک اپنے بھائی کو زمین منیحہ (عطیہ) دے، یہ اس کے لئے بہتر ہے، اس سے کہ وہ اس پر کوئی مقررہ اجرت لے۔

تشریح: مزارعت کے سلسلہ میں حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مدینہ والوں کو مخابرہ سے منع کیا، یعنی جس طرح کا معاملہ حضور ﷺ نے خیبر والوں سے کیا تھا ایسا معاملہ مدینہ کے انصار مہاجرین کے ساتھ نہ کریں، اگر کسی کے پاس زمین زائد ہو یا وہ نہیں بو سکتا تو اپنے مہاجر بھائی کو منیحہ دے یعنی مفت بونے کے لئے دیدے، اجرت نہ لے، نہ پیداوار کا کوئی حصہ لے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یہ نہی ارشادی ہے، مدینہ کے انصار کو ایک مصلحت کے پیش نظر مہاجرین کے ساتھ خیبر جیسا معاملہ کرنے سے منع کیا گیا تھا تاکہ معاشی عدم توازن ختم ہو، ورنہ مزارعت فی نفسہ جائز ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب کسی ملک میں معاشی توازن بگڑ جاتا ہے، کچھ لوگ انتہائی مالدار ہوتے ہیں، ان کے پاس بڑی بڑی کوٹھیاں ہوتی ہیں جن میں چوہے رہتے ہیں اور دوسرے لوگ فٹ پاتھ پر سوتے ہیں ان کے پاس سر چھپانے کے لئے جھونپڑا بھی نہیں، تو یہ معاشی تفاوت مسائل پیدا کرتا ہے، پھر کمیونزم وہاں ڈیرا ڈالتا ہے، ایسی صورت میں توازن قائم کرنا ضروری ہے، چنانچہ جب مہاجرین مدینہ میں آئے تو ان کے پاس کچھ نہیں تھا اور انصار کے پاس زمینیں تھیں اور باغات تھے، اس لئے نبی ﷺ نے انصار کو زمینیں بٹائی پر دینے سے منع کیا، پس یہ شرعی مسئلہ نہیں، اور نہی ارشادی تھی، اور ممانعت وقتی طور پر تھی جو بعد میں ختم ہوگئی، اس سے زیادہ تفصیل تحفۃ الالمعی (۲۴۱:۴) میں ہے۔

[۱۰-] بَابٌ

[۲۳۳۰-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ عَمْرٌو، قُلْتُ لِطَاوُسٍ: لَوْ تَرَكْتَ الْمُخَابَرَةَ! فَإِنَّهُمْ

يَزْعُمُوْنَ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم نَهى عَنْهُ، قَالَ: أَىْ عَمْرُو! فَإِنِّىْ أُعْطِيْهِمْ، وَأُعِيْنُهُمْ، وَإِنَّ أَعْلَمَهُمْ أَخْبَرَنِىْ – يَعْنِى ابْنَ عَبَّاسٍ –: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم لَمْ يَنْهَ عَنْهُ، وَلٰكِنْ قَالَ: "أَنْ يَمْنَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَأْخُذَ عَلَيْهِ خَرْجًا مَعْلُوْمًا" [انظر: ۲۳۴۲، ۲۶۳۴]

بَابُ الْمُزَارَعَةِ مَعَ الْيَهُوْدِ

یہود کے ساتھ بٹائی کا معاملہ کرنا

مزارعت کے لئے ضروری نہیں کہ مسلمان ہی کے ساتھ معاملہ کیا جائے، غیر مسلموں کو بھی زمین بٹائی پر دے سکتے ہیں، خیبر کی زمینیں نبی ﷺ نے یہود کو بٹائی پر دی تھیں۔

[۱۱-] بَابُ الْمُزَارَعَةِ مَعَ الْيَهُوْدِ

[۲۳۳۱-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ، أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، أَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَعْطَى خَيْبَرَ الْيَهُوْدَ، عَلٰى أَنْ يَعْمَلُوْهَا وَيَزْرَعُوْهَا، وَلَهُمْ شَطْرُ مَا خَرَجَ مِنْهَا" [راجع: ۲۲۸۵]

بَابُ مَايُكْرَهُ مِنَ الشُّرُوْطِ فِى الْمُزَارَعَةِ

جو شرطیں مزارعت میں مکروہ ہیں

پہلے بتایا ہے کہ مزارعت کی چار صورتیں ہیں، ایک بالاجماع جائز ہے یعنی دراہم ودنانیر کے عوض زمین کرایہ پر دینا اور دو بالاجماع ناجائز ہیں، اور چوتھی صورت میں اختلاف ہے، مگر چاروں ائمہ کے یہاں فتوی جواز پر ہے اور وہ چوتھی صورت یہ ہے کہ زمین بٹائی پر دی جائے اور پیداوار فی صد تقسیم کی جائے، اور اس باب میں ان دو صورتوں کا بیان ہے جو بالاجماع ناجائز ہیں۔ اگر مزارعت میں کوئی فاسد شرط لگائی، مثلاً زمین کے خاص حصہ کی پیداوار ایک کی اور باقی حصہ کی پیداوار دوسرے کی تو یہ مزارعت باطل ہے، اسی طرح پیداوار کی مخصوص مقدار مثلاً دس من زمین والے کے، باقی کسان کے تو یہ صورت بھی بالاجماع باطل ہے۔

حدیث: حضرت رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم یعنی ہمارا خاندان مدینہ والوں میں کھیتوں کے اعتبار سے سب سے زیادہ تھا، اور ہم میں سے ایک اپنی زمین کرایہ پر دیتا تھا، پس کہتا تھا: یہ ٹکڑا میرے لئے ہے، اور یہ تیرے لئے، پس کبھی وہ نکالتا تھا یعنی اس میں پیداوار ہوتی تھی اور یہ نہیں نکالتا تھا پس ان کو نبی ﷺ نے روک دیا۔ یہ حدیث پہلے گذری ہے اور

ذِہ اسم اشارہ ہے، ھا تنبیہ کے لئے بڑھاتے ہیں تو ھذہ ہوجاتا ہے۔

[۱۲-] بَابُ مَايُكْرَهُ مِنَ الشُّرُوْطِ فِي الْمُزَارَعَةِ

[۲۳۳۲-] حدثنا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ يَحْيىٰ، سَمِعَ حَنْظَلَةَ الزُّرَقِيَّ، عَنْ رَافِعٍ، قَالَ: كُنَّا أَكْثَرَ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ حَقْلًا، وَكَانَ أَحَدُنَا يُكْرِى أَرْضَهُ، فَيَقُوْلُ: هٰذِهِ الْقِطْعَةُ لِيْ وَهٰذِهِ لَكَ، فَرُبَّمَا أَخْرَجَتْ ذِهْ وَلَمْ تُخْرِجْ ذِهْ، فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْهُ. [راجع: ۲۲۸۶]

بَابٌ: إِذَا زَرَعَ بِمَالِ قَوْمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِمْ، وَكَانَ فِي ذٰلِكَ صَلَاحٌ لَهُمْ

دوسرے کے مال سے بے اجازت کھیتی کی اور وہ اس کے لئے مفید رہی

کسی کے پاس دوسرے کے گیہوں امانت رکھے تھے یا غصب کئے اور اپنی زمین میں بودیئے تو وہ ضامن ہوگا، اور اگر وہ ساری پیداوار گیہوں کے مالک کو دیدے اور وہ خوش ہوجائے تو سبحان اللہ! مگر حضرت رحمہ اللہ باب میں ان تین آدمیوں کا واقعہ لائے ہیں جو غار میں پھنس گئے تھے، پھر انھوں نے اپنے اعمالِ صالحہ کے وسیلہ سے دعا کی تھی، ان میں سے تیسرے نے ایک مزدور کی مزدوری اپنی زمین میں بودی تھی، اور اس سے ایک بڑا ریوڑ تیار کیا تھا، پھر جب وہ آیا تو ساری پیداوار لے گیا، اور یہ اس کا بہترین عمل قرار پایا۔

مگر اس حدیث سے غیر کے مال کے ذریعہ کھیتی کرنے پر استدلال ذرا خفی ہے، ہاں اگر یہ مان لیا جائے کہ اس نے مزدور کو مزدوری دی تھی، اور وہ قبضہ کرنے کے بعد چھوڑ کر چلا گیا تھا تو وہ غیر کا مال قرار پائے گا، مگر حدیث میں ایسی کوئی صراحت نہیں ہے، بلکہ بظاہر وہ مزدوری لئے بغیر ناراض ہوکر چلا گیا تھا۔

[۱۳-] بَابٌ: إِذَا زَرَعَ بِمَالِ قَوْمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِمْ، وَكَانَ فِي ذٰلِكَ صَلَاحٌ لَهُمْ

[۲۳۳۳-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، ثَنَا أَبُوْ ضَمْرَةَ، ثَنَا مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " بَيْنَمَا ثَلَاثَةُ نَفَرٍ يَمْشُوْنَ، أَخَذَهُمُ الْمَطَرُ، فَأَوَوْا إِلٰى غَارٍ فِي جَبَلٍ، فَانْحَطَّتْ عَلٰى فَمِ غَارِهِمْ صَخْرَةٌ مِنَ الْجَبَلِ، فَانْطَبَقَتْ عَلَيْهِمْ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: انْظُرُوْا أَعْمَالًا عَمِلْتُمُوْهَا صَالِحَةً لِلّٰهِ، فَادْعُوا اللّٰهَ بِهَا، لَعَلَّهُ يُفَرِّجُهَا عَنْكُمْ.

قَالَ أَحَدُهُمْ: اَللّٰهُمَّ إِنَّهُ كَانَ لِيْ وَالِدَانِ شَيْخَانِ كَبِيْرَانِ وَلِي صِبْيَةٌ صِغَارٌ كُنْتُ أَرْعٰى عَلَيْهِمْ، فَإِذَا رُحْتُ عَلَيْهِمْ حَلَبْتُ، فَبَدَأْتُ بِوَالِدَيَّ أَسْقِيْهِمَا قَبْلَ بَنِيَّ، وَإِنِّي اسْتَأْخَرْتُ ذَاتَ يَوْمٍ، وَلَمْ آتِ حَتّٰى أَمْسَيْتُ، فَوَجَدْتُهُمَا نَائِمَيْنِ، فَحَلَبْتُ كَمَا كُنْتُ أَحْلُبُ، فَقُمْتُ عِنْدَ رُؤُوْسِهِمَا أَكْرَهُ أَنْ أُوْقِظَهُمَا،

وَأَكْرَهُ أَنْ أَسْقِيَ الصِّبْيَةَ، وَالصَّبِيَّةُ يَتَضَاغَوْنَ عِنْدَ قَدَمَيَّ حَتَّى طَلَعَ الْفَجْرُ، فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُهُ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ لَنَا فُرْجَةً نَرَى مِنْهَا السَّمَاءَ، فَفَرَجَ اللّٰهُ فَرَأَوُا السَّمَاءَ.

وَقَالَ الآخَرُ: اللّٰهُمَّ إِنَّهَا كَانَتْ لِيْ بِنْتُ عَمٍّ أَحْبَبْتُهَا كَأَشَدِّ مَا يُحِبُّ الرِّجَالُ النِّسَاءَ فَطَلَبْتُ مِنْهَا فَأَبَتْ حَتَّى آتِيَهَا بِمِائَةِ دِيْنَارٍ، فَبَغَيْتُ حَتَّى جَمَعْتُهَا فَلَمَّا وَقَعْتُ بَيْنَ رِجْلَيْهَا قَالَتْ: يَا عَبْدَ اللّٰهِ! اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَفْتَحِ الْخَاتَمَ إِلَّا بِحَقِّهِ، فَقُمْتُ. فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّيْ فَعَلْتُهُ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا فُرْجَةً، فَفَرَجَ.

وَقَالَ الثَّالِثُ: اللّٰهُمَّ إِنِّيْ اسْتَأْجَرْتُ أَجِيْرًا بِفَرَقِ أَرُزٍّ، فَلَمَّا قَضَى عَمَلَهُ فَقَالَ: أَعْطِنِيْ حَقِّيْ، فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ فَرَغِبَ عَنْهُ فَلَمْ أَزَلْ أَزْرَعُهُ، حَتَّى جَمَعْتُ مِنْهُ بَقَرًا وَرُعَاتَهَا، فَجَاءَ نِيْ، فَقَالَ: اتَّقِ اللّٰهَ، فَقُلْتُ: اذْهَبْ إِلٰى ذٰلِكَ الْبَقَرِ وَرُعَاتِهَا فَخُذْ، فَقَالَ: اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَسْتَهْزِئْ بِيْ، فَقَالَ: إِنِّيْ لَا أَسْتَهْزِئُ بِكَ، فَخُذْ فَأَخَذَهُ، فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّيْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ مَا بَقِيَ، فَفَرَجَ اللّٰهُ"

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: وَقَالَ ابْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ:" فَسَعَيْتُ "[راجع: ۲۲۱۵]

وضاحتیں: پہلے آیا تھا،۱۲۰ دینار اور یہاں ۱۰۰ دینار ہیں: یہ واقعہ کے متعلقات کا اختلاف ہے یا بڑا عدد لیں گے .... پہلے آیا تھا: مکئی کا ایک فرق (۳ صاع) اور یہاں چاول ہیں: اس کو بھی واقعات کے متعلقات کا اختلاف سمجھنا چاہئے .... موسیٰ بن عقبہ کی روایت میں فَبَغَیْتُ ہے، یعنی چاہا میں نے اور موسیٰ کے بھتیجے اسماعیل بن ابراہیم بن عقبہ کی نافع سے روایت میں فَسَعَیْتُ ہے، پس کمائی کی میں نے دونوں کا مطلب ایک ہے۔

بَابُ أَوْقَافِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، وَأَرْضِ الْخَرَاجِ وَمُزَارَعَتِهِمْ، وَمُعَامَلَتِهِمْ

صحابہ کے اوقاف اور خراجی زمین اور صحابہ کی مزارعت اور ان کی مساقات

اس باب میں چار باتیں ہیں:

پہلی بات: وقف کی زمین بھی مزارعت پر دے سکتے ہیں، جب آیت کریمہ: ﴿لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ﴾ نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ ہم سے ہمارا بہترین مال مانگتے ہیں، اور میرے نزدیک میرا انفس مال خیبر کی زمین ہے، میں اس کو اللہ کے راستہ میں دیتا ہوں۔ نبی ﷺ نے ان کو مشورہ دیا کہ اصل زمین روکے رکھو، اس کو بیچا نہ جائے اور اس کی آمدنی خیرات کرو، اسی کا نام وقف ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایسا ہی کیا، وہ بڑی زمین تھی، حضرت عمرؓ پھر حضرت ابن عمرؓ وہ زمین بٹائی پر دیتے تھے اور آمدنی کا جو حصہ آتا تھا اس کو مقررہ مصارف میں خرچ کرتے تھے۔

دوسری بات: زمینیں دوقسم کی ہیں: عشری اور خراجی، اسلامی ملک کی جو زمینیں شروع ہی سے مسلمانوں کے پاس ہیں وہ عشری ہیں، ان کی پیداوار میں سے دسواں یا بیسواں حصہ لیا جاتا ہے، اور غیر مسلموں کے پاس جو زمینیں ہیں ان سے خراج (بیگھ) لیا جاتا ہے، یہ خراج بھی ایک طرح کی بٹائی ہے، پیداوار میں سے فیصد لینے کے بجائے محصول مقرر کردیا اور اس سلسلہ میں باب میں حدیث ہے کہ جب خیبر فتح ہوا تو اس کی سب زمینیں مسلمانوں میں تقسیم کردیں۔ جزیرۃ العرب میں کسی اور جگہ خالی زمینیں نہیں تھیں، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عراق فتح ہوا تو فوج نے حضرت عمرؓ سے مطالبہ کیا کہ عراق کی زمینیں ہمیں بانٹ کردی جائیں، حضرت عمرؓ نے استخارہ کیا، ایک مہینہ کے استخارہ کے بعد فیصلہ کیا کہ عراق کی زمینیں فوج میں نہیں بانٹی جائیں گی، حکومت کی تحویل میں رہیں گی اور ان زمینوں سے جو آمدنی ہوگی وہ مسلمانوں میں بانٹی جائے گی۔ حضرت عمرؓ نے سورۂ حشر میں مالِ فیٔ کے سلسلہ میں جو آیات ہیں ان میں غور کیا۔ مالِ فیٔ میں مہاجرین کا بھی حصہ ہے، انصار کا بھی اور آنے والی نسلوں کا بھی، حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر زمینیں بانٹ دوں گا تو آنے والی نسلوں کو کہاں سے دوں گا؟! دوسری بات حضرت عمرؓ نے یہ فرمائی کہ عراق میں جو غیر مسلم ہیں میں ان کا پیٹ کیسے بھروں گا؟ چنانچہ حضرت عمرؓ نے وہ زمینیں غیر مسلم باشندوں کے پاس چھوڑ دیں اور دو آدمی روانہ کئے کہ پورے عراق کی زمینوں کی پیمائش کرو، ان کی نوعیت مقرر کرو اور مناسب خراج (بیگھ) لگاؤ، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

تیسری بات: صحابہ اور تابعین نے لوگوں کو زمینیں بٹائی پر دی ہیں اور لی بھی ہیں، ابھی باب گذرا ہے، اس میں بہت سے حضرات کے نام آئے ہیں جو زمینیں بٹائی پر لیتے دیتے تھے، پس اس سے بھی مزارعت کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

چوتھی بات: صحابہ اور تابعین باغات پرداخت پر بھی لیتے دیتے تھے، انصار اور مہاجرین کے درمیان شروع میں معاملہ طے ہوا تھا کہ کھیتوں اور باغات میں مہاجرین کام کریں اور پیداوار آدھی آدھی تقسیم کرلیں، یہی مساقات ہے، مساقات کے لئے دوسرا لفظ معاملہ ہے، کھیتی میں لفظ مزارعت اور باغات میں لفظ معاملہ استعمال ہوتا ہے، پس جب صحابہ نے مساقات کی ہے تو مزارعت کا بھی جواز ثابت ہوا۔

[۱۴-] بَابُ أَوْقَافِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، وَأَرْضِ الْخَرَاجِ وَمُزَارَعَتِهِمْ، وَمُعَامَلَتِهِمْ

وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لِعُمَرَ: "تَصَدَّقْ بِأَصْلِهِ، لاَ يُبَاعُ، وَلٰكِنْ يُنْفَقُ ثَمَرُهُ" فَتَصَدَّقَ بِهِ.

[۲۳۳۴-] حدثنا صَدَقَةُ، أَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ: لَوْ لاَ آخِرُ الْمُسْلِمِيْنَ مَا فَتَحْتُ قَرْيَةً إِلَّا قَسَمْتُهَا بَيْنَ أَهْلِهَا، كَمَا قَسَمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم خَيْبَرَ.

[انظر: ۳۱۲۵، ۴۲۳۵، ۴۲۳۶]

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر مجھ کو آئندہ جو لوگ مسلمان ہونگے ان کا خیال نہ ہوتا تو میں جس بستی کو بھی فتح کرتا اس کو فتح کرنے والوں کے درمیان بانٹ دیتا، جیسا کہ نبی ﷺ نے خیبر کو بانٹ دیا تھا۔

بَابُ مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَوَاتًا

ویران زمین کی آبادکاری کرنا

اگر کوئی شخص ویران سرکاری زمین کو آباد کرے یعنی اس کو قابل کاشت بنائے تو کیا آباد کرنے سے وہ خود بخود مالک ہوجائے گا یا حکومت کی اجازت کی ضرورت ہوگی؟ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک حکومت کی اجازت ضروری ہے، چاہے صراحتاً ہو یا دلالۃً یا اذنِ عام ہو، بغیر اجازت کے مالک نہیں ہوگا۔ اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بستی سے جو جگہ قریب ہے اور بستی والوں کی ضرورت اس سے متعلق ہے جیسے جانور چرانا، کھلیان بنانا وغیرہ اس کا مالک نہیں ہوگا باقی زمینوں کا مالک ہوجائے گا، دیگر ائمہ کے نزدیک بشمول صاحبین و امام بخاری رحمہم اللہ حکومت کی اجازت کی ضرورت نہیں، آباد کرنے والا خود بخود مالک ہوجائے گا۔

جمہور کے دلائل:

جمہور کے دلائل امام بخاری رحمہ اللہ نے باب میں جمع کئے ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱- کوفہ میں جو ویران غیر آباد زمینیں تھیں اور ان کو لوگوں نے آباد کیا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے میں وہ اس کے مالک ہوگئے تھے۔

۲- موطا مالک میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے: مَن أحيا أرضا ميتة فهي له: جس نے مردہ زمین کو زندہ کیا تو وہ اس کی ہے، یحییٰ بن آدم نے کتاب الخراج میں اس کا سبب بھی بیان کیا ہے، ابن عمرؓ فرماتے ہیں: حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں لوگ زمین کی تحجیر (۱) کرلیتے تھے، پس حضرت عمرؓ نے فرمایا: من أحيا أرضا فهي له: یحییٰ بن آدم (کتاب کے مصنف) کہتے ہیں: كأنّه لم يَجْعَلْهَا له بمُجرَّد التحجير حتى يُحْيِيَهَا: گویا حضرت عمرؓ نے اس زمین کا اس کو مالک نہیں بنایا، صرف پتھر کی دیوار کرلینے سے یہاں تک کہ وہ اس کو آباد کرے۔

۳- حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مرفوع حدیث مروی ہے، مگر اس کی سند میں کثیر بن عبداللہ ہیں، جو ضعیف راوی ہیں، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے یُروی (فعل مجہول) استعمال کیا ہے، ان کی حدیث میں یہ اضافہ ہے: مَن أحيا أرضا مواتا مِن غير أن يكون فيها حقٌّ مسلمٍ فهي له، وليس لِعِرْقٍ ظالمٍ حقٌّ: جس نے کوئی ویران زمین

---

(۱) تحجیر کے معنی ہیں: پتھر کی دیوار کرنا، زمین گھیر لینا۔

آباد کی بشرطیکہ اس زمین میں کسی مسلمان کا کوئی حق نہ ہو تو وہ زمین اس کی ہے۔اور ظالمانہ رگ (۱) کے لئے کوئی حق نہیں، یعنی اگر کوئی اس آباد کی ہوئی زمین میں درخت لگادے تو اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اپنے درخت اکھاڑ لے۔

۴- حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوع حدیث مروی ہے: مَن أحیا أرضا میتةً فله فیها أجرٌ، وما أَكَلَتِ الْعَوَافِي منها فهو له صدقةٌ: جس نے کوئی ویران زمین آباد کی تو اس کے لئے اس میں ثواب ہے، اور جو کچھ طالب رزق جانور اس سے کھائیں گے وہ اس کے لئے خیرات ہے، یہ حدیث ترمذی میں ہے، اور اس کی سند میں بہت اختلاف ہے، اس لئے یُرْوی (فعل مجہول) استعمال کیا ہے۔

۵- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرفوع حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے باب میں پیش کی ہے: مَن أَعْمَرَ أَرْضًا لَیسَتْ لِأَحَدٍ فهو أَحَقُّهَا: جس نے کوئی ایسی زمین آباد کی جو کسی کی نہیں، تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے، حضرت عروہؒ کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی خلافت میں یہی فیصلہ کیا ہے۔

امام اعظم رحمہ اللہ کے دلائل:

طبرانی نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ مرفوع حدیث روایت کی ہے: لیس لِلْمَرْأِ إلَّا ما طَابَتْ به نفسُ إمامِه: انسان کے لئے نہیں مگر وہ چیز جس کے ساتھ اس کے امام کا دل خوش ہو جائے (نصب الرایہ ۳: ۴۳۱ و ۴: ۲۹۰) اس حدیث میں بھی ضعف ہے، مگر وہ نبی ﷺ کے عمل سے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے مؤید ہے، صحابہ نے نبی ﷺ سے ویران زمینیں آباد کرنے کے لئے جاگیریں مانگی ہیں۔ اور حضور ﷺ نے عنایت فرمائی ہیں، حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کو یمن میں ایک بڑی جاگیر دی تھی، اگر آباد کرنے سے خود بخود مالک ہو جاتا تو جاگیر مانگنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ بصرہ کا ایک شخص ابو عبد اللہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں آیا، اور اس نے کہا: بصرہ میں ایک زمین ہے جس کے آباد کرنے میں کسی مسلمان کا کوئی نقصان نہیں، اور وہ خراجی زمین بھی نہیں، پس اگر آپ وہ مجھے جاگیر دیدیں تو میں وہاں ترکاری اور زیتون بوؤں گا، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ اگر وہ زمین ایسی ہی ہے جیسا کہ یہ کہتا ہے تو وہ اس کو جاگیر دیدو (فتح الباری)

نص فہمی کا اختلاف:

اور اس مسئلہ میں اختلاف درحقیقت نص فہمی کا اختلاف ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کہتے ہیں: جمہور کے جو دلائل ہیں وہ مسئلہ نہیں ہیں، بلکہ حکومت کی طرف سے اذنِ عام ہے۔ نبی ﷺ نے اپنے زمانہ میں یہ اعلان کیا تھا کہ جو بھی ویران زمین آباد کرے گا وہ اس کی ہوگی، پس اب جو بھی آباد کرے گا مالک ہو جائے گا، کیونکہ حکومت کی طرف سے عام اعلان ہے، اگر

(۱) لعرقٍ ظالمٍ: موصوف صفت ہیں اور مضاف اور مضاف الیہ بھی بنا سکتے ہیں۔

ان حدیثوں میں مسئلہ ہوگا تو دوسری حدیث سے اس کا تعارض ہوجائے گا۔اور نظم وانتظام کا بھی یہی تقاضہ ہے کہ سرکاری زمینیں جوحکومت کی تحویل میں ہیں ان کوآباد کرنے سے آباد کرنے والا اجازت ہی سے مالک بنے،خواہ وہ اجازت صراحتاً ہو یا دلالۃ،ورنہ حکومت کا نظام برقرار نہیں رہ سکتا۔

[۱۵-] بَابُ مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَوَاتًا

[۱-] وَرَأَى ذٰلِكَ عَلِيٌّ فِي أَرْضِ الْخَرَابِ بِالْكُوْفَةِ.

[۲-] وَقَالَ عُمَرُ: مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيِّتَةً فَهِيَ لَهُ.

[۳-] وَيُرْوَى عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، وَقَالَ:" فِي غَيْرِ حَقِّ مُسْلِمٍ، وَلَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ فِيْهِ حَقٌّ"

[٤-] وَيُرْوَى فِيْهِ عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

[۲۳۳۵-] حدثنا يَحْيىَ بْنُ بُكَيْرٍ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ جَعْفَرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" مَنْ أَعْمَرَ أَرْضًا لَيْسَتْ لِأَحَدٍ فَهُوَ أَحَقُّ" قَالَ عُرْوَةُ: قَضَى بِهِ عُمَرُ فِي خِلَافَتِهِ.

بَابٌ

وہ ویران زمین جس سے عام لوگوں کا حق جڑا ہوا ہے

یہ باب بلا ترجمہ ہے اور کالفصل من الباب السابق ہے،اوراس میں امام مالک رحمہ اللہ کے اختلاف کی طرف اشارہ ہے،مگر حضرت رحمہ اللہ نے کھل کر کچھ نہیں کہا،وہ غیر آباد زمین جس کے ساتھ عام مسلمانوں کا حق جڑا ہوا ہے اس کو آباد کرنے سے کوئی مالک نہیں ہوگا،جیسے عام راستہ۔مدینہ کے قریب ذوالحلیفہ میں مُعرّس (رات گذارنے کی جگہ) تھی، قافلے جب مدینہ لوٹتے تھے تو وہاں رات گذارتے تھے،پھر صبح شہر میں داخل ہوتے تھے،اس کو کوئی آباد کرے تو مالک نہیں ہوگا کیونکہ یہ عوامی منفعت کی جگہ ہے۔اوراس سلسلہ کی جو دو حدیثیں ہیں وہ دونوں پہلے گذر چکی ہیں۔

[۱٦-] بَابٌ

[۲۳۳٦-] حدثنا قُتَيبَةُ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ أَبِيْهِ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أُرِيَ وَهُوَ فِي مُعَرَّسِهِ بِذِي الْحُلَيْفَةِ فِي بَطْنِ الْوَادِيْ، فَقِيْلَ لَهُ: إِنَّكَ بِبَطْحَاءَ مُبَارَكَةٍ، فَقَالَ مُوْسَى: وَقَدْ أَنَاخَ بِنَا سَالِمٌ بِالْمُنَاخِ الَّذِيْ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يُنِيْخُ بِهِ،

يَتَحَرَّى مُعَرَّسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَهُوَ أَسْفَلُ مِنَ الْمَسْجِدِ الَّذِىْ بِبَطْنِ الْوَادِىْ، بَيْنَهُ وَبَيْنَ الطَّرِيْقِ وَسَطٌ مِنْ ذٰلِكَ.[راجع: ٤٨٣]

[٢٣٣٧-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، أَنَا شُعَيْبُ بْنُ إِسْحَاقَ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، ثَنِىْ يَحْيىَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ عُمَرَ، عَنِ النَّبِىِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " اللَّيْلَةَ أَتَانِىْ آتٍ مِنْ رَبِّىْ وَهُوَ بِالْعَقِيْقِ: أَنْ صَلِّ فِى هٰذَا الْوَادِىْ الْمُبَارَكِ، وَقَالَ: عُمْرَةٌ فِى حَجَّةٍ"[راجع: ١٥٣٤]

بَابٌ: إِذَا قَالَ رَبُّ الْأَرْضِ: أُقِرُّكَ مَا أَقَرَّكَ اللّٰهُ وَلَمْ يَذْكُرْ أَجَلاً مَعْلُوْمًا: فَهُمَا عَلٰى تَرَاضِيْهِمَا

زمین کے مالک نے کہا: برقرار رکھوں گا میں آپ کو جب تک اللہ تعالیٰ برقرار رکھیں گے اور مدت متعین نہیں کی تو دونوں آپسی رضامندی پر ہونگے

اگر کوئی زمین بٹائی پر دے اور کہے: میں آپ کو برقرار رکھوں گا جب تک اللہ تعالیٰ برقرار رکھیں گے اور کوئی مدت متعین نہ کرے تو بھی اجارہ درست ہے اور دونوں کی باہمی رضامندی کا اعتبار ہوگا، اور ایسی صورت میں عرف یہ ہے کہ ماہواری اجارہ میں اور سال واری اجارہ میں اجارہ ماہ بہ ماہ اور سال بہ سال ہوتا ہے، پس جب زمین والا یا مزارع مزارعت باقی رکھنا نہیں چاہیں گے تو پہلے سے اطلاع دیں گے کہ مہینہ کے ختم پر یا سال کے ختم پر اجارہ ختم ہوجائے گا۔

حدیث: خیبر لڑکر فتح ہوا تھا، اس وقت نبی ﷺ کا ارادہ تھا کہ یہودیوں کو وہاں سے چلتا کیا جائے، مگر وہ خود آئے اور کہا: آپ لوگ یہاں آ کر زمینیں اور باغات کیسے سنبھالو گے؟ ہم کو یہاں رہنے دو، ہم یہاں باغوں اور کھیتوں میں کام کریں گے اور جو پیداوار ہوگی وہ آدھی آدھی کرلیں گے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے، میں تم کو یہاں برقرار رکھتا ہوں جب تک ہم چاہیں گے یعنی ہمیشہ کے لئے یہ زمینیں اور باغات تمہیں نہیں دے رہا۔

سوال: اس حدیث میں ما أَقَرَّكَ اللّٰهُ نہیں ہے بلکہ ماشِئْنا ہے، پھر حدیث سے باب کیسے ثابت ہوگا؟

جواب: ماشئنا سے ما أقرك الله کا حکم نکالا ہے، دونوں میں مدت مجہول ہے، پس جیسے ماشئنا میں مزارعت فریقین کی رضامندی پر موقوف ہے، اسی طرح ما أقرك الله میں بھی معاملہ دونوں کی مرضی پر موقوف رہے گا۔ جب رب الارض معاملہ باقی رکھنا نہیں چاہے گا تو نوٹس دے گا، اور مزارع معاملہ سے ہٹنا چاہے گا تو وہ بھی پہلے بتلادے گا، تاکہ مالک اپنی زمین کا کوئی نظم سوچے۔

[۱۷-] بَابٌ: إِذَا قَالَ رَبُّ الْأَرْضِ: أُقِرُّكَ مَا أَقَرَّكَ اللّٰهُ وَلَمْ يَذْكُرْ أَجَلًا مَعْلُوْمًا: فَهُمَا عَلٰى تَرَاضِيْهِمَا

[۲۳۳۸-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ، ثَنَا فُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ، ثَنَا مُوْسَى، أَخْبَرَنِیْ نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ح: وَقَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، ثَنِی مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَجْلَى الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى مِنْ أَرْضِ الْحِجَازِ، وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لَمَّا ظَهَرَ عَلَى خَيْبَرَ أَرَادَ إِخْرَاجَ الْيَهُوْدِ مِنْهَا وَكَانَتِ الْأَرْضُ حِيْنَ ظَهَرَ عَلَيْهَا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهِ صلى الله عليه وسلم وَلِلْمُسْلِمِيْنَ، فَأَرَادَ إِخْرَاجَ الْيَهُودِ مِنْهَا، فَسَأَلَتِ الْيَهُوْدُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لِيُقِرَّهُمْ بِهَا أَنْ يَكْفُوْا عَمَلَهَا، وَلَهُمْ نِصْفُ الثَّمَرِ، وَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " نُقِرُّكُمْ بِهَا عَلٰى ذٰلِكَ مَا شِئْنَا" فَقَرُّوْا بِهَا حَتّٰى أَجْلَاهُمْ عُمَرُ إِلٰى تَيْمَاءَ وَأَرِيْحَاءَ. [راجع: ۲۲۸۵]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہود کو سرزمین حجاز (جزیرۃ العرب) سے باہر نکالا، اور نبی ﷺ جب خیبر پر فتح یاب ہوئے تھے تو وہاں سے یہود کو نکالنے کا ارادہ کیا تھا، اور خیبر کی زمین جب اس پر فتح حاصل ہوئی تو اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اور مسلمانوں کے لئے تھی، اور نبی ﷺ نے وہاں سے یہود کو نکالنا چاہا تو یہود نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپؐ ان کو وہاں برابر رکھیں تا کہ وہ وہاں کام نمٹائیں اور مسلمانوں کے لئے آدھی پیداوار ہوگی، پس ان سے نبی ﷺ نے فرمایا: نُقِرُّكم بها على ذلك ماشِئْنا: ہم تمہیں خیبر میں برقرار رکھتے ہیں جب تک ہم چاہیں گے، پس انھوں نے اس کو مان لیا، یہاں تک کہ ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تیماء اور اریحاء کی طرف نکالا۔

تشریح: أَجْلَى الْقومَ عن مكانهم: لوگوں کو ان کی جگہ سے نکالنا، جلاوطن کرنا اس کا ترجمہ نہیں ہے، کیونکہ ملک سے رعایا کو نکالنا ظلم ہے، جس کا اسلام روادار نہیں، اور تیماء اور اریحاء جزیرۃ العرب کے باڈر پر ملک شام کا حصہ ہیں، جو اسلامی قلم رو میں آگئے تھے، اس لئے حضرت عمرؓ نے ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بسایا۔

ملحوظہ: جزیرۃ العرب پانچ ڈویژن پر مشتمل ہے، ان میں سے ایک ڈویژن حجاز ہے، مگر اس حدیث میں حجاز سے مراد پورا جزیرۃ العرب ہے اس لئے کہ نبی ﷺ نے وصیت کی تھی: أخرجوا اليهود والنصارى من جزيرة العرب: پس اس حدیث میں جزیرۃ العرب کو مجازاً حجاز کہا گیا ہے۔

سند کا بیان: یہ حدیث موسیٰ بن عقبہ سے فضیل اور ابن جریج روایت کرتے ہیں، فضیل کی روایت مرفوع متصل ہے اور وہ آگے (حدیث ۳۱۵۲) آرہی ہے اور یہاں جو متن ہے وہ ابن جریج کا ہے۔

بَابُ مَاكَانَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم يُوَاسِيْ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فِي الزِّرَاعَةِ وَالثَّمَرِ

صحابہ زراعت اور پھلوں (باغات) میں ایک دوسرے کی غم خواری کرتے تھے

اب تک جو ابواب آئے ہیں ان میں مزارعت کے جواز کا بیان تھا، اب اُس حدیث کی جس میں مزارعت کی ممانعت آئی ہے: دو توجیہیں کرتے ہیں:

پہلی توجیہ: ہجرت کے بعد مدینہ میں جو معاشی عدم توازن پیدا ہو گیا تھا کہ آدھے باشندوں کے پاس ساری زمینیں اور باغات تھے اور آدھوں کے پاس کچھ نہیں تھا، اس لئے نبی ﷺ نے توازن قائم کرنے کے لئے وقتی طور پر مخابرہ (مزارعہ) سے منع کیا تھا اور فرمایا تھا کہ کسی کے پاس زائد زمین ہو تو وہ مہاجرین کو مفت بونے کے لئے دئے یہ ممانعت غم خواری کے نقطۂ نظر سے تھی۔

دوسری توجیہ: مزارعت کی وہ شکلیں جن میں مخاطرہ (خطرہ) تھا ان کی ممانعت فرمائی تھی، مطلقاً مزارعت کی ممانعت نہیں فرمائی تھی، مخاطرہ کے معنی ہیں: خطرہ یعنی وہ معاملہ جو نفع نقصان کے درمیان دائر ہو، یہی سٹہ کی حقیقت ہے، اور مزارعت کی ایسی دو شکلیں مدینہ میں رائج تھیں۔

پہلی شکل: زمین بٹائی پر دیتے تھے اس شرط پر کہ بولوں کی پیداوار ایک کی ہوگی اور کیاری کی دوسرے کی، پھر کبھی بولوں پر پیداوار ہوتی تھی اور کیاری میں نہیں ہوتی تھی، اور کبھی اس کے برعکس ہوتا تھا، اس لئے نبی ﷺ نے ایسے اجارہ سے منع کیا۔

دوسری شکل: پیدوار کی خاص مقدار مثلاً دس من ایک کی، اور باقی دوسرے کی، اس میں بھی امکان تھا کہ دس من بھی پیدا نہ ہو، اس لئے نبی ﷺ نے منع کیا کہ اس طرح معاملہ مت کرو، اور باب میں جو احادیث ہیں ان کا بیان بعد میں آئیگا۔

[۱۸-] بَابُ مَاكَانَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم يُوَاسِيْ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فِي الزِّرَاعَةِ وَالثَّمَرِ

[۲۳۳۹-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ، أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، أَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، عَنْ أَبِي النَّجَاشِيِّ مَوْلَى رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَافِعَ بْنَ خَدِيْجِ بْنِ رَافِعٍ، عَنْ عَمِّهِ ظُهَيْرِ بْنِ رَافِعٍ، قَالَ ظُهَيْرٌ: لَقَدْ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ أَمْرٍ كَانَ بِنَا رَافِقًا ــــ قُلْتُ: مَاقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَهُوَ حَقٌّ ــــ قَالَ: دَعَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم، قَالَ: " مَاتَصْنَعُوْنَ بِمَحَاقِلِكُمْ؟" قُلْتُ: نُؤَاجِرُهَا

عَلَى الرَّبِيْعِ وَعَلَى الْأَوْسُقِ مِنَ التَّمْرِ وَالشَّعِيْرِ، قَالَ:" لَاتَفْعَلُوْا، ازْرَعُوْهَا، أَوْ أَزْرِعُوْهَا أَوْ أَمْسِكُوْهَا"
قَالَ رَافِعٌ: قُلْتُ: سَمْعًا وَطَاعَةً. [انظر: ۲۳۴۶، ۴۰۱۲]

حدیث: حضرت رافع رضی اللہ عنہ اپنے چچا زُہیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے ہم کو ایک ایسی بات سے منع کیا جو ہمارے لئے نافع تھی ـــــ میں نے (حضرت رافعؓ نے) کہا: جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ برحق ہے ـــــ زُہیر کہتے ہیں: مجھے رسول اللہ ﷺ نے بلایا اور پوچھا: **ما تصنعون بمحاقلكم؟** تم اپنے کھیتوں کے ساتھ کیا کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا: ہم ان کو کرایہ پر دیتے ہیں بولوں پر اور چھوہاروں اور جَو کے وسقوں پر، نبی ﷺ نے فرمایا: نہ کرو تم اس کو، بوؤیا بونے کے لئے دو یا پڑی رہنے دو، رافع کہتے ہیں: میں نے کہا: حضور ﷺ کا ارشاد سر آنکھوں پر!

تشریح: اس حدیث میں مخاطرہ کی جو دو شکلیں تھیں ان سے منع کیا ہے، پھر غم خواری کے نقطۂ نظر سے مہاجرین کو بونے کے لئے دینے کا حکم ہے، فرمایا: خود بوؤ یا مہاجرین کو بونے کے لئے دو یا پڑی رہنے دو!

لغات: آسَى فلانًا بمصيبة: غم خواری کرنا، شریک غم ہونا............ **الرافق: النافع**۔

[۲۳۴۰-] حدثنا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوْسَى، ثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: كَانُوْا يَزْرَعُوْنَهَا بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَالنِّصْفِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم:" مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا، أَوْ لِيَمْنَحْهَا، فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلْيُمْسِكْ أَرْضَهُ" [انظر: ۲۶۳۲]

[۲۳۴۱-] وَقَالَ الرَّبِيْعُ بْنُ نَافِعٍ أَبُوْ تَوْبَةَ: حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم:" مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيَمْنَحْهَا أَخَاهُ فَإِنْ أَبَى فَلْيُمْسِكْ أَرْضَهُ"

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: انصار زمین کو بٹائی پر دیتے تھے تہائی، چوتھائی اور آدھے پر، پس نبی ﷺ نے فرمایا: جس کے پاس زمین ہے تو چاہئے کہ وہ خود بوئے یا چاہئے کہ وہ اس کو منیحہ (عطیہ) کے طور پر دے، پس اگر وہ یہ نہ کرے تو اپنی زمین کو روکے رہے، اس حدیث میں مخاطرہ والی صورتوں کا ذکر نہیں، یہی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

[۲۳۴۲-] حدثنا قَبِيْصَةُ: ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، قَالَ: ذَكَرْتُهُ لِطَاوُسٍ، فَقَالَ: يُزْرَعُ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم لَمْ يَنْهَ عَنْهُ، وَلٰكِنْ قَالَ:" أَنْ يَمْنَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ

يَأْخُذَ شَيْئًا مَعْلُوْمًا"[راجع: ٢٣٣٠]

[٢٣٤٣-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، ثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُكْرِيْ مَزَارِعَهُ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَأَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَصَدْرًا مِنْ إِمَارَةِ مُعَاوِيَةَ.
[انظر: ٢٣٤٥]

[٢٣٤٤-] ثُمَّ حُدِّثَ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ:" أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم نَهٰى عَنْ كِرَاءِ الْمَزَارِعِ، فَذَهَبَ ابْنُ عُمَرَ إِلٰى رَافِعٍ، وَذَهَبْتُ مَعَهُ، فَسَأَلَهُ فَقَالَ: نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ كِرَاءِ الْمَزَارِعِ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: قَدْ عَلِمْتَ أَ نَّا كُنَّا نُكْرِيْ مَزَارِعَنَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِمَا عَلَى الْأَرْبِعَاءِ وَبِشَيْئٍ مِنَ التِّبْنِ"[راجع: ٢٢٨٦]

[٢٣٤٥-] حدثنا يَحْيىَ بْنُ بُكَيْرٍ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: قَالَ: أَخْبَرَنِيْ سَالِمٌ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ: كُنْتُ أَعْلَمُ فِي عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنَّ الْأَرْضَ تُكْرَى، ثُمَّ خَشِيَ عَبْدُ اللّٰهِ أَنْ يَكُوْنَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم قَدْ أَحْدَثَ فِي ذٰلِكَ شَيْئًا لَمْ يَكُنْ عَلِمَهُ، فَتَرَكَ كِرَاءَ الْأَرْضِ[راجع: ٢٣٤٣]

حدیث (۱): عمرو بن دینارؒ کہتے ہیں: میں نے حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث حضرت طاؤسؒ کو سنائی تو انھوں نے کہا: مزارعت جائز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے مزارعت سے نہیں روکا بلکہ فرمایا کہ تم میں سے ایک اپنے بھائی کو منیحہ دے، یہ اس کے لئے بہتر ہے اس سے کہ وہ کوئی متعین چیز لے۔

حدیث (۲-۴): حضرت ابن عمرؓ عہدِ نبوی میں، خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کے شروع میں اپنا کھیت کرایہ پر دیتے تھے، پھر ان کو کسی نے حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث سنائی کہ نبی ﷺ نے کھیت کرایہ پر دینے سے منع کیا ہے، پس ابن عمرؓ ان کے پاس گئے، نافعؒ کہتے ہیں: میں بھی ان کے ساتھ گیا، پس ابن عمرؓ نے رافعؓ سے پوچھا، حضرت رافعؓ نے کہا: نبی ﷺ نے کھیت کرایہ پر دینے سے منع کیا ہے، حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: آپ کے علم میں یہ بات ہوگی کہ ہم عہدِ نبوی میں اپنے کھیت کرایہ پر دیا کرتے تھے اس پیداوار کے بدل جو بولوں پر ہوتی تھی، اور بھوسے کی کسی مقدار پر۔ یعنی نبی ﷺ نے مخاطرہ والی شکلوں سے منع کیا ہے، مطلقاً مزارعت سے منع نہیں کیا، ابن عمرؓ کہتے ہیں: میں جانتا تھا کہ عہدِ نبوی میں زمین کرایہ پر دی جاتی تھی، پھر ابن عمرؓ کو اندیشہ لاحق ہوا کہ ممکن ہے نبی ﷺ نے مزارعت کے سلسلہ میں کوئی نیا حکم دیا ہو، جو ان کے علم میں نہ آیا ہو، چنانچہ انھوں نے زمین کرایہ پر دینا چھوڑ دیا۔

ملحوظہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر اس نہیں کیا کہ ابن عمرؓ نے ان سے بیعت نہیں کی تھی، وہ متفق علیہ امام ہی سے

بیعت کرتے تھے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر اتفاق نہیں ہوا تھا۔

بَابُ كِرَاءِ الْأَرْضِ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

سونے چاندی کے بدل زمین کرایہ پر دینا

دراہم ودنانیر کے بدل زمین کرایہ پر دے سکتے ہیں، اس پر اتفاق ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: بہترین کاروبار بتاؤں؟ (أمثل بمعنی أفضل ہے) فرمایا: خالی زمین سال بھر کے لئے کرایہ پر لے لو، اور بوؤ، یہ بہترین کاروبار ہے۔ اور حدیث کے آخر میں لیث بن سعد الامام المصری نے فرمایا کہ مزارعت کی وہ شکلیں جن میں سمجھ دار لوگ غور کریں تو ان کی سمجھ میں آجائے گا کہ ان میں مخاطرہ ہے مزارعت کی ایسی شکلوں سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے، مطلقاً مزارعت کی ممانعت نہیں فرمائی۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث حضرت رافع رضی اللہ عنہ کے قول **ليس بها بأس بالدينار والدراهم** پر پوری ہوگئی، اس کے بعد امام لیث کا قول ہے، یہ امام بخاریؒ کا طریقہ ہے: جہاں غلط فہمی کا اندیشہ ہوتا ہے وہاں وضاحت کرتے ہیں کہ یہ حدیث کے الفاظ نہیں۔ راوی کا کلام مدرج ہے، کتاب العلم میں بھی ایسا کیا ہے، حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے پھر اس میں اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے، پھر بعد میں تنبیہ کی ہے کہ حضرت عمر رحمہ اللہ کا قول **ذهاب العلماء** تک ہے، آگے میری بات ہے۔

[۱۹-] بَابُ كِرَاءِ الْأَرْضِ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِنَّ أَمْثَلَ مَا أَنْتُمْ صَانِعُوْنَ: أَنْ تَسْتَأْجِرُوا الْأَرْضَ الْبَيْضَاءَ مِنَ السَّنَةِ إِلَى السَّنَةِ.

[۲۳۴۶و۲۳۴۷-] حدثنا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ أَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ، حَدَّثَنِيْ عَمَّایَ: أَنَّهُمْ كَانُوْا يُكْرُوْنَ الْأَرْضَ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِمَا يَنْبُتُ عَلَى الْأَرْبِعَاءِ، أَوْ شَيْئٍ يَسْتَثْنِيْهِ صَاحِبُ الْأَرْضِ، فَنَهَانَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ ذٰلِكَ. فَقُلْتُ لِرَافِعٍ: فَكَيْفَ هِيَ بِالدِّيْنَارِ وَالدِّرْهَمِ؟ فَقَالَ رَافِعٌ: لَيْسَ بِهَا بَأْسٌ بِالدِّيْنَارِ وَالدِّرْهَمِ.

وَكَانَ الَّذِيْ نُهِيَ عَنْ ذٰلِكَ: مَا لَوْ نَظَرَ فِيْهِ ذُوُوْ الفَهْمِ بِالْحَلالِ وَالْحَرَامِ، لَمْ يُجِيْزُوْهُ لِمَا فِيْهِ مِنَ الْمُخَاطَرَةِ. قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: مِنْ هٰهُنَا قَوْلُ اللَّيْثِ: وَكَانَ الَّذِيْ نُهِيَ عَنْ ذٰلِكَ.

وضاحت: حضرت رافع رضی اللہ عنہ کے دو چچا کون ہیں؟ ایک کا نام ظُہیر ہے جو پہلے گذرا ہے اور دوسرے کا نام یقینی طور پر معلوم نہیں .... الأربعاء: الربيع کی جمع ہے: چھوٹی نہر، بول، ترجمہ: وہ زمین کرایہ پر دیا کرتے تھے، رسول اللہ

ﷺ کے زمانہ میں اس پیداوار کے بدل جو بول پر اگتی تھی یا کسی ایسی چیز کے بدل جس کو زمین والا مستثنیٰ کرتا تھا............ حلال وحرام کو سمجھنے والے یعنی فقہاء............ **المخاطرۃ**: سٹہ، خطرہ اور جوکھم کا کام............ اس حدیث پر دو نمبر اس لئے لگائے ہیں کہ یہ حضرت رافع رضی اللہ عنہ کے دو چچاؤں کی حدیثیں ہیں۔

بَابٌ

کھیتی لوگوں کی دلچسپی کی چیز ہے

یہ باب کالفصل من الباب السابق ہے، باب کی حدیث سے معلوم ہوگا کہ کھیتی لوگوں کی دلچسپی کی چیز ہے، پھر وہ مطلقاً کیسے ممنوع ہوسکتی ہے؟ صرف وہی شکلیں ممنوع ہونگی جن میں سٹہ ہے، اور روپیوں کے بدل زمین کرایہ پر لینا دینا درست ہے، کیونکہ جس کے پاس اپنی زمین نہیں ہے اور اسے کھیتی سے دلچسپی ہے وہ کرایہ پر زمین لے کر اپنا شوق پورا کرے گا، پس یہ گذشتہ باب پر الگ نوعیت سے استدلال ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے بیان کیا کہ جنتی جنت میں جو چاہے گا ملے گا، ایک شخص نے پوچھا: اگر ہم جنت میں کھیتی کرنا چاہیں گے تو چانس ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا: ملے گا، ایک بڑا فارم مہیا کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ٹریکٹر لے کر جا اور کھیتی کر وہ جا کر کھیت کی جتائی کرے گا، بیج ڈالے گا، اور ابھی دیکھ ہی رہا ہوگا کہ ہل خود بخود جُت جائے گا، بیج پڑ جائے گا، کھیتی بڑی ہوجائے گی، پک گئی، کٹ گئی، گہہ گئی، برسا دی گئی اور دیکھتے دیکھتے گیہوں کا ڈھیر لگ گیا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: میرے بندے کھا! تیرا پیٹ تو کسی چیز سے بھرے گا نہیں! مجلس میں ایک بدو بھی تھا، اس نے چٹکی لی اور کہا: وہ بندہ جو جنت میں کھیتی کرنا چاہے گا وہ کوئی قریشی یا انصاری ہوگا، ہم نہیں ہونگے، کیونکہ ہمیں کھیتی سے کوئی دلچسپی نہیں، اس پر نبی ﷺ کو ہنسی آ گئی۔

لطیفہ: ایک مولانا صاحب نے وعظ میں کہا: جنت میں جو چاہو گے ملے گا، ایک دیہاتی نے پوچھا: اجی! حقہ ملے گا؟ مولانا صاحب نے کہا: اگر یہ گندی چیز تیرا پینے کو جی چاہے گا تو ضرور ملے گا مگر حقہ سلگانے کے لئے جہنم میں جانا ہوگا، کیونکہ جنت میں آگ نہیں۔

[۲۰-] بَابٌ

[۲۳۴۸-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ، ثَنَا فُلَيْحٌ، ثَنَا هِلَالٌ، ح: وَحَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا أَبُوْ عَامِرٍ، ثَنَا فُلَيْحٌ، عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَوْمًا يُحَدِّثُ، وَعِنْدَهُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ: " أَنَّ رَجُلاً مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ اسْتَأْذَنَ رَبَّهُ فِي الزَّرْعِ،

فَقَالَ لَهُ: أَلَسْتَ فِيمَا شِئْتَ؟ قَالَ: بَلٰى وَلٰكِنْ أُحِبُّ أَنْ أَزْرَعَ، قَالَ: فَبَذَرَ، فَبَادَرَ الطَّرْفَ نَبَاتُهُ، وَاسْتِوَاؤُهُ، وَاسْتِحْصَادُهُ، فَكَانَ أَمْثَالَ الْجِبَالِ، فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى: دُوْنَكَ يَا ابْنَ آدَمَ! فَإِنَّهُ لاَ يُشْبِعُكَ شَيْئٌ" فَقَالَ الْأَعْرَابِيُّ: وَاللّٰهِ لاَنَجِدُهُ إِلاَّ قُرَشِيًّا أَوْ أَنْصَارِيًّا، فَإِنَّهُمْ أَصْحَابُ زَرْعٍ، وَأَمَّا نَحْنُ فَلَسْنَا بِأَصْحَابِ زَرْعٍ، فَضَحِكَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم. [انظر: ۷۵۱۹]

ترجمہ: ایک دن نبی ﷺ بیان فرمارہے تھے اور مجلس میں ایک بدو بھی تھا کہ ایک جنتی اپنے پروردگار سے کھیتی کرنے کی اجازت چاہے گا، پس اللہ نے اس سے فرمایا: کیا تجھے وہ نعمتیں حاصل نہیں جو تو چاہتا ہے، اس نے کہا: کیوں نہیں، مگر میرا جی کھیتی کرنے کو چاہتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: پس اس نے بیج ڈالا، پس دیکھتے دیکھتے وہ اُگ آیا، اور پورا بڑھ گیا اور کٹ گیا اور پہاڑوں کے مانند پیداوار کا ڈھیر لگ گیا، پس اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، اے آدم کے لڑکے! لے، پس بیشک شان یہ ہے کہ تیرا پیٹ کوئی چیز نہیں بھرے گی، پس بدو نے کہا: بخدا! نہیں پاتے ہم اس کو مگر قریشی یا انصاری یعنی وہ درخواست کرنے والا قریشی یا انصاری ہوگا، اس لئے کہ وہی کھیتی کرنے والے ہیں اور رہے ہم تو ہم کھیتی کرنے والے نہیں ہیں، پس نبی ﷺ ہنس دیئے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي الْغَرْسِ

الغرس: پودا، سبزی ترکاری کا کھیت، باڑی: مزارعت کا بچہ ہے، اسی لئے کھیتی باڑی ساتھ بولتے ہیں، چنانچہ یہ بھی کھیتی میں شمار ہے اور اس کا بھی ذکر حدیثوں میں آیا ہے۔

[۲۱-] بَابُ مَاجَاءَ فِي الْغَرْسِ

[۲۳۴۹-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ، عَنْ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّهُ قَالَ: إِنْ كُنَّا لَنَفْرَحُ بِيَوْمِ الْجُمُعَةِ، كَانَتْ لَنَاعَجُوْزٌ تَأْخُذُ مِنْ أُصُوْلِ سِلْقٍ لَنَا، كُنَّا نَغْرِسُهُ فِي أَرْبِعَائِنَا، فَتَجْعَلُهُ فِي قِدْرٍ لَهَا، فَتَجْعَلُ فِيْهِ حَبَّاتٍ مِنْ شَعِيْرٍ، لاَ أَعْلَمُ إِلاَّ أَنَّهُ قَالَ: لَيْسَ فِيْهِ شَحْمٌ وَلاَ وَدَكٌ، فَإِذَا صَلَّيْنَا الْجُمُعَةَ زُرْنَاهَا فَقَرَّبَتْهُ إِلَيْنَا، فَكُنَّا نَفْرَحُ بِيَوْمِ الْجُمُعَةِ مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ، وَمَا كُنَّا نَتَغَدّٰى وَلاَ نَقِيْلُ إِلاَّ بَعْدَ الْجُمُعَةِ. [راجع: ۹۳۸]

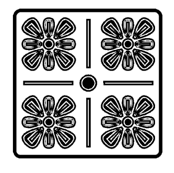
ترجمہ: حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمیں جمعہ کے دن کی وجہ سے بڑی خوشی ہوتی تھی، ہم میں (انصار میں) ایک بڑھیا تھی جو ہمارے کھیتوں میں سے سلق کی جڑیں لیتی تھی جس کو ہم ہماری بولوں پر بویا کرتے تھے، پس وہ اس کو اپنی ہانڈی میں ڈالتی پھر اس میں جو کے دانے ڈالتی —— اور (ابوحازم کہتے ہیں:) جہاں تک مجھے معلوم ہے حضرت سہلؓ نے

یہ بھی فرمایا تھا کہ اس میں چربی اور چربی کا گھی نہیں ہوتا تھا ـــــ پس جب ہم جمعہ پڑھ لیتے تو اس بڑھیا سے ملنے کے لئے جاتے، وہ اس کو ہمارے قریب کرتی، چنانچہ ہمیں جمعہ کے دن کی وجہ سے خوشی ہوتی، اس دعوت کی وجہ سے، اور ہم صبح کا کھانا نہیں کھایا کرتے تھے اور قیلولہ نہیں کیا کرتے تھے مگر جمعہ کے بعد (اس لئے بھوک خوب لگتی تھی)

لغت: السِلق: ایک قسم کی سبزی جس کے پتے لمبے اور جڑ گہری ہوتی ہے، پکا کر کھائی جاتی ہے۔

[۲۳۵۰-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: يَقُوْلُوْنَ: إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ يُكْثِرُ الْحَدِيْثَ، وَاللّٰهُ الْمُوْعِدُ، وَيَقُوْلُوْنَ: مَا لِلْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ لَا يُحَدِّثُوْنَ مِثْلَ أَحَادِيْثِهِ؟ وَإِنَّ إِخْوَتِيْ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ، وَإِنَّ إِخْوَتِيْ مِنَ الْأَنْصَارِ كَانَ يَشْغَلُهُمْ عَمَلُ أَمْوَالِهِمْ، وَكُنْتُ امْرَأً مِسْكِيْنًا أَلْزَمُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَلٰى مِلْءِ بَطْنِي، فَأَحْضُرُ حِيْنَ يَغِيْبُوْنَ، وَأَعِي حِيْنَ يَنْسَوْنَ، وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَوْمًا: "لَنْ يَبْسُطَ أَحَدٌ مِنْكُمْ ثَوْبَهُ حَتَّى أَقْضِيَ مَقَالَتِيْ هٰذِهِ، ثُمَّ يَجْمَعَهُ إِلٰى صَدْرِهِ، فَيَنْسَى مِنْ مَقَالَتِيْ شَيْئًا أَبَدًا" فَبَسَطْتُ نَمِرَةً لَيْسَ عَلَيَّ ثَوْبٌ غَيْرُهَا، حَتَّى قَضَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مَقَالَتَهُ، ثُمَّ جَمَعْتُهَا إِلٰى صَدْرِيْ، فَوَ الَّذِيْ بَعَثَهُ بِالْحَقِّ! مَا نَسِيْتُ مِنْ مَقَالَتِهِ تِلْكَ إِلٰى يَوْمِيْ هٰذَا، وَاللّٰهِ! لَوْلَا آيَتَانِ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ مَا حَدَّثْتُكُمْ شَيْئًا أَبَدًا﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى﴾ إِلٰى قَوْلِهِ:﴿ الرَّحِيْمُ﴾ [البقرة: ۱۵۹-۱۶۰] [راجع: ۱۱۸]

وضاحت: یہ حدیث پہلے گذری ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر بکثرت حدیثیں بیان کرنے کی وجہ سے لوگ اعتراض کرتے تھے، پس انھوں نے کہا: والله الموعد، اللہ وعدے کی جگہ ہے، یعنی اللہ کے یہاں اس کا حساب ہوگا۔ اس حدیث میں یہ ہے کہ ہمارے انصاری بھائی اپنے کھیتوں میں مشغول رہتے تھے، اس میں کھیتی اور باڑی دونوں آ گئے۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتابُ المُسَاقاۃِ

باغات پرداخت پر دینے کا بیان

مساقات: مزارعت کا بھیّا ہے، کھیتوں میں مزارعت اور باغات میں مساقات استعمال کرتے ہیں، اور دونوں کے احکام ایک ہیں، البتہ کچھ باتیں علاحدہ ہیں۔ مساقات: سَقْیٌ سے ہے جس کے معنی ہیں: سینچائی کرنا۔ باغات میں سب سے پہلا کام درختوں کی سینچائی کرنا ہوتا ہے اس لئے یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

بَابٌ فِي الشِّرْبِ

پانی کے حصہ کا بیان

شِرب (بالکسر) بچا ہوا مشروب، کٹورہ میں بچا ہوا دودھ یا پانی۔ اور شَرب (بالفتح) شراب پینے والوں کی پارٹی اور شُرْب (بالضم) مصدر: پینا، اور باب میں امام صاحبؒ نے لفظ فضل اگرچہ نہیں بڑھایا مگر اس کو ملحوظ رکھنا ہے۔ پانی کے حصہ کی اہمیت مساقات میں بنیادی ہے اگر پانی کا حصہ نہیں ہوگا تو مساقات کیسے کرے گا؟ بلکہ پانی کی اہمیت بعض مرتبہ کھانے سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے، درج ذیل دو آیتیں پانی کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں:

پہلی آیت: سورۃ الانبیاء (آیت ۳۰) میں اللہ تعالیٰ نے امتنان (احسان جتلانے) کے طور پر فرمایا ہے: ''اور ہم نے پانی سے ہر جاندار کو بنایا، کیا پھر بھی تم ایمان نہیں لاتے؟ معلوم ہوا کہ پانی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، ہر جاندار چیز پانی سے بنی ہے پس باغات کو سرسبز اور بارآور بنانے کے لئے بھی پانی کی ضرورت ہوگی۔

دوسری آیت: سورۃ الواقعہ (آیت ۶۸-۷۰) میں اللہ پاک نے موضع امتنان میں فرمایا ہے: اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برسانے والے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اس کو کڑوا کر ڈالیں۔ پس تم شکر کیوں نہیں کرتے؟

تفسیر: سمندر سے بھاپ اٹھتی ہے اور بادل بن کر برستی ہے، سمندر کا پانی کڑوا ہوتا ہے، مگر اللہ کی قدرت دیکھئے کہ بارش کا پانی کیسا شیریں ہے! اگر سمندر کے پانی کی طرح کڑوا ہوتا تو پھر لوگ اس کو کس طرح پیتے؟ اس آیت سے بھی میٹھے پانی کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ پھر بخاری شریف کے ایک نسخہ میں اس باب میں ایک مسئلہ بھی ہے اور گیلری میں اور مصری نسخہ

میں وہ مستقل باب ہے جو یہ ہے:

وَمَنْ رَأَى صَدَقَةَ الْمَاءِ وَهِبَتَهُ وَوَصِيَّتَهُ جَائِزَةً مَقْسُوْمًا أَوْ غَيْرَ مَقْسُوْمٍ

ایک رائے یہ ہے کہ پانی خیرات کرنا، اس کو بخشنا اور اس کی وصیت کرنا جائز ہے خواہ پانی تقسیم شدہ ہو یا نہ ہو

مسئلہ یہ ہے کہ کوئی چیز قابل تقسیم نہیں تو مشاع (مشترک) کا ہبہ درست ہے، اور اگر قابل تقسیم ہے تو مشاع کا ہبہ درست نہیں، بانٹ کر دیا جائے یا بعد میں بانٹ لیا جائے پھر قبضہ ہو تو ہبہ درست ہے، جیسے ایک بوتل پانی ہے اس کا آدھا کسی کو ہبہ کیا تو یہ ہبہ صحیح نہیں، کیونکہ بوتل کا پانی قابل تقسیم ہے، مگر اس مسئلہ میں ایک رائے یہ ہے کہ پانی میں ایسی کوئی شرط نہیں خواہ تقسیم شدہ ہو یا نہ ہو، اس کو خیرات کرنا، بخشنا اور وصیت کرنا جائز ہے، بس شرط یہ ہے کہ پانی ملکیت میں ہو۔

پھر پانی کے تعلق سے قرآنِ کریم میں مختلف آیات میں جو مشکل الفاظ آئے ہیں ان کا ترجمہ کیا ہے:

۱-سورۃ النبأ آیت ۱۴ میں ہے: اور ہم نے پانی بھرے بادلوں سے کثرت سے پانی برسایا، ثَجَّاجًا کے معنی ہیں: مُنْصَبًّا، یہ ماءً کی صفت ہے یعنی چھاجوں برسنے والا۔

۲-سورۃ الواقعہ آیت ۶۹ میں لفظ مُزن آیا ہے اس کے معنی ہیں: بادل۔

۳-اسی سورت میں آیت ۷۰ میں أجاج آیا ہے، اس کے معنی ہیں: الْمُرّ کڑوا، انتہائی کھارا۔

۴-سورۃ الفرقان آیت ۵۳ میں فرات آیا ہے اس کے معنی ہیں: عَذب، یعنی شیریں، تسکین بخش۔

حدیث: مدینہ منورہ میں ایک کنواں تھا جو بیر رومہ کہلاتا تھا، ایک یہودی اس کا مالک تھا وہ مسلمانوں کو مفت پانی بھرنے نہیں دیتا تھا، بلکہ ایک مشک کا ایک درہم لیتا تھا، چونکہ اس کا پانی میٹھا تھا اس لئے لوگ ایک درہم دے کر خریدتے تھے، صحابہ نے نبی ﷺ سے اس کی شکایت کی، آپؐ نے صحابہ کو ترغیب دی: کوئی ہے جو بیر رومہ کو خرید کر وقف کر دے، پس میں اس کو جنت کی گارنٹی دیتا ہوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس یہودی کے پاس گئے مگر وہ بیچنے کے لئے تیار نہیں ہوا، حضرت نے کہا: آدھا بیچ دے، وہ راضی ہو گیا، حاشیہ میں لکھا ہے کہ آپؓ نے آدھا کنواں ۳۵ ہزار میں خریدا حالانکہ وہ پانچ ہزار کا بھی نہیں تھا، پھر اس نے کنویں میں جال ڈالا، اور کنویں کو آدھا آدھا تقسیم کر دیا۔ اب مسلمان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حصہ سے پانی بھرتے تھے، پس دوسری طرف کا پانی بھی ادھر آجاتا تھا، یہودی پریشان ہو گیا اور خود پیشکش کی کہ باقی آدھا بھی آپ خرید لیں، حضرت عثمانؓ نے معمولی قیمت میں اس کو بھی خرید لیا، اور پورا کنواں وقف کر دیا، حضرت کا اس میں کوئی خاص حصہ نہیں تھا، جس طرح دوسرے مسلمانوں کو پانی بھرنے کا حق تھا، ایسے ہی حضرت عثمانؓ کو بھی پانی بھرنے کا حق تھا۔

استدلال:

امام بخاری رحمہ اللہ اس سے یہ استدلال کررہے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیر رومہ کا آدھا پانی خیرات کردیا حالانکہ پانی قابل تقسیم ہے۔ معلوم ہوا کہ پانی تقسیم کئے بغیر بھی خیرات کیا جاسکتا ہے، پس ہبہ بھی کیا جاسکتا ہے، اور اس کی وصیت بھی کی جاسکتی ہے۔

حدیث (۱): حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک لکڑی کا پیالہ لایا گیا پس آپؐ نے اس میں سے نوش فرمایا، اور آپؐ کی دائیں جانب سب لوگوں سے چھوٹا ایک لڑکا تھا اور بڑے لوگ بائیں طرف تھے، پس آپؐ نے پوچھا: اے لڑکے! کیا تو اجازت دیتا ہے کہ میں یہ باقی بڑوں کو دوں، لڑکے نے جواب دیا: یارسول اللہ! میں آپؐ کے تبرک کے ساتھ کسی کو ترجیح نہیں دیتا، پس آپؐ نے وہ باقی ماندہ اس لڑکے کو دیا (اس نے پی کر پیالہ آگے بڑھایا درانحالیکہ وہ مشروب قابل تقسیم تھا اور آپؐ نے تقسیم کئے بغیر ہبہ کیا)

جاننا چاہئے کہ لکڑی کا پیالہ بڑا ہوتا تھا، اس میں سے کئی آدمی یکے بعد دیگرے پیتے تھے، اسی لئے پانی پیتے ہوئے برتن میں پھونکنے کی ممانعت آئی ہے تاکہ آگے والوں کو کراہت نہ ہو۔

حدیث (۲): ایک مرتبہ نبی ﷺ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر گئے، اب حضور ﷺ کو کچھ پیش کرنا ہے چنانچہ داجن یعنی گھر کی پلی ہوئی بکری دوہی گئی اور حضرت انسؓ کے گھر میں ایک کنواں تھا اس کا پانی اس دودھ میں ملایا گیا، کیونکہ تھن میں سے جب دودھ نکالا جاتا ہے تو گرم ہوتا ہے، پینے کے قابل نہیں ہوتا، اور جب ٹھنڈا پانی ملادیا جائے تو وہ پینے کے قابل ہوجاتا ہے، پھر وہ پیالہ آپؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپؐ جب پی کر فارغ ہوئے تو بائیں طرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور دائیں طرف ایک بدو تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ ہوا کہ آپؐ بچا ہوا بدو کو دیں گے، تو انھوں نے عرض کیا: آپؐ کے پاس ابوبکر ہیں ان کو عنایت فرمائیں، مگر آپ نے وہ بچا ہوا بدو کو دیا جو آپؐ کی دائیں طرف تھا۔ اور قاعدہ بیان کیا: الأیمنَ فالأیمنَ: دائیں والے کو دو، پھر جو اس کی دائیں جانب ہے اس کو دو، وھکذا۔ اس حدیث سے بھی یہی استدلال کرنا ہے کہ کٹورے میں جو دودھ بچا تھا وہ باری باری کئی آدمی پئیں گے، جب کہ دودھ قابل تقسیم ہے، اور آپؐ نے تقسیم کئے بغیر جہاں تک وہ پہنچے گا ان سب کو بخشا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

٤٢ - كتاب المُسَاقَاةِ

[١-] بَابٌ فِي الشِّرْبِ

[١-] وَقَوْلِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْئٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ [الأنبياء: ٣٠]

[۲-] وَقَوْلِهِ: ﴿أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ، أَ أَنْتُمْ أَنزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ، لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ﴾[الواقعة: ۶۸-۷۰]

وَمَنْ رَأَى صَدَقَةَ الْمَاءِ وَهِبَتَهُ وَوَصِيَّتَهُ جَائِزَةً مَقْسُوْمًا أَوْ غَيْرَ مَقْسُوْمٍ

ثَجَّاجًا: مُنْصَبًّا، الْمُزْنُ: السَّحَابُ، وَالْأُجَاجُ: الْمُرُّ، فُرَاتًا: عَذْبًا.

وَقَالَ عُثْمَانُ: قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم:" مَنْ يَشْتَرِیْ بِئْرَ رُوْمَةَ، فَيَكُوْنُ دَلْوُهُ فِيْهَا كَدِلَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ؟ فَاشْتَرَاهَا عُثْمَانُ.

[۲۳۵۱-] حدثنا سَعِيْدُ بْنُ أَبِیْ مَرْيَمَ، ثَنَا أَبُوْ غَسَّانَ، ثَنِیْ أَبُوْ حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: أُتِیَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِقَدَحٍ، فَشَرِبَ مِنْهُ، وَعَنْ يَمِيْنِهِ غُلَامٌ أَصْغَرُ الْقَوْمِ، وَالْأَشْيَاخُ عَنْ يَسَارِهِ، فَقَالَ:" يَا غُلَامُ! أَتَأْذَنُ لِیْ أَنْ أُعْطِيَهُ الْأَشْيَاخَ؟" قَالَ: مَا كُنْتُ لِأُوْثِرَ بِفَضْلِی مِنْكَ أَحَدًا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ.[انظر: ۲۳۶۶، ۲۴۵۱، ۲۶۰۲، ۲۶۰۵، ۵۶۲۰]

[۲۳۵۲-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، أَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِیِّ، ثَنِیْ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: أَنَّهُ حُلِبَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم شَاةٌ دَاجِنٌ، وَهِیَ فِیْ دَارِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، وَشِيْبَ لَبَنُهَا بِمَاءٍ مِنَ الْبِئْرِ الَّتِیْ فِیْ دَارِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، فَأَعْطَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْقَدَحَ، فَشَرِبَ مِنْهُ، حَتَّى إِذَا نَزَعَ الْقَدَحَ عَنْ فِيْهِ، وَعَلٰى يَسَارِهِ أَبُوْ بَكْرٍ، وَعَنْ يَمِيْنِهِ أَعْرَابِیٌّ. فَقَالَ عُمَرُ، وَخَافَ أَنْ يُعْطِيَهُ الْأَعْرَابِیَّ: أَعْطِ أَبَا بَكْرٍ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! عِنْدَكَ، فَأَعْطَاهُ الْأَعْرَابِیَّ الَّذِیْ عَنْ يَمِيْنِهِ، ثُمَّ قَالَ:" الْأَيْمَنَ فَالْأَيْمَنَ"

[انظر: ۲۵۷۱، ۵۶۱۲، ۵۶۱۹]

بَابُ مَنْ قَالَ: إِنَّ صَاحِبَ الْمَاءِ أَحَقُّ بِالْمَاءِ حَتَّى يَرْوَى

پانی کا مالک پانی کا زیادہ حقدار ہے، یہاں تک کہ سیراب ہوجائے

رَوِیَ(س) من الماء رِیًّا: سیراب ہونا، پیاس بجھنا۔ پانی دوقسم کے ہیں: مُحرَز (سمیٹا ہوا) اور غیرمُحرَز۔ جو پانی برتن میں، ٹنکی میں، حوض میں بھرلیا جائے یا کسی اور طریقہ سے اس کوسمیٹ لیا جائے وہ اس کا مالک ہوجاتا ہے اور جو پانی عام ہے جیسے دریا اور نہر کا پانی وہ کسی کی ملکیت نہیں، اور اپنے مملوکہ کنویں کے پانی میں اختلاف ہے۔

جاننا چاہئے کہ جو پانی مملوکہ ہے اس میں پانی والے کا پہلا حق ہے، جب اس کی ضرورتیں پوری ہوجائیں اور کسی دوسرے کو پانی کی ضرورت ہوتو دینا چاہئے، بخیلی نہیں کرنی چاہئے، لیکن ہے وہی پانی کا مالک، اس کو روکنے کا حق ہے، اور یہ مسئلہ اخلاق ومروت کے باب سے ہے۔ اس سلسلہ میں حدیث شریف ہے: لَایُمْنَعُ فَضْلُ الْمَاءِ لِیُمْنَعَ بِهِ الْكَلَأُ:

ضرورت سے بچا ہوا پانی نہ روکا جائے تاکہ اس کے ذریعہ گھاس روکے۔

اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ سرکاری چراگاہ میں لوگوں کے جانور چرنے جاتے ہیں، جس کا بڑا ریوڑ ہوتا ہے، وہ چراگاہ میں کنواں کھود لیتا ہے، تاکہ اس کے جانور وہاں سے پانی پئیں۔ اور جن کے پاس دو چار جانور رہوتے ہیں وہ کنواں نہیں کھود سکتے، وہ کسی کنویں والے سے کہتا ہے: آپ میرے جانوروں کو اپنے کنویں سے پانی پینے دیں، نبی ﷺ نے اس سلسلہ میں فرمایا کہ جب تمہارے کنویں میں تمہاری ضرورت سے زائد پانی ہے تو اس کو پلانے دو، مگر کچھ لوگ اس کے روادار نہیں ہوتے، وہ پانی نہیں پلانے دیتے اور وہ اس تدبیر سے کنویں کے اردگرد جو گھاس ہے اس کو بچا لیتے ہیں، جب دوسرے کے جانور کنویں پر پانی پینے کے لئے آئیں گے تو چرتے چرتے آئیں گے اور چرتے چرتے جائیں گے، کنویں والا یہ چاہتا ہے کہ یہ گھاس اس کے جانوروں کے لئے محفوظ رہے، حالانکہ گھاس اس کی مملوکہ نہیں، مگر وہ اس تدبیر سے گھاس بچاتا ہے، نبی ﷺ نے اس سے منع کیا۔

پس یہ حدیث درحقیقت اخلاق ومروت کے باب سے ہے، اس سے یہ استدلال کرنا کہ کنویں والا کنویں کے پانی کا مالک نہیں: شاید درست نہ ہو، مگر فتوی یہ چل رہا ہے کہ مالک نہیں، نہ اس پانی کو بیچ سکتا ہے نہ بخش سکتا ہے نہ روک سکتا ہے حالانکہ مملوکہ چیز کے زوائد وفوائد مملوکہ ہوتے ہیں، پس مملوکہ کھیت کی خودرو گھاس مملوکہ ہے، جیسے مملوکہ کھیت کے درخت کے پھل مملوکہ ہیں اور مملوکہ جانوروں کی اون اور دودھ مملوکہ ہیں اسی طرح جو سرکاری چراہ گاہ میں کنواں کھود لیتا ہے وہ کنویں کا اور اس کے حریم کا مالک ہوجاتا ہے، پس اس کو روکنے کا حق ہے مگر گھاس بچانے کے لئے روکنا کمینہ پن ہے۔

[۲-] بَابُ مَنْ قَالَ: إِنَّ صَاحِبَ الْمَاءِ أَحَقُّ بِالْمَاءِ حَتَّى يَرْوَى

لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: "لَا يُمْنَعُ فَضْلُ الْمَاءِ"

[۲۳۵۳-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: "لَا يُمْنَعُ فَضْلُ الْمَاءِ لِيُمْنَعَ بِهِ الْكَلَأُ"[انظر: ۲۳۵۴، ۶۹۶۲]

[۲۳۵۴-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، وَأَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: "لَاتَمْنَعُوْا فَضْلَ الْمَاءِ لِتَمْنَعُوْا بِهِ فَضْلَ الْكَلَأِ"[راجع: ۲۳۵۳]

بَابُ مَنْ حَفَرَ بِئْرًا فِي مِلْكِهِ لَمْ يَضْمَنْ

جس نے اپنی ملکیت میں کنواں کھودا وہ ضامن نہیں

کسی نے اپنی زمین میں کھڈا یا کنواں کھودا اور اس میں کوئی انسان یا جانور گر کر مر گیا تو کنویں والا ضامن نہیں، اس

لئے کہ ہر شخص کو اپنی ملکیت میں تصرف کرنے کا حق ہے۔ اور حدیث پہلے گذر چکی ہے۔ البئر جبارٌ: کنواں رائگاں ہے یعنی اس میں کوئی گر کر مرجائے یا کنواں کھودتے وقت کوئی حادثہ پیش آجائے اور کوئی مزدور مرجائے تو کنواں کھودنے والے پر کوئی ضمان نہیں۔

[۳-] بَابُ مَنْ حَفَرَ بِئْرًا فِي مِلْكِهِ لَمْ يَضْمَنْ

[۲۳۵۵-] حدثنا مَحْمُوْدٌ، أَخْبَرَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ، عَنْ إِسْرَائِيْلَ، عَنْ أَبِيْ حَصِيْنٍ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: "الْمَعْدِنُ جُبَارٌ، وَالْبِئْرُ جُبَارٌ، وَالْعَجْمَاءُ جُبَارٌ، وَفِي الرِّكَازِ الْخُمْسُ" [راجع: ۱۴۹۹]

بَابُ الْخُصُوْمَةِ فِي الْبِئْرِ، وَالْقَضَاءِ فِيْهَا

کنویں کا مقدمہ اور اس کا فیصلہ

کنواں اکیلا نہیں ہوتا اس کے ساتھ زمین بھی ہوتی ہے، اور جیسے زمین میں جھگڑا ہوتا ہے کنویں میں بھی ہوتا ہے، اور دونوں کا فیصلہ ایک طرح کیا جاتا ہے: مدعی گواہ پیش کرے اور اگر وہ گواہ پیش نہ کر سکے تو مدعی علیہ (منکر) کی قسم پر فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔

حدیث: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ جس نے (کورٹ میں) کوئی بھی قسم کھائی تا کہ اس کے ذریعہ کسی مسلمان آدمی کا مال ہڑپ کر جائے درانحالیکہ وہ اس قسم میں جھوٹا ہے تو وہ اللہ سے ملاقات کرے گا، درانحالیکہ اللہ اس پر غضبناک ہونگے، اس پر آلِ عمران کی آیت ۷۷ نازل ہوئی: "بیشک جو لوگ حقیر معاوضہ لیتے ہیں اس عہد کے مقابلہ میں جو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے اور اپنی قسموں کے عوض میں، ان لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، نہ ان سے اللہ تعالیٰ کلام فرمائیں گے، نہ ان کی طرف قیامت کے دن (مہربانی سے) دیکھیں گے اور نہ ان کو پاک کریں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے"

پھر جب سبق ختم ہوا تو حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ طلبہ سے ملے اور ان سے پوچھا: آج ابن مسعودؓ نے تم سے کیا حدیث بیان کی؟ طلبہ نے بتلائی، حضرت اشعثؓ نے کہا: یہ آیت میرے واقعہ میں نازل ہوئی ہے، میرے چچا زاد بھائی کی زمین میں میرا ایک کنواں تھا اس کا جھگڑا ہم خدمت نبوی میں لے گئے، آپؐ نے مجھ سے فرمایا: گواہ لاؤ، میں نے عرض کیا: میرے پاس گواہ نہیں، آپؐ نے فرمایا: پھر اس کی قسم پر فیصلہ ہوگا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ تو قسم کھالے گا، پس نبی ﷺ نے مذکورہ ارشاد فرمایا اور آپؐ کے ارشاد کی تصدیق میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ملحوظہ: اس حدیث میں مسلم کی قید اتفاقی ہے، چونکہ مقدمہ میں مدعی مسلمان تھا اس لئے 'مسلم' فرمایا، ورنہ مسئلہ عام ہے

مدعی ہندو ہو اور مدعی علیہ مسلمان اور مسلمان جھوٹی قسم کھا کر اپنے حق میں ڈگری (فیصلہ) کرالے تو بھی یہی وعید ہے۔

[٤-] بَابُ الْخُصُوْمَةِ فِي الْبِئْرِ، وَالْقَضَاءِ فِيْهَا

[٢٣٥٦و٢٣٥٧-] حدثنا عَبْدَانُ، عَنْ أَبِيْ حَمْزَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيْقٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ، يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ، هُوَ عَلَيْهَا فَاجِرٌ، لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ" فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى:﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ الآية [آل عمران:٧٧]

فَجَاءَ الْأَشْعَثُ فَقَالَ: مَا يُحَدِّثُكُمْ أَبُوْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ؟ فِيَّ أُنْزِلَتْ هٰذِهِ الآيَةُ، كَانَتْ لِيْ بِئْرٌ فِي أَرْضِ ابْنِ عَمٍّ لِيْ، فَقَالَ لِيْ:" شُهُوْدَكَ" قُلْتُ: مَالِيْ شُهُوْدٌ، قَالَ:" فَيَمِيْنَهُ" قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِذًا يَحْلِفُ، فَذَكَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم هٰذَا الْحَدِيْثَ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ تَصْدِيْقًا لَهُ"[الحديث: ٢٣٥٦، انظر: ٢٤١٦، ٢٥١٥، ٢٦٦٦، ٢٦٦٩، ٢٦٧٣، ٢٦٧٦، ٤٥٤٩، ٦٦٥٩، ٦٦٧٦، ٧١٨٣، ٧٤٤٥]؛ [الحديث:٢٣٥٧، انظر: ٢٤١٧، ٢٥١٦، ٢٦٦٧، ٢٦٧٠، ٢٦٧٧، ٤٥٥٠، ٦٦٦٠، ٦٦٧٧، ٧١٨٤]

بَابُ إِثْمِ مَنْ مَنَعَ ابْنَ السَّبِيْلِ مِنَ الْمَاءِ

راہ رَو سے پانی روکنے کا گناہ

کوئی مسافر راستہ سے گذر رہا ہے، راستہ سے لگواں کنواں ہے، مسافر پانی چاہتا ہے، گھوڑے کو پلانا ہے یا خود پینا ہے تو پانی کے مالک کو انکار نہیں کرنا چاہئے، اگر وہ پانی نہ لینے دے تو یہ بڑا گناہ ہے۔

حدیث: تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سخت ناراض ہونگے، ان کی طرف (مہربانی سے) دیکھیں گے بھی نہیں۔ اول: راستہ سے لگواں کنواں ہے اور اس میں اس کی ضرورت سے زائد پانی ہے، کوئی مسافر اس میں سے پانی لینا چاہتا ہے یا اپنے گھوڑے کو پلانا چاہتا ہے لیکن اس نے انکار کردیا، اور پانی نہیں دیا۔ دوم: جس نے امیر المؤمنین سے بیعت کی، پھر بادشاہ نے خاطر تواضع کی تو بیعت پر برقرار رہا ورنہ باغیوں سے جاملا۔ سوم: وہ شخص ہے جس نے عصر کے بعد بازار میں کوئی چیز فروخت کرنے کے لئے رکھی اور گاہک کو پھنسانے کے لئے جھوٹی قسم کھائی، گاہک نے اس کی قسم پر اعتماد کر کے خرید لی (یہ تین شخص بڑے مجرم ہیں)

[٥-] بَابُ إِثْمِ مَنْ مَنَعَ ابْنَ السَّبِيْلِ مِنَ الْمَاءِ

[٢٣٥٨-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا

صَالِحٍ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" ثَلاَ ثَةٌ لاَ يَنْظُرُ اللّٰهُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلاَ يُزَكِّيْهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ: رَجُلٌ كَانَ لَهُ فَضْلُ مَاءٍ فِي الطَّرِيْقِ، فَمَنَعَهُ مِنِ ابْنِ السَّبِيْلِ، وَرَجُلٌ بَايَعَ إِمَامًا، لاَ يُبَايِعُهُ إِلاَّ لِدُنْيَا، فَإِنْ أَعْطَاهُ مِنْهَا رَضِيَ، وَإِنْ لَمْ يُعْطِهِ مِنْهَا سَخِطَ، وَرَجُلٌ أَقَامَ سِلْعَتَهُ بَعْدَ الْعَصْرِ، فَقَالَ: وَاللّٰهِ الَّذِيْ لاَ إِلٰهَ غَيْرُهُ! لَقَدْ أُعْطِيْتُ بِهَا كَذَا وَكَذَا، فَصَدَّقَهُ رَجُلٌ" ثُمَّ قَرَأَ هٰذِهِ الآيَةَ: ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلاً﴾ [آل عمران: ۷۷]

[انظر: ۲۳٦۹، ۲٦۷۲، ۷۲۱٦، ۷٤٤٦]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: تین شخصوں کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (مہربانی سے) نہیں دیکھیں گے اور نہ ان کو ستھرا کریں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے، ایک وہ شخص ہے جس کے پاس راستہ میں زائد پانی ہے، پس اس کو مسافر سے روک دیا، دوسرا وہ شخص ہے جس نے اپنے امام سے بیعت کی نہیں بیعت کرتا وہ مگر دنیا کے لئے، پس اگر اس کو دنیا میں سے دیا تو خوش ہوا اور اگر اس کو نہیں دیا تو ناراض ہو گیا۔ تیسرا وہ شخص ہے جس نے اپنا سامان عصر کے بعد بیچنے کے لئے رکھا پس کہا: اس اللہ کی قسم! جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں! یقیناً دیا گیا ہوں میں اس سامان کی قیمت اتنی اور اتنی، پس اس کی بات گاہک نے مان لی، پھر حضور ﷺ نے سورۂ آل عمران کی آیت ۷۷ پڑھی، جس کا ترجمہ گذشتہ باب میں آچکا ہے۔

بَابُ سَكْرِ الْأَنْهَارِ

نہروں کو باندھنا

سَکَرَ (ن) النهرَ: نہروں کو باندھنا، گنگا جمنا جیسے دریاؤں پر ڈیم باندھ کر نہریں نکالی جاتی ہیں، پھر ان میں سے بمبے نکلتے ہیں، پھر اس میں سے راج بہائیں نکلتی ہیں، پھر ان میں سے بولیں نکلتی ہیں، اور ہر بول پر پندرہ بیس کھیت ہوتے ہیں، جب کھیتوں کی سینچائی ہو جاتی ہے تو راج بہا کے دہانے سے پانی بند کر دیتے ہیں، اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ سینچائی کس ترتیب سے ہونی چاہئے؟ دہانے سے آخری کھیت کی طرف یا آخری کھیت سے دہانے کی طرف؟ اس سلسلہ میں شریعت نے کوئی بات طے نہیں کی، لوگوں کے عرف پر اس کا مدار ہے، ہمارا عرف یہ ہے کہ ایک مرتبہ شروع کی طرف سے اور دوسری مرتبہ آخر سے سینچائی شروع کی جائے۔

دوسرا مسئلہ: اس باب میں یہ ہے کہ جس کھیت کا نمبر ہے وہ پانی کب بند کرے؟ اور اگلے کو کب نمبر دے؟ اس سلسلہ میں مسئلہ یہ ہے کہ جب کھیت کی ضرورت پوری ہو جائے تو پانی بند کر کے اگلے کو نمبر دے۔ کھیتیاں دو قسم کی ہیں: ایک: وہ کھیتی ہے جس میں پانی کھیت میں گھوم جائے تو کافی ہو جاتا ہے جیسے گیہوں کا کھیت، اور دوسری کھیتی وہ ہے کہ جب کھیت لبالب بھر جائے تبھی سینچائی مفید ہے جیسے گنا اور دھان کا کھیت، دھان میں ڈوبنے ہی سے جان پڑتی ہے، بہر حال کھیت والے کی

جب ضرورت پوری ہوجائے تو پانی بند کردے اور اگلے کو نمبر دے۔

[٦-] بَابُ سَكْرِ الْأَنْهَارِ

[٢٣٥٩و٢٣٦٠-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، ثَنَا اللَّيْثُ، ثَنِيْ ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الزُّبَيْرِ، أَنَّـهُ حَدَّثَهُ أَنَّ رَجُلاً مِنَ الْأَنْصَارِ خَاصَمَ الزُّبَيْرَ عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي شِرَاجِ الْحَرَّةِ الَّتِيْ يَسْقُوْنَ بِهَا النَّخْلَ، فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ: سَرِّحِ الْمَاءَ يَمُرُّ، فَأَبٰى عَلَيْهِ، فَاخْتَصَمَا عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لِلزُّبَيْرِ:" اسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلٰى جَارِكَ" فَغَضِبَ الْأَنْصَارِيُّ فَقَالَ: أَنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ؟ فَتَلَوَّنَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ثُمَّ قَالَ:" اسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلَى الْجَدْرِ" فَقَالَ الزُّبَيْرُ: وَاللّٰهِ إِنِّيْ لَأَحْسِبُ هٰذِهِ الْآيَةَ نَزَلَتْ فِي ذٰلِكَ:﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَايُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾[النساء: ٦٥]

قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَبَّاسِ: قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: لَيْسَ أَحَدٌ يَذْكُرُ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ إِلَّا اللَّيْثُ فَقَطْ.

[انظر: ٢٣٦١، ٢٣٦٢، ٢٧٠٨، ٤٥٨٥]

ترجمہ: ایک انصاری اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کا مقدمہ نبی ﷺ کے پاس آیا حرّہ کی ان بولوں کے بارے میں جس سے کھجور کے درختوں کی سینچائی کرتے تھے، انصاری نے کہا: پانی کو گذرنے دو یعنی میرے کھیت میں آنے دو، پس حضرت زبیرؓ نے انکار کیا، پس دونوں مقدمہ لے کر حضور ﷺ کے پاس آئے پس آپؐ نے زبیرؓ سے فرمایا: اے زبیر! پانی پلا لو یعنی جب باغ میں پانی گھوم جائے تو پڑوسی کی طرف جانے دو، پس انصاری غصہ ہوا اور اس نے کہا: یہ فیصلہ آپؐ نے اس لئے کیا کہ زبیر آپؐ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں! پس رسول اللہ ﷺ کے چہرہ کا رنگ بدل گیا اور فرمایا: اے زبیر! پانی پلاؤ پھر پانی روکو، یہاں تک کہ کھیت مینڈ تک بھر جائے، پس حضرت زبیرؓ نے کہا: بخدا! میرا خیال ہے کہ سورۂ نساء کی آیت (۶۵) اسی معاملہ میں نازل ہوئی ہے "پس قسم ہے آپ کے پروردگار کی کہ لوگ ایمان دار نہ ہونگے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو، اس میں یہ لوگ آپؐ سے تصفیہ کرائیں، پھر آپؐ کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں، اور پوری طرح تسلیم کرلیں۔

تشریح: حرّہ جگہ کا نام ہے۔ اور الشِّراج: الشَّرْج کی جمع ہے، اوپر سے بہہ کر آنے والا نالہ، برسات میں پہاڑوں پر سے جو پانی اترتا تھا اس کو روکنے کے لئے حرہ میں ایک ڈیم باندھ رکھا تھا، اس میں سے جو نہریں نکلتی تھیں اس میں جھگڑا ہوا، جزیرۃ العرب میں برسات کا کوئی موسم نہیں، کبھی بھی بارش ہوجاتی ہے اور چھاجوں برستی ہے، اور پہاڑوں پر سے پانی اتر کر بہہ جاتا ہے، اگر ڈیم باندھ کر اس کو روک لیا جائے تو جب تک ڈیم میں پانی رہے گا نہریں چلیں گی جب پانی ختم ہوجائے گا

نہریں بند ہوجائیں گی، اور صورت حال یہ تھی کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا باغ پہلے تھا اور انصاری کا باغ بعد میں۔ حضرت زبیرؓ کے یہاں سینچائی ہو رہی تھی، اور ڈیم میں پانی ختم ہونے والا تھا، اس لئے انصاری نے تقاضہ کیا کہ پانی کو چھوڑو، تاکہ آگے بڑھے۔ سَرِّحْ: فعل امر ہے سَرَّحَ الشيئَ کے معنی ہیں: چھوڑنا، بھیجنا۔ حضرت زبیرؓ نے انکار کیا کہ میری ضرورت پوری ہوگی تب پانی آگے جانے دوں گا، نبی ﷺ نے دونوں کی رعایت میں فیصلہ کیا کہ زبیر جب تمہارے باغ میں پانی پھرلے تو بند کردو، اور انصاری کو نمبر دیدو، اس کا بھی کچھ بھلا ہوجائے، پس یہ فیصلہ انصاری کے حق میں تھا مگر اس نے کہا: أن كان ابنَ عمَّتِك: أن سے پہلے لام پوشیدہ ہے أی لأن كان، یعنی آپؐ نے یہ فیصلہ اس لئے کیا کہ زبیرؓ آپؐ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں، اس پر آپؐ کو شدید غصہ آیا کہ جس کی رعایت میں فیصلہ کیا ہے وہ اللہ کا بندہ الٹا سمجھ رہا ہے۔ پھر حضور ﷺ نے واقعی فیصلہ کیا، جو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا حق تھا وہ پورا ان کو دیا اور فرمایا: باغ میں پانی گھومنے کے بعد پانی روکے رہو، یہاں تک کہ کھیت مینڈھ تک بھر جائے، کیونکہ گنا اور دھان کی طرح کھجور کا باغ بھی اس کا محتاج ہے کہ کھیت کو لبالب بھر دیا جائے اور سورۂ نساء کی آیت عام ہے: کوئی شخص صحیح مسلمان اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک شریعت کے فیصلوں کے سامنے سرنہ جھکادے۔

سند: اور حدیث کے آخر میں جو محمد بن العباس نے امام بخاری رحمہ اللہ کا قول ذکر کیا ہے: وہ امام بخاری رحمہ اللہ کے معاصر ہیں، اور ان کی وفات امام بخاریؒ کے بعد ۲۶۶ھ میں ہوئی ہے، ان کی روایت فربری نے بڑھائی ہے۔

بَابُ شُرْبِ الأَعْلٰى قَبْلَ الأَسْفَلِ

نیچے والے سے پہلے اوپر والا سینچائی کرے

یہ ذیلی باب ہے، اوپر بیان کیا ہے کہ سینچائی بول کے دہانے سے نیچے کی طرف ہو یا اس کے برعکس؟ اس سلسلہ میں شریعت نے کوئی بات لازم نہیں کی، اس کا مدار عرف پر ہے، اور حدیث وہی ہے جو گذشتہ باب میں آئی ہے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا کھیت پہلے تھا اور اسی طرح سینچائی ہوتی ہوئی آرہی تھی، اس لئے حضرت زبیرؓ کا نمبر پہلے تھا، شرعاً ایسا لازم نہیں، اور الجَدْر بمعنی الجِدار ہے یعنی کھیت کی مینڈ جیسا کہ اگلے باب میں آرہا ہے۔

[۷-] بَابُ شُرْبِ الأَعْلٰى قَبْلَ الأَسْفَلِ

[۲۳۶۱-] حدثنا عَبْدَانُ، نا عَبْدُ اللّٰهِ، أَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، قَالَ: خَاصَمَ الزُّبَيْرُ رَجُلاً مِنَ الأَنْصَارِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " يَا زُبَيْرُ! اسْقِ ثُمَّ أَرْسِلْ " فَقَالَ الأَنْصَارِيُّ إِنَّهُ ابْنُ عَمَّتِكَ! فَقَالَ: " اسْقِ يَا زُبَيْرُ حَتَّى يَبْلُغَ الْجَدْرَ ثُمَّ أَمْسِكْ " فَقَالَ الزُّبَيْرُ: فَأَحْسِبُ هٰذِهِ الآيَةَ نَزَلَتْ فِي ذٰلِكَ: ﴿ فَلاَ وَرَبِّكَ لاَيُؤْمِنُوْنَ حَتَّى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ﴾ [النساء: ۶۵] [راجع: ۲۳۵۹]

بَابُ شُرْبِ الْأَعْلٰى إِلَى الْكَعْبَيْنِ

اوپر والا ٹخنوں تک پانی بھرے

یہ بھی ذیلی باب ہے اور مسئلہ اوپر آ گیا کہ کھیتی کی نوعیت کے اعتبار سے سینچائی مختلف ہوتی ہے، دھان، گنا اور کھجور کے باغات کی سینچائی اسی وقت مفید ہے جب کھیت لبالب بھر جائے۔

[۸-] بَابُ شُرْبِ الْأَعْلٰى إِلَى الْكَعْبَيْنِ

[۲۳۶۲-] حدثنا مُحَمَّدٌ، أَنَا مَخْلَدُ بْنُ يَزِيْدَ الْحَرَّانِيُّ، أَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، ثَنِيْ ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ حَدَّثَهُ: أَنَّ رَجُلاً مِنَ الْأَنْصَارِ خَاصَمَ الزُّبَيْرَ فِي شِرَاجٍ مِنَ الْحَرَّةِ لِيَسْقِيَ بِهَا النَّخْلَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" اسْقِ يَا زُبَيْرُ- فَأَمَرَهُ بِالْمَعْرُوْفِ - ثُمَّ أَرْسِلْهُ إِلَى جَارِكَ" فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ: أَنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ؟ فَتَلَوَّنَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ثُمَّ قَالَ: " اسْقِ ثُمَّ احْبِسْ حَتَّى يَرْجِعَ الْمَاءُ إِلَى الْجَدْرِ" وَاسْتَوْعَى لَهُ حَقَّهُ، فَقَالَ الزُّبَيْرُ: وَاللّٰهِ إِنَّ هٰذِهِ الْآيَةَ أُنْزِلَتْ فِي ذٰلِكَ: ﴿فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾

فَقَالَ لِيْ ابْنُ شِهَابٍ: فَقَدَّرَتِ الْأَنْصَارُ وَالنَّاسُ قَوْلَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم:" واسْقِ ثُمَّ احْبِسْ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلَى الْجَدْرِ" فَكَانَ ذٰلِكَ إِلَى الْكَعْبَيْنِ.[راجع: ۲۳۵۹]

وضاحت: **فأمره بالمعروف:** جملہ معترضہ ہے یعنی انصاری کی رعایت میں حضور ﷺ نے رکھ رکھاؤ والا فیصلہ کیا کہ کھیت میں پانی بھر جائے تو انصاری کے کھیت میں جانے دو تاکہ اس کا بھی کچھ بھلا ہو............**واستوفی له حقه:** اب جو حضور ﷺ نے فیصلہ کیا تو اس میں زبیرؓ کا حق پورا دیا، کیونکہ مسئلہ یہی تھا، اور پہلا فیصلہ رعایتی تھا............**فقال لی ابن شهاب:** یہ ابن جریج کا قول ہے، امام زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں: انصار نے قول نبوی **إلى الجدر** کا اندازہ کیا کہ کھیت بھر جانے پر اگر کھیت میں کھڑے ہوں تو پانی ٹخنوں تک پہنچ جائے یہ **إلى الجدر** ہے، کھیتوں کی مینڈھیں عام طور پر اتنی ہی اونچی ہوتی ہیں۔

بَابُ فَضْلِ سَقْيِ الْمَاءِ

پانی پلانے کی اہمیت

ہر جگہ پانی پلانے میں ثواب ہے، لیکن جہاں پانی کم ہے وہاں اس کا ثواب زیادہ ہے۔ ایک شخص نے پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرما دی، اور ایک عورت نے بلی کو باندھ رکھا تھا، کھانا پانی نہیں دیا، اس لئے وہ

مرگئی، پس اللہ نے اس عورت کو دوزخ میں دھکیل دیا۔ پہلی حدیث مثبت پہلو سے باب سے متعلق ہے۔ اور دوسری اور تیسری حدیثیں منفی پہلو سے، پہلی حدیث میں پانی پلانے کا ثواب ہے اور آخری دو حدیثوں میں اس کی ضد کی سزا ہے، اس طرح دونوں حدیثیں باب سے متعلق ہیں۔

[۹-] بَابُ فَضْلِ سَقْيِ الْمَاءِ

[۲۳۶۳-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِيْ، فَاشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ، فَنَزَلَ بِئْرًا فَشَرِبَ مِنْهَا، ثُمَّ خَرَجَ فَإِذَا هُوَ بِالْكَلْبِ يَلْهَثُ، يَأْكُلُ الثَّرَى مِنَ الْعَطَشِ، فَقَالَ: لَقَدْ بَلَغَ هٰذَا مِثْلُ الَّذِيْ بَلَغَ بِيْ، فَمَلَأَ خُفَّهُ، ثُمَّ أَمْسَكَهُ بِفِيْهِ، ثُمَّ رَقِيَ، فَسَقَى الْكَلْبَ، فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ، فَغَفَرَ لَهُ" قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَإِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ أَجْرًا؟ قَالَ: " فِيْ كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ" [راجع: ۱۷۳]

ترجمہ: دریں اثناء کہ ایک آدمی چل رہا تھا پس اس کو سخت پیاس لگی وہ کنویں میں اترا اور اس سے پانی پیا، پھر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی وجہ سے نمناک مٹی چاٹ رہا ہے، پس اس نے سوچا: اس کتے کو بھی اتنی ہی پیاس لگی ہے جتنی مجھے لگی تھی، پس اس نے اپنا موزہ بھرا پھر اس کو اپنے دانتوں سے پکڑا پھر چڑھا اور کتے کو پانی پلایا، پس اللہ تعالیٰ نے تھینک یو کہا یعنی اس کو بخش دیا، صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا ہمارے لئے چوپایوں میں بھی ثواب ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "ہر تر کلیجہ میں ثواب ہے" (یہ حدیث کتاب الوضوء باب ۳۳ (حدیث ۱۷۳) میں گذر چکی ہے)

[۲۳۶۴-] حدثنا ابْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ، ثَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ، عَنِ ابْنِ أَبِيْ مُلَيْكَةَ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِيْ بَكْرٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم صَلَّى صَلاَ ةَ الْكُسُوْفِ فَقَالَ: " دَنَتْ مِنِّيْ النَّارُ، حَتَّى قُلْتُ: أَيْ رَبِّ وَأَنَا مَعَهُمْ! فَإِذَا امْرَأَةٌ - حَسِبْتُ أَنَّـهُ قَالَ: تَخْدِشُهَا هِرَّةٌ - قَالَ: مَا شَأْنُ هٰذِهِ؟ قَالُوْا: حَبَسَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ جُوْعًا" [راجع: ۷۴۵]

[۲۳۶۵-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ، ثَنِيْ مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ فِيْ هِرَّةٍ حَبَسَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ جُوْعًا فَدَخَلَتْ فِيْهَا النَّارَ، قَالَ: فَقَالَ- وَاللّٰهُ أَعْلَمُ- لاَ أَنْتِ أَطْعَمْتِيْهَا وَلاَ سَقَيْتِيْهَا حِيْنَ حَبَسْتِيْهَا، وَلاَ أَنْتِ أَرْسَلْتِيْهَا، فَأَكَلَتْ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ" [انظر: ۳۳۱۸، ۳۴۸۲]

ترجمہ: نبی ﷺ نے سورج گہن کی نماز پڑھائی، بعد میں فرمایا: جہنم مجھ سے قریب آئی یہاں تک کہ میں نے کہا: اے

میرے پروردگار! اور میں ان کے ساتھ ہوں! پس اچانک ایک عورت اس کو بلی نوچ رہی ہے، حضور ﷺ نے پوچھا: اس کا کیا معاملہ ہے؟ فرشتوں نے بتایا: اس بڑھیا نے اس کو باندھ دیا تھا، یہاں تک کہ وہ بھوک سے مرگئی (یہ حدیث بھی پہلے کتاب الصلوٰۃ باب ۹۰ میں آچکی ہے)

بَابُ مَنْ رَأَى أَنَّ صَاحِبَ الْحَوْضِ وَالْقِرْبَةِ أَحَقُّ بِمَائِهِ

ایک رائے یہ ہے کہ کھڈے والا اور مشک والا اپنے پانی کا زیادہ حقدار ہے

حوض کے معنی ہیں: کھڈا، گڑھا، جب بارش ہوتی ہے تو پہاڑوں سے پانی اترتا ہے اور گڈھوں میں بھر جاتا ہے، پندرہ بیس دن تک ان میں پانی رہتا ہے پھر سوکھ جاتا ہے۔ اور القِربۃ کے معنی ہیں: چمڑے کی مشک، اگر کسی کے کھیت میں گڈھے میں پانی بھرا ہے یا چمڑے کی مشک میں پانی ہے تو پہلا حق حوض والے اور مشک والے کا ہے، اس کی ضرورت سے بچ جائے تو پھر دوسروں کا حق ہے۔

مشک کا پانی تو مُحرز ہے اس میں تو کوئی اشکال نہیں، مگر کھیت میں گڈھے میں جو پانی بھرا ہے وہ مملوکہ ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہوسکتا ہے جیسا کہ مملوکہ کنویں کے پانی میں اختلاف ہوا ہے۔ حضرت رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ وہ بھی مشک کے پانی کی طرح ہے، پس حوض والے کا حق پہلا ہے پھر دوسروں کا، اور باب میں چار حدیثیں ہیں ان میں سے پہلی حدیث ابھی گذری ہے، لکڑی کے ایک بڑے پیالہ میں دودھ لایا گیا سب سے پہلے نبی ﷺ نے نوش فرمایا، کیونکہ آپؐ پیالہ والے ہیں، اس لئے آپؐ کا حق پہلا ہے، پھر بچا ہوا دوسروں کو دیا۔

دوسری حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن میری امت کے کچھ لوگ میرے حوض کوثر پر پانی پینے کے لئے آئیں گے، میں ضرور ان کو بھگاؤں گا، جس طرح دوسرے کا اونٹ حوض پر پانی پینے کے لئے آتا ہے تو حوض والا بھگاتا ہے کیونکہ حوض والے کا حق پہلا ہے۔

تیسری حدیث: زم زم جس وقت نکلا اس وقت حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا مروہ پر تھیں، انھوں نے کسی کی آواز سنی انھوں نے کہا: اگر آپ میری کوئی مدد کرسکتے ہیں تو کریں، چنانچہ زم زم کی جگہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ظاہر ہوئے اور زمین پر زور سے پَر مارا جس سے زمین کے سوتے ٹوٹ گئے، اور پانی ابلنے لگا، حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا دوڑی آئیں اور انھوں نے مینڈھ بنا کر پانی روک لیا، نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اسماعیل علیہ السلام کی ماں پر رحم فرمائیں! اگر وہ زم زم کو چھوڑ دیتیں یا کہا: اگر وہ پانی میں سے چلو نہ بھرتیں تو زم زم بہنے والا چشمہ ہوتا، پھر اتفاقاً جرہم قبیلہ وہاں پہنچا، انھوں نے وہاں بسنے کی اجازت چاہی، حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اجازت دیدی مگر کہا کہ پانی میں تمہارا کوئی حق نہیں ہوگا، البتہ تم پانی استعمال کرسکتے ہو، انھوں نے کہا: منظور ہے (حضرت ہاجرہؓ صاحب الماء یا صاحب القربہ تھیں اس لئے ان کا حق پہلا تھا)

اورحضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ اللہ تعالیٰ اسماعیلؑ کی ماں پر رحم کریں: اس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے مینڈھ بنا کر پانی کو روک لیا: یہ ٹھیک نہیں کیا، اگر وہ ایسا نہ کرتیں تو زم زم کی نہر چلتی اور جزیرۃ العرب میں معلوم نہیں کہاں تک پہنچتی!

اورآخری حدیث ابھی گذری ہے، اس کے آخر میں ہے کہ تیسرا شخص وہ ہے جس نے اپنا زائد پانی روک لیا پس قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: آج میں تجھ سے اپنا فضل روک لیتا ہوں جس طرح تو نے بچا ہوا پانی روک لیا تھا جس کو تیرے دونوں ہاتھوں نے نہیں بنایا تھا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلا حق تو مشک والے کا ہے، لیکن زائد پانی روکنا بہت بُرا ہے، اور آخرت میں اس کی سزا سخت ہے۔

[۱۰-] بَابُ مَنْ رَأَى أَنَّ صَاحِبَ الْحَوْضِ وَالْقِرْبَةِ أَحَقُّ بِمَائِهِ

[۲۳۶۶-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ، عَنْ أَبِىْ حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: أُتِىَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِقَدَحٍ فَشَرِبَ، وَعَنْ يَمِيْنِهِ غُلَامٌ، وَهُوَ أَحْدَثُ الْقَوْمِ، وَالْأَشْيَاخُ عَنْ يَسَارِهِ، فَقَالَ: "يَا غُلَامُ! أَتَأْذَنُ لِىْ أَنْ أُعْطِىَ الْأَشْيَاخَ؟" فَقَالَ مَاكُنْتُ لِأُوْثِرَ بِنَصِيْبِىْ مِنْكَ أَحَدًا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ. [راجع: ۲۳۵۱]

[۲۳۶۷-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا غُنْدَرٌ، ثنا شُعْبَةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ، سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِىِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهِ لَأَذُوْدَنَّ رِجَالاً عَنْ حَوْضِىْ كَمَا تُذَادُ الْغَرِيْبَةُ مِنَ الإِبِلِ عَنِ الْحَوْضِ"

تَذُوْدَانِ: تَمْنَعَانِ. [القصص: ۲۳]

[۲۳۶۸-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ أَيُّوْبَ، وَكَثِيْرِ بْنِ كَثِيْرٍ- يَزِيْدُ أَحَدُهُمَا عَلَى الآخَرِ- عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ، قَالَ: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَالَ النَّبِىُّ صلى الله عليه وسلم: "يَرْحَمُ اللّٰهُ أُمَّ إِسْمَاعِيْلَ! لَوْ تَرَكَتْ زَمْزَمَ - أَوْقَالَ: لَوْ لَمْ تَغْرِفْ مِنَ الْمَاءِ- لَكَانَتْ عَيْنًا مَعِيْنًا، وَأَقْبَلَ جُرْهُمُ فَقَالُوْا: أَتَأْذَنِيْنَ أَنْ نَنْزِلَ عِنْدَكِ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، وَلاَ حَقَّ لَكُمْ فِى الْمَاءِ، قَالُوْا: نَعَمْ"

[انظر: ۳۳۶۲، ۳۳۶۳، ۳۳۶۴، ۳۳۶۵]

[۲۳۶۹-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ أَبِىْ صَالِحٍ السَّمَانِ، عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِىِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" ثَلاَ ثَةٌ لاَ يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلاَ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ: رَجُلٌ حَلَفَ عَلٰى سِلْعَتِهِ: لَقَدْ أُعْطِىَ بِهَا أَكْثَرَ مِمَّا أُعْطِىَ، وَهُوَ كَاذِبٌ، وَرَجُلٌ حَلفَ عَلٰى يَمِيْنٍ كَاذِبَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ رَجُلٍ مُسْلِمٍ، وَرَجُلٌ مَنع فَضْلَ مَائِهِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ: اَلْيَوْمَ أَمْنَعُكَ فَضْلِىْ كَمَا

مَنَعْتَ فَضْلَ مَاءٍ لَمْ تَعْمَلْ يَدَاكَ"

قَالَ عَلِيٌّ: ثَنَا سُفْيَانُ غَيْرَ مَرَّةٍ، عَنْ عَمْرٍو: سَمِعَ أَبَا صَالِحٍ، يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم. [راجع: ۲۳۵۸]

بَابٌ: لَاحِمَى إِلَّا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهِ صلى الله عليه وسلم

ممنوعہ علاقہ اللہ اور رسول ہی کے لئے ہے

الحِمَی: ممنوعہ علاقہ، محفوظ جگہ، وہ چراہ گاہ جس میں دوسرے لوگوں کو جانور چرانے کی اجازت نہ ہو، جو چیزیں مباح الاصل ہیں جو حکومت کی تحویل میں ہیں، ان میں سب لوگوں کا حق ہے، پس جن لوگوں کے پاس زیادہ جانور ہیں وہ سرکاری چراہ گاہ میں اپنے جانوروں کو پانی پلانے کے لئے کنواں تو کھود سکتے ہیں اور وہ اس کنویں کے اور اس کی حریم کے مالک بھی ہوجائیں گے مگر چراہ گاہ میں کوئی علاقہ اپنے لئے مخصوص نہیں کرسکتے، صرف گورنمنٹ ایریا ریزرو کرسکتی ہے، کیونکہ اس کے پاس زکوۃ کے جانور ہوتے ہیں، ان کے چرنے کے لئے جنگل میں مخصوص جگہ ضروری ہے۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: لاحِمَی إِلَّا لِلّٰهِ ولرسوله: امام صاحبؒ نے اسی کو باب بنایا ہے، اور امام زہریؒ کہتے ہیں: ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ نبی ﷺ نے نقیع کو سرکاری جانوروں کے لئے مخصوص کیا تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شرف اور ربذہ کو مخصوص کیا تھا، یہ حدیث حضرت صعب نے اس وقت بیان کی تھی جب ان کی قوم نے جنگل میں کوئی خاص جگہ ریزور کرنے کا ارادہ کیا تھا، حضرت صعب نے کہا: یہ جائز نہیں، یہ صرف گورنمنٹ کا حق ہے اور گورنمنٹ کسی کو جاگیر دے تو دے سکتی ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

مساقات سے باب کی مناسبت: باب کی مساقات سے مناسبت اوپر کے بیان سے سمجھ میں آگئی ہوگی، سرکاری چراگاہ میں کنواں تو کھود سکتے ہیں مگر چراگاہ کا کوئی حصہ مخصوص نہیں کرسکتے، یہ جو کنواں کھود سکتے ہیں یہی شِرب (پانی کا حصہ) ہے اس مناسبت سے یہ باب مساقات میں لائے ہیں۔

[۱۱-] بَابٌ: لَاحِمَى إِلَّا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهِ صلى الله عليه وسلم

[۲۳۷۰-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يُوْنُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ الصَّعْبَ بْنَ جَثَّامَةَ قَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لَاحِمَى إِلَّا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهِ" وَقَالَ: بَلَغَنَا أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم حَمَى النَّقِيْعَ، وَأَنَّ عُمَرَ حَمَى الشَّرَفَ وَالرَّبَذَةَ. [انظر: ۳۰۱۳]

بَابُ شُرْبِ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ مِنَ الأَنْهَارِ

نہروں سے لوگوں کا اور جانوروں کا پانی پینا

نہروں کا کوئی مالک نہیں، حکومت مالک ہے، اور وہ مباح الاصل پانی ہے لہٰذا اسے ہر کوئی استعمال کرسکتا ہے، بمبوں اور راج بہاؤں کا بھی یہی حکم ہے، البتہ احراز سے آدمی پانی کا مالک ہوجاتا ہے، برتنوں میں مٹکوں میں یا ٹنکیوں میں پانی بھرلے تو اب بیچ بھی سکتا ہے اور روک بھی سکتا ہے۔

اور باب میں دو حدیثیں ہیں:

پہلی حدیث: گھوڑے تین مقاصد کے لئے پالے جاتے ہیں، ایک گھوڑے کا ہر عمل باعث ثواب ہے، دوسرا گھوڑا پردہ ہے اور تیسرا گھوڑا باعث گناہ ہے، پہلا گھوڑا وہ ہے جو اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے کے لئے پالا ہے، اس گھوڑے کا ہر معاملہ اور ہر خدمت باعث اجر ہے، اس گھوڑے کو لے کر اگر کوئی شخص جنگل میں یا کھیت میں جارہا ہو اور راستہ میں نہر آگئی، پس گھوڑے نے اس میں سے پانی پی لیا جب کہ مالک نے پانی پلانے کا ارادہ نہیں کیا تو بھی وہ باعث اجر ہے۔ یہاں باب ہے کہ نہر سے پانی پینے یا پلانے کے لئے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ مباح الاصل پانی ہے۔ دوسرا گھوڑا وہ ہے جو معیشت کے طور پر پالا گیا ہے، وہ آدمی کے لئے غریبی سے پردہ ہے، پس یہ پالنا بھی جائز ہے۔ اور تیسرا گھوڑا وہ ہے جو فخر ومباہات، دکھاوے اور مسلمانوں کی دشمنی کے طور پر پالا گیا ہے: یہ پالنا گناہ ہے۔

دوسری حدیث: پہلے گذری ہے۔ اگر جنگل میں کوئی اونٹ گم ہوگیا، ریوڑ سے پیچھے رہ گیا تو اس کو کوئی شخص پکڑ کر گھر نہ لائے، کیونکہ اونٹ کے پاس مشکیزہ اور جوتا ہے، جب پیٹ میں پانی ختم ہوجائے گا تو وہ پانی پر پہنچے گا اور درختوں کے پتے چرے گا، یہاں تک کہ اس کا مالک ڈھونڈھتا ہوا اس تک پہنچ جائے گا، یہ جو ترد الماء ہے یہ باب سے متعلق ہے کہ اونٹ مباح الاصل پانی پی سکتا ہے، کسی سے اجازت کی ضرورت نہیں۔

[۱۲-] بَابُ شُرْبِ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ مِنَ الأَنْهَارِ

[۲۳۷۱-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ؛ عَنْ أَبِىْ صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" الْخَيْلُ: لِرَجُلٍ أَجْرٌ، وَلِرَجُلٍ سِتْرٌ، وَعَلٰى رَجُلٍ وِزْرٌ، فَأَمَّا الَّذِىْ لَهُ أَجْرٌ: فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، فَأَطَالَ لَهَا فِى مَرْجٍ أَوْ: رَوْضَةٍ، فَمَا أَصَابَتْ فِىْ طِيَلِهَا ذٰلِكَ مِنَ الْمَرْجِ أَوِ: الرَّوْضَةِ كَانَتْ لَهُ حَسَنَاتٍ، وَلَوْ أَنَّهُ انْقَطَعَ طِيَلُهَا فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا أَوْ شَرَفَيْنِ، كَانَتْ آثَارُهَا وَأَرْوَاثُهَا حَسَنَاتٍ لَهُ، وَلَوْ أَنَّهَا مَرَّتْ بِنَهَرٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ وَلَمْ يُرِدْ أَنْ

يَسْقِي، كَانَ ذٰلِكَ حَسَنَاتٍ لَهُ، فَهِيَ لِذٰلِكَ أَجْرٌ. وَرَجُلٌ رَبَطَهَا تَغَنِّيًا وَتَعَفُّفًا ثُمَّ لَمْ يَنْسَ حَقَّ اللّٰهِ فِي رِقَابِهَا وَلَا ظُهُوْرِهَا فِهِيَ لِذٰلِكَ سِتْرٌ، وَرَجُلٌ رَبَطَهَا فَخْرًا وَرِيَاءً وَنِوَاءً لِأَهْلِ الإِسْلَامِ، فَهِيَ عَلٰى ذٰلِكَ وِزْرٌ"

وَسُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْحُمُرِ، فَقَالَ: "مَا أُنْزِلَ عَلَيَّ فِيْهَا شَيْئٌ إِلَّا هٰذِهِ الآيَةُ الْجَامِعَةُ الْفَاذَّةُ: ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾

[انظر: ۲۸٦۰، ۳٦٤٦، ٤۹٦۲، ٤۹٦۳، ۷۳٥٦]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک گھوڑا آدمی کے لئے ثواب ہے اور دوسرا گھوڑا آدمی کے لئے پردہ ہے اور تیسرا گھوڑا آدمی کے لئے گناہ ہے، پس رہا وہ گھوڑا جو آدمی کے لئے ثواب ہے: وہ وہ ہے کہ ایک شخص نے راہِ خدا میں استعمال کے لئے گھوڑا پالا، پس اس کو سبزہ زار میں لمبی رسّی سے باندھ کر چرنے کے لئے چھوڑ دیا، پس وہ جو کچھ چرے گا اپنی اس لمبی رسی میں سبزہ زار سے تو وہ مالک کے لئے نیکیاں ہوگا۔ اور اگر یہ بات ہو کہ اس کی رسّی ٹوٹ جائے اور وہ اچھل کود کرے ایک ٹیلہ یا دو ٹیلے تو اس کے نشاناتِ قدم اور اس کی لید مالک کے لئے نیکیاں ہونگی (گھوڑا جب اچھل کود کرتا ہے تو لید بھی کرتا ہے) اور اگر یہ بات ہو کہ وہ کسی نہر پر سے گذرا پس اس نے نہر سے پانی پیا (یہاں باب ہے) اور مالک نے پلانے کا ارادہ نہیں کیا تو بھی وہ مالک کے لئے نیکیاں ہیں، پس یہ گھوڑا اس نیت کی وجہ سے ثواب ہے، اور دوسرا شخص جس نے گھوڑا پالا مالداری کے طور پر اور سوال سے بچنے کے طور پر پھر وہ گھوڑے کی گردن میں اور اس کی پیٹھ میں جو اللہ کا حق ہے اس کو نہیں بھولا تو وہ گھوڑا اس نیت کی وجہ سے پردہ ہے۔ اور تیسرا شخص وہ ہے جس نے گھوڑا پالا فخر اور ریاء اور مسلمانوں کی دشمنی کے طور پر پس وہ گھوڑا اس نیت کی وجہ سے گناہ ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گدھوں کے بارے میں پوچھا گیا: پس آپؐ نے فرمایا: مجھ پر گدھوں کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا، ہاں یہ جامع منفرد آیت ہے کہ جو شخص ذرہ بھر نیک عمل کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ بھر برا عمل کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو گھوڑا استعمال کے لئے ہے اس میں زکوٰۃ نہیں ہے، مگر جس نے معیشت کے طور پر گھوڑیاں پالی ہیں ان کی گردن میں اللہ کا حق ہے، یعنی ان میں زکوٰۃ واجب ہے، اور ان کی پیٹھ میں اللہ کا حق یہ ہے کہ راستہ میں کوئی لفٹ مانگے تو گھوڑے والا اس کو پیچھے بٹھالے، البتہ گدھوں کی زکوٰۃ کے سلسلہ میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا، اس لئے چاہے معیشت کے طور پر گدھے پالے ہوں ان میں زکوٰۃ نہیں، البتہ اگر کوئی تطوعاً ان کی زکوٰۃ نکالے تو وہ نیکی قیامت کے دن اس کے سامنے آجائے گی۔

ملحوظہ: گھوڑوں میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ کتاب الزکاۃ (تحفۃ القاری ۴: ۱۴۱) میں آ گیا ہے۔

لغات: المَرْج (راء ساکن): سبزہ زار، چراگاہ، جمع مُرُوْج .... الروضۃ: شاداب زمین، جمع رَوْض و رِیَاضٌ

............پس مرج اور روضۃ ایک ہیں، اور أو شک راوی کا ہے............اسْتَنَّ: دوڑنا، کودنا، اچھلنا......الطِّیَل: وہ ڈھیلی رسّی جس سے چوپایے کو باندھ کر چرنے کے لئے چھوڑتے ہیں......الشَّرَف: ٹیلہ، بلند جگہ، جہاں سے اطراف کی جگہیں نظر آئیں۔

[۲۳۷۲-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ، ثَنِيْ مَالِكٌ، عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ أَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ يَزِيْدَ مَوْلٰى الْمُنْبَعِثِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَسَأَلَهُ عَنِ اللُّقَطَةِ، فَقَالَ: "اعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَ هَا، ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً، فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا، وَإِلَّا فَشَأْنَكَ بِهَا" قَالَ: فَضَالَّةُ الْغَنَمِ؟ قَالَ: "هِيَ لَكَ أَوْ لِأَخِيْكَ أَوْ لِلذِّئْبِ" قَالَ: فَضَالَّةُ الإِبِلِ؟ قَالَ: "مَالَكَ وَلَهَا؟" مَعَهَا سِقَاؤُهَا وَحِذَاؤُهَا، تَرِدُ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ حَتّٰى يَلْقَاهَا رَبُّهَا"[راجع: ۹۱]

حوالہ: یہ حدیث کتاب العلم باب ۲۸ (تحفۃ القاری ۱:۳۷۸) میں آچکی ہے۔

بَابُ بَيْعِ الْحَطَبِ وَالْكَلَأِ

سوختہ اور گھاس بیچنا

سرکاری جنگل میں سے سوختہ اور گھاس کاٹ کر احراز کر لیا جائے تو مالک ہو جاتا ہے اور اس کا بیچنا جائز ہے، اور احراز سے پہلے بیچنا جائز نہیں، سرکاری پانی کا بھی یہی حکم ہے، دریاؤں میں، نہروں میں، آبشاروں میں اور چشموں میں جو پانی ہوتا ہے اس کو سمیٹ لیا جائے، برتن یا بوتل میں بھر لیا جائے تو اس کا بیچنا جائز ہے۔

سوال: اس باب میں پانی کا ذکر نہیں، پھر کتاب المساقات سے اس کا کیا تعلق ہے؟

جواب: حاشیہ میں لکھا ہے کہ باب میں پانی کا بھی تذکرہ ہونا چاہئے مگر چونکہ باب کی حدیثوں میں اس کا ذکر نہیں، اس لئے باب میں اس کا تذکرہ چھوڑ دیا۔ اور باب میں تین حدیثیں ہیں: پہلی اور دوسری حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قوت بازو سے کماؤ اور کھاؤ، لوگوں سے سوال مت کرو، اگر کوئی ذریعہ معاش نہ ہو تو جنگل سے سوختہ کاٹ لاؤ اور اس کو بیچو اور آخری حدیث میں یہ مضمون ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مکہ سے اذخر گھاس لا کر سناروں کو بیچنے کا پلان بنایا تھا، معلوم ہوا کہ سرکاری گھاس کا بھی احراز سے مالک ہو جاتا ہے۔

[۱۳-] بَابُ بَيْعِ الْحَطَبِ وَالْكَلَأِ

[۲۳۷۳-] حدثنا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ، ثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "لَأَنْ يَأْخُذَ أَحَدُكُمْ أَحْبُلًا، فَيَأْخُذَ حُزْمَةً مِنْ حَطَبٍ، فَيَبِيْعَ، فَيَكُفَّ اللّٰهُ بِهِ

عَنْ وَجْهِهِ: خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَسْأَلَ النَّاسَ أُعْطِيَ أَمْ مُنِعَ"[راجع: ۱۴۷۱]

[۲۳۷۴-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ مَوْلٰى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" لَأَنْ يَحْتَطِبَ أَحَدُكُمْ حُزْمَةً عَلٰى ظَهْرِهِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَسْأَلَ أَحَدًا فَيُعْطِيَهُ أَوْ يَمْنَعَهُ"[راجع: ۱۴۷۰]

[۲۳۷۵-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسَى، أَنَا هِشَامٌ، أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ، أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، عَنْ أَبِيْهِ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، أَنَّهُ قَالَ: أَصَبْتُ شَارِفًا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِي مَغْنَمٍ يَوْمَ بَدْرٍ، قَالَ: وَأَعْطَانِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم شَارِفًا أُخْرَى، فَأَنَخْتُهُمَا يَوْمًا عِنْدَ بَابِ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، وَأَنَا أُرِيْدُ أَنْ أَحْمِلَ عَلَيْهِمَا إِذْخِرًا لِأَبِيْعَهُ، وَمَعِي صَائِغٌ مِنْ بَنِي قَيْنُقَاعَ فَأَسْتَعِيْنَ بِهِ عَلٰى وَلِيْمَةِ فَاطِمَةَ، وَحَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ يَشْرَبُ فِي ذٰلِكَ الْبَيْتِ، مَعَهُ قَيْنَةٌ، فَقَالَتْ: أَلَا يَا حَمْزُ لِلشُّرُفِ النِّوَاءِ! فَثَارَ إِلَيْهِمَا حَمْزَةُ بِالسَّيْفِ فَجَبَّ أَسْنِمَتَهُمَا، وَبَقَرَ خَوَاصِرَهُمَا، ثُمَّ أَخَذَ مِنْ أَكْبَادِهِمَا، قُلْتُ لِابْنِ شِهَابٍ: وَمِنَ السَّنَامِ؟ قَالَ: قَدْ جَبَّ أَسْنِمَتَهُمَا فَذَهَبَ بِهَا، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: قَالَ عَلِيٌّ: فَنَظَرْتُ إِلٰى مَنْظَرٍ أَفْظَعَنِي، فَأَتَيْتُ نَبِيَّ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَعِنْدَهُ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ، فَأَخْبَرْتُهُ الْخَبَرَ، فَخَرَجَ وَمَعَهُ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةٍ فَانْطَلَقْتُ مَعَهُ، فَدَخَلَ عَلٰى حَمْزَةَ، فَتَغَيَّظَ عَلَيْهِ، فَرَفَعَ حَمْزَةُ بَصَرَهُ وَقَالَ: هَلْ أَنْتُمْ إِلَّا عَبِيْدٌ لِآبَائِي! فَرَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُقَهْقِرُ حَتّٰى خَرَجَ عَنْهُمْ وَذٰلِكَ قَبْلَ تَحْرِيْمِ الْخَمْرِ.[راجع: ۲۰۸۹]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدر کے دن غنیمت میں ایک اونٹنی پائی تھی، حضرت علیؓ کہتے ہیں: اور مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایک دوسری اونٹنی دی تھی، پس میں نے ان دونوں کو ایک دن ایک انصاری کے دروازہ پر بٹھایا اور میں چاہتا تھا کہ لادلاؤں میں ان پر اذخر گھاس تاکہ اس کو بیچوں اور میرے ساتھ بنوقینقاع کا ایک سنار تھا، پس مدد حاصل کروں میں اس کے ذریعہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس گھر میں شراب پی رہے تھے، ان کے ساتھ ایک گانے والی باندی تھی، پس اس نے کہا: ألا يا حمز! للشُّرُفِ النِّواءِ: سنو حمزہ! موٹی اونٹنیوں کی طرف اٹھو، پس اٹھے ان کی طرف حمزہ تلوار لے کر (اور ان کو ذبح کیا) پس ان دونوں کی کوہانیں کاٹیں، اور دونوں کے پیٹ پھاڑے، پھر دونوں کے کلیجہ میں سے لیا۔ ابن جریج کہتے ہیں: میں نے امام زہری رحمہ اللہ سے پوچھا: اور کوہان سے؟ امام زہریؒ نے کہا: ان کی کوہانیں اسی لئے کاٹی تھیں کہ ان کو لے جائیں (کوہان میں چربی ہوتی ہے اس میں کلیجی بھونی جاتی ہے، اس لئے اس کو ضرور لے گئے ہونگے) امام زہری کہتے ہیں: حضرت علیؓ نے فرمایا: پس میں نے ایسا منظر دیکھا جس نے مجھے گھبراہٹ میں ڈال دیا، پس میں نبی ﷺ کے پاس گیا اور آپؐ کے پاس زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے، پس

میں نے ان کو واقعہ بتلایا پس آپؐ چلے اور آپ کے ساتھ زیدؓ تھے، پس میں بھی ان کے ساتھ چلا، پس آپ حضرت حمزہؓ کے پاس پہنچے اور ان پر سخت غصہ ہوئے، حمزہؓ نے اپنی نظر اٹھائی اور کہا: نہیں ہو تم مگر میرے باپ کے غلام! یعنی وہ اونٹنیاں میری تھیں پس حضور ﷺ الٹے پاؤں لوٹے یہاں تک کہ ان کے پاس سے نکل آئے، اور یہ واقعہ شراب حرام ہونے سے پہلے کا ہے۔

تشریح: اس موقعہ پر گانے والی باندی نے برجستہ جو اشعار گائے تھے وہ یہ ہیں:

أَلَا يَاحَمْزُ! لِلشُّرُفِ النِّوَاءِ ❁ وَهُنَّ مُعَقَّلَاتٌ بِالْفَنَاءِ
ضَعِ السِّكِّيْنَ فِي اللَّبَّاتِ مِنْهَا ❁ وَضَرِّجْهُنَّ حَمْزَةُ بِالدِّمَاءِ
وَعَجِّلْ مَنْ أَطَائِبِهَا لِشَرْبٍ ❁ قَدِيْدًا مِنْ طَبْخٍ أَوْ شِوَاءٍ

ترجمہ: سنو حمزہ! (اٹھو) موٹی اونٹنیوں کی طرف ÷ درانحالیکہ وہ بندھی ہوئی ہیں گھر کے آنگن میں ÷ رکھ دو چھری ان کے گلے پر ÷ اور ان کو اے حمزہ خون میں لت پت کردو ÷ اور ان کا اچھا گوشت شراب پینے والوں کے لئے جلدی لاؤ ÷ بوٹیاں پکائی ہوئیں یا گوشت بھنا ہوا۔

بَابُ الْقَطَائِعِ وَبَابُ كِتَابَةِ الْقَطَائِعِ

جاگیریں اور ان کا پروانہ

قطائع: **قطعية** کی جمع ہے اس کے معنی ہیں: جاگیر۔ **قطعتُه أرضا**: میں نے اس کو جاگیر میں زمین دی، وہ زمینیں جو غیر آباد ہیں، جو حکومت کی تحویل میں ہیں وہ حکومت بعض لوگوں کو آبادکاری کے لئے دیتی ہے، اسی طرح آباد زمینیں بھی حکومت کچھ لوگوں کو دیتی ہے اور اس کا پروانہ بھی لکھ کر دیتی ہے، تاکہ نسل در نسل ثبوت رہے، اور ان جاگیروں میں اگر کنواں ہے تو وہ بھی جاگیر میں دیا جاتا ہے اس مناسبت سے یہ دو باب کتاب المساقات میں لائے ہیں۔

فائدہ: جاگیر میں جو غریبوں کا یا حکومت کا حق (عشر وخراج) ہے وہ لیا جائے گا یا نہیں؟ علماء نے لکھا ہے کہ اس کو معاف کرنا جائز نہیں، اور جو جاگیر دینے کا حکم ہے وہی ٹھیکہ دینے کا اور ایکسپورٹ امپورٹ کے لائسنس کا ہے، البتہ جو چیزیں کثیر المنفعت قلیل المؤنث ہیں وہ چیزیں جاگیر میں نہیں دینی چاہئیں، جیسے سونے چاندی کی کھانیں، پیٹرول کے کنویں، ایسی چیزیں یا تو مباح الاصل رہیں یا حکومت کے کنٹرول میں رہیں تاکہ اس کی منفعت ملک کے سبھی لوگوں کو پہنچے۔

حدیث: جب بحرین فتح ہوا تو نبی ﷺ نے وہاں کی زمینیں انصار کو دینا چاہا، یہی جاگیر دینا ہے، انصار نے عرض کیا: ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی زمینیں دی جائیں تب ہم لیں گے ورنہ نہیں، حضور ﷺ نے فرمایا: مہاجرین کو میں بنونضیر کے علاقہ سے زمینیں دے چکا ہوں چنانچہ انصار نے وہ زمینیں قبول کیں، مگر انصار کو جاگیر کا پروانہ لکھ کر دیا تھا اس کا کوئی صریح ثبوت نہیں، اور دوسرے باب کی حدیث میں جو فَاكْتُبْ ہے وہ صرف جاگیر دینے کے معنی میں ہے۔

[١٤-] بَابُ الْقَطَائِعِ

[٢٣٧٦-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، ثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ يَحْيىَ بْنِ سَعِيْدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا، قَالَ: أَرَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ يُقْطِعَ مِنَ الْبَحْرَيْنِ، فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ: حَتَّى تُقْطِعَ لِإِخْوَانِنَا مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ مِثْلَ الَّذِىْ تُقْطِعُ لَنَا، قَالَ: " سَتَرَوْنَ بَعْدِىْ أَثَرَةً فَاصْبِرُوْا حَتَّى تَلْقَوْنِىْ "

[انظر: ٢٣٧٧، ٣١٦٣، ٣٧٩٤]

[١٥-] بَابُ كِتَابَةِ الْقَطَائِعِ

[٢٣٧٧-] وَقَالَ اللَّيْثُ، عَنْ يَحْيىَ بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ: دَعَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الْأَنْصَارَ، لِيُقْطِعَ لَهُمْ بِالْبَحْرَيْنِ، فَقَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنْ فَعَلْتَ فَاكْتُبْ لِإِخْوَانِنَا مِنْ قُرَيْشٍ بِمِثْلِهَا، فَلَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: " سَتَرَوْنَ بَعْدِىْ أَثَرَةً فَاصْبِرُوْا حَتَّى تَلْقَوْنِىْ "

[راجع: ٢٣٧٦]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے چاہا کہ بحرین میں (انصار کو) جاگیریں دیں تو انصار نے کہا: یہاں تک کہ ہمارے مہاجرین بھائیوں کو (بھی) جاگیریں دی جائیں، جس طرح ہمیں جاگیریں دی جائیں، یعنی انصار نے مہاجرین کو ترجیح دی، ان کے بغیر جاگیریں لینے کے لئے تیار نہیں ہوئے، پس نبی ﷺ نے فرمایا: عنقریب میرے بعد تم ترجیح کو دیکھو گے یعنی میرے بعد ایسے بادشاہ آئیں گے جو مہاجرین (قریش) کو انصار پر عہدوں اور عطایا میں ترجیح دیں گے، پس تم صبر کرنا، یہاں تک کہ تم مجھ سے ملاقات کرو، یعنی حرفِ شکایت زبان پر نہ لانا، یعنی میں نے تو تم کو مہاجرین پر ترجیح نہیں دی، دونوں کو برابر رکھا ہے، میں ان کو زمینیں پہلے دے چکا ہوں اور اب تمہیں دے رہا ہوں۔ مگر آگے ترجیح کا عمل شروع ہوگا اس وقت صبر کرنا۔

فائدہ: پہلی حدیث یحییٰ انصاریؒ سے حماد بن زید کی ہے اور دوسری امام لیث مصریؒ کی، پس دونوں حدیثیں ایک ہی سند سے مروی ہیں، دوسری حدیث منقطع نہیں۔

بَابُ حَلْبِ الإِبِلِ عَلَى الْمَاءِ

پانی پر اونٹوں کو دوہنا

ترمذی میں روایت ہے: آدمی کے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی اللہ کا حق ہے، مثلاً جب اونٹ پانی پینے کے لئے کنویں پر آئیں اور گاؤں میں سے کوئی شخص دودھ مانگنے کے لئے آئے، اس کے یہاں مہمان آئے ہیں تو اس کو دودھ دینا چاہئے،

چونکہ اس حدیث میں اونٹوں کے پانی پر آنے کا ذکر ہے اس لئے یہ باب مساقات کے بیان میں لائے ہیں۔

[۱۶-] بَابُ حَلْبِ الإِبِلِ عَلَى الْمَاءِ

[۲۳۷۸-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ، ثَنِيْ أَبِيْ، عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِيْ عَمْرَةَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مِنْ حَقِّ الإِبِلِ أَنْ تُحْلَبَ عَلَى الْمَاءِ"[راجع: ۱۴۰۲]

بَابُ الرَّجُلِ يَكُوْنُ لَهُ مَمَرٌّ أَوْ شِرْبٌ فِي حَائِطٍ أَوْ فِي نَخْلٍ

کسی باغ میں یا کھجور کے درختوں میں، کسی کی گذرگاہ یا پانی کا حصہ ہو

ایک شخص کا دوسرے کی زمین میں گذرنے کا حق ہے یا کسی کنویں سے پانی لینے کا حق ہے یا کھیت یا باغ کی سینچائی کرنے کا حق ہے تو اس کا یہ حق برحق ہے، اگرچہ وہ زمین کا مالک نہیں، جیسے بھائیوں میں جب زمین کا بٹوارہ ہوتا ہے تو ایک دوسرے کی زمین میں گذرنے کا حق رہتا ہے، اسی طرح کسی نے اپنے کھجور کے باغ میں سے کسی حبیب، قریب یا غریب کو چند درخت بطور عطیہ دیئے یا اپنے پیاز کے کھیت میں سے یا لہسن کے کھیت میں سے ایک دو کیاریاں کسی کو بخشیں، تو موہوب لہ آئے گا اور درختوں پر چڑھ کر پھل اتارے گا، یہ اس کا حق ہے، باغ والا اور زمین والا اس کو آنے سے روک نہیں سکتا، اسی طرح چند درختوں والا اور چند کیاریوں والا باغ کے کنویں سے سینچائی کرے گا یہ پانی کا حق بھی اس کا برحق ہے۔

اور باب میں کئی حدیثیں ہیں اور سب پہلے گذر چکی ہیں، ان میں سے پہلی حدیث یہ ہے کہ جس نے کوئی کھجور کا باغ بیچا گابھا دینے کے بعد تو اس کا پھل بائع کے لئے ہے، اور بائع کے لئے گذرگاہ اور سینچائی کا حق ہے، یہاں تک کہ پھل اتر جائیں، اور اسی طرح عطیہ والے کا حق ہے۔ باقی تمام حدیثیں تقریباً اسی مضمون کی ہیں، پڑھ لیجئے!

[۱۷-] بَابُ الرَّجُلِ يَكُوْنُ لَهُ مَمَرٌّ أَوْ شِرْبٌ فِي حَائِطٍ أَوْ فِي نَخْلٍ

وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ بَاعَ نَخْلاً بَعْدَ أَنْ تُؤَبَّرَ فَثَمَرَتُهَا لِلْبَائِعِ، وَلِلْبَائِعِ الْمَمَرُّ وَالسَّقْيُ حَتَّى يُرْفَعَ، وَكَذٰلِكَ رَبُّ الْعَرِيَّةِ"

[۲۳۷۹-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا اللَّيْثُ، ثَنِيْ ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "مَنِ ابْتَاعَ نَخْلاً بَعْدَ أَنْ تُؤَبَّرَ فَثَمَرَتُهَا

لِلْبَائِعِ، إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ، وَمَنِ ابْتَاعَ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ فَمَالُهُ لِلَّذِىْ بَاعَهُ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ“

[راجع: ۲۲۰۳]

وعَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ عُمَرَ فِى الْعَبْدِ.

[۲۳۸۰-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، قَالَ: رَخَّصَ النَّبِىُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ تُبَاعَ الْعَرَايَا بِخَرْصِهَا تَمْرًا.

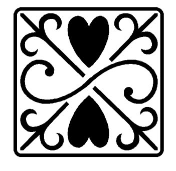
[راجع: ۲۱۷۳]

[۲۳۸۱-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، سِمَعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ: نَهَى النَّبِىُّ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْمُخَابَرَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ، وَعَنِ الْمُزَابَنَةِ، وَعَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهُ، وَأَنْ لَا تُبَاعَ إِلَّا بِالدِّيْنَارِ وَالدِّرْهَمِ إِلَّا الْعَرَايَا. [راجع: ۱٤۸۷]

[۲۳۸۲-] حدثنا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ، ثَنَا مَالِكٌ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ، عَنْ أَبِىْ سُفْيَانَ مَوْلَى ابْنِ أَبِىْ أَحْمَدَ، عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: رَخَّصَ النَّبِىُّ صلى الله عليه وسلم فِى بَيْعِ الْعَرَايَا بِخَرْصِهَا مِنَ التَّمْرِ فِيْمَادُوْنَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ، أَوْ: فى خَمْسَةِ أَوْسُقٍ، شَكَّ دَاوُدُ فِى ذٰلِكَ. [راجع: ۲۱۹]

[۲۳۸۳و۲۳۸٤-] حدثنا زَكَرِيَّا بْنُ يَحْيَى، ثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، أَخْبَرَنِىْ الْوَلِيْدُ بْنُ كَثِيْرٍ، أَخْبَرَنِىْ بُشَيْرُ ابْنُ يَسَارٍ مَوْلَى بَنِىْ حَارِثَةَ، أَنَّ رَافِعَ بْنَ خَدِيْجٍ، وَسَهْلَ بْنَ أَبِىْ حَثْمَةَ حَدَّثَاهُ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنِ الْمُزَابَنَةِ: بَيْعِ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ، إِلَّا أَصْحَابَ الْعَرَايَا فَإِنَّهُ أَذِنَ لَهُمْ“

قَالَ: وَقَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ: ثَنِىْ بُشَيْرٌ مِثْلَهُ. [راجع: ۲۱۹۱]



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كتاب الِاسْتِقْرَاضِ وأَدَاءِ الدُّيُوْنِ وَالْحَجْرِ وَالتَّفْلِيْسِ

قرض لینا، دَین ادا کرنا، روک لگانا اور دیوالیہ قرار دینا

اس کتاب میں تین باتیں ہیں:

(۱) استقراض: قرض مانگنا، دنیا میں بہت کم لوگ ایسے ہیں جن کو قرض لینے کی ضرورت پیش نہیں آتی، بلکہ مالدار تو سب سے زیادہ مقروض ہوتے ہیں۔

(۲) جو چیز ذمہ پر واجب ہے، خواہ قرض ہو یا کچھ اور اس کو ادا کرنا، مثلاً ہزار روپے قرض لئے تو یہ قرض بھی ہے اور دَین بھی، اور کسی کے ایک من گیہوں غصب کئے اور کھا گیا تو اس کا ضمان واجب ہے، یہ دَین ہے، پس دَین اور قرض میں تھوڑا فرق ہے، قرض خاص ہے اور دین عام۔ القرض: ما تُعطیه من المثلیات لِیُرَدَّ ذٰلك مثلُه فی المستقبل، والدَّیْن: ما ثبت من المال فی الذمة بعقد أو استهلاك أو استقراض (معجم لغة الفقهاء)

(۳) کسی سفیہ پر حکومت پابندی لگائے کہ کوئی اس سے معاملہ نہ کرے، یہ حَجر ہے، اسی کا نام دیوالیہ قرار دینا ہے، پس حجر اور تفلیس ایک ہیں۔

اور ان تینوں میں گہرا تعلق ہے، قرض تو ہر کسی کو لینا پڑتا ہے، اور عام طور پر لوگ قرض کی ادائیگی کی فکر بھی کرتے ہیں، مگر کچھ ناہنجار قرض لیتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ ان کے مافی الید سے قرض زیادہ ہو جاتا ہے، اس وقت حکومت درمیان میں آتی ہے اور اس کے معاملات پر پابندی لگاتی ہے، اور اس کو دیوالیہ قرار دیتی ہے تاکہ لوگوں کے مال ضائع نہ ہوں، اس مناسبت سے یہ تینوں باتیں ایک کتاب میں جمع کی ہیں۔

بَابُ مَنِ اشْتَرَى بِالدَّيْنِ وَلَيْسَ عِنْدَهُ ثَمَنُهُ أَوْ لَيْسَ بِحَضْرَتِهِ

کسی نے ادھار خریدا اور اس کے پاس رقم نہیں یا موجود نہیں

ادھار خریدنا جائز ہے، چاہے اس کے پاس ثمن ہو یا نہ ہو، اور نہ ہونے کی دو صورتیں ہیں: سرے سے نہیں ہے، یا پاس نہیں ہے، گھر میں یا بینک میں ہے، بہر حال ادھار خریدنا جائز ہے اور باب میں دو حدیثیں ہیں، پہلی حدیث میں حضور ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ادھار اونٹ خریدا تھا، اس وقت آپؐ کے پاس پیسے نہیں تھے، گھر تھے چنانچہ مدینہ

پہنچتے ہی ثمن ادا کیا۔ اور دوسری حدیث میں حضور ﷺ نے ایک یہودی سے ایک مدت کے لئے جو خریدے تھے، اور اس کے پاس زرہ گروی رکھی تھی، اس لئے کہ حضور ﷺ کے پاس اس وقت سرے سے پیسے نہیں تھے، ورنہ گروی کیوں رکھتے۔

۴۳- کتاب الاستقراض، وأداء الدیون، والحجر والتفلیس

[۱-] بَابُ مَنِ اشْتَرَى بِالدَّيْنِ وَلَيْسَ عِنْدَهُ ثَمَنُهُ أَوْ لَيْسَ بِحَضْرَتِهِ

[۲۳۸۵-] حدثنا مُحَمَّدٌ، أَنَا جَرِيْرٌ، عَنِ الْمُغِيْرَةِ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: "كَيْفَ تَرَى بَعِيْرَكَ؟ أَتَبِيْعُهُ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، فَبِعْتُهُ إِيَّاهُ، فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ غَدَوْتُ إِلَيْهِ بِالْبَعِيْرِ، فَأَعْطَانِيْ ثَمَنَهُ. [راجع: ٤٤٣]

[۲۳۸۶-] حدثنا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ، ثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، ثَنَا الأَعْمَشُ، قَالَ: تَذَاكَرْنَا عِنْدَ إِبْرَاهِيْمَ الرَّهْنَ فِي السَّلَمِ، فَقَالَ: حَدَّثَنِيْ الأَسْوَدُ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم اشْتَرَى طَعَامًا مِنْ يَهُوْدِيٍّ إِلَى أَجَلٍ، وَرَهَنَهُ دِرْعًا مِنْ حَدِيْدٍ. [راجع: ٢٠٨٦]

بَابُ مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيْدُ أَدَاءَ هَا أَوْ إِتْلَافَهَا

جس نے لوگوں سے قرض لیا، وہ اس کو ادا کرنا چاہتا ہے یا ہلاک کرنا چاہتا ہے

کسی سے قرض لیا یا ادھار خریدا اور اس کی قیمت ذمہ پر واجب ہے اور اس کا ارادہ قرض ادا کرنے کا ہے یا دل میں کھوٹ ہے اس کا دینے کا ارادہ ہی نہیں، تو پہلے کی اللہ تعالیٰ مدد کرتے ہیں، ایسے اسباب بنا دیتے ہیں کہ قرض ادا ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے کے لئے اسباب مہیا نہیں ہوتے اس کا قرضہ باقی رہ جاتا ہے، جس کو آخرت میں چکانا پڑتا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ قرض حسنہ (لوجہ اللہ غیر سودی قرض) دینے والے بہت ہیں، مگر لینے والے دو طرح کے ہیں، کچھ لوگ وعدہ کے مطابق یا وعدہ سے بھی پہلے قرض لوٹا دیتے ہیں، اور اگر مجبوری ہوتی ہے تو مدت بڑھوا لیتے ہیں ان کو ہر وقت قرض مل سکتا ہے، اور کچھ دوسرے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بڑی منت سے قرضہ حاصل کرتے ہیں اور ان کی نیت میں کھوٹ ہوتا ہے، وہ واپس کرنے کا ارادہ ہی نہیں رکھتے، اور قرض خواہ مطالبہ کرے تو ہنس دیتے ہیں، اور کہتے ہیں: ہم نے 'قرض ہنسنا' لیا ہے، ایسے لوگوں کو کوئی قرض نہیں دیتا، جھوٹ بولتا ہے: میرے پاس پیسے نہیں! باب میں امام صاحبؒ نے دونوں صورتیں جمع کی ہیں۔

[۲-] بَابُ مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيْدُ أَدَاءَ هَا أَوْ إِتْلَافَهَا

[۲۳۸۷-] حدثنا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ الأُوَيْسِيُّ، ثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَبِي

الْغَيْثِ، عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ صلی الله عليه وسلم، قَالَ:" مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيْدُ أَدَاءَ هَا أَدَّی اللّٰهُ عَنْهُ، وَمَنْ أَخَذَ يُرِيْدُ إِتْلَافَهَا أَتْلَفَهُ اللّٰهُ "

بَابُ أَدَاءِ الدُّيُوْنِ

ذمہ پر واجب چیز ادا کرنا

کسی کا کوئی حق ذمہ پر واجب ہے تو اس کو ادا کرنا واجب ہے، سورۃ النساء آیت ۵۸ میں ہے: "اللہ تعالیٰ تم کو اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچا دیا کرو، اور جب تم لوگوں کے درمیان تصفیہ کیا کرو تو انصاف سے تصفیہ کیا کرو، بیشک اللہ تعالیٰ جس بات کی تم کو نصیحت کرتے ہیں وہ بہت اچھی ہے، بلاشک اللہ تعالیٰ خوب سنتے خوب دیکھتے ہیں"

اور باب کی پہلی حدیث پہلے گذری ہے، تبوک سے واپسی میں آپؐ کو جب احد پہاڑ نظر آیا تو آپؐ نے فرمایا: مجھے یہ بات پسند نہیں کہ احد پہاڑ میرے لئے سونے کا بن جائے اور اس میں سے تین دن سے زیادہ ایک دینار بھی میرے پاس باقی رہے، ہاں وہ ایک دینار جس کو میں محفوظ رکھوں قرض کے لئے یعنی آپؐ کو قرض کی فکر تھی آپؐ اس کے لئے ایک دینار بچا رکھیں گے۔

اور دوسری حدیث میں ہے کہ اگر میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہوتا تو مجھے خوشی نہ ہوتی کہ مجھ پر تین دن گذریں اور میرے پاس اس میں سے کچھ بھی ہو، مگر وہ چیز جس کو میں قرضہ کے لئے محفوظ رکھوں۔ یہ حدیث بھی پہلی حدیث کے ہم معنی ہے، بہر حال دوسرے کا جو حق ذمہ پر واجب ہے اس کو پہلی فرصت میں ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

[۳-] بَابُ أَدَاءِ الدُّيُوْنِ

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی:﴿ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوْا الْأَمَانَاتِ إِلٰی أَهْلِهَا، وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ، إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ، إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا﴾[النساء: ۵۸]

[۲۳۸۸-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ، ثَنَا أَبُوْ شِهَابٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ، عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِیِّ صلی الله عليه وسلم، فَلَمَّا أَبْصَرَ- يَعْنِیْ أُحُدًا - قَالَ:" مَا أُحِبُّ أَنَّهُ يُحَوَّلُ لِیْ ذَهَبًا، يَمْكُثُ عِنْدِیْ مِنْهُ دِيْنَارٌ فَوْقَ ثَلَاثٍ، إِلَّا دِيْنَارًا أُرْصِدُهُ لِدَيْنٍ"

ثُمَّ قَالَ:" إِنَّ الْأَكْثَرِيْنَ هُمُ الْأَقَلُّوْنَ، إِلَّا مَنْ قَالَ بِالْمَالِ هٰكَذَا وَهٰكَذَا" - وَأَشَارَ أَبُوْ شِهَابٍ بَيْنَ يَدَيْهِ وَعَنْ يَمِيْنِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ - " وَقَلِيْلٌ مَا هُمْ" وَقَالَ:" مَكَانَكَ" وَتَقَدَّمَ غَيْرَ بَعِيْدٍ، فَسَمِعْتُ صَوْتًا، فَأَرَدْتُ أَنْ آتِيَهُ، ثُمَّ ذَكَرْتُ قَوْلَهُ:" مَكَانَكَ حَتّٰی آتِيَكَ" فَلَمَّا جَاءَ قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! الَّذِیْ سَمِعْتُ؟ -

أَوْقَالَ: الصَّوْتُ الَّذِیْ سَمِعْتُ؟– قَالَ:'' وَهَلْ سَمِعْتَ؟'' قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ:'' أَتَانِیْ جِبْرِیْلُ عَلَیْهِ الصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ فَقَالَ: مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِكَ لاَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ '' قُلْتُ: وَمَنْ فَعَلَ كَذَا وَكَذَا؟ قَالَ:'' نَعَمْ''[راجع: ١٢٣٧]

[٢٣٨٩–] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ شَبِيْبِ بْنِ سَعِيْدٍ، ثَنَا أَبِیْ، عَنْ يُوْنُسَ، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: ثَنِیْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ، قَالَ: قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهُ صلى الله عليه وسلم:'' لَوْ كَانَ لِیْ مِثْلُ أُحُدٍ ذَهَبًا، مَا يَسُرُّنِیْ أَنْ لاَ يُمَرَّ عَلَیَّ ثَلاَثٌ وَعِنْدِیْ مِنْهُ شَيْئٌ، إِلَّا شَيْئٌ أُرْصِدُهُ لِدَيْنٍ'' رَوَاهُ صَالِحٌ وَعُقَيْلٌ عَنِ الزُّهْرِیِّ.[انظر: ٦٤٤٥، ٧٢٢٨]

لغت: أَرْصَدَ الشيئَ: کوئی چیز تیار کرنا۔

بَابُ اسْتِقْرَاضِ الإِبِلِ

اونٹ قرض لینا

قرض صرف مثلیات کا جائز ہے، مثلی وہ چیز ہے جس کا مانند ہے، اور ذوات القیم قرض نہیں لے سکتے، ذوات القیم وہ چیزیں ہیں جن کے افراد یکساں نہیں، ہر فرد کی قیمت الگ ہوتی ہے، پس حیوانات ذوات القیم ہیں ان کو قرض نہیں لے سکتے، اگر ان کو قرض لیا جائے گا تو ادائیگی کیسے ہوگی؟

اور پہلے یہ مسئلہ گذرا ہے کہ جانور کو جانور کے بدل دست بدست بیچنا خریدنا جائز ہے، تین بکرے دے کر ایک بھینس لیں تو جائز ہے، اور دونوں عوض ادھار ہوں تو وہ بیع کالئ بالکالئ ہے جو جائز نہیں۔ اور اگر ایک عوض ادھار ہو تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک بیع درست نہیں، اور شوافع، حنابلہ اور امام بخاری رحمہم اللہ کے نزدیک درست ہے، پس ان حضرات کے نزدیک جب بیع میں ایک عوض ادھار ہوسکتا ہے تو قرض بھی لے سکتے ہیں، اور باب میں جو حدیث ہے وہ بھی پہلے گذری ہے، ایک شخص نے نبی ﷺ سے قرض کا مطالبہ کیا اور سخت کلامی کی، صحابہ نے اس کو ادب سکھانا چاہا، آپؐ نے منع کیا، پھر فرمایا: اس کے لئے اونٹ خریدو اور اس کا دین ادا کرو۔

یہ جو حضور ﷺ کے ذمہ دین تھا وہ حضور ﷺ نے خریدا تھا یا قرض لیا تھا؟ اس میں رائیں مختلف ہیں: حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ادھار خریدا تھا، پھر قیمت میں رقم دینے کے بجائے جنس دیدی یعنی اس سے بہتر اونٹ دیدیا، اس زمانہ میں دراہم ودنانیر کم ہوتے تھے، معاملات اجناس کے تبادلہ کے ذریعہ ہوتے تھے، اور شوافع، حنابلہ اور امام بخاریؒ کے نزدیک حضور ﷺ نے یہ اونٹ قرض لیا تھا، یہاں حدیث میں تقاضی ہے اور دوسری حدیث میں استقرض ہے یہ اپنے معنی میں ہیں یا اشتراء کے معنی میں ہیں؟ اس میں اختلاف ہوا ہے۔

[٤-] بَابُ اسْتِقْرَاضِ الإِبِلِ

[٢٣٩٠-] حدثنا أَبُوْ الْوَلِيْدِ، ثنا شُعْبَةُ، أَنَا سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ بِمِنٰى، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَجُلاً تَقَاضَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَأَغْلَظَ لَهُ، فَهَمَّ بِهِ أَصْحَابُهُ، فَقَالَ: "دَعُوْهُ فَإِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالاً، وَاشْتَرُوْا لَهُ بَعِيْرًا فَأَعْطُوْهُ إِيَّاهُ" قَالُوْا: لاَنَجِدُ إِلَّا أَفْضَلَ مِنْ سِنِّهِ، قَالَ: "اشْتَرُوْهُ فَأَعْطُوْهُ إِيَّاهُ، فَإِنَّ خَيْرَكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً"[راجع: ٢٣٠٥]

بَابُ حُسْنِ التَّقَاضِيْ

دین کا تقاضہ خوبی سے کرنا

آپ سے کسی نے قرض لیا، اگر آپ اس کا تقاضہ کریں تو بھلے انداز سے کریں، پچھلی امتوں کا واقعہ ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا، فرشتوں نے اس سے پوچھا: تیرے پاس کیا عمل ہے؟ اس نے کہا: میں لوگوں سے معاملات کرتا تھا، پس مالدار سے درگذر کرتا تھا اور تنگ دست کا قرضہ معاف کرتا تھا، مالدار سے درگذر کرنا یہی بھلے انداز سے قرض مانگنا ہے۔

[٥-] بَابُ حُسْنِ التَّقَاضِيْ

[٢٣٩١-] حدثنا مُسْلِمٌ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ رِبْعِيٍّ، عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" مَاتَ رَجُلٌ، فَقِيْلَ لَهُ: مَا كُنْتَ تَقُوْلُ؟ قَالَ: كُنْتُ أُبَايِعُ النَّاسَ فَأَتَجَوَّزُ عَنِ الْمُوْسِرِ، وَأُخَفِّفُ عَنِ الْمُعْسِرِ، فَغُفِرَ لَهُ" قَالَ أَبُوْ مَسْعُوْدٍ: سَمِعْتُهُ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.[راجع: ٢٠٧٧]

قوله:قال أبو مسعود: حضرت ابومسعود عقبہ بن عمرو بدوی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے یہ حدیث نبی ﷺ سے اسی طرح سنی ہے، یہ معلق روایت مذکورہ سند ہی سے موصول ہے اور وہ روایت مسلم شریف میں ہے، ربعی بن حراش کہتے ہیں: حضرات حذیفہ اور ابومسعود رضی اللہ عنہما اکٹھا ہوئے، پس حضرت حذیفہؓ نے یہ حدیث بیان کی، تو ابومسعودؓ نے فرمایا: **هكذا سمعتُ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم يقول**۔

بَابٌ: هَلْ يُعْطَى أَكْبَرَ مِنْ سِنِّهِ؟

قرض میں لئے ہوئے اونٹ سے بڑا اونٹ دیا جا سکتا ہے؟

کسی نے چار سالہ اونٹ قرض لیا اگر وہ ادائیگی میں پانچ سالہ اونٹ دے تو سبحان اللہ! زیادہ دینے میں کیا حرج ہے!

اورسود کا شبہ نہ کیا جائے، سود اس وقت ہوتا ہے جب زیادتی معاملہ میں شرط ہو، اگر بغیر شرط کے قرض کی ادائیگی میں زیادہ دے تو یہ حسن قضاء ہے۔ اور أکبر مفعول ثانی ہے۔

[٦-] بَابٌ: هَلْ يُعْطَى أَكْبَرَ مِنْ سِنِّهِ؟

[٢٣٩٢-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا يَحْيىَ، عَنْ سُفْيَانَ، ثَنِيْ سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَجُلاً أَتَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَتَقَاضَاهُ بَعِيْرًا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أَعْطُوْهُ" فَقَالُوْا مَا نَجِدُ إِلَّا سِنًّا أَفْضَلَ مِنْ سِنِّهِ، قَالَ الرَّجُلُ: أَوْفَيْتَنِيْ أَوْفَاكَ اللّٰهُ! فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أَعْطُوْهُ فَإِنَّ مِنْ خِيَارِ النَّاسِ أَحْسَنَهُمْ قَضَاءً "[راجع: ٢٣٠٥]

بَابُ حُسْنِ الْقَضَاءِ

بہتر طور پر قرض ادا کرنا

جس طرح قرض کے مطالبہ میں عمدگی ہونی چاہئے، قرض کی ادائیگی میں بھی عمدگی ہونی چاہئے، اور یہ باب اوپر والے باب کی مثال ہے، چار سال کا اونٹ قرض لیا اور پانچ سال کا اونٹ دیا تو یہ حسن قضاء ہے، یا جیسے پانچ سال پہلے پچاس ہزار روپے قرض لئے، اب وہ پچپن ہزار ادا کرے تو یہ بہت اچھی بات ہے۔ کیونکہ قرض دینے والے نے پانچ سال کی زکوۃ دی ہے، اور کرنسی ڈاؤن بھی ہوتی رہتی ہے اس لئے اس کی رعایت کر کے قرض ادا کرنا چاہئے۔

[٧-] بَابُ حُسْنِ الْقَضَاءِ

[٢٣٩٣-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ لِرَجُلٍ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم سِنٌّ مِنَ الإِبِلِ، فَجَاءَ هُ يَتَقَاضَاهُ فَقَالَ:" أَعْطُوْهُ" فَطَلَبُوْا سِنَّهُ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُ إِلَّا سِنًّا فَوْقَهَا، فَقَالَ:" أَعْطُوْهُ" فَقَالَ: أَوْفَيْتَنِيْ أَوْفَى اللّٰهُ بِكَ! قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "إِنَّ خِيَارَكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً"[راجع: ٢٣٠٥]

[٢٣٩٤-] حدثنا خَلَّادُ بْنُ يَحْيىَ، ثَنَا مِسْعَرٌ، ثَنَا مُحَارِبُ بْنُ دِثَارٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ - قَالَ مِسْعَرٌ: أُرَاهُ قَالَ: ضُحًى- فَقَالَ:"صَلِّ رَكْعَتَيْنِ" وَكَانَ لِيْ عَلَيْهِ دَيْنٌ فَقَضَانِيْ وَزَادَنِيْ.[راجع: ٤٤٣]

بَابٌ: إِذَا قَضَى دُوْنَ حَقِّهِ أَوْ حَلَّلَهُ فَهُوَ جَائِزٌ

حق کچھ کم دیا یا معاف کرالیا تو جائز ہے

ہزار روپے قرض لئے یا مبیع کا ثمن ہزار روپے باقی تھا، پھر ساڑھے نوسو دیئے اور کہا: پچاس روپے معاف کردیں، میرے پاس نہیں ہیں، قرض خواہ نے معاف کردیئے یا سارا ہی قرضہ معاف کرالیا تو یہ جائز ہے، اور باب کی حدیث پہلے گذری ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہما کے ابا جنگ احد میں شہید ہوگئے تھے، اور ان پر قرضہ تھا، پس قرض خواہوں نے اپنے حقوق کا شدت سے مطالبہ کیا، حضرت جابرؓ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور ﷺ نے قرض خواہوں سے درخواست کی کہ وہ جابر کے باغ کے پھل لے لیں اور باقی قرضہ معاف کردیں، مگر انھوں نے نہیں مانا، حضورؐ نے ان کے باغ کے پھل ان کو نہیں دیئے، اور فرمایا: صبح میں تمہارے باغ میں آؤں گا، آپ تشریف لے گئے اور کھجور کے باغ میں چکر لگایا اور پھلوں میں برکت کی دعا فرمائی، پس حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے پھل توڑے اور ان کا پورا حق ادا کردیا، پھر بھی کچھ پھل بچ گیا، یہ جو حضور ﷺ نے باقی قرضہ چھوڑنے کی درخواست کی ہے یہی باب سے متعلق ہے۔

[۸-] بَابٌ: إِذَا قَضَى دُوْنَ حَقِّهِ أَوْ حَلَّلَهُ فَهُوَ جَائِزٌ

[۲۳۹۵-] حدثنا عَبْدَانُ، أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، أَنَا يُوْنُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، ثَنِيْ ابْنُ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ جَابِرَ ابْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، أَخْبَرَهُ، أَنَّ أَبَاهُ قُتِلَ يَوْمَ أُحُدٍ شَهِيْدًا وَعَلَيْهِ دَيْنٌ، فَاشْتَدَّ الْغُرَمَاءُ فِيْ حُقُوْقِهِمْ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، فَسَأَلَهُمْ أَنْ يَقْبَلُوْا ثَمَرَ حَائِطِي وَيُحَلِّلُوْا أَبِيْ، فَأَبَوْا، فَلَمْ يُعْطِهِمُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم حَائِطِيْ، وَقَالَ: " سَنَغْدُوْ عَلَيْكَ" فَغَدَا عَلَيْنَا حِيْنَ أَصْبَحَ، فَطَافَ فِي النَّخْلِ، وَدَعَا فِي ثَمَرِهَا بِالْبَرَكَةِ، فَجَدَدْتُهَا فَقَضَيْتُهُمْ وَبَقِيَ لَنَا مِنْ ثَمَرِهَا. [راجع: ۲۱۲۷]

بَابٌ: إِذَا قَاصَّ أَوْ جَازَفَهُ فِي الدَّيْنِ فَهُوَ جَائِزٌ تَمْرًا بِتَمْرٍ أَوْ غَيْرِهِ

واجب قرضہ دوسرے واجب قرضہ کے بدل برابری کے ساتھ یا اٹکل سے چکانا جائز ہے خواہ ہم جنس کے بدل چکائے یا خلاف جنس کے بدل

قَاصَّہ مُقَاصَّۃً: کسی کے ذمہ قرض کو اپنے ذمہ واجب قرض کا بدل قرار دے کر حساب چکانا یا اٹکل سے چکانا: دونوں جائز ہیں، مثلاً کھجور کے بدل کھجور لے یا کوئی اور چیز لے دونوں جائز ہیں، پس یہ مستقل باب نہیں، اوپر والے باب ہی کی ایک صورت ہے، اوپر والا باب تھا: دوسرے کا حق کم دیا اور اس نے مان لیا، یا پورا قرض معاف کرالیا تو یہ جائز ہے، اس کی ایک

صورت یہ ہے کہ زید کا بکر کے ذمہ قرض تھا اور بکر کا زید کے ذمہ، پس دونوں نے قرضوں کو ایک دوسرے کا بدل قرار دے کر حساب چکا دیا یا اندازہ سے حساب چکا دیا اور کم وبیش کا کچھ لحاظ نہیں کیا، نہ ہم جنس کا لحاظ کیا تو یہ جائز ہے، مثلاً ایک شخص کے ذمہ ایک من گیہوں قرض تھے، اور مقروض قرض خواہ کے پاس ہزار روپے مانگتا تھا، پس دونوں نے دونوں قرضے باہم چکا دیئے تو یہ جائز ہے، اور یہ نہ مسئلۃ الظفر ہے نہ بیع، بلکہ دو قرضوں کا باہم ادلا بدلا ہے، پس ہم جنس کے ساتھ یا غیر جنس کے ساتھ قرضہ چکایا جائے اور اس میں کمی بیشی ہو تو کوئی حرج نہیں۔

اور باب میں وہی حدیث ہے جو پہلے گذری ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد شہید ہوئے، ان کے ذمہ ایک یہودی کے تیس وسق چھوہارے تھے، ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے، پس حضرت جابرؓ نے یہودی سے مہلت طلب کی اور کہا: میں یہ قرضہ ایک سال میں نہیں چکا سکتا، دو تین سال میں چکاؤں گا، اس نے مہلت دینے سے انکار کیا اور کہا: میں سارا قرضہ اسی سیزن میں لوں گا، حضرت جابرؓ نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ آپؐ ان کے لئے یہودی کے پاس سفارش کریں، آپؐ نے سفارش کی اور اس سے کہا: باغ کے سارے پھل لے لے اور باقی قرضہ چھوڑ دے، مگر یہودی نے نہیں مانا، پس آپؐ باغ میں تشریف لے گئے اور اس میں گھومے پھر حضرت جابرؓ سے کہا: یہودی کے لئے پھل توڑو، اور اس کا جو حق ہے وہ پورا دیدو، پس حضرت جابرؓ نے حضور ﷺ کے لوٹنے کے بعد پھل توڑے، پس اس کو تیس وسق دیدیئے پھر بھی حضرت جابرؓ کے پاس سترہ وسق بچ گئے، حضرت جابرؓ نے اس کی حضور ﷺ کو اطلاع دی، اس وقت آپؐ عصر کی نماز پڑھ رہے تھے، جب آپؐ کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے قرض نمٹ جانے کی اطلاع دی تو آپؐ نے فرمایا: یہ بات عمر رضی اللہ عنہ کو بھی بتادو، کیونکہ وہ بھی حضرت جابرؓ کے قرض کے بارے میں فکر مند تھے، حضرت جابرؓ نے جب ان کو یہ بتایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں جانتا تھا، جب حضور ﷺ باغ میں گھومے تھے کہ ضرور باغ میں برکت ہوگی۔

اس حدیث میں جو حضور ﷺ نے سفارش کی تھی کہ باغ کے سب پھل اپنے قرض کے بدلے میں لے لو، یہی مقاصّہ ہے اور باغ میں کتنا پھل تھا؟ یہ معلوم نہیں تھا، پس یہ مجازفہ ہے، اور شارحین کرام اس باب میں بہت پریشان ہوئے ہیں، حاشیہ دیکھو، انھوں نے اس باب کو مستقل باب سمجھا ہے، حالانکہ یہ گذشتہ باب ہی کی ایک صورت ہے۔

[٩-] بَابٌ: إِذَا قَاصَّ أَوْ جَازَفَهُ فِي الدَّيْنِ فَهُوَ جَائِزٌ تَمْرًا بِتَمْرٍ أَوْ غَيْرِهِ

[٢٣٩٦-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، ثَنَا أَنَسٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّـهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَاهُ تُوُفِّيَ، وَتَرَكَ عَلَيْهِ ثَلاَثِيْنَ وَسْقًا لِرَجُلٍ مِنَ الْيَهُوْدِ، فَاسْتَنْظَرَهُ جَابِرٌ، فَأَبَى أَنْ يُنْظِرَهُ، فَكَلَّمَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لِيَشْفَعَ لَهُ إِلَيْهِ، فَجَاءَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَكَلَّمَ الْيَهُوْدِيَّ لِيَأْخُذَ ثَمَرَ نَخْلِهِ بِالَّتِي لَهُ، فَأَبَى، فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم النَّخْلَ فَمَشَى فِيْهَا، ثُمَّ قَالَ لِجَابِرٍ: "جُدَّ لَهُ فَأَوْفِ لَهُ الَّذِي لَهُ" فَجَدَّهُ بَعْدَ مَا رَجَعَ رَسُوْلُ

اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم فَأَوْفَاهُ ثَلاَ ثِيْنَ وَسْقًا، وَفَضَلَتْ لَهُ سَبْعَةَ عَشَرَ وَسْقًا، فَجَاءَ جَابِرٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم لِيُخْبِرَهُ بِالَّذِیْ كَانَ، فَوَجَدَهُ يُصَلِّی الْعَصْرَ، فَلَمَّا انْصَرَفَ أَخْبَرَهُ بِالْفَضْلِ، فَقَالَ: "أَخْبِرْ ذٰلِكَ ابْنَ الْخَطَّابِ" فَذَهَبَ جَابِرٌ إِلٰی عُمَرَ فَأَخْبَرَهُ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: لَقَدْ عَلِمْتُ حِيْنَ مَشٰی فِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم لَيُبَارَكَنَّ فِيْهَا. [راجع: ۲۱۲۷]

قوله: أخبره بالفضل: اطلاع دی کہ پھل بچ گیا۔

بَابُ مَنِ اسْتَعَاذَ مِنَ الدَّيْنِ

دَین سے پناہ چاہنا

دَین: ہر وہ مطالبہ ہے جو ذمہ پر واجب ہے، پس دَین قرض سے عام ہے، دَین سے ہمیشہ پناہ مانگنی چاہئے، قرض لئے بغیر گاڑی نہیں چل سکتی، مگر قرض ہے بہت خطرناک چیز، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ نماز میں یہ دعا مانگا کرتے تھے: اللّٰهُمَّ إنی أعوذ بك من الْمَاثَمِ وَالْمَغْرَمِ: اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں گناہ سے اور بوجھ (قرضہ) سے۔ مأثم اور إثم مترادف ہیں، پس کسی نے آپؐ سے پوچھا: یا رسول اللہ! آپؐ بہت زیادہ قرضے سے پناہ مانگتے ہیں یعنی اس کی کیا وجہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: آدمی جب قرض کے بوجھ میں دب جاتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ خلافی کرتا ہے۔ اور ترمذی میں حدیث ہے: إِنَّ نَفْسَ الْمُؤْمِن مُعَلَّقٌ بدَيْنِه: مرنے کے بعد آدمی کی روح اس کے قرضہ میں پھنسی رہتی ہے، اس لئے ہمیشہ قرض سے پناہ مانگنی چاہئے۔

[۱۰-] بَابُ مَنِ اسْتَعَاذَ مِنَ الدَّيْنِ

[۲۳۹۷-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، أَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِیِّ، ح: وَحَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ، حَدَّثَنِیْ أَخِیْ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِیْ عَتِيْقٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم كَانَ يَدْعُوفِی الصَّلاَةِ: "اللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ" فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ: مَا أَكْثَرَ مَا تَسْتَعِيْذُ مِنَ الْمَغْرَمِ! قَالَ: إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا غَرِمَ حَدَّثَ فَكَذَبَ، وَوَعَدَ فَأَخْلَفَ" [راجع: ۸۴۳]

بَابُ الصَّلاَةِ عَلٰی مَنْ تَرَكَ دَيْنًا

مقروض کی نماز جنازہ پڑھنا

کچھ گناہ ایسے ہیں جن پر روک لگانے کے لئے نبی ﷺ ان گناہ کرنے والوں کی نماز جنازہ نہیں پڑھاتے تھے، جیسے

خودکشی کرنے والے کا جنازہ نہیں پڑھاتے تھے، تاکہ خودکشی کا سلسلہ رکے، آدمی سوچے کہ اگر میں خودکشی کروں گا تو میرا جنازہ آپ ﷺ نہیں پڑھائیں گے، اس لئے وہ خودکشی پر اقدام نہیں کرے گا۔

اسی طرح اگر کوئی مقروض مرتا، اور بھرپائی کا سامان نہیں چھوڑتا تھا تو بھی آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھاتے تھے، تاکہ لوگ قرضوں کی ادائیگی کی فکر کریں، مگر آپ ﷺ کا یہ معمول پہلے تھا بعد میں آپ ﷺ نے اعلان کیا کہ جو مال چھوڑے گا وہ اس کے ورثاء کا ہوگا، اور جو قرضہ چھوڑے گا وہ میرے ذمہ ہوگا، پھر آپ ﷺ نے مقروض کی بھی نماز جنازہ پڑھانی شروع کی، اور مسئلہ یہی ہے کہ مقروض کا جنازہ پڑھنا فرض ہے اگرچہ اس نے قرضہ کی بھرپائی نہ چھوڑی ہو۔

فائدہ: ایسا قرضہ کرنا کہ ترکہ میں بھرپائی ہو یا پسماندگان قابل اعتماد ہوں جو قرضہ ضرور بھریں گے تو ایسا قرضہ کرنا برا نہیں، برا وہ قرضہ ہے جس کے لئے ترکہ میں بھرپائی نہ ہو، اور پسماندگان بھی قابل اعتماد نہ ہوں، ایسا قرضہ بہت خطرناک ہے۔

[۱۱-] بَابُ الصَّلاَةِ عَلَى مَنْ تَرَكَ دَيْنًا

[۲۳۹۸-] حدثنا أَبُوْ الْوَلِيْدِ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "مَنْ تَرَكَ مَالاً فَلِوَرَثَتِهِ، وَمَنْ تَرَكَ كَلًّا فَإِلَيْنَا" [راجع: ۲۲۹۸]

[۲۳۹۹-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثنا أَبُوْ عَامِرٍ، ثَنَا فُلَيْحٌ، عَنْ هِلاَلِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ أَبِيْ عَمْرَةَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَا مِنْ مُؤْمِنٍ إِلاَّ وَأَنَا أَوْلٰى بِهِ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، اقْرَؤُوْا إِنْ شِئْتُمْ: ﴿النَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ﴾ [الأحزاب:٦] فَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ مَاتَ وَتَرَكَ مَالاً فَلْيَرِثْهُ عَصَبَتُهُ مَنْ كَانُوْا، وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضَيَاعًا فَلْيَأْتِنِيْ فَأَنَا مَوْلاَهُ" [راجع: ۲۲۹۸]

بَابُ مَطْلِ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ

مالدار کا ٹول مٹول کرنا ظلم ہے

غریب سے درگذر کرنے اور مالدار کو مہلت دینے کی فضیلت آئی ہے، مگر یہ وہ مالدار ہے جو نادہند نہیں ہے، ٹال مٹول کرنے والا نہیں ہے، دوسرا مقروض وہ ہے جو مالدار ہے مگر اس کی نیت قرض دینے کی نہیں، اس لئے ٹال مٹول کرتا ہے، پس اس کے ساتھ نرمی برتنے کی ضرورت نہیں، اس کو قاضی کے پاس لے جاؤ اور مرغا بنواؤ۔

[۱۲-] بَابُ مَطْلِ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ

[۲۴۰۰-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا عَبْدُ الأَعْلٰى، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ أَخِيْ وَهْبِ بْنِ مُنَبِّهٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ" [راجع: ۲۲۸۷]

بَابٌ: لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالٌ

قرض خواہ کوتیز کلامی کا حق ہے

قرض خواہ کوغصہ ہونے کا اور زور سے بولنے کا اور ڈانٹنے کا حق ہے، اگر یہ باتیں برداشت نہیں تو قرضہ کیوں لیا؟ جب قرضہ لیا ہے تو اس کی تیز کلامی برداشت کرو۔

باب میں ایک معلّق حدیث ہے: لَیُّ الواجدِ یُحِلُّ عِرضَه وعقوبتَه: (قرضہ کے بقدر) مال پانے والے کا ٹال مٹول کرنا اس کی سزا کو اور اس کی آبرو کو حلال کر دیتا ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کی آبرو کو حلال کرتا ہے یعنی قرض خواہ کہہ سکتا ہے: تم نادہند ہو، ٹال مٹول کرتے ہو، شریف آدمی کے لئے اتنی بات ڈوب مرنے کی ہے، اور عقوبت کے معنی انھوں نے کئے ہیں قید کرنا، یعنی قاضی کے پاس لے جانا اور مرغا بنوانا اور حدیث پہلے آئی ہے۔

[۱۳-] بَابٌ: لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالٌ

وَيُذْكَرُ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّـهُ قَالَ: "لَيُّ الْوَاجِدِ يُحِلُّ عِرْضَهُ وَعُقُوْبَتَهُ" قَالَ سُفْيَانُ: "عِرْضُهُ" يَقُوْلُ: مَطَلْتَنِيْ، "وَعُقُوْبَتُهُ" الْحَبْسُ.

[۲۴۰۱-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا يَحْيىَ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم رَجُلٌ يَتَقَاضَاهُ، فَأَغْلَظَ لَهُ، فَهَمَّ بِهِ أَصْحَابُهُ، فَقَالَ: "دَعُوْهُ فَإِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا" [راجع: ۲۳۰۵]

بَابٌ: إِذَا وَجَدَ مَا لَهُ عِنْدَ مُفَلَّسٍ فِي الْبَيْعِ وَالْقَرْضِ وَالْوَدِيْعَةِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ

کوئی اپنا مال دیوالیہ کے پاس پائے: بیع قرض اور امانت میں تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے

اب تفلیس کا بیان شروع کرتے ہیں، تفلیس کے معنی ہیں: دیوالیہ قرار دینا، یعنی قاضی اعلان کر دے کہ فلاں کو دیوالیہ قرار دیا گیا ہے، قاضی کا یہ عمل تفلیس ہے اور قاضی مفلِّس (اسم فاعل) ہے اور دیوالیہ مفلَّس (اسم مفعول) ہے اب کوئی اس کے ساتھ معاملہ نہیں کرے گا، نہ بیچے گا نہ خریدے گا اور جن لوگوں کے قرضے اس کے ذمہ ہیں وہ ابھی نہیں مانگیں گے، جب اس کے پاس مال آئے گا تب وہ ادا کرے گا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ کوئی شخص معاملات میں بیوقوف ہے، بے ڈھنگے تصرفات کرتا ہے، اور اس کی وجہ سے وہ بھاری قرضہ میں دب گیا ہے، قرض خواہ ہر وقت اس کو پریشان کرتے ہیں، اور اس کے پاس ادائیگی کے لئے کچھ نہیں، پھر بھی وہ اوندھے سیدھے دھندھوں سے باز نہیں آتا اور دن بہ دن قرض بڑھتا جاتا ہے، ایسی صورت میں قاضی اس کو دیوالیہ اور اس

کے تصرفات کو غیر نافذ قرار دے گا، اور اس کے پاس جو کچھ ہے اس پر قبضہ کرے گا، رہنے کا گھر، گذارہ کا سامان اور حاجاتِ اصلیہ چھوڑ دے گا، باقی جو کچھ زائد ہے وہ سب قاضی بیچ دے گا، اور تمام قرض خواہوں کے قرضے نوٹ کرلے گا، پھر جس کے حصہ میں جمع شدہ رقم میں سے جتنا آئے گا وہ اس کو دیدے گا، باقی کے لئے قرض خواہوں سے کہہ دے گا: تم ابھی کچھ نہیں مانگ سکتے، جب اس کے پاس کہیں سے مال آئے گا تب وہ تمہارا قرضہ ادا کرے گا۔

اس کے بعد تین مسئلے ہیں، ان میں حجازی اور عراقی فقہاء میں اختلاف ہوا ہے، اور اختلاف نص فہمی کا ہے، باب میں جو فی البیع والقرض والودیعة ہے اس میں یہی تین مسئلے ذکر کئے ہیں، اور فی البیع جار مجرور وَجَدَ سے متعلق ہیں۔

پہلا مسئلہ: قاضی نے جس کو دیوالیہ قرار دیا اس نے کسی سے بھینس خریدی ہے اور اس کا ثمن باقی ہے اور وہ بھینس دیوالیہ کے پاس بعینہٖ موجود ہے تو یہ بھینس بائع لے جائے گا یا وہ فروخت کی جائے گی، اور بائع قرض خواہوں کی لائن میں کھڑا ہوگا؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وہ لائن میں کھڑا نہیں ہوگا، وہ اپنی بھینس لے جائے گا، یہ بھینس بائع کا سامان ہے جو دیوالیہ کے پاس بعینہٖ موجود ہے، اور احناف کہتے ہیں: بھینس بائع کی نہیں رہی، تبدل ملک سے تبدل شئ ہوجاتی ہے، پس اس بھینس کو قاضی بیچے گا اور بائع قرض خواہوں کی لائن میں کھڑا ہوگا، اس کے حصہ میں جتنی رقم آئے گی لے گا اور باقی باقی۔

دوسرا مسئلہ: کسی نے ایک من گیہوں کھیت میں بونے کے لئے قرض لئے، ابھی بوئے نہیں تھے کہ قاضی نے اس کو دیوالیہ قرار دیدیا۔ گیہوں اس کے پاس بعینہٖ موجود ہیں تو یہ گیہوں قرض دینے والا لے جائے گا یا ان کو بھی فروخت کیا جائے گا؟ احناف کہتے ہیں: یہ گیہوں فروخت ہونگے، کیونکہ یہ اب قرض دینے والے کا مال نہیں رہا، ملکیت بدل گئی پس اس کا مالک دیوالیہ ہے اور ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں: یہ گیہوں فروخت نہیں کئے جائیں گے بلکہ قرض دینے والا لے جائے گا۔

تیسرا مسئلہ: کسی نے کسی کے پاس امانت رکھی یا کوئی چیز غصب کی یا عاریت پر لایا اور وہ چیز دیوالیہ کے پاس بعینہٖ موجود ہے تو تمام ائمہ متفق ہیں کہ یہ چیزیں فروخت نہیں کی جائیں گی، مغصوبہ چیز غاصب کو، امانت مودِع کو اور عاریت مُعیر کو دیدی جائے گی، کیونکہ غصب، امانت اور عاریت میں ملکیت نہیں بدلتی، اور اگر اس کو دیوالیہ نے خرد برد کردیا ہے تو اس کا ضمان اس کے ذمہ واجب ہے، اب ان چیزوں کے مالکان بھی قرض خواہوں کی لائن میں کھڑے ہونگے۔

غرض یہ تین مسئلے ہیں: بیع قرض اور ودیعت، ان میں سے دو میں اختلاف ہے اور ایک متفق علیہ ہے اور یہ اختلاف نص فہمی کا ہے، اس سلسلہ میں ایک تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہے اور ایک مرفوع حدیث ہے، دونوں کو حضرت رحمہ اللہ باب میں لائے ہیں، اور ایک اثر (حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا قول) ہے، حضرت حسنؒ فرماتے ہیں: جب کوئی شخص دیوالیہ ہوگیا اور اس کا دیوالیہ ہونا کھل گیا یعنی قاضی نے اس کے دیوالیہ ہونے کا اعلان کردیا تو اب وہ نہ کوئی غلام آزاد کرسکتا ہے اور نہ کوئی چیز بیچ سکتا ہے اور نہ خرید سکتا ہے۔ حضرت کی یہ بات مسلّم ہے، دیوالیہ قرار دینے سے اس کے تصرفات پر پابندی لگ جاتی ہے، صرف امام اعظم رحمہ اللہ اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آزاد عاقل بالغ کے تصرفات پر پابندی

نہیں لگاسکتے، لیکن صاحبین جمہور کے ساتھ ہیں، اور امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت حبان بن منقذؓ پر پابندی نہیں لگائی تھی، بلکہ ان کو ایک ترکیب بتائی تھی جس سے ان کا کاروبار ٹھپ پڑ گیا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فیصلہ: یہ ہے کہ جس نے اپنے حق میں سے وصول کرلیا دیوالیہ قرار دیئے جانے سے پہلے تو وہ اس کا ہوگیا، یعنی کسی مقروض نے اپنا قرضہ دیوالیہ قرار دیئے جانے سے پہلے کسی طرح وصول کرلیا تو وہ اس کا ہوگیا، اب اس کو واپس نہیں لوٹایا جائے گا۔

اور دوسری بات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ فرمائی کہ جس نے اپنا سامان بعینہٖ پہچانا تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے مگر آئندہ حدیث کے سمجھنے میں جو اختلاف ہوا ہے وہی اختلاف یہاں بھی ہوگا۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: مَن أدرك مالَه بعينه عند رجل أو: إنسان قد أُفلس فهو أحقُّ به من غيره: جس نے اپنا مال بعینہٖ پایا ایسے شخص کے پاس جس کو دیوالیہ قرار دیا گیا ہے پس وہ اس مال کا زیادہ حقدار ہے اس کے علاوہ سے۔

اس حدیث میں ماله (اس کا مال) سے کیا مراد ہے؟ ائمہ ثلاثہ اور امام بخاری رحمہم اللہ فرماتے ہیں: یہ ارشاد بیع قرض اور ودیعت سب کو شامل ہے، تینوں صورتوں میں بائع، قرض دینے والا اور امانت رکھنے والا اپنا مال لے جائیں گے، اور حنفیہ کہتے ہیں: بیع اور قرض میں وہ اس کا مال نہیں رہا ملکیت بدلنے سے چیز بدل گئی، اگر بیچنے کے بعد بھی وہ چیز بائع کی رہے گی تو بائع اس کی دوسری بیع کرسکتا ہے، حالانکہ ایسا نہیں کرسکتا، اب وہ چیز اس کی نہیں رہی، صرف غصب میں، امانت میں اور عاریت میں وہ اس کا مال ہے، کیونکہ ملکیت نہیں بدلی، اور ائمہ ثلاثہ ماله میں مجازی معنی مراد لیتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ودیعت اور امانت وغیرہ میں تو آپ حقیقی معنی مراد لیتے ہیں اور بیع اور قرض میں مجازی، جبکہ حقیقت ومجاز کو جمع کرنا جائز نہیں، یا تو حقیقی معنی لیں یا مجازی، دونوں کو ایک ساتھ جمع نہیں کرسکتے۔

[١٤-] بَابٌ: إِذَا وَجَدَ مَا لَهُ عِنْدَ مُفَلَّسٍ فِي الْبَيْعِ وَالْقَرْضِ وَالْوَدِيْعَةِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ

[١-] وَقَالَ الْحَسَنُ: إِذَا أَفْلَسَ وَتَبَيَّنَ لَمْ يَجُزْ عِتْقُهُ وَلاَ بَيْعُهُ وَلاَ شِرَاؤُهُ.

[٢-] وَقَالَ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ: قَضَى عُثْمَانُ: مَنِ اقْتَضَى مِنْ حَقِّهِ قَبْلَ أَنْ يُفَلَّسَ فَهُوَ لَهُ، وَمَنْ عَرَفَ مَتَاعَهُ بِعَيْنِهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ.

[٢٤٠٢-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ، ثَنَا زُهَيْرٌ، ثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ: أَخْبَرَنِيْ أَبُوْ بَكْرِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ أَخْبَرَهُ، أَنَّ أَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم - أَوْ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ- :" مَنْ أَدْرَكَ مَالَهُ بِعَيْنِهِ عِنْدَ رَجُلٍ أَوْ: إِنْسَانٍ قَدْ أُفْلِسَ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ مِنْ غَيْرِهِ"

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: هٰذَا الإِسْنَادُ كُلُّهُمْ كَانُوْا عَلَى الْقَضَاءِ: يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ، وَأَبُوْ بَكْرِ بْنُ مُحَمَّدٍ، وَعُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ، وَأَبُوْ بَكْرِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، وَأَبُوْ هُرَيْرَةَ، كَانُوْا كُلُّهُمْ عَلَى الْمَدِيْنَةِ.

سند: اس حدیث کی سند کے پانچ راوی مدینہ منورہ کے قاضی رہے ہیں، حضرت عمرؒ بھی خلیفہ بننے سے پہلے مدینہ کے قاضی تھے۔

بَابٌ: مَنْ أَخَّرَ الْغَرِيْمَ إِلَى الْغَدِ أَوْ نَحْوِهِ وَلَمْ يَرَ ذٰلِكَ مَطْلاً

قرض خواہ سے کل پرسوں کا وعدہ کرنا ٹال مٹول نہیں

قرض خواہ آیا، مقروض نے اس سے کہا: آپ کا قرضہ کل دوں گا یا ہفتہ کے بعد دوں گا تو یہ ٹال مٹول نہیں، کیونکہ ایسی تاخیر ہو ہی جاتی ہے، اور حدیث وہ ہے جو پہلے گذری ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قرض خواہوں نے سخت مطالبہ کیا، نبی ﷺ نے ان سے کہا: جابرؓ کے باغ کے سارے پھل لے لو اور باقی قرضہ چھوڑ دو، مگر انھوں نے انکار کیا تو آپؐ نے ان کو باغ نہیں دیا اور نہ باغ کے پھل ان کے لئے توڑے، اور فرمایا: میں آئندہ کل صبح آؤں گا، چنانچہ آپ ہمارے پاس صبح تشریف لائے، پس باغ کے پھلوں میں برکت کی دعا کی، پس حضرت جابرؓ نے ان سب کا قرض چکا دیا۔ اس حدیث میں قرض خواہوں سے آپؐ نے یہ کہا تھا کہ تمہارا قرضہ آئندہ کل دیا جائے گا، یہ ٹال مٹول نہیں۔

[۱۵-] بَابٌ: مَنْ أَخَّرَ الْغَرِيْمَ إِلَى الْغَدِ أَوْ نَحْوِهِ وَلَمْ يَرَ ذٰلِكَ مَطْلاً

وَقَالَ جَابِرٌ: اشْتَدَّ الْغُرَمَاءُ فِيْ حُقُوْقِهِمْ فِي دَيْنِ أَبِيْ، فَسَأَلَهُمُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ يَقْبَلُوْا ثَمَرَ حَائِطِيْ، فَأَبَوْا، فَلَمْ يُعْطِهِمُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الْحَائِطَ، وَلَمْ يَكْسِرْهُ لَهُمْ، وَقَالَ: "سَأَغْدُوْ عَلَيْكَ غَدًا" فَغَدَا عَلَيْنَا حِيْنَ أَصْبَحَ، فَدَعَا فِيْ ثَمَرِهَا بِالْبَرَكَةِ، فَقَضَيْتُهُمْ.

بَابُ مَنْ بَاعَ مَالَ الْمُفَلَّسِ أَوِ الْمُعْدِمِ فَقَسَمَهُ بَيْنَ الْغُرَمَاءِ أَوْ أَعْطَاهُ حَتَّى يُنْفِقَ عَلٰى نَفْسِهِ

قاضی نے دیوالیہ کا یا نادار کا مال فروخت کیا اور رقم قرض خواہوں میں بانٹ دی، یا اس کو دیدی تاکہ وہ اپنی ضروریات میں خرچ کرے

یہ نیا مسئلہ نہیں، ابھی بتلایا ہے کہ قاضی نے جس کو دیوالیہ قرار دیا ہے اس کی حاجات اصلیہ کو چھوڑ کر باقی سب چیزیں

قاضی بیچ دے گا، اور قرض خواہوں کو رقم حصہ رسد بانٹ دے گا، اور دیوالیہ کے لئے اس کی ضرورت کے بقدر چھوڑ دے گا یا اگر اس پر قرض نہیں ہے مگر وہ نادار ہے تو بھی قاضی اس کا زائد مال فروخت کر کے رقم اسی کو دے گا کہ وہ اپنی ضروریات میں خرچ کرے۔ حضرت حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ پر ان کے گھر والوں نے پابندی لگانے کا مطالبہ کیا تھا، مگر حضور نے ان پر پابندی نہیں لگائی تھی، بلکہ ایک ترکیب بتائی تھی کہ گاہک سے کہا کرو: لاخِلابةَ: سودے میں غل وغش نہیں، ولی الخیار ثلاثة أیام (مستدرک حاکم) اور مجھے تین دن تک بیع رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے، اب ایسے بائع سے کون خریدے گا! چنانچہ آہستہ آہستہ ان کا کاروبار ٹھپ پڑ گیا، اور ان کے گھر والوں کا مقصد حاصل ہو گیا۔

اور باب میں حدیث یہ ہے کہ ایک نادار نے اپنا غلام مدبر بنا دیا تھا، اور اس کے پاس کچھ نہیں تھا، قرض خواہوں نے نبی ﷺ سے اس کی شکایت کی تو آپؐ نے یعنی قاضی نے اس غلام کو بیچ دیا اور قرض خواہوں کا قرضہ چکا دیا، وہ معدم (نادار) تھے، اور دیوالیہ کے بارے میں کوئی روایت نہیں، اس لئے باب میں المعدم کا اضافہ کیا۔

[۱۶-] بَابُ مَنْ بَاعَ مَالَ الْمُفَلَّسِ أَوِ الْمُعْدِمِ فَقَسَمَهُ بَيْنَ الْغُرَمَاءِ أَوْ أَعْطَاهُ حَتَّى يُنْفِقَ عَلٰى نَفْسِهِ

[۲۴۰۳-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، ثنا حُسَيْنٌ الْمُعَلِّمُ، ثَنَا عَطَاءُ بْنُ أَبِى رَبَاحٍ، عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: أَعْتَقَ رَجُلٌ مِنَّا غُلَامًا لَهُ عَنْ دُبُرٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ يَشْتَرِيْهِ مِنِّيْ؟" فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، فَأَخَذَ ثَمَنَهُ فَدَفَعَهُ إِلَيْهِ"[راجع: ۲۱۴۱]

بَابٌ: إِذَا أَقْرَضَهُ إِلٰى أَجَلٍ مُسَمًّى أَوْ أَجَّلَهُ فِى الْبَيْعِ

مقررہ مدت کے لئے کسی کو قرض دیا یا بیع میں کوئی مدت مقرر کی

اس باب میں یہ مسئلہ ہے کہ قرض اور دین میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ کسی کو ہزار روپے ایک مہینہ کے لئے قرض دیئے یا کسی کو کوئی چیز ایک مہینہ کے لئے ادھار بیچی تو اول قرض ہے اور ثانی دین، حنفیہ کے نزدیک قرض اور دین میں فرق ہے، دین میں اگر کوئی مدت مقرر کی ہے تو صاحب دَین مدت پوری ہونے سے پہلے نہیں مانگ سکتا، کیونکہ اجل صلب عقد میں داخل ہو جاتی ہے، اور قرض میں مدت مقرر کرنے کے باوجود کسی بھی وقت مانگ سکتا ہے، کیونکہ یہ اجل صلب عقد میں داخل نہیں ہوتی، اگر چھ مہینہ کے لئے قرض دیا ہے تو اخلاقی بات یہ ہے کہ مقررہ مدت سے پہلے نہ مانگے، لیکن اگر قرض دینے والے کو ایمر جنسی (ناگہانی ضرورت) پیش آجائے تو وہ کسی بھی وقت قرض کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک قرض اور دین میں کوئی فرق نہیں، دونوں میں مقررہ مدت سے پہلے مطالبہ نہیں کر سکتا۔

مسئلہ: اور یہ جو رواج ہے کہ دکان سے سامان لے آتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ پیسے بعد میں دیں گے تو یہ ادھار معاملہ نہیں ہے، کیش خریدنا ہے، بائع کسی بھی وقت ثمن کا مطالبہ کرسکتا ہے، اختلاف اس صورت میں ہے جب ثمن کی ادائیگی کا وقت معاملہ میں طے ہوا ہو، تو یہ ادھار بیچنا ہے، اس میں قبل از وقت ثمن نہیں مانگ سکتا۔

اور باب میں حضرت رحمہ اللہ نے ایک حدیث موقوف، ایک اثر اور ایک حدیث مرفوع پیش کی ہے۔

حدیث موقوف: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اگر کسی کو قرض دیا اور واپسی کی کوئی مدت مقرر کی تو اس کی گنجائش ہے (اس میں کوئی اختلاف نہیں)

دوسری بات حضرت ابن عمرؓ نے یہ فرمائی کہ اگر مقروض نے زیادہ یا بہتر چیز واپس کی تو یہ سود نہیں، سود اس وقت ہوتا ہے جب وہ معاملہ میں شرط ہو (اس کا بھی باب سے کچھ تعلق نہیں)

اثر: دو تابعین: حضرت عطاء اور حضرت عمرو بن دینار رحمہما اللہ فرماتے ہیں: قرض میں بھی مقررہ مدت سے پہلے مانگنا جائز نہیں (مگر یہ تابعین کا فتوی ہے اس کا جواب دینے کی ضرورت نہیں)

حدیث: میں بنی اسرائیل کا وہ واقعہ ہے جو پہلے کئی مرتبہ گذر چکا ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے مقررہ مدت کے لئے قرض لیا تھا، مگر اس میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ وہ مقررہ مدت صلب عقد میں داخل ہوگئی تھی۔

[١٧-] بَابٌ: إِذَا أَقْرَضَهُ إِلٰى أَجَلٍ مُسَمًّى أَوْ أَجَّلَهُ فِي الْبَيْعِ

[١-] وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ فِي الْقَرْضِ إِلٰى أَجَلٍ: لَا بَأْسَ بِهِ، وَإِنْ أُعْطِيَ أَفْضَلَ مِنْ دَرَاهِمِهِ مَا لَمْ يَشْتَرِطْ.

[٢-] وَقَالَ عَطَاءٌ وَعَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ: هُوَ إِلٰى أَجَلِهِ فِي الْقَرْضِ.

[٢٤٠٤-] وَقَالَ اللَّيْثُ: ثَنِيْ جَعْفَرُ بْنُ رَبِيْعَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: أَنَّـهُ ذَكَرَ رَجُلاً مِنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ سَأَلَ بَعْضَ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ أَنْ يُسْلِفَهُ، فَدَفَعَهَا إِلَيْهِ إِلٰى أَجَلٍ مُسَمًّى، فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ. [راجع: ١٤٩٨]

بَابُ الشَّفَاعَةِ فِي وَضْعِ الدَّيْنِ

قرض معاف کرنے کی سفارش کرنا

کوئی مقروض ہے اور کمزور ہے، کسی نے قرض خواہ سے سفارش کی کہ یہ آدمی غریب ہے آپ اس کا قرضہ معاف کردیں یا کم کردیں تو ایسی سفارش کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ بڑا نیکی کا کام ہے۔ اور باب میں وہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ انھوں نے اپنے ابا کے قرض خواہوں سے چاہا تھا کہ وہ کچھ قرض معاف کردیں مگر انھوں نے نہیں مانا تھا، پس

حضرت جابرؓ نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ آپؐ سفارش کریں، چنانچہ آپؐ نے سفارش کی مگر یہودی نے نہیں مانی، اور دوسری حدیث میں اونٹنی خریدنے کا اور بیوہ سے شادی کرنے کا واقعہ ہے، وہ بھی پہلے گذر چکا ہے اور یہ پہلی ہی حدیث ہے، حوالہ دینے کے لئے نمبر الگ ڈالا ہے۔

[۱۸-] بَابُ الشَّفَاعَةِ فِي وَضْعِ الدَّيْنِ

[۲۴۰۵-] حدثنا مُوْسَى، ثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ مُغِيْرَةَ، عَنْ عَامِرٍ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: أُصِيْبَ عَبْدُ اللّٰهِ وَتَرَكَ عِيَالاً وَدَيْنًا، فَطَلَبْتُ إِلٰى أَصْحَابِ الدَّيْنِ أَنْ يَضَعُوْا بَعْضًا، فَأَبَوْا، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَاسْتَشْفَعْتُ بِهِ عَلَيْهِمْ، فَأَبَوْا، فَقَالَ: "صَنِّفْ تَمْرَكَ، كُلَّ شَيْئٍ مِنْهُ عَلٰى حِدَةٍ، عِذْقَ ابْنِ زَيْدٍ عَلٰى حِدَةٍ، وَاللِّيْنَ عَلٰى حِدَةٍ، وَالْعَجْوَةَ عَلٰى حِدَةٍ، ثُمَّ أَحْضِرْهُمْ حَتَّى آتِيَكَ" فَفَعَلْتُ. ثُمَّ جَاءَ فَقَعَدَ عَلَيْهِ، وَكَالَ لِكُلِّ رَجُلٍ، حَتَّى اسْتَوْفٰى وَبَقِيَ التَّمْرُ كَمَا هُوَ كَأَنَّهُ لَمْ يُمَسَّ. [راجع: ۲۱۲۷]

[۲۴۰۶-] وَغَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم عَلٰى نَاضِحٍ لَنَا، فَأَزْحَفَ الْجَمَلُ، فَتَخَلَّفَ عَلَيَّ، فَوَكَزَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مِنْ خَلْفِهِ، قَالَ: "بِعْنِيْهِ وَلَكَ ظَهْرُهُ إِلٰى الْمَدِيْنَةِ" فَلَمَّا دَنَوْنَا اسْتَأْذَنْتُ قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنِّيْ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِعُرْسٍ، قَالَ: "فَمَا تَزَوَّجْتَ؟ بِكْراً أَمْ ثَيِّبًا؟" قُلْتُ: ثَيِّبًا، أُصِيْبَ عَبْدُ اللّٰهِ وَتَرَكَ جَوَارِيَ صِغَارًا، فَتَزَوَّجْتُ ثَيِّبًا تُعَلِّمُهُنَّ وَتُؤَدِّبُهُنَّ، ثُمَّ قَالَ: "ائْتِ أَهْلَكَ" فَقَدِمْتُ فَأَخْبَرْتُ خَالِيْ بِبَيْعِ الْجَمَلِ فَلاَمَنِيْ: فَأَخْبَرْتُهُ بِإِعْيَاءِ الْجَمَلِ، وَبِالَّذِيْ كَانَ مِنَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَوَكْزِهِ إِيَّاهُ، فَلَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم غَدَوْتُ إِلَيْهِ بِالْجَمَلِ فَأَعْطَانِيْ ثَمَنَ الْجَمَلِ، وَالْجَمَلَ، وَسَهْمِيْ مَعَ الْقَوْمِ. [راجع: ۴۴۳]

قوله: صَنِّفْ: اپنی کھجوروں کی قسمیں بناؤ، ان میں سے ہر چیز (نوع) علاحدہ کرو۔

بَابُ مَا يُنْهَى عَنْ إِضَاعَةِ الْمَالِ، وَالْحَجْرِ فِي ذٰلِكَ، وَمَا يُنْهَى عَنِ الْخِدَاعِ

مال برباد کرنے کی ممانعت اور اس سلسلہ میں روک لگانا اور دھوکہ دہی کی ممانعت

اس کتاب کے یہ آخری دو باب دقیق ہیں۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ کے استنباط کے آئینہ دار ہیں، اس باب میں تین باتیں ہیں:

پہلی بات: مال برباد کرنا حرام ہے اور اس کو متعدد آیات سے ثابت کیا ہے، اور آخری حدیث اس سلسلہ میں صریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال ضائع کرنے کو حرام کیا ہے۔

دوسری بات: اگر کوئی ناسمجھ مال برباد کرنے لگے، تو اس پر روک لگا سکتے ہیں، جیسے مالدار شادیوں میں بے حساب خرچ کرتے ہیں اور ان کا یہ عمل غریبوں کے لئے مصیبت بن جاتا ہے، پس اگر حکومت اس سلسلہ میں کوئی قانون بنائے تو ایسا کرسکتی ہے، جیسے الیکشن کے مصارف میں ایسی پابندی حکومت لگاتی ہے۔

تیسری بات: معاملات میں دھوکہ دہی ممنوع ہے، لوگ خفیف العقل کو ٹھگتے ہیں، اس لئے باب میں یہ جزء لائے ہیں۔ حضرت حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے: وہ کاروبار کرتے تھے، اور گھاٹا پاتے تھے، سامان کتنے میں خریدا ہے یہ بھول جاتے تھے، اور اپنے خیال میں نفع رکھ کر بیچتے تھے، اس طرح روز گھاٹا پاتے تھے، ان کے گھر والوں نے نبی ﷺ سے درخواست کی کہ ان کو کاروبار سے روک دیا جائے، آپؐ نے ان کو بلا کر سمجھایا مگر انھوں نے عرض کیا: مجھے کاروبار کئے بغیر چین نہیں آتا، آپؐ نے فرمایا: جب کوئی چیز بیچو تو خریدار سے کہو: لا خِلابة: کوئی دھوکہ نہیں! ولی الخیار ثلاثة أیام: مگر مجھے بیع رکھنے نہ رکھنے کا تین دن تک اختیار ہے، شام کو جب سوچیں گے کہ میں پانچ سو روپے لے کر مارکیٹ گیا تھا، ساڑھے چار سو لے کر واپس آیا، مجھے دھوکہ کہاں ہوا؟ تو ان کو یاد آ جائے گا کہ میں فلاں چیز اتنے میں خرید کر لایا تھا اور اس سے کم میں بیچ دی، پس وہ اس بیع کو ختم کر دیں گے اور نقصان سے بچ جائیں گے۔

اس واقعہ میں جمہور کہتے ہیں: حضرت حبانؓ کی فیملی نے حجر (کاروبار پر پابندی) کا مطالبہ کیا تھا، معلوم ہوا کہ سفیہ کو کاروبار سے روک سکتے ہیں۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آپؐ نے پابندی نہیں لگائی تھی، اگر پابندی لگانا جائز ہوتا تو آپؐ لگا دیتے، بلکہ ایک ایسی تدبیر بتائی کہ نہ سانپ بچا نہ لاٹھی ٹوٹی۔

آیاتِ کریمہ کا حاصل: مال اناپ شناپ مت اڑاؤ، جو ایسا کرتا ہے وہ زمین میں بگاڑ پسند کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ مفسدین کے عمل کو سراہتے نہیں، اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا کہ مال ہمارا ہے، جس طرح چاہیں خرچ کریں، تم کون ہوتے ہو سمجھانے والے! حالانکہ مال اللہ کا ہے، ان کو ہر حکم دینے کا حق ہے۔ اور ناسمجھ یتیموں کے بارے میں فرمایا: ان کا مال ان کو مت دو، وہ ناسمجھی سے اڑا دیں گے اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کیا ہے ماؤں کی نافرمانی کرنا، بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا، دوسروں کو نہ دینا اور دوسروں سے مانگنا اور ناپسند کیا ہے تمہارے لئے قیل وقال (فضول بکواس) کو اور بہ کثرت سوال کرنے کو اور مال ضائع کرنے کو۔

اور اس مسئلہ میں کہ عاقل بالغ پر حجر (پابندی لگانا) جائز ہے یا نہیں؟ میری ناقص رائے یہ ہے کہ پابندی لگانے کی دو صورتیں ہیں: اخلاقی پابندی لگانا اور قانونی پابندی لگانا۔ اخلاقی پابندی ایک طرح کا مشورہ ہوتا ہے اور قانونی پابندی سے تصرفات کالعدم ہو جاتے ہیں، پس سفیہ پر اخلاقی پابندی تو لگا سکتے ہیں اور دیوالیہ قرار دینے کے بعد بڑے معاملات میں قانونی پابندی بھی قاضی لگا سکتا ہے تاکہ دیوالیہ کاروبار کر کے مزید مقروض نہ ہو جائے، اور لوگوں کے اموال ضائع نہ ہوں، مگر روزمرہ کی چیزوں میں اس پر پابندی نہیں لگائی جا سکتی، اگر وہ ماچس بھی خرید کر نہیں لا سکتا تو وہ کیسے زندگی گذارے گا؟

پس امام اعظم رحمہ اللہ کے قول کا مصداق روزمرہ کے معاملات ہیں، اور جمہور بشمول صاحبین وامام بخاری رحمہم اللہ کے اقوال کا مصداق بڑے معاملات ہیں۔ واللہ اعلم

[١٩-] بَابُ مَا يُنْهَى عَنْ إِضَاعَةِ الْمَالِ

[١-] وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿وَاللّٰهُ لاَ يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾[البقرة: ٢٠٥]

[٢-] وَ﴿لاَ يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ﴾[يونس: ٨١]

[٣-] وَقَالَ: ﴿أَصَلوٰتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ نَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَانَشَاءُ﴾[هود: ٨٧]

[٤-] وَقَالَ: ﴿وَلاَ تُؤْتُوْا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمْ﴾[النساء: ٥]

وَالْحَجْرِ فِي ذٰلِكَ، وَمَا يُنْهَى عَنِ الْخِدَاعِ

[٢٤٠٧-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ، سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ قَالَ، قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: إِنِّيْ أُخْدَعُ فِي الْبُيُوْعِ، فَقَالَ: "إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ: لاَ خِلاَبَةَ" فَكَانَ الرَّجُلُ يَقُوْلُهُ. [راجع: ٢١١٧]

[٢٤٠٨-] حدثنا عُثْمَانُ، ثَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ وَرَّادٍ مَوْلَى الْمُغِيْرَةِ، عَنِ الْمُغِيْرَةِ ابْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوْقَ الْأُمَّهَاتِ، وَوَأْدَ الْبَنَاتِ، وَمَنْعًا وَهَاتِ. وَكَرِهَ لَكُمْ قِيْلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ"[راجع: ٨٤٤]

بَابٌ: الْعَبْدُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ، وَلاَ يَعْمَلُ إِلَّا بِإِذْنِهِ

غلام آقا کے مال کا نگہبان ہے اور وہ آقا کی اجازت سے تصرف کرے گا

اس باب کا مقصد حجر (پابندی لگانے) کے لئے ذہن سازی کرنا ہے۔ سفیہ پر حجر کیوں نہیں ہوسکتا؟ شریعت نے عبد مجور پر پابندی لگائی ہے، وہ آقا کی اجازت سے تصرف کرسکتا ہے، اور سفیہ بمنزلہ عبد مجور ہے، پس سفیہ پر بھی حجر ہوسکتا ہے۔ اور حدیث وہی پیش کی ہے جو پہلے آئی ہے، مگر حدیث میں صرف عبد مجور پر حجر نہیں ہے، بلکہ امام پر، صاحب خانہ پر، بیوی اور بیٹے پر بھی پابندی ہے کہ وہ عرف کے مطابق عمل کریں، پس کیا یہ سب سفیہ کی نظیریں ہیں؟ ہاں کوئی عورت بے وقوف ہوسکتی ہے، کوئی بچہ سفیہ ہوسکتا ہے مگر ہر عورت، ہر بچہ، ہر امام اور ہر مرد سفیہ نہیں ہوسکتا، مگر سب عرف کے مطابق عمل کرنے کے پابند ہیں۔

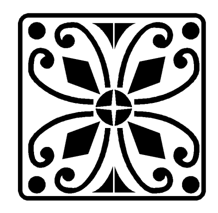
واقعہ: ایک مولانا صاحب نے مسجد میں وعظ کہا، انھوں نے اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے فضائل بیان کئے ان

کی بیوی بھی وعظ سننے والوں میں تھی، وعظ ختم ہوا تو بیوی گھر پہنچی اور سارا گھر غریبوں میں بانٹ دیا، مولانا صاحب جب چائے ناشتہ سے فارغ ہوکر گھر پہنچے تو دیکھا: گھر میں کچھ نہیں، پوچھا: خوش نصیب! کیا ہوا، ڈاکہ پڑا؟ بیوی نے کہا: نہیں، آپ نے اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے فضائل بیان کئے، میں نے اس پر عمل کیا اور سارا سامان غریبوں میں بانٹ دیا، مولانا صاحب سر پکڑ کر رہ گئے، کہنے لگے: ہائے! وہ وعظ ہمارے گھر کے لئے تھوڑے ئے تھا! ایسی کوئی بیوی سفیہ ہوسکتی ہے مگر ہر بیوی ایسی نہیں ہوتی، ایسے ہی ہر غلام ایسا نہیں ہوتا، وہ بڑے معاملات میں مجبور ہوتا ہے، روزہ مرہ کے معاملات کرسکتا ہے۔

[۲۰-] بَابٌ: العَبْدُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ، وَلاَ يَعْمَلُ إِلَّا بِإِذْنِهِ

[۲٤۰۹-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، أَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِيْ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: كُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْؤُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالإِمَامُ رَاعٍ وَهُوَ مَسْؤُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ فِي أَهْلِهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْؤُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ فِيْ بَيْتِ زَوْجِهَا رَاعِيَةٌ وَهِيَ مَسْؤُوْلَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا، وَالْخَادِمُ فِيْ مالِ سَيِّدِهِ رَاعٍ، وَهُوَ مَسْؤُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ" قَالَ: وَسَمِعْتُ هٰؤُلآءِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَأَحْسِبُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِيْ مَالِ أَبِيْهِ وَهُوَ مَسْؤُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ"

[راجع: ۸۹۳]



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فی الْخُصُوْمَاتِ

جھگڑوں کا بیان

خاصَمَه، مُخَاصَمَةً، وَخِصَامًا: جھگڑا کرنا، اسم فاعل: مُخَاصِمْ اور خَصِیْم۔ اور فریقین خصمان کہلاتے ہیں، دنیا جھگڑوں کی جگہ ہے، یہ جنت نہیں ہے، یہاں مختلف اسباب سے جھگڑے ہوتے ہیں، اس سلسلہ کی جو ہدایات ہیں وہ اس کتاب میں مذکور ہیں۔

بَابُ مَا يُذْكَرُ فِي الإِشْخَاصِ، وَالْخُصُوْمَةِ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْيَهُوْدِيِّ

مجرم کو حاضر کرنا، اور مسلمان اور یہودی میں نزاع

أَشْخَصَ فلاناً: حاضر کرنا، جب جھگڑا ہوتا ہے تو مدعی: مدعی علیہ کو کورٹ میں حاضر کرتا ہے یا قاضی بلواتا ہے، یہ اشخاص ہے، اور باب میں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان بھی جھگڑا ہوسکتا ہے، اور اس کتاب کا تیسرا مسئلہ ملازمت ہے، ملازمت کے معنی ہیں: خصم / مجرم کے ساتھ سایے کی طرح لگا رہنا، تا آنکہ وہ حق دیدے یا قاضی کے پاس لے جائے، یہ مسئلہ اس کتاب کے آخر میں ہے، مگر وہاں بھی حضرت نے بسم اللہ لکھی ہے، جس سے دھوکہ ہوتا ہے کہ یہ مستقل کتاب ہے، ایسا نہیں ہے، وہ اسی کتاب کا حصہ ہے۔

باب کی پہلی حدیث میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے ایک آدمی کو سنا وہ ایک آیت پڑھ رہا تھا، اس کے برخلاف جس طرح حضور ﷺ نے وہ آیت مجھے پڑھائی تھی، میں اس کو پکڑ کر حضور ﷺ کے پاس لے گیا، یہ اشخاص ہے۔

اور دوسری حدیث میں یہ واقعہ ہے کہ بازار میں کسی معاملہ میں ایک یہودی نے قسم کھائی کہ اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام جہانوں پر برتری بخشی! وہاں ایک صحابی بھی موجود تھے انھوں نے اس کو تھپڑ مارا اور کہا: کمبخت! حضور ﷺ پر بھی؟ اب یہودی جوابی تھپڑ تو مار نہیں سکتا تھا وہ سیدھا فریاد لے کر حضور ﷺ کے پاس گیا، آپؐ نے ان صحابی کو بلوایا، یہ اشخاص ہے۔

اور تیسری حدیث میں ایک باندی کو جو بکریاں چرا رہی تھی ایک یہودی نے اس کے زیور کے لالچ میں قتل کیا، وہ باندی

مری نہیں تھی، وہ حضور ﷺ کی خدمت میں لائی گئی، اس سے نزعی بیان لیا گیا، اس نے ایک یہودی کا نام لیا، چنانچہ اس یہودی کو پکڑ کر لایا گیا، یہ اشخاص ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

٤٤- فی الخصومات

[١-] بَابُ مَا يُذْكَرُ فِي الإِشْخَاصِ، وَالْخُصُوْمَةِ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْيَهُوْدِيِّ

[٢٤١٠-] حدثنا أَبُوْ الْوَلِيْدِ، ثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مَيْسَرَةَ أَخْبَرَنِيْ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّزَّالَ ابْنَ سَبْرَةَ، سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَجُلاً قَرَأَ آيَةً سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم خِلاَفَهَا، فَأَخَذْتُ بِيَدِهِ، فَأَتَيْتُ بِهِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم، فَقَالَ: "كِلاَكُمَا مُحْسِنٌ" قَالَ شُعْبَةُ: أَظُنُّهُ قَالَ: "لاَ تَخْتَلِفُوْا فَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ اخْتَلَفُوْا فَهَلَكُوْا" [انظر: ٣٤٧٦، ٥٠٦٢]

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے ایک آدمی کو ایک آیت پڑھتے ہوئے سنا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے خلاف سنا تھا، پس میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اس کو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا، (پس آپؐ نے ہم دونوں سے وہ آیت پڑھوائی) اور فرمایا: تم دونوں ہی ٹھیک پڑھتے ہو، شعبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: میرا خیال ہے کہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا: قرآن پڑھنے میں جھگڑا مت کرو، اس لئے کہ جو تم سے پہلے ہوئے ہیں انھوں نے اللہ کی کتاب میں اختلاف کیا پس وہ ہلاک ہوئے۔

تشریح: وہ کون صاحب تھے جو حضرت ابن مسعودؓ کی رائے میں غلط پڑھ رہے تھے؟ معلوم نہیں! اور وہ کونسی آیت تھی؟ یہ بھی معلوم نہیں! اور آپؐ نے جو فرمایا کہ دونوں ٹھیک پڑھ رہے ہو اس کا تعلق أُنزل القرآن علی سبعة أحرف سے ہے، جس کی تفصیل اپنی جگہ آئے گی، اور یہ اس وقت کی بات ہے جب متعدد طرق سے قرآن پڑھنے کی اجازت تھی، پس ہر ایک جس طرح پڑھ رہا تھا ٹھیک پڑھ رہا تھا، بعد میں حضرت عثمانؓ نے سبعۃ احرف کو موقوف کر دیا اور امت کو لغت قریش پر جمع کر دیا، اس لئے اب جیسا قرآن میں ہے اسی طرح پڑھنا ضروری ہے، اس کی تفصیل تحفۃ الالمعی (۷:۹۲-۹۷) میں ہے۔

[٢٤١١-] حدثنا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ، ثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: اسْتَبَّ رَجُلاَنِ: رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَرَجُلٌ مِنَ الْيَهُوْدِ، فَقَالَ الْمُسْلِمُ: وَالَّذِيْ اصْطَفَى مُحَمَّدًا عَلَى الْعَالَمِيْنَ! فَقَالَ الْيَهُوْدِيُّ: وَالَّذِيْ اصْطَفٰى مُوْسَى عَلَى الْعَالَمِيْنَ، فَرَفَعَ الْمُسْلِمُ يَدَهُ عِنْدَ ذٰلِكَ فَلَطَمَ وَجْهَ الْيَهُوْدِيِّ، فَذَهَبَ الْيَهُوْدِيُّ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ

عليه وسلم فَأَخْبَرَهُ بِمَا كَانَ مِنْ أَمْرِهِ وَأَمْرِ الْمُسْلِمِ، فَدَعَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الْمُسْلِمَ، فَسَأَلَهُ عَنْ ذٰلِكَ، فَأَخْبَرَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "لَا تُخَيِّرُوْنِيْ عَلٰى مُوْسَى، فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَصْعَقُ مَعَهُمْ، فَأَكُوْنُ أَوَّلَ مَنْ يُفِيْقُ، فَإِذَا مُوْسَى بَاطِشٌ جَانِبَ الْعَرْشِ، فَلَا أَدْرِيْ أَكَانَ فِيْمَنْ صَعِقَ فَأَفَاقَ قَبْلِيْ، أَوْ كَانَ مِمَّنِ اسْتَثْنَى اللّٰهُ"

[انظر: ٣٤٠٨، ٣٤١٤، ٤٨١٣، ٦٥١٧، ٦٥١٨، ٧٤٢٨]

[٢٤١٢-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا وُهَيْبٌ، ثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم جَالِسٌ جَاءَ يَهُوْدِيٌّ فَقَالَ: يَا أَبَا الْقَاسِمِ! ضَرَبَ وَجْهِيْ رَجُلٌ مَنْ أَصْحَابِكَ، فَقَالَ: "مَنْ؟" قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، قَالَ: "ادْعُوْهُ" فَقَالَ: "أَضَرَبْتَهُ؟" قَالَ: سَمِعْتُهُ بِالسُّوْقِ يَحْلِفُ: وَالَّذِيْ اصْطَفَى مُوْسَى عَلَى الْبَشَرِ! قُلْتُ: أَيْ خَبِيْثُ! عَلٰى مُحَمَّدٍ؟ فَأَخَذَتْنِيْ غَضْبَةٌ، ضَرَبْتُ وَجْهَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "لَا تُخَيِّرُوْا بَيْنَ الْأَنْبِيَاءِ، فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَكُوْنُ أَوَّلَ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ، فَإِذَا أَنَا بِمُوْسَى آخِذٌ بِقَائِمَةٍ مِنْ قَوَائِمِ الْعَرْشِ، فَلَا أَدْرِيْ أَكَانَ فِيْمَنْ صَعِقَ، أَمْ حُوْسِبَ بِصَعْقَةِ الْأُوْلٰى" [انظر: ٣٣٩٨، ٤٦٣٨، ٦٩١٦، ٦٩١٧، ٧٤٢٧]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی میں تو تو میں میں ہوگئی، پس مسلمان نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد ﷺ کو سارے جہانوں پر برگزیدگی بخشی! پس یہودی نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو سارے جہانوں پر برگزیدگی بخشی! پس اس وقت مسلمان نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور یہودی کے چہرے پر تھپڑ مارا، پس یہودی نبی ﷺ کے پاس گیا اور آپ کو اطلاع دی اس بات کی جو اس کے اور مسلمان کے درمیان پیش آئی، پس نبی ﷺ نے مسلمان کو بلوایا (یہاں باب ہے) پس ان سے اس بارے میں پوچھا تو انھوں نے سارا واقعہ بتلایا، پس نبی ﷺ نے فرمایا: مجھے موسیٰ علیہ السلام پر ترجیح مت دو، اس لئے کہ لوگ قیامت کے دن بیہوش ہوجائیں گے، میں بھی ان کے ساتھ بیہوش ہوجاؤں گا، پھر میں سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا، پس اچانک موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے ہوئے ہونگے، پس میں نہیں جانتا کہ وہ بھی بیہوش ہونے والوں میں سے تھے، پھر مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے یا وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کا اللہ تعالیٰ نے استثناء فرمایا ہے۔

اور یہی حدیث دوسرے طریق سے اس طرح ہے: دریں اثناء کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے کہ ایک یہودی آیا اور اس نے کہا: اے ابوالقاسم! آپ کے صحابہ میں سے ایک نے میرے چہرے پر مارا، آپ نے پوچھا: کس نے؟ اس نے کہا: ایک انصاری نے، آپ نے فرمایا: اس کو بلاؤ (یہاں باب ہے) پس آپ نے پوچھا: کیا تو نے اس کو مارا؟ پس انصاری نے جواب دیا کہ میں نے اس کو بازار میں قسم کھاتے ہوئے سنا: قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں

پر برتری بخشی! تو میں نے کہا: او اُلو کے پٹھے! محمد ﷺ پر بھی؟ پس مجھے غصہ آ گیا اور میں نے اس کے چہرے پر مارا، پس نبی ﷺ نے فرمایا: نبیوں کے درمیان مجھے ترجیح مت دو، اس لئے کہ لوگ قیامت کے دن بیہوش ہو جائیں گے، پس میں پہلا وہ شخص ہوؤنگا جس سے زمین پھٹے گی، پس اچانک میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھوں گا کہ وہ عرش کے پایوں میں سے ایک پایہ پکڑے ہوئے ہیں، پس میں نہیں جانتا کہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو بیہوش ہوئے یا ان کی پہلی بیہوشی کے ساتھ حساب چکا دیا گیا۔

تشریح: سورۃ الزمر آیت: ۶۸ ہے: ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِيْ السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ﴾: اور قیامت کے دن صور میں پھونک ماری جائے گی پس تمام آسمان اور زمین والوں کے ہوش اڑ جائیں گے، مگر جس کو خدا چاہے (وہ بیہوش نہیں ہوگا) نبی ﷺ کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے کہ اس وقت موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہونگے یا نہیں؟ یہ مجھے معلوم نہیں! کیونکہ ان کے حق میں سورۃ الاعراف کی آیت: ۱۴۳ میں ہے: ﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا﴾: پس جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کے پرخچے اڑ گئے، اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے، چونکہ موسیٰ علیہ السلام حیاتِ دنیوی میں اللہ تعالیٰ کی تجلی دیکھ کر بے ہوش ہو چکے ہیں، اس لئے قیامت کے دن صور پھونکنے سے بیہوش نہیں ہونگے، پہلی بیہوشی پر اکتفا کر لی جائے گی دوسری مرتبہ وہ بیہوش نہیں ہونگے، ایسا بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ بھی قیامت کے دن بیہوش ہوں اور مجھ سے پہلے ہوش میں آ جائیں، بہر حال یہ موسیٰ علیہ السلام کی ایک جزوی فضیلت ہے اس لئے آپ ؐ نے فرمایا کہ مجھے ان پر ترجیح مت دو۔

فضیلت کی دو قسمیں:

اور فضیلت کی دو قسمیں ہیں: کلی اور جزوی، کلی یعنی بہمہ وجوہ اور جزوی یعنی بعض وجوہ سے۔ اور جزوی فضیلت میں انبیاء کے درمیان تفاضل (کمی بیشی) ہے، اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ، مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ﴾: یہ حضرات مرسلین ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے، مثلاً بعضے ان میں سے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے ہیں، اور بعضوں کو ان میں سے بہت سے درجات سے سرفراز کیا ہے، پس جزوی فضیلتیں تو ہوتی ہیں، مثلاً نوح علیہ السلام اول الرسل ہیں، ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں، موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں اور ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ حبیب اللہ اور خاتم النّبیین ہیں، مگر یہ جزوی فضیلت اس طرح بیان کرنا کہ دوسرے نبی کی تنقیص لازم آئے: درست نہیں، اور فضیلت کلی ہمارے آقا ﷺ کو حاصل ہے، مگر اس کو بھی اس طرح بیان کرنا کہ دوسرے انبیاء کی تنقیص لازم آئے: ممنوع ہے۔

اور واقعہ کی صحیح نوعیت وہ ہے جو دوسری حدیث میں ہے: پہلے یہودی نے قسم کھائی تھی جس سے حضور ﷺ کی توہین لازم آئی تھی، اس لئے وہ چپت کا مستحق تھا، اور اسی لئے آپ ؐ نے قصاص نہیں دلوایا بلکہ مسلمان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی

جزوی فضیلت سمجھائی کہ اگر یہودی نے وہ قسم کھائی تھی تو اس میں غصہ ہونے کی کیا بات تھی؟ آخر موسیٰ علیہ السلام کو قیامت کے دن ایک جزوی فضیلت حاصل ہوگی، جیسے ایک طالب علم دورہ میں اول آیا اور دوسرے کے ترمذی میں نمبر زیادہ ہیں، پس اگر کوئی کہے کہ فلاں کے ترمذی میں نمبر زیادہ ہیں تو یہ بات صحیح ہے، اور اس میں اول نمبر آنے والے کی کوئی توہین نہیں۔

لغات: اِسْتَبَّا: ایک دوسرے کو برا کہنا.......... خَيَّرَ بين الأشياء: دو چیزوں میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا۔

[۲٤۱۳-] حدثنا مُوْسَى، ثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ يَهُوْدِيًّا رَضَّ رَأْسَ جَارِيَةٍ بَيْنَ حَجَرَيْنِ، قِيْلَ: مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِكِ؟ أَفُلَانٌ؟ أَفُلَانٌ؟ حَتّٰى سُمِّيَ الْيَهُوْدِيُّ، فَأَوْمَأَتْ بِرَأْسِهَا، فَأُخِذَ الْيَهُوْدِيُّ فَاعْتَرَفَ فَأَمَرَ بِهِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَرُضَّ رَأْسُهُ بَيْنَ حَجَرَيْنِ.

[انظر: ٢٧٤٦، ٥٢٩٥، ٦٨٧٦، ٦٨٧٧، ٦٨٧٩، ٦٨٨٤، ٦٨٨٥]

وضاحت: ایک یہودی نے دو پتھروں کے درمیان ایک باندی کا سر کچل دیا، وہ بکریاں چرا رہی تھی، اور اس نے چاندی کا زیور پہن رکھا تھا، یہودی نے زیور کے لالچ میں اس کو قتل کر دیا، اور زیور لے کر چل دیا، اس کے خیال میں باندی مرگئی تھی، مگر حقیقت میں مری نہیں تھی، شام کو جب بکریاں گھر نہیں آئیں تو مالک ان کو تلاش کرنے کے لئے جنگل گیا، وہاں دیکھا کہ بکریاں بکھری پڑی ہیں اور باندی بیہوش پڑی ہے، چنانچہ اس کو نبی ﷺ کی خدمت میں لایا گیا اور اس سے شہر کے غنڈوں کے بارے میں نام بہ نام پوچھا گیا: تجھے فلاں نے قتل کیا؟ اس نے نفی میں اشارہ کیا، یہاں تک کہ قاتل یہودی کا نام لیا گیا، تو اس نے اثبات میں اشارہ کیا، چنانچہ وہ یہودی پکڑا گیا، اور اس کو ریمانڈر پر لیا گیا، اس نے اعتراف کیا اور اس نے یہ بھی بتایا کہ زیور فلاں جگہ ہے، چنانچہ اس کو برآمد کیا گیا، پھر باندی مرگئی تو قصاص میں اس یہودی کا سر بھی دو پتھروں کے درمیان کچل دیا گیا۔

مسئلہ: نزعی بیان لے سکتے ہیں، اس حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے، مگر نزعی بیان پر قاضی فیصلہ نہیں کرسکتا، کیونکہ اس وقت پورا ہوش نہیں ہوتا، مگر نزعی بیان کو تحقیقات کا ذریعہ بنا سکتے ہیں، پھر اس پر سزا دیں گے اور رہا یہ مسئلہ کہ قصاص میں مماثلت ضروری ہے یا تلوار سے سر کاٹا جائے گا؟ یہ اختلافی مسئلہ ہے اور اس کی تفصیل تحفۃ الالمعی (۴: ۳۲۷) میں ہے۔ اور ابن ماجہ کی حدیث: لاقود إلا بالسیف: کی اسنادی حالت کی تفصیل عمدۃ القاری میں اسی باب میں ہے۔

بَابُ مَنْ رَدَّ أَمْرَ السَّفِيْهِ وَالضَّعِيْفِ الْعَقْلِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ حَجَرَ عَلَيْهِ الإِمَامُ

جس نے کمزور عقل والے کے تصرف کو کالعدم قرار دیا، اگرچہ حکومت نے اس پر پابندی نہیں لگائی

حجر (پابندی لگانے) کے بعد دیوالیہ کے تصرفات معتبر ہیں یا نہیں؟ یہ اختلافی مسئلہ ہے، اور ابھی گذرا ہے۔ اور معتوہ

(خفیف العقل) کے تصرفات معتبر ہیں یا نہیں جبکہ اس پر قاضی نے کوئی پابندی نہ لگائی ہو؟ مالکیہ کی رائے میں سفیہ کے تصرف کو قاضی رد کرسکتا ہے، یعنی اس کو کالعدم قرار دے سکتا ہے، اگرچہ اس پر قاضی نے پہلے سے کوئی پابندی نہ لگائی ہو، اور دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے جس میں ایک مفلوک الحال نے اپنے غلام کو مدبر بنایا تھا، نبی ﷺ نے اس خیرات کرنے والے کے تصرف کو رد کردیا، اگرچہ پہلے سے کوئی پابندی اس پر نہیں لگائی تھی پھر اس کو روک دیا کہ آئندہ کوئی ایسا تصرف نہ کرے، اس حدیث کا یہ جزء صرف ابوالزبیر حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں اور وہ امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں، اس لئے امام صاحب نے یُذکر (فعل مجہول) استعمال کیا ہے۔ پھر امام مالک رحمہ اللہ کا قول لکھا ہے کہ جب کوئی شخص مقروض ہو اور اس کے پاس صرف غلام ہو اور کوئی دوسرا مال نہ ہو اور وہ اس کو آزاد کردے تو یہ عتق صحیح نہیں، یعنی اس کا یہ تصرف معتبر نہیں، اور دوسرے فقہاء کی رائیں پہلے گذر چکی ہیں، حنفیہ کے نزدیک قاضی تدبیر فسخ کرسکتا ہے پس حضور ﷺ نے آقا کے تصرف کو رد نہیں کیا، بلکہ تدبیر کو فسخ کر کے بیچ دیا تھا۔

[۲-] بَابُ مَنْ رَدَّ أَمْرَ السَّفِيْهِ وَالضَّعِيْفِ الْعَقْلِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ حَجَرَ عَلَيْهِ الإِمَامُ

[۱-] وَيُذْكَرُ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم رَدَّ عَلَى الْمُتَصَدِّقِ قَبْلَ النَّهْيِ، ثُمَّ نَهَاهُ.

[۲-] وَقَالَ مَالِكٌ: إِذَا كَانَ لِرَجُلٍ عَلَى رَجُلٍ مَالٌ، وَلَهُ عَبْدٌ، لاَ شَيْئَ لَهُ غَيْرُهُ، فَأَعْتَقَهُ، لَمْ يَجُزْ عِتْقُهُ.

وضاحت: مدبر بنانا خیرات کرنا ہے، مدبر کو مستقبل میں آزادی کا استحقاق حاصل ہوجاتا ہے اور آزاد کرنا بڑا ثواب کا کام ہے، پس صدقہ بمعنی ثواب ہے............ اور سفیہ اور ضعیف العقل مترادف ہیں، عطف تفسیری ہے۔

بَابُ مَنْ بَاعَ عَلَى الضَّعِيْفِ وَنَحْوِهِ، وَدَفَعَ ثَمَنَهُ إِلَيْهِ، وَأَمَرَهُ بِالإِصْلاَحِ، وَالْقِيَامِ بِشَأْنِهِ، فَإِنْ أَفْسَدَ بَعْدُ مَنَعَهُ

جس نے خفیف العقل کی اور اس جیسے کی چیز بیچ دی اور قیمت اس کو دیدی اور اس کو اصلاح کا اور اپنے احوال ٹھیک کرنے کا حکم دیا، پس اگر وہ اب بھی مال خراب کرے تو اس پر پابندی لگادے

قاضی لوگوں کی مصلحت کا ذمہ دار ہوتا ہے، پس اگر کوئی ضعیف العقل اور مُسرف (مال اڑانے والا) ہو، اور وہ تہی دست ہوجائے تو قاضی اس کی ضرورت سے زائد چیزیں بیچ دے، اور رقم اس کو دیدے، اور اس کو حکم دے کہ پیسے ٹھیک سے استعمال کرے، اور اپنی ضرورت میں خرچ کرے، پھر اگر وہ نہ سنورے اور اناپ شناپ مال اڑاتا پھرے تو قاضی اس کے تصرفات پر پابندی لگادے اس لئے کہ نبی ﷺ نے مال ضائع کرنے سے منع کیا ہے اور حضرت حبانؓ سے جو بیع میں دھوکہ کھاتے

تھے فرمایا: جب تم کوئی چیز بیچو تو کہا کرو: لا خِلابة: معاملہ میں کوئی دھوکہ نہیں، مگر نبی ﷺ نے ان کا مال قبضہ میں نہیں لیا، معلوم ہوا کہ پہلے مرحلہ میں تصرفات پر پابندی نہ لگائے، ہاں جب بات حد سے گذر جائے تو پابندی لگائے، جیسے وہ صحابی جنھوں نے اپنے غلام کو مدبر بنایا تھا اور وہ مقروض تھے اور ان کے پاس کوئی اور مال نہیں تھا تو نبی ﷺ نے ان کے تصرف کو کالعدم قرار دیا اور اس غلام کو بیچ دیا، جس کو نعیم بن نحام نے خریدا۔

[٣-] بَابُ مَنْ بَاعَ عَلَى الضَّعِيْفِ وَنَحْوِهِ، وَدَفَعَ ثَمَنَهُ إِلَيْهِ، وَأَمَرَهُ بِالإِصْلاَحِ، وَالْقِيَامِ بِشَأْنِهِ، فَإِنْ أَفْسَدَ بَعْدُ مَنَعَهُ

لِأَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنْ إِضَاعَةِ الْمَالِ، وَقَالَ لِلَّذِيْ يُخْدَعُ فِي الْبَيْعِ:" إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ: لاَ خِلاَبَةَ"، وَلَمْ يَأْخُذِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مَالَهُ.

[٢٤١٤-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُسْلِمٍ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ رَجُلٌ يُخْدَعُ فِي الْبَيْعِ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم:" إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ: لاَ خِلاَبَةَ"، فَكَانَ يَقُوْلُهُ. [راجع: ٢١١٧]

[٢٤١٥-] حدثنا عَاصِمُ بْنُ عَلِيٍّ، ثَنَا ابْنُ أَبِيْ ذِئْبٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرٍ: أَنَّ رَجُلاً أَعْتَقَ عَبْدًا لَهُ، لَيْسَ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ، فَرَدَّهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَابْتَاعَهُ مِنْهُ نُعَيْمُ بْنُ النَّحَّامِ. [راجع: ٢١٤١]

وضاحت: ہمارے نسخہ میں یہاں باب نہیں ہے، اور ومن باع إلخ ہے، پس یہ گذشتہ باب میں داخل ہے اور گیلری میں اور مصری نسخوں میں باب ہے، ہم نے اس کو لیا ہے اور واؤ حذف کیا ہے۔

بَابُ كَلاَمِ الْخُصُوْمِ بَعْضِهِمْ فِيْ بَعْضٍ

فریقین میں تیز کلامی

جب کوئی نزاع ہوگا تو فریقین کے درمیان بات چیت ہوگی، اور کبھی تیز کلامی بھی ہوجائے گی، اور یہ تیز کلامی کبھی قاضی کے سامنے بھی ہوتی ہے، اور کبھی اس سے پہلے بھی، پس اس کی گنجائش ہے، مگر حد سے نہیں نکلنا چاہئے، الزام اور بہتان تراشی کی نوبت نہیں آنی چاہئے۔

اور باب میں تین حدیثیں ہیں:

پہلی حدیث: گذر چکی ہے حضرت اشعث رضی اللہ عنہ کا ایک یہودی کے ساتھ زمین کا جھگڑا تھا، وہ اس کو یمن سے

مدینہ لے کر آئے، اس مقدمہ میں آپؐ نے حضرت اشعثؓ سے پوچھا: تمہارے پاس گواہ ہے، انھوں نے کہا: نہیں، پس آپؐ نے یہودی سے کہا: قسم کھا، حضرت اشعثؓ نے کہا: یارسول اللہ! یہ تو قسم کھالے گا (یہ تو رجل فاجر ہے!) اور میرا مال ہڑپ کر جائے گا، یہ تیز کلامی ہے۔

دوسری حدیث: کا واقعہ بھی پہلے گذر چکا ہے، کعب بن مالکؓ نے عبداللہ بن ابی حدردؓ سے مسجدِ نبوی میں قرض کا مطالبہ کیا اور دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں، جس کو حضور ﷺ نے گھر میں سے سنا، پس آپؐ نے دونوں کے درمیان صلح کرائی۔

تیسری حدیث: حضرت ہشام جو حکیم بن حزام کے صاحبزادے ہیں اور قریشی ہیں وہ نماز پڑھ رہے تھے اور سورۃ الفرقان کی تلاوت کر رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا کہ وہ کچھ کا کچھ پڑھ رہے ہیں، پس نماز کے بعد ان کو گریبان سے پکڑ کر حضور ﷺ کے پاس لے گئے اور عرض کیا: یہ قرآن غلط پڑھ رہا ہے (یہاں باب ہے) آپؐ نے فرمایا: چھوڑ دو، اور ہشام سے کہا: پڑھو، انھوں نے اسی طرح پڑھا جس طرح نماز میں پڑھ رہے تھے، آپؐ نے فرمایا: هكذا أُنْزِلت: اسی طرح قرآن اتارا گیا ہے، پھر حضرت عمرؓ سے کہا: تم پڑھو، انھوں نے جس طرح سے یاد کیا تھا پڑھا، آپؐ نے فرمایا: هكذا أنزلت: پھر فرمایا: أنزل القرآنُ على سبعة أحرف۔

[٤-] بَابُ كَلَامِ الْخُصُوْمِ بَعْضِهِمْ فِيْ بَعْضٍ

[٢٤١٦و٢٤١٧-] حدثنا مُحَمَّدٌ، أَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيْقٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ، وَهُوَ فِيْهَا فَاجِرٌ، لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ"

قَالَ: فَقَالَ الْأَشْعَثُ: فِيَّ وَاللّٰهِ كَانَ ذٰلِكَ، كَانَ بَيْنَ رَجُلٍ وَبَيْنِيْ أَرْضٌ فَجَحَدَنِيْ، فَقَدَّمْتُهُ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم "أَلَكَ بَيِّنَةٌ؟" قُلْتُ: لَا، قَالَ: فَقَالَ لِلْيَهُوْدِيِّ: "احْلِفْ" قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِذًا يَحْلِفَ وَيَذْهَبَ بِمَالِيْ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ إِلٰى آخِرِ الْآيَةِ[آلِ عمران:٧٧] [راجع: ٢٣٥٦، ٢٣٥٧]

[٢٤١٨-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ، ثَنَا يُوْنُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّـهُ تَقَاضَى ابْنَ أَبِيْ حَدْرَدٍ دَيْنًا كَانَ لَهُ عَلَيْهِ فِي الْمَسْجِدِ، فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا، حَتّٰى سَمِعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ فِيْ بَيْتِهِ، فَخَرَجَ إِلَيْهِمَا حَتّٰى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهِ، فَنَادَى: "يَا كَعْبُ" قَالَ: لَبَّيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: "ضَعْ مِنْ دَيْنِكَ هٰذَا" وَأَوْمَأَ إِلَيْهِ أَيِ الشَّطْرَ، قَالَ: لَقَدْ فَعَلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: "قُمْ فَاقْضِهِ"[راجع: ٤٧٥]

[٢٤١٩-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شَهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ

عَبْدِالرَّحمٰنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيِّ أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، يَقُوْلُ: سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ عَلٰى غَيْرِ مَا أَقْرَؤُهَا، وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَقْرَأَنِيْهَا، وَكِدْتُ أَنْ أَعْجَلَ عَلَيْهِ، ثُمَّ أَمْهَلْتُهُ حَتَّى انْصَرَفَ، ثُمَّ لَبَّبْتُهُ بِرِدَائِهِ فَجِئْتُ بِهِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقُلْتُ: إِنِّيْ سَمِعْتُ هٰذَا يَقْرَأُ عَلٰى غَيْرِ مَا أَقْرَأْتَنِيْهَا، فَقَالَ لِيْ: "أَرْسِلْهُ" ثُمَّ قَالَ لَهُ: "اقْرَأْ" فَقَرَأَ، فَقَالَ: "هٰكَذَا أُنْزِلَتْ" ثُمَّ قَالَ لِيْ: "اقْرَأْ" فَقَرَأْتُ فَقَالَ: "هٰكَذَا أُنْزِلَتْ" إِنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَؤُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ" [انظر: ٤٩٩٢، ٥٠٤١، ٦٩٣٦، ٧٥٥٠]

بَابُ إِخْرَاجِ أَهْلِ الْمَعَاصِيْ وَالْخُصُوْمِ مِنَ الْبُيُوْتِ بَعْدَ الْمَعْرِفَةِ

حقیقت حال جاننے کے بعد گناہ کرنے والوں کو اور جھگڑا کرنے والوں کو گھر سے نکالنا

بعد المعرفة: اچھی طرح تحقیق کرنے کے بعد، **أهل المعاصی:** فساق وفجار، **أهل الخصوم:** جھگڑا کرنے والوں کو ان کے گھروں سے نکالنا، یہ جھگڑا ختم کرنے کی اور گناہوں سے روکنے کی ایک تدبیر بھی ہے اور سزا بھی، اور باب میں حضرت امام صاحبؒ نے دو روایتیں ذکر کی ہیں:

پہلی روایت: جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو چونکہ حادثہ سخت تھا: عورتیں گھر میں زور سے رونے لگیں، روایات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رونے کا بھی ذکر آیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی حیات میں خلیفہ نامزد کئے جاچکے تھے ان کی ذمہ داری تھی کہ اس صورت حال پر قابو پائیں، چنانچہ آپؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ ام فروہؓ کو جو حضرت ابوبکرؓ کی بہن تھیں، گھر سے نکال کر کسی اور جگہ لے جاؤ، چنانچہ ان کو نکالنا تھا کہ رونا دھونا موقوف ہوگیا، پس یہ نوحہ کو روکنے کی ایک تدبیر تھی کوئی سزا نہیں تھی اور رونے والے کو میت کے پاس سے ہٹادیا جائے تو رونا موقوف ہوجاتا ہے

دوسری روایت: جو پہلے گذری ہے: نبی ﷺ نے ایک مرتبہ ارادہ فرمایا کہ مسجد میں نماز شروع کرادیں، پھر آپؐ خدام کے ساتھ بستی کا دورہ کریں اور جو لوگ نماز میں نہیں آئے ان کو گھروں سے نکال کر گھروں کو پھونک دیں، پس یہ گناہ کی مالی سزا ہے۔

ملحوظہ: مگر اس روایت کا یہ مطلب عام طور پر نہیں سمجھا گیا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ متخلفین کو گھروں سے نکلنے نہ دیا جائے، گھروں میں ان کو بند کرکے جلا دیا جائے، مگر پھر آپؐ نے اس پر عمل نہیں کیا کیونکہ گھروں میں عورتیں اور بچے بھی ہوتے ہیں اگر ان کو نکلنے کا موقع دیا جائے گا تو گھر والا بھی بیوی کا برقع اوڑھ کر نکل جائے گا اور حدیث کا یہ جملہ **فأحرق عليهم** دلیل ہے کہ یہی مطلب صحیح ہے۔

[٥-] بَابُ إِخْرَاجِ أَهْلِ الْمَعَاصِيْ وَالْخُصُوْمِ مِنَ الْبُيُوْتِ بَعْدَ الْمَعْرِفَةِ

وَقَدْ أَخْرَجَ عُمَرُ أُخْتَ أَبِيْ بَكْرٍ حِيْنَ نَاحَتْ.

[٢٤٢٠-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَتُقَامَ، ثُمَّ أُخَالِفَ إِلٰى مَنَازِلِ قَوْمٍ لاَ يَشْهَدُوْنَ الصَّلاَ ةَ، فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ"[راجع: ٦٤٤]

بَابُ دَعْوَى الْوَصِيِّ لِلْمَيِّتِ

میت کی طرف سے وصی کا دعوی کرنا

کوئی شخص مرگیا اس کا کوئی وصی ہے وہ میت کی طرف سے کورٹ میں دعوی کرے تو کرسکتا ہے، فتح مکہ کے موقعہ پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کی طرف سے جو کفر کی حالت میں مرگیا تھا اس کی وصیت کے مطابق زمعہ کی باندی کے لڑکے کا دعوی کیا کہ یہ میرا بھتیجا ہے، میرے بھائی کے زنا سے پیدا ہوا ہے، لہٰذا یہ مجھے ملنا چاہئے، دوسری طرف زمعہ کے لڑکے عبد نے اس کے خلاف دعوی کیا کہ یہ میرا بھائی ہے میرے باپ کی باندی سے پیدا ہوا ہے، آپؐ نے فیصلہ کیا: الولد للفراش: مگر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ وہ اپنے اس بھائی سے پردہ کریں۔

[٦-] بَابُ دَعْوَى الْوَصِيِّ لِلْمَيِّتِ

[٢٤٢١-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ عَبْدَ بْنَ زَمْعَةَ وَسَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ اخْتَصَمَا إِلٰى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي ابْنِ أَمَةِ زَمْعَةَ، فَقَالَ سَعْدٌ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَوْصَانِي أَخِيْ: إِذَا قَدِمْتَ أَنِ انْظُرْ ابْنَ أَمَةِ زَمْعَةَ فَاقْبِضْهُ فَإِنَّهُ ابْنِيْ، وَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ: أَخِيْ وَابْنُ أَمَةِ أَبِيْ، وُلِدَ عَلٰى فِرَاشِ أَبِيْ، فَرَأَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم شَبَهًا بَيِّنًا بِعُتْبَةَ، فَقَالَ:" هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ بْنَ زَمْعَةَ، الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ، وَاحْتَجِبِيْ مِنْهُ يَا سَوْدَةُ" [راجع: ٢٠٥٣]

قوله: أوصاني: مجھے میرے بھائی نے وصیت کی ہے کہ جب تم مکہ جاؤ تو زمعہ کی باندی کے لڑکے کو دیکھنا یعنی تلاش کرنا، پس اس کو اپنے قبضہ میں لے لینا، کیونکہ وہ میرا بیٹا ہے۔

بَابُ التَّوَثُّقِ مِمَّنْ تُخْشَى مَعَرَّتُهُ

جس کے فساد کا اندیشہ ہو اس کو پابند کرنا

التوثُّق کے معنی ہیں: مضبوط کرنا، پابند کرنا، بیڑ باندھنا۔ اور **مَعَرَّة** کے معنی ہیں: فساد، بگاڑ، جس کے بارے میں اندیشہ ہو کہ وہ کوئی گڑبڑ کرے گا تو اس کو پابند کیا جاسکتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ اسلام میں جیل کی سزا نہیں ہے البتہ حوالات کی سزا ہے، کسی مجرم کے بارے میں اندیشہ ہو کہ وہ بھاگ جائے گا تو اس کو پابند کیا جا سکتا ہے، کسی کوٹھڑی میں بند کردیں، پیروں میں بیڑیاں ڈال دیں، مسجد کے ستون سے باندھ دیں، یا اور کسی طریقہ سے پابند کردیں تا کہ بھاگ نہ جائے۔

حضرت عکرمہؒ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ ہیں اور جو اپنے مولیٰ کی اکثر روایات کے راوی ہیں، اور امام اعظم رحمہ اللہ کے استاذ ہیں: وہ حضرت ابن عباسؓ کی ملکیت میں اس وقت آئے تھے جب ابن عباسؓ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بصرہ کے گورنر تھے، ابن عباسؓ نے ان کو آزاد کیا اور پڑھنے میں لگایا مگر وہ پڑھنے سے جی چراتے تھے، بھاگ جاتے تھے، حضرت ابن عباسؓ نے ان کے پیروں میں بیڑیاں ڈال دی تھیں اس طرح ان کو زبردستی پڑھایا بعد میں وہ تفسیر وحدیث کے زبردست عالم بنے۔

اور حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ جب گرفتار کر کے مدینہ لائے گئے جو قبیلہ بنو حنیفہ کے تھے اور یمامہ کے سردار تھے تو ان کو مسجدِ نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا گیا تھا تا کہ بھاگ نہ جائیں، پھر نبی ﷺ ان کے پاس سے گذرے اور پوچھا: تمہارا کیا خیال ہے: میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟ انھوں نے جواب دیا: میں بہتر معاملہ کی امید رکھتا ہوں، چنانچہ تیسرے دن ان کو آزاد کردیا گیا وہ ایک باغ میں گئے، نہا کر آئے اور مسلمان ہو گئے۔ اس طرح کوئی بھی مجرم جس کے بھاگ جانے کا اندیشہ ہو اسے حوالات میں بند کر سکتے ہیں۔

[۷-] بَابُ التَّوَثُّقِ مِمَّنْ تُخْشَى مَعَرَّتُهُ

وَقَيَّدَ ابْنُ عَبَّاسٍ عِكْرِمَةَ عَلٰى تَعْلِيْمِ الْقُرْآنِ وَالسُّنَنِ وَالْفَرَائِضِ.

[۲٤۲۲-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِيْ سَعِيْدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُوْلُ: بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم خَيْلاً قِبَلَ نَجْدٍ، فَجَاءَ تْ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِيْ حَنِيْفَةَ يُقَالُ لَهُ: ثُمَامَةُ بْنُ أُثَالٍ، سَيِّدُ أَهْلِ الْيَمَامَةِ، فَرَبَطُوْهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِيْ الْمَسْجِدِ، فَخَرَجَ إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: "مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ؟" قَالَ: عِنْدِيْ يَا مُحَمَّدُ خَيْرٌ، فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ فَقَالَ: "أَطْلِقُوْا ثُمَامَةَ"

[راجع: ٤٦٢]

بَابُ الرَّبْطِ وَالْحَبْسِ فِي الْحَرَمِ

حرم میں باندھنا اور قید کرنا

حرم جائے امن ہے، ارشاد پاک ہے: ﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا﴾: جو حرم میں آ گیا وہ بے خوف ہو گیا، چنانچہ حضرت طاوس رحمہ اللہ جو بڑے آدمی ہیں اور مکہ کے باشندے ہیں: ان کے نزدیک حرم مکی میں کسی کو باندھنا اور قید کرنا جائز نہیں تھا،

مگر جمہور کے نزدیک مادون النفس جنایات میں بالاتفاق حرم میں سزا دی جاسکتی ہے، پس جو شخص کسی جرم میں پکڑا گیا اور ابھی اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں ہوا، اسے حرم میں حوالات میں بند کر سکتے ہیں۔

نافع (مکہ مکرمہ کے گورنر) نے مکہ میں حضرت صفوان سے جیل خانہ کے لئے چار سو دینار میں ایک گھر خریدا اور ان سے کہا: اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ گھر اس قیمت پر پسند آیا تو سودا ان کے لئے ہے، اور اگر ان کو پسند نہ آیا تو چار سو دینار میں یہ گھر میں لے لوں گا۔ معلوم ہوا کہ مکہ میں بھی جیل بنا سکتے ہیں، اور اسی طرح حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے بھی مکہ میں مجرم کو جیل میں بند کیا ہے، مگر یہ جیل حوالات والی جیل ہے، کیونکہ اسلام میں جیل کی کوئی سزا نہیں۔

اور حضرت ثمامہؓ کو مسجد نبوی میں باندھا گیا تھا اور مدینہ کا بھی حرم ہے اور جو حکم اس حرم کا ہے وہی حکم مکی حرم کا ہے۔

[۸-] بَابُ الرَّبْطِ وَالْحَبْسِ فِي الْحَرَمِ

[۱-] وَاشْتَرَى نَافِعُ بْنُ عَبْدِ الْحَارِثِ دَارًا لِلسِّجْنِ بِمَكَّةَ مِنْ صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ عَلٰى إِنْ عُمَرُ رَضِيَ بِالْبَيْعِ فَالْبَيْعُ بَيْعُهُ، وَإِنْ لَمْ يَرْضَ عُمَرُ فَلِصَفْوَانَ أَرْبَعُ مِائَةِ دِيْنَارٍ.

[۲-] وَسَجَنَ ابْنُ الزُّبَيْرِ بِمَكَّةَ.

[۲۴۲۳-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، ثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، حَدَّثَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ سَعِيْدٍ، سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: بَعَثَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم خَيْلاً قِبَلَ نَجْدٍ فَجَاءَ تْ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِيْ حَنِيْفَةَ يُقَالُ لَهُ: ثُمَامَةُ بْنُ أُثَالٍ، فَرَبَطُوْهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِيْ الْمَسْجِدِ. [راجع: ۴۶۲]

بَابٌ: فِي الْمُلاَزَمَةِ

ساتھ لگے رہنا

ملازمت کے معنی ہیں: سایہ کی طرح ساتھ لگا رہنا، اگر کوئی نادہند مقروض کے ساتھ لگا رہے تو یہ جائز ہے، اور یہ بھی ایک طرح کی سزا ہے، کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا عبداللہ بن ابی حدردؓ پر قرضہ تھا، مسجد نبوی میں ان سے ملاقات ہوئی، وہ ان کے ساتھ لگ گئے اور کہا: جب تک قرضہ نہیں لوں گا چھوڑوں گا نہیں، دونوں زور زور سے بولنے لگے، نبی ﷺ نے گھر میں سے سنا تو مصالحت کرائی کہ آدھا قرضہ چھوڑ دو اور آدھا فوراً ادا کرو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[۹-] بَابٌ: فِي الْمُلاَزَمَةِ

[۲۴۲۴-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ جَعْفَرٍ، وَقَالَ غَيْرُهُ: ثَنِي اللَّيْثُ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ

جَعْفَرُ بْنُ رَبِيْعَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ كَعْبِ ابْنِ مَالِكٍ: أَنَّـهُ كَانَ لَهُ عَلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ حَدْرَدٍ الْأَسْلَمِيِّ دَيْنٌ، فَلَقِيَهُ فَلَزِمَهُ، فَتَكَلَّمَا حَتَّى ارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا فَمَرَّ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: "يَا كَعْبُ" وَأَشَارَ بِيَدِهِ كَأَنَّـهُ يَقُوْلُ: النِّصْفَ، فَأَخَذَ نِصْفَ مَا عَلَيْهِ وَتَرَكَ نِصْفًا. [راجع: ٤٥٧]

بَابُ التَّقَاضِيْ

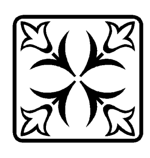
قرض کا تقاضہ کرنا

اگر کسی کا کسی پر کوئی حق ہے تو وہ اس کو مانگ سکتا ہے، اس میں کوئی برائی نہیں، حضرت خباب رضی اللہ عنہ اسلام سے پہلے آہنگر تھے اور ان کے عاص بن وائل پر چند روپے باقی تھے، فرماتے ہیں: میں اس کے پاس اپنے پیسوں کے تقاضہ کے لئے گیا، اس نے کہا: جب تک تو محمد کا انکار نہیں کرے گا میں تیرا قرضہ نہیں دوں گا، حضرت خبابؓ نے کہا: بخدا! میں محمد ﷺ کا انکار نہیں کرسکتا یہاں تک کہ تو مرے پھر زندہ ہو! اس نے کہا: پس مجھے چھوڑ، یعنی ابھی قرضہ مت مانگ، یہاں تک کہ میں مروں پھر زندہ کیا جاؤں، پس اس وقت بھی میرے پاس مال اور اولاد ہوگی، پھر میں تیرا قرضہ ادا کروں گا، اس پر آیت: ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ﴾ نازل ہوئی۔

[١٠-] بَابُ التَّقَاضِيْ

[٢٤٢٥-] حدثنا إِسْحَاقُ، ثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيْرٍ، أَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي الضُّحَى، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ خَبَّابٍ، قَالَ: "كُنْتُ قَيْنًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَكَانَ لِيْ عَلَى الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ دَرَاهِمُ، فَأَتَيْتُهُ أَتَقَاضَاهُ، فَقَالَ: لَا أَقْضِيْ لَهُ حَتَّى تَكْفُرَ بِمُحَمَّدٍ، فَقُلْتُ: لَا وَاللّٰهِ! لَا أَكْفُرُ بِمُحَمَّدٍ حَتَّى يُمِيْتَكَ اللّٰهُ ثُمَّ يَبْعَثَكَ، قَالَ: فَدَعْنِيْ حَتَّى أَمُوْتَ، ثُمَّ أُبْعَثَ، فَأُوْتَى مَالاً وَوَلَدًا، ثُمَّ أَقْضِيَكَ. فَنَزَلَتْ: ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوْتَيَنَّ مَالاً وَوَلَدًا﴾ الآيَةَ [مريم: ٧٧] [راجع: ٢٠٩١]

قوله: لا أقضى له: میں اس کا قرضہ نہیں دونگا، اور مصری نسخہ میں لَا أَقْضِيْكَ ہے۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب اللُقَطَةِ

گری پڑی چیز پانے کا بیان

عربی میں لام پر پیش اور قاف پر زبر ہے اور عام طور پر لوگ قاف کو ساکن پڑھتے ہیں اور خلیل نحوی نے اسی کو اصح قرار دیا ہے، اور لقطہ کے معنی ہیں: زمین میں پڑی ہوئی اٹھائی جانے والی چیز۔

بَابٌ: إِذَا أَخْبَرَهُ رَبُّ اللُّقَطَةِ بِالْعَلاَمَةِ دَفَعَ إِلَيْهِ

جب لقطہ کا مالک علامت بتادے تو اس کو دیدے

کسی کی کوئی گری پڑی چیز ملی، مالک ڈھونڈھتا ہوا آیا اور اس نے ایسی علامتیں بتائیں کہ یقین یا ظن غالب ہوگیا کہ چیز اسی کی ہے تو وہ چیز اس کے حوالہ کردے، اور اگر یقین یا ظن غالب نہ ہو تو گواہ طلب کرے، اس کے بغیر نہ دے۔

حدیث: سوید بن غفلہ کو راستہ میں ایک کوڑا ملا، وہ مسئلہ پوچھنے کے لئے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، حضرت ابیؓ نے کہا: مجھے ایک تھیلی ملی تھی جس میں سو دینار تھے، پس میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؐ نے فرمایا: ایک سال تک اس کے مالک کو ڈھونڈھو، میں نے ایک سال تک ڈھونڈھا مگر اس کا پہچاننے والا کوئی نہیں ملا، پھر میں اس کو لے کر خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا: ایک سال اور مالک کو ڈھونڈھو، چنانچہ میں نے اس کو ڈھونڈھا مگر کوئی نہیں ملا، پھر میں اس کو تیسری مرتبہ لے کر حاضر ہوا، پس آپؐ نے فرمایا: اس کا برتن، اس کی گنتی اور اس کا منہ باندھنے کا تسمہ محفوظ رکھو، پس اگر اس کا مالک آئے تو فبہا ورنہ تم اس سے فائدہ اٹھالو، پس میں نے وہ استعمال کرلئے۔ شعبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: پھر بعد میں میری سلمۃ بن کہیل سے مکہ میں ملاقات ہوئی تو انھوں نے کہا: مجھے یاد نہیں کہ تین سال کہا تھا یا ایک سال۔

تشریح: لقطہ کے مالک کو کتنے دن تلاش کرنا چاہئے؟ اس کے لئے کوئی مدت متعین نہیں، لقطہ کی نوعیت کے اعتبار سے مدت مختلف ہوتی ہے، سو دینار بہت بڑی رقم ہے اس لئے حضور ﷺ نے دو سال یا تین سال تعریف کا حکم دیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

٤٥- كتاب اللقطة

[١-] بَابُ إِذَا أَخْبَرَهُ رَبُّ اللُّقَطَةِ بِالْعَلَامَةِ دَفَعَ إِلَيْهِ

[٢٤٢٦-] حدثنا آدمُ، ثَنَا شُعْبَةُ، ح: وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا غُنْدَرٌ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَلَمَةَ: قَالَ: سَمِعْتُ سُوَيْدَ بْنَ غَفَلَةَ، قَالَ: لَقِيْتُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ، فَقَالَ: أَخَذْتُ صُرَّةً فِيْهَا مِائَةُ دِيْنَارٍ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: "عَرِّفْهَا حَوْلاً" فَعَرَّفْتُهَا، فَلَمْ أَجِدْ مَنْ يَعْرِفُهَا، ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَقَالَ: "عَرِّفْهَا حَوْلاً" فَعَرَّفْتُهَا فَلَمْ أَجِدْ، ثُمَّ أَتَيْتُهُ ثَالِثًا، فَقَالَ: "احْفَظْ وِعَاءَ هَا وَعَدَدَها وَوِكَاءَ هَا: فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا، وَإِلَّا فَاسْتَمْتِعْ بِهَا" فَاسْتَمْتَعْتُ، فَلَقِيْتُهُ بَعْدُ بِمَكَّةَ قَالَ: لَا أَدْرِيْ ثَلَاثَةَ أَحْوَالٍ أَوْ حَوْلاً وَاحِدًا. [انظر: ٢٤٣٧]

لغت: وِعَاء: برتن، تھیلی (ما يُجعل فيه الشيئ)..........وِكاء: تسمہ (الخيط الذى يُشد به الصرة وغيرها)

..........فإن جاء صاحبها کی جزاء محذوف ہے أی فبها ونِعْمَتْ یا فأَدِّها إليه!

بَابُ ضَالَّةِ الإِبِلِ

گم شدہ اونٹ

اونٹوں کا ریوڑ جنگل میں چر رہا تھا ایک اونٹ جنگل میں پیچھے رہ گیا اس کو پکڑ کر گھر لے آنا چاہئے یا نہیں؟ حاشیہ میں لکھا ہے کہ اس میں اختلاف ہے، شافعی اور مالک رحمہما اللہ کے نزدیک اس کو نہیں لانا چاہئے اور کوفی حضرات کہتے ہیں: پکڑ کر گھر لے آئے، اور اس کے مالک کو ڈھونڈھے کیونکہ اگر اس کو نہیں لائے گا تو اونٹ ضائع ہو جائے گا۔

جاننا چاہئے کہ شروع میں تو یہی مسئلہ تھا، جس طرح حدیث میں آیا ہے کہ تمہیں اونٹ سے کیا لینا ہے؟ اس کے ساتھ اس کا مشکیزہ ہے یعنی اس کو کئی دن تک پانی کی ضرورت نہیں پڑتی، اس کے پیٹ میں پانی کا ذخیرہ ہے، اور پیر میں اس نے موزے پہن رکھے ہیں اور جنگل میں پتے بہت ہیں وہ چرتا رہے گا اور کسی درندہ کا خطرہ نہیں، کیونکہ عرب میں بڑے درندے نہیں ہوتے، اس لئے جب شام کو اونٹ گنیں گے اور ایک اونٹ کم پائیں گے تو ڈھونڈھنے کے لئے جنگل میں جائیں گے، اور لے آئیں گے، اور اگر کوئی پکڑ کر گھر لے گیا تو مالک بیچارہ رات بھر جنگل میں پھرتا رہے گا، جیسے درسگاہ میں طالب علم کی کتاب رہ گئی تو اس کو وہیں رہنے دو، کتاب والا خود آ کر لے جائے گا اور اگر کوئی طالب علم اس کو اپنے کمرے میں لے گیا تو کتاب والا پریشان ہوگا۔

یہ مسئلہ تو پہلے تھا، مگر بعد میں احناف نے رائے بدلی، کیونکہ اگر اونٹ کو جنگل میں چھوڑ دیا جائے گا تو اس کو چور یا بدنیت لوگ لے جائیں گے اور کاٹ کر کھا جائیں گے، یا بیچ دیں گے، اس لئے اب مسئلہ یہ ہے کہ اونٹ کو بھی گھر لے آئے، اور مالک کو تلاش کرے۔ غرض حنفیہ کی رائے پہلے وہی تھی جو شوافع اور مالکیہ تھی، بعد میں جب لوگوں کے احوال بگڑے تو حنفیہ نے مسئلہ بدلا۔

حدیث: حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک بدّو نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس نے گری پڑی چیز کے بارے میں پوچھا: آپؐ نے فرمایا: ایک سال تک اس کے مالک کو ڈھونڈھو، پھر برتن کو اور اس کے ڈھکنے کو محفوظ رکھو، پھر اگر کوئی شخص آئے جو آپ کو وہ علامتیں بتلائے تو ٹھیک ہے ورنہ اسے استعمال کرلو، میں نے پوچھا: یارسول اللہ! گم شدہ بکری کا کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا: تیرے لئے یا تیرے بھائی کے لئے یا بھیڑے کے لئے ہے، یعنی اس بکری کو جو جنگل میں ریوڑ سے پیچھے رہ گئی ہے رات میں اس کو بھیڑیا مار ڈالے گا اور اگر تو لے آیا تو مالک کو ڈھونڈھے گا اور وہ مالک تک پہنچ جائے گی، اور اگر مالک نہیں ملا تو تیرے کام آئے گی، اس نے پوچھا: گم شدہ اونٹ کا کیا حکم ہے؟ پس نبی ﷺ کا چہرہ بدل گیا یعنی غصہ آیا اور فرمایا: تجھے اونٹ سے کیا لینا ہے؟ اس کے ساتھ اس کے جوتے اور اس کا مشکیزہ ہے، پانی پر پہنچے گا اور درخت کھائے گا یعنی اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہیں، پس اس کو پکڑ کر گھر نہیں لانا چاہئے۔

[۲-] بَابُ ضَالَّةِ الإِبِلِ

[۲۴۲۷-] حَدَّثَنِیْ عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ، ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ، ثَنَا سُفْیَانُ، عَنْ رَبِیْعَةَ، ثَنِیْ یَزِیْدُ مَوْلَی الْمُنْبَعِثِ، عَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِیِّ، قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِیٌّ إِلَی النَّبِیِّ صلی الله علیه وسلم ، فَسَأَلَهُ عَمَّا یَلْتَقِطُهُ، فَقَالَ: "عَرِّفْهَا سَنَةً، ثُمَّ اعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَ هَا، فَإِنْ جَاءَ أَحَدٌ یُخْبِرُكَ بِهَا، وَإِلَّا فَاسْتَنْفِقْهَا" قَالَ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ، فَضَالَّةُ الْغَنَمِ؟ قَالَ: "لَكَ أَوْ لِأَخِیْكَ أَوْ لِلذِّئْبِ" فَقَالَ: ضَالَّةُ الإِبِلِ؟ فَتَمَعَّرَ وَجْهُ النَّبِیِّ صلی الله علیه وسلم فَقَالَ: "مَالَكَ وَلَهَا؟ مَعَهَا حِذَاؤُهَا وَسِقَاؤُهَا، تَرِدُ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ"[راجع: ۹۱]

لغت: عِفَاص کے دو معنی ہیں: (۱) برتن (۲) ڈھکنا، سرپوش، پس جہاں عفاص اور وعاء دونوں جمع ہوں تو ڈھکنا مراد ہوگا، اور صرف عفاص ہو تو برتن مراد ہوگا، اور مراد وہ آلات ہیں جو نفقہ کی حفاظت کرتے ہیں (فتح)

قولہ: فإن جاء أحد یخبرك: جواب شرط محذوف ہے أی فأد ها إلیه۔

بَابُ ضَالَّةِ الْغَنَمِ

گم شدہ بکری

مسئلہ اور حدیث اوپر والے باب میں آگئے ہیں، مگر چونکہ حضرت کو حدیث تمام سندوں کے ساتھ لانی ہے اس لئے نیا

باب قائم کرکے اسی حدیث کو نئی سند سے لائے ہیں، البتہ اس حدیث میں ایک جزء زائد ہے، یحیٰ انصاری کے استاذ یزید کہتے ہیں: اگر وہ چیز نہ پہچانی جائے تو اس کو پانے والا خرچ کرے، وہ چیز اس کے پاس امانت ہے، یحیٰ کہتے ہیں: یہ آخری جملہ مرفوع ہے یا یزید نے اپنی طرف سے بڑھایا ہے اس کو میں نہیں جانتا۔ دوسرا جملہ یزید نے بکری کے تعلق سے یہ بھی بڑھایا ہے کہ بکری کے مالک کو بھی ڈھونڈھا جائے گا۔

[۳-] بَابُ ضَالَّةِ الْغَنَمِ

[۲۴۲۸-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، حَدَّثَنِيْ سُلَيْمَانُ بْنُ هِلَالٍ، عَنْ يَحْيىَ، عَنْ يَزِيْدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ، أَنَّهُ سَمِعَ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ، يَقُوْلُ: سُئِلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنِ اللُّقَطَةِ، فَزَعَمَ أَنَّهُ قَالَ: "اعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَ هَا، ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً" ـــ يَقُوْلُ يَزِيْدُ: إِنْ لَمْ تُعْرَفِ اسْتَنْفَقَ بِهَا صَاحِبُهَا، وَكَانَتْ وَدِيْعَةً عِنْدَهُ، قَالَ: يَحْيىَ: فَهٰذَا الَّذِيْ لَا أَدْرِيْ أَفِيْ حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، أَمْ شَيْءٌ مِنْ عِنْدِهِ ـــ ثُمَّ قَالَ: كَيْفَ تَرَى فِي ضَالَّةِ الْغَنَمِ؟ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "خُذْهَا فَإِنَّمَا هِيَ لَكَ أَوْ لِأَخِيْكَ أَوْ لِلذِّئْبِ" ـــ قَالَ يَزِيْدُ: وَهِيَ تُعَرَّفُ أَيْضًا ـــ ثُمَّ قَالَ: كَيْفَ تَرَى فِي ضَالَّةِ الْإِبِلِ؟ قَالَ: فَقَالَ: "دَعْهَا فَإِنَّ مَعَهَا حِذَاءَ هَا وَسِقَاءَ هَا تَرِدُ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ حَتَّى يَجِدَهَا رَبُّهَا" [راجع: ۹۱]

بَابٌ: إِذَا لَمْ يُوْجَدْ صَاحِبُ اللُّقَطَةِ بَعْدَ سَنَةٍ فَهِيَ لِمَنْ وَجَدَهَا

سال بھر تعریف کے بعد لقطہ کا مالک نہ ملے تو وہ اس کے لئے ہے جس نے اس کو پایا ہے

حاشیہ میں ہے کہ کرابیسی (حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگرد، جن کی کتاب کا امام طحاویؒ نے رد لکھا ہے) اور داؤد ظاہری (جو کرابیسی کے شاگرد ہیں) کہتے ہیں: اگر ایک سال تک مالک نہ ملے تو اٹھانے والا خود بخود لقطہ کا مالک ہو جاتا ہے، اب اگر مالک آئے بھی تو وہ چیز اس کو نہیں دی جائے گی۔ ان حضرات کا استدلال فشأنك بها سے ہے یعنی تو جو چاہے کر تو اس کا مالک ہے۔ اور جمہور کہتے ہیں: اٹھانے والا مالک کیسے ہوگا؟ وہ چیز مالک ہی کی رہے گی، پھر حنفیہ کہتے ہیں: اگر اٹھانے والا غریب ہے تو بہ نیت تصدق اس کو استعمال کر سکتا ہے اور اگر مالدار ہے تو کسی غریب پر صدقہ کرے پھر اگر مالک آئے تو اس کو صورتِ حال بتلا دے اگر وہ صدقہ کو برقرار رکھے تو سبحان اللہ! ورنہ اپنے پاس سے اس چیز کا بدل دے، اور دیگر ائمہ کہتے ہیں: اٹھانے والا مالدار ہو یا غریب وہ چیز استعمال کر سکتا ہے۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے کیا ہے؟ اس باب میں انھوں نے کرابیسی اور داؤد ظاہری کی رائے پیش کی ہے مگر اس کی تردید نہیں کی، اس لئے امام بخاریؒ پر الزام لگا ہے کہ آپ کی بھی یہی رائے ہے، مگر یہ محض الزام ہے، آگے باب ۹ آرہا ہے

اس میں صراحت ہے کہ وہ چیز اس کے پاس امانت ہے اور حدیث پہلے گذری ہے۔

[٤-] بَابٌ: إِذَا لَمْ يُوْجَدْ صَاحِبُ اللُّقَطَةِ بَعْدَ سَنَةٍ فَهِيَ لِمَنْ وَجَدَهَا

[٢٤٢٩-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، ثَنَا مَالِكٌ، عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ أَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ يَزِيْدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَسَأَلَهُ عَنِ اللُّقَطَةِ، فَقَالَ:" اعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَ هَا، ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا، وَإِلَّا فَشَأْنَكَ بِهَا" قَالَ: فَضَالَّةُ الْغَنَمِ؟ قَالَ:"هِيَ لَكَ أَوْ لِأَخِيْكَ أَوْ لِلذِّئْبِ" قَالَ: فَضَالَّةُ الإِبِلِ؟ قَالَ:" مَا لَكَ وَلَهَا؟ مَعَهَا سِقَاؤُهَا وَحِذَاؤُهَا، تَرِدُ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ حَتَّى يَلْقَاهَا رَبُّهَا"[راجع: ٩١]

بَابٌ: إِذَا وَجَدَ خَشَبَةً فِي الْبَحْرِ أَوْ سَوْطًا أَوْ نَحْوَهُ

سمندر میں کوئی لکڑی یا کوڑا یا اس کے مانند چیز پائے

سمندر میں کوئی لکڑی بہتی ہوئی آئی یا راستہ میں کوئی کوڑا ملا اور اسے کسی نے اٹھالیا تو کیا حکم ہے؟ حضرت رحمہ اللہ نے کوئی حکم نہیں لگایا، پس اس سلسلہ میں قاعدہ کلیہ سننا چاہئے، اگر کوئی شئ تافہ (معمولی چیز) ملے تو اس کا مالک ڈھونڈھنے کی ضرورت نہیں، اور شئ تافہ وہ ہے جس کے بارے میں گمان ہو کہ اس کا مالک اس کو نہیں ڈھونڈھے گا، اور جس چیز کے بارے میں خیال ہو کہ اس کا مالک اس کو ڈھونڈھے گا وہ قیمتی چیز ہے، اس کی تعریف ضروری ہے، اور چیز کی مالیت کے اعتبار سے تعریف کی مدت کم وبیش ہوتی ہے، اور اس کا مدار اس پر ہے کہ جب تک یہ گمان ہو کہ مالک اپنی چیز ڈھونڈھ رہا ہوگا تو اٹھانے والا بھی ڈھونڈھے، اور جب ظن غالب ہو جائے کہ مالک نے مایوس ہو کر ڈھونڈھنا چھوڑ دیا ہوگا تو اٹھانے والا بھی چھوڑ دے، پھر آگے کے احکام ہیں، غریب ہو تو خود استعمال کرسکتا ہے، مالدار ہو تو صدقہ کرے، اور باب میں وہی حدیث ہے جو پہلے بار بار آئی ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک آدمی نے دوسرے سے قرض لیا اور معین مدت پر واپس کرنے کا ارادہ کیا، اس دن قرض خواہ ساحل پر پہنچا کہ شاید مقروض مال لے کر آئے مگر کوئی کشتی نہیں آئی، البتہ ایک لکڑی سمندر میں بہتی ہوئی آرہی تھی، اس نے سوچا: بھاگتے بھوت کی لنگوٹی ہی سہی! وہ سوختہ کے لئے اس لکڑی کو اٹھا لایا، پھر جب اس کو چیرا تو اس میں سے مال نکلا اور خط بھی، یہ تو اتفاق کی بات ہے ورنہ اصل تو وہ سوختہ کے طور پر لکڑی لایا تھا، کیونکہ وہ شئ تافہ تھی، اور اس کا اٹھالینا جائز تھا۔

[٥-] بَابٌ: إِذَا وَجَدَ خَشَبَةً فِي الْبَحْرِ أَوْ سَوْطًا أَوْ نَحْوَهُ

[٢٤٣٠-] وَقَالَ اللَّيْثُ، ثَنِيْ جَعْفَرُ بْنُ رَبِيْعَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: أَنَّهُ ذَكَرَ رَجُلاً مِنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ. وَسَاقَ الْحَدِيْثَ:" فَخَرَجَ يَنْظُرُ

لَعَلَّ مَرْكَبًا قَدْ جاءَ بِمَالِهِ، فَإِذَا هُوَ بِالْخَشَبَةِ، فَأَخَذَهَا لِأَهْلِهِ حَطَبًا، فَلَمَّا نَشَرَهَا وَجَدَ الْمَالَ وَالصَّحِيْفَةَ"
[راجع: ۱٤۹۸]

بَابٌ: إِذَا وَجَدَ تَمْرَةً فِي الطَّرِيْقِ

جب راستہ میں کوئی کھجور ملے

یہ شیئ تافہ کی مثال ہے۔ نبی ﷺ راستہ میں پڑی ہوئی ایک کھجور کے پاس سے گذرے، پس فرمایا: اگر یہ احتمال نہ ہوتا کہ یہ کھجور زکوٰۃ کی ہوگی تو میں اس کو اٹھا کر کھالیتا۔

دوسری حدیث میں ہے کہ میں کبھی گھر لوٹتا ہوں اور اپنے بستر پر کھجور پڑی ہوئی پاتا ہوں، پس میں اس کو کھانے کے لئے اٹھاتا ہوں، پھر خیال آتا ہے کہ شاید زکوٰۃ کی ہو، پس میں اس کو ڈال دیتا ہوں، کیونکہ زکوٰۃ کا مال مسجد میں اور حضور ﷺ کے گھر میں رہتا تھا اور اپنی کھجوریں بھی گھر میں ہوتی تھیں، پس یہ کھجور اپنی ہے یا زکوٰۃ کی؟ دونوں احتمال ہیں اس لئے آپؐ اس کو نہیں کھاتے تھے، بلکہ اس کو زکوٰۃ کی کھجوروں میں ڈال دیتے تھے، قاعدہ ہے: دَعْ مَا يريبك إلى مالا يريبك: کھٹک والی بات چھوڑو، اور بے کھٹک بات اختیار کرو۔

[٦-] بَابٌ: إِذَا وَجَدَ تَمْرَةً فِي الطَّرِيْقِ

[۲٤۳۱-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِتَمْرَةٍ فِي الطَّرِيْقِ، فَقَالَ: " لَوْلَا أَنِّيْ أَخَافُ أَنْ تَكُوْنَ مِنَ الصَّدَقَةِ لَأَكَلْتُهَا"[راجع: ۲۰۵۵]

[۲٤۳۲-] وَقَالَ يَحْيىَ: ثَنَا سُفْيَانُ، ثَنِيْ مَنْصُوْرٌ، ح: وَقَالَ زَائِدَةُ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ الْيَامِيِّ، ثَنَا أَنَسٌ.

حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَنَا عَبْدُ اللهِ، أَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " إِنِّيْ لَأَنْقَلِبُ إِلَى أَهْلِيْ، فَأَجِدُ التَّمْرَةَ سَاقِطَةً عَلَى فِرَاشِيْ، فَأَرْفَعُهَا لِآكُلَهَا، ثُمَّ أَخْشَى أَنْ تَكُوْنَ صَدَقَةً، فَأُلْقِيْهَا"

بَابٌ: كَيْفَ تُعَرَّفُ لُقَطَةُ أَهْلِ مَكَّةَ؟

مکہ والوں کی گری پڑی چیز کا مالک کیسے تلاش کرے؟

مکہ والوں سے مراد حجاج کرام ہیں اگر حرم شریف میں یا منیٰ یا عرفات میں کسی حاجی کی کوئی گری پڑی چیز ملے تو اس کے

مالک کو کیسے تلاش کیا جائے؟ حضرت رحمہ اللہ نے کوئی جواب نہیں دیا، اور جو روایات پیش کی ہیں ان کا مضمون یہ ہے کہ مالک کو تلاش کرنے کی نیت سے حرم کا لقطہ اٹھا سکتے ہیں مگر حدیث کے معنی میں دو احتمال ہیں:

پہلا احتمال: ہڑپ کرنے کی نیت سے نہ اٹھائے ہاں مالک کو تلاش کرنے کی نیت سے اٹھا سکتا ہے۔

دوسرا احتمال: حرم کا لقطہ اٹھانا ہی نہیں چاہئے کیونکہ اس کے مالک کو تلاش کرنا ممکن نہیں، لاکھوں انسان اکٹھا ہوتے ہیں، پس اس کے مالک کو کیسے تلاش کرے گا؟ پس وہ چیز اسی جگہ پڑی رہنے دے۔

مگر اب حکومت نے انتظام کیا ہے حرم شریف میں آفس کھول دیا ہے، جس کو کوئی گری پڑی چیز ملے وہ اس آفس میں پہنچادے اور جس کی چیز گم ہوئی ہے وہ بھی اس آفس میں تلاش کرے، عام طور پر جب مالک وہاں پہنچتا ہے تو اس کی چیز پہلے سے وہاں آچکی ہوتی ہے، لہٰذا حرم کا لقطہ اس آفس میں پہنچا دیا جائے تو اٹھانے والے کی ذمہ داری پوری ہوجائے گی، اور حدیثیں سب پہلے آچکی ہیں۔

[۷-] بَابٌ: كَيْفَ تُعَرَّفُ لُقَطَةُ أَهْلِ مَكَّةَ؟

[۱-] وَقَالَ طَاوُسٌ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" لَا يَلْتَقِطُ لُقَطَتَهَا إِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا"

[۲-] وَقَالَ خَالِدٌ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" لَا يُلْتَقَطُ لُقَطَتُهَا إِلَّا لِمُعَرِّفٍ"

[۲۴۳۳-] وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ سَعِيْدٍ، ثَنَا رَوْحٌ، ثَنَا زَكَرِيَّا، ثَنَا عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " لَا يُعْضَدُ عِضَاهُهَا، وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا، وَلَا تَحِلُّ لُقَطَتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدٍ، وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا" فَقَالَ عَبَّاسٌ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِلَّا الإِذْخِرَ، فَقَالَ:" إِلَّا الإِذْخِرَ"

[راجع: ۱۳۴۹]

[۲۴۳۴-] حدثنا يَحيىَ بْنُ مُوْسَى، ثَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ، ثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، ثَنِي يَحْيىَ بْنُ أَبِي كَثِيْرٍ، ثَنِيْ أَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، ثَنِيْ أَبُوْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: لَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهِ صلى الله عليه وسلم مَكَّةَ، قَامَ فِي النَّاسِ، فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ:" إِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ الْفِيْلَ، وَسَلَّطَ عَلَيْهَا رَسُوْلَهُ وَالْمُؤْمِنِيْنَ، فَإِنَّهَا لَاتَحِلُّ لِأَحَدٍ كَانَ قَبْلِيْ، وَإِنَّهَا أُحِلَّتْ لِيْ سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، وَإِنَّهَا لَنْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِيْ، فَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا وَلَا يُخْتَلٰى شَوْكُهَا، وَلَا تَحِلُّ سَاقِطَتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدٍ، وَمَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيْلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ: إِمَّا أَنْ يُفْدَى، وَإِمَّا أَنْ يُقِيْدَ" فَقَالَ الْعَبَّاسُ: إِلَّا الإِذْخِرَ فَإِنَّا نَجْعَلُهُ لِقُبُوْرِنَا وَبُيُوْتِنَا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: إِلَّا الإِذْخِرَ" فَقَامَ أَبُوْ شَاهٍ - رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ - فَقَالَ:

اكْتُبُوْا لِيْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "اكْتُبُوْا لِأَبِيْ شَاهٍ" قُلْتُ لِلْأَوْزَاعِيِّ: مَا قَوْلُهُ: اكْتُبُوْا لِيْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: هٰذِهِ الْخُطْبَةَ الَّتِيْ سَمِعَهَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم.
[راجع: ۱۱۲]

بَابٌ: لَا تُحْتَلَبُ مَاشِيَةُ أَحَدٍ بِغَيْرِ إِذْنٍ

کسی کے مویشی مالک کی اجازت کے بغیر نہ دوہے جائیں

یہ باب دفع دخل مقدر کے طور پر لایا گیا ہے، کسی کی مملوکہ چیز میں ہاتھ اندر ڈال کر کوئی چیز نکال لے تو یہ لقطہ نہیں، بلکہ چوری ہے، مثلاً بکریوں کے تھن میں جو دودھ ہے وہ مالک کا ہے اس نے تھنوں میں امانت رکھا ہے، پس جنگل میں بکریاں چر رہی ہوں اور کوئی ان کا دودھ نکال لے تو یہ لقطہ نہیں بلکہ چوری ہے، ہاں مالک کی اجازت سے نکال سکتا ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ہرگز نہ دوہے کوئی شخص کسی انسان کی بکریوں کو اس کی اجازت کے بغیر، کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اس کے کمرے میں آیا جائے، پس اس کی الماری توڑی جائے اور اس کا غلہ منتقل کیا جائے؟ لوگوں کے لئے ان کے چوپایوں کے تھن ہی ان کے کھانے جمع کر کے رکھتے ہیں، پس ہرگز نہ دوہے کوئی کسی کے جانوروں کو مگر اس کی اجازت سے۔

لغات: مشربة: (راء کا پیش اور زیر) گھر اور کمرہ .... خِزانة: وہ جگہ یا برتن جس میں کوئی چیز حفاظت کے لئے رکھی جائے .... أطعِمات: أطْعِمَة کی جمع ہے، اور الأطْعِمَة: طعام کی جمع ہے اور مراد دودھ ہے۔

تشریح: نبی ﷺ نے مثال سے سمجھایا ہے کہ کسی کے جانور اس کی اجازت کے بغیر نہ دوہے جائیں، مثال یہ ہے: ایک شخص نے کمرہ میں الماری میں غلہ وغیرہ بند کر کے رکھا ہے پس اگر کوئی اس کے کمرے میں گھس جائے اور الماری توڑ کر کھانا لے جائے تو اس کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ اسی طرح جانوروں کے تھنوں میں لوگوں کے کھانے جمع کر کے رکھے گئے ہیں، پس کوئی بے اجازت ان کو دودھ لے تو کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ اور اگر وہ اس کو لقطہ کی نظیر سمجھے تو یہ اس کی غلط فہمی ہے یہ تو چوری ہے، اور یہی حکم ہر اس چیز کا ہے جو کسی نے محفوظ جگہ میں رکھی ہے، وہاں سے اس کو لینا بحکم لقطہ نہیں، چوری ہے۔

[۸-] بَابٌ: لَا تُحْتَلَبُ مَاشِيَةُ أَحَدٍ بِغَيْرِ إِذْنٍ

[۲٤۳٥-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لَا يَحْلُبَنَّ أَحَدٌ مَاشِيَةَ امْرِئٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِ، أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تُؤْتَى مَشْرُبَتُهُ، فَتُكْسَرَ خِزَانَتُهُ، فَيُنْتَقَلَ طَعَامُهُ؟ فَإِنَّمَا تَخْزُنُ لَهُمْ ضُرُوْعُ مَوَاشِيْهِمْ أَطْعِمَاتِهِمْ، فَلَا يَحْلُبَنَّ أَحَدٌ مَاشِيَةَ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِهِ"

بَابٌ: إِذَاجَاءَ صَاحِبُ اللُّقَطَةِ بَعْدَ سَنَةٍ رَدَّهَا عَلَيْهِ، لِأَنَّهَا وَدِيْعَةٌ عِنْدَهُ

لقطہ کا مالک سال بھر کے بعد آئے تو وہ چیز اس کو واپس کرے اس لئے کہ وہ چیز اس کے پاس امانت ہے

لقطہ کا مالک سال کے بعد آیا تو وہ چیز اس کو واپس کرے اس لئے کہ وہ چیز اس کے پاس امانت ہے۔ پہلے باب آیا تھا کہ کرابیسی اور داؤد ظاہری کہتے ہیں کہ سال کے بعد اٹھانے والا لقطہ کا مالک ہوجاتا ہے، اب یہ باب اس کے خلاف آیا کہ وہ مالک نہیں ہوتا، اس لئے کہ لقطہ اس کے پاس امانت ہے، معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ ان دونوں حضرات کے ساتھ نہیں ہیں، اور حدیث وہی لائے ہیں جو اُس باب میں تھی، مگر وہاں ودیعت کا مضمون تھا، یہاں وہ نہیں ہے مگر ملحوظ ہے۔

[۹-] بَابٌ: إِذَاجَاءَ صَاحِبُ اللُّقَطَةِ بَعْدَ سَنَةٍ رَدَّهَا عَلَيْهِ، لِأَنَّهَا وَدِيْعَةٌ عِنْدَهُ

[۲۴۳۶-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ أَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ يَزِيْدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ اللُّقَطَةِ، قَالَ:" عَرِّفْهَا سَنَةً ثُمَّ اعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَ هَا، ثُمَّ اسْتَنْفِقْ بِهَا، فَإِنْ جَاءَ رَبُّهَا فَأَدِّهَا إِلَيْهِ" فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَضَالَّةُ الْغَنَمِ؟ فَقَالَ:"خُذْهَا فَإِنَّمَا هِيَ لَكَ أَوْ لِأَخِيْكَ أَوْ لِلذِّئْبِ" قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَضَالَّةُ الإِبِلِ؟ قَالَ: فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم حَتَّى احْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ — أَو: احْمَرَّ وَجْهُهُ— ثُمَّ قَالَ:" مَالَكَ وَلَهَا؟ مَعَهَا حِذَاؤُهَا وَسِقَاؤُهَا حَتَّى يَلْقَاهَا رَبُّهَا"[راجع: ۹۱]

بَابٌ: هَلْ يَأْخُذُ اللُّقْطَةَ وَلاَ يَدَعُهَا تَضِيْعَ حَتَّى لاَ يَأْخُذَهَا مَنْ لاَ يَسْتَحِقُّ؟

کیا گری پڑی چیز اٹھالے، اور اس کو چھوڑے نہ رہے کہ ضائع ہوجائے اور وہ شخص اس کو اٹھالے جو اس کا مستحق نہیں؟

کسی جگہ کوئی چیز پڑی ہے تو اس کو وہیں چھوڑے رہے یا اٹھالے؟ اگر وہ چیز محل ضیاع میں ہے، جہاں چھوڑے رکھنے سے اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے تو اٹھالینا چاہئے، تاکہ وہ ضائع نہ ہو یا کوئی بدنیت نہ اٹھالے، کیونکہ یہ بھی ضائع ہونا ہے، میں ایک مرتبہ بارہ تاریخ کو منیٰ سے مکہ آرہا تھا، بھیڑ بہت تھی، میں نے اپنے سامنے دیکھا کہ ایک کتاب پڑی ہے، میں نے بڑھ کر اٹھالی، میں اس کے مالک کو کہاں ڈھونڈھتا، میں نے وہ کتاب پڑھ لی اور دیوبند میں آکر ایک طالب علم کو دیدی، اس کا نام تھا الاشتراكية في الإسلام۔ اگر میں اس کو نہ اٹھاتا تو تھوڑی دیر میں پیروں میں کچل جاتی، اور اگر وہ چیز

محل ضیاع میں نہ ہو تو اس کو نہیں اٹھانا چاہئے، مالک دیر سویر وہاں پہنچ جائے گا۔

اور حدیث وہی ہے جو پہلے آئی ہے، البتہ اس کا ابتدائی حصہ پہلے نہیں آیا۔ سوید بن غفلہ اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ جہاد میں گئے، سوید نے ایک چمڑے کا کوڑا راستہ میں پڑا پایا تو اٹھالیا، ان کے ساتھیوں نے کہا: پڑا رہنے دے، مالک کو کہاں ڈھونڈھتا پھرے گا! انھوں نے کہا: نہیں، رات میں درندے آکر اس کو کھا جائیں گے اور میں اگر مالک کو پاؤں گا تو اس کو پہنچادوں گا ورنہ میں استعمال کروں گا۔ غزوہ سے لوٹنے کے بعد تینوں حج کے لئے گئے۔ حج سے فارغ ہو کر مدینہ آئے تو وہاں سُوید نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ تم نے ٹھیک کیا، میں نے بھی عہد نبوی میں ایک تھیلی پائی تھی جس میں سو دینار تھے، پس میں اس کو لے کر حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوا (الی آخرہ)

[۱۰-] بَابٌ هَلْ يَأْخُذُ اللُّقْطَةَ وَلاَ يَدَعُهَا تَضِيعَ حَتَّى لاَ يَأْخُذَهَا مَنْ لاَ يَسْتَحِقُّ؟

[۲۴۳۷-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، قَالَ: سَمِعْتُ سُوَيْدَ بْنَ غَفَلَةَ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ سَلْمَانَ بْنِ رَبِيْعَةَ، وَزَيْدِ بْنِ صُوْحَانَ فِي غَزَاةٍ، فَوَجَدْتُ سَوْطًا، فَقَالاَ لِيْ: أَلْقِهِ، قُلْتُ: لاَ، وَلٰكِنْ إِنْ وَجَدْتُ صَاحِبَهُ، وَإِلاَّ اسْتَمْتَعْتُ بِهِ. فَلَمَّا رَجَعْنَا حَجَجْنَا فَمَرَرْتُ بِالْمَدِيْنَةِ فَسَأَلْتُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ، فَقَالَ: وَجَدْتُ صُرَّةً عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِيْهَا مِائَةُ دِيْنَارٍ، فَأَتَيْتُ بِهَا النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: " عَرِّفْهَا حَوْلاً، فَعَرَّفْتُهَا حَوْلاً" ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَقَالَ: " عَرِّفْهَا حَوْلاً" فَعَرَّفْتُهَا حَوْلاً ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَقَالَ: " عَرِّفْهَا حَوْلاً" ثُمَّ أَتَيْتُهُ الرَّابِعَةَ فَقَالَ: " اعْرِفْ عِدَّتَهَا وَوِكَاءَ هَا وَوِعَاءَ هَا، فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلاَّ اسْتَمْتِعْ بِهَا" [راجع: ۲۴۲۶]

حدثنا عَبْدَانُ، أَخْبَرَنِيْ أَبِيْ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سَلَمَةَ بِهٰذَا، قَالَ: فَلَقِيْتُهُ بَعْدُ بِمَكَّةَ، فَقَالَ: لاَ أَدْرِيْ ثَلاَثَةَ أَحْوَالٍ أَوْ: حَوْلاً وَاحِدًا.

نوٹ: كنت مع سلمان: ہمارے نسخہ میں مع سلیمان ہے، یہ صحیح نہیں، تصحیح مصری نسخہ سے کی ہے.........قوله: ثم أتيتها الرابعة: خطابیؒ نے أعلام السنن میں لکھا ہے کہ یہ وہم ہے، دیکھتے نہیں کہ راوی کو شک ہے، اور دیگر تمام روایات میں ایک سال کا ذکر ہے، وعليه العمل عند عامة العلماء (۲:۳۸)

بَابٌ: مَنْ عَرَّفَ اللُّقَطَةَ وَلَمْ يَدْفَعْهَا إِلَى السُّلْطَانِ

جس نے لقطہ کے مالک کو خود ڈھونڈھا، اور اس کو حکومت کے حوالے نہیں کیا

شرعاً یہ ضروری نہیں کہ گری پڑی چیز اٹھانے والا وہ چیز حکومت کے حوالے کرے، بلکہ وہ خود مالک کو ڈھونڈھے، اور باب

میں جو حدیث ہے اس میں آپؐ نے بدّو سے فرمایا ہے: عَرِّفْها سنةً: یہ اس کو مسئلہ بتایا ہے اس سے یہ نہیں فرمایا کہ حکومت کے حوالے کرو، ہم اس کا مالک ڈھونڈھیں گے۔

[۱۱-] بَابٌ: مَنْ عَرَّفَ اللُّقَطَةَ وَلَمْ يَدْفَعْهَا إِلَى السُّلْطَانِ

[۲٤۳۸-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ رَبِيْعَةَ، عَنْ يَزِيْدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ، أَنَّ أَعْرَابِيًّا سَأَلَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ: "عَرِّفْهَا سَنَةً، فَإِنْ جَاءَ أَحَدٌ يُخْبِرُكَ بِعِفَاصِهَا وَوِكَائِهَا، وَإِلَّا فَاسْتَنْفِقْ بِهَا" وَسَأَلَهُ عَنْ ضَالَّةِ الإِبِلِ فَتَمَعَّرَ وَجْهُهُ، وَقَالَ: "مَالَكَ وَلَهَا؟ مَعَهَا سِقَاؤُهَا وَحِذَاؤُهَا، تَرِدُ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ، دَعْهَا حَتَّى يَجِدَهَا رَبُّهَا" وَسَأَلَهُ عَنْ ضَالَّةِ الْغَنَمِ فَقَالَ: "هِيَ لَكَ أَوْ لِأَخِيْكَ أَوْ لِلذِّئْبِ"[راجع: ۹۱]

بَابٌ

چرواہے کی اجازت سے بکری دوہنا مالک کی اجازت سے دوہنا ہے

یہ بے سرا باب ہے اور کالفصل من الباب السابق نہیں ہے اس لئے کہ باب کی حدیث کا گذشتہ باب سے کسی طرح جوڑ نہیں بٹھایا جاسکتا، بلکہ یہ باب طلبہ کی تمرین کے لئے ہے کہ لگاؤ اس پر باب، میں نے بطور مثال باب لگایا ہے آپ اس سے بہتر باب لگائیں۔

اور حدیث میں ہجرت کا واقعہ ہے، دوپہر میں ایک جگہ نبی ﷺ نے قیام فرمایا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک بڑی چٹان کے نیچے جگہ ہموار کی اور آپؐ کو سلادیا، پھر حضرت ابوبکرؓ اٹھے اور چاروں طرف گھومے کہ کہیں کوئی دشمن نہ ہو، گھومتے ہوئے ایک جگہ بکریاں چر رہی تھیں، انھوں نے چرواہے سے پوچھا: کس کا ہے؟ اس نے آقا کا نام بتایا، حضرت ابوبکرؓ نے اس کو پہچان لیا، پھر پوچھا: تیرے ریوڑ میں دودھ والی بکری ہے؟ اس نے کہا: ہے، حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا: دوہ کر دے گا؟ اس نے کہا: دوں گا، حضرت ابوبکرؓ ایک برتن لائے جس کے منہ پر کپڑا باندھ رکھا تھا، اور چرواہے سے کہا: پہلے ہاتھ جھاڑ، پھر بکری کا تھن جھاڑ، پھر اس نے برتن میں دودھ دوہا، حضرت ابوبکرؓ نے اس میں ٹھنڈا پانی ملایا اور جب آپؐ بیدار ہوئے تو پیش کیا، آپؐ نے خوب چھک کر پیا، یہ دودھ چرواہے کی اجازت سے دوہا گیا تھا، بلکہ چرواہے نے خود دوہ کر دیا تھا، اور عرف میں چرواہے کو اتنا اختیار رہتا ہے، پس یہ بھی مالک کی اجازت سے دوہنا ہے۔

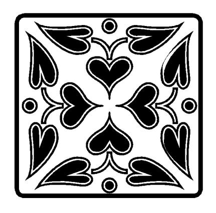
[۱۲-] بَابٌ

[۲٤۳۹-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، أَنَا النَّضْرُ، أَنَا إِسْرَائِيْلُ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ

الْبَرَاءُ، عَنْ أَبِیْ بَكْرٍ، ح: وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَجَاءٍ، ثَنَا إِسْرَائِيْلُ، عَنْ أَبِیْ إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ، عَنْ أَبِیْ بَكْرٍ، قَالَ:" انْطَلَقْتُ فَإِذَا أَنَا بِرَاعِیْ غَنَمٍ يَسُوْقُ غَنَمَهُ، فَقُلْتُ: مِمَّنْ أَنْتَ؟ قَالَ: لِرَجُلٍ مِنْ قُرَيْشٍ، فَسَمَّاهُ فَعَرَفْتُهُ فَقُلْتُ: هَلْ فِیْ غَنَمِكَ مِنْ لَبَنٍ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، فَقُلْتُ: هَلْ أَنْتَ حَالِبٌ لِیْ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَأَمَرْتُهُ، فَاعْتَقَلَ شَاةً مِنْ غَنَمِهِ، ثُمَّ أَمَرْتُهُ أَنْ يَنْفُضَ ضَرْعَهَا مِنَ الْغُبَارِ، ثُمَّ أَمَرْتُهُ أَنْ يَنْفُضَ كَفَّيْهِ، فَقَالَ هٰكَذَا: ضَرَبَ إِحْدَى كَفَّيْهِ بِالْأُخْرَى، فَحَلَبَ كُثْبَةً مِنْ لَبَنٍ، وَقَدْ جَعَلْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِدَاوَةً عَلٰی فِيْهَا خِرْقَةٌ، فَصَبَبْتُ عَلَی اللَّبَنِ حَتَّى بَرَدَ أَسْفَلُهُ، فَانْتَهَيْتُ إِلٰی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقُلْتُ: اشْرَبْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَشَرِبَ حَتَّى رَضِيْتُ.

[انظر: ۳۶۱۵، ۳۶۵۲، ۳۹۰۸، ۳۹۱۷، ۵۶۰۷]

لغت: الكُثْبَة: تھوڑی مقدار میں جمع شدہ دودھ، جمع: كُثَبٌ۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتابُ المَظَالِمِ والقِصَاصِ

ظلم اور اس کے بدلہ کا بیان

مظالم: مَظْلَمَة کی جمع ہے، یہ مصدر میمی ہے، ظلم اور مظلمة ایک ہیں۔اور ظُلْم: اسم ہے جو مصدر کے قائم مقام ہے، اور ظلم کے معنی ہیں: حق تلفی، کسی کا حق مارنا۔اور ظلم تین طرح کا ہوتا ہے: اول: وہ ظلم جو انسان اللہ کے معاملہ میں کرتا ہے یعنی اللہ کا شریک ٹھہرانا یہ سب سے بڑا ظلم ہے جو نا قابل معافی ہے۔دوم: وہ ظلم جو انسان دوسرے لوگوں کے ساتھ کرتا ہے۔سوم: وہ ظلم جو انسان اپنے نفس کے ساتھ کرتا ہے یعنی اپنا نقصان کرتا ہے، کوئی چھوٹا بڑا گناہ کرتا ہے —— یہ تینوں درجہ بدرجہ ظلم ہیں۔اور قصاص کے معنی ہیں: برابر کا بدلہ، نہ کم نہ زیادہ، اس کتاب میں مظالم کا اور اس کے برابر کے بدلہ کا بیان ہے، جاننا چاہئے کہ بدلہ اگر زیادہ ہوگا تو دوسرا ظلم وجود میں آجائے گا۔

پھر حضرت رحمہ اللہ نے سورۂ ابراہیم کی آیات (۴۲-۴۷) لکھی ہیں: ارشادِ پاک ہے: ''اور جو کچھ یہ ظالم لوگ (کفار) کررہے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ کو بے خبر مت سمجھو، ان کو صرف اس دن تک مہلت ہے جس میں ان لوگوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، وہ دوڑتے ہونگے، اپنے سر اوپر اٹھائے ہوئے ہونگے اور ان کی نگاہ ان کی طرف پلٹ کر نہیں آئے گی، اور ان کے دل خالی (بدحواس) ہونگے، اور آپ ان لوگوں کو اس دن سے ڈرائیں جس دن ان پر عذاب آپڑے گا، پھر یہ ظالم لوگ کہیں گے: اے ہمارے ربّ! تھوڑی مدت کے لیے ہمیں ڈھیل دیدیجئے ہم آپ کا سب کہنا مان لیں گے، اور پیغمبروں کا اتباع کریں گے (جواب میں ارشاد ہوگا) کیا تم نے اس سے پہلے قسمیں نہیں کھائی تھیں کہ تم کو (اس دنیا سے) کہیں جانا نہیں؟ (یعنی تم قیامت کے منکر تھے اور اس پر قسمیں کھاتے تھے) حالانکہ تم ان لوگوں کے رہنے کی جگہوں میں رہتے تھے جنھوں نے اپنی ذاتوں کا نقصان کیا تھا اور تم کو یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ اور ہم نے تم سے مؤثر مضامین بیان کردیئے تھے، اور ان لوگوں نے اپنی والی بہت سی بڑی بڑی تدبیریں کرلی تھیں اور ان کی تدبیریں اللہ کے سامنے تھیں، اور واقعی ان کی تدبیریں ایسی تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی ٹل جائیں (مگر سب گاؤخرد ہوگئیں) پس اللہ تعالیٰ کو اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرنے والا نہ سمجھنا، بیشک اللہ تعالیٰ بڑے زبردست اور پورا بدلہ لینے والے ہیں''

ان آیات میں تین لفظ مشکل آئے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے درمیان میں ان کے معانی بیان کئے ہیں:

۱- مھطعین: اسم فاعل جمع مذکر منصوب ہے، مفرد مُھطِع اور مصدر إھطاع (باب افعال) ہے، جس کے معنی ہیں: سر جھکائے ہوئے تیزی سے دوڑنے والے، عاجزی اور ذلت کی وجہ سے نظر نہ اٹھانے والے، مجرد ھَطَعَ (ف) ھَطْعا و ھُطوعًا: ہے، ٹکٹکی باندھنا، کسی چیز کو متوجہ ہو کر دیکھتے رہنا۔

۲- مُقنعی: یہ بھی اسم فاعل جمع مذکر منصوب مضاف ہے، اصل میں مقنعین تھا اضافت کی وجہ سے نون گرا ہے، إقناع (باب افعال) سے ہے، قِنْع مادہ ہے، اس کے معنی ہیں: اٹھانا، اور ایک دوسرا لفظ ہے: مُقمِح یہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے دونوں کے معنی کئے ہیں: مُدِیمِیْ النظر: مسلسل دیکھنے والے اور دوسرے حضرات نے اس کا ترجمہ کیا ہے: مُسْرِعِیْنَ، تیزی سے جانے والے۔

۳-ھَوَاء کے معنی ہیں: جُوْفًا: خالی، یعنی حواس باختہ، بے عقل، یعنی ان کے دل حواس باختہ بے عقل ہونگے، ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہوگا کہ کیا ہورہا ہے؟ باقی آیت کا ترجمہ اوپر آگیا۔

آیت کا خلاصہ: ان آیات میں کفار: مؤمنین پر جو ظلم وستم ڈھاتے ہیں اس کے بدلہ کا بیان ہے کہ یہ ظالم لوگ اللہ تعالیٰ کو اپنی حرکتوں سے بے خبر نہ سمجھیں، ان کو دنیا میں اگر بدلہ نہیں مل رہا تو قیامت کا دن آرہا ہے اس دن ان کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، کس طرح بدلہ دیا جائے گا؟ اور اس وقت ان کفار کا کیا حال ہوگا؟ آگے آیات میں اس کی تفصیل ہے، پس یہ کتاب کے شروع میں جنرل (عام) آیات ہیں، جن میں مظالم اور ان کے بدلے کا بیان ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

٤٦- كتابُ المظالم والقصاص

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلاً عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُوْنَ، إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُم لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْأَبْصَارُ، مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُؤُوْسِهِمْ﴾ رَافِعِيْ رُؤُوْسِهِمْ، الْمُقْنِعُ وَالْمُقْمِحُ وَاحِدٌ. قَالَ مُجَاهِدٌ: مُهْطِعِيْنَ: مُدِيْمِي النَّظَرِ. وَقَالَ غَيْرُهُ: مُسْرِعِيْنَ﴿ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ﴾ يَعْنِيْ جُوْفًا لَاعُقُوْلَ لَهُمْ﴿ وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلٰى أَجَلٍ قَرِيْبٍ نُجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ أَوَ لَمْ تَكُوْنُوْا أَقْسَمْتُمْ مِنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِنْ زَوَالٍ، وَسَكَنْتُمْ فِيْ مَسَاكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْأَمْثَالَ، وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ، فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهِ رُسُلَهُ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُوْ انْتِقَامٍ﴾[ابراهيم: ٤٢-٤٧]

بَابُ قِصَاصِ الْمَظَالِمِ

مظالم کے بدلہ کا بیان

یہ ظلم کی قباحت کے سلسلہ کا پہلا باب ہے، ظالموں کو ان کے ظلم کا بدلہ ضرور دیا جائے گا، اگر اس دنیا میں نہیں دیا گیا تو قیامت کے دن چکایا جائے گا۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: جب (گنہ گار) مؤمنین دوزخ سے چھٹکارا پائیں گے تو سب کو جنت اور جہنم کے درمیان ایک پل پر روکا جائے گا، وہاں مظالم کا حساب چکایا جائے گا، دنیا میں جو ایک دوسرے پر ظلم کئے ہیں ان کا تصفیہ ہوگا، پھر جب وہ صاف ستھرے ہوجائیں گے تو جنت میں داخل کیے جائیں گے —— اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے! یقیناً ان میں سے ایک شخص جنت میں اپنے گھر سے زیادہ واقف ہوگا دنیا میں اپنے گھر سے، یعنی جس طرح دنیا میں اپنے گھر پہنچنے کے لیے کسی راہبر کی ضرورت نہیں ہوتی اسی طرح آخرت میں جنت میں سیدھا اپنے گھر پہنچے گا اس کو کسی راہبر کی ضرورت نہیں ہوگی۔

تشریح: آخرت میں دو پل ہیں، ایک میدانِ محشر سے جنت تک، یہ پل جہنم کے اوپر سے گذرتا ہے، اور یہی ''پل صراط'' کہلاتا ہے، دوسرا پل وہ ہے جو جہنم سے جنت تک پہنچتا ہے، پہلے پل سے گذر کر جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے، اور جو گناہ گار مؤمنین ہیں ان کو جہنم کے آنکڑے نیچے کھینچ لیں گے، اور وہ جہنم میں پہنچ جائیں گے، پھر جب ان کو وہاں سے نجات ملے گی تو دوسرے پل سے گذر کر جنت میں جائیں گے، اس پل کے درمیان میں ان کو روک لیا جائے گا، اور انھوں نے آپس میں ایک دوسرے پر جو ظلم کئے ہیں اس کا تصفیہ ہوگا، یا تو مظلوم ظالم کو معاف کردے گا یا اللہ تعالیٰ ظالم کو خوش کردیں گے یا ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دی جائیں گی، جس سے مظلوم کے درجات جنت میں بلند ہونگے۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح تصفیہ ہوجائے گا ان کو واپس سزا بھگتنے کے لیے جہنم میں نہیں جانا پڑے گا۔

لطیفہ: حساب کتاب سے فارغ ہوکر لوگ جنت میں جارہے تھے، ایک قاری صاحب کا حساب ہوگیا وہ سٹک پٹک جنت کی طرف جارہے تھے، انھوں نے دیکھا کہ جنت کے دروازہ پر بہت سے لوگ کھڑے ہیں، انھوں نے سلام کیا اور پوچھا: کیوں کھڑے ہو؟ چلو جنت میں! وہ مدرسوں کے مہتمم تھے، انھوں نے جواب دیا: کیا کریں سب معاملہ نمٹ گیا، مگر اب فرشتے پوچھتے ہیں کہ گوشوارہ میں جو 'متفرقات' میں مصارف لکھے ہیں ان کی تفصیل پیش کرو، اب کہاں سے لائیں تفصیل! لیکن ان کا معاملہ بھی بہر حال نمٹ جائے گا۔

[۱-] بَابُ قِصَاصِ الْمَظَالِمِ

[۲٤٤٠-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، ثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، أَخْبَرَنِيْ أَبِيْ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيْ الْمُتَوَكِّلِ

النَّاجِیْ، عَنْ أَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم، قَالَ: "إِذَا خَلَصَ الْمُؤْمِنُوْنَ مِنَ النَّارِ، حُبِسُوْا بِقَنْطَرَةٍ بَیْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، فَیَتَقَاصُّوْنَ مَظَالِمَ کَانَتْ بَیْنَهُمْ فِی الدُّنْیَا، حَتّٰی إِذَا نُقُّوْا وَهُذِّبُوْا أُذِنَ لَهُمْ بِدُخُوْلِ الْجَنَّةِ، فَوَ الَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهِ! لَأَحَدُهُمْ بِمَسْکَنِهِ فِی الْجَنَّةِ أَدَلُّ بِمَسْکَنِهِ کَانَ فِی الدُّنْیَا"

وَقَالَ یُوْنُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ: ثَنَا شَیْبَانُ، عَنْ قَتَادَةَ: ثَنَا أَبُوْ الْمُتَوَکِّلِ.[انظر: ٦٥٣٥]

لغات: خَلَصَ (ن) خُلُوْصًا من النار: نجات پانا، رہائی پانا .... تَقَاصَّ القومُ: ایک دوسرے سے بدلہ لینا۔ آپس میں لین دین کر کے حساب چکانا .... نُقُّوْا: تنقیة سے ہے نَقَّاه : صاف کرنا، آلائشوں سے پاک کرنا .... هُذِّبُوْا: تهذیب سے ہے هذَّبَه: منقح کرنا، حشو وزوائد سے پاک کرنا۔

سند: حدیث کے آخر میں دوسری سند اس لئے لائے ہیں کہ اس میں قتادہ رحمہ اللہ کی ابوالمتوکل سے سماع کی صراحت ہے، قتادہ رحمہ اللہ پر تدلیس کا داغ لگا ہوا ہے۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی: ﴿أَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظَّالِمِیْنَ﴾

سنو! ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہے!

یہ ظلم کی قباحت کے سلسلہ کا دوسرا باب ہے، ظالموں پر دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اللہ کی پھٹکار ہے۔ لعنت کے معنی ہیں: رحمت سے دور کرنا، جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دور کر دیں ان کا ٹھکانہ کہاں؟ اس سے ظلم کی شناعت آشکارا ہے۔

حدیث: صفوان کہتے ہیں: میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ چل رہا تھا، میں نے ان کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا، اچانک ایک آدمی سامنے آیا اس نے پوچھا: آپ نے نجوی (سرگوشی) کے بارے میں نبی ﷺ سے کیا سنا ہے؟ ابن عمرؓ نے فرمایا: میں نے آپؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ (میدانِ محشر میں) ایک مؤمن کو قریب کریں گے پس اس پر اپنا بازو رکھیں گے اور اس کو چھپا لیں گے، پھر فرمائیں گے: کیا تو فلاں گناہ جانتا ہے؟ کیا تو فلاں گناہ جانتا ہے؟ وہ کہے گا: ہاں، اے میرے پروردگار! یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرا لیں گے اور وہ بندہ دل میں سوچ رہا ہوگا کہ اس کی لٹیا ڈوبی! تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: میں نے تیرے یہ گناہ دنیا میں چھپائے رکھے تھے، اور آج میں وہ گناہ تیرے لیے بخشتا ہوں، پھر اس کو اس کی نیکیوں کا نامہ اعمال دیا جائے گا، یہ ہے سرگوشی (نجوی) کی حدیث۔ اور رہے کافر اور منافق تو سورہ ہود (آیت: ۱۸) میں ہے: "اعمال کے گواہ فرشتے برملا کہیں گے یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹ باندھا، سنو! اللہ کی پھٹکار ہو ظالموں پر" یعنی آخرت میں ظالموں کے ساتھ کوئی رعایت نہیں ہوگی، اس لئے چھوٹے بڑے ہر ظلم سے بچنا چاہئے۔

[۲-] بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿أَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظَّالِمِيْنَ﴾

[۲٤٤١-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثنا هَمَّامٌ، ثَنِيْ قَتَادَةُ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ الْمَازِنِيِّ، قَالَ: بَيْنَمَا أَنَا أَمْشِيْ مَعَ ابْنِ عُمَرَ، آخِذٌ بِيَدِهِ، إِذْ عَرَضَ رَجُلٌ، فَقَالَ: كَيْفَ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِي النَّجْوَى؟ فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" إِنَّ اللّٰهَ يُدْنِي الْمُؤْمِنَ، فَيَضَعُ عَلَيْهِ كَنَفَهُ وَيَسْتُرُهُ، فَيَقُوْلُ: أَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا؟ أَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا؟ فَيَقُوْلُ: نَعَمْ أَيْ رَبِّ! حَتَّى قَرَّرَهُ بِذُنُوْبِهِ، وَرَأَى فِي نَفْسِهِ أَنَّهُ هَلَكَ! قَالَ: سَتَرْتُهَا عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا، وَأَنَا أَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ، فَيُعْطَى كِتَابَ حَسَنَاتِهِ. وَأَمَّا الْكَافِرُوْنَ وَالْمُنَافِقُوْنَ فَيَقُوْلُ الْأَشْهَادُ:﴿ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ، أَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظَّالِمِيْنَ﴾[هود: ١٨] [انظر: ٤٦٨٥، ٦٠٧٠، ٧٥١٤]

لغت: کَنَف: بازو، جمع أکناف۔

بَابٌ: لَايَظْلِمُ الْمُسْلِمُ الْمُسْلِمَ، وَلَا يُسْلِمُهُ

مسلمان مسلمان پر نہ ظلم کرتا ہے، نہ اس کو دشمن کے ہاتھ میں پھنساتا ہے

اخوت اسلامی کا تقاضہ مثال کے طور پر یہ ہے کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان پر ظلم نہ کرے، نہ اس کو دشمن کے ہاتھ میں پھنسائے یعنی نہ کسی اور کو اس پر ظلم کرنے دے، ہر مسلمان کی حاجت روائی کرے، وہ کسی بے چینی میں مبتلا ہو تو اس کی بے چینی دور کرے، اور اس کی کوئی کوتاہی سامنے آئے تو پردہ پوشی کرے، یہ سب امور اخوت اسلامی کے تقاضے ہیں۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو کسی مصیبت میں پھنساتا ہے، یعنی دوسرے کو بھی اس پر ظلم نہیں کرنے دیتا اور جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی کسی حاجت میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت میں ہوتے ہیں یعنی اس کے کام بناتے ہیں۔ اور جو کسی مسلمان کی کوئی بے چینی دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی بے چینیوں میں سے بڑی بے چینی کو دور کریں گے، اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کریں گے۔

[۳-] بَابٌ: لَايَظْلِمُ الْمُسْلِمُ الْمُسْلِمَ، وَلَا يُسْلِمُهُ

[۲٤٤۲-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ سَالِمًا أَخْبَرَهُ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ وَلَا

يُسْلِمُهُ، وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"[انظر: ٦٩٥١]

بَابٌ: أَعِنْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُوْمًا

اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم

ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کی ہمیشہ مدد کرنی چاہئے، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! مظلوم کی مدد کرنا تو ہماری سمجھ میں آیا، مگر ظالم کی مدد کیسے کریں؟ آپ نے فرمایا: اس کا ہاتھ پکڑو، اس کو ظلم سے روکو، یہ ظالم کی مدد ہے، اگر اس کا ہاتھ نہیں پکڑوگے تو وہ ظلم کرے گا اور اس کے وبال میں گرفتار ہوگا، پس تم نے اس کو ظلم سے روک کر وبال سے بچالیا۔

[٤-] بَابٌ أَعِنْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُوْمًا

[٢٤٤٣-] حدثنا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، ثَنَا هُشَيْمٌ، أَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَنَسٍ، وَحُمَيْدٌ، سَمِعَا أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُوْلُ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "انْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُوْمًا"

[انظر: ٢٤٤٤، ٦٩٥٢]

[٢٤٤٤-] حدثنا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "انْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُوْمًا" قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! هٰذَا نَنْصُرُهُ مَظْلُوْمًا، فَكَيْفَ نَنْصُرُهُ ظَالِمًا؟ قَالَ: "تَأْخُذُ فَوْقَ يَدَيْهِ "[راجع: ٢٤٤٣]

بَابُ نَصْرِ الْمَظْلُوْمِ

مظلوم کی مدد کرنا

مظلوم کی مدد کرنا فرض کفایہ ہے اور فرض کفایہ سب لوگوں پر پھیلا ہوا ہوتا ہے، پس ہر شخص پر فرض ہے کہ وہ مظلوم کی مدد کرے، پھر جب کچھ لوگ مدد کے لئے کھڑے ہوجائیں تو فریضہ ان پر سمٹ آتا ہے اور دوسرے لوگ فرض سے سبکدوش ہوجاتے ہیں، اور کبھی مظلوم کی مدد کرنا فرض عین ہوجاتا ہے، جب کہ ایک ہی شخص مدد کرنے پر قادر ہو، اور باب میں حضرتؒ نے دو حدیثیں پیش کی ہیں، ایک پہلے گذری ہے: نبی ﷺ نے سات باتوں کا حکم دیا اور سات باتوں سے منع کیا، بیمار کی بیمار پرسی کرنا، جنازوں کے پیچھے جانا، چھینکنے والے کو دعا دے کر خوش کرنا، سلام کا جواب دینا، مظلوم کی مدد کرنا (یہاں باب ہے) دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرنا اور قسم کو نیک بنانا یعنی کوئی قسم دے کر کوئی کام کرنے کے لئے کہے تو وہ کام

کردینا۔ یہ سات باتیں مامور بہ ہیں اور دوسری سات باتیں جو منہی عنہ ہوں وہ پہلے (حدیث ۱۲۳۹ تحفۃ القاری ۳:۵۶۰) آچکی ہیں، اور وہ یہ ہیں: چاندی کے برتن، سونے کی انگوٹھی، حریر (ریشم) دیبا (ریشم کی ایک قسم) اور استبرق (ریشم کی ایک قسم) قسّی کپڑا، میثرہ (سرخ گدی) کا استعمال ممنوع ہے۔

دوسری حدیث: بھی پہلے آچکی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: **المؤمنُ للمؤمن کَالْبُنْیان، یَشُدُّ بعضہ بعضًا:** مؤمن مؤمن کے لیے عمارت کی طرح ہے جس کا بعض بعض کو مضبوط کرتا ہے، پھر نبی ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پیوست کیں اور جال بنایا، یعنی جس طرح عمارت کی دیواریں ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہوتی ہیں اور دیوار کی اینٹیں ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی ہوتی ہیں اسی طرح تمام مؤمنین ایک دوسرے کے مددگار ہوتے ہیں، پس کسی پر کوئی ظلم ہو رہا ہو تو ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ وہ اس کی مدد کرے اور اس کو ظلم سے بچائے۔

[٥-] بَابُ نَصْرِ الْمَظْلُوْمِ

[٢٤٤٥-] حدثنا سَعِيْدُ بْنُ الرَّبِيْعِ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الأَشْعَثِ بْنِ سُلَيْمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ بْنَ سُوَيْدٍ، سَمِعْتُ الْبرَاءَ بْنَ عَازِبٍ، قَالَ: "أَمَرَنَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِسَبْعٍ، وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ: فَذَكَرَ عِيَادَةَ الْمَرِيْضِ، واتِّبَاعَ الْجَنَائِزِ، وَتَشْمِيْتَ الْعَاطِسِ، وَرَدَّ السَّلَامِ، وَنَصْرَ الْمَظْلُوْمِ، وَإِجَابَةَ الدَّاعِيْ، وَإِبْرَارَ الْمُقْسِمِ"[راجع: ١٢٣٩]

[٢٤٤٦-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، ثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيْ مُوْسَى، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ، يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا" وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ. [راجع: ٤٨١]

بَابُ الاِنْتِصَارِ مِنَ الظَّالِمِ

ظالم سے بدلہ لینا

ظالم سے ظلم کا بدلہ لینا جائز ہے اور اس سلسلہ میں حضرتؒ نے دو آیتیں لکھی ہیں:

پہلی آیت: سورۃ النساء کی آیت ۱۴۸ ہے: "اللہ تعالیٰ بری بات زبان پر لانے کو پسند نہیں کرتے، بجز مظلوم کے، یعنی مظلوم اگر ظالم کی نسبت حرفِ شکایت زبان پر لائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں"، یعنی مظلوم کو واقعی بات ہی کہنی چاہئے خلافِ واقعہ بات کہنا جائز نہیں۔

دوسری آیت: سورۃ الشوریٰ کی آیت ۴۱ ہے: "جو اپنے اوپر ظلم ہو چکنے کے بعد برابر کا بدلہ لے تو ایسے لوگوں پر کوئی

الزام نہیں''

اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اسلاف اپنے آپ کو ذلیل کرنا پسند نہیں کرتے تھے، مگر جب وہ قابو پا لیتے تھے تو معاف کر دیتے تھے، یعنی ظالم کو مت بخشو، اگر تم اس کو نہیں پکڑو گے تو وہ خود کو فرعون سمجھ لے گا۔ اور کہے گا کوئی میرا کیا بگاڑ لیگا؟ ایسوں کو پکڑواؤ اور سزا دلواؤ، پھر جب فیصلہ تمہارے حق میں ہو جائے تو اس کو معاف کر دو، کیونکہ معاف کرنے کا بڑا ثواب ہے۔

اور اس باب میں حضرتؒ نے کوئی حدیث نہیں لکھی، شارحین نے ایک حدیث لکھی ہے، ایک مرتبہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جا کر ان کو برا بھلا کہنے لگیں، حضور ﷺ نے ان کو جھڑ کا مگر وہ نہیں مانیں، آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے کہا: جواب دو، انھوں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا، ایسا جواب دیا کہ حضرت زینبؓ کے منہ میں تھوک خشک ہو گیا اور نبی ﷺ کا چہرہ کھل گیا، یہ حدیث نسائی اور ابن ماجہ میں سند حسن سے ہے۔

[٦-] بَابُ الِانْتِصَارِ مِنَ الظَّالِمِ

[١-] لِقَوْلِهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿لَايُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظُلِمَ﴾[السناء: ١٤٨]

[٢-] ﴿وَالَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ﴾[الشورى: ٣٩]

وَقَالَ إِبْرَاهِيْمُ: كَانُوْا يَكْرَهُوْنَ أَنْ يُسْتَذَلُّوْا، فَإِذَا قَدَرُوْا عَفَوْا.

بَابُ عَفْوِ الْمَظْلُوْمِ

مظلوم کو معاف کرنا

گذشتہ باب کے آخر میں حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول آیا ہے کہ اسلاف جب ظالم پر قابو پا لیتے تھے تو درگذر کرتے تھے، اب یہ باب ہے کہ اگر مظلوم ظالم کو معاف کر دے تو اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ معاف کرنا بڑا نیکی کا کام ہے، اس باب میں بھی حضرتؒ نے دو آیتیں لکھی ہیں:

پہلی آیت: سورۃ النساء کی (آیت ۱۴۹) ہے: ''اگر نیک کام علانیہ کرو یا اس کو خفیہ کرو یا کسی برائی کو معاف کر دو تو اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے پوری قدرت رکھنے والے ہیں'' اور اس سے اوپر کی آیت پچھلے باب میں آچکی ہے کہ اللہ تعالیٰ بری بات زبان پر لانے کو پسند نہیں کرتے بجز مظلوم کے، اب اس آیت میں فرمایا کہ اگر مظلوم ظالم کو معاف کر دے تو یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

دوسری آیت: سورۃ الشوری آیات ۴۰-۴۴ ہیں: ''اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے (بشرطیکہ وہ فعل فی نفسہ معصیت نہ ہو) پھر (بعد اجازت انتقام کے) جو شخص معاف کرے اور اصلاح کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے، اللہ تعالیٰ واقعی

ظالم کو پسند نہیں کرتے، اور جو شخص اپنے اوپر ظلم ہو چکنے کے بعد برابر کا بدلہ لے تو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں، الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں (خواہ ابتداءً یا انتقام کے وقت) اور ناحق دنیا میں سرکشی کرتے ہیں، ایسوں کے لئے دردناک عذاب ہے، اور جو شخص صبر کرے اور معاف کردے تو یہ بات البتہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے (یعنی ایسا کرنا بہتر ہے اور یہ اولوالعزمی کا کام ہے) اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کریں تو اس کے بعد اس شخص کا دنیا میں کوئی چارہ ساز نہیں، اور آپ ظالموں کو دیکھیں گے جس وقت کہ ان کو عذاب کا معائنہ ہوگا، کہتے ہونگے: کیا دنیا میں واپس جانے کی کوئی صورت ہے؟''

اور اس باب میں بھی حضرت رحمہ اللہ نے کوئی حدیث نہیں لکھی، شارحین نے ابوداؤد اور مسند احمد کی ایک روایت لکھی ہے، نبی ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: مامِنْ عَبْدٍ ظُلِمَ مَظْلَمَةً فعفَا عَنْهَا إِلَّا أَعَزَّ اللّٰهُ بِهَا: نَصرَهُ: جس بندہ پر کوئی ظلم کیا گیا، پس اس نے اس کو معاف کردیا تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کی عزت بڑھائیں گے (اور) اس کی مدد کریں گے (فتح)

[۷-] بَابُ عَفْوِ الْمَظْلُوْمِ

[۱-] لِقَوْلِهِ: ﴿إِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا أَوْ تُخْفُوْهُ أَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْءٍ فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا﴾ [النساء: ۱۴۹]

[۲-] ﴿وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا، فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ، إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِيْنَ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿هَلْ إِلٰى مَرَدٍّ مِنْ سَبِيْلٍ﴾ [الشورى: ۴۰-۴۴]

بَابٌ: الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

ظلم قیامت کے دن تاریکیاں ہوگا

ظلم کئی گناہوں پر مشتمل ہوتا ہے: ایک: کسی کی حق تلفی کرنا۔ دوم: اللہ کے حکم کی مخالفت کرنا۔ اور یہ گناہ پہلے گناہ سے بھی زیادہ سخت ہے۔ سوم: ظلم دل کی تاریکی سے وجود پذیر ہوتا ہے، جس کا دل روشن ہوتا وہ یہ حرکت نہیں کرتا، دنیا میں یہ سارے گناہ علاحدہ ہیں، یہی سب گناہ قیامت کے دن مل کر گھٹا ٹوپ تاریکیاں بنیں گے۔

[۸-] بَابٌ: الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

[۲۴۴۷-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ الْمَاجِشُوْنِ، أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: '' الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ''

بَابُ الِاتِّقَاءِ وَالْحَذَرِ مِنْ دَعْوَةِ الْمَظْلُوْمِ

مظلوم کی بددعا سے بچنا

مظلوم عام طور پر کمزور ہوتا ہے، وہ بدلہ نہیں لے سکتا، پس وہ اللہ کے سامنے ہاتھ اٹھاتا ہے اور ظالم کے لئے بددعا کرتا ہے اور جب مظلوم کی آہ نکلتی ہے تو عرش سے ورے نہیں رکتی، پس ظلم سے بچو۔

اور حدیث پہلے گذری ہے: جب نبی ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو ہدایت دی کہ رعایا پر ظلم مت کرنا، رعایا حکومت کا مقابلہ نہیں کرسکتی، پس وہ بددعا کرے گی اور مظلوم کی بددعا اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں وہ سیدھی عرش تک پہنچتی ہے (الاتقاء اور الحذر (مترادف لفظ ہیں) اور فإنه میں ضمیر شان ہے۔

[۹-] بَابُ الِاتِّقَاءِ وَالْحَذَرِ مِنْ دَعْوَةِ الْمَظْلُوْمِ

[۲٤٤٨-] حدثنا يَحْيَى بْنُ مُوْسَى، ثَنَا وَكِيْعٌ، ثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ إِسْحَاقَ الْمَكِّيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ صَيْفِيٍّ، عَنْ أَبِيْ مَعْبَدٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ، فَقَالَ: "اتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ" [راجع: ۱۳۹۵]

بَابٌ: مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ عِنْدَ الرَّجُلِ، فَحَلَّلَهَا لَهُ، هَلْ يُبَيِّنُ مَظْلَمَتَهُ؟

جس نے کسی کی حق تلفی کی، پھر صاحبِ حق نے اس کو معاف کردیا تو کیا اس حق کی وضاحت ضروری ہے؟

مظلمة مصدر میمی بمعنی ظلم ہے، اور لام پر زبر زیر دونوں صحیح ہیں، بلکہ بعض کے نزدیک تو پیش بھی صحیح ہے۔ ظَلَمَ (ض) ظُلْمًا و مَظْلَمَةً کے معنی ہیں: زیادتی کرنا، حق تلفی کرنا۔ اور حَلَّلَ تَحْلِيْلًا الشيئَ کے معنی ہیں: حلال کرنا، مباح اور جائز قرار دینا، معاف کرنا۔

اس باب میں ابراء مجہول کا مسئلہ ہے، ابراء معلوم بالاتفاق درست ہے، مثلاً کوئی شخص دوسرے کے پاس پانچ سو روپے مانگتا ہے، قرض خواہ نے اس کو معاف کیا تو یہ درست ہے، اور ابراء مجہول میں اختلاف ہے، جو حاشیہ میں مذکور ہے، اس لئے حضرت رحمہ اللہ نے هل استفہامیہ رکھا ہے، کوئی فیصلہ نہیں کیا، مثلاً جب لوگ حج میں جاتے ہیں تو کہتے ہیں: بولا چالا معاف کرنا، یہ ابراء مجہول ہے اور اس مسئلہ میں میری ناقص رائے یہ ہے کہ اگر حق تلفی بالکل ہی مجہول ہو تو ابراء درست نہیں، اور اگر فی الجملہ معلوم ہو تو ابراء درست ہے، تفصیل ضروری نہیں، جیسے دو شخصوں کے درمیان مالی معاملات ہوتے رہتے ہیں دونوں نے باہم حساب کیا پھر کمی بیشی معاف کردی تو یہ درست ہے، یا کہے کہ میں نے آپ کی غیبت کی ہے، میں نے آپ کو

بے عزت کیا ہے، آپ مجھے معاف کر دیں، پس یہ معافی درست ہے، غیبت اور بے عزتی کی تفصیل ضروری نہیں۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنے مسلمان بھائی کی کوئی حق تلفی کی خواہ اس کا تعلق آبرو سے ہو یا کسی اور معاملہ سے، پس چاہئے کہ وہ اس سے آج معاف کرالے اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جب نہ دینار ہوگا نہ درہم، اگر ظالم کے پاس نیکی ہوگی تو اس سے ظلم کے بقدر لیا جائے گا اور اگر نیکی نہیں ہوگی تو مظلوم کی برائیوں میں سے اس پر لادا جائے گا۔

تشریح: یہ حدیث آیتِ کریمہ: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰى﴾ کے معارض نہیں، مظلوم کی یہ برائیاں جو ظالم پر لادی گئی ہیں وہ اس کے ظلم کا بدلہ ہیں۔

فائدہ: امام بخاریؒ نے اپنے استاذ اسماعیلؒ سے نقل کیا ہے کہ سعید مقبریؒ مدینہ منورہ کے قبرستان کے ایک کونہ میں رہتے تھے، اس لئے مقبری کہلاتے تھے، یعنی وہ گورکن نہیں تھے، اور ان کے والد ابوسعید کا نام کیسان ہے وہ بھی رواتِ حدیث میں سے ہیں، ان کو قبیلہ بنولیث کی ایک عورت نے مکاتب بنایا تھا، مگر فتح الباری میں ہے کہ کیسان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گورکنی پر مامور کیا تھا، پس ممکن ہے باپ کے پیشہ کے اعتبار سے بیٹا مقبری کہلایا ہو۔

[۱۰-] بَابُ مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ عِنْدَ الرَّجُلِ، فَحَلَّلَهَا لَهُ، هَلْ يُبَيِّنُ مَظْلَمَتَهُ؟

[۲۴۴۹-] حدثنا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ، ثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، ثنا سَعِيْدٌ الْمَقْبُرِيُّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ لِأَخِيْهِ، مِنْ عِرْضِهِ أَوْ شَيْءٍ، فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ، قَبْلَ أَنْ لَا يَكُوْنَ دِيْنَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ، إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلَمَتِهِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ"

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: قَالَ إِسْمَاعِيْلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ: إِنَّمَا سُمِّيَ الْمَقْبُرِيَّ لِأَنَّهُ كَانَ يَنْزِلُ نَاحِيَةَ الْمَقَابِرِ.

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: وَسَعِيْدٌ الْمَقْبُرِيُّ هُوَ مَوْلَى لِبَنِي لَيْثٍ، وَهُوَ سَعِيْدُ بْنُ أَبِي سَعِيْدٍ، وَاسْمُ أَبِي سَعِيْدٍ كَيْسَانُ. [انظر: ۶۵۳۴]

بَابٌ: إِذَا حَلَّلَهُ مِنْ ظُلْمِهِ فَلَا رُجُوْعَ فِيْهِ

حق تلفی معاف کردی تو اب اس کا مطالبہ نہیں ہوسکتا

کسی نے کسی کی حق تلفی کی، مظلوم نے اس کو معاف کر دیا، تو اب اس کو حق مانگنے کا حق نہیں، جب معاف کر دیا تو بات ختم!

حدیث: سورۃ النساء کی آیت ۱۲۸ ہے: "اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے غالب احتمال بد دماغی کا یا لاپرواہی کا ہو تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ باہم صلح کرلیں" اس آیت کا شانِ نزول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ بیان کیا ہے کہ

ایک شوہر کی بیوی ہے مگر وہ اس سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں رکھتا، وہ اس کو جدا کرنا چاہتا ہے، پس عورت نے کہا: میں اپنا شب باشی کا یا نان ونفقہ کا حق معاف کرتی ہوں آپ مجھے علاحدہ نہ کریں تو ایسا کیا جاسکتا ہے۔ یہ آیت اسی سلسلہ میں نازل ہوئی ہے، اب وہ عورت آئندہ شوہر سے شب باشی کا یا نان ونفقہ کا مطالبہ نہیں کرسکتی۔

[۱۱-] بَابٌ: إِذَا حَلَّلَهُ مِنْ ظُلْمِهِ فَلاَ رُجُوْعَ فِيْهِ

[۲۴۵۰-] حدثنا مُحَمَّدٌ، أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، أَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ فِيْ هٰذِهِ الآيَةِ: ﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا أَوْ إِعْرَاضًا﴾[النساء: ۱۴۸] قَالَتْ: الرَّجُلُ تَكُوْنُ عِنْدَهُ الْمَرْأَةُ، لَيْسَ بِمُسْتَكْثِرٍ مِنْهَا، يُرِيْدُ أَنْ يُفَارِقَهَا، فَتَقُوْلُ: أَجْعَلُكَ مِنْ شَأْنِيْ فِي حِلٍّ، فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الآيَةُ فِي ذٰلِكَ.

[انظر: ۲۶۹۴، ۴۶۰۱، ۵۲۰۶]

لغت: استكثر من الشيئ: زیادہ لینا، میں نے اس کا ترجمہ کیا ہے: اس سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں رکھتا۔

بَابٌ: إِذَا أَذِنَ لَهُ، أَوْ حَلَّلَهُ لَه، وَلَمْ يُبَيِّنْ كَمْ هُوَ؟

کسی کو اجازت دی یا معاف کیا اور مقدار بیان نہیں کی

اس باب میں دو باتیں ہیں:

پہلی بات: کسی نے دوسرے کو اجازت دی مگر بیان نہیں کیا کہ کتنا لے سکتے ہیں؟ تو یہ ہبہ مبہم ہے، پہلے ابراء مبہم کا ذکر آیا ہے یہ اس کا بھیا ہے۔ اور حدیث میں یہ واقعہ ہے کہ نبی ﷺ نے مشروب نوش فرمایا، دائیں طرف ابن عباسؓ تھے اور بائیں طرف بڑے لوگ تھے، آپؐ نے ابن عباسؓ سے اجازت مانگی کہ بچا ہوا میں بڑے لوگوں کو دوں؟ ابن عباسؓ نے عرض کیا: میں آپ کا تبرک کسی کو دینے کی اجازت نہیں دیتا، آپؐ نے دودھ ان کو دیدیا، ان کو کتنا دودھ دیا؟ یہ بیان نہیں کیا، کٹورے میں جو بچا ہوا دودھ ہے اس میں سے پہلے وہ پئیں گے، پھر آگے بڑھائیں گے، کتنا پئیں گے اس کا علم نہیں، یہ ہبہ مبہم ہے اور درست ہے۔

دوسری بات: ایک شخص نے دوسرے سے کہا: میں آپ کے پاس جو قرض مانگتا ہوں وہ میں نے معاف کیا، اور یہ نہیں بتایا کہ کتنا قرض مانگتا ہے؟ تو یہ معاف کرنا درست ہے، اور ابراء درحقیقت ہبہ ہوتا ہے، پس یہ ہبہ مبہم ہے، امام صاحبؒ نے اس کا حکم حدیث سے مستنبط کیا ہے۔

[۱۲-] بَابٌ: إِذَا أَذِنَ لَهُ، أَوْ حَلَّلَهُ لَه، وَلَمْ يُبَيِّنْ كَمْ هُوَ؟

[۲۴۵۱-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِيْ حَازِمِ بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ،

عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: أُتِيَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَ مِنْهُ، وَعَنْ يَمِيْنِهِ غُلاَمٌ وَعَنْ يَسَارِهِ الْأَشْيَاخُ، فَقَالَ لِلْغُلاَمِ: " أَتَأْذَنُ لِيْ أَنْ أُعْطِيَ هٰؤُلَاءِ؟" فَقَالَ الْغُلاَمُ: لاَ، وَاللّٰهِ! يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! لاَ أُوْثِرُ بِنَصِيْبِيْ مِنْكَ أَحَدًا، قَالَ: فَتَلَّهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِي يَدِهِ.[راجع: ۲۳۵۱]

لغت:تَلَّ (ن) تَلاًّ الشيئَ فی يده: ہاتھ میں تھمادینا۔

بَابُ إِثْمِ مَنْ ظَلَمَ شَيْئًا مِنَ الْأَرْضِ

ذراسی زمین دبانے کا گناہ

زمین چونکہ جائداد ہے اوراس کی منفعت دیرپا ہے اس لئے اس کو دبانا بہت بڑاظلم ہے،تھوڑی زمین دبائے تو بھی اس کی سزاسخت ہے۔

حدیث(۱):مَنْ ظَلَمَ مِنَ الْأَرْضِ شَيْئًا طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ أَرَضِيْنَ: جس نے کچھ بھی زمین دبائی اس کو سات زمینوں کی مالا پہنائی جائے گی۔ یہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے،آپؓ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں،آپؓ کے خلاف ایک عورت نے جس کا نام اَروی (پہاڑی بکری) تھامدینہ کے حاکم مروان کے یہاں دعوی دائر کیا کہ حضرت سعیدؓ نے میری کچھ زمین دبائی ہے،حضرت سعیدؓ بلائے گئے،آپؓ نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے کیا پھر بھی میں کسی کی زمین دباؤنگا؟ تاہم وہ کہتی ہے تو میں اتنی زمین چھوڑ دیتا ہوں۔

حدیث(۲):ابوسلمہؒ نے جو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے والا تبار صاحبزادے ہیں اور مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ہیں،اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھانجے اور خاص شاگرد ہیں،ان کا کسی کے ساتھ زمین کا جھگڑا تھا،انھوں نے حضرت عائشہؓ سے اس کا تذکرہ کیا تو صدیقہؓ نے فرمایا: جھگڑے کی زمین سے بچ یعنی اس کو چھوڑ اور پھر مذکورہ حدیث سنائی کہ جو شخص بالشت بھر زمین دبائے گا وہ سات زمینوں کی مالا پہنایا جائے گا۔

حدیث(۳):حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: جس نے زمین میں سے کچھ بھی ناحق لیا: اس کو قیامت کے دن سات زمینوں تک دھنسایا جائے گا،اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طوق (مالا) پہنانا ایک تعبیر ہے،جیسے دھنسانا یعنی اس کو نہایت سخت سزادی جائے گی،پس ان الفاظ میں سات زمینوں کی ہیئت کذائی کی طرف کوئی خاص اشارہ نہیں ہے۔

فائدہ:فربریؒ نے امام بخاریؒ کے وراق ابوجعفر محمد بن ابی حاتم بخاریؒ کی روایت سے امام بخاریؒ کا قول ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث ابن المبارکؒ کی کتابوں میں جو خراسان میں لکھی گئی ہیں: نہیں ہے،آپ نے یہ حدیث بصرہ میں بیان کی ہے،مسلم بن ابراہیم: بصری راوی ہیں،لیکن شارحین نے کہا ہے کہ نعیم بن حماد مروزی جنھوں نے ابن المبارکؒ سے خراسان میں پڑھا ہے وہ بھی اس حدیث کو روایت کرتے ہیں،معلوم ہوا کہ ابن المبارکؒ نے یہ حدیث خراسان میں بھی بیان کی ہے،اور ہر

حدیث کا تصنیف میں ہونا ضروری نہیں۔

[۱۳-] بَابُ إِثْمِ مَنْ ظَلَمَ شَيْئًا مِنَ الْأَرْضِ

[۲۴۵۲-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، أَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، ثَنِيْ طَلْحَةُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ ابْنَ عَمْرِو بْنِ سَهْلٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّ سَعِيْدَ بْنَ زَيْدٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "مَنْ ظَلَمَ مِنَ الْأَرْضِ شَيْئًا، طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ أَرَضِيْنَ"[انظر: ۳۱۹۸]

[۲۴۵۳-] حدثنا أَبُوْ مَعْمَرٍ، ثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، ثَنَا حُسَيْنٌ، عَنْ يَحْيى بْنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ، ثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، أَنَّ أَبَا سَلَمَةَ حَدَّثَهُ، أَنَّـهُ كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أُنَاسٍ خُصُوْمَةٌ، فَذَكَرَ لِعَائِشَةَ، فَقَالَتْ لَهُ: يَا أَبَا سَلَمَةَ اجْتَنِبِ الْأَرْضَ، فَإِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قال:" مَنْ ظَلَمَ قِيْدَ شِبْرٍ مِنَ الْأَرْضِ طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ أَرَضِيْنَ"[انظر: ۳۱۹۵]

[۲۴۵۴-] حدثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، ثَنَا مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم:" مَنْ أَخَذَ مِنَ الْأَرْضِ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهِ، خُسِفَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلٰى سَبْعِ أَرَضِيْنَ"[انظر: ۳۱۹۶]

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: هٰذَا الْحَدِيْثُ لَيْسَ بِخُرَاسَانَ فِيْ كُتُبِ ابْنِ الْمُبَارَكِ، أَمْلٰى عَلَيْهِمْ بِالْبَصْرَةِ.

لغات: طَوَّقَ الشيئَ وبه: کسی کے لئے کوئی چیز طوق (مالا) بنادینا، قرآنِ کریم میں ہے: ﴿سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهِ﴾: جن چیزوں میں وہ بخل کرتے ہیں وہ چیزیں ان کے گلوں میں طوق بنادی جائیں گی .... قِيْد: بقدر، قِيْدَ شِبرٍ: بالشت بھر۔

بَابٌ: إِذَا أَذِنَ إِنْسَانٌ لِآخَرَ شَيْئًا جَازَ

جب کوئی کسی چیز کی اجازت دے تو جائز ہے

اجازت سے دوسرے کی چیز لینا ظلم نہیں، جبلہ جو تابعی ہیں کہتے ہیں: ہم نے مدینہ میں قیام کیا، اتفاق سے وہ قحط سالی کا زمانہ تھا، حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما ہمارے پاس چھوہارے بھیجتے تھے، ہم سب احباب مل کر کھارہے تھے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وہاں سے گذرے، فرمایا: ہر شخص ایک ایک دانہ کھائے اگر دو دانے ساتھ کھانے ہوں تو ساتھیوں سے اجازت لے (کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو جلدی ہوتی ہے پس وہ ساتھیوں سے اجازت لے کر دو دو دانے کھا سکتا ہے)

دوسری حدیث پہلے گذری ہے: ایک انصاری صحابی ابوشعیب رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے چہرہ سے فاقہ محسوس کیا،

وہ اٹھ کر گھر گئے ان کا ایک غلام گوشت فروش تھا، اس سے کہا: پانچ آدمیوں کا کھانا تیار کر، میں نبی ﷺ کو پانچ آدمیوں کے ساتھ بلا کر لاتا ہوں، وہ دعوت دے کر آ گئے، راستہ میں ایک اور صاحب ساتھ ہو لئے جن کو دعوت نہیں دی گئی تھی، جب نبی ﷺ داعی کے گھر پر پہنچے تو ان سے فرمایا: یہ صاحب ہمارے ساتھ آ گئے ہیں، اگر تمہارے یہاں کھانے میں گنجائش ہو تو ان کو بھی اجازت دیدو، انھوں نے کہا: گنجائش ہے، اور ان کو بھی اجازت ہے، اب وہ دعوت کا کھانا کھا سکتے ہیں۔

[١٤-] بَابٌ: إِذَا أَذِنَ إِنْسَانٌ لِآخَرَ شَيْئًا جَازَ

[٢٤٥٥-] حدثنا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ جَبَلَةَ، قَالَ: كُنَّا بِالْمَدِيْنَةِ فِي بَعْضِ أَهْلِ الْعِرَاقِ، فَأَصَابَتْنَا سَنَةٌ، فَكَانَ ابْنُ الزُّبَيْرِ يَرْزُقُنَا التَّمْرَ، فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَمُرُّ بِنَا فَيَقُوْلُ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنِ الإِقْرَانِ، إِلَّا أَنْ يَسْتَأْذِنَ الرَّجُلُ مِنْكُمْ أَخَاهُ.[انظر: ٢٤٨٩، ٢٤٩٠، ٥٤٤٦]

[٢٤٥٦-] حدثنا أَبُوْ النُّعْمَانِ، ثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ، عَنْ أَبِيْ مَسْعُوْدٍ: أَنَّ رَجُلاً مِنَ الأَنْصَارِ يُقَالُ لَهُ: أَبُوْ شُعَيْبٍ، كَانَ لَهُ غُلَامٌ لَحَّامٌ، فَقَالَ لَهُ أَبُوْ شُعَيْبٍ: اصْنَعْ لِيْ طَعَامَ خَمْسَةٍ، لَعَلِّيْ أَدْعُوَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم خَامِسَ خَمْسَةٍ، وَأَبْصَرَ فِي وَجْهِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم الْجُوْعَ، فَدَعَاهُ، فَتَبِعَهُمْ رَجُلٌ لَمْ يُدْعَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "إِنَّ هٰذَا قَدِ اتَّبَعَنَا أَتَأْذَنُ لَهُ؟" قَالَ: نَعَمْ.[راجع: ٢٠٨١]

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ: ﴿وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ﴾

سخت جھگڑالو ظالم ہوتا ہے

ألدّ اور خِصام ہم معنی ہیں، أَلَدّ: سخت جھگڑالو، یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے، اور خِصام: اگر باب مفاعلہ کا مصدر ہے تو اس کے معنی ہیں: جھگڑا کرنا اور اسم ہے تو اس کے معنی ہیں: جھگڑا کرنے والے، پس یہ خَصْم کی جمع ہے۔ پھر ایک کی دوسرے کی طرف اضافت کی گئی ہے، اب شراب دو آتشہ ہوگئی، اب معنی ہیں: سخت جھگڑالو، اور عربی میں جس طرح دو ہم معنی لفظوں کو موصوف صفت بناتے ہیں، پس معنی میں مبالغہ ہو جاتا ہے، جیسے: ظلا ظليلا: نہایت گھنا سایہ، اسی طرح دو ہم معنی لفظوں میں اضافت کرتے ہیں تو بھی معنی میں مبالغہ ہوتا ہے، اضافت کے بعد بھی ترکیب توصیفی کے معنی باقی رہتے ہیں۔

اور یہ سورۃ البقرہ آیت ۲۰۴ کا آخری حصہ ہے، پوری آیت یہ ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ﴾: اور بعضا آدمی ایسا ہے کہ اس کی گفتگو آپ کو دنیوی معاملات میں مزیدار معلوم ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے مافی الضمیر پر حاضر و ناظر بتاتا ہے حالانکہ وہ آپ کی مخالفت میں نہایت سخت ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: إِنَّ أَبْغَضَ الرِّجَالَ إِلَى اللّٰهِ الْأَلَدُّ الْخَصِمُ: اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسندوہ آدمی ہے جو نہایت سخت جھگڑالو ہے، پس جھگڑے میں آپے سے باہر ہو جانا ظلم ہے۔

سوال: یہ باب اس کتاب میں کیوں لائے ہیں؟

جواب: جھگڑے کا جواب ترکی بہ ترکی دینے میں تو کوئی حرج نہیں، یہ ظلم نہیں، لیکن اگر کوئی نہلے پہ دہلا رکھے تو یہ ظلم ہے، کسی نے ایک گالی دی اس نے سو سنادیں یہ ظلم ہے، پس جھگڑا کرنے میں جو الد الخصام ہے وہ ظالم ہوتا ہے، اس مناسبت سے یہ باب اس کتاب میں لائے ہیں۔

[۱۵-] بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ: ﴿وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ﴾

[۲۴۵۷-] حدثنا أَبُوْ عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنِ ابْنِ أَبِيْ مُلَيْكَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "إِنَّ أَبْغَضَ الرِّجَالِ إِلَى اللّٰهِ الْأَلَدُّ الْخَصِمُ" [انظر: ۴۵۲۳، ۷۱۸۸]

بَابُ إِثْمِ مَنْ خَاصَمَ فِي بَاطِلٍ وَهُوَ يَعْلَمُهُ

جانتے ہوئے ناحق جھگڑا کرنے کا گناہ

ایک آدمی جانتا ہے کہ گھر یا زمین اس کی نہیں ہے پھر بھی دعوی کرتا ہے اور مقدمہ لڑتا ہے: یہ ظلم ہے اور بڑا گناہ ہے، اگر قاضی اس کے حق میں فیصلہ بھی کردے تو بھی وہ چیز اس کے لیے لینا جائز نہیں۔

حدیث: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: نبی ﷺ نے مسجد میں اپنے کمرہ کے دروازہ پر جھگڑا سنا، آپؐ ان لوگوں کے پاس تشریف لے گئے، اور فریقین میں فیصلہ کیا، پھر فرمایا: میں انسان ہی ہوں یعنی مقدمہ میں کون حق پر ہے اور کون باطل پر: یہ میں نہیں جانتا اور بیشک ایک شخص میرے پاس مقدمہ لے کر آتا ہے، میں فریقین کی باتیں سن کر فیصلہ کرتا ہوں، پس ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک دوسرے سے زیادہ چرب زبان ہو، میں اس کی بات سے متأثر ہو کر اس کے حق میں فیصلہ کردوں، اور نفس الامر میں وہ چیز اس کی نہ ہو تو جاننا چاہئے کہ اس کو جہنم کے انگارے ہی کاٹ کر دے رہا ہوں، پس اس کا جی چاہے تو لے اور جی چاہے تو نہ لے۔

فائدہ: اس حدیث میں قضاء القاضی بشہادۃ الزور کا مسئلہ زیر بحث آتا ہے، اس پر گفتگو آگے کتاب الاحکام (حدیث ۷۱۸۱ کی شرح) میں آئے گی۔

[۱۶-] بَابُ إِثْمِ مَنْ خَاصَمَ فِي بَاطِلٍ وَهُوَ يَعْلَمُهُ

[۲۴۵۸-] حدثنا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنِيْ إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، ثَنِيْ

عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أُمِّ سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهُ، أَنَّ أُمَّهَا أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَخْبَرَتْهَا، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، أَنَّـهُ سَمِعَ خُصُوْمَةً بِبَابِ حُجْرَتِهِ فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ، فَقَالَ: "إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، وَإِنَّـهُ يَأْتِيْنِيْ الْخَصْمُ، فَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُوْنَ أَبْلَغَ مِنْ بَعْضٍ، فَأَحْسِبُ أَنَّـهُ قَدْ صَدَقَ وَأَقْضِي لَهُ بِذٰلِكَ، فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِحَقِّ مُسْلِمٍ فَإِنَّمَا هِيَ قِطْعَةٌ مِنَ النَّارِ، فَلْيَأْخُذْهَا أَوْ فَلْيَتْرُكْهَا"

[انظر: ۲۶۸۰، ۶۹۶۷، ۷۱۶۹، ۷۱۸۱، ۷۱۸۵]

بَابٌ: إِذَا خَاصَمَ فَجَرَ

جھگڑے میں گالی گلوچ کرنا نفاق کی علامت ہے

جب کسی سے جھگڑا ہو تو حد میں رہنا چاہئے، گالی گلوچ تک بات نہیں پہنچنی چاہئے، گالیاں دینا ایک طرح کا ظلم ہے، وہ نفاق کی علامت ہے، اور حدیث وہی ہے جو پہلے آئی ہے کہ چار باتیں جس شخص میں ہوں وہ پکا منافق ہے اور اگر ان میں سے کچھ باتیں ہوں تو وہ حصہ رسد منافق ہے، جب تک وہ اس کو چھوڑ نہ دے پکا مؤمن نہیں ہوسکتا، ایک: جب بھی بات کرے تو جھوٹ بولے، دوم: جب بھی وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے، سوم: جب بھی کسی سے عہد و پیمان باندھے تو بے وفائی کرے، چہارم: جب بھی کسی سے جھگڑے تو گالی گلوچ کرے۔

[۱۷-] بَابٌ: إِذَا خَاصَمَ فَجَرَ

[۲۴۵۹-] حدثنا بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ، أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُرَّةَ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا، أَوْ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنْ أَرْبَعٍ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ"[راجع: ۳۴]

بَابُ قِصَاصِ الْمَظْلُوْمِ إِذَا وَجَدَ مَالَ ظَالِمِهِ

اگر مظلوم کے ہاتھ ظالم کا مال آجائے تو بدلہ لینا

اس باب میں مسئلۃ الظفر ہے، ظفر کے معنی ہیں: کامیاب ہونا، کسی پر کسی کا حق ہے وہ نہیں دیتا، صاحب حق کو ظالم کی کوئی چیز مل گئی تو وہ اس کو اپنے حق میں روک سکتا ہے یا نہیں؟ حنفیہ کے نزدیک اگر وہ مال حق کی جنس سے ہے تو روک سکتا ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک سونا چاندی اور کرنسی ایک جنس ہیں، اور دیگر ائمہ کے نزدیک ہر حال میں روک سکتا ہے خواہ حق کی جنس سے ہو یا غیر جنس سے۔ تفصیل تحفۃ الالمعی ۴: ۱۹۰ میں ہے۔

اور باب میں ایک اثر اور دو حدیثیں ہیں:

اثر: ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ظالم کے مال کو بدلہ میں روک سکتا ہے (قاصَّہ مُقاصَّۃً: کسی کے ذمہ قرض کو اپنے واجب قرض کا بدل قرار دے کر حساب چکانا) اور دلیل سورۃ النحل کی آیت (۱۲۶) ہے: ''اگر بدلہ لینے لگو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے''

حدیث (۱): حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ گھر کے خرچ میں تنگی کرتے تھے، ان کی بیوی نے مسئلہ پوچھا کہ میں شوہر کی نظر بچا کر گھر کی ضروریات کے لئے شوہر کے مال میں سے کچھ لے لوں تو لے سکتی ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: معروف طریقہ پر لے سکتی ہو۔

تشریح: شرفاء کے گھروں میں شوہر کے پیسے بیوی کے پاس رہتے ہیں، شوہر نے بیوی سے کہا: خرچ کے لئے ہزار روپے لے لو، مگر ہزار روپے خرچ کے لئے کافی نہیں، بیوی نے سو روپے اور نکال لئے، یہ حق کی جنس سے ہے، نبی ﷺ نے اس کی اجازت دی۔

حدیث (۲): عرب میں عام بات تھی: جو بڑے لشکر چلتے تھے وہ اپنی رسد ساتھ لے کر چلتے تھے، اور چھوٹے سریے اپنی رسد ساتھ لے کر نہیں چل سکتے تھے، اس لئے وہ جس بستی میں ٹھہرتے بستی والے ایک وقت کی دعوت کرتے تھے، مگر دعوت کرنا لازم نہیں تھا، البتہ ایک وقت کی رسد قیمتاً دینا لازم تھا، پھر جب اسلام کا زمانہ آیا تو مذہبی دشمنی میں بعض قبائل نہ دعوت کرتے تھے نہ رسد بیچتے تھے، حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے مسئلہ پوچھا کہ اگر وہ نہ دعوت کریں نہ رسد دیں تو ہم کیا کریں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: زور جبر سے لے لو اور پیسے دیدو، کیونکہ سریہ والے مظلوم ہیں، اور گاؤں والے ظالم ہیں، اور مظلوم اپنا حق ظالم سے وصول کر سکتا ہے۔

[۱۸-] بَابُ قِصَاصِ الْمَظْلُوْمِ إِذَا وَجَدَ مَالَ ظَالِمِهِ

وَقَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ: يُقَاصُّهُ، وَقَرَأَ: ﴿ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهِ﴾[النحل: ۱۲۶]

[۲۴۶۰-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، أَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، ثَنِيْ عُرْوَةُ، أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: جَاءَ تْ هِنْدُ بِنْتُ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ، فَقَالَتْ: يَارَسُوْلَ اللهِ! إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ مِسِّيْكٌ، فَهَلْ عَلَيَّ حَرَجٌ أَنْ أُطْعِمَ مِنَ الَّذِيْ لَهُ عِيَالَنَا؟ فَقَالَ:'' لاَ حَرَجَ عَلَيْكِ أَنْ تُطْعِمِيْهِمْ بِالْمَعْرُوْفِ''[راجع: ۲۲۱۱]

[۲۴۶۱-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، ثَنِيْ يَزِيْدُ بْنُ أَبِيْ حَبِيْبٍ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: قُلْنَا لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: إِنَّكَ تَبْعَثُنَا، فَنَنْزِلُ بِقَوْمٍ لاَ يَقْرُوْنَنَا، فَمَا تَرَى فِيْهِ؟ فَقَالَ لَنَا:'' إِنْ نَزَلْتُمْ بِقَوْمٍ فَأُمِرَ لَكُمْ بِمَا يَنْبَغِيْ لِلضَّيْفِ فَاقْبَلُوْا، فَإِنْ لَمْ يَفْعَلُوْا فَخُذُوْا مِنْهُمْ حَقَّ الضَّيْفِ''[انظر: ۶۱۳۷]

بَابُ مَاجَاءَ فِي السَّقَائِفِ

عام جگہوں میں بیٹھنا

سَقَائف: سقيفة کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: چھپر، گاؤں میں اور محلوں میں بیٹھک بنا لیتے ہیں، اس پر چھپر ڈال دیتے ہیں، گاؤں والے اور محلّہ والے وہاں آ کر بیٹھتے ہیں، اور باتیں کرتے ہیں، حاشیہ میں لکھا ہے کہ ایسی جگہیں جہاں کوئی بھی آ کر بیٹھ سکتا ہے وہاں بیٹھنا ظلم نہیں، بنوساعدہ انصار کا ایک قبیلہ تھا اس قبیلہ میں ایک چھپر پڑا ہوا تھا، جہاں قبیلہ والے جمع ہو کر باتیں کرتے تھے، نبی ﷺ اور صحابہ بھی وہاں جا کر بیٹھے ہیں (یہ معلق روایت کتاب الاشربہ میں آئے گی) اور وفاتِ نبوی کے بعد انصار اسی سقیفہ میں خلافت کا مسئلہ طے کرنے کے لئے جمع ہوئے تھے، حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کو لے کر وہاں پہنچ گئے، وہیں حضرت ابوبکرؓ کی خلافت طے ہوئی۔ پس یہ بیٹھنا ظلم نہیں، نہ وہاں بیٹھنے کے لئے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت ہے۔

[۱۹-] بَابُ مَاجَاءَ فِي السَّقَائِفِ

وَجَلَسَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَأَصْحَابُهُ فِي سَقِيْفَةِ بَنِيْ سَاعِدَةَ.

[۲۴۶۲-] حدثنا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ، أَخْبَرَنِيْ ابْنُ وَهْبٍ، ثَنِيْ مَالِكٌ، ح: وَأَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ، أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ عَنْ عُمَرَ، قَالَ حِيْنَ تَوَفَّى اللّٰهُ نَبِيَّهُ صلى الله عليه وسلم إِنَّ الْأَنْصَارَ اجْتَمَعُوْا فِي سَقِيْفَةِ بَنِيْ سَاعِدَةَ، فَقُلْتُ لِأَبِيْ بَكْرٍ: انْطَلِقْ بِنَا، فَجِئْنَاهُمْ فِيْ سَقِيْفَةِ بَنِيْ سَاعِدَةَ. [انظر: ۳۴۴۵، ۳۹۲۸، ۴۰۲۱، ۶۸۲۹، ۶۸۳۰، ۷۳۲۳]

سند: باب کی حدیث عبداللہ بن وہب مصریؒ دو اساتذہ سے روایت کرتے ہیں، امام مالکؒ سے اور یونس ایلیؒ سے، پھر دونوں ابن شہاب زہریؒ سے روایت کرتے ہیں، مگر امام مالکؒ سے لفظ حدثنی سے روایت کرتے ہیں اور یونس ایلیؒ سے لفظ أخبرنی سے، ابن وہب اس کا بڑا اہتمام کرتے تھے، استاذ نے حدیث پڑھی ہو تو حدثنی کہتے تھے اور طالب علم نے پڑھی ہو تو أخبرنی کہتے تھے، پس تحویل سند کے درمیان میں ہے۔

بَابٌ: لَايَمْنَعُ جَارٌ جَارَهُ أَنْ يَغْرِزَ خُشُبَهُ فِي جِدَارِهِ

اپنی دیوار میں پڑوسی کو کڑیاں گھسانے سے نہ روکے

پڑوسی اپنے گھر میں کمرہ بنانا چاہتا ہے، وہ اپنی کڑیاں ہماری دیوار میں گھسانا چاہتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: اس کو مت

روکو، یہ مسئلہ اخلاقیات کے باب سے ہے، قضاء روکنے کا حق ہے، کیونکہ دیوار میں کڑیوں کا پیوست ہونا آگے چل کر دیوار میں استحقاق کی بنیاد بن سکتا ہے، اس لئے قضاء روکنے کا حق ہے۔ اور امام صاحبؒ نے حدیث ہی اٹھا کر باب میں رکھ دی ہے، اس لئے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ روکنا ظلم ہے یا نہیں؟ پس بغیر اجازت کڑیاں گھسانا ظلم ہے، اور اجازت سے جائز ہے۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: کوئی شخص اپنے پڑوسی کو اس سے نہ روکے کہ وہ اپنی کڑیاں گاڑے اس کی دیوار میں، جب حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ حدیث بیان کی تو سننے والوں نے سر جھکالیا، حضرت ابو ہریرہؓ سمجھ گئے کہ لوگوں کو یہ بات پسند نہیں آئی، پس آپؓ نے فرمایا: کیا بات ہے میں تمہیں حدیث سے اعراض کرنے والا دیکھ رہا ہوں؟ بخدا ضرور ماروں گا میں یہ حدیث تمہارے شانوں کے درمیان یعنی میں یہ حدیث تمہیں ضرور سناؤں گا، بات در حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ حدیث مسئلہ کے طور پر سنائی تھی، جبکہ مسئلہ یہ نہیں ہے۔ اب حدیث کا معارضہ تو جائز نہیں تھا اس لئے لوگوں نے سر جھکالیا۔

[۲۰-] بَابٌ: لَایَمْنَعُ جَارٌ جَارَهُ أَنْ یَغْرِزَ خُشُبَهُ فِی جِدَارِهِ

[۲۴۶۳-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: "لَا یَمْنَعُ جَارٌ جَارَهُ أَنْ یَغْرِزَ خُشُبَهُ فِی جِدَارِهِ" ثُمَّ یَقُوْلُ أَبُوْ هُرَیْرَةَ: مَالِیْ أَرَاكُمْ عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ؟ وَاللّٰهِ لَأَرْمِیَنَّهَا بِهَا بَیْنَ أَكْتَافِكُمْ. [انظر: ۵۶۲۷، ۵۶۲۸]

بَابُ صَبِّ الْخَمْرِ فِی الطَّرِیْقِ

راستہ میں شراب ریڑھنا

جب شراب حرام ہوئی تو شراب کے مٹکے راستوں میں بہا دیئے گئے، پس یہ ظلم نہیں، کیونکہ دس پندرہ منٹ میں زمین خشک ہو جائے گی، ہاں راستہ میں کوئی تکلیف دہ چیز ڈالنا جیسے شیشہ کا ٹکڑا ڈالا یا کیلے کا چھلکا ڈالا تو یہ ٹھیک نہیں، کیونکہ کسی کا پیر زخمی ہو سکتا ہے یا وہ پھسل کر گر سکتا ہے، اس لئے یہ ایک طرح کا ظلم ہوگا۔

[۲۱-] بَابُ صَبِّ الْخَمْرِ فِی الطَّرِیْقِ

[۲۴۶۴-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِیْمِ أَبُوْ یَحْیىٰ، ثَنَا عَفَّانُ، ثنا حَمَّادُ بْنُ زَیْدٍ، ثنا ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كُنْتُ سَاقِیَ الْقَوْمِ فِیْ مَنْزِلِ أَبِی طَلْحَةَ، وَكَانَ خَمْرُهُمْ یُوْمَئِذٍ الْفَضِیْخَ، فَأَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مُنَادِیًا یُنَادِیْ: أَلَا إِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ! فَقَالَ لِیْ أَبُوْ طَلْحَةَ: اخْرُجْ فَأَهْرِقْهَا، فَخَرَجْتُ فَهَرَقْتُهَا، قَالَ: فَجَرَتْ فِی سِكَكِ الْمَدِیْنَةِ، فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: قَدْ قُتِلَ قَوْمٌ وَهِیَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ،

فَأَنْزَلَ اللّٰهُ: ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا﴾ الآية[المائدة: ٩٣]
[انظر: ٤٦١٧، ٤٦٢٠، ٥٥٨٠، ٥٥٨٢، ٥٥٨٣، ٥٥٨٤، ٥٦٠٠، ٥٦٢٢، ٧٢٥٣]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اپنے سوتیلے والد حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں اہل محفل کو شراب پلا رہا تھا، اور اس زمانہ میں لوگوں کی شراب فضیخ تھی یعنی انگوری شراب کا رواج نہیں تھا، گدر کھجور کی شراب ہی رائج تھی، پس نبی ﷺ نے ایک پکارنے والے کو حکم دیا اس نے اعلان کیا: سنو! خمر (انگوری شراب مگر حکم سبھی شرابوں کو عام ہے) حرام کردی گئی! پس ابوطلحہؓ نے مجھ سے کہا: باہر جا کر شراب بہادو، چنانچہ میں نکلا اور اس کو بہادیا، پس وہ مدینہ کی گلیوں میں بہہ گئی (یہاں باب ہے) اس وقت یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ جو لوگ شراب پی کر شہید ہوئے ان کا کیا ہوگا؟ پس سورۃ المائدہ کی آیت ۹۳ نازل ہوئی کہ ایسے لوگوں پر جو ایمان دار ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں، یعنی انھوں نے جب شراب پی تھی اس وقت وہ حلال تھی۔ پس اس کا ان کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔

بَابُ أَفْنِيَةِ الدُّوْرِ، وَالْجُلُوْسِ فِيْهَا، وَالْجُلُوْسِ عَلَى الصُّعُدَاتِ

آنگنوں میں اور بڑے راستوں میں بیٹھنا

أفنية: فناء کی جمع ہے، گھر کے سامنے کا کھلا صحن۔ دُور: دار کی جمع ہے، گھر۔ صُعُدَات: صَعِيْدٌ کی جمع ہے، جیسے: طُرُقَات: طريق کی جمع ہے، اور مراد عام راستے ہیں، گھروں کے سامنے جو کھلی جگہ ہوتی ہے وہاں بیٹھنا یا عام راستوں کے کنارہ پر بیٹھنا جائز ہے، یہ ظلم نہیں، نہ وہاں بیٹھنے کے لئے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت ہے، البتہ آنگن چھوٹا اور مملوکہ ہو تو پھر اجازت لینی ہوگی۔

اور باب میں دو حدیثیں ہیں: پہلی حدیث پہلے گذر چکی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنائی، وہ اس میں نماز پڑھتے تھے اور قرآن پڑھتے تھے پس مشرکین کی عورتیں اور ان کے لڑکے حضرت کے پاس جمع ہوجاتے تھے اور تعجب کرتے تھے۔ یہ عورتوں کا اور لڑکوں کا ٹھٹھ لگانا دلیل ہے کہ گھر کے سامنے کے کھلے صحن میں کوئی بھی آسکتا ہے۔

دوسری حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: عام راستوں پر بیٹھنے سے بچو، صحابہ نے عرض کیا: ہماری مجبوری ہے، وہی ہمارے بیٹھنے کی جگہیں ہیں، وہاں بیٹھ کر ہم باتیں کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا: اگر تمہیں بیٹھنا ہی ہے تو راستہ کو اس کا حق دو، صحابہ نے پوچھا: راستہ کا حق کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: (اجنبی عورت سے) نگاہ نیچی رکھنا، تکلیف دہ چیز روکنا یعنی راستہ میں نہ ڈالنا، سلام کا جواب دینا، بھلی بات کا حکم دینا اور بری بات سے روکنا۔ معلوم ہوا کہ عام راستوں پر بیٹھنا جائز ہے۔

[۲۲-] بَابُ أَفْنِيَةِ الدُّوْرِ، وَالْجُلُوْسِ فِيْهَا، وَالْجُلُوْسِ عَلَى الصُّعُدَاتِ

وَقَالَتْ عَائِشَةُ: فَابْتَنَى أَبُوْ بَكْرٍ مَسْجِدًا بِفِنَاءِ دَارِهِ، يُصَلِّيْ فِيْهِ وَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ، فَيَتَقَصَّفُ عَلَيْهِ نِسَاءُ الْمُشْرِكِيْنَ وَأَبْنَاؤُهُمْ، يَعْجَبُوْنَ مِنْهُ، وَالنَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَوْمَئِذٍ بِمَكَّةَ.

[٢٤٦٥-] حدثنا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، ثَنَا أَبُوْ عُمَرَ حَفْصُ بْنُ مَيْسَرَةَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوْسَ عَلَى الطُّرُقَاتِ" فَقَالُوْا: مَالَنَا بُدٌّ، إِنَّمَا هِيَ مَجَالِسُنَا، نَتَحَدَّثُ فِيْهَا. قَالَ:" فَإِذَا أَبَيْتُمْ إِلَّا الْمَجَالِسَ فَأَعْطُوْا الطَّرِيْقَ حَقَّهَا" قَالُوْا: وَمَا حَقُّ الطَّرِيْقِ؟ قَالَ:" غَضُّ الْبَصَرِ، وَكَفُّ الْأَذَى، وَرَدُّ السَّلَامِ، وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ، وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ"[انظر: ٦٢٢٩]

بَابُ الآبَارِ عَلَى الطَّرِيْقِ إِذَا لَمْ يُتَـأَذَّ بِهَا

راستے پر کنویں بنانا جبکہ اس سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے

راستہ کے کنارے پر کسی نے کنواں کھودا اور اس سے کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی تو یہ ظلم نہیں، کیونکہ اپنی ملکیت میں ہر شخص کو تصرف کرنے کا حق ہے، بلکہ اس کنویں سے اگر لوگ فائدہ اٹھائیں گے تو ثواب ملے گا۔

خیال رہے کہ یہ کتاب مظالم وقصاص کے بیان میں ہے، امام بخاریؒ نے مثبت ومنفی دونوں پہلوؤں سے مظالم کو بیان کیا ہے، یہ کام ظلم ہے یہ مثبت پہلو ہے اور یہ کام ظلم نہیں یہ منفی پہلو ہے۔ اور باب میں حدیث وہی ہے جو پہلے گذری ہے کہ ایک شخص راستہ پر چل رہا تھا، اس کو سخت پیاس لگی، راستہ سے لگواں کنواں تھا اس میں وہ اترا اور پانی پیا، پھر جب نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی وجہ سے نمناک مٹی چاٹ رہا ہے، پس اس نے اپنے موزے میں پانی بھر کر اس کتے کو پلایا پس اللہ تعالیٰ نے اس کا شکریہ ادا کیا یعنی اس کو بخش دیا، صحابہ نے پوچھا: جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں بھی ثواب ہے؟ آپؐ نے فرمایا: فی کل ذاتِ کَبِدٍ رَطْبَةٍ أجرٌ: ہر تر جگر والے کے ساتھ یعنی زندہ جانور کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں ثواب ہے۔

[۲۳-] بَابُ الآبَارِ عَلَى الطَّرِيْقِ إِذَا لَمْ يُتَـأَذَّ بِهَا

[٢٤٦٦-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِيْ بَكْرٍ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" بَيْنَمَا رَجُلٌ بِطَرِيْقٍ فَاشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ، فَوَجَدَ بِئْرًا فَنَزَلَ فِيْهَا، فَشَرِبَ ثُمَّ خَرَجَ، فَإِذَا كَلْبٌ يَلْهَثُ يَأْكُلُ الثَّرَى مِنَ الْعَطَشِ، فَقَالَ الرَّجُلُ: لَقَدْ بَلَغَ هٰذَا الْكَلْبَ مِنَ الْعَطَشِ مِثْلُ الَّذِيْ كَانَ بَلَغَ مِنِّيْ، فَنَزَلَ الْبِئْرَ فَمَلَأَ خُفَّهُ مَاءً، فَسَقَى

الْكَلْبَ، فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ، فَغَفَرَ لَهُ" قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، وَإِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ لَأَجْرًا؟ فَقَالَ: "فِيْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ" [راجع: ١٧٣]

بَابُ إِمَاطَةِ الْأَذَى

تکلیف دہ چیز ہٹانا

راستہ میں کیلے کا چھلکا پڑا ہو، کانچ پڑا ہو، کسی نے اس کو ہٹا دیا تو یہ بڑا ثواب کا کام ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانا صدقہ ہے، یعنی کارِثواب ہے، یہ منفی پہلو سے ظلم نہ ہونے کا بیان ہے۔

[٢٤-] بَابُ إِمَاطَةِ الْأَذَى

وَقَالَ هَمَّامٌ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: "يُمِيْطُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيْقِ صَدَقَةٌ"

بَابُ الْغُرْفَةِ وَالْعِلِّيَّةِ: الْمُشْرِفَةِ وَغَيْرِ الْمُشْرِفَةِ: فِي السُّطُوْحِ وَغَيْرِهَا

کمرہ اور بالا خانہ: جس سے جھانک سکیں یا نہ جھانک سکیں: چھتوں میں یا اس کے علاوہ میں

غُرفة: کمرہ، نیچے کا ہو یا اوپر کا۔ اور العُلِّيَّة: (عین کا زیر اور پیش) اوپر کا کمرہ، بالا خانہ، پھر وہ دو طرح کے ہوتے ہیں، اس میں سے جھانک سکیں یا نہ جھانک سکیں،، کھڑکی ہوگی تو جھانک سکیں گے اور کھڑکی نہیں ہوگی یا قدم آدم دیوار اونچی ہوگی تو اس میں سے نہیں جھانک سکیں گے، اس سے صرف روشنی ہوا آئے گی، اور یہ کمرہ اور بالا خانہ گھر کی چھت پر بنا ہوا ہو یا گھر ہی اونچا ہو۔

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ گھر ایسا بنانا یا چھت پر بالا خانہ بنانا ظلم ہے یا نہیں؟ حضرتؒ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا، اور مسئلہ کا مدار اس پر ہے کہ اگر اس میں کھڑکی ہے اور اس سے پڑوسیوں کے گھروں کی بے پردگی ہوتی ہے تو یہ ظلم ہے، اور اگر یہ بات نہیں ہے تو ظلم نہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر پڑوسی کا گھر متصل ہے اور کھڑکی سے جھانکا جاسکتا ہے تو پھر پڑوسی کی طرف کھڑکی رکھنا درست نہیں، اور اگر گھر اتنا اونچا ہے کہ نیچے کی چیز واضح طور پر نظر نہیں آتی جیسے جامع مسجد اور مسجد رشید کے منارے، ان کے اوپر چڑھ کر چاروں طرف دیکھیں تو کوئی چیز واضح طور پر نظر نہیں آئے گی، اسی طرح اگر پڑوسیوں کے گھر فاصلہ پر ہیں تو بھی جھانکا نہیں جاسکتا نہ رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے پس اوپر کمرہ بنانا اور کھڑکی رکھنا درست ہے۔

اور باب میں تین حدیثیں ہیں:

پہلی حدیث: یہ ہے کہ نبی ﷺ ایک مرتبہ مدینہ منورہ کے ایک قلعہ پر چڑھے اور وہاں سے مدینہ پر نظر ڈالی، پھر فرمایا: ''کیا تم دیکھتے ہو وہ چیز جو میں دیکھ رہا ہوں؟ میں فتنوں کے گرنے کو دیکھتا ہوں تمہارے گھروں میں، بارش کے قطروں کے گرنے کی طرح'' یہ قلعہ چونکہ بہت اونچا تھا، وہاں سے نیچے نظر ڈالنے میں کوئی چیز واضح طور پر نظر نہیں آتی تھی، اس لئے ایسا اونچا منارہ یا ٹاور بنانا جائز ہے۔

[۲۵-] بَابُ الْغُرْفَةِ وَالْعِلِّيَّةِ: الْمُشْرِفَةِ وَغَيْرِ الْمُشْرِفَةِ: فِي السُّطُوْحِ وَغَيْرِهَا

[۲٤٦٧-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، قَالَ: أَشْرَفَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَلٰى أُطُمٍ مِنْ آطَامِ الْمَدِيْنَةِ، ثُمَّ قَالَ: " هَلْ تَرَوْنَ مَا أَرَى؟ إِنِّيْ أَرَى مَوَاقِعَ الْفِتَنِ خِلَالَ بُيُوْتِكُمْ كَمَوَاقِعِ الْقَطْرِ"[راجع: ۱۸۷۸]

دوسری حدیث: لمبی ہے، اس میں یہ مضمون ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کمرہ پر بالا خانہ بنا ہوا تھا، نبی ﷺ ایلاء والے واقعہ میں ایک مہینہ تک اس میں قیام پذیر رہے ہیں اس بالا خانہ میں کھڑکی تھی یا نہیں؟ حدیث میں اس کی صراحت نہیں، اگر کھڑکی نہیں تھی تب تو کوئی بات نہیں، اور اگر کھڑکی تھی تو چونکہ لوگوں کے مکانات وہاں سے دور تھے اس لئے کچھ حرج نہیں، اور حدیث آسان ہے پھر بھی ترجمہ بعد میں کیا جائے گا۔

جاننا چاہئے کہ بخاری شریف (حدیث ۲۵۸۱) میں ہے کہ ازواجِ مطہرات کی دو جماعتیں تھیں، ایک میں: حضرات عائشہ، حفصہ اور سودہ رضی اللہ عنہن تھیں اور دوسری میں: حضرت ام سلمہ اور دیگر ازواج تھیں (انتہی) اور علم وفضل میں حضرت عائشہؓ کے بعد حضرت ام سلمہؓ کا نمبر تھا، اور حسن وجمال میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا، اور نبی ﷺ کا معمول تھا کہ عصر کے بعد کھڑے کھڑے سب بیویوں کے پاس تشریف لے جاتے تھے، اور خیر خیریت معلوم کرتے تھے، اس موقعہ پر ہر بیوی صاحبہ کوشش کرتی تھی کہ آپؐ زیادہ سے زیادہ اس کے یہاں ٹھہریں، چنانچہ حضرت زینبؓ نے شہد منگوا کر رکھ رکھا تھا، نبی ﷺ کو شہد مرغوب تھا، وہ شہد کا شربت بناتیں، پلاتیں اور باتیں کرتیں، اور اس طرح کافی دیر آپؐ کو روک رکھتیں، حضرت عائشہؓ کو یہ بات کھلی اور انھوں نے حضرت حفصہؓ وغیرہ کو اعتماد میں لیا، اور ایک پلان بنایا کہ نبی ﷺ زینبؓ کے پاس سے شربت پی کر جس کے پاس تشریف لائیں وہ کہے یا رسول اللہ! آپؐ نے مغافیر کھایا ہے؟ مغافیر جمع ہے مِغْفَار کی، یہ کھانے کا ایک گوند ہے جو عُرفط پودے سے نکلتا ہے، اور اس میں بو ہوتی ہے، جو بعض لوگوں کو ناپسند ہوتی ہے، اور نبی ﷺ کو یہ بات ناپسند تھی کہ ازواج آپؐ کے منہ سے بو محسوس کریں، چنانچہ آپؐ گھر میں تشریف لاتے ہی مسواک فرماتے تھے، پس جب آپؐ سے مذکورہ بات پوچھی جائے گی تو آپؐ جواب دیں گے: نہیں، میں نے مغافیر نہیں کھایا، بلکہ زینبؓ کے یہاں شہد کا شربت پیا ہے تو وہ کہے کہ شہد کی مکھی نے عرفط گھاس سے چارہ لیا ہوگا، جس سے شہد میں

بوآ گئی، پس آپؐ اس شہد سے ہاتھ اٹھالیں گے، اوراس طرح مسئلہ حل ہوجائے گا۔

چنانچہ جب آپؐ شہد نوش فرما کر حضرت سودہؓ کے یہاں تشریف لائے تو انھوں نے پلان کے مطابق وہ بات کہی، آپؐ نے مذکورہ جواب دیا، پھر جب آپؐ حضرت حفصہؓ کے پاس پہنچے تو انھوں نے بھی وہی بات کہی، اور آپؐ نے وہی جواب دیا، نیز یہ بھی فرمایا کہ میں شہد کو اپنے لئے حرام کرتا ہوں، مگر یہ بات کسی کو بتلانا نہیں، تاکہ زینبؓ کی دل شکنی نہ ہو، نہ ازواج کی دوسری جماعت کو جوابی کاروائی کا موقع ملے، مگر حضرت حفصہؓ نے یہ بات حضرت عائشہؓ کو بتلادی کہ پلان کامیاب ہوگیا، اور نبی ﷺ نے مطلق شہد کو اپنے لئے حرام کرلیا ہے۔

پھر جب اگلے دن آپؐ حضرت زینبؓ کے پاس پہنچے اور انھوں نے شربت بنانا چاہا تو آپؐ نے فرمایا: لاحاجة لی فیه: مجھے شہد کا شربت نہیں پینا۔ اس سے ازواج کی دوسری جماعت کا ماتھا ٹھنکا، مگر اس سے پہلے کہ بات آ ؤٹ ہو اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو وحی کے ذریعہ صورت حال سے باخبر کردیا، اور آپؐ نے حضرت حفصہؓ سے صرف اتنا فرمایا کہ تم نے راز فاش کردیا، اس سے زیادہ کچھ نہ کہا، نہ یہ بتلایا کہ آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی، حفصہؓ کا خیال اس طرف گیا کہ عائشہؓ نے یہ بات بتائی ہوگی، اگر ایسا ہوا ہے تو وہ عائشہؓ کے سر ہوجائیں گی، مگر آپؐ نے جواب دیا کہ مجھے ساری بات اللہ تعالیٰ نے بتائی ہے، اس واقعہ میں سورۃ التحریم کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں: جو یہ ہیں:

”اے نبی! آپؐ کیوں حرام کرتے ہیں اس چیز کو جسے اللہ نے آپؐ کے لئے حلال کیا ہے؟ آپؐ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں! اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں! (یہ معاتبہ ہے یعنی بر بنائے تعلق اظہارِ ناراضگی ہے) اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کے لئے اپنی قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر کردیا ہے (اور وہ طریقہ یہ ہے کہ قسم توڑ دی جائے اور جس چیز کو حرام کیا ہے اس کو استعمال کیا جائے، پھر کفارہ دیا جائے) اور اللہ تعالیٰ تمہارے کارساز ہیں، اور وہ خوب جاننے والے بڑی حکمت والے ہیں (اور یہ بھی کارسازی میں داخل ہے کہ نامناسب قسم سے نکلنے کی راہ تجویز فرمادی) اور یاد کرو اس وقت کو جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے رازدارانہ طور پر ایک بات کہی، پھر جب اس نے وہ بات بتلادی اور اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کو اس کی خبر کردی تو نبی نے تھوڑی سی بات بتلائی اور باقی بات ٹال گئے، سو جب پیغمبر نے اس بیوی کو وہ بات بتلائی تو اس نے پوچھا: آپ کو کس نے بات بتلائی؟ آپؐ نے فرمایا: بڑے جاننے والے نہایت باخبر نے مجھے یہ بات بتلائی ہے، اگر تم دونوں اللہ کے سامنے توبہ کرو تو تمہارے دل مائل ہو رہے ہیں، یعنی دلوں میں توبہ کرنے کے لئے آمادگی ہے اور اگر تم دونوں نبی کے خلاف کاروائی کروگی تو اللہ نبی کے رفیق ہیں اور جبرئیل اور نیک مسلمان اور فرشتے بھی آپؐ کے مددگار ہیں“

سوال: یہ تو کوئی بڑا معاملہ نہیں تھا، صرف ایک راز فاش کرنے کی بات تھی، پھر قرآن نے اس کو اتنی اہمیت کیوں دی کہ اگر تم دونوں نبی کے خلاف کاروائی کروگی (اور اپنی جماعت کے ساتھ مل کر کروگی) تو اللہ تعالیٰ نبی کے کارساز ہیں اور جبرئیل اور نیک مسلمان پشت پناہ ہیں اور فرشتے بھی مددگار ہیں، اتنے بڑے لاؤ لشکر کی کیا ضرورت ہے؟ یہ تو معمولی مسئلہ ہے۔

جواب: چنگاری ابتداء میں معمولی نظر آتی ہے، مگر جب بھڑکتی ہے تو لاوا پھونک دیتی ہے، گھریلو مسائل کا بھی یہی حال ہے، شروع میں وہ معمولی نظر آتے ہیں، مگر جب بڑھتے ہیں تو نشیمن اجاڑ دیتے ہیں، غور کرو! یہاں مسئلہ صرف دو ازواج کا نہیں تھا بلکہ تمام ازواج کا تھا، پس جب ازواج کے دو گروپ متصادم ہونگے تو نبی ﷺ کے گھر کا کیا حال ہوگا؟ اس کا اندازہ ہر معاشرتی مسائل سے واقف کار بخوبی لگا سکتا ہے، چنانچہ اگلی آیت میں وارننگ دی کہ اگر نبی ﷺ تم سب بیویوں کو طلاق دیدیں تو اللہ تعالیٰ تم سے بہتر ازواج آپؐ کے لئے مہیا فرمادیں گے، یعنی نبی ﷺ کی گاڑی تمہارے بغیر بھی چلے گی، پس تم ہوش میں آجاؤ، اور ان آیات میں سب بیویوں کو نہیں لپیٹا صرف ان دو کو توبہ پر ابھارا ہے جو واقعہ کا اصل کردار تھیں، کیونکہ چنگاری بجھ جائے گی تو خطرہ ٹل جائے گا۔ پھر آگے مسلمانوں کے گھریلو معاملات سنوارنے کا حکم دیا ہے۔

[۲۴۶۸-] حدثنا يَحْيىَ بْنُ بُكَيْرٍ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ ثَوْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: لَمْ أَزَلْ حَرِيْصًا عَلَى أَنْ أَسْأَلَ عُمَرَ عَنِ الْمَرْأَتَيْنِ مِنْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم اللَّتَيْنِ قَالَ اللّٰهُ لَهُمَا: ﴿إِنْ تَتُوْبَا إِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا﴾ [التحريم: ٤] فَحَجَجْتُ مَعَهُ، فَعَدَلَ وَعَدَلْتُ مَعَهُ بِالإِدَاوَةِ، فَتَبَرَّزَ ثُمَّ جَاءَ فَسَكَبْتُ عَلَى يَدَيْهِ مِنَ الإِدَاوَةِ، فَتَوَضَّأَ، فَقُلْتُ: يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ! مَنِ الْمَرْأَتَانِ مِنْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم اللَّتَانِ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَهُمَا: ﴿إِنْ تَتُوْبَا إِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا؟﴾ فَقَالَ: وَاعَجَبًا لَكَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ! عَائِشَةُ وَحَفْصَةُ. ثُمَّ اسْتَقْبَلَ عُمَرُ الْحَدِيْثَ يَسُوْقُهُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: عرصہ سے میرے دل میں خواہش تھی کہ میں ان دو عورتوں کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھوں جن کے بارے میں سورۃ التحریم میں فرمایا گیا ہے کہ اگر تم دونوں اللہ کے سامنے توبہ کرو تو تمہارے دل مائل ہو رہے ہیں، پھر میں نے حضرت عمرؓ کے ساتھ حج کیا، پس حضرت عمرؓ راستہ سے ہٹے، میں بھی ان کے ساتھ لوٹا لے کر ہٹا، پس آپؓ نے بڑا استنجاء کیا پھر آئے تو میں نے آپؓ کے دونوں ہاتھوں پر لوٹے سے پانی ڈالا، آپؓ نے وضو کیا پس میں نے پوچھا: اے امیر المؤمنین! ازواج مطہرات میں سے وہ دو عورتیں کون ہیں جن کے بارے میں اللہ پاک نے فرمایا ہے: ﴿إِنْ تَتُوْبَا إِلَى اللّٰهِ﴾؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے تم پر حیرت ہے، اے ابن عباس! وہ دونوں عائشہؓ اور حفصہؓ ہیں، پھر حضرت عمرؓ نے شروع سے بات شروع کی۔

تشریح: اس جملہ کا کیا مطلب ہے کہ ''اے ابن عباس! مجھے تم پر حیرت ہے'' امام زہریؒ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ابن عباسؓ کی بات پسند نہیں آئی پھر بھی انھوں نے بات چھپائی نہیں، بلکہ بتادی، مگر یہ بات صحیح نہیں۔ بخاری شریف (حدیث ۴۹۱۳) میں عبید بن حُنین کی روایت ہے، ابن عباسؓ نے کہا: میں ایک سال سے یہ بات

آپؐ سے دریافت کرنا چاہتا تھا، مگر ہیبت کی وجہ سے دریافت نہ کرسکا، حضرت عمرؓ نے فرمایا: ایسا نہ کرو، جس چیز کے بارے میں تمہارا خیال ہو کہ میں اس کو جانتا ہوں وہ پوچھ لیا کرو، اگر مجھے اس کا علم ہوگا تو بتلادوں گا۔

حضرت ابن عباسؓ کے سوال کا جواب یہاں پورا ہوگیا کہ وہ عائشہؓ اور حفصہؓ ہیں، اس سے زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں، ابن عباسؓ باقی بات جانتے تھے، آیات میں سب کچھ موجود ہے، صرف دو ازواج کی تعیین نہیں تھی وہ حضرت عمرؓ نے کردی، مگر بات میں سے بات نکلتی ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے وہ واقعہ بیان کیا جو آیاتِ تخییر سے متعلق ہے۔

فَقَالَ: إِنِّیْ كُنْتُ وَجَارٌ لِیْ مِنَ الْأَنْصَارِ فِیْ بَنِیْ أُمَیَّةَ بْنِ زَیْدٍ، وَهِیَ مِنْ عَوَالِی الْمَدِیْنَةِ، وَكُنَّا نَتَنَاوَبُ النُّزُوْلَ عَلَى النَّبِیِّ صلى الله علیه وسلم، فَیَنْزِلُ یَوْمًا وَأَنْزِلُ یَوْمًا، فَإِذَا نَزَلْتُ جِئْتُهُ مِنْ خَبَرِ ذٰلِكَ الْیَوْمِ مِنَ الْأَمْرِ وَغَیْرِهِ، وَإِذَا نَزَلَ فَعَلَ مِثْلَهُ.

وَكُنَّا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ نَغْلِبُ النِّسَاءَ، فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى الْأَنْصَارِ، إِذْ هُمْ قَوْمٌ تَغْلِبُهُمْ نِسَاؤُهُمْ، فَطَفِقَ نِسَاؤُنَا یَأْخُذْنَ مِنْ أَدَبِ نِسَاءِ الْأَنْصَارِ، فَصِحْتُ عَلٰى امْرَأَتِیْ فَرَاجَعَتْنِیْ، فَأَنْكَرْتُ أَنْ تُرَاجِعَنِیْ، فَقَالَتْ: وَلِمَ تُنْكِرُ أَنْ أُرَاجِعَكَ؟ فَوَ اللّٰهِ إِنَّ أَزْوَاجَ النَّبِیِّ صلى الله علیه وسلم لَیُرَاجِعْنَهُ، وَإِنَّ إِحْدَاهُنَّ لَتَهْجُرُهُ الْیَوْمَ حَتَّى اللَّیْلِ، فَأَفْزَعَنِیْ، فَقُلْتُ: خَابَتْ مَنْ فَعَلَتْ مِنْهُنَّ بِعَظِیْمٍ، ثُمَّ جَمَعْتُ عَلَیَّ ثِیَابِیْ، فَدَخَلْتُ عَلٰى حَفْصَةَ، فَقُلْتُ: أَیْ حَفْصَةُ! أَتُغَاضِبُ إِحْدَاكُنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله علیه وسلم الْیَوْمَ حَتَّى اللَّیْلِ؟ فَقَالَتْ: نَعَمْ، فَقُلْتُ: خَابَتْ وَخَسِرَتْ، أَفَتَأْمَنُ أَنْ یَغْضَبَ اللّٰهُ لِغَضَبِ رَسُوْلِهِ فَتَهْلِكِیْنَ؟ لَا تَسْتَكْثِرِیْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله علیه وسلم، وَلَا تُرَاجِعِیْهِ فِیْ شَیْءٍ، وَلَا تَهْجُرِیْهِ، وَسَلِیْنِیْ مَا بَدَا لَكِ، وَلَا یَغُرَّنَّكِ أَنْ كَانَتْ جَارَتُكِ هِیَ أَوْضَأَ مِنْكِ وَأَحَبَّ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله علیه وسلم، یُرِیْدُ عَائِشَةَ.

وَكُنَّا تَحَدَّثْنَا أَنَّ غَسَّانَ تُنْعِلُ النِّعَالَ لِغَزْوِنَا، فَنَزَلَ صَاحِبِیْ یَوْمَ نَوْبَتِهِ فَرَجَعَ عِشَاءً، فَضَرَبَ بَابِیْ ضَرْبًا شَدِیْدًا، وَقَالَ: أَنَائِمٌ هُوَ؟ فَفَزِعْتُ، فَخَرَجْتُ إِلَیْهِ، وَقَالَ: حَدَثَ أَمْرٌ عَظِیْمٌ! فَقُلْتُ: مَا هُوَ؟ أَجَاءَ تْ غَسَّانُ؟ قَالَ: لَا، بَلْ أَعْظَمُ مِنْهُ وَأَطْوَلُ، طَلَّقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله علیه وسلم نِسَاءَ هُ. قَالَ: قَدْ خَابَتْ حَفْصَةُ وَخَسِرَتْ، كُنْتُ أَظُنُّ أَنَّ هٰذَا یُوْشِكُ أَنْ یَكُوْنَ.

(پھر حضرت عمرؓ نے ایک دوسرا واقعہ بیان کرنا شروع کیا) فرمایا: میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی، بنوامیہ بن زید کے محلّہ میں رہا کرتے تھے، اور وہ محلّہ عوالی مدینہ میں تھا، اور ہم نبی ﷺ کی خدمت میں باری باری حاضر ہوتے تھے، وہ ایک دن حاضر رہتا تھا اور میں ایک دن حاضر رہتا تھا، پس جب میں حاضر رہتا تو اس کے پاس اس دن کی وحی وغیرہ کی خبریں پہنچاتا، اور جب وہ حاضر رہتا تو وہ بھی ایسا ہی کرتا، یعنی اس دن کی خبریں مجھ تک پہنچاتا۔

اور ہم جماعت قریش عورتوں پر غالب رہتے تھے، پس جب ہم انصار کے پاس (مدینہ) آئے تو اچانک وہاں ایسے لوگوں کو پایا جن پر ان کی عورتیں غالب تھیں، پس ہماری عورتوں نے بھی انصار کی عورتوں کا طریقہ سیکھنا شروع کیا، چنانچہ میں ایک دن اپنی بیوی پر غصہ ہوا تو اس نے مجھے جواب دیا، میں نے بیوی کے جواب دینے کو اوپرا سمجھا، تو اس نے کہا: آپ جواب دینے کو اوپرا کیوں سمجھتے ہیں؟ پس بخدا! نبی ﷺ کی بیویاں نبی ﷺ کو جواب دیتی ہیں، اور ان میں سے ایک نبی ﷺ کو چھوڑ دیتی ہے یعنی ناراض ہوجاتی ہے صبح سے شام تک، پس میں گھبرا گیا (حضرت عمرؓ کہتے ہیں) پس میں نے دل میں کہا: بڑے گھاٹے میں رہی وہ جس نے ان میں سے ایسا کیا، پھر میں نے اپنے کپڑوں کو جمع کیا یعنی کپڑے پہنے اور حفصہؓ کے پاس گیا، پس میں نے کہا: کیا تم میں ایک رسول اللہ ﷺ سے پورے دن حتی کہ رات تک ناراض رہتی ہے؟ اس نے کہا: ہاں، میں نے کہا: وہ گھاٹے میں رہی اور ٹوٹے میں رہی! کیا تم اس سے مطمئن ہو کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہوجائیں رسول اللہ ﷺ کے ناراض ہونے کی وجہ سے؟ پس تم تباہ ہوجاؤ؟ رسول اللہ ﷺ سے بہت فرمائشیں مت کرو اور نہ کسی بات کا آپؐ کو جواب دو، اور نہ آپؐ سے قطع تعلق کرو، اور تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو مجھ سے مانگو، اور ہرگز تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے یہ بات کہ تمہاری پڑوسن تم سے زیادہ خوبصورت ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کی محبوبہ ہے، مراد حضرت عائشہؓ ہیں۔

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:) اور ہم باتیں کیا کرتے تھے کہ ہم پر فوج کشی کرنے کے لئے غسان گھوڑوں کے نعل باندھ رہے ہیں، پس میرا ساتھی اپنی باری کے دن حاضر خدمت ہوا، اور عشاء کے وقت لوٹا، اور زور سے میرا دروازہ کھٹکھٹایا، اور کہا: کیا وہ سویا ہوا ہے؟ پس میں گھبرا گیا، اور باہر نکلا، اس نے کہا: ایک بہت بڑا معاملہ پیش آ گیا ہے، میں نے پوچھا: کیا غسان آ گئے؟ اس نے کہا: نہیں، اس سے بھی بڑا اور لمبا واقعہ! نبی ﷺ نے اپنی سب بیویوں کو طلاق دیدی، حضرت عمرؓ نے کہا: حفصہ یقیناً گھاٹے میں رہی اور ٹوٹے میں رہی، میرا خیال تھا کہ عنقریب ایسا ہوگا۔

فَجَمَعْتُ عَلَيَّ ثِيَابِيْ، فَصَلَّيْتُ صَلاَةَ الْفَجْرِ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَدَخَلَ مَشْرُبَةً لَهُ فَاعْتَزَلَ فِيْهَا، فَدَخَلْتُ عَلٰى حَفْصَةَ، فَإِذَا هِيَ تَبْكِيْ، قُلْتُ: مَا يُبْكِيْكِ؟ أَوَ لَمْ أَكُنْ حَذَّرْتُكِ؟ أَطَلَّقَكُنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم؟ قَالَتْ: لاَ أَدْرِيْ، هُوَ ذَا فِي الْمَشْرُبَةِ. فَخَرَجْتُ فَجِئْتُ الْمِنْبَرِ، فَإِذَا حَوْلَهُ رَهْطٌ يَبْكِيْ بَعْضُهُمْ، فَجَلَسْتُ مَعَهُمْ قَلِيْلاً، ثُمَّ غَلَبَنِيْ مَا أَجِدُ، فَجِئْتُ الْمَشْرُبَةَ الَّتِيْ هُوَ فِيْهَا، فَقُلْتُ لِغُلَامٍ أَسْوَدَ: اسْتَأْذِنْ لِعُمَرَ. فَدَخَلَ فَكَلَّمَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ خَرَجَ، فَقَالَ: ذَكَرْتُكَ لَهُ فَصَمَتَ، فَانْصَرَفْتُ حَتَّى جَلَسْتُ مَعَ الرَّهْطِ الَّذِيْنَ عِنْدَ الْمِنْبَرِ، ثُمَّ غَلَبَنِيْ مَا أَجِدُ، فَجِئْتُ فَقُلْتُ لِلْغُلَامِ، فَذَكَرَ مِثْلَهُ، فَجَلَسْتُ مَعَ الرَّهْطِ الَّذِيْنَ عِنْدَ الْمِنْبَرِ، ثُمَّ غَلَبَنِيْ مَا أَجِدُ، فَجِئْتُ الْغُلَامَ فَقُلْتُ: اسْتَأْذِنْ لِعُمَرَ، فَذَكَرَ مِثْلَهُ، فَلَمَّا وَلَّيْتُ مُنْصَرِفًا فَإِذَا الْغُلَامُ يَدْعُوْنِيْ، قَالَ: أَذِنَ لَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ، فَإِذَا هُوَ مُضْطَجِعٌ عَلٰى رِمَالِ حَصِيْرٍ، لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ فِرَاشٌ، قَدْ أَثَّرَ

الرِّمَالُ بِجَنْبِهِ، مُتَّكِئٌ عَلٰى وِسَادَةٍ مِنْ أَدَمٍ، حَشْوُهَا لِيفٌ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، ثُمَّ قُلْتُ وَأَنَا قَائِمٌ: طَلَّقْتَ نِسَاءَ كَ؟ فَرَفَعَ بَصَرَهُ إِلَيَّ، فَقَالَ: لاَ.

ثُمَّ قُلْتُ وَأَنَا قَائِمٌ أَسْتَأْنِسُ، يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ لَوْ رَأَيْتَنِيْ وَكُنَّا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ نَغْلِبُ النِّسَاءَ، فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلٰى قَوْمٍ تَغْلِبُهُمْ نِسَاؤُهُمْ، فَذَكَرَهُ، فَتبَسَّمَ النَّبِيُّ صلی الله علیه وسلم، ثُمَّ قُلْتُ: لَوْ رَأَيْتَنِيْ وَدَخَلْتُ عَلٰى حَفْصَةَ، فَقُلْتُ: لاَ يَغُرَّنَّكِ أَنْ كَانَتْ جَارَتُكِ هِيَ أَوْضَأَ مِنْكِ، وَأَحَبَّ إِلَى النَّبِيِّ صلی الله علیه وسلم – يُرِيْدُ عَائِشَةَ – فَتَبَسَّمَ أُخْرَى، فَجَلَسْتُ حِيْنَ رَأَيْتُهُ تَبَسَّمَ، ثُمَّ رَفَعْتُ بَصَرِيْ فِيْ بَيْتِهِ، فَوَ اللّٰهِ! مَا رَأَيْتُ فِيْهِ شَيْئًا يَرُدُّ الْبَصَرَ غَيْرَ أَهَبَةٍ ثَلاَثٍ، فَقُلْتُ: ادْعُ اللّٰهُ فَلْيُوَسِّعْ عَلٰى أُمَّتِكَ، فَإِنَّ فَارِسَ وَالرُّوْمَ وُسِّعَ عَلَيْهِمْ،وَأُعْطُوْا الدُّنْيَا وَهُمْ لاَ يَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ، وَكَانَ مُتَّكِئًا، فَقَالَ:"أَوَفِيْ شَكٍّ أَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ؟ أُوْلٰئِكَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا" فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اسْتَغْفِرْ لِيْ.

ترجمہ: پس میں نے اپنے کپڑوں کو جمع کیا اور فجر کی نماز نبی ﷺ کے ساتھ پڑھی، پس آپؐ بالاخانہ میں تشریف لے گئے (یہاں باب ہے) اور وہاں تنہا ہوگئے، پس میں حفصہؓ کے پاس گیا، پس اچانک وہ رو رہی تھی، میں نے پوچھا: اب کیوں روتی ہو؟ کیا میں نے تمہیں وارننگ نہیں دی تھی؟ کیا تمہیں نبی ﷺ نے طلاق دیدی؟ حفصہؓ نے کہا: مجھے معلوم نہیں! آپؐ بالاخانہ میں ہیں، پس میں نکلا اور منبر کے پاس آیا پس اچانک منبر کے اردگرد کچھ لوگ تھے، ان میں سے بعض رو رہے تھے، پس میں ان کے پاس تھوڑی دیر بیٹھا، پھر مجھ پر غالب آئی وہ بات (غم، فکر) جو میں پاتا تھا، پس میں اس بالاخانہ کے پاس آیا جس میں آپؐ تشریف فرما تھے، اور میں نے ایک کالے غلام سے کہا: عمر کے لئے اجازت طلب کر، وہ اندر گیا اور نبی ﷺ سے بات کی، پھر نکلا اور کہا: میں نے آپؐ سے تمہارا تذکرہ کیا مگر آپؐ خاموش رہے، پس میں لوٹ گیا یہاں تک کہ ان لوگوں کے پاس بیٹھا جو منبر کے پاس بیٹھے تھے، پھر مجھ پر غالب آئی وہ بات جو میں پاتا تھا، پس میں آیا اور میں نے غلام سے کہا: پس اس نے وہی بات کہی، پھر میں ان لوگوں کے ساتھ بیٹھا جو منبر کے پاس تھے، پھر مجھ پر غالب آئی وہ بات جو میں پاتا تھا، پس میں غلام کے پاس آیا اور میں نے اس سے کہا: عمر کے لئے اجازت طلب کر، پس اس نے وہی بات کہی، پس جب میں پیٹھ پھیر کر چل دیا تو اچانک غلام مجھے پکار رہا ہے، اس نے کہا: آپ کو رسول اللہ ﷺ نے اجازت دیدی، پس میں اندر گیا پس اچانک آپ برہنہ چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے، آپؐ کے اور چٹائی کے درمیان کوئی بچھونا نہیں تھا، تحقیق بوریے کے نشان آپؐ کے پہلو پر پڑ گئے تھے، ایک چمڑے کے تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، میں نے آپؐ کو سلام کیا اور کھڑے کھڑے ہی پوچھا: آپؐ نے اپنی بیویوں کو طلاق دیدی؟ پس آپؐ نے میری طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا: نہیں۔

پھر میں نے کھڑے کھڑے ہی عرض کیا: میں آپؐ سے بے تکلفی کی بات کروں؟ یارسول اللہ! اگر آپؐ ہمیں دیکھتے

درانحالیکہ ہم قریش کی جماعت غالب رہتے تھے عورتوں پر، پس جب ہم ایسے لوگوں میں آئے جن پران کی عورتیں غالب تھیں (پس ہماری عورتوں نے ان کی عورتوں سے سیکھنا شروع کیا) پھر سارا واقعہ بیان کیا، پس نبی ﷺ مسکرائے، پھر میں نے عرض کیا: اگر آپؐ مجھے دیکھتے کہ میں حفصہؓ کے پاس گیا اور میں نے کہا: تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے یہ بات کہ تمہاری ساتھ والی تم سے زیادہ خوبصورت ہے اور وہ نبی ﷺ کو زیادہ محبوب ہے —— مراد حضرت عائشہؓ ہیں —— پس نبی ﷺ دوسری مرتبہ مسکرائے پس میں بیٹھ گیا جب میں نے آپؐ کو مسکراتے ہوئے دیکھا، پھر میں نے اپنی نگاہ حجرہ میں اٹھائی تو بخدا! نہیں دیکھی میں نے گھر میں کوئی اہم چیز سوائے تین کھالوں کے، پس میں نے عرض کیا: اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ آپؐ کی امت پر وسعت فرمائیں، پس بیشک فارس اور روم پر وسعت کی گئی ہے اور ان کو دنیا دی ہے حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے، اور آپؐ ٹیک لگائے ہوئے تھے پس (آپؐ سیدھے بیٹھ گئے اور) فرمایا: کیا تم شک میں ہوا ےابن خطاب! وہ ایسے لوگ ہیں جن کو ان کی ستھری چیزیں دنیوی زندگی میں جلدی کھلا دی گئی ہیں، پس میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے لئے دعاء مغفرت فرمائیں۔

فَاعْتَزَلَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ الْحَدِیْثِ، حِیْنَ أَفْشَتْهُ حَفْصَةُ إِلٰی عَائِشَةَ، وَكَانَ قَدْ قَالَ: " مَا أَنَا بِدَاخِلٍ عَلَیْهِنَّ شَهْرًا" مِنْ شِدَّةِ مَوْجِدَتِهٖ عَلَیْهِنَّ حِیْنَ عَاتَبَهُ اللّٰهُ، فَلَمَّا مَضَتْ تِسْعٌ وَعِشْرُوْنَ دَخَلَ عَلٰی عَائِشَةَ فَبَدَأَ بِهَا فَقَالَتْ لَهُ عَائِشَةُ: إِنَّكَ أَقْسَمْتَ أَنْ لَا تَدْخُلَ عَلَیْنَا شَهْرًا وَإِنَّا أَصْبَحْنَا بِتِسْعٍ وَعِشْرِیْنَ لَیْلَةً، أَعُدُّهَا عَدًّا. فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم: " الشَّهْرُ تِسْعٌ وَعِشْرُوْنَ" وَكَانَ ذٰلِكَ الشَّهْرُ تِسْعًا وَعِشْرِیْنَ. قَالَتْ عَائِشَةُ: فَأُنْزِلَتْ آیَةُ التَّخْیِیْرِ فَبَدَأَ بِیْ أَوَّلَ امْرَأَةٍ فَقَالَ: " إِنِّیْ ذَاكِرٌ لَكِ أَمْرًا وَلَا عَلَیْكِ أَنْ لَا تَعْجَلِیْ حَتّٰی تَسْتَأْمِرِیْ أَبَوَیْكِ" قَالَتْ: قَدْ عَلِمَ أَنَّ أَبَوَیَّ لَمْ یَكُوْنَا یَأْمُرَانِّیْ بِفِرَاقِكَ. ثُمَّ قَالَ: " إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَالَ: ﴿ یَا أَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ﴾ إِلٰی قَوْلِهٖ: ﴿ عَظِیْمًا﴾ [الاحزاب: ۲۸-۲۹] قُلْتُ: أَفِیْ هٰذَا أَسْتَأْمِرُ أَبَوَیَّ؟ فَإِنِّیْ أُرِیْدُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ، ثُمَّ خَیَّرَ نِسَاءَهُ فَقُلْنَ مِثْلَ مَا قَالَتْ عَائِشَةُ. [راجع: ۸۹]

ترجمہ: پس اس بات کی وجہ سے نبی ﷺ نے علاحدگی اختیار کی جب حفصہؓ نے عائشہؓ سے آپؐ کا راز بیان کردیا (یہ راوی نے دوسرے واقعہ کو پہلے واقعہ سے ملا دیا ہے) آپؐ نے فرمایا: میں ان میں سے کسی کے پاس ایک مہینہ تک نہیں جاؤں گا، ازواج پر سخت غصہ ہونے کی وجہ سے جب اللہ نے آپؐ پر عتاب فرمایا (اس واقعہ میں عتاب نازل نہیں ہوا تھا، عتاب شہد کو حرام کرنے کے واقعہ میں نازل ہوا تھا) پس جب انتیس دن گذر گئے تو نبی ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے (اختیار دینے کی) ابتداء فرمائی، پس آپؐ سے حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: آپؐ نے ایک مہینہ

تک ہمارے پاس نہ آنے کی قسم کھائی تھی، اورابھی انتیس راتیں گذری ہیں، میں ان کو گن رہی ہوں، پس نبی ﷺ نے فرمایا: مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے اور وہ مہینہ انتیس کا تھا، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: پس اللہ تعالیٰ نے آیتِ تخییر نازل فرمائی، پس آپؐ نے مجھ سے ابتداء فرمائی، آپؐ نے فرمایا: میں تم سے ایک بات ذکر کرنے والا ہوں اور تم (جواب دینے میں) جلدی نہ کرنا، یہاں تک کہ تم اپنے والدین سے مشورہ کرلو، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: آپؐ جانتے تھے کہ میرے ماں باپ مجھے حکم نہیں دیں گے آپؐ سے جدا ہونے کا، پھر فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور آپؐ نے سورۂ احزاب کی آیات ۲۸-۲۹ تلاوت فرمائیں، میں نے عرض کیا: کیا اس معاملہ میں میں اپنے والدین سے مشورہ کروں گی؟ میں تو اللہ کو، اور اس کے رسول کو اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہوں، پھر آپؐ نے اپنی تمام ازواج کو اختیار دیا، تو انھوں نے بھی وہی بات کہی جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہی تھی۔

تشریح: اس آخری مضمون میں راوی نے خلط ملط کر دیا ہے، آپؐ نے جو ایک ماہ تک ازواج کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی تھی اس سلسلہ میں کوئی اظہار ناراضگی نہیں کیا گیا تھا، بلکہ آپؐ نے وہ مدت پوری فرمائی تھی، اور ختم مدت پر آیات تخییر نازل ہوئیں تھیں، جن کا تذکرہ سورۃ الاحزاب میں ہے اور آئندہ تیسری حدیث میں اس کا ذکر ہے —— اور اظہارِ ناراضگی شہد کو حرام کرنے کے واقعہ میں کیا گیا تھا اور اس کے لئے قسم کا کفارہ تجویز کیا تھا جس کا تذکرہ سورۃ التحریم کے شروع میں ہے (تفصیل تحفۃ الالمعی سورۂ تحریم کی تفسیر میں ہے)

[۲۴۶۹-] حدثنا ابْنُ سَلَامٍ، أَنَا الفَزَارِيُّ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيْلِ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: آلٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ نِسَائِهِ شَهْرًا، وَكَانَتِ انْفَكَّتْ قَدَمُهُ، فَجَلَسَ فِي عُلِّيَّةٍ لَهُ، فَجَاءَ عُمَرُ، فَقَالَ: أَطَلَّقْتَ نِسَاءَ كَ؟ فَقَالَ: " لَا، وَلٰكِنِّيْ آلَيْتُ مِنْهُنَّ شَهْرًا" فَمَكَثَ تِسْعًا وَعِشْرِيْنَ، ثُمَّ نَزَلَ فَدَخَلَ عَلٰى نِسَائِهِ.

[راجع: ۳۷۸]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے ایک مہینہ تک ازواج کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی، اور آپؐ کے پاؤں میں موچ آگئی تھی، پس آپؐ بالا خانہ میں فروکش ہوگئے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور عرض کیا: کیا آپؐ نے اپنی بیویوں کو طلاق دیدی؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، لیکن میں نے ان سے ایک ماہ کے لئے ایلاء کیا ہے، پس آپ انتیس دن ٹھہر رہے پھر اترے، اور ازواج کے پاس تشریف لے گئے۔

تشریح: بنو نضیر اور بنو قریظہ کی فتوحات کے بعد جب نبی ﷺ کی آمدنی بڑھ گئی تو ازواج مطہرات نے متفق ہوکر آنحضور ﷺ سے نفقہ میں اضافہ کا مطالبہ کیا، آپؐ کو اس مطالبہ سے رنج ہوا، کیونکہ آمدنی بڑھی تھی تو ساتھ ہی مسلمانوں کی ضروریات بھی بڑھی تھیں، چنانچہ آپؐ نے ناراض ہوکر ایک ماہ تک ازواج کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی، یعنی ایلاء لغوی کیا

اور بالاخانہ میں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ پر تھا قیام فرمایا، انہی دنوں میں آپؐ گھوڑے پر سوار ہوکر کہیں تشریف لے جارہے تھے کہ اچانک گھوڑا کسی وجہ سے بدکا اور بھاگا اور کھجور کے ایک درخت کے پاس سے اس طرح گذرا کہ جسم اطہر گھوڑے اور درخت کے بیچ میں آگیا اور آپؐ کی ایک جانب چھیل گئی، پس بیماری کے دن بھی آپؐ نے بالاخانہ میں گذارے، تفصیل تحفۃ القاری (۱:۴۷۲، ۲و:۲۱۳) میں گذر چکی ہے۔

بَابُ مَنْ عَقَلَ بَعِيْرَهُ عَلَى الْبَلَاطِ أَوْ بَابِ الْمَسجِدِ

جس نے اپنا اونٹ پتھر کے فرش پر یا مسجد کے دروازہ پر باندھا

بَلاط (بالفتح) وہ پتھر جو فرش میں لگایا جاتا ہے، آج کل ٹائلس لگائے جاتے ہیں، یہ بھی بلاط ہیں، مسجدِ نبوی کے آگے غیر مسقّف حصہ تھا جو مسجدِ نبوی میں داخل نہیں تھا، وہاں پتھر بچھے ہوئے تھے، یہ بلاط ہے، اگر کوئی شخص اس پر یا مسجد کے دروازے پر اونٹ باندھے یا گاڑی کھڑی کرے تو جائز ہے، ظلم نہیں۔ اور مسئلہ کا مدار اس پر ہے کہ جہاں اونٹ باندھنے سے یا گاڑی کھڑی کرنے سے نمازیوں کو ضرر پہنچے یعنی تنگی ہو تو ظلم ہے ورنہ نہیں، اور حدیث پہلے گذری ہے، ایک سفر میں نبی ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اونٹ خریدا تھا، جب سفر سے لوٹے اور مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت جابرؓ اونٹ لے کر آئے اور پتھر کے فرش پر ایک کونہ میں اس کو باندھ دیا، اور عرض کیا: آپؐ کا اونٹ لایا ہوں، آپؐ نے مسجد سے باہر نکل کر اونٹ کے اردگرد گھومنا شروع کیا اور فرمایا: اونٹ بھی آپ کا اور ثمن بھی، پس ثمن بھی ادا کیا اور اونٹ بھی واپس کیا۔

[۲۶-] بَابُ مَنْ عَقَلَ بَعِيْرَهُ عَلَى الْبَلَاطِ أَوْ بَابِ الْمَسجِدِ

[۲٤٧٠-] حدثنا مُسْلِمٌ، ثَنَا أَبُوْ عَقِيْلٍ، ثَنَا أَبُوْ الْمُتَوَكِّلِ النَّاجِيُّ، قَالَ: أَتَيْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: دَخَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الْمَسْجِدَ، فَدَخَلْتُ إِلَيْهِ، وَعَقَلْتُ الْجَمَلَ فِي نَاحِيَةِ الْبَلَاطِ، فَقُلْتُ: هٰذَا جَمَلُكَ، فَخَرَجَ فَجَعَلَ يُطِيْفُ بِالْجَمَلِ، فَقَالَ: "الثَّمَنُ وَالْجَمَلُ لَكَ"[راجع: ٤٤٣]

بَابُ الْوُقُوْفِ وَالْبَوْلِ عِنْدَ سُبَاطَةِ قَوْمٍ

کسی قوم کی کوڑی پر ٹھہرنا اور پیشاب کرنا

سُباطة: کوڑی، گوبر وغیرہ ڈالنے کی جگہ، اگر کوئی شخص وہاں پیشاب کرے تو یہ عرف میں ظلم نہیں، کیونکہ کوڑی گندگی ڈالنے کی جگہ ہے، وہاں پیشاب کرنے میں کسی کا کچھ نقصان نہیں، پس کسی کی مملوکہ جگہ میں کوئی ایسا کام کرنا جس سے مالک کا کچھ نقصان نہ ہو: جائز ہے۔ اور حدیث پہلے گذری ہے: نبی ﷺ ایک قوم کی کوڑی پر گئے اور وہاں کھڑے ہوکر پیشاب

کیا جبکہ کوڑی کے مالک سے اجازت نہیں لی تھی، اور یہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا مسئلہ کی وضاحت کے لئے تھا، اگر کوئی گندی جگہ ہو اور بیٹھ کر پیشاب کرنے کی کوئی صورت نہ ہو تو کھڑے ہوکر پیشاب کرنا جائز ہے، اسی طرح کوئی اور عذر ہو تو بھی کھڑے ہوکر پیشاب کر سکتے ہیں، اسی لئے آپؐ نے برملا یہ عمل کیا، اور کوڑی عذر کی ایک مثال ہے۔

[٢٧-] بَابُ الْوُقُوْفِ وَالْبَوْلِ عِنْدَ سُبَاطَةِ قَوْمٍ

[٢٤٧١-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ أَبِىْ وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، أَوْ قَالَ: لَقَدْ أَتَى النَّبِىُّ صلى الله عليه وسلم سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا. [راجع: ٢٢٤]

بَابُ مَنْ أَخَذَ الْغُصْنَ وَمَا يُؤْذِى النَّاسَ فِى الطَّرِيْقِ فَرَمَى بِهِ

راستہ میں کوئی کانٹے دار ٹہنی یا کوئی تکلیف دہ چیز ملی، اس کو وہاں سے ہٹا دیا

راستہ پر کسی کانٹے دار درخت کی ٹہنی جھک آئی، یا کسی نے کاٹ کر ڈال دی یا راستہ میں کیلے کا چھلکا پڑا تھا، یا بلیڈ یا کوئی کانچ کا ٹکڑا پڑا تھا، کسی نے اس کو ہٹا دیا تو یہ ظلم نہیں، بلکہ اس کی ضد نیکی کا کام ہے۔ مسلم شریف میں روایت ہے: حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتلایئے جس سے میں فائدہ اٹھاؤں، آپؐ نے فرمایا: مسلمانوں کے راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹا دو۔

[٢٨-] بَابُ مَنْ أَخَذَ الْغُصْنَ وَمَا يُؤْذِى النَّاسَ فِى الطَّرِيْقِ فَرَمَى بِهِ

[٢٤٧٢-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ سُمَىٍّ، عَنْ أَبِىْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِىْ بِطَرِيْقٍ وَجَدَ غُصْنَ شَوْكٍ عَلَى الطَّرِيْقِ، فَأَخَّرَهُ فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ" [راجع: ٦٥٢]

بَابٌ: إِذَا اخْتَلَفُوْا فِى الطَّرِيْقِ الْمِيْتَاءِ: تُرِكَ مِنْهَا لِلطَّرِيْقِ سَبْعَةُ أَذْرُعٍ

آنے جانے کے راستہ میں اختلاف ہو تو سات ہاتھ چوڑا راستہ چھوڑا جائے

المیتاءُ: آنے جانے کا راستہ: أَتیٰ سے ہے ورمیم زائد ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے باب کے درمیان میں اس کی تفسیر **الرَّحْبَة** سے کی ہے یعنی گھروں کے درمیان پڑا ہوا میدان، کھلی جگہ، اس جگہ کو کوئی شخص استعمال کرنا چاہتا ہے، اپنے گھر کی تعمیر آگے بڑھانا چاہتا ہے، دوسرے لوگ کہتے ہیں: یہ عام استعمال کی جگہ ہے، پس نبی ﷺ نے فیصلہ کیا کہ سات ہاتھ

چوڑا راستہ چھوڑ کر باقی زمین لوگ اپنے گھروں میں ملا سکتے ہیں، مگر اب لوگوں کو اس کا اختیار نہیں، محلوں میں جو جگہیں پڑی ہیں وہ بلدیہ (میونسپلٹی) کی ہیں، اس میں حکومت کی اجازت کے بغیر کوئی تعمیر نہیں کرسکتا۔

دوسری مثال: بھائیوں میں زمین کا بٹوارہ ہوا، اب سرکاری راستہ تک جانے کے لئے راستہ کاٹنا ہے، اس میں اختلاف ہوا کہ کتنا چوڑا راستہ کاٹا جائے؟ تو یہ بات شرکاء کی باہمی رضامندی پر موقوف ہے اور اگر اختلاف ہو تو سات ہاتھ چوڑا راستہ کاٹا جائے، اس پر دو زاملے (سامان بردار اونٹ) اُور ٹیک کرسکتے ہیں اس سے زیادہ چوڑے راستہ کی ضرورت نہیں، البتہ الکوثر الجاری میں ہے کہ اب سواریاں بدل گئی ہیں، لہٰذا موجودہ زمانہ کی سواریوں کے لحاظ سے راستہ کاٹا جائے، اس وقت سب سے بڑی سواری ٹرک ہے پس دو ٹرک اُور ٹیک کرسکیں اتنا چوڑا راستہ کاٹنا چاہئے۔

[۲۹-] بَابٌ: إِذَا اخْتَلَفُوْا فِي الطَّرِيْقِ الْمِيْتَاءِ— وَهِيَ الرَّحْبَةُ تَكُوْنُ بَيْنَ الطَّرِيْقِ— ثُمَّ يُرِيْدُ أَهْلُهَا الْبُنْيَانَ فَتُرِكَ مِنْهَا لِلطَّرِيْقِ سَبْعَةُ أَذْرُعٍ

[۲٤٧٣-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا جَرِيْرُ بْنُ حَازِمٍ، عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ خِرِّيْتٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: قَضَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا تَشَاجَرُوْا فِي الطَّرِيْقِ بِسَبْعَةِ أَذْرُعٍ.

وضاحت: باب میں جو المیتاء ہے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں آیا ہے، اس لئے اس کو بڑھایا ہے۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ لفظ نہیں۔

بَابُ النُّهْبَى بِغَيْرِ إِذْنِ صَاحِبِهِ

مالک کی اجازت کے بغیر لوٹنا

مالک کی اجازت کے بغیر کوئی مال سامان لوٹنا جائز نہیں، یہ ظلم ہے، البتہ اگر مالک کی طرف سے صراحتاً، دلالۃً یا عرفاً اجازت ہو تو پھر لوٹ سکتے ہیں، جیسے: یوروپ اور امریکہ میں جب لوگ گھر کا فرنیچر بدلتے ہیں تو پرانا فرنیچر نکال کر گھر سے باہر رکھ دیتے ہیں، یہ دلالۃ اجازت ہوتی ہے کہ جو چاہے لے جائے۔ اور لوٹنے اور لٹانے میں فرق ہے۔ شادی میں چھوہارے لٹائے جاتے ہیں وہ ظلم نہیں، کیونکہ پھینکنا صراحۃً لوٹنے کی اجازت ہے۔

اور باب میں دو روایتیں ہیں:

پہلی روایت: حضرت عبداللہ بن یزید انصاری جو عدی بن ثابت کے نانا ہیں، کہتے ہیں: نبی ﷺ نے لوٹنے سے اور شکل بگاڑنے سے منع کیا (اور مثلہ عام ہے خواہ زندے کا ہو یا مردے کا)

دوسری روایت: نبی ﷺ نے فرمایا: زنا کرنے والا ایمان کی حالت میں زنا نہیں کرتا، اور کوئی شخص ایمان کی حالت

میں شراب نہیں پیتا۔ اور کوئی شخص ایمان کی حالت میں چوری نہیں کرتا، اور مؤمن ایمان کی حالت میں کوئی لوٹ نہیں مچاتا، جس میں اس کی طرف لوگ نظریں اٹھائیں، یعنی بڑی لوٹ نہیں مچاتا (یہ ابوبکر کی روایت ہے اور سعید اور ابوسلمہ بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کرتے ہیں مگر اس میں آخری مضمون (لوٹ مچانے کا) نہیں ہے۔

پھر آخر میں فربریؒ نے امام بخاریؒ کے وراق ابوجعفرؒ کی کتاب سے ایک اضافہ نقل کیا ہے: امام بخاریؒ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ گناہ کرتے وقت ایمان کا نور اس سے نکال لیا جاتا ہے، یعنی مؤمن کامل ایمان کی حالت میں یہ کام نہیں کرتا، یہ اس لئے بڑھایا ہے کہ گمراہ فرقے (معتزلہ اور خوارج) اس حدیث سے استدلال نہ کریں، ان کا مذہب یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ ایمان سے نکل جاتا ہے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ایمان نہیں نکلتا، ایمان کا نور نکل جاتا ہے یعنی ایمان تو رہتا ہے مگر وہ ناقص اور بے نور رہتا ہے، اور اس کی دوسری تعبیر یہ ہے کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو ایمان نکل کر اس پر سائبان کی طرح ہو جاتا ہے، یعنی چلا نہیں جاتا، پھر جب بندہ گناہ سے فارغ ہوتا ہے تو ایمان واپس آ جاتا ہے۔

[۳۰-] بَابُ النُّهْبَى بِغَيْرِ إِذْنِ صَاحِبِهِ

وَقَالَ عُبَادَةُ: بَايَعْنَا النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَنْ لاَ نَنْتَهِبَ.

[۲٤۷٤-] حدثنا آدَمُ بْنُ أَبِيْ إِيَاسٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، ثَنَا عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ، سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ يَزِيْدَ الْأَنْصَارِيَّ- وَهُوَ جَدُّهُ أَبُوْ أُمِّهِ - قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنِ النُّهْبٰى وَالْمُثْلَةِ.

[راجع: ٥٥١٦]

[۲٤۷٥-] حدثنا سَعِيْدُ بْنُ عُفَيْرٍ، ثَنَا اللَّيْثُ، ثَنَا عُقَيْلٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِيْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "لَا يَزْنِيْ الزَّانِيْ حِيْنَ يَزْنِيْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلاَ يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلاَ يَسْرِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلاَ يَنْتَهِبُ نُهْبَةً يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ فِيْهَا أَبْصَارَهُمْ حِيْنَ يَنْتَهِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ"

وَعَنْ سَعِيْدٍ وَأَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مِثْلَهُ إِلَّا النُّهْبَةَ.

قَالَ الْفِرَبْرِيُّ: وَجَدْتُ بِخَطِّ أَبِيْ جَعْفَرٍ: قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: تَفْسِيْرُهُ: أَنْ يُنْزَعَ مِنْهُ نُوْرُ الْإِيْمَانِ.[انظر: ٥٥٧٨، ٦٧٧٢، ٦٨١٠]

بَابُ كَسْرِ الصَّلِيْبِ وَقَتْلِ الْخِنْزِيْرِ

سولی توڑنا اور خنزیر کو مار ڈالنا

عیسائیوں کی صلیبیں توڑنا، ان کے خنزیروں کو مار ڈالنا اور ہندوؤں کی مورتیوں کو توڑ دینا جائز نہیں، ظلم ہے، کیونکہ ہمیں حکم

دیا گیا ہے کہ اسلامی حکومت میں جو غیر مسلم ذمی ہیں ان کو ان کے دین کے ساتھ چھوڑ دیں، اور وہ صلیب کو پوجتے ہیں اور خنزیر کو کھاتے ہیں اور یہ چیزیں ان کے یہاں مال ہیں پس ان کو نہیں توڑا جائے گا، اور ان کے خنزیروں کو قتل نہیں کیا جائے گا یہ ظلم ہے۔

اور امام بخاریؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ ظلم نہیں، صلیب کو توڑنا اور خنزیر کو مار ڈالنا مأمور بہ ہے جیسا کہ باب کی حدیث میں ہے اور یہ حدیث پہلے گذری ہے، وہاں میں نے بتلایا ہے کہ یہ حکم نزول عیسیٰ کے زمانہ کے ساتھ خاص ہے، عام نہیں۔

[۳۱-] بَابُ كَسْرِ الصَّلِيْبِ وَقَتْلِ الْخِنْزِيْرِ

[۲٤۷٦-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنَا سُفْيَانُ، ثَنَا الزُّهْرِيُّ، أَخْبَرَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتَّى يَنْزِلَ فِيْكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا مُقْسِطًا، فَيَكْسِرَ الصَّلِيْبَ، وَيَقْتُلَ الْخَنْزِيْرَ، وَيَضَعَ الْجِزْيَةَ، وَيَفِيْضَ الْمَالُ حَتَّى لاَ يَقْبَلَهُ أَحَدٌ "

[راجع: ۲۲۲۲]

بَابٌ: هَلْ تُكْسَرُ الدِّنَانُ الَّتِىْ فِيْهَا الْخَمْرُ، وَتُخَرَّقُ الزِّقَاقُ؟

فَإِنْ كَسَرَ صَنَمًا أَوْ صَلِيْبًا أَوْ طُنْبُوْرًا أَوْ مَالاَ يُنْتَفَعُ: بِخَشَبِهِ؟

کیا شراب کے مٹکے توڑ دیئے جائیں اور مشکیں پھاڑ دی جائیں؟

پس اگر اپنی لکڑی سے مورتی یا صلیب یا ستار یا غیر منتفع بہ چیز توڑ دی؟

اسلامی حکومت میں محکمۂ احتساب (داروگیر) ہوتا ہے جو منکرات پر نظر رکھتا ہے پس اگر وہ کسی مسلمان کے پاس شراب پائے اور مٹکا توڑ دے یا مشک پھاڑ دے تو یہ ظلم ہے یا نہیں؟ اور اس کا ضمان واجب ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر کوئی شخص مورتی یا صلیب یا ستار یا ایسی چیز کو جس کی کوئی منفعت نہیں: ڈنڈا مار کر توڑ دے تو کیا حکم ہے؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا، ھل استفہامیہ لائے ہیں اور بخشبہ: کَسَرَ سے متعلق ہے یعنی محتسب نے یا کسی اور شخص نے ڈنڈا مار کر مورتی وغیرہ کو توڑ دیا تو کیا حکم ہے؟

اور مسئلہ کا مدار اس پر ہے کہ شراب وغیرہ کا مالک کون ہے؟ اور وہ اس کے حق میں مالِ متقوم ہے یا نہیں؟ اور توڑنے والا کون ہے: محتسب یا عام آدمی؟ اگر مسلمان اس کا مالک ہے تو اس کے حق میں شراب مال متقوم نہیں، اس لئے اگر محتسب نے ڈنڈا مار کر مٹکا توڑ دیا تو اس کا کوئی ضمان نہیں، کیونکہ یہ محتسب کی ذمہ داری ہے، اسی طرح غیر اللہ کی پوجا کا سامان، اور ملاہی

(گانے بجانے کا سامان) مسلمان کے لئے حرام ہے، پس محتسب کی ذمہ داری ہے کہ اس کو ضائع کرے، اسی طرح اگر غیر محتسب نے یہ حرکت کی اور یہ چیزیں مسلمان کی ہیں تو بھی کوئی ضمان واجب نہیں، اور اگر غیر مسلم کی ہیں اور وہ اس کے نزدیک مال متقوم ہیں تو ضمان واجب ہے، خواہ توڑنے والا مسلمان ہو یا غیر مسلم؟

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں ایک اثر اور تین حدیثیں پیش کی ہیں:

اثر: قاضی شریح جو کوفہ کے قاضی تھے ان کی کورٹ میں ایک مقدمہ آیا، ایک شخص نے دوسرے کی ستار توڑ دی تھی، قاضی صاحب نے اس کا کوئی ضمان نہیں دلوایا (اس فیصلہ کا محمل یہ صورت ہوگی کہ وہ ستار کسی مسلمان کی ہوگی، اور محتسب نے اس کو توڑا ہوگا، اس لئے قاضی صاحب نے کوئی ضمان نہیں دلوایا)

ملحوظہ: وہ مورتی یا صلیب جو غیر مسلموں کے پاس پوجا کے لئے ہے ان کا یہ حکم ہے، لیکن وہ مورتیاں جو چوراہوں پر نصب کی جاتی ہیں ان کو اسلامی حکومت توڑ دے گی، اس لئے کہ یہ پوجا کے لئے نہیں ہیں، بلکہ یہ کفر کا شعار ہیں، ان کو برقرار رکھنے کا ہمیں کوئی حکم نہیں دیا گیا، افغانستان میں ایسا بدّھا کا ایک مجسمہ تھا، طالبان گورنمنٹ نے اس کو توڑ دیا جس پر لوگوں نے بہت واویلا مچایا کہ اسلام نے غیر مسلم کی پرستش کی چیزوں کو نہ چھیڑنے کا حکم دیا ہے، یہ اعتراض صحیح نہیں تھا، کیونکہ وہ مورتی پوجا کے لئے نہیں تھی، تبرک کے لئے تھی، اس کے نیچے سے غلہ کے ٹرک گذرتے تھے پھر وہ کولڈ اسٹوری میں رکھے جاتے تھے۔

حدیث (۱): جنگِ خیبر کے موقع پر نبی ﷺ نے دیکھا کہ چولھے جل رہے ہیں، لوگ کچھ پکا رہے ہیں، آپؐ نے پوچھا: لوگ کیا پکا رہے ہیں؟ بتلایا گیا کہ گدھوں کا گوشت پکا رہے ہیں، آپؐ نے حکم دیا کہ ہانڈیاں توڑ دی جائیں اور گوشت پھینک دیا جائے، لوگوں نے عرض کیا: اگر ہم گوشت پھینک دیں اور ہانڈیاں دھو کر پاک کرلیں؟ آپؐ نے فرمایا: ایسا کرلو۔

تشریح: گدھوں کا گوشت کیوں پھینکوایا تھا؟ دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ اس سے پہلے گدھا حلال تھا اب اس کی حرمت نازل ہوئی ہے۔ دوم: یہ کہ وہ مال غنیمت تھا اور تقسیم کے بغیر ذبح کر کے پکانا شروع کر دیا گیا تھا، جبکہ مال غنیمت میں کھانے پینے کی چیزیں جیسے پیاز، اور گھاس وغیرہ اس کا استعمال تقسیم پر موقوف نہیں۔ مگر بکریاں ملیں تو وہ باقاعدہ تقسیم ہونگی، گدھوں کا بھی یہی حکم ہے اس لئے آپؐ نے سزا کے طور پر وہ گوشت ضائع کرا دیا۔

فائدہ: الحمر الإِنْسية (الف کا زیر اور نون ساکن) ہے یا الحمر الأَنَسية (الف اور نون کا زبر) ہے؟ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ اسماعیل بن ابی اویسؒ کہتے ہیں: ہمزہ اور نون کے زبر کے ساتھ ہے اور أَنَس کی طرف نسبت ہے جو وحشت کی ضد ہے لیکن مشہور ہمزہ کا زیر اور نون کا سکون ہے اور إِنْس (بنی آدم) کی طرف منسوب ہے، یعنی وہ گدھے جو انسانوں سے مانوس ہیں، پالتو ہیں۔

حدیث (۲): جب نبی ﷺ فتح مکہ کے موقع پر مکہ پہنچے تو کعبہ کے اردگرد تین سو ساٹھ مورتیاں تھیں، آپؐ چھڑی سے

چوکا دیتے تھے، اور فرماتے تھے: ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ﴾: حق آیا اور باطل مٹا! پس وہ مورتی گر جاتی تھی۔

تشریح: مکہ اب دارالاسلام بن گیا تھا وہاں غیر مسلم نہیں رہے تھے، اور کعبہ شریف اللہ کا گھر تھا، وہاں مورتیوں کی کوئی جگہ نہیں تھی، اس لئے سب مورتیاں توڑ دی گئیں، اسی طرح اگر کوئی بستی مسلمان ہوجائے اور اس بستی میں مندر ہو تو وہ ختم کردیا جائے گا۔

حدیث (۳): حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سامان کی الماری پر ایک ایسا پردہ لٹکایا تھا جس میں تصویریں تھیں، نبی ﷺ نے اس کو چاک کردیا، پھر اس کے دو گدے بنالئے گئے جو آپؐ کے گھر میں رہے، جس پر آپؐ جلوہ افروز ہوتے تھے۔

تشریح: اس حدیث کا باب سے کچھ گہرا تعلق نہیں، یہ تو اپنی ملکیت میں ایک غیر شرعی چیز کو مٹانا ہے، اس میں ضمان کا کیا سوال ہے؟

[۳۲-] بَابٌ: هَلْ تُكْسَرُ الدِّنَانُ الَّتِيْ فِيْهَا الْخَمْرُ، وَتُخَرَّقُ الزِّقَاقُ؟

فَإِنْ كَسَرَ صَنَمًا أَوْ صَلِيْبًا أَوْ طُنْبُوْرًا أَوْ مَالاَ يُنْتَفَعُ: بِخَشَبِهِ؟

وَأُتِيَ شُرَيْحٌ فِيْ طُنْبُوْرٍ كُسِرَ، فَلَمْ يَقْضِ فِيْهِ بِشَيْئٍ.

[۲۴۷۷-] حدثنا أَبُوْ عَاصِمٍ الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ، عَنْ يَزِيْدَ بْنِ أَبِيْ عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الأَكْوَعِ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم رَأَى نِيْرَانًا تُوْقَدُ يَوْمَ خَيْبَرَ، فَقَالَ: "عَلٰى مَا تُوْقَدُ هٰذِهِ النِّيْرَانُ؟" قَالُوْا: عَلَى الْحُمُرِ الإِنْسِيَّةِ، قَالَ: "اكْسِرُوْهَا وَاهْرِيْقُوْهَا" قَالُوْا: أَلاَ نُهْرِيْقُهَا وَنَغْسِلُهَا؟ قَالَ: "اغْسِلُوْا"

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: كَانَ ابْنُ أَبِيْ أُوَيْسٍ يَقُوْلُ: الْحُمُرُ الأَنَسِيَّةُ: بِنَصْبِ الأَلِفِ وَالنُّوْنِ.

[انظر: ۴۱۹۶، ۵۴۹۷، ۶۱۴۸، ۶۳۳۱، ۶۸۹۱]

[۲۴۷۸-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنَا سُفْيَانُ، ثَنَا ابْنُ أَبِيْ نَجِيْحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ أَبِيْ مَعْمَرٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: دَخَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مَكَّةَ وَحَوْلَ الْكَعْبَةِ ثَلاَثُ مِائَةٍ وَسِتُّوْنَ نُصُبًا، فَجَعَلَ يَطْعَنُهَا بِعُوْدٍ فِيْ يَدِهِ، وَجَعَلَ يَقُوْلُ: ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ﴾ الآية [الإسراء: ۸۱]

[انظر: ۴۲۸۷، ۴۷۲۰]

[۲۴۷۹-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، ثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيْهِ الْقَاسِمِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّهَا كَانَتِ اتَّخَذَتْ عَلٰى سَهْوَةٍ لَهَا سِتْرًا فِيْهِ تَمَاثِيْلُ، فَهَتَكَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَاتَّخَذَتْ مِنْهُ نُمْرُقَتَيْنِ، فَكَانَتَا فِي الْبَيْتِ يَجْلِسُ عَلَيْهِمَا.

[انظر: ۵۹۵۴، ۵۹۵۵، ۶۱۰۹]

لغات: الطُّنبور: ستار (ایک باجہ)..........السَّهْوَة: سامان کی الماری، مچان، جمع سِهَاءٌ..........هَتَكَ (ض) السِّتْرَ: پردہ چاک کرنا..........النُّمْرُق: چھوٹا تکیہ، جمع نَمارق۔

بَابٌ: مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهِ

جو اپنے مال کی حفاظت میں مارا گیا

کوئی شخص کسی کی جان یا مال لینا چاہتا ہے، پس شریعت کا حکم ہے کہ اس سے لڑو اور اپنی جان اور مال بچاؤ، اگر مارے گئے تو شہید ہوؤ گے، معلوم ہوا کہ یہ اپنے نفس پر ظلم نہیں اور اگر ظالم کو مار دیا تو یہ بھی ظلم نہیں، کیونکہ اپنی مدافعت کا ہر شخص کو حق ہے۔

[۳۳-] بَابٌ: مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهِ

[۲٤۸۰-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيْدَ، ثَنَا سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ أَيُّوْبَ، ثَنِيْ أَبُوْ الْأَسْوَدِ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ"

بَابٌ: إِذَا كَسَرَ قَصْعَةً أَوْ شَيْئًا لِغَيْرِهِ

کسی کا کٹورہ یا کوئی اور چیز توڑ دی

کسی کا پیالہ یا کوئی اور چیز توڑ دی تو یہ ظلم ہے اور ضمان واجب ہے۔ ذوات الامثال میں مثل (مانند) اور ذوات القیم میں قیمت ادا کی جائے گی، اور باب میں یہ روایت ہے کہ ایک دن نبی ﷺ کی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تھی، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے یہاں کوئی اچھا کھانا پکا، انھوں نے لکڑی کے پیالہ میں کھانا رکھ کر باندی کے ہاتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں بھیجا، حضرت عائشہؓ کو غیرت آئی اور اس انداز سے ہاتھ چلایا کہ پیالہ گر کر ٹوٹ گیا اور کھانا بکھر گیا، نبی ﷺ اٹھے اور کھانا دوسرے برتن میں جمع کر لیا اور فرمایا: "برتن کے بدل برتن اور کھانے کے بدل کھانا" یعنی جو تمہارے یہاں کھانا پکا ہے وہ بھیجو، پھر وہ کٹورہ چاندی کے تار سے جڑوا لیا اور وصالِ نبوی کے بعد وہ کٹورہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا۔

سوال: کٹورہ ذوات القیم میں سے ہے، ذوات الامثال میں سے نہیں ہے، پہلے زمانہ میں کٹورے ایک جیسے نہیں بنتے تھے، پھر کٹورے کے بدل کٹورہ کیوں دلوایا؟

جواب: یہ ضمان کا مسئلہ نہیں ہے، دونوں گھر نبی ﷺ کے تھے اور گھر کا ساز و سامان بھی آپ کا تھا، پس ایک گھر سے ٹوٹے ہوئے کٹورے کے بدل دوسرے گھر سے کٹورہ بھجوایا اور ٹوٹا ہوا مرمت کر کے رکھ لیا۔

[۳۴-] بَابٌ: إِذَا كَسَرَ قَصْعَةً أَوْ شَيْئًا لِغَيْرِهِ

[۲۴۸۱-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ عِنْدَ بَعْضِ نِسَائِهِ، فَأَرْسَلَتْ إِحْدَى أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ مَعَ خَادِمٍ بِقَصْعَةٍ فِيْهَا طَعَامٌ، فَضَرَبَتْ بِيَدِهَا فَكَسَرَتِ الْقَصْعَةَ، فَضَمَّهَا وَجَعَلَ فِيْهَا الطَّعَامَ، وَقَالَ: " كُلُوْا" وحَبَسَ الرَّسُوْلَ، وَالْقَصْعَةَ حَتَّى فَرَغُوْا، فَدَفَعَ الْقَصْعَةَ الصَّحِيْحَةَ وَحَبَسَ الْمَكْسُوْرَةَ.

وَقَالَ ابْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ: أَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوْبَ: ثَنَا حُمَيْدٌ: ثَنَا أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

[انظر: ۵۲۲۵]

سند: دوسری سند تحدیث کی صراحت کے لئے لائے ہیں، حُمید طویل نے حضرت انسؓ سے یہ حدیث سنی ہے۔

بَابٌ: إِذَا هَدَمَ حَائِطًا فَلْيَبْنِ مِثْلَهُ

دیوار ڈھادی تو ویسی ہی دیوار بنادے

کسی نے دوسرے کی دیوار ڈھادی تو یہ ظلم ہے اور ضمان واجب ہے، اور دیوار ذات القیم ہے، پس قیمت دے، لیکن اگر ضمان میں ویسی ہی دیوار بنادے اور مالک راضی ہوجائے تو یہ بھی درست ہے اور باب میں وہی حدیث ہے جو پہلے گذری ہے، جریج کو ایک باندی نے زنا کے ساتھ متہم کیا، گاؤں والوں نے دھاوا بول دیا اور ان کا گرجا ڈھادیا، پھر اللہ نے ان کو الزام سے بری کردیا، نومولود بچہ بولا کہ وہ چرواہے کا ہے، پس لوگوں کی عقیدت بڑھ گئی اور انھوں نے کہا: ہم آپ کا گرجا سونے کا بنادیتے ہیں، جریج نے کہا: نہیں، جیسا پہلے تھا ویسا ہی مٹی کا بنادو۔

[۳۵-] بَابٌ: إِذَا هَدَمَ حَائِطًا فَلْيَبْنِ مِثْلَهُ

[۲۴۸۲-] حدثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، ثَنَا جَرِيْرُ بْنُ حَازِمٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" كَانَ رَجُلٌ فِي بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ يُقَالُ لَهُ: جُرَيْجٌ، يُصَلِّيْ فَجَاءَتْهُ أُمُّهُ فَدَعَتْهُ، فَأَبَى أَنْ يُجِيْبَهَا، فَقَالَ: أُجِيْبُهَا أَوْ أُصَلِّيْ؟ ثُمَّ أَتَتْهُ فَقَالَتْ: اللّٰهُمَّ لَا تُمِتْهُ حَتَّى تُرِيَهُ وُجُوْهَ الْمُوْمِسَاتِ، وَكَانَ جُرِيْجٌ فِي صَوْمَعَتِهِ، فَقَالَتِ امْرَأَةٌ: لَأَفْتِنَنَّ جُرَيْجًا، فَتَعَرَّضَتْ لَهُ، فَكَلَّمَتْهُ، فَأَبَى، فَأَتَتْ رَاعِيًا فَأَمْكَنَتْهُ مِنْ نَفْسِهَا، فَوَلَدَتْ غُلَامًا، فَقَالَتْ: هُوَ مِنْ جُرَيْجٍ، فَأَتَوْهُ وَكَسَرُوْا صَوْمَعَتَهُ فَأَنْزَلُوْهُ وَسَبُّوْهُ، فَتَوَضَّأَ وَصَلَّى ثُمَّ أَتَى الْغُلَامَ، فَقَالَ: مَنْ أَبُوْكَ يَا غُلَامُ؟ قَالَ: الرَّاعِيْ، قَالُوْا: نَبْنِيْ صَوْمَعَتَكَ مِنْ ذَهَبٍ، قَالَ: لَا، إِلَّا مِنْ طِيْنٍ"[راجع: ۱۲۰۶]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتابُ الشِّرْکَۃِ

ساجھاداری کا بیان

الشرکۃ: باب سمع کا مصدر ہے، اس کے معنی ہیں: ساجھاداری۔ الاختلاطُ علی الشُّیوع أو علی الْمُجَاورۃ: اصطلاحی معنی بھی تقریباً یہی ہیں، کسی چیز میں دو یا زیادہ شخصوں کا حق ثابت ہونا، ثُبوت الحق لِاثْنَیْنِ فصاعدا فی الشیئ الواحد کیف کان؟ ایک چیز میں دو یا زیادہ شخصوں کا حق ثابت ہونا جیسے بھی ہو؟ یعنی اگرچہ کم وبیش ہو۔

بَابُ الشِّرْکَۃِ فِی الطَّعَامِ وَالنَّهْدِ وَالْعُرُوْضِ

کھانے کی چیزوں میں اور مشترک کھانے کی چیزوں میں اور سامان میں بھاگی داری

یہ جنرل باب ہے، اس کے بہت سے اجزاء ہیں جن پر آگے تفصیلی ابواب آئیں گے۔

اب پہلے باب کے اجزاء کو سمجھ لیں:

تین چیزوں کا ذکر کیا ہے، طعام یعنی کھانے کی چیزیں، نِهد (نون کا زبر اور زیر) اجتماعی کھانے کی چیز، تَنَاهَدَ القومُ: برابر برابر نفقہ نکالنا تاکہ اس سے مشترک طور پر غلہ وغیرہ خریدا جائے، پس طعام اور نہد میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے، طعام عام ہے اور نہد خاص ہے، اور عروض: عرض کی جمع ہے، یعنی کوئی بھی سامان، پس یہ اور بھی عام ہے۔

ان تینوں چیزوں کے بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر ان کو آپس میں بانٹنا ہو اور وہ مکیلی یا موزونی چیزیں ہوں یعنی ربوی چیزیں ہوں تو ان کو آپس میں کیسے بانٹا جائے؟ (وکیف قسمۃُ ما یُکال ویوزن؟) پیمانہ میں بھر کر یا ترازو سے تول کر بانٹنا ضروری ہے یا اٹکل سے بھی بانٹ سکتے ہیں؟ مٹھی بھر بھر کر دیدیں؟ (مجازفۃً أو قبضۃً قبضۃً) حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس طرح چاہو بانٹو، کیونکہ یہ چیزیں اگرچہ ربوی ہیں مگر ان کو اٹکل سے بھی بانٹ سکتے ہیں کیونکہ مکیلات اور موزونات میں اگر واقعی تقسیم مقصود ہو تو ربوی چیزیں تول کر یا ناپ کر برابر کرنا ضروری ہے، لیکن اگر یہ مقصود نہ ہو تو اٹکل سے بھی بانٹ سکتے ہیں، ایسی صورت میں مسامحت (چشم پوشی) برتی جاتی ہے، اور اس کی نظیر: مرغی اور بکرے کو تولنا ہے، اگر واقعی تولنا مقصود ہو تو حیوان کی بیع تول کر درست نہیں، اور اگر مقصد تقدیر ثمن (قیمت کا اندازہ لگانا) ہو تو تولنا درست ہے یا جیسے قربانی

کا گوشت شرکاء نے بانٹا، پس اگر واقعی تقسیم مقصود ہو تو تول کر برابری کرنا ضروری ہے، کیونکہ گوشت ربوی چیز ہے، اور اگر شرکاء حسب ضرورت لے جائیں اور باقی غرباء میں بانٹ دیا جائے تو تول کر برابری کرنا ضروری نہیں۔

تین شخص سفر کر رہے ہیں، میرٹھ کا اسٹیشن آیا، سب نے دس دس روپے نکالے اور انگور لائے اور سب نے مل کر کھائے، کس نے کتنے کھائے یہ معلوم نہیں، تو یہ درست ہے، اور دلیل یہ ہے کہ مسلمانوں میں پہلے سے اس کا رواج چلا آ رہا ہے، مسلمان اس میں کوئی تنگی محسوس نہیں کرتے کہ ایک آدمی کم کھائے دوسرا زیادہ۔ اسی طرح اگر سونا چاندی بانٹنے ہوں اور واقعی بانٹنا مقصود ہو تو تول کر برابر کرنا ضروری ہے، اور اگر مسامحت کے ساتھ بانٹنا ہو تو اٹکل سے بھی بانٹ سکتے ہیں (وکذلك مجازفة الذهب والفضة) اسی طرح اگر سب مل کر کھجوریں کھا رہے ہوں اور سب ایک ایک دانہ کھا رہے ہوں تو یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ کس نے بڑا دانہ اٹھایا اور کس نے چھوٹا؟ ہاں اگر کوئی دو دانے ایک ساتھ کھانا چاہے تو ساتھیوں سے اجازت لینا ضروری ہے۔ (والقِران فی التمر) اتنا لمبا باب ہے اور ان اجزاء پر آگے ابواب آ رہے ہیں، پس یہ جنرل باب ہے۔

اور باب میں چار حدیثیں ہیں:

پہلی حدیث: ایک سریہ ساحل سمندر کی طرف بھیجا گیا، اس میں تین سو آدمی تھے، امیر حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ تھے، سفر میں جب توشہ ختم ہونے آیا تو امیر صاحب نے حکم دیا کہ جس کے پاس جو توشہ ہے وہ لے آئے، اس سے کھجور کے دو تھیلے بھرے، اب امیر صاحب روزانہ ہر ایک کو ایک ایک کھجور دیتے تھے، طالب علموں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ایک کھجور سے کیا ہوتا ہوگا؟ حضرت جابرؓ نے کہا: جب ایک کھجور بھی ملنا بند ہوگئی تب ہمیں احساس ہوا کہ ایک کھجور کتنی بڑی نعمت تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے انتظام کیا، سمندر کے کنارے عنبر مچھلی مل گئی، وہ اتنی بڑی تھی کہ تین سو آدمیوں نے اٹھارہ دن تک کھائی، اس واقعہ میں یہ ہے کہ امیر صاحب نے سب کے توشے اکٹھا کر لئے، پھر ہر ایک کو ایک ایک کھجور دیتے تھے، یہ شرکت فی الطعام، نہد اور شرکت فی العروض ہے۔

دوسری حدیث: ایک جہاد میں توشے ختم ہوگئے لوگوں نے نبی ﷺ سے سواری کے اونٹ ذبح کرنے کی اجازت چاہی، آپؐ نے اجازت دیدی، وہ اجازت لے کر واپس آ رہے تھے کہ راستہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ مل گئے، انھوں نے کہا: سواری کے اونٹ کاٹ کھاؤ گے تو اونٹوں کے بغیر سفر کیسے کرو گے؟ واپس چلو، اور حضور ﷺ سے عرض کیا: جب لوگوں کے پاس اونٹ نہیں رہیں گے تو لوگ سفر کیسے کریں گے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے، لشکر میں اعلان کرو کہ جس کے پاس جو توشہ ہے لے آئے، ایک چمڑے کے دسترخوان پر وہ سب جمع کیا گیا، یہ نہد ہوا، پھر نبی ﷺ نے اس میں برکت کی دعا فرمائی پھر اعلان کیا کہ اپنے برتن لے آؤ، اور کھانا بھر کر لے جاؤ، چنانچہ لوگ اپنے تھیلے لے کر آئے اور جس کے پاس جو برتن تھا اسے بھر کر لے گیا۔

تیسری حدیث: دس آدمی برابر برابر پیسے نکال کر مشترک طور پر اونٹ خرید کر لاتے تھے اور اسے عصر کے بعد ذبح

کرتے تھے اور مغرب سے پہلے گوشت دس حصو میں بانٹ لیتے تھے اور پکا کر کھا بھی لیتے تھے، اس حدیث میں تولنے کا ذکر نہیں، پس یہ نہد ہو گیا، اب اس کو شرکاء جس طرح چاہیں بانٹ سکتے ہیں۔

چوتھی حدیث: قبیلہ اشعر یمن سے آ کر مدینہ میں آباد ہو گیا تھا، ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اشعریوں کا طریقہ مجھے پسند ہے، وہ میرے مزاج کے لوگ ہیں، ان کا طریقہ یہ تھا کہ جب گھروں میں آٹا ختم ہونے آتا تو سارا قبیلہ اپنا کم وبیش آٹا لا کر ایک جگہ جمع کر دیتا، پھر کسی برتن سے برابر برابر تقسیم کر لیتے، یہ جمع شدہ آٹا نہد ہے اور اس کو برتن سے تقسیم کیا ہے، معلوم ہوا کہ اگر حقیقی تقسیم مقصود نہ ہو تو اندازہ سے بھی بانٹ سکتے ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

٤٧- كتابُ الشركة

[١-] بَابُ الشِّرْكَةِ فِي الطَّعَامِ وَالنَّهْدِ وَالْعُرُوْضِ

وَكَيْفَ قِسْمَةُ مَايُكَالُ وَيُوْزَنُ؟ مُجَازَفَةً أَوْ قَبْضَةً قَبْضَةً؟ لِمَا لَمْ يَرَ الْمُسْلِمُوْنَ فِي النَّهْدِ بَأْسًا: أَنْ يَأْكُلَ هٰذَا بَعْضًا وَهٰذَا بَعْضًا، وَكَذٰلِكَ مُجَازَفَةُ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، وَالْقِرَانُ فِي التَّمْرِ.

ترجمہ: کھانے کی چیزوں میں اور اجتماعی چیزوں میں اور سامان میں بھاگی داری، اور مکیلات اور موزونات کیسے تقسیم کی جائیں؟ اٹکل سے یا مٹھی بھر بھر کر؟ اس وجہ سے کہ مسلمان اجتماعی کھانے کی چیز میں کوئی تنگی محسوس نہیں کرتے کہ یہ شخص تھوڑا کھائے اور دوسرا شخص زیادہ کھائے (یہ حضرت نے باب کے درمیان جواز کی دلیل پیش کی) اور اسی طرح سونا اور چاندی اٹکل سے تقسیم کرنا اور دو کھجوریں ملا کر کھانا۔

[٢٤٨٣-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّهُ قَالَ: بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بَعْثًا قِبَلَ السَّاحِلِ، فَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ، وَهُمْ ثَلاَثُ مِائَةٍ، وَأَنَا فِيْهِمْ، فَخَرَجْنَا حَتَّى إِذَا كُنَّا بِبَعْضِ الطَّرِيْقِ فَنِيَ الزَّادُ، فَأَمَرَ أَبُوْ عُبَيْدَةَ بِأَزْوَادِ ذٰلِكَ الْجَيْشِ، فَجُمِعَ ذٰلِكَ كُلُّهُ، فَكَانَ مِزْوَدَيْ تَمْرٍ، وَكَانَ يُقَوِّتُنَا كُلَّ يَوْمٍ قَلِيْلاً قَلِيْلاً حَتَّى فَنِيَ، فَلَمْ تَكُنْ تُصِيْبُنَا إِلاَّ تَمْرَةٌ تَمْرَةٌ، فَقُلْتُ: وَمَا تُغْنِيْ تَمْرَةٌ؟ فَقَالَ: لَقَدْ وَجَدْنَا فَقْدَهَا حِيْنَ فَنِيَتْ، قَالَ: ثُمَّ انْتَهَيْنَا إِلَى الْبَحْرِ، فَإِذَا حُوْتٌ مِثْلُ الظَّرْبِ، فَأَكَلَ مِنْهُ ذٰلِكَ الْجَيْشُ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ لَيْلَةً، ثُمَّ أَمَرَ أَبُوْ عُبَيْدَةَ بِضِلْعَيْنِ مِنْ أَضْلاَعِهِ فَنُصِبَا، ثُمَّ أَمَرَ بِرَاحِلَةٍ فَرُحِلَتْ، ثُمَّ مَرَّتْ تَحْتَهُمَا فَلَمْ تُصِبْهُمَا.

[٥٤٩٤، ٥٤٩٣، ٤٣٦٢، ٤٣٦٠، ٢٩٨٣]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے ساحل سمندر کی طرف ایک سریہ بھیجا، پس ان کا حضرت ابوعبیدۃ رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا، اور وہ تین سو تھے، اور میں بھی ان میں تھا، پس ہم نکلے یہاں تک کہ جب ہم راستہ کے درمیان تھے تو توشہ ختم ہوگیا، پس حضرت ابوعبیدہؓ نے اس لشکر کے توشوں کے بارے میں حکم دیا، پس وہ سارا توشہ جمع کیا گیا، پس وہ چھوہاروں کے دو تھیلے بنے، پس وہ ہمیں کھانے کے لئے دیا کرتے تھے ہر دن تھوڑا تھوڑا، یہاں تک کہ وہ بھی ختم ہونے آیا، پس ہمیں نہیں پہنچتا تھا مگر ایک ایک چھوہارا۔ وہب بن کیسان نے پوچھا: ایک چھوہارے سے کیا کام چلتا ہوگا؟ حضرت جابرؓ نے فرمایا: ہمیں اس کے نہ رہنے کا احساس ہوا جب وہ بھی ختم ہوگیا، حضرت جابرؓ کہتے ہیں: پھر ہم سمندر پر پہنچے، پس اچانک ایک مچھلی ٹیلے جیسی مل گئی، پس اس سے اس لشکر نے اٹھارہ دن کھایا، پھر ابوعبیدہؓ نے حکم دیا اس کی پسلیوں میں سے دو پسلیوں کے بارے میں پس وہ دونوں کھڑی کی گئیں پھر سواری کی ایک اونٹنی کے بارے میں حکم دیا پس اس پر کجاوا کسا گیا، پھر وہ ان دونوں پسلیوں کے نیچے سے گذری، پس کجاوہ پسلیوں سے نہیں لگا۔

[۲۴۸۴-] حدثنا بِشْرُ بْنُ مَرْحُوْمٍ، ثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، عَنْ يَزِيْدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ، قَالَ: خَفَّتْ أَزْوَادُ الْقَوْمِ وَأَمْلَقُوْا، فَأَتَوُا النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فِي نَحْرِ إِبِلِهِمْ، فَأَذِنَ لَهُمْ، فَلَقِيَهُمْ عُمَرُ فَأَخْبَرُوْهُ، فَقَالَ: مَابَقَاؤُكُمْ بَعْدَ إِبِلِكُمْ؟ فَدَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا بَقَاؤُهُمْ بَعْدَ إِبِلِهِمْ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " نَادِ فِي النَّاسِ يَأْتُوْنَ بِفَضْلِ أَزْوَادِهِمْ" فَبُسِطَ لِذٰلِكَ نِطَعٌ، وَجَعَلُوْهُ عَلَى النِّطَعِ، فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَدَعَا وَبَرَّكَ عَلَيْهِ، ثُمَّ دَعَاهُمْ بِأَوْعِيَتِهِمْ، فَاحْتَثَى النَّاسُ حَتَّى فَرَغُوْا، ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ" [انظر: ۲۹۸۲]

ترجمہ: حضرت سلمہؓ کہتے ہیں: لوگوں کے توشے ختم ہوگئے اور وہ تنگ دست ہوگئے، پس وہ نبی ﷺ کے پاس آئے اپنے اونٹوں کو ذبح کرنے کی اجازت لینے کے لئے، پس آپؐ نے ان کو اجازت دیدی، پھر ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملے، تو لوگوں نے ان کو یہ بات بتلائی، پس حضرت عمرؓ نے کہا: تمہارے اونٹوں کے بعد تمہارے بقاء کا کیا سامان ہوگا؟ یعنی بغیر اونٹوں کے سفر کیسے کروگے؟ پس حضرت عمرؓ نبی ﷺ کے پاس گئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! لوگ اپنے اونٹوں کے بغیر کیسے باقی رہیں گے؟ آپؐ نے فرمایا: لوگوں میں اعلان کرو، پس وہ اپنے بچے ہوئے توشے لائیں، پس اس کے لیے چمڑے کا دسترخوان بچھایا گیا، اور وہ توشے اس پر رکھے گئے، پس نبی ﷺ کھڑے ہوئے اور دعا کی، اور اس پر پھونکا، پھر لوگوں کو ان کے برتنوں کے ساتھ بلایا، پس لوگوں نے چلو بھرے، یہاں تک کہ سب نمٹ گئے، پھر آپؐ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

[۲٤٨٥-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ، ثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، ثنا أَبُوْ النَّجَاشِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ رَافِعَ بْنَ خَدِيْجٍ قَالَ: كُنَّا نُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم الْعَصْرَ فَنَنْحَرُ جَزُوْرًا، فَتُقْسَمُ عَشْرَ قِسَمٍ، فَنَأْكُلُ لَحْمًا نَضِجًا قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ.

ترجمہ: حضرت رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نبی ﷺ کے ساتھ عصر پڑھتے تھے پھر قصائی کا اونٹ ذبح کرتے تھے پھر دس حصوں میں بانٹ دیتے تھے، پھر سورج غروب ہونے سے پہلے پکا ہوا گوشت کھا لیتے تھے۔

تشریح: صحابہ جانور ذبح کرنا، صاف کرنا اور پارچے بنانا جانتے تھے، ہمارے یہاں بقرعید میں دو تین قصائی آتے ہیں اور گھنٹے بھر میں بڑا جانور ذبح کر کے کھال اتار کر بوٹیاں بنا دیتے ہیں، اور عربوں کے یہاں گوشت کھانے کا طریقہ یہ تھا کہ کسی لکڑی میں بوٹیاں پرو دیتے تھے پھر اس کو آگ دکھاتے تھے، جب بوٹیاں چرچر کرنے لگیں تو کھانا شروع کر دیتے تھے وہ کہتے تھے: اللحم إذا عرق۔ پس حدیث میں جو کچھ آیا ہے اس کے لئے ایک گھنٹہ کافی ہے، ہاں اناڑی اگر جانور ذبح کریں تو گوشت پکنے تک کئی گھنٹے لگ جائیں گے۔

[۲٤٨٦-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، ثَنَا حَمَّادُ بْنُ أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيْ مُوْسَى، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " إِنَّ الْأَشْعَرِيِّيْنَ إِذَا أَرْمَلُوْا فِي الْغَزْوِ، أَوْ قَلَّ طَعَامُ عِيَالِهِمْ بِالْمَدِيْنَةِ، جَمَعُوْا مَا كَانَ عِنْدَهُمْ فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ، ثُمَّ اقْتَسَمُوْا بَيْنَهُمْ فِيْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ بِالسَّوِيَّةِ، فَهُمْ مِنِّيْ وَأَنَا مِنْهُمْ "

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: قبیلہ اشعر کے لوگ جب کسی جہاد میں تنگ دست ہو جاتے ہیں یا مدینہ میں ان کے بچوں کا کھانا کم ہو جاتا ہے تو وہ ایک کپڑے میں جمع کر لیتے ہیں اس باقی ماندہ کو جو ان کے پاس ہے، پس وہ اس کو آپس میں برابر برابر بانٹ لیتے ہیں ایک برتن سے، پس وہ میرے مزاج کے ہیں اور میں ان کے مزاج کا ہوں!

بَابُ مَا كَانَ مِنْ خَلِيْطَيْنِ فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ فِي الصَّدَقَةِ

زکوٰۃ میں جو جانور دو شریکوں سے لیا گیا وہ آپس میں ٹھیک لین دین کر لیں

یہ باب اور حدیث بعینہ کتاب الزکاۃ میں گذر چکے ہیں (تحفۃ القاری ۴: ۲۲۴) خلطۃ الشیوع میں اگر بکریاں انصافاً ہوں تو کچھ لین دین نہیں ہوگا، اور اگر اثلاثاً ہوں مثلاً مرنے والے نے سو بکریاں چھوڑیں، اور وارث ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہیں تو دو ثلث والے پر ایک بکری واجب ہوگی، اور ایک ثلث والے پر کچھ واجب نہیں ہوگا، کیونکہ نصاب مکمل نہیں، پس جو مشترک بکری زکوٰۃ میں لی گئی اس کی قیمت کا تہائی دو ثلث والا ایک ثلث والے کو دے گا اور اگر ایک سو بیس بکریاں اثلاثاً ہوں تو دو بکریاں واجب ہونگی، پس دو ثلث والا ایک ثلث والے سے ایک بکری کا ثلث لے گا، کیونکہ اس کا ایک ثلث زائد گیا ہے۔

استدلال: اس حدیث میں حضور ﷺ نے برابری کرنے کے لئے فرمایا ہے اس میں تولنے ناپنے کی کوئی قید نہیں، پس مجازفۃً یعنی اٹکل سے بھی برابری کر سکتے ہیں۔

[۲-] بَابُ مَا كَانَ مِنْ خَلِيْطَيْنِ فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ فِي الصَّدَقَةِ

[۲۴۸۷-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُثَنَّى، ثَنِيْ أَبِيْ، ثَنِيْ ثُمَامَةُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَنَسٍ، أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُ: أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَتَبَ لَهُ فَرِيْضَةَ الصَّدَقَةِ الَّتِيْ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيْطَيْنِ فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ" [راجع: ۱۴۴۸]

بَابُ قِسْمَةِ الْغَنَمِ

بکریاں بانٹنا

بکریاں سب برابر نہیں ہوتیں، اور وہ ربوی بھی نہیں، پس اگر ان کو گنتی سے بانٹ دیا جائے تو درست ہے، لوگ اس طرح بانٹتے ہیں۔

حدیث: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نبی ﷺ کے ساتھ ذوالحلیفہ میں تھے (آگے صفحہ ۳۴۱ پر آئے گا کہ یہ ذوالحلیفہ تہامہ میں ہے، مدینہ کے قریب جو ذوالحلیفہ میقات ہے وہ مراد نہیں) پس لوگوں کو بھوک پہنچی پس انھوں نے غنیمت میں اونٹ اور بکریاں پائیں، حضرت رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ ابھی پیچھے تھے، وہاں نہیں پہنچے تھے، پس لوگوں نے جلدی کی اور جانور ذبح کئے اور ہانڈیاں چڑھادیں، نبی ﷺ نے ہانڈیوں کے بارے میں حکم دیا، وہ الٹ دی گئیں یعنی تمام گوشت ایک جگہ جمع کرلیا گیا، پھر تقسیم کیا، پس دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر گردانا۔

اس حدیث میں دوسرا واقعہ یہ ہے کہ اونٹوں میں سے ایک اونٹ بدک گیا، پس لوگوں نے اس کا پیچھا کیا، مگر اس نے لوگوں کو تھکادیا، اور لشکر میں گھوڑے تھوڑے تھے، یعنی نہیں تھے پس ان میں سے ایک آدمی نے تیر کے ساتھ قصد کیا یعنی تیر چلایا پس اس کو اللہ نے روک لیا پھر حضور ﷺ نے فرمایا: ان پالتو چوپایوں میں سے بھی بعض بدک جاتے ہیں وحشی جانوروں کی طرح پس ان میں سے جو تم کو ہرادے اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرو۔

تیسرا مضمون: اس حدیث میں یہ ہے: حضرت رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمیں آئندہ کل دشمن سے مڈبھیڑ کا ڈر تھا اور ہمارے ساتھ چھریاں نہیں تھیں، پس ہم نے مسئلہ پوچھا کہ کیا بانس کی کھپچی سے ذبح کرسکتے ہیں، آپؐ نے فرمایا: جو بھی چیز خون بہادے اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو اس کو کھاؤ، علاوہ دانت اور ناخن کے اور ابھی میں تم کو اس کی وجہ بتاتا ہوں: دانت تو ہڈی ہے، اور ناخن حبشہ والوں کی چھری ہے۔

تشریح: مالِ غنیمت میں کھانے پینے کی چیزیں ملیں جیسے: پیاز، لہسن اور گھاس وغیرہ تو ان کو تقسیم سے پہلے استعمال

کر سکتے ہیں، مگر اونٹ اور بکریوں کے لئے یہ مسئلہ نہیں، وہ باقاعدہ تقسیم کی جائیں گی، لوگوں نے بغیر تقسیم کئے ذبح کرکے گوشت پکنے کے لئے چڑھادیا، اس لئے آپؐ نے ساری ہانڈیاں الٹوادیں اور گوشت ایک جگہ جمع کرلیا، پھر تقسیم اس طرح عمل میں آئی کہ جتنے افراد کو ایک اونٹ دیا اتنے افراد کو دس بکریاں دیں۔

اور پالتو جانوروں میں ذبح اختیاری ضروری ہے اور جنگلی جانوروں میں سے جو قابو سے باہر ہوں ذبح اضطراری بھی کافی ہے، لیکن اگر کوئی پالتو جانور بدک جائے اور ذبح اختیاری پر قدرت نہ ہو تو اس میں بھی ذبح اضطراری کافی ہے، جیسے کوئی بڑا جانور کنویں میں یا کھائی میں گر گیا اور اتر کر ذبح کرنے کی کوئی صورت نہ ہو تو اوپر سے بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر کوئی دھار چیز کلہاڑی وغیرہ ماری جائے اور زخمی کردیا جائے، پھر جب خون نکل جائے اور مرجائے تو اتر کر کاٹ کر نکال لیا جائے۔

اور ذبح ہر دھار دار چیز سے ہوسکتا ہے، البتہ منہ میں لگے ہوئے دانت سے اور انگلی میں لگے ہوئے ناخن سے ذبح کرنا درست نہیں، دانت ایک ہڈی ہے اس میں دھار نہیں اور ناخن بھی ہڈی ہے، علاوہ ازیں وہ حبشہ والوں کی چھری ہے پس اس میں غیر قوم کے ساتھ مشابہت بھی ہے اور اگر دانت اور ناخن منفصل ہوں اور ان میں دھار نکال لی ہو تو اس سے ذبح جائز ہے۔ وہ حدیث کا مصداق نہیں۔

[۳-] بَابُ قِسْمَةِ الْغَنَمِ

[۲۴۸۸-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ الْحَكَمِ الْأَنْصَارِيُّ، أَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِذِى الْحُلَيْفَةِ، فَأَصَابَ النَّاسَ جُوْعٌ، فَأَصَابُوْا إِبِلاً وَغَنَمًا، قَالَ: وَكَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِي أُخْرَيَاتِ الْقَوْمِ، فَعَجِلُوْا وَذَبَحُوْا وَنَصَبُوْا الْقُدُوْرَ، فَأَمَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِالْقُدُوْرِ فَأُكْفِئَتْ، ثُمَّ قَسَمَ، فَعَدَلَ عَشَرَةً مِنَ الْغَنَمِ بِبَعِيْرٍ.

فَنَدَّ مِنْهَا بَعِيْرٌ فَطَلَبُوْا فَأَعْيَاهُمْ، وَكَانَ فِي الْقَوْمِ خَيْلٌ يَسِيْرَةٌ، فَأَهْوَى رَجُلٌ مِنْهُمْ بِسَهْمٍ، فَحَبَسَهُ اللّٰهُ، ثُمَّ قَالَ: " إِنَّ لِهٰذِهِ الْبَهَائِمِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ فَمَا غَلَبَكُمْ مِنْهَا فَاصْنَعُوْا بِهِ هٰكَذَا"

فَقَالَ جَدِّىْ: إِنَّا نَرْجُوْ- أَوْ: نَخَافُ- الْعَدُوَّ غَدًا، وَلَيْسَتْ مَعَنَا مُدًى، أَفَنَذْبَحُ بِالْقَصَبِ؟ قَالَ: " مَا أَنْهَرَ الدَّمَ، وَذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَكُلُوْهُ، لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ، وَسَأُحَدِّثُكُمْ عَنْ ذٰلِكَ: أَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ، وَأَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشَةِ" [انظر: ۲۵۰۷، ۳۰۷۵، ۵۴۹۸، ۵۵۰۳، ۵۵۰۶، ۵۵۰۹، ۵۵۴۳، ۵۵۴۴]

بَابُ الْقِرَانِ فِي التَّمْرِ بَيْنَ الشُّرَكَاءِ حَتَّى يَسْتَأْذِنَ أَصْحَابَهُ

ساتھیوں سے اجازت لے کر مشترک کھجوروں میں سے دو دو دانے ایک ساتھ کھانا

اس ترجمہ میں تعقید ہے، حتی بے جوڑ ہے۔ حافظ وغیرہ نے فرمایا کہ شاید حین ہوگا جو بگڑ کر حتی ہوگیا اور عینی رحمہ اللہ

نے لمبی چوڑی عبارت محذوف مانی ہے، میں نے حین مان کر ترجمہ کیا ہے۔

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ مشترک کھانے میں سے ساتھیوں کی اجازت سے اگر کوئی دو دو دانے ایک ساتھ کھائے تو اس کی گنجائش ہے، اور حدیثیں ابھی گذری ہیں۔ جبلہ کہتے ہیں: ہم مدینہ آئے، قحط سالی کا زمانہ تھا، حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ ہمارے کھانے کے لئے چھوہارے بھیجتے تھے، ہم سب مل کر کھاتے تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وہاں سے گزرے تو فرمایا: دو دانے ملا کر نہ کھاؤ، اس لئے کہ نبی ﷺ نے اس سے منع کیا ہے، ہاں اگر کوئی اپنے ساتھی سے اجازت لے لے تو پھر دو دانے ملا کر کھا سکتا ہے۔

[٤-] بَابُ الْقِرَانِ فِي التَّمْرِ بَيْنَ الشُّرَكَاءِ حَتَّى يَسْتَأْذِنَ أَصْحَابَهُ

[٢٤٨٩-] حدثنا خَلَّادُ بْنُ يَحْيىَ، ثَنَا سُفْيَانُ، ثَنَا جَبَلَةُ بْنُ سُحَيْمٍ، سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ، يَقُوْلُ: نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ يَقْرِنَ الرَّجُلُ بَيْنَ التَّمْرَتَيْنِ جَمِيْعًا حَتَّى يَسْتَأْذِنَ أَصْحَابَهُ"[راجع: ٢٤٥٥]

[٢٤٩٠-] حدثنا أَبُوْ الْوَلِيْدِ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ جَبَلَةَ، قَالَ: كُنَّا بِالْمَدِيْنَةِ، فَأَصَابَتْنَا سَنَةٌ، فَكَانَ ابْنُ الزُّبَيْرِ يَرْزُقُنَا التَّمْرَ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَمُرُّ بِنَا، فَيَقُوْلُ: لَا تَقْرِنُوْا، فَإِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنِ الإِقْرَانِ، إِلَّا أَنْ يَسْتَأْذِنَ الرَّجُلُ مِنْكُمْ أَخَاهُ.[راجع: ٢٤٥٥]

بَابُ تَقْوِيْمِ الْأَشْيَاءِ بَيْنَ الشُّرَكَاءِ بِقِيْمَةِ عَدْلٍ

مشترک چیزوں کی قیمت معتبر آدمیوں سے لگوانا

اگر کوئی چیز مشترک ہو اور اس کی قیمت لگوانی ہو تو صحیح قیمت لگوائی جائے، مثلاً میراث میں ایک بھینس ہے اس کی قیمت لگائیں گے تبھی وہ میراث میں تقسیم ہوگی، پس معتبر آدمیوں سے یعنی جو لوگ قیمت کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں ان سے قیمت لگوائی جائے، تاکہ جو بھینس لے اس کا بھی نقصان نہ ہو اور دوسرے ورثاء کا بھی نقصان نہ ہو۔

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے غلام میں سے اپنے کسی حصہ کو آزاد کیا اور اس کے پاس اتنا مال ہے جو (باقی) غلام کی قیمت کو پہنچتا ہے معتبر لوگوں کے قیمت لگانے سے تو وہ سارا آزاد ہے ورنہ جتنا اس میں سے آزاد ہوا ہے اتنا آزاد ہے۔ ایوب سختیانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: حدیث کا آخری جملہ: عَتَقَ منه ما عَتَقَ: نافعؒ نے بڑھایا ہے یا حدیث میں ہے یہ بات مجھے معلوم نہیں۔

دوسری حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے اپنے غلام کے کسی حصہ کو آزاد کیا پس اس کے ذمہ اس کا چھڑانا ہے اس کے مال سے، پس اگر اس کے لئے مال نہ ہو تو غلام کی قیمت لگوائی جائے، معتبر آدمیوں سے، پھر وہ

غلام کما کر اپنی باقی قیمت ادا کرے، درانحالیکہ اس پر دشواری نہ ڈالی گئی ہو۔

تشریح: دو آدمیوں میں ایک غلام مشترک ہے ایک کا چوتھائی ہے دوسرے کا تین چوتھائی، اب چوتھائی والے نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو آگے کیا ہوگا؟ اس کا بیان کتاب العتق میں آئے گا، اور وہاں یہ دونوں حدیثیں بھی آئیں گی، یہاں بس اتنا جان لینا چاہئے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے چوتھائی حصہ آزاد کیا ہے اگر وہ مالدار ہے تو اس پورے غلام کی معتبر آدمیوں سے قیمت لگوائی جائے، پھر آزاد کرنے والا اپنے ساتھی کے حصہ کا ضمان دے، مثلاً چار ہزار قیمت لگی تو آزاد کرنے والا تین ہزار اپنے ساتھی کو دے، پھر غلام کے تین ربع آزاد کرنے والے کی ملکیت میں منتقل ہو کر اس کی طرف سے آزاد ہو جائیں گے، اور اگر آزاد کرنے والا غریب ہے، ساتھی کے حصہ کی قیمت نہیں دے سکتا تو پھر کیا ہوگا؟ اس کی تفصیل کتاب العتق میں آئے گی۔ یہاں صرف اتنا جاننا کافی ہے کہ غلام کی قیمت معتبر آدمیوں سے لگوائی جائے، ایسے موقع پر ہوتا یہ ہے کہ تین ربع والا اکڑتا ہے، وہ کہتا ہے: تو نے میرا غلام خراب کیا ہے، پس میں تو اپنے حصہ کے بیس ہزار لوں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اکڑو مت! معتبر آدمیوں سے قیمت لگواؤ اور اپنے حصہ کے پیسے لے لو، باقی باتیں باقی۔

[۵-] بَابُ تَقْوِيْمِ الْأَشْيَاءِ بَيْنَ الشُّرَكَاءِ بِقِيْمَةِ عَدْلٍ

[۲۴۹۱-] حدثنا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ، ثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، ثَنَا أَيُّوْبُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ أَعْتَقَ شِقْصًا لَهُ مِنْ عَبْدٍ- أَوْ: شِرْكًا أَوْ قَالَ: نَصِيْبًا - وَكَانَ لَهُ مَا يَبْلُغُ ثَمَنَهُ بِقِيْمَةِ الْعَدْلِ فَهُوَ عَتِيْقٌ، وَإِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ" قَالَ: لَا أَدْرِىْ قَوْلُهُ: "عَتَقَ مِنْهُ" قَوْلٌ مِنْ نَافِعٍ أَوْ فِي الْحَدِيْثِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم؟ [انظر: ۲۵۰۳، ۲۵۲۱، ۲۵۲۵]

[۲۴۹۲-] حدثنا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، ثَنَا سَعِيْدُ بْنُ أَبِىْ عَرُوْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ بَشِيْرِ بْنِ نَهِيْكٍ، عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "مَنْ أَعْتَقَ شَقِيْصًا مِنْ مَمْلُوْكِهِ، فَعَلَيْهِ خَلَاصُهُ فِي مَالِهِ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ قُوِّمَ الْمَمْلُوْكُ قِيْمَةَ عَدْلٍ، ثُمَّ اسْتُسْعِىَ غَيْرَ مَشْقُوْقٍ عَلَيْهِ" [انظر: ۲۵۰۴، ۲۵۲۶، ۲۵۲۷]

لغت: شِقْص، شَقِيْص، شِرْك اور نصیب: مترادف الفاظ ہیں، سب کے معنی ہیں: حصہ۔

بَابٌ: هَلْ يُقْرَعُ فِي الْقِسْمَةِ؟ وَالِاسْتِهَامُ فِيْهِ

کیا بٹوارے میں قرعہ اندازی کی جائے؟ اور قرعہ کے ذریعہ حصہ لینا

مشترک زمین بانٹی، مشترک گیہوں کی ڈھیریاں لگائیں، درخت پر سے آم اترے اس کے حصے بنائے، یہ سب اندازہ

سے کیا ہے، اس میں کمی بیشی کا احتمال ہے، اب کونسا حصہ کون لے؟ اس کے لئے قرعہ ڈالا، جس کے نام جو حصہ نکلا وہ حصہ اس نے لیا تو ایسا کرنا جائز ہے (استہام: سہم سے ہے اس کے معنی ہیں: حصہ لینا)

اور اس میں کوئی اختلاف نہیں، بٹوارہ میں قرعہ اندازی کی جاتی ہے، احناف کے یہاں بھی کی جاتی ہے، اختلاف اس میں ہے کہ قرعہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ احناف کے نزدیک وہ صرف تطییب قلوب کے لئے ہے، قرعہ ڈال کر حصے لئے جائیں تو ہر ایک خوش دلی سے حصہ لے گا، قرعہ کی حیثیت ملزم (لازم کرنے والی) نہیں قرعہ اندازی کے بعد کوئی شریک اس حصہ کو نہ لینا چاہے جو اس کے نام نکلا ہے تو زبردستی اس کو وہ حصہ نہیں دے سکتے، اس سے وجہ پوچھی جائے گی: بھئی! یہ حصہ کیوں نہیں لیتا؟ اگر وہ کہے کہ یہ حصہ کم ہے تو دوبارہ تقسیم کی جائے، اور اگر وہ کوئی اور معقول عذر پیش کرے تو دوبارہ قرعہ اندازی کی جائے، اسی طرح قرعہ سے نسب بھی ثابت نہیں ہوسکتا، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قرعہ ملزم ہے جس کے نام جو حصہ نکلا وہ لینا ضروری ہے، دلائل ہر ایک کے اپنی جگہ ہیں۔

[٦-] بَابٌ: هَلْ يُقْرَعُ فِي الْقِسْمَةِ؟ وَالِاسْتِهَامُ فِيْهِ

[٢٤٩٣-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، ثَنَا زَكَرِيَّا، قَالَ: سَمِعْتُ عَامِرًا يَقُوْلُ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيْرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" مَثَلُ الْقَائِمِ عَلٰى حُدُوْدِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَالْوَاقِعِ فِيْهَا كَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَهَمُوْا عَلٰى سَفِيْنَةٍ، فَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَعْلَاهَا وَبَعْضُهُمْ أَسْفَلَهَا، فَكَانَ الَّذِیْ فِي أَسْفَلِهَا إِذَا اسْتَقَوْا مِنَ الْمَاءِ مَرُّوْا عَلٰى مَنْ فَوْقَهُمْ، فَقَالُوْا: لَوْ أَنَّا خَرَقْنَا فِي نَصِيْبِنَا خَرْقًا، وَلَمْ نُؤْذِ مَنْ فَوْقَنَا، فَإِنْ يَتْرُكُوْهُمْ وَمَا أَرَادُوْا هَلَكُوْا جَمِيْعًا، وَإِنْ أَخَذُوْا عَلٰى أَيْدِيْهِمْ نَجَوْا وَنَجَوْا جَمِيْعًا" [انظر: ٢٦٨٦]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں پر رکنے والے اور ان حدوں میں داخل ہونے والوں کی حالت اس قوم کی حالت جیسی ہے جنھوں نے کسی کشتی کے بارے میں قرعہ ادازی کی، پس ان کے بعض اوپر کی منزل پر پہنچے اور ان کے بعض نیچے کی منزل کو پہنچے، پس وہ لوگ جو نیچے کی منزل میں تھے جب سمندر سے پانی بھرتے تھے تو وہ ان لوگوں کے پاس سے گذرتے تھے جو اوپر کی منزل میں ہیں (اوپر والے اس سے چڑتے تھے) پس انھوں نے کہا: اگر ہم اپنے حصہ میں کوئی سوراخ کرلیں اور ہمارے اوپر والوں کو نہ ستائیں! پس اگر اوپر والے ان کو اس چیز پر جس کا انھوں نے ارادہ کیا ہے چھوڑ دیں تو سارے ہلاک ہونگے، اور اگر ان کے ہاتھ پکڑ لیں تو نجات پائیں گے۔ اوپر والے اور نیچے والے سبھی۔

تشریح: اس حدیث میں نہی عن المنکر کی اہمیت کا بیان ہے، کچھ لوگ اللہ کی حدود پر قائم رہتے ہیں یعنی معصیتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور کچھ لوگ اللہ کی حدود میں داخل ہوتے ہیں یعنی معصیتوں میں مبتلا ہوتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہے کہ ایک قوم کو کشتی میں بیٹھنا ہے، چنانچہ انھوں نے قرعہ اندازی کی کہ کون کشتی کے اوپر والے حصہ میں بیٹھے اور کون نیچے

والے حصہ میں (یہاں باب ہے) بعض کے نام اوپر والا حصہ نکلا اور بعض کے نام نیچے والا حصہ، نیچے والے پانی لینے کے لئے اوپر جاتے تھے، اور سمندر سے پانی اٹھاتے تھے، اوپر والے چڑتے تھے کہ یہ آتے ہیں، پانی گراتے ہیں، گندگی کرتے ہیں، نیچے والوں نے مشورہ کیا کہ جب ہمارا اوپر جانا اوپر والوں کو پسند نہیں، تو ہم اپنے حصہ میں کیوں نہ سوراخ کرلیں، انھوں نے کلہاڑا لے کر فرش توڑنا شروع کیا، پس اگر اوپر والے ان کو روکیں تو سب نجات پائیں گے، اور نہ روکیں تو سب ہلاک ہونگے۔ معلوم ہوا کہ جو لوگ گناہ کررہے ہیں ان کا ہاتھ وہ لوگ پکڑیں جو گناہ نہیں کررہے، ان کو سمجھائیں، ورنہ ان کے گناہ کی وجہ سے عذاب آئے گا تو سب کو عام ہوجائے گا۔

بَابُ شِرْكَةِ الْيَتِيْمِ وَأَهْلِ الْمِيْرَاثِ

یتیم کی میراث پانے والوں کے ساتھ شرکت

حافظ عسقلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ باب میں واؤ بمعنی مع ہے، ایک لڑکی کے والدین کا انتقال ہوگیا، اب نہ اس کا باپ ہے نہ دادا، نہ بھائی اور نہ چچا، البتہ چچازاد بھائی ہے، پس نصف میراث یتیم لڑکی کو ملے گی اور نصف عصبہ ہونے کی وجہ سے میت کے بھتیجے کو، یہ یتیم لڑکی کے ساتھ ورثاء کی میراث میں شرکت ہوئی، اب یہی چچازاد بھائی لڑکی کا ولی ہے، لڑکی کا مال اور نفس اس کے تصرف میں ہے، اور لڑکی کے باپ نے اچھا خاصا مال چھوڑا ہے اور لڑکی خوبصورت بھی ہے، پس چچازاد بھائی لڑکی کے مال اور نفس میں رغبت رکھتا ہے، وہ خود اس سے نکاح کرتا ہے، مگر مہر میں انصاف نہیں کرتا، کم مہر مقرر کرتا ہے، پس قرآنِ کریم نے سورۃ النساء کی آیت ۳ میں اس پر نکیر فرمائی کہ ایسا مت کرو، اگر تمھیں یتیم لڑکیوں کے حق میں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ انصاف نہیں کروگے یعنی ان کو مناسب مہر نہیں دوگے تو پھر ان سے نکاح مت کرو، دوسری عورتوں سے جو تمھیں پسند ہوں نکاح کرو، دو دو سے، تین تین سے اور چار چار سے، پھر سورۃ النساء کی آیت ۱۲۷ میں اس کا حوالہ دیا ہے اور اس کو مکرر یاد دلایا ہے، تاکہ اس کی اہمیت واضح ہو۔ تفصیل حدیث کے ترجمہ میں آئے گی۔

[۷-] بَابُ شِرْكَةِ الْيَتِيْمِ وَأَهْلِ الْمِيْرَاثِ

[۲۴۹۴-] حدثنا الْأُوَيْسِيُّ، ثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ. ح: وَقَالَ اللَّيْثُ: ثَنِيْ يُوْنُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لاَ تُقْسِطُوْا فِي الْيَتَامٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ﴾ [النساء: ۳] قَالَتْ: يَا ابْنَ أُخْتِيْ! هِيَ الْيَتِيْمَةُ، تَكُوْنُ فِيْ حَجْرِ وَلِيِّهَا، تُشَارِكُهُ فِيْ مَالِهِ، فَيُعْجِبُهُ مَالُهَا وَجَمَالُهَا، فَيُرِيْدُ وَلِيُّهَا أَنْ يَتَزَوَّجَهَا بِغَيْرِ أَنْ يُقْسِطَ فِي صَدَاقِهَا، فَيُعْطِيَهَا مِثْلَ مَا يُعْطِيْهَا غَيْرُهُ، فَنُهُوْا أَنْ يَنْكِحُوْهُنَّ إِلاَّ أَنْ يُقْسِطُوْا لَهُنَّ، وَيَبْلُغُوْا بِهِنَّ أَعْلٰى سُنَّتِهِنَّ مِنَ

الصَّدَاقِ، وَأُمِرُوْا أَنْ يَنْكِحُوْا مَاطَابَ لَهُمْ مِنَ النَّسَاءِ سِوَاهُنَّ.

قَالَ عُرْوَةُ: قَالَتْ عَائِشَةُ: ثُمَّ إِنَّ النَّاسَ اسْتَفْتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بَعْدَ هٰذِهِ الآيَةِ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَاءِ، قُلِ: اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ، وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِيْ يَتَامَى النِّسَاءِ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿ وَتَرْغَبُوْنَ أَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ﴾ [النساء:١٢٧] وَالَّذِىْ ذَكَرَ اللّٰهُ أَنَّهُ يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ: الآيَةُ الأُوْلٰى الَّتِىْ قَالَ اللّٰهُ فِيْهَا: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لاَ تُقْسِطُوْا فِي الْيَتَامٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النَّسَاءِ﴾ قَالَتْ عَائِشَةُ: وَقَوْلُ اللّٰهِ فِي الآيَةِ الأُخْرَى: ﴿ وَتَرْغَبُوْنَ أَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ﴾ هِىَ رَغْبَةُ أَحَدِكُمْ لِيَتِيْمَتِهِ الَّتِىْ تَكُوْنُ فِي حَجْرِهِ، حِيْنَ تَكُوْنُ قَلِيْلَةَ الْمَالِ وَالْجَمَالِ، فَنُهُوْا أَنْ يَنْكِحُوْا مَا رَغِبُوْا فِي مَالِهَا وَجَمَالِهَا مِنْ يَتَامٰى النِّسَاءِ، إِلاَّ بِالْقِسْطِ، مِنْ أَجْلِ رَغْبَتِهِمْ عَنْهُنَّ.

[انظر:٢٧٦٣، ٤٥٧٣، ٤٥٧٤، ٤٦٠٠، ٥٠٦٤، ٥٠٩٢، ٥٠٩٨، ٥١٢٨، ٥١٣١، ٥١٤٠، ٦٩٦٥]

ترجمہ: حضرت عروہ نے اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سورۃ النساء کی آیت ۳ کی تفسیر پوچھی، وہ آیت یہ ہے: ''اگر تم کو اس بات کا احتمال ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہیں کرسکو گے تو دوسری عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں نکاح کرو، دو دو سے، تین تین سے اور چار چار سے'' صدیقہؓ نے فرمایا: اے میرے بھانجے! وہ یتیم لڑکی ہے، جو اپنے ولی کی پرورش میں ہے، وہ اس کے ساتھ مال میں شریک ہوتی ہے، پس پسند آتا ہے ولی کو اس کا مال اور اس کی خوبصورتی، پس ولی چاہتا ہے کہ اس سے شادی کرے بغیر اس کے کہ اس کے مہر میں انصاف کرے، پس دے وہ اس کو اتنا جتنا اس کو کوئی اور دیتا ہے، پس وہ روکے گئے اس بات سے کہ ان یتیم لڑکیوں سے نکاح کریں مگر یہ کہ انصاف کریں ان کے ساتھ، اور پہنچائیں وہ ان کو ان کے مہر کے اعلی درجہ تک اور حکم دیئے گئے وہ کہ نکاح کریں ان کے علاوہ عورتوں سے جو ان کو پسند ہوں۔

حضرت عروہؒ کہتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: پھر لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بعد عورتوں کے مسائل پوچھے، پس سورۃ النساء کی چند آیات نازل ہوئیں، جو یہاں سے شروع ہوتی ہیں: ﴿وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَاءِ﴾: اور لوگ آپؐ سے عورتوں کے سلسلہ میں دریافت کرتے ہیں، آپؐ فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں حکم دیتے ہیں (یہ احکام اگلی تین آیتوں میں ہیں) اور وہ آیت بھی (یاد دلائی جاتی ہیں) جو قرآنِ کریم میں تم کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے، جو ان یتیم عورتوں کے بارے میں ہے جن کو ان کا مقررہ حق نہیں دیتے ہو، اور ان کے ساتھ نکاح کی رغبت رکھتے ہو، یعنی سورۃ النساء کی آیت ۳ یاد دلائی جاتی ہے، اس دوسری آیت میں ایک جملہ زائد ہے: ﴿وَتَرْغَبُوْنَ أَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ﴾ اس کا کیا مطلب ہے؟ صدیقہؓ نے فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ ولی اعراض کرتا تھا اس یتیم لڑکی سے جو اس کی پرورش میں ہوتی تھی، جب کہ اس کے پاس مال نہیں ہوتا تھا اور وہ خوبصورت بھی نہیں ہوتی تھی۔ پس لوگ روکے گئے اس سے کہ نکاح کریں وہ ان یتیم لڑکیوں سے جن کے مال میں وہ رغبت رکھتے تھے، مگر (مہر میں) انصاف کرنے کے ساتھ (نکاح کرسکتے ہیں)

ان کی بے رغبتی کی وجہ سے ان لڑکیوں میں یعنی اگر لڑکی کالی کلوٹی ہوتی اور ترکہ کچھ نہ ہوتا تو ولی نکاح سے اعراض کرتا، اور جب لڑکی خوبصورت ہوتی اور وہ مال دار ہوتی تو ولی اس سے مہر میں انصاف کئے بغیر نکاح کرنا چاہتا (یہ کیا بات ہوئی؟ میٹھا ہپ ہپ کڑوا تھوتھو، نادار ناقبول صورت کو تم پسند نہیں کرتے، نکاح دوسری جگہ کرتے ہو، اور مالدار قبول صورت سے مہر میں انصاف کئے بغیر نکاح کرنا چاہتے ہو؟ ہم اس کی اجازت نہیں دیتے، خلاصہ یہ کہ ایک صورت میں تم ان سے نکاح نہیں کرنا چاہتے، پس دوسری صورت میں ہم اجازت نہیں دیتے)

ملحوظہ: رغبة أحدكم ليتيمته: کُشْمِیْہَنِی کے نسخہ میں عن يتيمته ہے، اور شارحین نے لکھا ہے کہ یہی صحیح ہے، کیونکہ جب رغبت کا صلہ عن آتا ہے تو اس کے معنی اعراض کرنے کے ہوتے ہیں، اور جب اس کا صلہ فی آتا ہے تو اس کے معنی رغبت کرنے کے ہوتے ہیں۔

بَابُ الشِّرْكَةِ فِي الْأَرَضِيْنَ وَغَيْرِهَا

زمینوں وغیرہ میں شرکت

أَرَضين (راء کا زبر) أرض کی جمع سالم ہے، مگر مفرد کا وزن باقی نہیں رہا اس لئے یہ جمع شاذ ہے، پہلے بھی یہ بات بتائی ہے۔ شرکت ہر چیز میں ہوسکتی ہے، خواہ وہ چیز قابل تقسیم ہو یا نہ ہو، پھر جو چیز قابل تقسیم ہے اس کو شرکاء بانٹ لیں گے اور جو چیز قابل تقسیم نہیں ہے جیسے مشترک گھڑی، چٹائی وغیرہ اس کو مشترک استعمال کریں گے، بہر حال بٹوارہ کا مسئلہ اگلے باب میں ہے، یہاں صرف یہ جاننا ہے کہ شرکت ہر چیز میں ہوسکتی ہے۔ اور حدیث شفعہ کی ہے جو پہلے گذری ہے، نبی ﷺ نے ہر اس جائداد میں شفعہ گرادنا جو ابھی بانٹی نہیں گئی، معلوم ہوا کہ جو جائداد نا قابل تقسیم ہے اس میں شرکت کی وجہ سے شفعہ نہیں مگر شرکت اس میں بھی ہوسکتی ہے۔

[۸-] بَابُ الشِّرْكَةِ فِي الْأَرَضِيْنَ وَغَيْرِهَا

[۲٤۹۵-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا هِشَامٌ، أَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: إِنَّمَا جَعَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الشُّفْعَةَ فِي كُلِّ مَالَمْ يُقْسَمْ، فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ وَصُرِّفَتِ الطُّرُقُ فَلاَ شُفْعَةَ. [راجع: ۲۲۱۳]

بَابٌ: إِذَا أَقْسَمَ الشُّرَكَاءُ الدُّوْرَ وَغَيْرَهَا فَلَيْسَ لَهُمْ رُجُوْعٌ وَلاَ شُفْعَةَ

جب شرکاء نے گھر وغیرہ بانٹ لیا تو اب رجوع نہیں ہوسکتا اور نہ اب حقِ شفعہ ہے

اس باب میں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: تقسیم لازم ہوتی ہے، چند شرکاء نے مشترک چیز جو قابل تقسیم تھی تقسیم کرلی اور قرعہ اندازی سے حصے متعین کر لئے تو اب تقسیم لازم ہوگئی۔ امام بخاری اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک قرعہ مُلزِم (لازم کرنے والا) ہے پس اب رجوع نہیں ہوسکتا، جس کے نام جو حصہ نکلا ہے وہ اس کو لینا ہی پڑے گا، اور احناف کے نزدیک قرعہ صرف تطییب قلوب کے لئے ہے۔

دوسرا مسئلہ: تقسیم کے بعد محض پڑوسی ہونے کی وجہ سے شفعہ کا حق نہیں، یہ بھی امام بخاری اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی رائے ہے، اور حنفیہ کے نزدیک شفعہ کا حق تین صورتوں میں ہے، تفصیل گذر چکی ہے۔

اور حدیث وہی شفعہ والی ہے، اس میں ہے کہ جب سرحدیں قائم ہوگئیں اور راستے پھیر دیئے گئے تو شفعہ نہیں، اس سے دونوں باتیں سمجھ میں آگئیں کہ تقسیم لازم ہے اور اب حق شفعہ نہیں رہا۔

[۹-] بَابٌ: إِذَا أَقْسَمَ الشُّرَكَاءُ الدُّوْرَ وَغَيْرَهَا فَلَيْسَ لَهُمْ رُجُوْعٌ وَلاَ شُفْعَةَ

[۲۴۹۶-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، ثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَضَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ مَالَمْ يُقْسَمْ، فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ وَصُرِّفَتِ الطُّرُقُ فَلاَ شُفْعَةَ. [راجع: ۲۲۱۳]

بابُ الاِشْتِرَاكِ فِي الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، وَمَا يَكُوْنُ فِيْهِ الصَّرْفُ

سونے چاندی میں شراکت اور ان چیزوں میں جن کی بیع صرف ہوتی ہے

سونے چاندی میں اور سونے چاندی کے برتن زیور وغیرہ میں شراکت ہوسکتی ہے، یعنی صرافہ کے کاروبار میں ایک سے زیادہ آدمی شریک ہوسکتے ہیں، اور اس کے لئے کوئی شرط نہیں۔ ثوری رحمہ اللہ کی یہی رائے ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور فقہاء کے نزدیک تفصیل ہے جو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے، اور حدیث یہ ہے کہ سلیمان بن ابی مسلم نے ابوالمنہال سے پوچھا کہ سونے چاندی کی بیع دست بدست ہوسکتی ہے یا نہیں؟ انھوں نے کہا: میں نے اور میرے شریک نے ایک چیز دست بدست خریدی اور دوسری ادھار خریدی، پس ہمارے پاس حضرت براء رضی اللہ عنہ آئے، ہم نے ان سے مسئلہ پوچھا، انھوں نے کہا: میں اور میرے شریک زید بن ارقم رضی اللہ عنہ تھے، ہم نے یہی مسئلہ حضور ﷺ سے پوچھا تھا، تو آپؐ نے فرمایا: جو چیز دست بدست ہو اس کو لو یعنی وہ بیع صحیح ہے اور جو ادھار ہو اس کو پھیر دو یعنی وہ بیع فاسد ہے، اس کو ختم کردو، (بیع صرف میں دونوں عوض دست بدست ہونے ضروری ہیں)

[۱۰-] بابُ الاِشْتِرَاكِ فِي الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، وَمَا يَكُوْنُ فِيْهِ الصَّرْفُ

[۲۴۹۷و۲۴۹۸-] حدثنا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، ثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ، عَنْ عُثْمَانَ يَعْنِي ابْنَ الأَسْوَدِ، أَخْبَرَنِي

سُلَيْمَانُ بْنُ أَبِیْ مُسْلِمٍ، قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا الْمِنْهَالِ عَنِ الصَّرْفِ يَدًا بِيَدٍ؟ فَقَالَ: اشْتَرَيْتُ أَنَا وَشَرِيْكٌ لِیْ شَيْئًا يَدًا بِيَدٍ وَنسِيْئَةً، فَجَاءَ نَا الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ فَسَأَلْنَاهُ، فَقَالَ: فَعَلْتُ أَنَا وَشَرِيْكِیْ زَيْدُ بْنُ أَرْقَمَ، فَسَأَلْنَا النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ: " مَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ فَخُذُوْهُ، وَمَا كَانَ نَسِيْئَةً فَرُدُّوْهُ"

[راجع: ۲۰۶۰، ۲۰۶۱]

بَابُ مُشَارَكَةِ الذِّمِّیِّ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِی الْمُزَارَعَةِ

ذمی اور غیر مسلم کی مزارعت میں شرکت

مسلمان اور غیر مسلم میں ہر طرح کی شراکت ہوسکتی ہے، کیونکہ یہودیوں سے نبی ﷺ نے مزارعت کا معاملہ کیا ہے، اور بٹائی بھی ایک طرح کی شراکت ہے، پس ہر کاروبار میں شرکت ہوسکتی ہے۔

[۱۱-] بَابُ مُشَارَكَةِ الذِّمِّیِّ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِی الْمُزَارَعَةِ

[۲۴۹۹-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَاءَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: أَعْطَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم خَيْبَرَ الْيَهُوْدَ أَنْ يَعْمَلُوْهَا وَيَزْرَعُوْهَا، وَلَهُمْ شَطْرُ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا.

[راجع: ۲۲۸۵]

بَابُ قِسْمَةِ الْغَنَمِ وَالْعَدْلِ فِيْهَا

بکریاں بانٹنا اور ان میں انصاف کرنا

اگر بکریاں مشترک ہوں اور ان کو شرکاء بانٹنا چاہیں تو انصاف کے ساتھ بانٹیں، کیونکہ بکریوں کے افراد برابر نہیں ہوتے اور باب میں حدیث یہ ہے: نبی ﷺ نے حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کو بکریاں دیں، صحابہ میں بانٹنے کے لئے اور قربانی کرنے کے لئے، انھوں نے بانٹ دیں، ایک عتود (ایک سالہ بکری) باقی رہ گیا، انھوں نے اس کا تذکرہ نبی ﷺ سے کیا، پس آپؐ نے فرمایا: اس کی قربانی تم کردو۔

تشریح: یہ بکریاں مشترک نہیں تھیں، امیر لشکر کی طرف سے تقسیم کی گئی تھیں، مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے شراکت کی بکریوں کی تقسیم کا مسئلہ اخذ کیا ہے کہ ان کو بھی تقسیم کرسکتے ہیں، مگر اس میں برابری کا خیال رکھنا چاہئے۔

[۱۲-] بَابُ قِسْمَةِ الْغَنَمِ وَالْعَدْلِ فِيْهَا

[۲۵۰۰-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيْدَ بْنِ أَبِیْ حَبِيْبٍ، عَنْ أَبِی الْخَيْرِ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ

عَامِرٍ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَعْطَاهُ غَنَمًا، يَقْسِمُهَا عَلٰى صَحَابَتِهِ ضَحَايَا، فَبَقِيَ عَتُوْدٌ، فَذَكَرَهُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: "ضَحِّ بِهِ أَنْتَ"[راجع: ۲۳۰۰]

بَابُ الشِّرْكَةِ فِي الطَّعَامِ وَغَيْرِهِ

کھانے وغیرہ میں شراکت

کھانے کی چیزوں میں بھی بھاگی داری ہوسکتی ہیں، اوران کے علاوہ ہر چیز میں بھاگی داری ہوسکتی ہے، اور حضرت امامؒ نے باب میں ایک اثر اور دو حدیثیں پیش کی ہیں، اور آخری حدیث سے مسئلہ مستنبط کیا ہے۔

اثر: بازار میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا: ایک شخص کسی چیز کا بھاؤ تاؤ کررہا ہے، اس کے پاس دوسرا شخص کھڑا ہے، جب گفتگو ایک مرحلہ تک پہنچی تو اس نے کہنی ماری یا ہاتھ دبایا، حضرت عمرؓ سمجھ گئے کہ یہ شریک ہے کیونکہ اس نے اشارہ کیا کہ اب قیمت ٹھیک ہوگئی ہے سودا کرلو۔

حدیث (۱): زہرۃ بن معبد اپنے دادا عبداللہ بن ہشام سے روایت کرتے ہیں، عبداللہ نے نبی ﷺ کا زمانہ پایا ہے، ان کو ان کی والدہ زینبؓ نبی ﷺ کی خدمت میں لے گئی ہیں، انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس کو بیعت کرلیں، آپؐ نے فرمایا: یہ چھوٹا ہے پھر آپؐ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کے لئے برکت کی دعا کی۔

حدیث (۲): زہرہ کہتے ہیں: مجھے میرے دادا عبداللہؓ بازار لے جایا کرتے تھے، پس وہ کھانے کی چیزیں خریدتے تھے، پس ان سے حضرت ابن عمر اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما ملاقات کرتے تھے، وہ دونوں ان سے کہتے تھے: ہمیں بھاگی دار بنالو، کیونکہ نبی ﷺ نے تمہارے لئے برکت کی دعا کی ہے، پس وہ ان کو بھاگی دار بنالیتے تھے، پس کبھی پورا اونٹ مع لدے ہوئے سامان کے نفع میں پاتے تھے، پس میرے دادا اس کو ان کے گھر بھیج دیتے تھے۔

مسئلہ: امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک شخص نے دوسرے سے کہا: مجھے شریک کرلو، وہ خاموش رہا تو وہ آدھے کا شریک ہوگیا، کیونکہ خاموشی دلیل رضا ہے مگر حنفیہ اس سے متفق نہیں۔ حنفیہ کہتے ہیں: لاَ يُنْسَبُ إِلىٰ ساكتٍ قَوْلٌ: خاموش رہنے والے کی طرف کوئی بات منسوب نہیں کی جاسکتی، یعنی سکوت سے قبول متحقق نہیں ہوتا۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اگر یہ مسئلہ باب کی حدیث سے مستنبط کیا ہے تو باب کی حدیث میں تو صراحت ہے: فیشرکھم یعنی حضرت عبداللہ ان دونوں کو شریک کرلیتے تھے، محض خاموشی نہیں ہوتی تھی۔

[۱۳-] بَابُ الشِّرْكَةِ فِي الطَّعَامِ وَغَيْرِهِ

وَيُذْكَرُ أَنَّ رَجُلًا سَاوَمَ شَيْئًا، فَغَمَزَهُ آخَرُ، فَرَأَى عُمَرُ أَنَّ لَهُ شِرْكَةً.

[۲۵۰۱ و ۲۵۰۲-] حدثنا أَصْبَغُ بْنُ الْفَرَجِ، أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي سَعِيْدٌ، عَنْ زُهْرَةَ

ابْنِ مَعْبَدٍ، عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ هِشَامٍ، وَكَانَ قَدْ أَدْرَكَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَذَهَبَتْ بِهِ أُمُّهُ زَيْنَبُ بِنْتُ حُمَيْدٍ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَتْ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! بَايِعْهُ، فَقَالَ: "هُوَ صَغِيْرٌ" فَمَسَحَ رَأْسَهُ وَدَعَا لَهُ.

وَعَنْ زُهْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ أَنَّهُ كَانَ يَخْرُجُ بِهِ جَدُّهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ هِشَامٍ إِلَى السُّوْقِ، فَيَشْتَرِىْ الطَّعَامَ، فَيَلْقَاهُ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ الزُّبَيْرِ فَيَقُوْلَانِ لَهُ، أَشْرِكْنَا، فَإِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَدْ دَعَا لَكَ بِالْبَرَكَةِ فَيُشْرِكُهُمْ، فَرُبَّمَا أَصَابَ الرَّاحِلَةَ كَمَا هِيَ، فَيَبْعَثُ بِهَا إِلَى الْمَنْزِلِ.

[الحديث: ۲۵۰۱، انظر: ۷۲۱۰] [الديث: ۲۵۰۲، انظر: ۶۳۵۳]

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ: أَشْرِكْنِىْ، فَإِذَا سَكَتَ فَيَكُوْنُ شَرِيْكَهُ بِالنِّصْفِ.

بَابُ الشِّرْكَةِ فِى الرَّقِيْقِ

غلاموں میں شرکت

غلام بھی مال ہیں ان میں بھی بھاگی داری ہوسکتی ہے، اور باب میں وہی دونوں حدیثیں ہیں جو ابھی گذری ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی غلام میں اپنے حصہ کو آزاد کردے (الی آخرہ) معلوم ہوا کہ غلام میں شرکت ہوسکتی ہے، حدیث کے باقی مضامین کی تفصیل کتاب العتق میں آئے گی۔

[۱۴-] بَابُ الشِّرْكَةِ فِى الرَّقِيْقِ

[۲۵۰۳-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَاءَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ فِى مَمْلُوْكٍ، وَجَبَ عَلَيْهِ أَنْ يُعْتِقَ كُلَّهُ، إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ قَدْرَ ثَمَنِهِ، يُقَامُ قِيْمَةَ عَدْلٍ، وَيُعْطَى شُرَكَاؤُهُ حِصَّتَهُمْ، وَيُخَلَّى سَبِيْلُ الْمُعْتَقِ" [راجع: ۲۴۹۱]

[۲۵۰۴-] حدثنا أَبُوْ النُّعْمَانِ، ثَنَا جَرِيْرُ بْنُ حَازِمٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ بَشِيْرِ بْنِ نَهِيْكٍ، عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "مَنْ أَعْتَقَ شِقْصًا فِى عَبْدٍ أُعْتِقَ كُلُّهُ، إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ، وَإِلَّا يُسْتَسْعٰى غَيْرَ مَشْقُوْقٍ عَلَيْهِ" [راجع: ۲۴۹۲]

بَابُ الْإِشْتِرَاكِ فِى الْهَدْىِ وَالْبُدْنِ

قربانی کے جانوروں میں شراکت

بقرعید آئی، سات آدمیوں نے مل کر گائے خریدی یا ایک نے خریدی، پھر چھ حصے دار تلاش کئے تو یہ سب قربانی کے جانور

میں شریک ہیں، اور باب میں حدیث یہ ہے کہ حج کے موقع پر نبی ﷺ جو قربانیاں ساتھ لے گئے تھے، ان میں بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شریک کرلیا تھا، معلوم ہوا کہ مالدار آدمی جانور میں بعد میں بھی شریک کرسکتا ہے اور حدیث تفصیل کے ساتھ پہلے (تحفۃ القاری ۴: ۳۴۱) گذر چکی ہے۔

قولہ: فقال جابر بِكَفِّهِ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنی ہتھیلی سے اشارہ کرکے منی کی تقطیر سمجھائی۔

[۱۵-] بَابُ الِاشْتِرَاكِ فِي الْهَدْيِ وَالْبُدْنِ، وإِذَا أَشْرَكَ الرَّجُلُ رَجُلاً فِي هَدْيِهِ بَعْدَ مَا أَهْدَى

[۲۵۰۵و۲۵۰۶-] حدثنا أَبُوْ النُّعْمَانِ، ثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ: أَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرٍ، وَعَنْ طُاؤُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالاَ: قَدِمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم صُبْحَ رَابِعَةٍ مِنْ ذِيْ الْحِجَّةِ مُهِلِّيْنَ بِالْحَجِّ، لاَ يَخْلِطُهُمْ شَيْئٌ، فَلَمَّا قَدِمْنَا أَمَرَنَا فَجَعَلْنَاهَا عُمْرَةً وَأَنْ نَحِلَّ إِلٰى نِسَائِنَا، فَفَشَتْ فِي ذٰلِكَ الْقَالَةُ: قَالَ عَطَاءٌ: فَقَالَ جَابِرٌ: فَيَرُوْحُ أَحَدُنَا إِلٰى مِنًى وَذَكَرُهُ يَقْطُرُ مَنِيًّا- فَقَالَ جَابِرٌ بِكَفِّهِ - فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَقَامَ خَطِيْبًا، فَقَالَ:" بَلَغَنِيْ أَنَّ أَقْوَامًا يَقُوْلُوْنَ كَذَا وَكَذَا، وَاللّٰهِ لَأَنَا أَبَرُّ وَأَتْقَى لِلّٰهِ مِنْهُمْ، وَلَوْ أَنِّيْ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِيْ مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا أَهْدَيْتُ، وَلَوْلاَ أَنَّ مَعِيَ الْهَدْيَ لَأَحْلَلْتُ، فَقَامَ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! هِيَ لَنَا أَوْ لِلْأَبَدِ؟ فَقَالَ:" لاَ، بَلْ لِلْأَبَدِ" قَالَ: وَجَاءَ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ، فَقَالَ: أَحَدُهُمَا يَقُوْلُ: لَبَّيْكَ بِمَا أَهَلَّ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَقَالَ الآخَرُ: لَبَّيْكَ بِحَجَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَأَمَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ يُقِيْمَ عَلٰى إِحْرَامِهِ، وَأَشْرَكَهُ فِي الْهَدْيِ. [راجع: ۱۰۸۵، ۱۵۵۷]

فقال أحدهما: عطاء اور طاؤس سے ایک نے کہا .... **ولو أني اسْتَقْبَلْتُ:** نبی ﷺ اور تمام صحابہ ذوالحلیفہ سے صرف حج کا احرام باندھ کر گئے تھے، کیونکہ زمانۂ جاہلیت سے یہ تصور چلا آرہا تھا کہ اشہر حج میں عمرہ کرنا بڑا گناہ ہے، پھر مکہ پہنچ کر نبی ﷺ کی رائے ہوئی کہ اس تصور کو باطل کیا جائے، کیونکہ ساری دنیا کے لئے دو مرتبہ سفر کرنا دشوار ہے، چنانچہ آپؐ نے مکہ پہنچ کر حکم دیا کہ جس کے پاس قربانی کا جانور نہیں ہے وہ نیت بدل لے، حج کے بجائے عمرہ کی نیت کرلے اور طواف وسعی کرکے مکمل احرام کھول دے اور حج کے لئے مکہ ہی سے دوسرا احرام باندھے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اور ہمیشہ کے لئے حج کے ساتھ عمرہ کرنے کی گنجائش نکل آئی۔

بَابُ مَنْ عَدَلَ عَشَرَةً مِنَ الْغَنَمِ بِجَزُوْرٍ فِي الْقَسْمِ

جس نے بٹوارہ میں دس بکریوں کو ایک قصائی کے اونٹ کے برابر گردانا

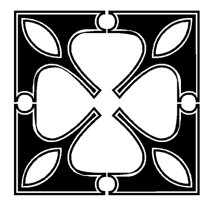
جزور: کاٹنے کا اونٹ، وہ مال برداری کے قابل نہیں ہوتا، اگر جزور اور بکریاں بانٹی جائیں تو ان میں برابری کس طرح

کی جائے؟ ایک رائے یہ ہے کہ دس بکریاں ایک جزور کے برابر ہیں، مگر باب میں جو حدیث ہے وہ اس مسئلہ میں صریح نہیں، کیونکہ نبی ﷺ نے جو دس بکریوں کو ایک جزور کے برابر قرار دیا تھا وہ امیر لشکر کی طرف سے تقسیم عمل میں آئی تھی، پس ہر جگہ اس کی پابندی ضروری نہیں۔ انصاف کے ساتھ تقسیم ہونی چاہئے، اونٹ کس نسل کا ہے؟ کتنی عمر کا ہے؟ اس کے برابر کتنی بکریاں ہونی چاہئیں؟ اس کا فیصلہ سمجھ دار لوگ کریں، اور حدیث ابھی گذری ہے۔

[۱۶-] بَابُ مَنْ عَدَلَ عَشَرَةً مِنَ الْغَنَمِ بِجَزُوْرٍ فِی الْقَسْمِ

[۲۵۰۷-] حدثنا مُحَمَّدٌ، نا وَكِيْعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ، عَنْ جَدِّهِ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِذِی الْحُلَيْفَةِ مِنْ تِهَامَةَ، فَأَصَبْنَا غَنَمًا وَإِبِلاً، فَعَجِلَ الْقَوْمُ فَأَغْلَوْا بِهَا الْقُدُوْرَ، فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَأَمَرَ بِهَا فَأُكْفِئَتْ، ثُمَّ عَدَلَ عَشَرَةً مِنَ الْغَنَمِ بِجَزُوْرٍ، ثُمَّ إِنَّ بَعِيْرًا مِنْهَا نَدَّ وَلَيْسَ فِی الْقَوْمِ إِلَّا خَيْلٌ يَسِيْرَةٌ، فَرَمَاهُ رَجُلٌ فَحَبَسَهُ بِسَهْمٍ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "إِنَّ لِهٰذِهِ الْبَهَائِمِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ، فَمَا غَلَبَكُمْ مِنْهَا فَاصْنَعُوْا بِهِ هٰكَذَا" قَالَ: قَالَ جَدِّیْ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّا نَرْجُوْ أَوْ: نَخَافُ أَنْ نَلْقَى الْعَدُوَّ غَدًا وَلَيْسَ مَعَنَا مُدًى، أَفَنَذْبَحُ بِالْقَصَبِ؟ قَالَ: "اعْجَلْ أَوْ: أَرِنْ، مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَكُلُوْا، لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ. وَسَأُحَدِّثُكُمْ عَنْ ذٰلِكَ، أَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ، وَأَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشَةِ" [راجع: ۲۴۸۸]

لغت: أَرِنْ (فعل امر) جلدی کرو یا فرمایا: کاٹو، أَرَنَهُ (ن) أَرْنًا: کاٹنا یعنی بانس سے ذبح کرنے کی صورت میں، بانس چونکہ سخت ہوتا ہے اس لئے جلدی کرو، اگر دیر لگاؤ گے تو جانور کو تکلیف ہوگی، اس لئے جلدی سے ذبح کر ڈالو۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتابُ الرَّھْنِ

گروی رکھنے کا بیان

رَھَنَ فلاناً وعند فلانٍ الشیئَ: کسی کے پاس کوئی چیز گروی رکھنا، یعنی قرض لے کر کوئی قیمتی چیز تا واپسی قرض خواہ کے پاس رکھنا: توثیقُ دینٍ بعینٍ، أی حَبْسُ شیئٍ مالیٍّ ضَمَانًا لِحَقٍّ علی الْغَیْرِ: کبھی قرض دینے والا اعتماد کے لئے قرض سے زیادہ قیمت کی کوئی چیز اپنے رکھنا چاہتا ہے تاکہ مقروض بھاگ نہ جائے اور قرضہ ڈوب نہ جائے، پھر جب وہ قرض واپس کرتا ہے تو مرتہن (گروی لینے والا) گروی کی چیز واپس کردیتا ہے، پس یہ ایک معاشرتی ضرورت ہے اس لئے شریعت نے اس کو مشروع کیا ہے، قرآنِ کریم میں سورۃ البقرہ کی آیت: ۲۸۳ میں اس کا ذکر ہے۔

بَابُ الرَّھْنِ فِی الْحَضَرِ

حضر میں گروی رکھنا

گروی سفر میں بھی رکھ سکتے ہیں اور حضر میں بھی۔ اور قرآنِ کریم میں جو ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ﴾ ہے: جمہور کے نزدیک یہ قید احترازی نہیں ہے، عام طور پر سفر ہی میں گروی لینے دینے کی ضرورت پیش آتی ہے، اس لئے علی سفر کی قید آئی ہے، ورنہ حضر میں بھی گروی رکھ سکتے ہیں۔ نبی ﷺ نے مدینہ میں جو خریدے تھے اور اپنی زرہ گروی رکھی تھی، البتہ بعض سلف کی رائے یہ ہے کہ گروی صرف سفر میں رکھ سکتے ہیں، جہاں دستاویز لکھنے والا کوئی نہ ہو۔ مگر جمہور ائمہ باب کی حدیث کی وجہ سے حضر میں بھی گروی کے جواز کے قائل ہیں۔

اور حدیث ابھی گذری ہے مگر یہاں روایت مسلم بن ابراہیمؒ کی ہے ان کی روایت کے آخری الفاظ ہیں: ما أَصْبَحَ لِآلِ مُحَمَّدٍ إِلَّا صَاعٌ وَلَا أَمْسَی: آج صبح میرے خاندان کے پاس صرف ایک صاع ہے اور وہی شام میں۔ ہشام دستوائی کے شاگرد مسلم کے یہ الفاظ صحیح نہیں، مسند احمد میں دوسرے شاگرد کے الفاظ ہیں: ما أَمْسَی فی آل محمدٍ صاعٌ مِنْ تَمْرٍ ولا صَاعٌ مِنْ حَبٍّ: آج شام کو میرے کسی گھر میں نہ چھوہاروں کا ایک صاع ہے نہ غلہ کا، یہی الفاظ صحیح ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

٤٨- كتاب الرهن

[١-] بَابُ الرَّهْنِ فِي الْحَضَرِ

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَقْبُوْضَةٌ﴾[البقرة: ٢٨٣]

[٢٥٠٨-] حدثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، ثَنَا هِشَامٌ، ثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: وَلَقَدْ رَهَنَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم دِرْعَهُ بِشَعِيْرٍ، وَمَشَيْتُ إِلٰى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِخُبْزِ شَعِيْرٍ وإِهَالَةٍ سَنِخَةٍ، وَلَقَدْ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: "مَا أَصْبَحَ لِآلِ مُحَمَّدٍ إِلَّا صَاعٌ وَلَا أَمْسَى، وَإِنَّهُمْ لَتِسعَةُ أَبْيَاتٍ"[راجع: ٢٠٦٩]

بَابُ مَنْ رَهَنَ دِرْعَهُ

اپنی زرہ گروی رکھنا

زرہ (فولاد کا جالی دار کرتا جو لڑائی میں پہنتے ہیں) گروی رکھنا جائز ہے۔ نبی ﷺ نے یہودی سے جو ادھار خریدے تھے اور اس کے پاس اپنی زرہ گروی رکھی تھی، اور حدیث پہلے گذری ہے، البتہ یہاں حدیث میں ایک جملہ زیادہ ہے: القَبِيْلُ فی السَّلَمِ: قبیل یعنی کفیل: بیع سلم میں گروی اور ضامن لے سکتے ہیں یا نہیں؟ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے سبق میں یہ مسئلہ چھڑا، کیونکہ بعض سلف کہتے ہیں: سلم میں گروی رکھنا اور ضامن لینا درست نہیں، یہ دونوں باتیں ثمن کی توثیق کے لئے ہوتی ہیں، مبیع کی توثیق کے لئے نہیں ہوتیں، پس ابراہیم نخعی نے حدیث سنائی کہ نبی ﷺ نے جو خرید کر زرہ گروی رکھی ہے، پس جب ثمن کی توثیق کے لئے گروی رکھ سکتے ہیں تو سلم میں مبیع کی توثیق کے لئے بھی گروی رکھ سکتے ہیں، اور ضامن بھی لے سکتے ہیں۔

[٢-] بَابُ مَنْ رَهَنَ دِرْعَهُ

[٢٥٠٩-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، ثَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ: تَذَاكَرْنَا عِنْدَ إِبْرَاهِيْمَ الرَّهْنَ وَالْقَبِيْلَ فِي السَّلَمِ فَقَالَ إِبْرَاهِيْمُ: ثَنَا الْأَسْوَدُ عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم اشْتَرَى مِنْ يَهُوْدِيٍّ طَعَامًا إِلٰى أَجَلٍ وَرَهَنَهُ دِرْعَهُ.[راجع: ٢٠٦٨]

بَابُ رَهْنِ السِّلَاحِ

ہتھیار گروی رکھنا

یہ ذیلی باب ہے، زرہ من وجہ ہتھیار ہے، اس لئے یہ عام باب لائے کہ کوئی بھی ہتھیار گروی رکھ سکتے ہیں۔

حدیث: کعب بن اشرف (عرب یہودی) جنگ بدر کے بعد مکہ گیا اور اپنے اشعار کے ذریعہ مکہ والوں میں جوش پیدا کیا کہ بدر کے مقتولین کا بدلہ لو، اور بھی طرح طرح سے وہ حضور ﷺ کو اور مسلمانوں کو ستاتا تھا، پس آپؐ نے فرمایا: کون ہے جو کعب کا قصہ نمٹائے؟ وہ اللہ اور اس کے رسول کو ستاتا ہے، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس کو دیکھونگا، چنانچہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس کے پاس گئے اور کہا: ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں ایک وسق یا دو وسق غلہ ادھار دیں، کعب نے کہا: میرے پاس اپنی عورتیں گروی رکھو، انھوں نے کہا: ہم عورتوں کو کیسے گروی رکھیں جبکہ آپ عربوں میں سب سے زیادہ خوبصورت ہیں؟ یعنی ہمیں اپنی عورتوں کے بارے میں خطرہ ہے، اس نے کہا: پس میرے پاس اپنے بیٹوں کو گروی رکھو، انھوں نے کہا: ہم اپنے بیٹوں کو کیسے گروی رکھیں ان کو طعنہ دیا جائے گا کہ تو ایک وسق یا دو وسق کے بدلہ میں گروی رکھا گیا تھا۔ یہ بات ہمارے لئے ڈوب مرنے کی ہے، البتہ ہم آپ کے پاس ہتھیار گروی رکھیں گے (اللَّأْمَة: کے معنی ہیں: ہتھیار) پس محمد بن مسلمہؓ نے اس سے وعدہ کیا کہ ہم آپ کے پاس (ہتھیار لے کر) آئیں گے پس انھوں نے اس کو قتل کر دیا۔ پھر محمد بن مسلمہؓ نے نبی ﷺ کو اس کی طلاع دی۔

تشریح: اس حدیث سے مطلقاً ہتھیار گروی رکھنے پر استدلال کرنا ذرا مشکل ہے اور محمد بن مسلمہؓ وغیرہ نے جو ہتھیار گروی رکھنے کی بات کہی تھی وہ تو ایک چال تھی، اس لئے جنگ کے زمانہ میں حربی کے پاس ہتھیار گروی رکھنا جائز نہیں، جیسے اس کے ہاتھ ہتھیار فروخت کرنا جائز نہیں، البتہ حالات ٹھیک ہوں تو ہتھیار گروی رکھ سکتے ہیں۔

[۳-] بَابُ رَهْنِ السِّلَاحِ

[۲۵۱۰-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ عَمْرٌو: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْأَشْرَفِ؟ فَإِنَّهُ قَدْ آذَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ! فَقَالَ مُحَمَّدُ ابْنُ مَسْلَمَةَ: أَنَا، فَأَتَاهُ، فَقَالَ: أَرَدْنَا أَنْ تُسْلِفَنَا وَسْقًا أَوْ وَسْقَيْنِ، قَالَ: ارْهَنُوْنِيْ نِسَاءَ كُمْ، قَالُوْا: كَيْفَ نَرْهَنُكَ نِسَاءَ نَا وَأَنْتَ أَجْمَلُ الْعَرَبِ؟ قَالَ: فَارْهَنُوْنِيْ أَبْنَاءَ كُمْ، قَالُوْا: كَيْفَ نَرْهَنُكَ أَبْنَاءَ نَا فَيُسَبُّ أَحَدُهُمْ فَيُقَالُ: رُهِنَ بِوَسْقٍ أَوْ وَسْقَيْنِ! هٰذَا عَارٌ عَلَيْنَا، وَلٰكِنَّا نَرْهَنُكَ اللَّأْمَةَ - قَالَ سُفْيَانُ يَعْنِيْ السِّلَاحَ - فَوَعَدَهُ أَنْ يَأْتِيَهُ فَقَتَلُوْهُ، ثُمَّ أَتَوُا النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَأَخْبَرُوْهُ.

[انظر: ۳۰۳۱، ۳۰۳۲، ۴۰۳۷]

بَابٌ: الرَّهْنُ مَرْكُوْبٌ وَمَحْلُوْبٌ

گروی کا جانور سواری کیا ہوا اور دودھ دوہا ہوا ہے

گروی کی چیز سے فائدہ اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟ کسی کو قرض دیا، اس نے مکان گروی رکھا تو مرتہن مکان میں رہ سکتا ہے

یا نہیں؟ گھوڑا گروی رکھا تو گھوڑے پر سواری کرسکتا ہے یا نہیں؟ دودھ والا جانور گروی رکھا تو اس کا دودھ استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر کوئی دودھ والا کھویا ہوا جانور ملا تو اس کے دودھ سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں یا نہیں؟

حضرت امام احمد اور امام بخاری رحمہما اللہ کے نزدیک فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اور جانور پر جو مصارف آئیں وہ مرتہن کرے، مثلاً مکان گروی رکھا تو مرتہن اس میں رہ سکتا ہے اور مصارف: ہاؤس ٹیکس، واٹر ٹیکس وغیرہ مرتہن ادا کرے، یا گھوڑا گروی رکھا تو مرتہن اس پر سواری کرسکتا ہے بکری گروی رکھی تو مرتہن اس کا دودھ استعمال کرسکتا ہے، اور ان کا چارہ پانی مرتہن کرے۔

دیگر ائمہ کے نزدیک شئ مرہون سے انتفاع جائز نہیں، یہ انتفاع سود ہے، حدیث ہے: كلُّ قرْضٍ جَرَّ نَفْعًا فهو رِبًا: جس قرض سے فائدہ اٹھایا جائے وہ سود ہے، اور لوگ اسی لئے قرض دیتے ہیں کہ گروی کے مکان اور زمین سے فائدہ اٹھائیں۔ اور حدیث ہے: لَايَغْلَقُ الرهنُ الرَّهْنَ من صاحبِه الذى رَهَنَهُ، له غُنْمُهُ وعليه غُرْمُهُ: مرتہن تالے میں بند نہ کرے گروی کی چیز کو اس کے اس مالک سے جس نے اس کو گروی رکھا ہے، راہن کے لئے اس کا فائدہ ہے اور اسی پر اس کا تاوان ہے (مشکوٰۃ حدیث ۲۸۸۷) یعنی شئ مرہون کی بقاء کے خرچے راہن کے ذمہ ہوتے ہیں کیونکہ وہی اس کا مالک ہے اور رہن کے زوائد وفوائد کا بھی وہی مالک ہے، مرتہن کو یہ حق نہیں کہ وہ ان زوائد وفوائد کو استعمال کرے۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے باب میں ایک اثر اور دو حدیثیں پیش کی ہیں:

اثر: حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کوئی گم شدہ جانور ملے تو اس پر سواری کی جائے اس کے چارہ کے بقدر اور دودھ والا جانور ہو تو اس کو دوہا جائے اس کے چارہ کے بقدر، اور گروی کا بھی یہی حکم ہے (اس اثر کی توجیہ وہی ہے جو حدیث کی آرہی ہے)

حدیث (۱): نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے: الرهنُ يُرْكَبُ بِنَفَقَتِهِ، ويُشْرَبُ لَبَنُ الدَّرِّ إِذَا كان مرهوناً: گروی کا جانور سواری کیا جائے اس کے خرچہ کے بدل اور دودھ والے جانور کا دودھ پیا جائے اس کے خرچہ کے بدل، جبکہ وہ جانور گروی ہو۔

حدیث (۲): بھی یہی ہے، البتہ مفصل ہے۔ الظَّهْرُ يُرْكَبُ بِنفقتِهِ، إذا كان مَرْهُوْنًا: پیٹھ یعنی گروی کا جانور سواری کیا جائے اس کے خرچہ کے بدل، جب کہ وہ گروی ہو۔ وَلَبَنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا: اور دودھ والے جانور کا دودھ پیا جائے اس کے خرچہ کے بدل جب کہ وہ گروی ہو۔ وعلى الذى يَرْكَبُ وَيَشْرَبُ النَّفَقَةُ: اور اس شخص پر جو سواری کرے اور دودھ پئے اس جانور کا خرچہ ہے۔

تشریح: ان دونوں حدیثوں سے امام بخاری اور امام احمد رحمہما اللہ نے استدلال کیا ہے کہ شئ مرہون سے انتفاع جائز ہے، دوسرے ائمہ کے نزدیک ان حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ شئ مرہون کے بقاء کے خرچے راہن کے ذمہ ہوتے ہیں کیونکہ وہی اس کا مالک ہے اور حفاظت مرتہن کے ذمہ ہوتی ہے اور اگر گھوڑا سواری کا ہے تو اس کو کرایہ پر اٹھانا اور مرہون

جانور کا دودھ بیچنا مرتہن کی ذمہ داری ہے اور جو آمدنی ہو وہ رہن میں شامل ہوگی اور صبح وشام جانور کا چارہ مرتہن کے گھر پہنچانا راہن کی ذمہ داری ہے، کیونکہ بقاء کا خرچہ اس کے ذمہ ہے مگر سادہ معاشرہ میں توسع برتا جاتا ہے، پائی پائی کا حساب نہیں کیا جاتا بلکہ دیہات میں تو جانور کو کرایہ پر اٹھانا اور دودھ بیچنا دشوار ہے، اس لئے نبی ﷺ نے فرمایا: مرتہن ہی جانور کا خرچہ اٹھائے اور بدلہ میں اس پر سواری کرے اور اس کا دودھ پئے، پس یہ گروی سے فائدہ اٹھانا نہیں بلکہ خرچ کرنے کا لم سم بدلہ ہے۔ اور دلیل بنفقته ہے یعنی یہ انتفاع بعوض مصارف ہے، مرہون شئ سے فائدہ اٹھانا نہیں۔

گروی سے فائدہ اٹھانے کی دو صورتیں:

پہلی صورت: اگر راہن شئ مرہون سے انتفاع کی اجازت دے تو مرتہن فائدہ اٹھا سکتا ہے، مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ شئ مرہون سے فائدہ اٹھانا معروف نہ ہو، کیونکہ معروف مشروط کی طرح ہوتا ہے، پس جس علاقہ میں شئ مرہون سے انتفاع کا رواج ہے، وہاں راہن کی اجازت سے بھی انتفاع جائز نہیں، ہاں اگر شئ مرہون سے انتفاع معروف نہ ہو تو جائز ہے، مثلاً کسی نے گھڑی گروی رکھی، اب مرتہن کو کسی تقریب میں جانا ہے اس نے راہن سے گھڑی پہن کر تقریب میں جانے کی اجازت مانگی، راہن نے اجازت دیدی تو یہ جائز ہے، کیونکہ یہ معروف نہیں، مگر اب اس گھڑی پر رہن کا حکم جاری نہیں ہوگا، بلکہ اب وہ امانت ہوگی، اگر مرتہن کی تعدی کے بغیر گھڑی ضائع ہو جائے تو ضمان واجب نہیں، پھر جب تقریب سے واپس آ کر اس نے گھڑی اتار کر رکھ دی تو دوبارہ رہن کا حکم لوٹ آئے گا۔

دوسری صورت: عقدہ اجارہ کر لیا جائے مثلاً مکان گروی رکھا پس اس کا کچھ کرایہ طے کر لیا جائے تو مرتہن اس میں رہ سکتا ہے مگر اب یہ مکان گروی نہیں رہا، اس پر اجارہ کے احکام جاری ہونگے اور راہن کو ہر وقت مکان خالی کرانے کا حق ہوگا، مرتہن یہ نہیں کہہ سکتا کہ پہلے قرض لوٹاؤ تب مکان خالی کروں گا، کیونکہ اب مکان کا قرض سے کوئی تعلق نہیں رہا، اور گھڑی کی طرح یہاں رہن کا حکم واپس نہیں لوٹے گا۔

[٤-] بَابٌ: الرَّهْنُ مَرْكُوْبٌ وَمَحْلُوْبٌ

وَقَالَ الْمُغِيْرَةُ: عَنْ إِبْرَاهِيْمَ: تُرْكَبُ الضَّالَّةُ بِقَدْرِ عَلَفِهَا، وَتُحْلَبُ بِقَدْرِ عَلَفِهَا، وَالرَّهْنُ مِثْلُهُ.

[٢٥١١-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، ثَنَا زَكَرِيَّا، عَنْ عَامِرٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ: "الرَّهْنُ يُرْكَبُ بِنَفَقَتِهِ، وَيُشْرَبُ لَبَنُ الدَّرِّ إِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا" [راجع: ٢٥١٢]

[٢٥١٢-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ، أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، أَنَا زَكَرِيَّا، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "الظَّهْرُ يُرْكَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا، وَلَبَنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا. وَعَلَى الَّذِيْ يَرْكَبُ وَيَشْرَبُ النَّفَقَةُ" [راجع: ٢٥١١]

بَابُ الرَّهْنِ عِنْدَ الْيَهُوْدِ وَغَيْرِهِمْ

یہود وغیرہ کے پاس گروی رکھنا

یہود کے پاس گروی رکھ سکتے ہیں۔ نبی ﷺ نے ایک یہودی کے پاس زرہ گروی رکھی تھی، اسی طرح ہر غیر مسلم کے پاس گروی رکھ سکتے ہیں، اور حدیث پہلے گذری ہے۔

[٥-] بَابُ الرَّهْنِ عِنْدَ الْيَهُوْدِ وَغَيْرِهِمْ

[٢٥١٣-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا جَرِيْرٌ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنِ الأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: اشْتَرَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ يَهُوْدِيٍّ طَعَامًا، وَرَهَنَهُ دِرْعَهُ. [راجع: ٢٠٦٨]

بَابٌ: إِذَا خْتَلَفَ الرَّاهِنُ وَالْمُرْتَهِنُ وَنَحْوُهُ، فَالْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنُ عَلَى الْمُدَّعىٰ عَلَيْهِ

معاملات میں راہن ومرتہن اوران کے مانند میں اختلاف ہوجائے تو مدعی گواہ پیش کرے ورنہ مدعی علیہ قسم کھائے

حاشیہ میں مدعی اور مدعی علیہ کی تعریف لکھی ہے، مَن إذا تَرَكَ تُرِكَ: مدعی وہ ہے جو کیس واپس لیلے تو کوئی اس کو نہ روکے والمدعیٰ علیہ بخلافه: اور مدعی علیہ وہ ہے جو مقدمہ واپس نہ لے سکے، اس کو کورٹ میں حاضر ہونا ہی پڑے گا۔ اگر رہن میں راہن اور مرتہن میں کوئی اختلاف ہوجائے تو کاروائی اسی طرح ہوگی جس طرح دیگر معاملات میں ہوتی ہے، جو مدعی ہے وہ گواہ پیش کرے، اس کے مطابق فیصلہ ہوگا اور اگر وہ گواہ پیش نہ کرسکے تو مدعی علیہ کی قسم پر فیصلہ ہوگا، اور نحوہ میں دیگر تمام معاملات آتے ہیں۔

پہلی حدیث: ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خط لکھا، انھوں نے مجھے جواب دیا کہ نبی ﷺ نے قسم کا مدعی علیہ پر فیصلہ فرمایا ہے۔

تشریح: ایک رائے یہ ہے کہ اگر مدعی کے پاس ایک گواہ ہو تو دوسرے گواہ کی جگہ وہ قسم کھائے، اور اس پر قاضی فیصلہ کرے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے جواب سے معلوم ہوا کہ یہ رائے صحیح نہیں، نبی ﷺ نے مدعی علیہ پر قسم کا فیصلہ کیا ہے، وہی قسم کھائے گا۔

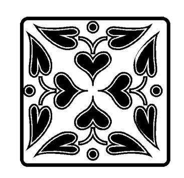
اور دوسری حدیث پہلے کئی مرتبہ آئی ہے: جو شخص کوئی قسم کھائے جس کے ذریعہ وہ کسی مال کا مستحق بن جائے درانحالیکہ وہ اس میں جھوٹا ہے، یعنی مدعی علیہ قاضی کے سامنے جھوٹی قسم کھا کر اپنے حق میں فیصلہ کرالے تو وہ اللہ سے ملاقات کرے گا درانحالیکہ وہ اس پر غضبناک ہونگے۔ سورہ آلِ عمران کی آیت ۷۷ اس کی تائید میں نازل ہوئی ہے، پھر اشعث بن قیسؓ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ کا یہ ارشاد ان کے واقعہ میں صادر ہوا تھا، وہ ایک جھگڑا لے کر حضور ﷺ کے پاس گئے تو آپؐ نے فرمایا: شَاهِدَاكَ أَوْ يمينُه: اپنے دو گواہ پیش کرو ورنہ ہم مدعی علیہ کی قسم پر فیصلہ کریں گے، تمام معاملات میں فیصلہ کا یہی طریقہ ہے۔

[٦-] بَابٌ: إِذَا خْتَلَفَ الرَّاهِنُ وَالْمُرْتَهِنُ وَنَحْوُهُ، فَالْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنُ عَلَى الْمُدَّعىٰ عَلَيْهِ

[٢٥١٤-] حدثنا خَلَّادُ بْنُ يَحْيىَ، ثَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ، عَنِ ابْنِ أَبِيْ مُلَيْكَةَ، قَالَ: كَتَبْتُ إِلىٰ ابْنِ عَبَّاسٍ، فَكَتَبَ إِلَيَّ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَضَى أَنَّ الْيَمِيْنَ عَلىٰ الْمُدَّعىٰ عَلَيْهِ.[انظر: ٢٦٦٨، ٤٥٥٢]

[٢٥١٤و٢٥١٦-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، ثَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: مَنْ حَلَفَ عَلىٰ يَمِيْنٍ، يَسْتَحِقُّ بِهَا مَالاً، وَهُوَ فِيْهَا فَاجِرٌ، لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ، ثُمَّ أَنْزَلَ اللّٰهُ تَصْدِيْقَ ذٰلِكَ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلاً﴾ فَقَرَأَ إِلىٰ (عَذَابٌ أَلِيْمٌ﴾

ثُمَّ إِنَّ الْأَشْعَثَ بْنَ قَيْسٍ خَرَجَ إِلَيْنَا، فَقَالَ: مَا يُحَدِّثُكُمْ أَبُوْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ؟ قَالَ: فَحَدَّثْنَاهُ، قَالَ: فَقَالَ: صَدَقَ لَفِيَّ أُنْزِلَتْ، كَانَتْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ رَجُلٍ خُصُوْمَةٌ فِي بِئْرٍ، فَاخْتَصَمْنَا إِلىٰ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" شَاهِدَاكَ أَوْ يَمِيْنُهُ" قُلْتُ: إِذًا يَحْلِفَ وَلاَ يُبَالِيْ! فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" مَنْ حَلَفَ عَلىٰ يَمِيْنٍ، يَسْتَحِقُّ بِهَا مَالاً، وَهُوَ فِيْهَا فَاجِرٌ، لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ" قَالَ: فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَصْدِيْقَ ذٰلِكَ، ثُمَّ اقْتَرَأَ هٰذِهِ الآيَةَ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلاً﴾ إِلىٰ ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ﴾[آل عمران:٧٧] [راجع: ٢٣٥٦، ٢٣٥٧]



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتابُ العِتْقِ

آزاد کرنے کا بیان

لغت میں عتق کے معنی 'قوت' کے ہیں، عَتَقَ الطائرُ: اس وقت کہتے ہیں جب پرندہ پروں سے اڑنے لگے، اور اصطلاحی معنی ہیں: مملوک میں قوتِ شرعیہ پیدا کرنا، غلامی شرعی ضعف ہے، وہ زائل ہوگا تو غلام میں قوت پیدا ہوگی، غلام میں شرعی ضعف یہ ہے کہ وہ بہت سے تصرفات نہیں کرسکتا، آزادی کے بعد وہ تصرفات کرسکتا ہے، یہی قوتِ شرعیہ ہے۔

غلامی کا مسئلہ:

جنگ کے نتیجہ میں قیدیوں کو غلام بنانے کا مسئلہ اسلام نے شروع نہیں کیا، یہ سلسلہ بہت قدیم زمانہ سے چلا آرہا تھا، اسلام نے کچھ مصلحتوں سے اس کو باقی رکھا ہے، اور اسلام کو اس پر اصرار نہیں، اسلام نے تو غلامی سے نکلنے کی بہت سی راہیں تجویز کی ہیں، کفاروں میں غلام آزاد کرنے کا، اللہ کی نشانیاں ظاہر ہونے پر غلام آزاد کرنے کا، اور حصول جنت کے لئے غلام آزاد کرنے کی ترغیب دی ہے۔

جاننا چاہئے کہ جنگ میں جو قیدی پکڑے جاتے ہیں ان کا مسئلہ چار طرح سے حل کیا جاسکتا ہے:

پہلا طریقہ: جس قیدی کا قتل کرنا قرینِ مصلحت ہو اس کو قتل کردیا جائے، آج بھی دنیا اس بات کو تسلیم کرتی ہے۔

دوسرا طریقہ: جس قیدی کو مفت رہا کرنا قرینِ مصلحت ہو اس کو چھوڑ دیا جائے، اس کو عربی میں مَنّ (بلا معاوضہ چھوڑ دینا) کہتے ہیں، سورۂ محمد آیت ۵ میں اس کا ذکر ہے۔

تیسرا طریقہ: اپنے قیدیوں سے تبادلہ کیا جائے، یا جنگ کا ہرجانہ لے کر چھوڑ دیا جائے، اس کو فداءٌ (معاوضہ لے کر چھوڑنا) کہتے ہیں، سورۂ محمد کی مذکورہ آیت میں اس کا بھی ذکر ہے۔

چوتھا طریقہ: قیدیوں کو غلام باندی بنا کر فوج میں تقسیم کردیا جائے، یہ مسئلہ کا آخری حل ہے، اور یہ حل اسلام نے شروع نہیں کیا بلکہ پہلے سے یہ طریقہ چلا آرہا تھا۔ اسلام نے اس کو باقی رکھا ہے، کیونکہ اس میں بہت سی مصلحتیں ہیں، قید میں رکھنا اور کھلانا پلانا ملک کی تباہی کا باعث ہوسکتا ہے، اور مفت چھوڑ دینا وبال جان بن سکتا ہے، اور بلا وجہ قتل کرنا انسانیت کے خلاف ہے، اس لئے قیدیوں کے مسئلہ کا آخری حل غلامی ہے، دنیا کو اگر یہ حل پسند نہیں تو وہ اس سے بہتر حل پیش کرے۔

اور غلامی کو باقی رکھنے میں مصلحت یہ ہے کہ جب قیدی مسلمانوں کے گھروں میں پہنچیں گے اور اسلامی تہذیب کو قریب سے دیکھیں گے تو ان کی غلط فہمی دور ہوگی اور وہ برضاء ورغبت اسلام قبول کرلیں گے، اسلام کی ابتدائی تاریخ اس کی شاہد عدل ہے۔

بَابٌ: فِی الْعِتْقِ وَفَضْلِهِ

غلام آزاد کرنے کی اہمیت

سورۃ البلد آیات ۱۱-۱۶ میں ہے: پس وہ شخص گھاٹی میں سے ہوکر نہ نکلا، اور آپ کو معلوم ہے کہ گھاٹی کیا ہے؟ کوئی گردن غلامی سے چھڑانا۔ اور فاقہ کے دن میں کھانا کھلانا، کسی رشتہ داریتیم کو یا کسی خاک نشیں محتاج کو (اس دو کاموں کو گھاٹی اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ نفس پر شاق ہیں، اور اجر بقدر مشقت ہوتا ہے، پس آیت سے غلام کو آزاد کرنے کی اہمیت ثابت ہوئی)

حدیث: سعید بن مرجانہ: حضرت علی زین العابدین رحمہ اللہ کے خاص شاگرد ہیں، انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی: ''جس نے کسی مسلمان شخص کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو نجات بخشیں گے غلام کے ہر عضو کے بدلہ میں آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو دوزخ سے'' سعید نے یہ حدیث حضرت علی زین العابدین رحمہ اللہ سے ذکر کی، پس ان کے پاس ایک غلام تھا، عبداللہ بن جعفر نے دس ہزار درہم یا کہا: ایک ہزار دینار کی پیشکش کی تھی، حضرت زین العابدینؒ نے اس کا قصد کیا، اور اس کو لوجہ اللہ آزاد کر دیا، اس حدیث سے بھی غلام آزاد کرنے کی اہمیت اور فضیلت نکلتی ہے، اور علماء نے لکھا ہے کہ مرد: غلام کو آزاد کرے اور عورت: باندی کو، تاکہ اعضاء کا مقابلہ ہوجائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

٤٩ - کتاب العتق

[١-] بَابٌ: فِی الْعِتْقِ وَفَضْلِهِ

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی: ﴿فَكُّ رَقَبَةٍ أَوْ إِطْعَامٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ، یَتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ﴾ [البلد: ۱۳-۱۵]

[٢٥١٧-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ یُوْنُسَ، ثَنَا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنِیْ وَاقِدُ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنِیْ سَعِیْدُ بْنُ مَرْجَانَةَ: صَاحِبُ عَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِ، قَالَ: قَالَ لِیْ أَبُوْ هُرَیْرَةَ: قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیه وسلم: " أَیُّمَا رَجُلٍ أَعْتَقَ امْرَءً ا مُسْلِمًا اسْتَنْقَذَ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنَ النَّارِ" قَالَ سُعِیْدُ بْنُ مَرْجَانَةَ: فَانْطَلَقْتُ بِهِ إِلٰی عَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِ فَعَمَدَ عَلِیُّ بْنُ الْحُسَیْنِ إِلٰی عَبْدٍ لَهُ، قَدْ أَعْطَاهُ بِهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ عَشَرَةَ آلَافِ دِرْهَمٍ، أَوْ: أَلْفَ دِیْنَارٍ، فَأَعْتَقَهُ. [انظر: ٦٧١٥]

بَابٌ: أَيُّ الرِّقَابِ أَفْضَلُ؟

کونسے غلام کوآزاد کرنا بہتر ہے

جس غلام یاباندی کی قیمت زیادہ ہو یااس سے تعلق خاطر ہواس کوآزاد کرنے میں ثواب زیادہ ہے۔

حدیث: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا: کونساعمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ پرایمان لانا، اوراللہ کے راستہ میں جہاد کرنا، انھوں نے پوچھا: کونساغلام آزاد کرنا افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جس کی قیمت زیادہ ہواور جس سے مالکان کوتعلق خاطر ہو، حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا: اگرمیں یہ کام (غلام آزاد کرنے کا کام) نہ کرسکوں؟ آپؐ نے فرمایا: کسی کاریگر کی مدد کریں یاکسی اناڑی (بے ہنر) کا کام کریں (جوآدمی کام جانتا ہے مگرکام مشکل ہے: اس کا ہاتھ بٹاؤ، اور جو اناڑی ہے کام نہیں جانتا اس کا کام کرو، راستہ میں گاڑی خراب ہوگئی، ڈرائیور ماہر ہے اس نے جیک نکال کرٹائر بدلنا شروع کیا، دوسرا شخص آیا اس نے گاڑی روکی اوراس کی مدد کی، یہ کاریگر کی مدد کرنا ہے، اورایک ڈرائیوراناڑی ہے، ٹائر میں پنچر ہوگیا، اب وہ مبہوت کھڑا ہے، دوسرا شخص آیا اس نے گاڑی روکی اوراس کا ٹائر بدل دیا، یہ اناڑی کا کام کردینا ہے) حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا: پس اگرمیں یہ کام نہ کرسکوں؟ آپؐ نے فرمایا: لوگوں کوبرائی سے بچاؤ، یعنی کسی کوتکلیف مت پہنچاؤ، اس لئے کہ یہ بھی صدقہ ہے، جس کوآپ اپنے نفس پرکرتے ہیں، یعنی کارِثواب ہے۔

[۲-] بَابٌ: أَيُّ الرِّقَابِ أَفْضَلُ؟

[۲۵۱۸-] حدثنا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسَى، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ مُرَاوِحٍ، عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ، قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم: أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: "إِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَجِهَادٌ فِيْ سَبِيْلِهِ" قُلْتُ: فَأَيُّ الرِّقَابِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: "أَعْلَاهَا ثَمَنًا وَأَنْفَسُهَا عِنْدَ أَهْلِهَا" قُلْتُ: فَإِنْ لَمْ أَفْعَلْ؟ قَالَ: "تُعِيْنُ صَانِعًا أَوْ تَصْنَعُ لِأَخْرَقَ" قُلْتُ: فَإِنْ لَمْ أَفْعَلْ؟ قَالَ: "تَدَعُ النَّاسَ مِنَ الشَّرِّ، فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ، تَصَدَّقُ بِهَا عَلٰى نَفْسِكَ"

لغات: أَعْلٰی اور أَغْلٰی دونوں اسم تفضیل ہیں: عمدہ اورزیادہ قیمت کا............ أَنْفَس بھی اسم تفضیل ہے، زیادہ نفیس پسندیدہ، جس سے مالک کوتعلق خاطر ہو۔

بَابُ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْعَتَاقَةِ فِي الْكُسُوْفِ وَالآيَاتِ

سورج گہن کے وقت اور قدرتی نشانیاں ظاہر ہونے پرغلام آزاد کرنا مستحب ہے

جب سورج گہن ہوتوغلام آزاد کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، اورمطلق خیرات کرنے کی بھی ترغیب دی گئی ہے، اورغلام

آزاد کرنا اہم صدقہ ہے اور اللہ تعالیٰ سورج گہن کے علاوہ بہت سی نشانیاں دکھلاتے ہیں، جیسے زلزلے آنے لگیں تو اس وقت بھی صدقہ کرنا چاہئے، اور خاص طور پر غلاموں کو آزاد کرنا چاہئے۔

اور باب کی حدیث ایک لمبی حدیث کا حصہ ہے، اور یہ مفصل پہلے آچکی ہے (حدیث نمبر ۸۶، تحفۃ القاری ۱:۳۶۸) ایک مرتبہ سورج گہن ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، پھر تقریر فرمائی، اس میں سورج گہن کے وقت غلام آزاد کرنے کا حکم دیا، یہاں حدیث کا صرف یہ حصہ ذکر کیا گیا ہے۔

[۳-] بَابُ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْعَتَاقَةِ فِي الْكُسُوْفِ وَالآيَاتِ

[۲۵۱۹-] حدثنا مُوْسَى بْنُ مَسْعُوْدٍ، ثَنَا زَائِدَةُ بْنُ قُدَامَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِيْ بَكْرٍ، قَالَتْ: أَمَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِالْعَتَاقَةِ فِي كُسُوْفِ الشَّمْسِ. [راجع: ۸۶]

تَابَعَهُ عَلِيٌّ، عَنِ الدَّرَاوَرْدِيِّ، عَنْ هِشَامٍ.

[۲۵۲۰-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِيْ بَكْرٍ، ثَنَا عَثَّامٌ، ثَنَا هِشَامٌ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِيْ بَكْرٍ، قَالَتْ: كُنَّا نُؤْمَرُ عِنْدَ الْكُسُوْفِ بِالْعَتَاقَةِ. [راجع: ۸۶]

بَابٌ: إِذَا أَعْتَقَ عَبْدًا بَيْنَ اثْنَيْنِ، أَوْ أَمَةً بَيْنَ الشُّرَكَاءِ

مشترک غلام یا باندی کو آزاد کرنا

اثنین کی قید اتفاقی ہے، کسی غلام میں دو سے زیادہ شرکاء ہوں تو بھی یہی حکم ہے، اور باب میں باندی کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ کچھ حضرات حکم کو غلام کے ساتھ خاص کرتے ہیں، باندی تک متعدی نہیں کرتے، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے باب میں باندی کا بھی ذکر کیا کہ دونوں کے لئے حکم ایک ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ یہ باب اور آئندہ باب ایک ہی مسئلہ سے متعلق ہیں، اور اس کو سمجھنے کے لئے پہلے دو باتیں جاننی ضروری ہیں:

پہلی بات: عتق متجزی ہوتا ہے یا نہیں؟ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک عتق ہر حال میں متجزی ہوتا ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک کسی حال میں متجزی نہیں ہوتا، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کبھی متجزی ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔

وضاحت: یہ تعبیر مجازی ہے کہ عتق متجزی ہوتا ہے یا نہیں؟ اور مراد یہ ہے کہ ازالۂ ملک متجزی ہوتا ہے یا نہیں؟ مثلاً ایک غلام میں دو آدمی شریک ہیں، ایک نے اپنا حصہ آزاد کیا تو کیا صرف اسی کے حصے کی ملک زائل ہوئی یا پورے غلام کی

ملک زائل ہوگئی؟عتق متجزی ہونے نہ ہونے کا یہ مطلب ہے۔اور ہرحال کا مطلب یہ ہے کہ جس نے اپنا حصہ آزاد کیا ہے، وہ مالدار ہے یا غریب۔

غرض امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک عتق ہرحال میں متجزی ہوتا ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک کسی حال میں متجزی نہیں ہوتا، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر آزاد کرنے والا مالدار ہے تو عتق متجزی نہیں ہوتا یعنی اس صورت میں سارا غلام آزاد ہوجاتا ہے، اور اگر آزاد کرنے والا غریب ہے تو صرف اسی کا حصہ آزاد ہوتا ہے، اس صورت میں عتق متجزی ہوتا ہے۔

دوسری بات: جن ائمہ کے نزدیک عتق متجزی ہوتا ہے ان میں اختلاف ہے کہ دوسرے شریک کا حصہ غلامی میں برقرار رہے گا یا وہ بھی ثانی حال (بعد) میں آزاد ہوجائے گا، امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اب وہ غلامی میں باقی نہیں رہ سکتا اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دوسرے شریک کا حصہ بدستور غلامی میں باقی رہے گا —— اور یہیں سے اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہوا ہے کہ غلام پر سعایہ (کمانا) ہے یا نہیں؟ احناف کے تینوں ائمہ سعایہ کے قائل ہیں اور ائمہ ثلاثہ سعایہ کے قائل نہیں۔

اب سنئے: ایک غلام دو شخصوں کے درمیان مشترک ہے، ایک شریک نے اپنا حصہ آزاد کردیا تو دیکھیں گے: آزاد کرنے والا مالدار ہے یا غریب؟ یعنی وہ اپنے شریک کے حصہ کا ضمان دے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ مالدار ہے تو امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے شریک کو تین اختیار ہیں، یا تو وہ بھی اپنا حصہ آزاد کرے (اس صورت میں غلام کی میراث (ولاء) دونوں کو ملے گی، کیونکہ آزاد کرنے والے دو ہیں) یا وہ اپنے ساتھی سے ضمان لے، کیونکہ پہلے آزاد کرنے والے نے اس کا حصہ بگاڑا ہے، اب وہ غلام نہیں رہ سکتا (اور اس صورت میں دوسرے شریک کا حصہ پہلے شریک کی طرف منتقل ہوکر فوراً آزاد ہوجائے گا، پس میراث تنہا اسی کو ملے گی) یا دوسرا شریک غلام سے اپنے حصہ کی قیمت کموائے (جب غلام اس کو اس کے حصہ کی قیمت کما کر دیدے گا تو وہ حصہ بھی آزاد ہوجائے گا اور اس صورت میں میراث دونوں کو ملے گی) اور اگر آزاد کرنے والا غریب ہے تو اس کے ساتھی کو دو اختیار ہیں، یا تو وہ بھی اپنا حصہ آزاد کرے یا قیمت کموائے۔

اور صاحبینؒ کے نزدیک اگر آزاد کرنے والا مالدار ہے تو صرف ضمان لینے کا اختیار ہے، وہ اپنا حصہ آزاد نہیں کرسکتا، اور نہ قیمت کمواسکتا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک عتق متجزی نہیں ہوتا، پس ایک شریک کے آزاد کرنے سے پورا غلام آزاد ہوگیا اور اگر آزاد کرنے والا غریب ہے تو دوسرا شریک اپنے حصہ کے بقدر قیمت کموائے، اس صورت میں بھی آزاد نہیں کرسکتا، کیونکہ وہ پورا آزاد ہوچکا ہے۔

اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر آزاد کرنے والا مالدار ہے تو اس کا شریک اس سے ضمان لیگا، کیونکہ اس صورت میں عتق متجزی نہیں ہوتا، پس پہلے پر ضمان واجب ہے، کیونکہ اس نے اپنے شریک کا حصہ بگاڑا ہے، اور اگر آزاد کرنے والا غریب ہے تو غلام بدستور غلام رہے گا، کیونکہ وہ حضرات سعایہ (کموانے) کے قائل نہیں اور ساتھی غریب ہے اس لئے ضمان نہیں لے سکتے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ امام بخاریؒ نے اس باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث مختلف سندوں سے پیش کی ہے، جن کی تفصیل حدیثوں کے بعد آئے گی۔

[٤-] بَابٌ: إِذَا أَعْتَقَ عَبْدًا بَيْنَ اثْنَيْنِ، أَوْ أَمَةً بَيْنَ الشُّرَكَاءِ

[٢٥٢١-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ: ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنْ أَعْتَقَ عَبْدًا بَيْنَ اثْنَيْنِ فَإِنْ كَانَ مُوْسِرًا قُوِّمَ عَلَيْهِ ثُمَّ يُعْتَقُ"[راجع: ٢٤٩١]

[٢٥٢٢-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: "مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ فِي عَبْدٍ فَكَانَ لَهُ مَالٌ يَبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ قُوِّمَ الْعَبْدُ عَلَيْهِ قِيْمَةَ عَدْلٍ فَأَعْطَى شُرَكَاءَ هُ حِصَصَهُمْ وَعَتَقَ عَلَيْهِ الْعَبْدُ، وَإِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَاعَتَقَ"[راجع: ٢٤٩١]

[٢٥٢٣-] حدثنا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، عَنْ أَبِىْ أُسَامَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ فِيْ مَمْلُوْكٍ فَعَلَيْهِ عِتْقُهُ كُلُّهُ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ يَبْلُغُ ثَمَنَهُ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ يُقَوَّمُ عَلَيْهِ قِيْمَةَ عَدْلٍ عَلَى الْمُعْتِقِ فَأُعْتِقَ مِنْهُ مَا أَعْتَقَ"[راجع: ٢٤٩١]

حدثنا مُسَدَّدٌ: ثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ اخْتَصَرَهُ.

[٢٥٢٤-] ثَنَا أَبُوْ النُّعْمَانِ: ثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنْ أَعْتَقَ نَصِيْبًا لَهُ فِيْ مَمْلُوْكٍ أَوْ:شِرْكًا لَهُ فِي عَبْدٍ فَكَانَ لَهُ مِنَ الْمَالِ مَا يَبْلُغُ قِيْمَتَهُ بِقِيْمَةِ الْعَدْلِ فَهُوَ عَتِيْقٌ" قَالَ نَافِعٌ: وَإِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ. قَالَ أَيُّوْبُ: لَا أَدْرِىْ أَشَيْئٌ قَالَهُ نَافِعٌ، أَوْ شَيْئٌ فِي الْحَدِيْثِ.

[٢٥٢٥-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ: ثَنَا فُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ: ثَنَا مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ: أَخْبَرَنِىْ نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّهُ كَانَ يُفْتِىْ فِى الْعَبْدِ أَوِ الْأَمَةِ يَكُوْنُ بَيْنَ الشُّرَكَاءِ فَيُعْتِقُ أَحَدُهُمْ نَصِيْبَهُ مِنْهُ، يَقُوْلُ: قَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ عِتْقُهُ كُلِّهِ إِذَا كَانَ لِلَّذِىْ أَعْتَقَ مِنَ الْمَالِ مَا يَبْلُغُ، يُقَوَّمُ مِنْ مَالِهِ قِيْمَةَ الْعَدْلِ، وَيُدْفَعُ إِلَى الشُّرَكَاءِ أَنْصِبَاؤُهُمْ، وَيُخَلَّى سَبِيْلُ الْمُعْتَقِ، يُخْبِرُ بِذٰلِكَ ابْنُ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

وَرَوَاهُ اللَّيْثُ وَابْنُ أَبِىْ ذِئْبٍ وَابْنُ إِسْحَاقَ وَجُوَيْرِيَةُ وَيَحْيىَ بْنُ سَعِيْدٍ وَإِسْمَاعِيْلُ بْنُ أُمَيَّةَ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مُخْتَصَرًا [راجع: ٢٤٩١]

حدیث (۲۵۲۱) حضرت سالم کی اپنے ابا سے ہے: جس نے دو شخصوں کے درمیان مشترک غلام میں سے اپنے حصہ کو آزاد کیا تو اگر وہ مالدار ہے تو اس پر غلام کی قیمت لگائی جائے (اور وہ ساتھی کے حصہ کا ضمان ادا کرے، اس لئے علیہ آیا

ہے) پھر وہ غلام (پہلے آزاد کرنے والے کی طرف سے) آزاد کیا جائے۔

حدیث (۲۵۲۲) نافع کی ابن عمرؓ سے ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کسی غلام میں اپنے حصہ کو آزاد کیا اور اس کے پاس اتنا مال ہے جو غلام کی قیمت کو پہنچتا ہے تو غلام کی قیمت لگائی جائے، انصاف کے ساتھ، پھر وہ اپنے شرکاء کو ان کے حصہ کا ضمان دے، اور غلام پہلے آزاد کرنے والے کی طرف سے آزاد ہو جائے، ورنہ یعنی پہلا آزاد کرنے والا مالدار نہ ہو تو غلام میں سے جتنا آزاد کیا ہے اتنا آزاد ہوا (یہ امام مالک رحمہ اللہ کی حضرت نافعؒ سے روایت ہے)

حدیث (۲۵۲۳) ابو اسامہ کی عبید اللہ عمری سے روایت ہے: وہ حضرت نافع سے اور وہ حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے کسی غلام میں اپنے حصہ کو آزاد کیا تو اس کے ذمہ سارے غلام کو آزاد کرنا ہے، اگر اس کے پاس اتنا مال ہے جو غلام کی قیمت کو پہنچتا ہے، یعنی پہلا آزاد کرنے والا مالدار ہے، اور اگر اس کے پاس مال نہیں ہے یعنی تنگ دست ہے تو غلام کی قیمت لگائی جائے انصاف کے ساتھ آزاد کرنے والے پر، پس اس میں سے آزاد کیا گیا جو آزاد کیا اس نے، یعنی باقی حصہ غلامی میں برقرار رہے گا۔

نوٹ: بشر بن المفضلؒ بھی عبید اللہ عمریؒ سے یہی روایت کرتے ہیں، مگر ان کی روایت مختصر ہے، یعنی اس میں آخری مضمون نہیں ہے کہ اگر آزاد کرنے والا غریب ہے تو کیا ہوگا؟

حدیث (۲۵۲۴) ایوب سختیانی رحمہ اللہ کی نافعؒ سے روایت ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کسی غلام میں اپنے حصہ کو آزاد کیا (نصیبا اور شِرْ کا میں راوی کو شک ہے، مطلب دونوں کا ایک ہے) پس ہو اس آزاد کرنے والے کے پاس اتنا مال جو غلام کی قیمت کو پہنچے معتبر آدمیوں کی قیمت لگانے سے تو وہ پورا آزاد ہے، اور نافعؒ نے فرمایا: ورنہ جتنا اس میں سے آزاد ہوا ہے ہوا ہے۔ ایوب سختیانی کہتے ہیں: میں نہیں جانتا کہ یہ بات نافع نے خود کہی ہے یا حدیث میں ہے۔

حدیث (۲۵۲۵) موسیٰ بن عقبہ کی روایت ہے: حضرت نافع سے وہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ مشترک غلام یا باندی میں فتوی دیا کرتے تھے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک اپنا حصہ آزاد کرے تو اس پر سارا غلام آزاد کرنا واجب ہے، جبکہ ہو پہلے آزاد کرنے والے کے پاس اتنا مال جو پہنچے ساتھیوں کے حصہ کی قیمت کو، قیمت لگایا جائے گا وہ غلام پہلے آزاد کرنے والے کے مال سے انصاف کے ساتھ قیمت لگانا اور شرکاء کو دیئے جائیں گے ان کے حصے اور آزاد شدہ غلام کا راستہ چھوڑ دیا جائے گا۔ ابن عمرؓ یہ بات نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں، یعنی پہلے حدیث موقوف بیان کی اور آخر میں اس کو مرفوع کر دیا۔

علاوہ ازیں: امام لیث، ابن ابی ذئب، ابن اسحاق، جویریہ، یحیٰ بن سعید اور اسماعیل بن امیہ رحمہم اللہ بھی نافع رحمہ اللہ سے وہ ابن عمرؓ سے یہ مرفوع حدیث روایت کرتے ہیں مگر ان کی روایتیں مختصر ہیں، یعنی پہلا آزاد کرنے والا اگر غریب ہے تو کیا ہوگا؟ یہ مضمون ان کی روایتوں میں نہیں ہے۔

خلاصہ: یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے تین طرح کی روایتیں ہیں:

۱- پہلا آزاد کرنے والا مالدار ہوتو کیا حکم ہے؟ یہی بات سالم رحمہ اللہ کی روایت میں مذکور ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کے حصہ کا ضمان دے، پھران کے حصے پہلے آزاد کرنے والے کی طرف منتقل ہوجائیں اور سارا غلام اس کی طرف سے آزاد ہوجائے۔

۲- امام مالک رحمہ اللہ کی روایت میں یہ مضمون بھی مرفوع ہے کہ اگر پہلا آزاد کرنے والا غریب ہے تو باقی حصہ غلامی میں برقرار رہے گا۔

۳- ایوب سختیانی کی روایت میں شک ہے کہ یہ آخری مضمون مرفوع ہے یا حضرت نافع رحمہ اللہ کا قول ہے، جو حدیث میں مدرج ہے۔

چونکہ امام مالک رحمہ اللہ مضبوط راوی ہیں اس لئے امام شافعی رحمہ اللہ نے اس روایت کو لیا، انھوں نے فرمایا کہ پہلا آزاد کرنے والا اگر غریب ہے تو باقی شرکاء کے حصے غلامی میں برقرار رہیں گے، سعایہ (غلام سے قیمت کموانے) کے آپ قائل نہیں، اور حنفیہ اور امام بخاریؒ اس کے قائل ہیں جیسا کہ اگلے باب میں آرہا ہے۔

بَابٌ: إِذَا أَعْتَقَ نَصِيْبًا فِيْ عَبْدٍ، وَلَيْسَ لَهُ مَالٌ اسْتُسْعِيَ الْعَبْدُ، غَيْرَ مَشْقُوْقٍ عَلَيْهِ، عَلٰى نَحْوِ الْكِتَابَةِ

جب غلام میں سے اپنے حصہ کو آزاد کیا اور اس کے پاس مال نہیں ہے تو کتابت کی طرح غلام پر دشواری ڈالے بغیر شریک کے حصہ کی قیمت کموائی جائے

گذشتہ باب میں بتایا تھا کہ امام شافعی رحمہ اللہ سعایہ کے قائل نہیں، حنفیہ قائل ہیں۔ امام بخاریؒ اس مسئلہ میں حنفیہ کے ساتھ ہیں، اور اس باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے آزاد کیا کوئی حصہ —— نصیب اور شقیص کے ایک معنی ہیں —— کسی غلام باندی میں سے پس اس کو چھڑانا آزاد کرنے والے کے ذمہ ہے، اس کے مال میں، اگر ہو اس کے لئے مال، یعنی ساتھی کے حصہ کی قیمت کے بقدر اس کے پاس مال ہوتو وہ ساتھی کے حصہ کا ضامن ہوگا، اور ساتھی کا حصہ اس کی طرف منتقل ہوکر آزاد ہوجائے گا، ورنہ مملوک کی قیمت لگائی جائے گی اس ساتھی پر، پس کموایا جائے گا غلام سے درانحالیکہ اس پر مشقت نہ ڈالی گئی ہو''

تشریح: باب میں: علی نحو الکتابۃ ہے، یعنی جس طرح مکاتب تصرف کے اعتبار سے آزاد ہوتا ہے، یہ غلام بھی جس سے قیمت کموائی جارہی ہے تصرف کے اعتبار سے آزاد ہوگا۔

قولہ:غیر مشقوق علیہ: غلام پر مشقت ڈالے بغیر،اس جملہ کی معنویت یہ ہے کہ جب پہلا آزاد کرنے والا مالدار ہوتا ہے تو شریک معتِق پر اکڑتا ہے کہ تونے میرا حصہ خراب کیا ہے، میں تو اپنے حصہ کے بیس ہزار لوں گا،اس لئے گذشتہ باب کی حدیث میں قیمة عدل کی قید آئی ہے کہ بابصیرت لوگ جو قیمت لگائیں گے اس کا اعتبار ہوگا، تیرے اکڑنے سے کچھ نہیں ہوگا۔

اور جب پہلا آزاد کرنے والا غریب ہوتا ہے اور غلام سے قیمت کموانے کا نمبر آتا ہے تو وہ شریک غلام پر دباؤ ڈالتا ہے، کہتا ہے: میرے حصہ کی قیمت ایک مہینہ میں لاکر بھردے، ورنہ تیری ایسی تیسی کرڈالونگا! بیچارہ کہاں سے لاکر بھرے گا،اس کے پاس نوٹیں چھاپنے کا کارخانہ تھوڑے ہے! اس لئے غیر مشقوق علیہ کی قید لگائی کہ غلام پر کوئی دشواری نہیں ڈالی جائے گی،معروف طریقہ پر کما کرلاکر بھرے گا۔

جاننا چاہئے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں سعایہ(کموانے) کا ذکر ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں اس کا ذکر نہیں، اور پہلے آزاد کرنے والے کے غریب ہونے کی صورت میں امام مالک رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ جتنا آزاد ہوگیا: ہوگیا، باقی غلام رہے گا،امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کو لیا، انھوں نے فرمایا: امام مالکؒ مضبوط راوی ہیں،مگر حضرت ایوب سختیانی رحمہ اللہ بھی معمولی راوی نہیں اور ان کوشک ہے کہ یہ حصہ مرفوع ہے یا مدرج؟ اور ابن عمرؓ کے دوسرے راوی ان کے صاحبزادے سالم کی روایت میں بھی یہ مضمون نہیں، اس لئے شک پختہ ہوگیا۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں شک کے بغیر سعایہ کا تذکرہ ہے،اس لئے احناف اور امام بخاری رحمہم اللہ نے پہلے آزاد کرنے والے کے غریب ہونے کی صورت میں سعایہ کو لیا ہے۔

[۵-] بَابٌ: إِذَا أَعْتَقَ نَصِيبًا فِي عَبْدٍ، وَلَيْسَ لَهُ مَالٌ اسْتُسْعِيَ الْعَبْدُ، غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ، عَلٰى نَحْوِ الْكِتَابَةِ

[۲۵۲۶-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي رَجَاءٍ، ثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، ثَنَا جَرِيْرُ بْنُ حَازِمٍ، سَمِعْتُ قَتَادَةَ: ثَنِي النَّضْرُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ بَشِيْرِ بْنِ نَهِيْكٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم:" مَنْ أَعْتَقَ شَقِيْصًا مِنْ عَبْدٍ"[راجع: ۲۴۹۲]

[۲۵۲۷-] ح: وحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، ثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، ثَنَا سَعِيْدٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ بَشِيْرِ ابْنِ نَهِيْكٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" مَنْ أَعْتَقَ نَصِيبًا أَوْ: شَقِيْصًا فِي مَمْلُوْكٍ، فَخَلاَصُهُ عَلَيْهِ فِي مَالِهِ، إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ، وَإِلَّا قُوِّمَ عَلَيْهِ فَاسْتُسْعِيَ بِهِ، غَيْرَ مَشْقُوْقٍ عَلَيْهِ"[راجع: ۲۴۹۲] تَابَعَهُ حَجَّاجُ بْنُ حَجَّاجٍ، وَأَبَانُ، وَمُوْسَى بْنُ خَلَفٍ، عَنْ قَتَادَةَ، اخْتَصَرَهُ شُعْبَةُ.

وضاحت: متابع اس لئے لائے ہیں کہ سعایہ کے ذکر میں قتادہ کے شاگرد جریر بن حازم منفرد نہیں، اور بھی متعدد شاگرد سعایہ کا ذکر کرتے ہیں، البتہ شعبہ رحمہ اللہ کی روایت مختصر ہے، اس میں سعایہ کا ذکر نہیں۔

بَابُ الْخَطَأِ وَالنِّسْيَانِ فِي الْعَتَاقَةِ وَالطَّلَاقِ وَنَحْوِهِ

اعتاق اور طلاق وغیرہ میں بھول چوک

احناف کے نزدیک خاطی (چوکنے والا) ناسی (بھولنے والا) ہازل (ٹھٹھا کرنے والا) لاعب (کھیلنے والا) اور بے قصد بولنے والے کی طلاق پڑ جاتی ہے (عینی) حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک نہیں پڑتی۔

احناف کے یہاں اصول یہ ہے کہ جن چیزوں میں اقالہ ہوسکتا ہے یعنی نکلا ہوا تیر واپس آ سکتا ہے وہ 'بیوع' کہلاتی ہیں، جیسے کوئی چیز بیچنا خریدنا یا کرایہ پر دینا وغیرہ، اور ہر وہ عقد جس میں اقالہ نہیں ہوسکتا، وہ واپس نہیں آ سکتا، وہ 'اَیمان' کہلاتی ہیں، جیسے نکاح کرنا، آزاد کرنا وغیرہ۔ اور دلیل ترمذی کی حدیث ہے کہ تین چیزوں میں سنجیدگی سنجیدگی ہے اور دل لگی سنجیدگی ہے: نکاح، رجعت اور طلاق۔ اس حدیث سے احناف نے یہ قاعدہ بنایا ہے، نکاح طلاق اور رجعت وغیرہ میں جو از قبیل اَیمان ہیں بھول چوک اور دل لگی کی گنجائش نہیں۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ کی اس مسئلہ میں رائے یہ ہے کہ اگر چوک گیا اور آزادی کا کلمہ زبان سے نکل گیا یا طلاق کا لفظ نکل گیا تو نہ غلام آزاد ہوگا اور نہ عورت پر طلاق پڑے گی، اور نحوہ میں جملہ اَیمان کو لیا ہے۔

امام بخاریؒ کی دلیل: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث طبرانی میں ہے: **لا عَتَاقَةَ إلا لِوجه الله تعالیٰ**: اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہی کے لئے آزاد کرنا ہے، اور حدیث میں ہے: **لکل امرئ ما نوی**: ہر انسان کے لئے وہ ہے جس کی اس نے نیت کی ہے، اور بھولنے والے اور چوکنے والے کی نیت نہیں ہوتی، پس ان کا آزاد کرنا اور طلاق دینا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟

جواب: یہ قاعدہ بیوع میں ہے یعنی ان معاملات کے لئے ہے جن میں اقالہ ہوسکتا ہے، اور اَیمان کے لئے دوسری حدیث ہے: **ثلاثٌ جِدُّهن جَدٌّ وهَزْلُهُنَّ جِدٌّ**۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے درگذر فرمایا میرے فائدہ کے لئے میری امت کی ان باتوں سے جن کے وسوسے آتے ہیں، جب تک وہ ان پر عمل نہ کرے، یا منہ سے ان کا تلفظ نہ کرے۔

تشریح: اس حدیث سے امام صاحب کا استدلال سمجھ میں نہیں آیا، کیونکہ خطا اور نسیان کی صورت میں تکلم پایا جاتا ہے، صرف دل و دماغ میں وسوسے نہیں آتے، بلکہ وہ منہ سے الفاظ بولتا ہے۔ پس اس حدیث سے کیسے استدلال ہوگا؟ ہاں دماغ میں آزاد کرنے کے یا طلاق دینے کے وسوسے آئیں، کھچڑا پکتا رہے، مگر زبان سے کچھ نہیں بولا تو کوئی بات نہیں، مگر جب زبان سے الفاظ بول دیئے، چاہے چوک کر بولے یا بھول کر تو اس کے اثرات تو مرتب ہونگے!

[٦-] بَابُ الْخطأِ وَالنِّسْيَانِ فِي الْعَتَاقَةِ وَالطَّلَاقِ وَنَحْوِهِ

وَلاَ عَتَاقَةَ إِلاَّ لِوَجْهِ اللّٰهِ، وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: ”لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى“ وَلاَ نِيَّةَ لِلنَّاسِيْ وَالْمُخْطِئِ.

[٢٥٢٨-] حدثنا الْحُمَيْدِيُّ، ثَنَا سُفْيَانُ، ثنا مِسْعَرٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفَى، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: ” إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِيْ عَنْ أُمَّتِيْ مَا وَسْوَسَتْ بِهِ صُدُوْرُهَا مَالَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَكَلَّمْ“[انظر: ٥٢٦٩، ٦٦٦٤]

[٢٥٢٨-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيْرٍ، عَنْ سُفْيَانَ، ثَنَا يَحْيىَ بْنُ سَعِيْدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصٍ اللَّيْثِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: ”الأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ، وَلِامْرِئٍ مَا نَوَى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيْبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ“[راجع: ١]

بَابٌ: إِذَا قَالَ لِعَبْدِهِ: هُوَ لِلّٰهِ وَنَوَى الْعِتْقَ، وَالإِشْهَادُ فِي الْعِتْقِ

اپنے غلام سے کہا: وہ اللہ کے لئے ہے، اور آزاد کرنے کی نیت کی، اور آزادی پر گواہ بنانا

اس باب میں دو باتیں ہیں:

پہلی بات: اگر کسی نے غلام سے کہا: هو للّٰهِ، وہ اللہ کے لئے ہے، لفظ حُرّ نہیں کہا، مگر آزاد کرنے کی نیت ہے تو غلام آزاد ہو جائے گا، کیونکہ جیسے طلاق میں صریح اور کنائی الفاظ ہوتے ہیں، آزاد کرنے میں بھی دونوں طرح کے الفاظ ہوتے ہیں، صریح میں نیت کی ضرورت نہیں، اور کنائی میں نیت ضروری ہے۔ ھو للّٰه: کنائی لفظ ہے، اگر آزاد کرنے کی نیت ہے تو آزاد ہوگا ورنہ نہیں۔

دوسری بات: کوئی غلام کو آزاد کرے اور اس پر گواہ بنائے تو ایسا کر سکتا ہے، اس میں کچھ حرج نہیں، مگر گواہ بنانا ضروری نہیں۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے قبیلہ دَوس سے اپنے غلام کے ساتھ مدینہ کے لئے چلے، دونوں کو مسلمان ہونا تھا، راستہ میں ایک دوسرے سے بچھڑ گئے، حضرت ابو ہریرہؓ نے غلام کو بہت ڈھونڈھا مگر نہیں پایا، وہ مایوس ہو کر اکیلے مدینہ کی طرف چل دیئے، رات کا سفر تھا، وحشت ہو رہی تھی، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ شعر کہا:

يَا لَيْلَةً مِنْ طُوْلِهَا وَعَنَائِهَا ❁ على أَنَّهَا مِنْ دَارَةِ الْكُفْرِ نَجَّتِ

ہائے رات کی درازی اور اس کی مشقت ÷ مگر اس نے مجھے کفر کی سرزمین سے نجات بخشی!

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے، نبی ﷺ کو واقعہ بتلایا کہ میرا غلام کھو گیا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ حضور ﷺ کی طرف منہ کرکے بیٹھے تھے، پیچھے سے غلام آیا، حضور ﷺ نے فرمایا: تمہارا غلام آگیا، انھوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو واقعی آگیا تھا، ان کو بہت خوشی ہوئی اور انھوں نے کہا: یارسول اللہ! ھو للہ، چنانچہ وہ غلام آزاد ہوگیا، پھر وہ مسلمان ہوگیا۔

اور باب میں تین حدیثیں ہیں اور تینوں میں یہی واقعہ ہے، پہلی روایت میں ہے: إِنِّیْ أُشْهِدُكَ أَنَّـهُ حُرٌّ: اس سے استدلال نہیں ہوگا کیونکہ اس میں لفظ حُرّ ہے، دوسری روایت میں بھی ھُو حرٌّ لِو جهِ الله ہے، یہ روایت امام بخاریؒ کے استاذ عبیداللہ کی ہے، جس کو وہ ابواسامہ سے روایت کرتے ہیں، مگر امام بخاری کے دوسرے استاذ ابوکریب یہی روایت ابواسامہ سے روایت کرتے ہیں اس میں لفظ حُرّ نہیں ہے، تیسری روایت میں بھی لفظ حُرّ نہیں ہے، اس کے الفاظ ہیں: أما إنی أشهدك أَنَّـهُ لِلّٰهِ: سنیں! میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ وہ غلام اللہ کے لئے ہے۔ اس روایت سے دونوں باتیں ثابت ہوئیں، بغیر لفظ حُرّ کے بھی آزاد ہوسکتا ہے اگر متکلم کی نیت آزاد کرنے کی ہو، اور حضرت ابو ہریرہؓ نے حضور ﷺ کو گواہ بنایا۔ معلوم ہوا کہ اعتاق پر گواہ بناسکتے ہیں۔

[۷-] بَابٌ: إِذَا قَالَ لِعَبْدِهِ: هُوَ لِلّٰهِ وَنَوَى الْعِتْقَ، وَالإِشْهَادُ فِى الْعِتْقِ

[۲۵۳۰-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ بِشْرٍ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ، عَنْ قَيْسٍ، عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ: أَنَّـهُ لَمَّا أَقْبَلَ يُرِيْدُ الإِسْلَامَ وَمَعَهُ غُلَامُهُ، ضَلَّ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنْ صَاحِبِهِ، فَأَقْبَلَ بَعْدَ ذٰلِكَ، وَأَبُوْ هُرَيْرَةَ جَالِسٌ مَعَ النَّبِىِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ النَّبِىُّ صلى الله عليه وسلم: "يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! هٰذَا غُلَامُكَ قَدْ أَتَاكَ" فَقَالَ: أَمَا إِنِّىْ أُشْهِدُكَ أَنَّـهُ حُرٌّ، قَالَ فَهُوَ حِيْنَ يَقُوْلُ:

يَا لَيْلَةً مِنْ طُوْلِهَا وَعَنَائِهَا ❁ على أَنَّهَا مِنْ دَارَةِ الْكُفْرِ نَجَّتِ

[انظر: ۲۵۳۱، ۲۵۳۲، ۴۳۹۳]

[۲۵۳۱-] حدثنا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيْدٍ، ثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ، عَنْ قَيْسٍ، عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: لَمَّا قَدِمْتُ عَلَى النَّبِىِّ صلى الله عليه وسلم قُلْتُ فِى الطَّرِيْقِ:

يَا لَيْلَةً مِنْ طُوْلِهَا وَعَنَائِهَا ❁ على أَنَّهَا مِنْ دَارَةِ الْكُفْرِ نَجَّتِ

قَالَ: وَأَبَقَ مِنِّىْ غُلَامٌ لِىْ فِى الطَّرِيْقِ، فَلَمَّا قَدِمْتُ عَلَى النَّبِىِّ صلى الله عليه وسلم، فَبَايَعْتُهُ فَبَيْنَا أَنَا عِنْدَهُ إِذْ طَلَعَ الْغُلَامُ، فَقَالَ لِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "يَا أَبَا هُرَيْرَةَ هٰذَا غُلَامُكَ" فَقُلْتُ: هُوَ حُرٌّ لِوَجْهِ اللّٰهِ، فَأَعْتَقَهُ.

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: لَمْ يَقُلْ أَبُوْ كُرَيْبٍ عَنْ أَبِىْ أُسَامَةَ: حُرٌّ. [راجع: ۲۵۳۰]

[۲۵۳۲-] حدثنا شِهَابُ بْنُ عَبَّادٍ، ثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الرُّؤَاسِيُّ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ قَيْسٍ، قَالَ: لَمَّا أَقْبَلَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ وَمَعَهُ غُلَامُهُ، وَهُوَ يَطْلُبُ الإِسْلَامَ، فَضَلَّ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ، وَقَالَ: أَمَّا إِنِّيْ أُشْهِدُكَ أَنَّـهُ لِلّٰهِ. [راجع: ۲۵۳۰]

نوٹ: ضَلَّ: لازم ہے، مگر آخری حدیث کے آخر میں متعدی ہے، پس تاویل کرنی ہوگی، جو حاشیہ میں ہے۔

بَابُ أُمِّ الْوَلَدِ

ام ولد کا بیان

ام ولد: وہ باندی ہے جس نے مولیٰ کا بچہ جنا ہو، اب اسے عتق کا استحقاق حاصل ہوگیا، جب مولیٰ مرے گا وہ آزاد ہوجائے گی، اس مناسبت سے یہ باب کتاب العتق میں لائے ہیں۔ اور باب میں دو حدیثیں ہیں:

معلق حدیث: قیامت کی چھوٹی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ باندی اپنی مالکہ کو جنے، اس سے معلوم ہوا کہ ام ولد مولیٰ کی حیات تک باندی رہے گی، پس جب ام ولد کی لڑکی بڑی ہوگی تو ماں کے ساتھ سیٹھانی جیسا معاملہ کرے گی، یہ ہے باندی کا اپنے مالکہ کو جننا، یعنی اولاد ناہنجار ہوجائے گی، ماں باپ پر حکم چلانے لگے گی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ام ولد ابھی آزاد نہیں ہوئی، مولیٰ کے مرنے کے بعد آزاد ہوگی، اور اس کی بیع درست نہیں۔

دوسری حدیث: وہ ہے جو پہلے بار بار آئی ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور عبد بن زمعہؓ کے مقدمہ میں آپؐ نے زمعہ کی باندی کے لڑکے کا فیصلہ عبد کے لئے کیا تھا، اس لئے کہ وہ عبد کے والد کے بستر پر جنا گیا تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ام ولد آخر تک زمعہ کی باندی رہی، کیونکہ نبی ﷺ نے اس باندی کو زمعہ کا فراش (بستر) کہا ہے، یعنی بیوی قرار دیا ہے، اور بیوی شوہر کی حیات تک بیوی رہتی ہے۔

ملحوظہ: ام ولد کی بیع جائز ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ شروع میں اختلافی تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وغیرہ جواز کے قائل تھے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اتفاق ہوگیا کہ اس کی بیع درست نہیں، اب چاروں ائمہ اس پر متفق ہیں، صرف داؤد ظاہری اختلاف کرتے ہیں، وہ جواز بیع کے قائل ہیں۔

[۸-] بَابُ أُمِّ الْوَلَدِ

وَقَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: "مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ تَلِدَ الأَمَةُ رَبَّتَهَا"

[۲۵۳۳-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، نَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، ثَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ عُتْبَةُ بْنُ أَبِيْ وَقَّاصٍ عَهِدَ إِلَى أَخِيْهِ سَعْدِ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ أَنْ يَقْبِضَ إِلَيْهِ ابْنَ وَلِيْدَةِ زَمْعَةَ، قَالَ عُتْبَةُ: إِنَّـهُ

ابْنِیْ، فَلَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم زَمَنَ الْفَتْحِ، أَخَذَ سَعْدٌ ابْنَ وَلِیْدَةِ زَمْعَةَ، فَأَقْبَلَ بِهِ إِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم، وَأَقْبَلَ مَعَهُ بِعَبْدِ بْنِ زَمْعَةَ، فَقَالَ سَعْدٌ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! هٰذَا ابْنُ أَخِیْ، عَهِدَ إِلَیَّ أَنَّهُ ابْنُهُ، فَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ: هٰذَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَخِیْ، ابْنُ زَمْعَةَ، وُلِدَ عَلٰی فِرَاشِهِ، فَنَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِلٰی ابْنِ وَلِیْدَةِ زَمْعَةَ، فَإِذَا هُوَ أَشْبَهُ النَّاسِ بِهِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: "هُوَ لَكَ یَا عَبْدُ بْنَ زَمْعَةَ" مِنْ أَجْلِ أَنَّهُ وُلِدَ عَلٰی فِرَاشِ أَبِیْهِ، وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: "احْتَجِبِیْ مِنْهُ یَا سَوْدَةُ بِنْتَ زَمْعَةَ" لِمَا رَأَی مِنْ شِبْهِهِ بِعُتْبَةَ، وَكَانَتْ سَوْدَةُ زَوْجَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم. [راجع: ۲۰۵۳]

بَابُ بَیْعِ الْمُدَبَّرِ

مدبر کی بیع

مدبر: وہ غلام باندی ہیں جن کو مولیٰ نے کہہ دیا ہو کہ تم میرے مرنے کے بعد آزاد ہو، اس سے بھی عتق کا استحقاق پیدا ہوجاتا ہے، اس لئے یہ باب کتاب العتق میں لائے ہیں، اور یہ باب اور باب کی حدیث پہلے ابواب البیوع میں گذر چکے ہیں، وہاں یہ بھی بتایا ہے کہ مدبر مطلق کی بیع میں اختلاف ہے، امام بخاریؒ کی رائے میں اس کی بیع ہوسکتی ہے، اس لئے باب میں لفظ بیع بڑھایا ہے۔

[۹-] بَابُ بَیْعِ الْمُدَبَّرِ

[۲۵۳٤-] حدثنا آدَمُ بْنُ أَبِیْ إِیَاسٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، ثَنَا عَمْرُو بْنُ دِیْنَارٍ، سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: أَعْتَقَ رَجُلٌ مِنَّا عَبْدًا لَهُ عَنْ دُبُرٍ، فَدَعَا النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِهِ فَبَاعَهُ، قَالَ جَابِرٌ: مَاتَ الْغُلَامُ عَامَ أَوَّلَ. [راجع: ۲۱٤۱]

بَابُ بَیْعِ الْوَلَاءِ وَهِبَتِهِ

ولاء بیچنا اور بخشنا

وَلاء: (واوَ کا زبر) وَلِیَ یَلِیْ وَلِیًا سے ہے، جس کے معنی ہیں: قرب، نزدیکی، اور اصطلاحی معنی ہیں: غلام باندی کو آزاد کرنے سے آزاد کرنے والے اور آزاد شدہ کے درمیان جو رشتہ (تعلق) پیدا ہوتا ہے وہ ولاء کہلاتا ہے، ولاء بھی ایک رشتہ ہے نسب کے رشتہ کی طرح، اور جس طرح نسب منتقل نہیں ہوسکتا اسی طرح ولاء بھی منتقل نہیں ہوسکتا، نہ اس کو بیچ سکتے ہیں، نہ

بخش سکتے ہیں، اور آزاد شدہ غلام باندی کے مرنے کے بعد اگر اس کے ذوی الفروض اور عصبہ نسبی نہ ہوں تو یہ آزاد کرنے والا وارث بنتا ہے، اور وہ عصبہ سببی کہلاتا ہے۔

اور باب میں دو حدیثیں ہیں:

پہلی حدیث: نبی ﷺ نے ولاء بیچنے سے اور اس کو ہبہ کرنے سے منع فرمایا۔

دوسری حدیث: پہلے گذری ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو خریدنا چاہا تو ان کے آقا نے اپنے لئے ولاء کی شرط لگائی، پس نبی ﷺ نے فرمایا: ولاء اسی کو ملتا ہے جو آزاد کرتا ہے، دوسرے کے لئے اس کی شرط لگانا درست نہیں۔

[۱۰-] بَابُ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهِبَتِهِ

[۲۵۳۵-] حدثنا أَبُوْ الْوَلِيْدِ، ثَنَا شُعْبَةُ، أَخْبَرَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ، سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ: نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَعَنْ هِبَتِهِ. [انظر: ٦٧٥٦]

[۲۵۳٦-] حدثنا عُثْمَانُ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، ثَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: اشْتَرَيْتُ بَرِيْرَةَ، فَاشْتَرَطَ أَهْلُهَا وَلَاءَ هَا، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: " أَعْتِقِيْهَا، فَإِنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْطَى الْوَرِقَ" فَأَعْتَقْتُهَا، فَدَعَاهَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَخَيَّرَهَا مِنْ زَوْجِهَا، فَقَالَتْ: لَوْ أَعْطَانِيْ كَذَا وَكَذَا مَا ثَبَتُّ عِنْدَهُ فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا. [راجع: ٤٥٦]

بَابٌ: إِذَا أُسِرَ أَخُو الرَّجُلِ أَوْ عَمُّهُ: هَلْ يُفَادَى إِذَا كَانَ مُشْرِكًا؟

اگر آدمی کا بھائی یا چچا قید کیا جائے اور وہ غیر مسلم ہو تو اس سے فدیہ لیا جا سکتا ہے؟

جواب: لیا جا سکتا ہے، جنگ بدر میں حضرت عباس اور ان کے بھتیجے حضرت عقیل رضی اللہ عنہما قید ہوئے، ان سے فدیہ لیا گیا، انصار نے عرض بھی کیا کہ عباس ہمارے بھانجے ہیں، ہم ان سے فدیہ نہیں لینا چاہتے، نبی ﷺ نے فرمایا: ایک روپیہ بھی نہیں چھوڑا جائے گا۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے، حنفیہ کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو تو مالک ہوتے ہی وہ آزاد ہو جائے گا۔ حدیث میں ہے: مَن ملك ذارَحِمٍ مَحْرَمٍ فهو حُرٌّ: (ترمذی حدیث ۱۳۴۸) اور امام شافعی اور امام بخاری رحمہما اللہ کی رائے ہے کہ اگر کوئی ایسے غلام کا مالک ہو جس کے ساتھ ولادت کا رشتہ ہے تو آزاد ہوگا، اور اگر ولادت کا رشتہ نہیں ہے تو آزاد نہیں ہوگا چاہے وہ ذی رحم محرم ہو۔

اور دلیل یہ ہے کہ بدر کے قیدیوں میں حضرت عباسؓ اور حضرت عقیلؓ بھی تھے، پس نبی ﷺ چچا کے مالک ہوئے جو محرم ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ چچا اور بھائی دونوں کے مالک ہوئے، جو دونوں محرم ہیں، پھر بھی وہ آزاد نہیں ہوئے، بلکہ ان سے فدیہ لیا گیا، معلوم ہوا کہ ولادت کے رشتہ ہی میں آزادی آتی ہے، دوسرے رشتوں میں اگرچہ وہ محرمیت کا رشتہ ہو، آزادی نہیں آتی۔

حضرت امام بخاریؒ کے اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ ان قیدیوں کے استرقاق کا فیصلہ نہیں کیا گیا تھا، نہ ان کو لوگوں میں تقسیم کیا گیا تھا، پس ملکیت نہیں پائی گئی، اور حنفیہ کی دلیل صریح اور صحیح حدیث ہے اگرچہ بعض حضرات نے اس کی تضعیف کی ہے مگر ابن حزم، عبدالحق اور ابن القطان نے اس کی تصحیح کی ہے، تفصیل تحفۃ الالمعی (۲۹۱:۴) میں ہے۔

[۱۱-] بَابٌ: إِذَا أُسِرَ أَخُو الرَّجُلِ أَوْ عَمُّهُ: هَلْ يُفَادَى إِذَا كَانَ مُشْرِكًا؟

[۱-] وَقَالَ أَنَسٌ: قَالَ الْعَبَّاسُ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: فَادَيْتُ نَفْسِيْ وَفَادَيْتُ عَقِيْلاً.

[۲-] وَكَانَ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ لَهُ نَصِيْبٌ فِي تِلْكَ الْغَنِيْمَةِ الَّتِيْ أَصَابَ مِنْ أَخِيْهِ عَقِيْلٍ وَعَمِّهِ عَبَّاسٍ.

[۲۵۳۷-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، ثَنِيْ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: أَنَّ رِجَالاً مِنَ الأَنْصَارِ اسْتَأْذَنُوْا رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالُوْا: ائْذَنْ لَنَا فَلْنَتْرُكْ لِابْنِ أُخْتِنَا عَبَّاسٍ فِدَاءَ هُ، فَقَالَ: "لاَ تَدَعُوْنَ مِنْهُ دِرْهَمًا" [انظر: ۳۰۴۸، ۴۰۱۸]

وضاحت: (۱) حضرت عباس رضی اللہ عنہ مالدار تھے اور ان کے بھتیجے عقیلؓ غریب تھے، اس لئے نبی ﷺ نے عقیل کا فدیہ بھی حضرت عباسؓ کے سر ڈالا، بعد میں ایک موقع پر مالِ فئی تقسیم ہو رہا تھا، حضرت عباسؓ نے نبی ﷺ سے عرض کیا: میں نے ڈبل فدیہ دیا ہے، لہٰذا مجھے مالِ فئی میں سے زیادہ ملنا چاہئے۔

(۲) امام بخاری رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ بدر کے مالِ غنیمت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی حصہ تھا، پھر بھی عباسؓ اور عقیلؓ آزاد نہیں ہوئے اور جواب گذر چکا کہ بدر کے قیدیوں کے استرقاق کا فیصلہ نہیں ہوا تھا، علاوہ ازیں: فدیہ حکومت کی ملک ہوتا ہے، فوجیوں میں تقسیم نہیں ہوتا۔

بَابُ عِتْقِ الْمُشْرِكِ

غیر مسلم کا آزاد کرنا

باب میں مصدر کی فاعل کی طرف اضافت ہے یعنی غیر مسلم غلام کو آزاد کرے تو درست ہے، اور باب میں وہی روایت ہے جو پہلے گذری ہے، حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے اسلام سے پہلے سو غلام آزاد کئے تھے، اور سو اونٹ غریبوں کو دیئے تھے،

پھر مسلمان ہونے کے بعد سو اونٹ سواری کے لئے دیئے اور سو غلام آزاد کئے، انھوں نے نبی ﷺ سے پوچھا: میں نے اسلام سے پہلے جو نیکی کے کام کئے ہیں اس کا کوئی فائدہ مجھے پہنچے گا؟ آپؐ نے فرمایا: أَسْلَمْتَ علی ما سَلَفَ لَكَ مِنْ خَيْرٍ: تم نے اسلام سے پہلے جو نیکی کے کام کئے ہیں ان کی وجہ سے تمہیں دولت اسلام ملی ہے، یعنی اس کا صلہ تم کو دنیا میں مل گیا، اور ایسا ملا جو آخرت میں بھی کام آئے گا۔

[۱۲-] بَابُ عِتْقِ الْمُشْرِكِ

[۲۵۳۸-] حدثنا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، ثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامٍ، أَخْبَرَنِيْ أَبِيْ، أَنَّ حَكِيْمَ بْنَ حِزَامٍ أَعْتَقَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِائَةَ رَقَبَةٍ، وَحَمَلَ عَلٰى مِائَةِ بَعِيْرٍ، فَلَمَّا أَسْلَمَ حَمَلَ عَلٰى مِائَةِ بَعِيْرٍ، وَاعْتَقَ مِائَةَ رَقَبَةٍ، قَالَ: فَسَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ أَشْيَاءَ كُنْتُ أَصْنَعُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، كُنْتُ أَتَحَنَّثُ بِهَا، يَعْنِيْ: أَتَبَرَّرُ بِهَا؟ قَالَ: فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أَسْلَمْتَ عَنْ مَاسَلَفَ لَكَ مِنْ خَيْرٍ" [راجع: ۱٤۳٦]

بَابُ مَنْ مَلَكَ مِنَ الْعَرَبِ رَقِيْقًا، فَوَهَبَ وَبَاعَ وَجَامَعَ وَفَدَى، وَسَبْىُ الذُّرِّيَّةِ

جو عربی غلام کا مالک ہوا، پس اس نے بخشا، بیچا، صحبت کی اور فدیہ لیا اور بیوی بچوں کو قید کرنا

اس باب میں دو باتیں ہیں، اور دونوں میں ربط ہے: پہلی بات: عربوں کا استرقاق جائز ہے یا نہیں؟ دوسری بات: جنگ میں عربوں کے بال بچوں کو قید کرنا جائز ہے یا نہیں؟ دونوں باتوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔

پہلی بات: ائمہ: ثوری، اوزاعی اور ابوحنیفہ رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ بالغ عربی مرد کو غلام نہیں بنایا جاسکتا، وہ یا تو اسلام لائے یا لڑے، اور امام شافعی اور امام بخاری رحمہما اللہ کے نزدیک غلام بنایا جاسکتا ہے، اور باب میں حضرت رحمہ اللہ نے چار باتیں بیان کی ہیں، عربی غلام کو ہبہ کرنا، بیچنا، عربی باندی سے صحبت کرنا اور عربی قیدی کو فدیہ لے کر چھوڑ دینا: سب جائز ہیں۔

دوسری بات: عربوں کے بیوی بچوں کو جنگ میں قید کرنا بھی درست ہے۔

اور باب میں ایک آیت اور چار حدیثیں ہیں:

آیت: سورۃ النحل کی آیت ۷۵ ہے: "اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان فرماتے ہیں، ایک غلام ہے جو کسی کا مملوک ہے، جو کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا، اور دوسرا وہ شخص ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے خوب روزی دی ہے، پس وہ اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے، پس کیا (اللہ پاک اور شرکاء) دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، یعنی وہی معبود ہیں، اس لئے کہ وہی تمام خوبیوں کے مالک ہیں، بلکہ اکثر لوگ جانتے نہیں! یعنی جب مالک مجازی اور مملوک مجازی

برابر نہیں ہوسکتے تو مالک حقیقی اور مملوک حقیقی برابر کیسے ہوسکتے ہیں؟ اور استحقاق عبادت موقوف ہے مساوات پر جو منتفی ہے۔

استدلال: اس آیت سے استدلال یہ ہے کہ ﴿عَبْدًا مَمْلُوْكًا﴾ عام ہے، عربی اور غیر عربی دونوں کو شامل ہے، معلوم ہوا کہ عربی کو بھی غلام بنا سکتے ہیں۔

حدیث: پہلے گذری ہے، ہوازن کا وفد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، انھوں نے درخواست کی کہ ان کے اموال اور ان کے قیدی ان کو واپس کردیئے جائیں، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عربوں کے بیوی بچوں کو قید کیا جاسکتا ہے، اور ان کو غلام بنا سکتے ہیں، فدیہ لے کر چھوڑ بھی سکتے ہیں، اسی طرح باندی سے صحبت کرنا، بیچنا، بخشنا سب جائز ہے۔

[١٣-] بَابُ مَنْ مَلَكَ مِنَ الْعَرَبِ رَقِيْقًا، فَوَهَبَ وَبَاعَ وَجَامَعَ وَفَدَى، وَسَبْيُ الذُّرِّيَّةِ

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً عَبْدًا مَمْلُوْكًا لاَ يَقْدِرُ عَلٰى شَيْئٍ وَمَنْ رَزَقْنَاهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَجَهْرًا، هَلْ يَسْتَوُوْنَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ! بَلْ أَكْثَرُهُمْ لاَ يَعْلَمُوْنَ﴾[النحل: ٧٥]

[٢٥٣٩و٢٥٤٠-] حدثنا ابْنُ أَبِىْ مَرْيَمَ، نَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنْ ابنِ شِهَابٍ: ذَكَرَ عُرْوَةُ أَنَّ مَرْوَانَ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَخْبَرَاهُ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَامَ حِيْنَ جَاءَهُ وَفْدُ هَوَازِنَ، فَسَأَلُوْهُ أَنْ يَرُدَّ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَسَبْيَهُمْ، فَقَالَ: " إِنَّ مَعِىْ مَنْ تَرَوْنَ، وَأَحَبُّ الْحَدِيْثِ إِلَيَّ أَصْدَقُهُ، فَاخْتَارُوْا إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ: إِمَّا الْمَالَ وَإِمَّا السَّبْيَ، وَقَدْ كُنْتُ اسْتَأْنَيْتُ بِهِمْ" وَكَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم انْتَظَرَهُمْ بِضْعَ عَشْرَةَ لَيْلَةً حِيْنَ قَفَلَ مِنَ الطَّائِفِ، فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم غَيْرُ رَادٍّ إِلَيْهِمْ إِلاَّ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ، قَالُوْا: فَإِنَّا نَخْتَارُ سَبْيَنَا، فَقَامَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِي النَّاسِ، فَأَثْنَى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ: " أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ إِخْوَانَكُمْ قَدْ جَاؤُنَا تَائِبِيْنَ، وَإِنِّىْ رَأَيْتُ أَنْ أَرُدَّ إِلَيْهِمْ سَبْيَهُمْ، فَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يُطَيِّبَ ذٰلِكَ فَلْيَفْعَلْ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَكُوْنَ عَلٰى حَظِّهِ حَتَّى نُعْطِيَهِ إِيَّاهُ مِنْ أَوَّلِ مَا يُفِيْءُ اللّٰهُ عَلَيْنَا فَلْيَفْعَلْ" فَقَالَ النَّاسُ: طَيَّبْنَا لَكَ، قَالَ: " إِنَّا لاَ نَدْرِىْ مَنْ أَذِنَ مِنْكُمْ مِمَّنْ لَمْ يَأْذَنْ، فَارْجِعُوْا حَتَّى يَرْفَعَ إِلَيْنَا عُرَفَاؤُكُمْ أَمْرَكُمْ" فَرَجَعَ النَّاسُ فَكَلَّمَهُمْ عُرَفَاؤُهُمْ، ثُمَّ رَجَعُوْا إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَأَخْبَرُوْهُ أَنَّهُمْ طَيَّبُوْا وَأَذِنُوْا، فَهٰذَا الَّذِىْ بَلَغَنَا عَنْ سَبْيِ هَوَازِنَ. وَقَالَ أَنَسٌ، قَالَ عَبَّاسٌ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: فَادَيْتُ نَفْسِىْ وَفَادَيْتُ عَقِيْلاً. [راجع: ٢٣٠٧، ٢٣٠٨]

حدیث (۱): نبی ﷺ نے بنو المصطلق پر حملہ کیا، وہ بے خبر تھے، ان کے چوپایے کنویں پر پانی پی رہے تھے، پس ان کے جنگجوؤں کو قتل کیا اور ان کے بال بچوں کو قید کیا، اُن میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ اس حدیث سے بھی باب میں مذکورہ تمام باتیں ثابت ہوئیں۔

حدیث (۲): بھی بنوالمصطلق سے متعلق ہے، ان کے بیوی بچوں کو قید کرنے کے بعد فوج میں تقسیم کردیا، لوگوں نے مسئلہ پوچھا کہ ہم ان سے عزل کرسکتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: عزل کرنے سے کیا فائدہ! جس کو قیامت تک آنا ہے: آنا ہے! اس روایت سے بھی باب میں مذکور سب باتیں ثابت ہوئیں۔

[۲۵۴۱-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ شَقِيْقٍ، أَنَا عَبْدُ اللهِ، أَنَا ابْنُ عَوْنٍ، قَالَ: كَتَبْتُ إِلَى نَافِعٍ فَكَتَبَ إِلَيَّ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَغَارَ عَلَى بَنِي الْمُصْطَلِقِ وَهُمْ غَارُّوْنَ، وَأَنْعَامُهُمْ تُسْقَى عَلَى الْمَاءِ فَقَتَلَ مُقَاتِلَهُمْ وَسَبَى ذَرَارِيَّهُمْ، وَأَصَابَ يَوْمَئِذٍ جُوَيْرِيَةَ، ثَنِي بِهِ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ وَكَانَ فِي ذَلِكَ الْجَيْشِ.

[۲۵۴۲-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنِ ابنِ مُحَيْرِيْزٍ، قَالَ: رَأَيْتُ أَبَا سَعِيْدٍ فَسَأَلْتُهُ، فَقَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِي غَزْوَةِ بَنِي الْمُصْطَلِقِ، فَأَصَبْنَا سَبْيًا مِنْ سَبْيِ الْعَرَبِ، فَاشْتَهَيْنَا النِّسَاءَ، فَاشْتَدَّتْ عَلَيْنَا الْعُزْبَةُ، وَأَحْبَبْنَا الْعَزْلَ فَسَأَلْنَا رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: " مَا عَلَيْكُمْ أَنْ لاَ تَفْعَلُوْا، مَا مِنْ نَسَمَةٍ كَائِنَةٍ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِلَّا وَهِيَ كَائِنَةٌ "[راجع: ۲۲۲۹]

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قبیلہ دَوس کی قبیلہ تمیم سے زمانۂ جاہلیت سے ناموافقت چلی آرہی تھی، مگر اسلام کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ کو بنوتمیم سے تعلق خاطر ہوگیا، تین باتوں کی وجہ سے: ایک: نبی ﷺ نے فرمایا: بنوتمیم دجال کا سخت مقابلہ کریں گے۔ دوسری: بنوتمیم کی زکوتیں آئیں تو نبی ﷺ نے فرمایا: یہ ہماری قوم کی زکوتیں ہیں۔ تیسری: بنوتمیم کی ایک باندی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی، آپؐ نے ان سے فرمایا: اسے آزاد کردو، اس لئے کہ بنوتمیم اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ ان تین باتوں کی وجہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بنوتمیم سے محبت ہوگئی۔

[۲۵۴۳-] حدثنا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، ثَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: لاَ أَزَالُ أُحِبُّ بَنِي تَمِيْمٍ، ح: وَحَدَّثَنِي ابْنُ سَلاَمٍ، أَنَا جَرِيْرُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيْدِ، عَنِ الْمُغِيْرَةِ، عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَعَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: مَا زِلْتُ أُحِبُّ بَنِي تَمِيْمٍ مُنْذُ ثَلاَثٍ، سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ فِيْهِمْ، سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: "هُمْ أَشَدُّ أُمَّتِي عَلَى الدَّجَّالِ" قَالَ: وَجَاءَ تْ صَدَقَاتُهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "هٰذِهِ صَدَقَاتُ قَوْمِنَا" وَكَانَتْ سَبِيَّةٌ مِنْهُمْ عِنْدَ عَائِشَةَ، فَقَالَ: " أَعْتِقِيْهَا فَإِنَّهَا مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيْلَ" [انظر: ۴۳۶۶]

جواب: ﴿عَبْدًا مَمْلُوْكًا﴾ کے عموم سے استدلال درست نہیں، کیونکہ قضیہ مہملہ کا وجود ایک فرد کے ضمن میں ہوجاتا

ہے، پس جب غیر عربی مملوک آیت کا مصداق بن گیا تو عربی غلام کا مصداق ہونا ضروری نہیں، اور باقی روایتوں میں سے کوئی روایت صریح نہیں کہ بالغ مردوں کو قید کیا گیا، سب روایات میں بیوی بچوں کو قید کرنے کا ذکر ہے، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

اور مانعین کی دلیل سورۂ جمعہ کی ابتدائی آیات ہیں: ﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْأُمِّیِّیْنَ رَسُوْلاً مِنْهُمْ﴾ امی یعنی عرب، یہاں کوئی استثناء نہیں ﴿وَآخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ﴾ یعنی وہ عجم جو اب تک عربوں کے ساتھ نہیں ملے مگر آئندہ ملیں گے، یعنی مسلمان ہونگے، یہاں استثناء ہے ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ﴾ یعنی اسلام کی دولت سب عجمیوں کو نہیں ملے گی، پس عجمیوں کو تو کفر پر برقرار رکھا جاسکتا ہے۔ عربوں کے لئے اس کی گنجائش نہیں۔ علاوہ ازیں مانعین کے پاس اور بھی دلائل ہیں۔

بَابُ فَضْلِ مَنْ أَدَّبَ جَارِیَتَهُ وَعَلَّمَهَا

باندی کی تربیت اور تعلیم کی اہمیت

کتاب العلم (تحفۃ القاری ۱:۳۸۳) میں یہ باب اور حدیث گذری ہے، اگر کوئی باندی کی اچھی تربیت کرے، اس کو اچھی تعلیم دے، پھر آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے تو اس کے لئے دوہرا ثواب ہے، اس میں آزاد کرنے کا ذکر ہے، اس لئے کتاب العتق میں یہ باب اور حدیث لائے ہیں۔

[۱۴-] بَابُ فَضْلِ مَنْ أَدَّبَ جَارِیَتَهُ وَعَلَّمَهَا

[۲۵۴۴-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِیْمَ، سَمِعَ مُحَمَّدَ بْنَ فُضَیْلٍ، عَنْ مُطَرِّفٍ، عَنِ الشَّعْبِیِ، عَنْ أَبِیْ بُرْدَةَ، عَنْ أَبِیْ مُوْسَى، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم: "مَنْ كَانَتْ لَهُ جَارِیَةٌ فَعَالَهَا، وَأَحْسَنَ إِلَیْهَا، ثُمَّ أَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا كَانَ لَهُ أَجْرَانِ" [راجع: ۹۷]

قولہ: فَعَالَهَا: پس اس پر خرچ کیا، عَالَ الرجلُ عیالَه: فیملی پر خرچ کرنا، دوسرے نسخہ میں فَعَلَّمَهَا ہے۔

بَابُ قَوْلِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیه وسلم: "الْعَبِیْدُ إِخْوَانُكُمْ فَأَطْعِمُوْهُمْ مِمَّا تَأْكُلُوْنَ"

غلام تمہارے برادر ہیں، پس ان کو کھلاؤ جو تم کھاتے ہو (حدیث)

غلام باندی جب تک ملکیت میں ہیں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہئے، ان کو انسانیت کے رتبہ سے نیچے نہیں گرانا چاہئے، آدمی جو کھائے ان کو کھلائے، جو پہنے ان کو پہنائے، اور یہ حکم استحبابی ہے، اور یہ باب کتاب العتق میں لاکر اشارہ کیا

کہ غلام باندیوں کے ساتھ سب سے بڑا سلوک یہ ہے کہ ان کو آزاد کیا جائے، اور اپنے برابر کے درجہ میں لے آیا جائے، کیونکہ وہ ہمارے بھائی ہیں، اور کوئی شخص یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کا بھائی غلامی کی ذلت برداشت کرے، پس ان کے ساتھ اعلی درجہ کا سلوک یہ ہے کہ ان کو آزاد کردے۔ حضرت أبو الْهَيْثَمِ بنُ تَيِّهان رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ نے ایک غلام بخشا تھا اور ان کو ہدایت دی تھی کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، جب انھوں نے گھر جا کر بیوی کو نبی ﷺ کی ہدایت سنائی تو بیوی نے کہا: اس کو غلام رکھنا سب سے بڑی بدسلوکی ہے، چنانچہ حضرت ابوالہیثمؓ نے اس کو آزاد کردیا۔ جب یہ بات نبی ﷺ کے علم میں آئی تو آپؐ نے فرمایا: استر (نیچے لگانے کے کپڑے) دو طرح کے ہوتے ہیں، اچھے اور برے، پس جس شخص کو اچھا استر (بیوی) مل گیا اس کے وارے نیارے یعنی ان کی بیوی نے شوہر کو بہت اچھا مشورہ دیا۔

اور اس باب میں امام بخاریؒ نے ایک آیت اور ایک حدیث لکھی ہے، سورۃ النساء کی آیت ۳۶ ہے: ''اور تم اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اور اہلِ قرابت کے ساتھ بھی، اور یتیموں کے ساتھ بھی، اور غریبوں کے ساتھ بھی، اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی، اور دور والے پڑوسی کے ساتھ بھی، اور ہم مجلس کے ساتھ بھی، اور راہ گیر کے ساتھ بھی، اور ان کے ساتھ بھی جن پر تمہارا مالکانہ قبضہ ہے، یعنی غلام باندیوں کے ساتھ (یہاں باب ہے) بیشک اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے محبت نہیں کرتے جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں، شیخی بگھارتے ہیں۔

امام بخاریؒ تفسیر کرتے ہیں: الجار ذی القربی: نزدیک کا پڑوسی اور الجار الجنب دور کا پڑوسی، اور الصاحب بالجنب سفر کا ساتھی۔

اور حدیث پہلے (تحفۃ القاری ۱:۲۵۰) گذر چکی ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو طعنہ دیا: او کالی کے! حضور ﷺ نے ان کو ڈانٹا اور ہدایت دی کہ تمہارے بھائی تمہارے خدام ہیں، اللہ نے ان کو تمہارے ہاتھوں کے نیچے کیا ہے، پس جس کا بھائی اس کے ہاتھ کے نیچے ہو وہ اس کو کھلائے اس میں سے جو خود کھائے، اور اس کو پہنائے اس میں سے جو خود پہنے، اور وہ اس کو ایسے کام کا مکلّف نہ کرے جو اس کو ہرا دے، اور اگر اس کو ایسے کام کا حکم دے تو اس کا ہاتھ بٹائے، چنانچہ معرور نے دیکھا کہ حضرت ابوذرؓ نے اور ان کے غلام نے ایک ہی طرح کا سوٹ پہن رکھا ہے۔

فائدہ: إِن إِخْوَانكُمْ خَوَلُكُمْ: بیشک تمہارے بھائی تمہارے خدام ہیں، حالانکہ کہنا یہ چاہئے تھا کہ تمہارے خدام تمہارے بھائی ہیں، مگر مزید تاکید کے لئے ان کے بھائی ہونے کو ان کے خادم ہونے پر مقدم کیا۔ اور اشارہ کیا کہ اخوت کا رشتہ خادمیت کے رشتہ سے مقدم ہے۔

[۱۵-] بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: '' الْعَبِيْدُ إِخْوَانُكُمْ فَأَطْعِمُوْهُمْ مِمَّا تَأْكُلُوْنَ''

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿وَاعْبُدُوْا اللّٰهَ وَلاَ تُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى

وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللّٰهَ لاَ يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالاً فَخُوْرًا﴾[النساء: ٣٦]

﴿ذِی الْقُرْبٰی﴾: الْقَرِيْبُ، وَالْجُنُبُ: الْغَرِيْبُ، الْجَارُ الْجُنُبُ يَعْنِیْ الصَّاحِبَ فِی السَّفَرِ.

[٢٥٤٥-] حدثنا آدَمُ بْنُ أَبِیْ إِيَاسٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، ثَنَا وَاصِلُ الْأَحْدَبُ، سَمِعْتُ الْمَعْرُوْرَ بْنَ سُوَيْدٍ، قَالَ: رَأَيْتُ أَبَا ذَرٍّ الْغِفَارِیَّ، وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ وَعَلٰی غُلاَمِهِ حُلَّةٌ، فَسَأَلْنَاهُ عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ: إِنِّیْ سَابَبْتُ رَجُلاً،فَشَكَانِیْ إِلٰی النَّبِیِّ صلی الله عليه وسلم، فَقَالَ النَّبِیُّ صلی الله عليه وسلم:"أَعَيَّرْتَهُ بِأُمِّهِ؟" ثُمَّ قَالَ: " إِنَّ إِخْوَانَكُمْ خَوَلُكُمْ، جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيْكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوْهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلاَ تُكَلِّفُوْهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوْهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَأَعِيْنُوْهُمْ"[راجع: ٣٠]

بَابُ الْعَبْدِ إِذَا أَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ عَزَّوَجَلَّ، وَنَصَحَ سَيِّدَهُ

غلام جب اپنے رب کی عبادت عمدہ کرے اور اپنے آقا کی خیر خواہی کرے

یہ باب دفع دخل مقدر کے طور پر لائے ہیں، پچھلے باب سے ممکن ہے غلام باندی یہ خیال کریں کہ ہم انسانیت کے رتبہ سے گرے ہوئے ہیں، پس اس باب سے ان کو بتایا کہ ایسا نہیں، تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے دوہرا ثواب رکھا ہے، باب کی چاروں حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: غلام جب اپنے آقا کی خیر خواہی کرے اور اپنے پروردگار کی عمدہ عبادت کرے تو اس کو دوہرا اجر ملے گا۔ آزاد آدمی کو یہ نعمت کہاں حاصل؟ غلام نماز پڑھے گا دوہرا ثواب پائے گا، روزہ رکھے گا دوہرا ثواب پائے گا، وقس علی ہذا، پس غلام کے لئے اس کی حالت بری نہیں، بلکہ ایک اعتبار سے آزاد سے بھی اچھی ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے پاس کوئی باندی ہو پس وہ اس کی تربیت کرے، پس اس کی شاندار تربیت کرے اور اس کو آزاد کرے پھر اس سے نکاح کرلے تو اس کے لئے دوہرا اجر ہے۔ اور جونسا غلام اللہ کا بھی حق ادا کرے اور اپنے آقاؤں کا بھی حق ادا کرے تو اس کے لئے بھی دوہرا اجر ہے (یہ آخری مضمون مقصود ہے)

حدیث (۳): نبی ﷺ نے فرمایا: نیک مملوک غلام کے لئے دوہرا اجر ہے (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اگر جہاد فی سبیل اللہ، حج اور میری والدہ کے ساتھ حسن سلوک نہ ہوتا تو میں اس کو پسند کرتا کہ میں مملوک ہونے کی حالت میں مروں، یعنی اگر غلام ہوتا تو یہ تین کام نہ کرسکتا، اس لئے مجھے آزاد ہونا پسند ہے، ورنہ فی نفسہ مجھے غلامی کی حالت پسند ہے، کیونکہ غلام کو ہر عمل پر دوہرا اجر ملتا ہے۔

حدیث (۴): نبی ﷺ نے غلاموں سے فرمایا: نہایت اچھی حالت ہے وہ جو تم میں سے ایک کے لئے ہے، وہ اپنے

رب کی شاندار عبادت کرتا ہے، اور اپنے آقا کی خیر خواہی کرتا ہے (معلوم ہوا کہ غلامی کی حالت بھی ایک اعتبار سے نہایت اچھی حالت ہے، پس غلام باندیوں کو شکستہ خاطر نہیں ہونا چاہئے)

[۱۶-] بَابُ الْعَبْدِ إِذَا أَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ عَزَّوَجَلَّ، وَنَصَحَ سَيِّدَهُ

[۲۵۴۶-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "الْعَبْدُ إِذَا نَصَحَ سَيِّدَهُ وَأَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ عَزَّوَجَلَّ، كَانَ لَهُ أَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ"

[انظر: ۲۵۵۰]

[۲۵۴۷-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيْرٍ، أَنَا سُفْيَانُ، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "أَيُّمَا رَجُلٍ كَانَتْ لَهُ جَارِيَةٌ، أَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ تَعْلِيْمَهَا، وَأَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا فَلَهُ أَجْرَانِ، وَأَيُّمَا عَبْدٍ أَدَّى حَقَّ اللّٰهِ وَحَقَّ مَوَالِيْهِ فَلَهُ أَجْرَانِ"[راجع: ۹۷]

[۲۵۴۸-] حدثنا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، أَنَا يُوْنُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، سَمِعْتُ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ، يَقُوْلُ: قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "لِلْعَبْدِ الْمَمْلُوْكِ الصَّالِحِ أَجْرَانِ" وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ! لَوْلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْحَجُّ وَبِرُّ أُمِّيْ لَأَحْبَبْتُ أَنْ أَمُوْتَ وَأَنَا مَمْلُوْكٌ.

[۲۵۴۹-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ، ثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، ثَنَا أَبُوْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "نِعْمَ مَا لِأَحَدِهِمْ: يُحْسِنُ عِبَادَةَ رَبِّهِ وَيَنْصَحُ لِسَيِّدِهِ"

بَابُ كَرَاهِيَةِ التَّطَاوُلِ عَلَى الرَّقِيْقِ، وَقَوْلِهِ: عَبْدِيْ وَأَمَتِيْ

غلام باندیوں سے خود کو لمبا کھینچنے کی اور میرا غلام اور میری باندی کہنے کی کراہیت

تَطَاوُل کے معنی ہیں: دراز ہونا، تفاخر، اپنے کو لمبا کھینچنا۔ اس باب میں وہ سبب بیان کیا ہے جو غلام باندیوں کی دل شکستگی کا باعث بنتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ آقا خود کو لمبا کھینچتا ہے، بڑائی جتلاتا ہے، میرا غلام اور میری باندی کہہ کر خطاب کرتا ہے، اس سے غلام باندیوں کے دل ٹوٹتے ہیں، وہ خود کو دوسرے درجہ کا انسان سمجھتے ہیں، اگر آقا یہ نامناسب الفاظ استعمال نہ کرے تو غلام باندی خود کو آقا کی فیملی کا فرد سمجھیں۔

مثال: مشرق وسطی (سعودیہ اور خلیجی ممالک) میں ایشیاء کے جو مسلمان ملازمت کے لئے جاتے ہیں، ان کا بوس ان کو رفیق (بھیّا) کہتا ہے، اور غصہ آئے تو حِمار کہتا ہے اور جو عیسائی وہاں نوکری کرنے جاتے ہیں ان کو صدیق (دوست) کہتا ہے۔ ظاہر ہے اس سے ایشیاء کے مسلمان اپنے دلوں میں سخت تنگی محسوس کرتے ہیں، مگر مجبور ہیں، نوکری کرنی ہے، ورنہ

حقیقت میں عرب ممالک کے زردہ سے اپنے ملک کی سوکھی روٹی بہتر ہے، وہ عزتِ نفس سے ملتی ہے، اور بلادِ عربیہ کی نوکری میں نفس کو ذلیل کرنا پڑتا ہے، پس اگر مشرق وسطی کے آقا اپنے نوکروں کو صدیق یا بھائی کہیں تو صورت حال دوسری ہوگی۔

مجھے ایک واقعہ یاد آیا: جب میں پہلی مرتبہ دبئی گیا تو دہلی ایر پورٹ پر بورڈنگ پاس لینے گیا، تین لائنیں تھیں، سب میں جوان کالی کلوٹی ہندو عورتیں کھڑی تھیں، ہر ایک کے ہاتھ میں ایک تھیلا اور ایک کاغذ تھا، اور کوئی سامان نہیں تھا، اور سب کے چہروں سے اداسی ٹپک رہی تھی، کوئی کسی سے بات نہیں کررہی تھی، حالانکہ دو عورتیں جمع ہوں اور گپ نہ کریں یہ ناممکن ہے۔ میں کھڑا سوچتا رہا کہ یہ صورت حال کیوں ہے؟ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ عورتیں خلیجی ممالک میں نوکری کرنے جارہی ہیں وہاں ان کے ساتھ جو برتاؤ ہوگا اور بال بچوں کو چھوڑنے کی وجہ سے ان کی خوشی کافور ہوگئی تھی۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ نصوص میں غلام کے لئے 'عبد' اور باندی کے لئے 'أمة' کا استعمال آیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے باب میں ایسی بہت سی نصوص جمع کی ہیں، مگر یہ تھرڈ پرسن (تیسرے آدمی) کا استعمال ہے، پس یہ تطاول نہیں، اور فی نفسہ ان لفظوں کا استعمال جائز ہے، مگر تخاطب (ایک دوسرے کو بلانے) میں ان الفاظ کے استعمال کی ممانعت آئی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص یعنی آقا نہ کہے: أطعِمْ ربك: اپنے پالنہار کو کھلا، وَضِّئْ ربَّك: اپنے پروردگار کو وضو کرا، اسْقِ رَبَّكَ: اپنے پروردگار کو پلا، بلکہ غلام: آقا کے لئے سَیِّد (بڑا) اور مولیٰ (آقا) استعمال کرے، اسی طرح کوئی آقا عبدی اور أَمتی نہ کہے۔ فَتَایَ، فَتَاتِیْ (خادم) اور غلامی کہے۔

غلام تو لفظ ربّ استعمال کرنے پر مجبور ہے، کیونکہ اس کا آقا چاہتا ہے کہ اسے اس لفظ سے مخاطب بنایا جائے، پس یہ خود کو لمبا کھینچنا ہے، یہی انداز تخاطب غلام باندیوں کی دل شکستگی کا سبب بنتا ہے۔

[۱۷-] بَابُ كَرَاهِيَةِ التَّطَاوُلِ عَلَى الرَّقِيْقِ، وَقَوْلِهِ: عَبْدِیْ وَأَمَتِیْ

[۱-] وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَالصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ﴾ [النور: ۳۲]

[۲-] وقَالَ: ﴿عَبْدًا مَمْلُوْكًا﴾ [النحل: ۷۵]

[۳-] ﴿وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَى الْبَابِ﴾ [یوسف: ۲۵]

[٤-] وَقَالَ عَزَّوَجَلَّ: ﴿مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ﴾ [النساء: ۲۵]

[۵-] وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "قُوْمُوْا إِلٰى سَيِّدِكُمْ"

[٦-] وَ﴿اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ﴾ [یوسف: ٤۲]: عِنْدَ سَيِّدِكَ.

[۲۵۵۰-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا يَحْيىَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، ثَنِيْ نَافِعٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "إِذَا نَصَحَ الْعَبْدُ سَيِّدَهُ وَأَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ كَانَ لَهُ أَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ" [راجع: ۲۵٤٦]

[۲۵۵۱-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، ثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيْ مُوْسَى، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" لِلْمَمْلُوْكِ الَّذِيْ يُحْسِنُ عِبَادَةَ رَبِّهِ، وَيُؤَدِّيْ إِلَي سَيِّدِهِ الَّذِيْ لَهُ عَلَيْهِ مِنَ الْحَقِّ وَالنَّصِيْحَةِ وَالطَّاعَةِ: أَجْرَانِ"[راجع: ۹۷]

[۲۵۵۲-] حدثنا مُحَمَّدٌ، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، أَنَّهُ قَالَ:" لَا يَقُلْ أَحَدُكُمْ: أَطْعِمْ رَبَّكَ، وَضِّئْ رَبَّكَ، اسْقِ رَبَّكَ، وَلْيَقُلْ: سَيِّدِيْ وَمَوْلَايَ، وَلَا يَقُلْ أَحَدُكُمْ: عَبْدِيْ وَأَمَتِيْ وَلْيَقُلْ: فَتَايَ وَفَتَاتِيْ وَغُلَامِيْ.

[۲۵۵۳-] حدثنا أَبُوْ النُّعْمَانِ، ثَنَا جَرِيْرُ بْنُ حَازِمٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم:" مَنْ أَعْتَقَ نَصِيْبًا لَهُ مِنَ الْعَبْدِ، وَكَانَ لَهُ مِنَ الْمَالِ مَا يَبْلُغُ قِيْمَتَهُ، قُوِّمَ عَلَيْهِ قِيْمَةَ عَدْلٍ، وَأُعْتِقَ مِنْ مَالِهِ، وَإِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ"

[۲۵۵٤-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، حَدَّثَنِيْ نَافِعٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" كُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْؤُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالْأَمِيْرُ الَّذِيْ عَلَى النَّاسِ رَاعٍ عَلَيْهِمْ وَهُوَ مَسْؤُوْلٌ عَنْهُمْ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْؤُوْلٌ عَنْهُمْ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ بَعْلِهَا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْؤُوْلَةٌ عَنْهُمْ، وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلٰى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْؤُوْلٌ عَنْهُ، أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ"[راجع: ۸۹۳]

[۲۵۵۵و۲۵۵۷-] حدثنا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، ثَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ، سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، وَزَيْدَ بْنَ خَالِدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" إِذَا زَنَتِ الْأَمَةُ فَاجْلِدُوْهَا، ثُمَّ إِذَا زَنَتْ فَاجْلِدُوْهَا، ثُمَّ إِذَا زَنَتْ فَاجْلِدُوْهَا، فِي الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ: فَبِيْعُوْهَا وَلَوْ بِضَفِيْرٍ"[راجع: ۲۱۵۲، ۲۱۵٤]

۱-تمہارے غلام باندیوں میں سے جو نکاح کے لائق ہوں (ان کا نکاح کردو) یہ اللہ تعالیٰ نے عبد اور امۃ فرمایا ہے، آقا نے یہ الفاظ استعمال نہیں کئے، اس لئے اس میں کچھ حرج نہیں، یہ تطاول نہیں۔

۲-اللہ تعالیٰ نے ایک مملوک غلام کی مثال بیان فرمائی (یہ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، آقا نے استعمال نہیں کیا)

۳-اور دونوں نے اس عورت کے شوہر کو دروازہ کے پاس پایا، (اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے شوہر کے لئے لفظ سید استعمال کیا ہے، جو بہت مناسب لفظ ہے)

۴-تمہاری مسلمان خادماؤں میں سے (یہ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، باندی کے لئے فتاۃ بہترین لفظ ہے)

۵-جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بنوقریظہ کے واقعہ میں لشکر کے پاس پہنچے تو آپؐ نے ان کے قبیلہ کے لوگوں سے فرمایا: اپنے سردار کی طرف اٹھو (یعنی وہ بیمار ہیں ان کو گدھے سے اتارو، لفظ سید نبی ﷺ نے استعمال فرمایا ہے، اور یہ

بہترین لفظ ہے)

۶- یوسف علیہ السلام نے کہا: تم اپنے آقا کے سامنے میرا تذکرہ کرنا، اس آیت میں رب بمعنی سید (سردار) ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے لفظ رب اس لئے استعمال کیا ہے کہ اس معاشرہ میں آقا کے لئے یہی لفظ استعمال کیا جاتا تھا، پس اگر یوسف علیہ السلام کوئی اور لفظ استعمال کرتے تو مراد واضح نہ ہوتی)

حدیث (۱) میں نبی ﷺ نے آقا کے لئے سید اور رب کے الفاظ استعمال کئے ہیں، مگر یہ تیسرے فرد کا استعمال ہے)

حدیث (۲) میں بھی آقا کے لئے سید اور رب کے الفاظ استعمال کئے ہیں، اور یہ بھی آپؐ نے استعمال کئے ہیں)

حدیث (۳) میں نبی ﷺ نے آقا کے لئے لفظ رب استعمال کرنے سے منع کیا ہے، یعنی خود آقا اپنے لئے لفظ رب استعمال نہ کرے، اسی طرح عبد بھی استعمال نہ کرے، بلکہ سید اور مولیٰ کہے، اسی طرح باندی کے لئے أمة استعمال نہ کرے، غلام کے لئے فتٰی یا غلام اور باندی کے لئے فتاة استعمال کرے۔

حدیث (۴) میں نبی ﷺ نے غلام کے لئے لفظ رب استعمال کیا ہے (مگر آپ تیسرے فرد ہیں)

حدیث (۵) میں نبی ﷺ نے غلام کے لئے لفظ عبد استعمال کیا ہے: العبد راع علی مال سیدہ (یہ بہترین استعمال ہے، آقا کو سید کہنا چاہئے، رب نہیں کہنا چاہئے)

اور آخری حدیث میں حضور ﷺ نے باندی کے لئے أمة استعمال کیا ہے، مگر یہ بھی ثالث کا استعمال ہے۔

بَابٌ: إِذَا أَتَاهُ خَادِمُهُ بِطَعَامِهِ

جب خادم اس کے پاس اس کا کھانا لائے

اب ذیلی ابواب شروع ہو رہے ہیں، ان ابواب میں یہ بیان ہے کہ آقا کو اپنے ماتحتوں کے ساتھ کیسا معاملہ کرنا چاہئے، اور کیسا معاملہ نہیں کرنا چاہئے، اور غلاموں کو بھی آقا کے ساتھ کیسا معاملہ کرنا چاہئے، اور اس باب میں یہ بیان ہے کہ جب خادم نے کھانا تیار کیا (خادم سے مراد غلام ہے، مگر حضرتؒ نے عبد کے بجائے خادم کہا) اور اس نے دسترخوان بچھا کر کھانا لگایا، تو آقا کو چاہئے کہ سارا کھانا چٹ نہ کر جائے، غلام کے لئے بھی کچھ بچائے، کیونکہ وہی دھویں اور گرمی کا ذمہ دار بنا ہے۔

[۱۸-] بَابٌ: إِذَا أَتَاهُ خَادِمُهُ بِطَعَامِهِ

[۲۵۵۷-] حدثنا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، أَخْبَرَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: "إِذَا أَتَى أَحَدَكُمْ خَادِمُهُ بِطَعَامِهِ، فَإِنْ لَمْ يُجْلِسْهُ مَعَهُ فَلْيُنَاوِلْهُ لُقْمَةً أَوْ لُقْمَتَيْنِ، أَوْ: أُكْلَةً أَوْ أُكْلَتَيْنِ، فَإِنَّهُ وَلِيَ عِلاَجَهُ "[انظر: ۵۴۶۰]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کے پاس اس کا خادم اس کا کھانا لائے (تو وہ خادم کو کھانے کے لئے ساتھ بٹھالے) پس اگر اس کو اپنے ساتھ نہ بٹھائے تو چاہئے کہ دے اسے ایک دو لقمے (لقمہ اور أُکلة کے ایک معنی ہیں، شک راوی ہے) پس بیشک خادم کھانا تیار کرنے کا ذمہ دار بنا ہے (علاج: عَالَجَ يُعَالِجُ مُعَالَجَةً کا مصدر ہے، علاج کرنا یعنی کھانا تیار کرنا)

بَابٌ: اَلْعَبْدُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ، وَنَسَبَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الْمَالَ إِلَى السَّيِّدِ

غلام اپنے آقا کے مال کا نگران ہے، اور نبی ﷺ نے مال کو آقا کی طرف منسوب کیا

یہ بھی ذیلی باب ہے، اور اس باب میں دو باتیں ہیں:

پہلی بات: آقا کا مال غلام کے ہاتھ میں ہوتا ہے، پس غلام کو اس مال میں امانت دار ہونا چاہئے، اس سے آقا کی نظر میں اس کی وقعت بڑھے گی۔

دوسری بات: باب کی حدیث میں نبی ﷺ نے مال کو آقا کی طرف منسوب کیا ہے، سلف میں کچھ حضرات اس بات کے قائل تھے کہ غلام کے پاس مال ہوسکتا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے ان پر رد کیا ہے، غلام کے پاس مال نہیں ہوسکتا، اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کے مولیٰ کا ہے۔

پہلے فریق کی دلیل یہ ہے کہ ہجرت کے شروع میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جو غلام تھے کھجوریں لے کر حاضر ہوئے تھے، آپؐ نے پوچھا: کیسی ہیں؟ انھوں نے کہا: صدقہ ہیں، آپؐ نے ان کو صحابہ کی طرف بڑھا دیا، خود نوش نہیں فرمایا، پھر دوسری مرتبہ وہ محنت کر کے کھجوریں لائے، آپؐ نے پوچھا: کیسی ہیں؟ انھوں نے کہا: ہدیہ ہیں، پس آپؐ نے بھی صحابہ کے ساتھ ان کو تناول فرمایا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ غلام تھے وہ یہ کھجوریں کہاں سے لائے؟ اگر غلام کے پاس مال نہیں ہوسکتا، اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کے آقا کا ہے تو آپؐ نے ان کا ہدیہ کیسے قبول کیا؟ معلوم ہوا کہ غلام کے پاس مال ہوسکتا ہے۔

مگر حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے جو بات فرمائی ہے وہ بھی باوَن تولہ پاؤ رتی ہے، نبی ﷺ نے غلام کے قبضہ میں جو مال ہے اس کو آقا کی طرف منسوب کیا ہے، پس وہ اس کا کہاں رہا؟ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں جگہ جگہ غلام باندیوں کو ﴿مَامَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ سے تعبیر کیا ہے، یعنی تمہارے دائیں ہاتھ جن کے مالک ہیں، پس ان کے پاس جو کچھ ہے وہ سب مولیٰ کا ہے۔

پس فیصلہ کی بات یہ ہے کہ غلام کے پاس حقیقتاً تو کوئی مال نہیں ہوسکتا، اس کے پاس جو کچھ ہے وہ آقا کا ہے، مگر استعمال کی حد تک اس کے پاس مال ہوسکتا ہے، اور اس کی دو صورتیں ہیں:

۱- مولیٰ جیب خرچ کے لئے غلام کو کچھ دے تو وہ بہ ظاہر اس کا ہے، جیسے ہم اپنے بچوں کو جو ہماری کفالت میں ہوتے ہیں جیب خرچ دیتے ہیں، اور اس کا کوئی حساب نہیں لیتے، وہ جہاں چاہیں خرچ کریں، البتہ نظر رکھتے ہیں کہ وہ غلط جگہ خرچ نہ کریں، اسی طرح آقا کو چاہئے کہ غلام باندی کو جیب خرچ دے اور اس کا کوئی حساب نہ لے۔

۲- غلام پر محصول لگایا کہ ہفتہ میں اتنا کما کر لاؤ، اس سے جو زائد کماؤ گے وہ تمہارا ہے، پس یہ زائد بظاہر غلام کا ہے، وہ جس طرح چاہے اس کو خرچ کر سکتا ہے، لیکن جب مرے گا تو اس کے پاس جو کچھ ہے وہ آقا کا ہوگا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا ایسا ہی معاملہ ہوگا، وہ زائد کمائے ہوئے کو جمع کر کے کھجوریں لائے ہونگے، پس دونوں باتیں صحیح ہیں: غلام کے پاس مال ہو سکتا ہے اور غلام کے پاس جو کچھ بچے گا وہ مولیٰ کا ہے۔

[۱۹-] بَابٌ: الْعَبْدُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ، وَنَسَبَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الْمَالَ إِلَى السَّيِّدِ

[۲۵۵۸-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، نَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِيْ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "كُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْؤُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْؤُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ فِي أَهْلِهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْؤُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا رَاعِيَةٌ وَهِيَ مَسْؤُوْلَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا، وَالْخَادِمُ فِي مَالِ سَيِّدِهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْؤُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ - قَالَ: فَسَمِعْتُ هٰؤُلاَءِ مِنَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَأَحْسِبُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "وَالرَّجُلُ فِي مَالِ أَبِيْهِ رَاعٍ وَمَسْؤُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ - فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ"

[راجع: ۸۹۳]

بَابٌ: إِذَا ضَرَبَ الْعَبْدَ فَلْيَجْتَنِبِ الْوَجْهَ

جب غلام کو مارے تو چہرے پر نہ مارے

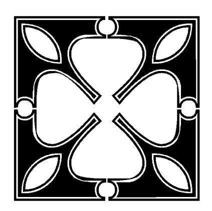
نوکروں کو کبھی غلطی پر تنبیہ کرنی پڑتی ہے، جیسے استاذ کو بچوں پر سختی کرنی پڑتی ہے، ایسی صورت میں دو باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، ایک: ضرب مبرح (سخت مار) نہ ہو، جس مار کا جسم پر نشان پڑے وہ سخت مار ہے، دوسری: اعضائے رئیسہ پر نہ مارے، چہرے پر، سر پر، پیشاب کے اعضاء پر اسی طرح دیگر اعضائے رئیسہ پر مارنا جائز نہیں، اسی طرح جانور کو بھی چہرے پر مارنا جائز نہیں، اسی طرح کسی سے لڑائی ہو اور جو تم پیزار ہو تو بھی چہرے پر نہیں مارنا چاہئے، حدیث میں اسی کا ذکر ہے۔ قَاتَلَ کے معنی ہیں: لڑنا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لڑائی میں مار ڈالنے کا ارادہ نہیں ہوتا، اور اہم اعضاء پر مارنے سے کبھی آدمی مر جاتا ہے، اس لئے اس سے بچنا چاہئے۔

[۲۰-] بَابٌ: إِذَا ضَرَبَ الْعَبْدَ فَلْيَجْتَنِبِ الْوَجْهَ

[۲۵۵۹-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ، ثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: ثَنِيْ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، قَالَ: وَأَخْبَرَنِيْ ابْنُ فُلَانٍ، عَنْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم، ح: وَحَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم، قَالَ: "إِذَا قَاتَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَجْتَنِبِ الْوَجْهَ"

قَالَ أَبُوْ إِسْحَاقَ: قَالَ ابْنُ حَرْبٍ: الَّذِيْ قَالَ: ابْنُ فُلَانٍ، هُوَ قَوْلُ ابْنِ وَهْبٍ، وَهُوَ ابْنُ سَمْعَانَ.

سند کا بیان: امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث دوسندوں سے ذکر کی ہے، پہلی سند: محمد بن عبید اللہ کی ہے، وہ عبداللہ بن وہب سے روایت کرتے ہیں، اور ابن وہب دو اساتذہ سے روایت کرتے ہیں۔ امام مالکؒ سے اور ابن فلاں سے (ابن وہب حدثنی اور أخبرنی کا فرق ظاہر کرنے کا اہتمام کرتے تھے) پھر دونوں سعید مقبری سے (الی آخرہ) اور دوسری سند: عبداللہ بن محمد کی ہے، وہ عبدالرزاق صنعانی سے (الی آخرہ) روایت کرتے ہیں، اور حضرت رحمہ اللہ نے دوسری سند کے الفاظ لکھے ہیں۔ پھر ابواسحاق ابراہیم بن احمد مُسْتَمْلِیْ کا قول ہے کہ محمد بن حرب خولانی ابرش کہتے ہیں: ابنُ فلان: عبداللہ بن وہب کا قول ہے، اور ابن فلاں سے ابن سمعان مراد ہیں، جن کا پورا نام عبداللہ بن زیاد بن سلیمان بن سمعان المدنی ہے، یہ ضعیف راوی ہے، اس راوی کا بخاری شریف میں اسی جگہ ذکر ہے، کسی اور جگہ اس کی کوئی روایت نہیں لائے۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتابُ المکاتَب

مکاتب کا بیان

مکاتَب (تاء پر زبر) اسم مفعول، مکاتِب (تاء پر زیر) اسم فاعل اور الکتابۃ (مصدر) کاتَبَ السیِّدُ العبدَ: آقا کا غلام سے مالی معاہدہ کرنا کہ اتنی رقم لا کر دیدے تو تو آزاد ہے، پھر جب غلام یکمشت یا قسط وار مال کی مقررہ مقدار ادا کر دے تو آزاد ہو جائے گا۔

جاننا چاہئے کہ عتق کی دو قسمیں ہیں: مُنَجَّز اور معلَّق، منجز یعنی فوراً آزاد کرنا، کہا: أنت حر: آزاد ہو گیا اور معلق یعنی لٹکی ہوئی آزادی، ابھی آزاد نہیں، آئندہ آزاد ہوگا۔ مکاتب، مدبر اور ام ولد کی آزادی معلق ہوتی ہے، مدبر اور ام ولد کا ذکر کتاب العتق میں آ گیا۔ اور مکاتب کے سلسلہ میں تفصیل زیادہ تھی اس لئے اس کے بیان کے لئے مستقل کتاب لائے۔

فائدہ: کتابت اور عتق علی المال کی حقیقت ایک ہے، اگر یہ کہا جائے کہ میں تجھے اتنے مال پر مکاتب بناتا ہوں یا تیرے ساتھ کتابت کا معاملہ کرتا ہوں اور غلام منظور کرلے تو یہ کتابت ہے اور اگر کہا کہ میں اتنے مال پر تجھے آزاد کرتا ہوں اور غلام نے قبول کیا تو یہ عتق علی المال ہے اور غلام ابھی آزاد نہیں ہوا، جب مال ادا کرے گا تب آزاد ہوگا، پس دونوں کا مآل ایک ہے۔

جب آقا کا غلام کے ساتھ اس طرح کا معاملہ ہو جاتا ہے تو غلام تصرف کے اعتبار سے آزاد ہو جاتا ہے، اب وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اب وہ مولیٰ کا کام نہیں کرے گا، مگر گردن اس کی ابھی تک غلامی میں پھنسی ہوئی ہے، جب بدل کتابت ادا کرے گا تبھی آزاد ہوگا۔

بَابُ الْمُكَاتَبِ وَنُجُوْمِهِ، فِيْ كُلِّ سَنَةٍ نَجْمٌ

مکاتب کی قسطیں، سالانہ ایک قسط

اس باب میں یہ مسئلہ ہے کہ سارا بدل کتابت یکبارگی ادا کرنا ضروری نہیں، قسطوں میں ادا کر سکتا ہے، پھر قسط خواہ سالانہ مقرر کرے یا ماہانہ، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اس کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے سورۃ النور کی آیت ۳۳ کا ایک حصہ لکھا ہے، ارشاد پاک ہے: ''اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتب ہونے کے خواہاں ہوں ان کو مکاتب بنادو، اگر ان میں بہتری جانو، اور ان کو اس مال میں سے دو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے''

تفسیر: اس آیت میں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: کوئی غلام یا باندی کتابت کا معاملہ کرنا چاہے تو آقا کو چاہئے کہ معاملہ کرلے، اور ﴿إِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا﴾ کا مطلب یہ ہے کہ غلام باندی جنگی قیدی ہوتے ہیں، اور جنگی قیدی مسلمانوں کے معاشرہ میں آکر اکثر مسلمان ہوجاتے ہیں، مگر بعض اپنے مذہب پر قائم رہتے ہیں، اس لئے اگر خیال ہو کہ غیر مسلم غلام مکاتب ہوکر اور آزاد ہوکر اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچائے گا تو اس کو مکاتب نہ بنایا جائے، اس کو غلامی میں رکھا جائے، وہ جب تک غلامی میں رہے گا کہیں جانہیں سکے گا، پس اس کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کاروائی کرنے کا موقع نہیں ملے گا، اور اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ غلام مسلمان ہوگیا ہے، آزاد ہوکر اسلام اور مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا بلکہ دینی کاموں میں لگ جائے گا تو اس کو مکاتب بنادو اور آزاد کردو۔

دوسرا مسئلہ: مکاتب کو زکوۃ دی جاسکتی ہے، وہ رقمیں جمع کرکے اپنے بدل کتابت میں بھر کر آزاد ہوجائے گا۔

مکاتب بنانا واجب ہے یا مستحب؟

اس کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک مسئلہ ذکر کیا ہے کہ اگر غلام کو مکاتب بنانا مفید ہو تو مکاتب بنانا واجب ہے یا مستحب؟ ایک رائے یہ ہے کہ واجب ہے۔ ابن جریج نے حضرت عطاء بن ابی رباح سے یہ مسئلہ پوچھا، انھوں نے جواب دیا: میرا خیال یہ ہے کہ واجب ہے۔ اور عمرو بن دینار کہتے ہیں: میں نے حضرت عطاءؒ سے پوچھا: آپ یہ بات کسی سے نقل کرتے ہیں یا یہ آپ کی اپنی رائے ہے؟ حضرت عطاء نے فرمایا: نہیں، یہ میری رائے ہے، پھر ان کو ایک روایت یاد آئی: محمد بن سیرین کے والد سیرین حضرت انس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، اور ان کے پاس کافی مال تھا، انھوں نے حضرت انسؓ سے کہا: مجھے مکاتب بنادو، حضرت انسؓ نے انکار کیا، کیونکہ دودھ دیتی گائے تھی، سیرینؒ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی، آپؓ نے حضرت انسؓ کو بلایا اور کہا: جب یہ مکاتب بننا چاہتا ہے تو بنادو، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے انکار کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درہ اٹھایا: بنا ورنہ بجاتا ہوں، چنانچہ حضرت انسؓ نے سیرینؒ کو مکاتب بنادیا، حضرت عطاءؒ نے یہ روایت اپنے قول کی دلیل میں پیش کی کہ مکاتب بنانا واجب ہے، حضرت عمرؓ نے انکار پر درہ اٹھایا ہے، اور سزا غیر واجب پر نہیں دی جاسکتی۔

لیکن دوسری رائے یہ ہے کہ مکاتب بنانا مستحب ہے، یہ جمہور کی اور ائمہ اربعہ کی رائے ہے۔ اور آیتِ کریمہ میں جو

﴿فَكَاتِبُوْهُمْ﴾ ہے وہ امر استحباب کے لئے ہے، اور حضرت انسؓ کا انکار کرنا بھی دلیل ہے کہ مکاتب بنانا واجب نہیں، اور حضرت عمرؓ نے جو حکم دیا ہے وہ ملکی مصلحت سے تھا۔

پھر باب میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ذکر کیا ہے، جو پہلے کئی بار گذر چکا ہے، انھوں نے اپنے آقا سے کتابت کا معاملہ کیا تھا، ان کو پانچ اوقیہ چاندی پانچ سال میں ادا کرنی تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا: تو خود کو کتابت سے عاجز کردے اور تمہارا مولیٰ تمہیں پانچ اوقیہ میں بیچ دے، میں خرید کر فوراً آزاد کردوں گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

بسم الله الرحمن الرحيم

٥٠- كتابُ المكاتب

[١-] بَابُ الْمُكَاتَبِ وَنُجُوْمِهِ، فِيْ كُلِّ سَنَةٍ نَجْمٌ

[١-] وَقَوْلُهُ تَعَالٰى: ﴿وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَآتُوْهُمْ مِنْ مَالِ اللّٰهِ الَّذِيْ آتَاكُمْ﴾[النور: ٣٢]

[٢-] وَقَالَ رَوْحٌ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ: قُلْتُ لِعَطَاءٍ: أَوَاجِبٌ عَلَيَّ إِذَا عَلِمْتُ لَهُ مَالاً أَنْ أُكَاتِبَهُ؟ قَالَ: مَا أُرَاهُ إِلَّا وَاجِبًا.

[٣-] وَقَالَ عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ، قُلْتُ لِعَطَاءٍ: تَأْثُرُهُ عَنْ أَحَدٍ؟ قَالَ: لَا، ثُمَّ أَخْبَرَنِيْ أَنَّ مُوْسَى بْنَ أَنَسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ سِيْرِيْنَ سَأَلَ أَنَسًا الْمُكَاتَبَةَ، وَكَانَ كَثِيْرَ الْمَالِ، فَأَبٰى، فَانْطَلَقَ إِلٰى عُمَرَ فَقَالَ: كَاتِبْهُ، فَأَبٰى، فَضَرَبَهُ بِالدِّرَّةِ وَيَتْلُوْ عُمَرُ ﴿فَكَاتِبُوْهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا﴾ فَكَاتَبَهُ.

[٢٥٦٠-] وَقَالَ اللَّيْثُ: ثَنِيْ يُوْنُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ عُرْوَةُ: قَالَتْ عَائِشَةُ: إِنَّ بَرِيْرَةَ دَخَلَتْ عَلَيْهَا، تَسْتَعِيْنُهَا فِيْ كِتَابَتِهَا، وَعَلَيْهَا خَمْسُ أَوَاقِيَ، نُجِّمَتْ عَلَيْهَا فِي خَمْسِ سِنِيْنَ، فَقَالَتْ لَهَا عَائِشَةُ وَنَفِسَتْ فِيْهَا: أَرَأَيْتِ إِنْ عَدَدْتُ لَهُمْ عَدَّةً وَاحِدَةً، أَيَبِيْعُكِ أَهْلُكِ فَأُعْتِقَكِ فَيَكُوْنَ وَلَاؤُكِ لِيْ؟ فَذَهَبَتْ بَرِيْرَةُ إِلٰى أَهْلِهَا، فَعَرَضَتْ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ، فَقَالُوْا: لَا، إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ لَنَا الْوَلَاءُ. قَالَتْ عَائِشَةُ: فَدَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "اشْتَرِيْهَا فَأَعْتِقِيْهَا فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ" ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: "مَابَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَيْسَتْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ؟ مَنِ اشْتَرَاطَ شَرْطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَ بَاطِلٌ، شَرْطُ اللّٰهِ أَحَقُّ وَأَوْثَقُ"[راجع: ٤٥٦]

بَابُ مَايَجُوْزُ مِنْ شُرُوْطِ الْمَكَاتَبِ، وَمَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ

وہ دفعات جو مکاتب کے ساتھ طے کی جاسکتی ہیں، اور جس نے کوئی ناجائز شرط لگائی

کتابت میں آقا جو چاہے شرط لگا سکتا ہے، البتہ کوئی شرط شریعت کے خلاف نہیں ہونی چاہئے، اگر کوئی ایسی شرط لگائی جو اصولِ شرع کے خلاف ہے تو معاملہ فاسد ہو جائے گا، کیونکہ کتابت بیوع میں سے ہے، کتابت کو ختم کیا جاسکتا ہے، اس کا اقالہ ہوسکتا ہے، اس لئے شرط فاسد سے کتابت فاسد ہو جائے گی، البتہ عتق (آزاد کرنا) ایمان سے ہے، اس کا اقالہ نہیں ہوسکتا، اس لئے اس میں اگر کوئی شرط فاسد لگائی جائے تو شرط خود فاسد ہو جائے گی، اور آزاد کرنا درست ہو جائے گا۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ میں ان کے آقا نے عتق میں ولاء کی شرط لگوائی تھی، پس بریرہؓ کا آزاد کرنا درست ہو گیا، اور شرط ختم ہوگئی، بیع میں وہ شرط نہیں تھی، بیع کا ثمرہ ولاء نہیں اور بیع کے بعد آزاد کرنا ضروری بھی نہیں، پس حضرت بریرہؓ کے مولیٰ نے آزاد کرنے میں شرط لگائی تھی اس لئے وہ شرط اڑ گئی، یہ خاص بات ہے جس کو یاد رکھنا ضروری ہے۔ روایات اس طرح آئی ہیں جن سے وہم ہوتا ہے کہ یہ شرط بیع میں لگی تھی، یہ بات صحیح نہیں، کیونکہ بیع میں اگر ایسی شرط لگائی جائے جس میں احد المتعاقدین کا فائدہ ہو تو بیع فاسد ہو جاتی ہے۔ اور باب کے شروع میں جو ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کا حوالہ ہے وہ حدیث باب کے آخر میں ہے، اور اس میں بھی بریرہؓ کا واقعہ ہے۔

[٢-] بَابُ مَايَجُوْزُ مِنْ شُرُوْطِ الْمَكَاتَبِ، وَمَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ

فِيْهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ.

[٢٥٦١-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ بَرِيْرَةَ جَاءَ تْ تَسْتَعِيْنُهَا فِيْ كِتَابَتِهَا، وَلَمْ تكُنْ قَضَتْ مِنْ كِتَابَتِهِا شَيْئًا، قَالَتْ لَهَا عَائِشَةُ: ارْجِعِيْ إِلٰى أَهْلِكِ فَإِنْ أَحَبُّوْا أَنْ أَقْضِيَ عَنْكِ كِتَابَتَكِ وَيَكُوْنَ وَلاَؤُكِ لِيْ فَعَلْتُ، فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ بَرِيْرَةُ لِأَهْلِهَا فَأَبَوْا، قَالُوْا: إِنْ شَاءَ تْ أَنْ تَحْتَسِبَ عَلَيْكِ فَلْتَفْعَلْ، وَيَكُوْنُ وَلاَؤُكِ لَنَا،فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " ابْتَاعِيْ فَأَعْتِقِيْ فَإِنَّمَا الْوَلاَءُ لِمَنْ أَعْتَقَ" قَالَ: ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: " مَا بَالُ أُنَاسٍ يَشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَيْسَتْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ؟ مَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَلَيْسَ لَهُ، وَإِنْ شَرَطَ مِائَةَ مَرَّةٍ، شَرْطُ اللّٰهِ أَحَقُّ وَأَوْثَقُ"

[راجع: ٤٥٦]

[٢٥٦٢-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: أَرَادَتْ

عَائِشَةُ أُمُّ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْ تَشْتَرِىَ جَارِيَةً لِتُعْتِقَهَا، فَقَالَ أَهْلُهَا: عَلٰى أَنَّ وَلَاءَ هَا لَنَا، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" لَا يَمْنَعُكِ ذٰلِكَ فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ"[راجع: ٢١٥٦]

بَابُ اسْتِعَانَةِ الْمُكَاتَبِ، وَسُؤَالِهِ النَّاسَ

مکاتب کا مدد طلب کرنا اور لوگوں سے مانگنا

استعانة (مصدر) کی اضافت فاعل کی طرف ہے اور مفعول الناس محذوف ہے، باب کا دوسرا جملہ اس کی وضاحت کرتا ہے۔ سوال بہت بری چیز ہے، مگر کچھ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں، وہ لوگوں سے زکوٰۃ کے مال کا سوال کر سکتے ہیں، ان میں مکاتب بھی ہے۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تعاون کی درخواست کی تھی، معلوم ہوا کہ یہ جائز ہے۔

[٣-] بَابُ اسْتِعَانَةِ الْمُكَاتَبِ، وَسُؤَالِهِ النَّاسَ

[٢٥٦٣-] حدثنا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: جَاءَ تْ بَرِيْرَةُ، فَقَالَتْ: إِنِّىْ كَاتَبْتُ عَلٰى تِسْعِ أَوَاقٍ، فِىْ كُلِّ عَامٍ أُوْقِيَةٌ، فَأَعِيْنِيْنِىْ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: إِنْ أَحَبَّ أَهْلُكِ أَنْ أَعُدَّهَا لَهُمْ عَدَّةً وَاحِدَةً، وَأُعْتِقَكِ فَعَلْتُ فَيَكُوْنُ وَلَاؤُكِ لِىْ، فَذَهَبَتْ إِلٰى أَهْلِهَا، فَأَبَوْا ذٰلِكَ عَلَيْهَا، فَقَالَتْ: إِنِّىْ قَدْ عَرَضْتُ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ، فَأَبَوْا إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ الْوَلَاءُ لَهُمْ، فَسَمِعَ بِذٰلِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَسَأَلَنِىْ فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ:" خُذِيْهَا فَأَعْتِقِيْهَا وَاشْتَرِطِىْ لَهُمُ الْوَلَاءَ، فَإِنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْتَقَ" قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِى النَّاسِ، فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ:" أَمَّا بَعْدُ، فَمَا بَالُ رِجَالٍ مِنْكُمْ يَشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَيْسَتْ فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ؟ فَأَيُّمَا شَرْطٍ كَانَ لَيْسَ فِى كِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَ بَاطِلٌ، وَإِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ، فَقَضَاءُ اللّٰهِ أَحَقُّ! وَشَرْطُ اللّٰهِ أَوْثَقُ! مَابَالُ رِجَالٍ مِنْكُمْ يَقُوْلُ أَحَدُهُمْ: أَعْتِقْ يَا فُلَانُ وَلِىَ الْوَلَاءُ، إِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ"

[راجع: ٤٥٦]

بَابُ بَيْعِ الْمُكَاتَبِ إِذَا رَضِىَ

مکاتب راضی ہو تو اس کو بیچ سکتے ہیں

اگر مکاتب کسی بھی مرحلہ میں خود کو عاجز کر دے، سپر ڈال دے اور کتابت کا معاملہ ختم کر دے تو اس کو بیچنا درست ہے،

خواہ اس نے کچھ رقم بھری ہو یا نہ بھری ہو، کیونکہ بدل کتابت کا ایک روپیہ بھی جب تک باقی رہتا ہے وہ غلام ہوتا ہے، حضرات عائشہ، زید بن ثابت اور ابن عمر رضی اللہ عنہم نے یہ بات فرمائی ہے، جو باب میں مذکور ہے۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے بدل کتابت کا کوئی حصہ نہیں بھرا تھا، پھر وہ فروخت ہونے پر راضی ہوگئیں، یعنی کتابت فسخ کردی تو مولیٰ نے ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ بیچ دیا۔

نوٹ: اگر مکاتب کتابت کا معاملہ فسخ نہ کرے تو آقا بیچ سکتا ہے یا نہیں؟ یہ اختلافی مسئلہ ہے، احناف کے نزدیک نہیں بیچ سکتا، کیونکہ اس کو عتق کا استحقاق حاصل ہوگیا ہے، پس اس کی مرضی کے بغیر نہیں بیچ سکتا۔

[٤-] بَابُ بَيْعِ الْمُكَاتَبِ إِذَا رَضِيَ

[١-] وَقَالَتْ عَائِشَةُ: هُوَ عَبْدٌ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ شَيْئٌ.

[٢-] وَقَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ: مَا بَقِيَ عَلَيْهِ دِرْهَمٌ.

[٣-] وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: هُوَ عَبْدٌ إِنْ عَاشَ وَإِنْ مَاتَ وَإِنْ جَنَى، مَا بَقِيَ عَلَيْهِ شَيْئٌ.

[٢٥٦٤-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ بَرِيْرَةَ جَاءَ تْ تَسْتَعِيْنُ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ، فَقَالَتْ لَهَا: إِنْ أَحَبَّ أَهْلُكِ أَنْ أَصُبَّ لَهُمْ ثَمَنَكِ صَبَّةً وَاحِدَةً فَأُعْتِقَكِ فَعَلْتُ، فَذَكَرَتْ بَرِيْرَةُ ذٰلِكَ لِأَهْلِهَا، فَقَالُوْا: لَا، إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ وَلَاءُ كِ لَنَا، قَالَ مَالِكٌ: قَالَ يَحْيَى: فَزَعَمَتْ عَمْرَةُ أَنَّ عَائِشَةَ ذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: "اشْتَرِيْهَا وَأَعْتِقِيْهَا، فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ" [راجع: ٤٥٦]

بَابٌ: إِذَا قَالَ الْمُكَاتَبُ: اشْتَرِنِيْ وَأَعْتِقْنِيْ فَاشْتَرَاهُ لِذٰلِكَ

مکاتب نے کسی سے کہا: مجھے خرید کر آزاد کر، چنانچہ اس نے اس مقصد کے لئے خرید لیا

اگر کوئی مکاتب کسی سے کہے کہ مجھے خرید کر آزاد کر، تو ضروری ہے کہ پہلے وہ خود کو کتابت سے عاجز کرے، غلامیت کی طرف لوٹ جائے، پھر خریدنے والا خرید کر آزاد کر سکتا ہے۔

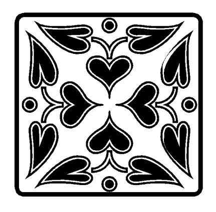
حدیث: ایمن بن نائل: عتبۃ بن ابی لہب کے غلام تھے، وہ مر گیا تو اس کے بیٹے وارث بنے، پھر انھوں نے ایمن کو ابوعمرو کے لڑکے کے ہاتھ اس شرط پر بیچ دیا کہ اگر تم اس غلام کو آزاد کرو تو اس کی ولاء ہمارے لئے ہوگی، پھر ابن ابی عمرو مخزومی نے ایمن کو آزاد کیا تو عتبہ کے لڑکے نے ولاء کا دعوی کیا، ایمن مسئلہ پوچھنے کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا قصہ سنایا کہ یہ شرط فضول ہے، ولاء اس کو ملے گی جس

نے آزاد کیا ہے۔

قوله: لاحاجة لی بذلك: روایت کا یہ جملہ یاد رکھنے کا ہے، روایات میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بریرہ رضی اللہ عنہا سے کہا تھا کہ میں تمھیں خرید کر آزاد کروں گی، اور تمہاری ولاء (میراث) مجھے ملے گی، یہ جملہ راویوں کا تصرف ہے، باب کی حدیث کا یہ جملہ صریح ہے کہ حضرت عائشہؓ کو ولاء سے کچھ لینا دینا نہیں تھا۔

[٥-] بَابٌ: إِذَا قَالَ الْمُكَاتَبُ: اشْتَرِنِیْ وَأَعْتِقْنِیْ فَاشْتَرَاهُ لِذٰلِكَ

[٢٥٦٥-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، ثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَيْمَنَ، ثَنِیْ أَبِیْ أَيْمَنُ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ، فَقُلْتُ: كُنْتُ غُلَامًا لِعُتْبَةَ بْنِ أَبِیْ لَهَبٍ، وَمَاتَ وَوَرِثَنِیْ بَنُوْهُ، وَإِنَّهُمْ بَاعُوْنِیْ مِنِ ابْنِ أَبِیْ عَمْرٍو الْمَخْزُوْمِیِّ، فَاعْتَقَنِیْ ابْنُ أَبِیْ عَمْرٍو، وَاشْتَرَطَ بَنُو عُتْبَةَ الوَلَاءِ، فَقَالَتْ: دَخَلَتْ بَرِيْرَةُ وِهِیَ مُكَاتَبَةٌ، فَقَالَتْ: اشْتَرِيْنِیْ وَأَعْتِقِيْنِیْ، قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَتْ: لَا يَبِيْعُوْنِّیْ حَتَّى يَشْتَرِطُوْا وَلَائِیْ، فَقَالَتْ: لَاحَاجَةَ لِیْ بِذٰلِكَ، فَسَمِعَ بِذٰلِكَ النَّبِیُّ صلى الله عليه وسلم أَوْ: بَلَغَهُ فَذَكَرَ لِعَائِشَةَ، فَذَكَرَتْ عَائِشَةُ مَا قَالَتْ لَهَا، فَقَالَ: "اشْتَرِيْهَا فَأَعْتِقِيْهَا وَدَعِيْهِمْ يَشْتَرِطُوْا مَا شَاؤُا" فَاشْتَرَتْهَا عَائِشَةُ فَأَعْتَقَتْهَا، وَاشْتَرَطَ أَهْلُهَا الْوَلَاءَ، فَقَالَ النَّبِیُّ صلى الله عليه وسلم: "الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ وَإِنِ اشْتَرَطُوْا مِائَةَ شَرْطٍ"



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتابُ الهِبَةِ

ہبہ کا بیان

وَفَضْلِهَا وَالتَّحْرِيْضِ عَلَيْهَا

ہبہ کی اہمیت اور اس کی ترغیب

ہبہ کے معنی ہیں: تَمْلِيْكُ المالِ بلا عوضٍ: عوض لئے بغیر کسی کو مال کا مالک بنانا، ہبہ کے ذیل میں صدقہ اور ہدیہ بھی آتے ہیں، ان دونوں میں بھی عوض لئے بغیر مال کا مالک بنایا جاتا ہے۔

پھر باب کا عنوان قائم کئے بغیر ہبہ کی اہمیت اور ترغیب کا بیان ہے، ہدیہ دینا چاہئے اور صدقہ خیرات بھی کرنی چاہئے، صدقہ میں ثواب مطلوب ہوتا ہے، غریب کی خوشنودی مقصود نہیں ہوتی، وہ خوش ہوجائے تو اس کی مرضی۔ اور ہدیہ میں جس کو ہدیہ دیا جاتا ہے اس کی خوشنودی مطلوب ہوتی ہے، مگر ثواب بھی ملتا ہے، یہ جو ثواب ملتا ہے یہی ہدیہ کی فضیلت ہے، اور حدیثوں میں ہدیہ دینے پر لوگوں کو ابھارا گیا ہے۔ نبی ﷺ نے خواتین اسلام سے فرمایا: او مسلمان عورتو! کوئی عورت اپنی پڑوسن کے لئے معمولی نہ سمجھے اگرچہ بکری کا کھر ہو، اگر کھر پکایا ہے تو تھوڑا شوربہ پڑوس میں بھیجے، یا بکری ذبح کی ہے، گوشت تقسیم ہوگیا، مگر کھر باقی ہیں تو وہی پڑوسن کے یہاں ہدیہ بھیجے، جانور کے کھر پکا کر کھائے جاتے ہیں۔

حدیث: صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ اپنے بھانجے عروۃ رحمہ اللہ سے کہا: حضور ﷺ کے زمانہ میں ہم تین چاند دیکھ لیتے تھے، یعنی دو مہینے گذر جاتے تھے، اور گھر میں چولھا نہیں جلتا تھا، بھانجے نے پوچھا: خالہ جان! آپ حضرات گذارہ کیسے کرتے تھے؟ صدیقہؓ نے فرمایا: کھجوریں کھالیتے تھے اور پانی پی لیتے تھے، یا پھر انصار جو مدینہ کے اصل باشندے تھے ان کے پاس دودھ والے جانور ہوتے تھے، وہ دودھ کا ہدیہ بھیجتے تھے، نبی ﷺ وہ دودھ ہمیں پلاتے تھے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

٥١- كتابُ الهِبَةِ

وفضلها والتحريض عليها

[٢٥٦٦-] حدثنا عَاصِمُ بْنُ عَلِيٍّ، ثَنَا ابْنُ أَبِيْ ذِئْبٍ، عَنِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ

النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ! لاَ تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا، وَلَوْ فِرْسَنَ شَاةٍ"
[انظر: ۶۰۱۷]

[۲۵۶۷-] حدثنا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَوَيْسِيُّ، ثَنِيْ ابْنُ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ يَزِيْدَ بْنِ رُوْمَانَ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّهَا قَالَتْ لِعُرْوَةَ: ابْنَ أُخْتِيْ! إِنْ كُنَّا لَنَنْظُرُ إِلَى الْهِلاَلِ، ثُمَّ الْهِلاَلِ ثَلاَثَةَ أَهِلَّةٍ فِيْ شَهْرَيْنِ، وَمَا أُوْقِدَتْ فِي أَبْيَاتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَارٌ، فَقُلْتُ: يَا خَالَةُ! مَا كَانَ يُعِيْشُكُمْ؟ قَالَتْ: الْأَسْوَدَانِ: التَّمْرُ وَالْمَاءُ، إِلَّا أَنَّهُ قَدْ كَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم جِيْرَانٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، كَانَتْ لَهُمْ مَنَائِحُ، وَكَانُوْا يَمْنَحُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ أَلْبَانِهِمْ فَيَسْقِيْنَاهُ. [انظر: ۶۴۵۸، ۶۴۵۹]

لغات: حَقَرَ (ض) الشیئَ حَقْرًا وَحَقَارَةً: ذلیل وحقیر سمجھنا یعنی نہ ہدیہ دینے والی اس کو معمولی سمجھے کہ اتنی معمولی چیز کیا دوں؟ نہ لینے والی اس کی بے قدری کرے، بلکہ عزت کے ساتھ قبول کرے.......... الفِرْسَن: کھر، پیر، جمع: فَرَاسِن .... مَنَائِحُ: مَنِیْحَةٌ کی جمع ہے: دودھ والی اونٹنی جو کسی کو دودھ پینے کے لئے دی جائے، یہاں مراد دودھ والی اونٹنی ہے۔

بَابُ الْقَلِيْلِ مِنَ الْهِبَةِ

تھوڑی بخشش

یہ ذیلی باب ہے، اگر کوئی تھوڑا ہدیہ دے تو اس کو بھی لینا چاہئے، نبی ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی میری بکری کے دست کی یا کھر کی دعوت کرے تو میں اس کو قبول کروں گا، اور اگر کوئی مجھے بکری کا دست یا کھر ہدیہ میں دے تو میں وہ بھی قبول کروں گا، یعنی ہدیہ ہدیہ ہے اس کی قدر کرنی چاہئے، معمولی ہدیہ بھی قبول کرنا چاہئے، یہی سنت ہے۔

[۲-] بَابُ الْقَلِيْلِ مِنَ الْهِبَةِ

[۲۵۶۸-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا ابْنُ أَبِيْ عَدِيٍّ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "لَوْ دُعِيْتُ إِلَى ذِرَاعٍ أَوْ كُرَاعٍ لَأَجَبْتُ، وَلَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ ذِرَاعٌ أَوْ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ" [انظر: ۵۱۷۸]

بَابُ مَنِ اسْتَوْهَبَ مِنْ أَصْحَابِهِ شَيْئًا

جس نے اپنے ساتھیوں سے کوئی چیز ہبہ مانگی

اگر ساتھی سے بے تکلفی ہے اور ظن غالب یہ ہے کہ اگر اس سے کوئی چیز مانگی جائے گی تو وہ خوش ہوگا: ایسی صورت میں

ہبہ مانگنا جائز ہے، البتہ تذلیل وتحقیر کا اندیشہ ہو اور خوش دلی کا خیال نہ ہو تو ہبہ نہیں مانگنا چاہئے، وہ سوال کے ذیل میں آتا ہے۔

اور باب میں معلق روایت یہ ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے ایک سانپ ڈسے کو سورۂ فاتحہ سے جھاڑا تھا، اور اجرت میں تیس بکریاں ملی تھیں، نبی ﷺ نے فرمایا: سریہ والے بکریاں آپس میں تقسیم کرلیں، اور میرا بھی حصہ رکھیں، یہ آپؐ نے ساتھیوں سے ہبہ مانگا، مگر پہلے یہ بات بتائی ہے کہ حضور ﷺ نے ان بکریوں کو مالِ غنیمت قرار دیا تھا اور مالِ غنیمت میں حضور ﷺ کا بھی حصہ ہوتا تھا، پس یہ ہدیہ مانگنا نہیں ہوا۔

دوسری حدیث: نبی ﷺ نے ایک انصاری خاتون سے منبر بنوایا، جو بغیر قیمت ادا کئے لیا تھا، یہ حضور ﷺ نے اس عورت سے ہدیہ مانگا، پہلے عورت نے خود کہا تھا کہ میں آپؐ کے لئے منبر بنواتی ہوں، پھر جب دیر ہوئی تو آپؐ نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ اپنے غلام سے منبر بنواؤ، یہ پیغام بھیجنا ہبہ طلب کرنا ہے۔

تیسری حدیث: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے جو حلال تھے، گورخر شکار کیا، ان کے ساتھیوں کو جو احرام میں تھے اس کا گوشت کھانے میں تردد ہوا، چنانچہ آپؐ سے مسئلہ پوچھا، آپؐ نے اجازت دی اور فرمایا: اگر اس کا کچھ گوشت تمہارے پاس باقی ہو تو مجھے بھی دو، حضرت ابو قتادہؓ گورخر کا بازو ساتھ لے گئے تھے، وہ پیش کیا، آپؐ نے اس کو تناول فرمایا، یہ آپؐ کا مانگنا ہدیہ طلب کرنا ہے۔ مگر یہاں یہ احتمال ہے کہ محرموں کا دل خوش کرنے کے لئے آپؐ نے اس کا بقیہ طلب کیا ہو، پس مقصود ہدیہ مانگنا نہیں ہوا۔

[۳-] بَابُ مَنِ اسْتَوْهَبَ مِنْ أَصْحَابِهِ شَيْئًا

وَقَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "اضْرِبُوْا لِيْ مَعَكُمْ سَهْمًا"

[۲۵۶۹-] حدثنا ابْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ، حَدَّثَنَا أَبُوْ غَسَّانَ، حَدَّثَنِيْ أَبُوْ حَازِمٍ، عَنْ سَهْلٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَرْسَلَ إِلَى امْرَأَةٍ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ، وَكَانَ لَهَا غُلَامٌ نَجَّارٌ، قَالَ لَهَا: "مُرِيْ عَبْدَكِ فَلْيَعْمَلْ لَنَا أَعْوَادَ الْمِنْبَرِ" فَأَمَرَتْ عَبْدَهَا، فَذَهَبَ فَقَطَعَ مِنَ الطَّرْفَاءِ فَصَنَعَ لَهُ مِنْبَرًا، فَلَمَّا قَضَاهُ أَرْسَلَتْ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ قَدْ قَضَاهُ، قَالَ: "أَرْسِلِيْ بِهِ إِلَيَّ" فَجَاؤُا بِهِ فَاحْتَمَلَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَوَضَعَهُ حَيْثُ تَرَوْنَ. [راجع: ۳۷۷]

قولہ: قَضَاهُ: اس کو نمٹا دیا یعنی تیار کرلیا .... إلى امرأة من المهاجرين: راوی کا وہم ہے، انصاری خاتون سے منبر بنوایا تھا، یہ بات بین السطور میں لکھی ہے۔

[۲۵۷۰-] حدثنا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ قَتَادَةَ السَّلَمِيِّ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: كُنْتُ يَوْمًا جَالِسًا مَعَ رِجَالٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلى الله عليه

وسلم فِیْ مَنْزِلٍ فِیْ طَرِیْقِ مَکَّةَ، وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم نَازِلٌ أَمَامَنَا وَالْقَوْمُ مُحْرِمُوْنَ وَأَنَا غَیْرُ مُحْرِمٍ، فَأَبْصَرُوْا حِمَارًا وَحْشِیًّا، وَأَنَا مَشْغُوْلٌ أَخْصِفُ نَعْلِیْ، فَلَمْ یُؤْذِنُوْنِیْ بِهِ، وَأَحَبُّوْا لَوْ أَنِّیْ أَبْصَرْتُهُ، فَالْتَفَتُّ فَأَبْصَرْتُهُ، فَقُمْتُ إِلَی الْفَرَسِ، فَأَسْرَجْتُهُ، ثُمَّ رَکِبْتُ وَنَسِیْتُ السَّوْطَ وَالرُّمْحَ، فَقُلْتُ لَهُمْ: نَاوِلُوْنِیْ السَّوْطَ وَالرُّمْحَ، فَقَالُوْا: لَا، وَاللّٰهِ لَا نُعِیْنُكَ عَلَیْهِ بِشَیْءٍ، فَغَضِبْتُ فَنَزَلْتُ فَأَخَذْتُهُمَا، ثُمَّ رَکِبْتُ فَشَدَدْتُ عَلَی الْحِمَارِ، فَعَقَرْتُهُ ثُمَّ جِئْتُ بِهِ وَقَدْ مَاتَ، فَوَقَعُوْا فِیْهِ یَأْکُلُوْنَهُ، ثُمَّ إِنَّهُمْ شَکُّوْا فِیْ أَکْلِهِمْ إِیَّاهُ وَهُمْ حُرُمٌ، فَرُحْنَا وَخَبَأْتُ الْعَضُدَ مَعِیْ، فَأَدْرَکْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم فَسَأَلْنَاهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ: "مَعَکُمْ مِنْهُ شَیْءٌ؟" فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَنَاوَلْتُهُ الْعَضُدَ فَأَکَلَهَا حَتّٰی نَفَّدَهَا وَهُوَ مُحْرِمٌ، فَحَدَّثَنِیْ بِهِ زَیْدُ بْنُ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ، عَنْ أَبِیْ قَتَادَةَ. [راجع: ١٨٢١]

بَابُ مَنِ اسْتَسْقَی

جس نے پانی مانگا

یہ بھی ذیلی باب ہے، کسی سے پانی مانگنا تھوڑا سا ہدیہ مانگنا ہے، اور اس میں کوئی خاص ذلت بھی نہیں، اس لئے جائز ہے، اور باب میں ایک معلق حدیث ہے: نبی ﷺ نے حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے پانی مانگا ہے، یہ حدیث تفصیل سے آگے کتاب الأشربة (حدیث نمبر ۵۶۳۷) میں آرہی ہے۔

دوسری حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ ہمارے اِس گھر میں تشریف لائے، آپؐ نے پانی طلب فرمایا، ہم نے آپؐ کے لئے ایک بکری دوہی، پھر اس میں ہمارے اِس کنویں کا پانی ملایا، اور پیش کیا، بائیں طرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور عمر رضی اللہ عنہ سامنے تھے، اور دائیں طرف ایک بدّو تھا، جب آپ مشروب نوش فرما چکے تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا: یہ ابوبکرؓ ہیں، یعنی ان کو تبرک عنایت فرمائیں، مگر آپؐ نے بدّو کو دیا اور فرمایا: الْأَیْمَنُوْنَ، الْأَیْمَنُوْنَ أَلَا فَیَمِّنُوْا: دائیں والوں کو دو پھر اس کے دائیں والوں کو، سنو! دائیں جانب کو ترجیح دو، پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے تین بار فرمایا: یہ سنت ہے۔

[٤-] بَابُ مَنِ اسْتَسْقَی

وَقَالَ سَهْلٌ: قَالَ لِیَ النَّبِیُّ صلی الله علیه وسلم: "اسْقِنِیْ"

[٢٥٧١-] حدثنا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ، ثَنَا سُلَیْمَانُ بْنُ هِلَالٍ، ثَنِیْ أَبُوْ طُوَالَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا، یَقُوْلُ: أَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم فِیْ دَارِنَا هٰذِهِ، فَاسْتَسْقَی، فَحَلَبْنَا شَاةً لَنَا، ثُمَّ شُبْتُهُ مِنْ

مَاءِ بِئْرِنَا هٰذِهِ فَأَعْطَيْتُهُ، وَأَبُوْ بَكْرٍ عَنْ يَسَارِهِ، وَعُمَرُ تُجَاهَهُ وَأَعْرَابِيٌّ عَنْ يَمِيْنِهِ، فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ عُمَرُ: هٰذَا أَبُوْ بَكْرٍ! فَأَعْطَى الْأَعْرَابِيَّ فَضْلَهُ، ثُمَّ قَالَ: "الْأَيْمَنُوْنَ الْأَيْمَنُوْنَ، أَلَا فَيَمِّنُوْا" قَالَ أَنَسٌ: فَهِيَ سُنَّةٌ، فَهِيَ سُنَّةٌ فَهِيَ سُنَّةٌ![راجع: ۲۳۵۲]

قوله:شُبْتُه: شَابَ يَشُوْبُ شَوْبًا: ملانا۔

بَابُ قَبُوْلِ هَدِيَّةِ الصَّيْدِ

شکار کا ہدیہ قبول کرنا

یہ بھی ذیلی باب ہے، کسی نے کوئی شکار کیا اور اس کا کوئی حصہ آپ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ قبول کر سکتے ہیں، اس میں کوئی ذلت نہیں، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے گورخر کا بازو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا، آپؐ نے قبول فرمایا۔

دوسری حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نے مر الظہران میں ایک خرگوش بھگایا، لوگ دوڑے مگر تھک گئے، میں نے اس کو پالیا اور پکڑ لیا، پس میں اس کو اپنے سوتیلے ابا حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس لایا، انھوں نے اس کو ذبح کیا، پھر اس کا وَرِكْ (کولھا، ران کا بالائی حصہ) یا فخذ (ران) نبی ﷺ کی خدمت میں بھیجی، آپؐ نے اس کو قبول کیا، پھر قال کا فاعل شعبہ ہیں، وہ کہتے ہیں: ورک میں تو شک ہے کہ بھیجا تھا یا نہیں؟ مگر فخذ میں کوئی شک نہیں، وہ بالیقین بھیجی تھی، پس آپؐ نے اس کو قبول فرمایا، شعبہ کے شاگرد نے پوچھا: اس کو نوش بھی فرمایا؟ شعبہ نے کہا: جی ہاں، نوش فرمایا، پھر بعد میں انھوں نے کہا: قبول فرمایا یعنی میں کھانے کی بات نہیں کہہ سکتا، روایت میں صرف قبول کرنے کا ذکر ہے۔

اور دوسری روایت وہ ہے جو پہلے گذری ہے، مقام ابواء یا ودان میں حضرت صعب بن جثامہؓ نے نبی ﷺ کی خدمت میں زندہ گورخر پیش کیا آپؐ نے قبول نہیں فرمایا، پس جب آپؐ نے ان کے چہرے پر ناگواری محسوس کی تو فرمایا: سنو! بیشک ہم نے نہیں واپس کیا ہدیہ آپ کا مگر اس وجہ سے کہ ہم حالت احرام میں ہیں۔

[۵-] بَابُ قَبُوْلِ هَدِيَّةِ الصَّيْدِ

وَقَبِلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مِنْ أَبِيْ قَتَادَةَ عَضُدَ الصَّيْدِ.

[۲۵۷۲-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدِ بْنِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: أَنْفَجْنَا أَرْنَبًا بِمَرِّ الظَّهْرَانِ، فَسَعَى الْقَوْمُ فَلَغِبُوْا، فَأَدْرَكْتُهَا، فَأَخَذْتُهَا فَأَتَيْتُ بِهَا أَبَا طَلْحَةَ فَذَبَحَهَا، وَبَعَثَ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: بِوَرِكِهَا أَوْ فَخِذَيْهَا - قَالَ: فَخِذَيْهَا لَا شَكَّ فِيْهِ - فَقَبِلَهُ. قُلْتُ: وَأَكَلَ مِنْهُ؟ قَالَ: وَأَكَلَ مِنْهُ، ثُمَّ قَالَ بَعْدُ: قَبِلَهُ.[انظر: ۵۴۸۹، ۵۵۳۵]

[٢٥٧٣-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ: ثَنِيْ مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ: أَنَّـهُ أَهْدَى لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم حِمَارًا وَحْشِيًّا وَهُوَ بِالْأَبْوَاءِ أَوْ بِوَدَّانِ فَرَدَّ عَلَيْهِ، فَلَمَّا رَأَى مَا فِي وَجْهِهِ، قَالَ: " أَمَا إِنَّا لَمْ نَرُدَّهُ عَلَيْكَ إِلَّا أَنَا حُرُمٌ"[راجع: ١٨٢٥]

لغات: أَنْفَجَ الْأَرنب: خرگوش کو پناہ گاہ سے بدکا کر نکالنا............لَغَب(ن) لَغَبًا: تھک کر چور ہونا۔

بَابُ قَبُوْلِ الْهَدِيَّةِ

ہدیہ قبول کرنا

ہدیہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کو قبول کرنا سنت ہے، جیسا کہ ابھی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے، اور اس باب میں چھ حدیثیں ہیں، جن کی باب پر دلالت واضح ہے۔

[٦-] بَابُ قَبُوْلِ الْهَدِيَّةِ

[٢٥٧٤-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسَى، ثَنَا عَبْدَةُ، ثَنَا هِشَامٌ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّاسَ كَانُوْا يَتَحَرَّوْنَ بِهَدَايَاهُمْ يَوْمَ عَائِشَةَ، يَبْتَغُوْنَ، أَوْ: يَبْتَغُوْنَ بِذٰلِكَ مَرْضَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم.

[انظر: ٢٥٨٠، ٢٥٨١، ٣٧٧٥]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: لوگ اپنے ہدایا بھیجنے میں حضرت عائشہؓ کی باری کو سوچا کرتے تھے، چاہتے تھے وہ اس سے رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی، یعنی جس دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری ہوتی تھی اس دن صحابہ ہدایا بھیجتے تھے، کیونکہ حضور ﷺ کو حضرت عائشہؓ سے محبت تھی، اس دن ہدیہ آئے گا تو آپؐ کو خوشی ہوگی، دوسری بیویوں کی باری میں ہدیہ آئے گا تو اتنی خوشی نہیں ہوگی۔

[٢٥٧٥-] حدثنا آدَمُ بْنُ أَبِيْ إِيَاسٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، ثَنَا جَعْفَرُ بْنُ إِيَاسٍ، قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيْدَ بْنَ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: أَهْدَتْ أُمُّ حُفَيْدٍ خَالَةُ ابْنِ عَبَّاسٍ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَقِطًا وَسَمْنًا وَأَضُبًّا، فَأَكَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مِنَ الْأَقِطِ وَالسَّمْنِ، وَتَرَكَ الْأَضُبَّ تَقَذُّرًا، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَأُكِلَ عَلٰى مَائِدَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَلَوْ كَانَ حَرَامًا مَا أُكِلَ عَلٰى مَائِدَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم.[انظر: ٥٣٨٩، ٥٤٠٢، ٧٣٥٨]

ترجمہ: نبی ﷺ کی سالی ام حُفیدؓ نے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ ہیں، جو نجد میں رہتی تھیں، نبی ﷺ کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر پنیر، گھی اور گوہ بھیجی، نبی ﷺ نے پنیر اور گھی کھایا اور گوہ کو گھن کرتے ہوئے نہیں کھایا۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس سے استدلال کیا کہ اگر گوہ حرام ہوتی تو آپؐ کے دسترخوان پر نہ کھائی جاتی، یعنی تقریر نبوی سے گوہ کی حلت ثابت ہوئی۔

تشریح: گوہ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک حلال ہے، اور حنفیہ کے نزدیک مکروہ یا حرام ہے، حرام کا قول مفتی بہ ہے، اور حلت پر دلالت کرنے والی مذکورہ روایت متفق علیہ ہے، اس کے علاوہ اور روایات بھی ہیں جو حلت پر دلالت کرتی ہیں، اور ابو داؤد میں بسند حسن روایت ہے کہ نبی ﷺ نے گوہ کا گوشت کھانے سے منع کیا، اور دوسری روایت حضرت عبد الرحمٰن بن حسنہ کی ہے کہ نبی ﷺ نے گوہ کی ہانڈیاں الٹوادیں۔ احناف نے ان روایات کا اور ذوق نبوی کا اعتبار کر کے گوہ کو حرام قرار دیا ہے، کیونکہ ہر حلال چیز کا کھانا ضروری نہیں، البتہ ہر حرام سے بچنا ضروری ہے۔ تفصیل تحفۃ الالمعی (۱۳۳:۴) میں ہے۔

اور اختلاف کی بنیاد دو باتیں ہیں:

۱- جب روایات میں اختلاف ہوتا ہے تو ائمہ ثلاثہ اصح مافی الباب کو لیتے ہیں، چنانچہ انھوں نے بخاری شریف کی وہ دو روایتیں لیں جو حلت پر دلالت کرتی ہیں۔ اور حنفیہ کا اصول یہ ہے کہ اگر روایات محرم و مبیح ہوں اور تقدیم و تاخیر کا قرینہ نہ ہو تو احناف محرم روایت کو ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ اس میں احتیاط ہے۔

۲- اگر ذوقِ نبوی اور ذوقِ عرب میں اختلاف ہو تو حنفیہ ذوقِ نبوی کو ترجیح دیتے ہیں، اور ائمہ ثلاثہ عرب کے ذوق کا اعتبار کرتے ہیں، مغنی ابن قدامہ میں اس اصول کی صراحت ہے کہ سمندری جانوروں میں سے جن کو عرب خبیث سمجھتے ہیں وہی حرام ہیں، اور گوہ کے مسئلہ میں نبی ﷺ کا ذوق واضح طور پر سامنے آ گیا ہے کہ آپؐ کو اس سے گھن آئی، اور آپؐ نے زندگی بھر اس کو نہیں کھایا، پس اگرچہ عرب اس کو پسند کرتے ہیں مگر حنفیہ اس کا اعتبار نہیں کرتے، اس لئے کہ شریعت صرف عربوں کے لئے نہیں آئی، ساری دنیا کے لئے آئی ہے، پس کسی خاص قوم کے ذوق کا شریعت میں کیسے اعتبار کیا جا سکتا ہے!

[۲۵۷۶-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، ثَنَا مَعْنٌ، ثَنِيْ إِبْرَاهِيْمُ بْنُ طَهْمَانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا أُتِيَ بِطَعَامٍ سَأَلَ عَنْهُ: "أَهَدِيَّةٌ أَمْ صَدَقَةٌ؟" فَإِنْ قِيْلَ: صَدَقَةٌ قَالَ لِأَصْحَابِهِ: "كُلُوْا" وَلَمْ يَأْكُلْ، وَإِنْ قِيْلَ: هَدِيَّةٌ ضَرَبَ بِيَدِهِ فَأَكَلَ مَعَهُمْ.

ترجمہ: نبی ﷺ کی خدمت میں جب کوئی کھانے کی چیز لائی جاتی تو آپؐ پوچھتے: ہدیہ ہے یا خیرات؟ اگر کہا جاتا: خیرات ہے تو آپؐ صحابہ سے فرماتے: کھاؤ اور خود نوش نہیں فرماتے تھے، اور اگر کہا جاتا کہ ہدیہ ہے تو آپؐ اپنا ہاتھ بڑھاتے، پس صحابہ کے ساتھ کھاتے (اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ کی خدمت میں ہدایا پیش کئے جاتے تھے، اور آپؐ قبول بھی فرماتے تھے، اور استفادہ بھی فرماتے تھے)

[۲۵۷۷-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثنا غُنْدَرٌ، ثنا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: أُتِیَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِلَحْمٍ، فَقِیْلَ: تُصَدِّقَ عَلٰی بَرِیْرَةَ، فَقَالَ: "هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِیَّةٌ"[راجع ۱۴۹۵]

[۲۵۷۸-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا غُنْدَرٌ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، قَالَ: سَمِعْتُهُ مِنْهُ، عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّهَا أَرَادَتْ أَنْ تَشْتَرِیَ بَرِیْرَةَ، وَأَنَّهُمُ اشْتَرَطُوْا وَلَاءَ هَا، فَذُكِرَ لِلنَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم، فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم: "اشْتَرِیْهَا فَأَعْتِقِیْهَا، فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ" وَأُهْدِیَ لَهَا لَحْمٌ، فَقَالَ لِلنَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم: هٰذَا تُصُدِّقَ بِهِ عَلٰی بَرِیْرَةَ، فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم: "هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِیَّةٌ" وَخُیِّرَتْ، قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ: زَوْجُهَا حُرٌّ أَوْ عَبْدٌ. قَالَ شُعْبَةُ: ثُمَّ سَأَلْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ عَنْ زَوْجِهَا، قَالَ: لَا أَدْرِیْ حُرٌّ أَوْ عَبْدٌ؟[راجع: ۴۵۶]

ترجمہ: نبی ﷺ کی خدمت میں گوشت لایا گیا اور کہا گیا کہ یہ بریرہؓ کو خیرات میں ملا ہے، آپؐ نے فرمایا: وہ بریرہؓ کے لئے خیرات ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے۔ یعنی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا آنحضور ﷺ کو پیش کریں گی تو ہدیہ ہوجائے گا، تبدل ملک سے تبدل شئ ہوجاتی ہے، پس وہ آپؐ کے لئے حلال ہے۔

اور دوسری حدیث میں بھی یہی مضمون ہے۔ اور دیگر مضامین بھی ہیں جو پہلے گذر چکے ہیں۔

[۲۵۷۹-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ، أَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِیْرِیْنَ، عَنْ أُمِّ عَطِیَّةَ، قَالَتْ: دَخَلَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰی عَائِشَةَ فَقَالَ: "أَعِنْدَكُمْ شَیْئٌ؟" قَالَتْ: لَا، إِلَّا شَیْئٌ بَعَثَتْ بِهِ أُمُّ عَطِیَّةَ، مِنَ الشَّاةِ الَّتِیْ بَعَثْتَ إِلَیْهَا مِنَ الصَّدَقَةِ، قَالَ: "إِنَّهَا قَدْ بَلَغَتْ مَحِلَّهَا"[راجع: ۱۴۴۶]

ترجمہ: نبی ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور پوچھا: تمہارے پاس کچھ کھانے کے لئے ہے؟ حضرت عائشہؓ نے کہا: نہیں، مگر وہ زکوٰۃ کی بکری جو آپؐ نے ام عطیہ رضی اللہ عنہا کو دی تھی، اس کو ذبح کرکے ام عطیہ نے اس کا گوشت بھیجا ہے، آپؐ نے فرمایا: بیشک وہ بکری اس کے اترنے کی جگہ پہنچ گئی (پھر جب انھوں نے ہمیں ہدیہ دیا تو اب وہ ہمارے لئے زکوٰۃ نہیں رہی)

بَابُ مَنْ أَهْدٰی إِلٰی صَاحِبِهِ، وَتَحَرَّی بَعْضَ نِسَائِهِ دُوْنَ بَعْضٍ

جس نے اپنے بڑے کو ہدیہ بھیجا اور بعض ازواج کا قصد کیا

صاحب کا لفظ بڑے چھوٹے اور برابر والے سب کے لئے ہے، مگر باب میں نبی پاک ﷺ مراد ہیں، صحابہ حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کا انتظار کرتے تھے اور اس دن ہدیہ بھیجتے تھے، اور ان کا مقصود حضور ﷺ کی خوشنودی ہوتی تھی، اور باب کی پہلی روایت پہلے آچکی ہے۔ صدیقہؓ فرماتی ہیں: لوگ اپنے ہدایا سے میرے دن کا قصد کرتے تھے، یعنی میری باری کے دن ہدیہ بھیجتے تھے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے عرض کیا: میری سہیلیاں (ازواج مطہرات) اکٹھا ہوئیں، پھر ام سلمہؓ نے آپؐ سے ان کی بات ذکر کی، پس آپؐ نے ان سے روگردانی کی، اس کی تفصیل اگلی حدیث میں ہے جس کا ترجمہ حدیث کے بعد آئے گا۔

[۸-] بَابُ مَنْ أَهْدَى إِلٰى صَاحِبِهِ، وَتَحَرَّى بَعْضَ نِسَائِهِ دُوْنَ بَعْضٍ

[۲۵۸۰-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، ثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّاسُ يَتَحَرَّوْنَ بِهَدَايَاهُمْ يَوْمِيْ، وَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: إِنَّ صَوَاحِبِي اجْتَمَعْنَ، فَذَكَرَتْ لَهُ فَأَعْرَضَ عَنْهَا. [راجع: ۲۵۷۴]

[۲۵۸۱-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ، ثَنِيْ أَخِيْ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ نِسَاءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم كُنَّ حِزْبَيْنِ: فَحِزْبٌ فِيْهِ عَائِشَةُ وَحَفْصَةُ وَصَفِيَّةُ وَسَوْدَةُ، وَالْحِزْبُ الآخَرُ: أُمُّ سَلَمَةَ وَسَائِرُ نِسَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَكَانَ الْمُسْلِمُوْنَ قَدْ عَلِمُوْا حُبَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَائِشَةَ، فَإِذَا كَانَتْ عِنْدَ أَحَدِهِمْ هَدِيَّةٌ يُرِيْدُ أَنْ يُهْدِيَهَا إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَخَّرَهَا، حَتَّى إِذَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ بَيْتِ عَائِشَةَ بَعَثَ صَاحِبُ الْهَدِيَّةِ بِهَا إِلٰي رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ بَيْتِ عَائِشَةَ، فَكَلَّمَ حِزْبُ أُمِّ سَلَمَةَ، فَقُلْنَ لَهَا: كَلِّمِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُكَلِّمُ النَّاسَ، فَيَقُوْلُ: مَنْ أَرَادَ أَنْ يُهْدِيَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم هَدِيَّةً فَلْيُهْدِهَا إِلَيْهِ حَيْثُ كَانَ مِنْ نِسَائِهِ، فَكَلَّمَتْهُ أُمُّ سَلَمَةَ بِمَا قُلْنَ فَلَمْ يَقُلْ لَهَا شَيْئًا، فَسَأَلْنَهَا، فَقَالَتْ: مَاقَالَ لِيْ شَيْئًا! فَقُلْنَ لَهَا: كَلِّمِيْهِ، قَالَتْ: فَكَلَّمَتْهُ حِيْنَ دَارَ إِلَيْهَا، فَلَمْ يَقُلْ لَهَا شَيْئًا، فَسَأَلْنَهَا فَقَالَتْ: مَاقَالَ لِيْ شَيْئًا! فَقُلْنَ لَهَا: كَلِّمِيْهِ حَتَّى يُكَلِّمَكِ، فَدَارَ إِلَيْهَا فَكَلَّمَتْهُ فَقَالَ لَهَا: "لَا تُؤْذِيْنِيْ فِي عَائِشَةَ، فَإِنَّ الْوَحْيَ لَمْ يَأْتِنِيْ وَأَنَا فِيْ ثَوْبِ امْرَأَةٍ إِلَّا عَائِشَةَ" قَالَتْ: فَقَالَتْ: أَتُوْبُ إِلٰى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ مِنْ أَذَاكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! ثُمَّ إِنَّهُنَّ دَعَوْنَ فَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَأَرْسَلْنَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم تَقُوْلُ: إِنَّ نَسَاءَ كَ يُنَاشِدْنَكَ اللّٰهَ الْعَدْلَ فِي بِنْتِ أَبِيْ بَكْرٍ، فَكَلَّمَتْهُ، فَقَالَ: "يَا بُنَيَّةُ أَلَا تُحِبِّيْنَ مَا أُحِبُّ؟" فَقَالَتْ: بَلٰى! فَرَجَعَتْ إِلَيْهِنَّ فَأَخْبَرَتْهُنَّ، فَقُلْنَ: ارْجِعِيْ إِلَيْهِ فَأَبَتْ أَنْ تَرْجِعَ، فَأَرْسَلْنَ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ فَأَتَتْهُ فَأَغْلَظَتْ، وَقَالَتْ: إِنَّ نَسَاءَ كَ يَنْشُدْنَكَ اللّٰهَ الْعَدْلَ فِي بِنْتِ ابْنِ أَبِيْ قُحَافَةَ، فَرَفَعَتْ صَوْتَهَا حَتَّى تَنَاوَلَتْ عَائِشَةَ وَهِيَ قَاعِدَةٌ فَسَبَّتْهَا، حَتَّى إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله

عليه وسلم لَيَنْظُرُ إِلٰى عَائِشَةَ: هَلْ تَكَلَّمُ؟ قَالَ: فَتَكَلَّمَتْ عَائِشَةُ تَرُدُّ عَلٰى زَيْنَبَ حَتَّى أَسْكَتَتْهَا، قَالَتْ: فَنَظَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِلٰى عَائِشَةَ وَقَالَ: " إِنَّهَا بِنْتُ أَبِي بَكْرٍ!"[راجع: ۲۵۷٤]

وَقَالَ أَبُوْ مَرْوَانَ الغَسَّانِيُّ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ عُرْوَةَ: كَانَ النَّاسُ يَتَحَرَّوْنَ بِهَدَايَاهُمْ يَوْمَ عَائِشَةَ، وَعَنْ هِشَامٍ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ قُرَيْشٍ، وَرَجُلٍ مِنَ الْمَوَالِيْ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ، قَالَتْ عَائِشَةُ: كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَاسْتَأْذَنَتْ فَاطِمَةُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی ﷺ کی ازواج کی دو جماعتیں تھیں یعنی دو ذہن تھے، ایک جماعت میں حضرات عائشہ، حفصہ، صفیہ اور سودہ رضی اللہ عنہن تھیں، اور دوسری جماعت ام سلمہ اور دیگر ازواج رضی اللہ عنہن کی تھی، اور مسلمانوں کو یہ بات یقینی طور پر معلوم تھی کہ نبی ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت ہے، پس جب کسی صحابی کے پاس کوئی ہدیہ ہوتا اور وہ نبی ﷺ کی خدمت میں اس کو پیش کرنا چاہتا تو اس کو مؤخر کرتا یہاں تک کہ جب آپؐ حضرت عائشہؓ کے گھر میں ہوتے تو ہدیہ بھیجنے والا نبی ﷺ کے پاس حضرت عائشہؓ کے گھر میں بھیجتا، پس حضرت ام سلمہؓ کی جماعت نے آپس میں مشورہ کیا، پس انھوں نے ام سلمہؓ سے کہا: آپؐ نبی ﷺ سے گفتگو کریں کہ وہ لوگوں سے گفتگو کریں، پس کہیں: جو شخص چاہتا ہے کہ نبی ﷺ کے پاس کوئی ہدیہ بھیجے تو چاہئے کہ وہ ہدیہ آپؐ کے پاس بھیجے جہاں بھی آپؐ ہوں، آپؐ کی ازواج کے گھروں میں سے، پس ام سلمہؓ نے آپؐ سے گفتگو کی وہ جو ازواج نے کہی تھی، پس آپؐ نے ام سلمہؓ سے کچھ نہیں کہا، پس ازواج نے ام سلمہؓ سے پوچھا، انھوں نے کہا: آپؐ نے مجھ سے کچھ نہیں کہا، پس ازواج نے ام سلمہؓ سے کہا: آپ پھر حضور ﷺ سے بات کریں، صدیقہ کہتی ہیں: پس ام سلمہؓ نے آپؐ سے گفتگو کی جب اگلی مرتبہ آپؐ ان کے یہاں پہنچے، پھر بھی نبی ﷺ نے ان سے کچھ نہیں کہا، پھر ازواج نے ام سلمہؓ سے پوچھا: تو انھوں نے کہا: مجھ سے آپؐ نے کچھ نہیں کہا، پس ازواج نے ام سلمہؓ سے کہا: آپ بات کرتی رہیں یہاں تک کہ آپؐ تمہیں کوئی جواب دیں، پس گھومے حضور ﷺ ام سلمہؓ کی طرف، پس انھوں نے آپؐ سے بات کی، پس آپؐ نے ان سے فرمایا: عائشہؓ کے معاملہ میں مجھے مت ستاؤ، اس لئے کہ وحی نہیں آئی میرے پاس درانحالیکہ میں کسی عورت کے کپڑوں میں ہوتا ہوں مگر عائشہؓ (مستثنیٰ ہیں) یعنی ان کے ساتھ لیٹا ہوا ہوتا ہوں تب بھی وحی آتی ہے، یہ ان کے مقبول عند اللہ ہونے کی دلیل ہے، صدیقہؓ کہتی ہیں: پس ام سلمہؓ نے جواب دیا: میں اللہ کے سامنے توبہ کرتی ہوں آپؐ کو تکلیف پہنچانے سے، اے اللہ کے رسول! پس ازواج مطہرات نے آپؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا، اور ان کو آپؐ کے پاس بھیجا کہ وہ کہیں: آپؐ کی بیویاں آپؐ کو اللہ کی قسم دیتی ہیں کہ ابوبکرؓ کی لڑکی کے معاملہ میں آپؐ انصاف کریں، پس حضرت فاطمہؓ نے آپؐ سے گفتگو کی، آپؐ نے فرمایا: بیٹی! کیا تم محبت نہیں کرتیں اس سے جس سے میں محبت کرتا ہوں؟ حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا: کیوں نہیں! پس وہ ازواج کی طرف لوٹیں اور ان کو یہ بات تبلائی، پس ازواج نے کہا: آپؐ دوبارہ جائیں، حضرت فاطمہؓ نے

دوبارہ جانے سے انکار کردیا، پس ازواج نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بھیجا، وہ آپؐ کے پاس پہنچیں، پس انھوں نے سخت گفتگو کی، اور کہا: آپؐ کی ازواج آپؐ کو اللہ کی قسم دیتی ہیں کہ ابوقحافہ کے لڑکے کی بیٹی کے معاملہ میں آپؐ انصاف کریں، پس ان کی آواز بلند ہوگئی، یہاں تک کہ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دھرلیا، اور وہ وہاں بیٹھی ہوئی تھیں، پس انھوں نے حضرت عائشہؓ کو سخت سست کہا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہؓ کی طرف دیکھنے لگے کہ کیا وہ بولتی ہیں؟ راوی کہتا ہے: پس حضرت عائشہؓ بولیں، حضرت زینبؓ کو جواب دیا، یہاں تک کہ ان کو چپکا کردیا، صدیقہؓ کہتی ہیں: پس نبی ﷺ نے حضرت عائشہؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا: یہ ابوبکرؓ کی بیٹی ہیں!

سند کا بیان: اس لمبی حدیث کو بعض روات نے تین حدیثیں بنایا ہے:

۱- امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ آخری مضمون یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ذکر کیا جاتا ہے ہشام بن عروہ سے، وہ ایک مجہول آدمی سے، وہ امام زہریؒ سے اور وہ محمد بن عبدالرحمٰنؒ سے روایت کرتے ہیں یعنی یہ سند مجہول ہے اور یہ بات مصری نسخوں میں ہے: **قال البخاریُ: الکلامُ الأخیرُ قصةُ فاطمةَ یُذْکَرُ عن ھشام بن عروة، عن رجلٍ، عن الزھری، عن محمد بن عبد الرحمن۔**

۲- ابومروان یحییٰ غسّانی ہشام سے اور وہ اپنے ابا عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ صحابہ اپنے ہدایا کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کا قصد کرتے تھے یعنی یہ مضمون اس سند سے مروی ہے۔

۳- ہشام: ایک قریشی آدمی سے اور ایک آزاد شدہ آدمی سے، وہ دونوں امام زہریؒ سے، وہ محمد بن عبدالرحمٰنؒ سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نبی ﷺ کے پاس تھیں پس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اجازت طلب کی (یہ سند بھی مجہول ہے)

اور سندوں کی مزید تفصیل مزی رحمہ اللہ نے تحفۃ الاشراف (۱۲: ۲۹۷ حدیث ۱۷۵۹۰) میں کی ہے۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ ازواج مطہرات بشر تھیں، بشریت کے تقاضے ان میں موجود تھے، اور عورت کی فطرت میں شوہر کے معاملہ میں غیرت ہوتی ہیں، پس اس حدیث میں جو ازواج مطہرات میں دو ذہن ہونے کا تذکرہ ہے وہ فطری بات ہے، اس بات کی وجہ سے ازواج مطہرات کے بارے میں کسی بدگمانی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔

بَابُ مَالاَ یُرَدُّ مِنَ الْھِبَةِ

وہ ہدیہ جو رد نہیں کرنا چاہئے

ترمذی میں روایت ہے: **ثلاثٌ لَاتُرَدُّ: الوسائِدُ والدُّھْنُ، وَاللَّبَنُ:** تین چیزیں رد نہ کی جائیں: بیٹھنے کا گدہ، تیل یعنی عطر اور دودھ۔ اور ابوداؤد اور نسائی میں روایت ہے: **مَنْ عُرِضَ علیه طِیْبٌ فلا یَرُدُّہُ، فإِنَّهُ خَفِیْفُ الْمَحْمِلِ، طَیِّبُ**

الرَّائِحَۃِ: جس کوکوئی خوشبوپیش کی جائے تووہ اس کورد نہ کرے، اس لئے کہ وہ ہلکے بوجھ کی عمدہ خوشبو ہے۔

پہلی حدیث میں جن تین چیزوں کا ذکر ہے وہ بطورمثال ہیں، ان میں حصر نہیں، اس لئے کہ ذکرعدد نفیِ ماعدا کو مستلزم نہیں، اور دوسری حدیث میں تنقیح مناط کی گئی ہے کہ یہ چیزیں خفیف المؤنۃ ہیں، پس اگر آپ کسی کے گھر جائیں، وہ بیٹھنے کے لئے گاؤ تکیہ رکھے، یا چائے پان پیش کرے تواس کو قبول کرنا چاہئے، کیونکہ یہ چیزیں کم خرچ، دل خوش کن ہیں۔

اور باب میں یہ حدیث ہے کہ عزرۃ: ثمامہ کے یہاں گئے، انھوں نے خوشبوپیش کی، اور کہا: حضرت انس رضی اللہ عنہ خوشبورد نہیں کرتے تھے، اور حضرت انسؓ یہ بھی کہتے تھے کہ نبی ﷺ خوشبورد نہیں کرتے تھے۔

ایک واقعہ: ایک غیر مقلد عالم جو حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے متعلق تھے، اور جانتے تھے کہ حضرت عام طور پر ہدیہ قبول نہیں کرتے، وہ ایک بڑی شیشی میں قیمتی عطر بھر کر لائے، اور پیش کیا، حضرت نے لینے سے انکار کیا، انھوں نے عرض کیا: نبی ﷺ خوشبورد نہیں فرماتے تھے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا: میں اُسی حدیث سے رد کر رہا ہوں، آپؐ نے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ خوشبو خفیف المحمل ہے، اس لئے اس کو لے لینا چاہئے، اور آپ جو عطر لائے ہیں وہ بہت قیمتی اور بڑی مقدار میں ہے تو کیا یہ خفیف المؤنہ ہے!

[۹-] بَابُ مَالاَ یُرَدُّ مِنَ الْھِبَۃِ

[۲۵۸۲-] حدثنا أَبُوْ مَعْمَرٍ، ثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، ثَنَا عَزْرَۃُ بْنُ ثَابِتٍ الأَنْصَارِیُّ، ثَنِیْ ثُمَامَۃُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلَیْہِ فَنَاوَلَنِیْ طِیْبًا، قَالَ: کَانَ أَنَسٌ لاَ یُرَدُّ الطِّیْبَ، قَالَ: وَزَعَمَ أَنَسٌ أَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم کان لایُرَدُّ الطِّیْبَ. [انظر: ۵۹۲۹]

بَابُ مَنْ رَأَی الْھِبَۃَ الْغَائِبَۃَ جَائِزَۃً

جس نے غیر موجود کے ہبہ کو جائز قرار دیا

کوئی چیز واہب کے پاس موجود نہیں، کہیں اور ہے: اس کو بھی ہبہ کر سکتے ہیں، مگر ہبہ تام اس وقت ہوگا جب اس پر موہوب لہ کا قبضہ ہوجائے۔ اور باب میں وہی روایت ہے جو پہلے گذری ہے: جب ہوازن کا وفد آیا تو ان کے تمام بال بچے آزاد کر کے ان کو سونپ دیئے گئے، یہ بال بچے نبی ﷺ کے پاس موجود نہیں تھے، صحابہ کے گھروں میں تھے، آپؐ نے وہ وفد کو ہبہ کئے، مگر اس استدلال میں نظر ہے، کیونکہ یہ ہبہ کا معاملہ نہیں تھا، بلکہ غلام باندیوں کو آزاد کر کے لوٹا دیا گیا تھا۔

[۱۰-] بَابُ مَنْ رَأَی الْھِبَۃَ الْغَائِبَۃَ جَائِزَۃً

[۲۵۸۳و۲۵۸۴-] حدثنا سَعِیْدُ بْنُ أَبِیْ مَرْیَمَ، ثَنَا اللَّیْثُ، ثَنِیْ عُقَیْلٌ، عَنِ ابْنِ شِھَابٍ، قَالَ: ذَکَرَ

عُرْوَةُ: أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ وَمَرْوَانَ أَخْبَرَاهُ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم حِيْنَ جَاءَ هُ وَفْدُ هَوَازِنَ، قَامَ فِي النَّاسِ فَأَثْنَى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ: "أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ إِخْوَانَكُمْ جَاؤُنَا تَائِبِيْنَ، وَإِنِّي رَأَيْتُ أَنْ أَرُدَّ إِلَيْهِمْ سَبْيَهُمْ، فَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يُطَيِّبَ ذٰلِكَ فَلْيَفْعَلْ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَكُوْنَ عَلَى حَظِّهِ حَتَّى نُعْطِيَهِ إِيَّاهُ مِنْ أَوَّلِ مَا يُفِيْءُ اللّٰهُ عَلَيْنَا، فَقَالَ النَّاسُ: طَيَّبْنَا لَكَ.

[راجع: ۲۳۰۷، ۲۳۰۸]

بَابُ الْمُكَافَأَةِ فِي الْهِبَةِ

ہدیہ کا بدلہ دینا

ہدیہ کا بدلہ دینا چاہئے، یہ سنت ہے، ارشاد ہے: تَهَادَوْا تَحَابُّوْا: ایک دوسرے کو ہدیے دولو، آپس میں محبت پیدا ہوگی۔ اور باب میں حدیث ہے کہ نبی ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کا بدلہ دیتے تھے، اس حدیث کو عیسیٰ بن یونس ہی نے مرفوع متصل کیا ہے، ہشام کے دوسرے شاگرد اس کو مرسل بیان کرتے ہیں۔

ایک واقعہ: حدیث میں یہ واقعہ آیا ہے کہ ایک بدو نے نبی ﷺ کو کوئی ہدیہ دیا، آپؐ نے اس کا عوض دیا، اور پوچھا: آپ خوش ہیں؟ اس نے کہا: نہیں، آپؐ نے اور دیا پھر پوچھا: آپ خوش ہیں؟ اس نے کہا: نہیں، آپؐ نے اور دیا اور پوچھا: آپ خوش ہیں؟ اس نے کہا: ہاں، اس دن نبی ﷺ نے فرمایا: اب میں صرف قریشی، انصاری یا ثقفی کا ہدیہ لوں گا، یعنی کسی اور کا ہدیہ قبول نہیں کروں گا (عینی)

فائدہ: اس مقصد سے کہ مجھے اچھا عوض ملے ہدیہ دینا درست نہیں، سورۃ المدثر میں ہے: ﴿وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ﴾: اور کسی کو اس غرض سے کچھ مت دو کہ دوسرے وقت زیادہ معاوضہ چاہو، پس ہدیہ دینے والے کو چاہئے کہ بے غرض ہدیہ دے، اور موہوب لہ کے لئے سنت یہ ہے کہ وہ اسی وقت یا دوسرے وقت اس کا مناسب بدلہ دے، صرف جزاک اللہ کہہ کر نہ رہ جائے، اور ہبہ بشرط العوض بحکم بیع ہے، یعنی کسی سے کہا: میں آپ کو یہ قلم دیتا ہوں، اس شرط پر کہ آپ مجھے فلاں کتاب دیں تو یہ ہبہ نہیں، بیع ہے، اس پر بیع کے احکام جاری ہونگے۔

[۱۱-] بَابُ الْمُكَافَأَةِ فِي الْهِبَةِ

[۲۵۸۵-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا عِيسَى بْنُ يُوْنُسَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيْبُ عَلَيْهَا.

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: لَمْ يَذْكُرْ وَكِيْعٌ وَمُحَاضِرٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ.

بَابُ الْهِبَةِ لِلْوَلَدِ، وَإِذَا أَعْطَى بَعْضَ وَلَدِهِ شَيْئًا لَمْ يَجُزْ، وَلاَ يُشْهَدُ عَلَيْهِ، وَهَلْ لِلْوَالِدِ أَنْ يَرْجِعَ فِي عَطِيَّتِهِ؟ وَمَا يَأْكُلُ مِنْ مَالِ وَلَدِهِ بِالْمَعْرُوْفِ

(۱) اولاد کو ہبہ کرنا (۲) اگر بعض اولاد کو کچھ دیا تو جائز نہیں (۳) اور اس کی گواہی نہ دی جائے (۴) اور کیا باپ اولاد کو دی ہوئی چیز واپس لے سکتا ہے؟ (۵) اور باپ اولاد کے مال میں سے معروف طریقہ پر کھا سکتا ہے۔

یہ لمبا چوڑا باب ہے، اس کو غور سے پڑھیں، اس باب میں پانچ باتیں بیان کی ہیں:

پہلی بات: باپ اولاد کو ہبہ دے سکتا ہے، جیسے دوسرے لوگوں کو ہدیہ دے سکتے ہیں اولاد کو بھی دے سکتے ہیں، یہ اجماعی مسئلہ ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

دوسری بات: اگر کوئی شخص اپنی بعض اولاد کو کچھ بخشے تو جائز نہیں، یہاں تک کہ ان میں انصاف کرے، اور دوسری اولاد کو بھی اس کے مانند دے، یہ مسئلہ اختلافی ہے، ائمہ: ابوحنیفہ، شافعی اور مالک رحمہم اللہ کے نزدیک بلاوجہ تفاضل مکروہ ہے، مگر حرام نہیں۔ اور امام احمد اور امام بخاری رحمہما اللہ کے نزدیک تفاضل حرام ہے، ہبہ نافذ نہیں ہوگا، پھر ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تفاضل مکروہ اس وقت ہے جب بلاوجہ ہو، اگر کسی خاص سبب سے ہو، مثلاً ایک اولاد زیادہ محتاج ہے، یا زیادہ خدمت گذار ہے، یا دینی کاموں میں مشغول ہے اس لئے اس کو زیادہ دیا تو کوئی کراہت نہیں۔

اور ائمہ ثلاثہ کا استدلال موطا مالک کی روایت سے ہے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے باغ میں سے بیس وسق کھجوریں ہبہ کیں، ابھی حضرت عائشہؓ نے اس پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آگیا، آپؓ نے بیٹی سے فرمایا: اگر تم نے ان کھجوروں پر قبضہ کرلیا ہوتا تو وہ تمہاری ہوجاتیں، لیکن تم نے ابھی تک ان کو کاٹا نہیں، ان پر قبضہ نہیں کیا، پس وہ ہبہ تام نہیں ہوا، اور اب میری موت کا وقت آگیا، پس وہ میراث ہے، تنہا تمہاری ملکیت نہیں، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ترجیح دی، اگر یہ اقدام حرام ہوتا تو وہ یہ کام کیسے کرتے؟

اور امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے ہے کہ بشیرؓ نے نعمانؓ کو ایک غلام ہبہ کیا تھا، نبی ﷺ نے اس کو درست قرار نہیں دیا۔

تیسری بات: اگر کوئی شخص اولاد میں تفاضل کرے تو جو لوگ اس واقعہ کو جانتے ہیں وہ کورٹ میں گواہی دے سکتے ہیں یا نہیں؟ امام بخاریؒ فرماتے ہیں: اس کی گواہی نہ دی جائے، یہ بات دوسرے مسئلہ میں جو اختلاف ہے اس پر متفرع ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کراہیت کے ساتھ ہبہ درست ہے، پس گواہی دے سکتے ہیں۔ اور امام احمدؒ اور امام بخاریؒ کے نزدیک یہ ہبہ درست نہیں، پس اس کی گواہی دینا بھی درست نہیں۔

چوتھی بات: والد اولاد کو دی ہوئی چیز واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے، احناف کے نزدیک نہیں لے سکتا، واپس لینے کے لئے سات موانع ہیں جو دَمْعٌ خَزَقَہ میں جمع ہیں (۱)، ان کی تفصیل تحفۃ الالمعی (۲۲۲:۴) میں ہے۔ اور باپ اور اولاد میں قرابت قریبہ ہے پس واپس نہیں لے سکتا، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک واپس لے سکتا ہے، ان کی دلیل ایک حدیث ہے جو ترمذی (حدیث ۱۲۸۵) میں ہے کوئی شخص ہبہ دے کر واپس نہ لے مگر باپ نے اولاد کو ہبہ دیا ہو تو واپس لے سکتا ہے۔

پانچویں بات: اگر ماں باپ محتاج ہوں، گذارہ کے لئے ان کو خرچہ کی ضرورت ہو تو اولاد کے مال میں سے عرف کے مطابق بے اجازت لے سکتے ہیں، عرف سے زیادہ بے اجازت استعمال کرنا جائز نہیں، جیسے کوئی مدرسہ کا سفیر آیا، باپ نے بیٹے کے مال میں سے پانچ سو روپے کی رسید کٹوائی یہ جائز نہیں۔

پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلے تین مسئلوں پر ایک حدیث سے استدلال کیا ہے، یہ حدیث اگلے باب میں آرہی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: اِعْدِلُوْا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ فِي الْعَطِيَّةِ: اپنی اولاد کے درمیان بخشش میں انصاف کرو، معلوم ہوا کہ اولاد کو ہبہ کر سکتے ہیں، مگر انصاف ضروری ہے، ورنہ ہبہ درست نہیں ہوگا، اور ایسے ہبہ کی گواہی نہ دی جائے، پھر چوتھی اور پانچویں بات بیان کی، پھر اُس حدیث کا ایک ٹکڑا لائے ہیں جو کتاب البیوع میں گذری ہے۔ ایک سفر میں نبی ﷺ اور حضرت عمر اور صاحبزادے ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے اپنے اونٹوں پر چل رہے تھے، ابن عمرؓ کا اونٹ والد کا تھا، اور وہ تیز طرار تھا، حضور ﷺ کے اونٹ سے آگے نکل جاتا تھا، حضرت عمرؓ اس کو مارتے تھے، تاکہ آگے نہ بڑھے، جب نبی ﷺ نے یہ ماجرا دیکھا تو وہ اونٹ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے خرید لیا، پھر آپؐ نے وہ اونٹ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بخش دیا اور فرمایا: اب تم جو چاہو کرو، اب وہ اونٹ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نہیں رہا۔

اس واقعہ سے حضرت نے استدلال کیا ہے کہ اگر نبی ﷺ حضرت عمرؓ سے کہتے کہ تم اپنا اونٹ صاحبزادے کو بخش دو تو وہ ضرور بخشتے، مگر اولاد میں تفاضل ہو جاتا، اس لئے آپؐ نے خرید کر بخشا، معلوم ہوا کہ اولاد میں تفاضل جائز نہیں۔

---

(۱) د: سے مراد زیادت متصلہ ہے، مثلاً کتاب ہبہ کی، موہوب لہ نے اس کی جلد بنالی، تو اب رجوع نہیں ہوسکتا —— اور م: سے مراد موت ہے یعنی اگر موہوب لہ مرجائے تو رجوع نہیں ہوسکتا —— اور ع: سے مراد عوض ہے، یعنی کسی کو کوئی چیز ہبہ کی، موہوب لہ نے اس ہبہ کا عوض دیدیا یعنی اس نے بھی جواباً کوئی چیز ہبہ کردی تو اب رجوع نہیں ہوسکتا —— اور خ: سے مراد خروج ہے یعنی موہوبہ چیز موہوب لہ کی ملک سے نکل گئی تو اب رجوع نہیں ہوسکتا —— اور ز: سے مراد زوجیت ہے، یعنی میاں بیوی ایک دوسرے کو ہبہ کریں تو رجوع نہیں ہوسکتا —— اور ق: سے مراد قرابت محرمہ ہے یعنی اگر واہب اور موہوب لہ میں ایسا رشتہ ہے کہ ان کا باہم نکاح کبھی نہیں ہوسکتا، جیسے بھائی بہن تو بھی رجوع نہیں ہوسکتا —— اور ہ: سے مراد ہلاک ہے یعنی اگر موہوبہ چیز ہلاک ہوجائے تو اب رجوع نہیں ہوسکتا (مزید تفصیل تحفۃ الالمعی ۴: ۲۲۲ میں ہے)

پھر آخر میں حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ لائے ہیں، ان کے والد نے ان کو ایک غلام بخشا تھا، اس پر گواہ بنانے کے لئے بشیرؓ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپؐ نے پوچھا: کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو ایسی بخشش دی ہے، انھوں نے کہا: نہیں، آپؐ نے فرمایا: پس غلام کو واپس لے لو، اس سے حضرت رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ تفاضل حرام ہے۔

اور تیسری اور چوتھی بات کی کوئی دلیل بیان نہیں کی، چوتھی بات تو استفہامی انداز میں لائے ہیں، کوئی فیصلہ نہیں کیا، باپ اپنی اولاد کو دی ہوئی چیز واپس لے سکتا ہے، اس کی کوئی دلیل پیش نہیں کی، اگر دلیل نکالنی ہے تو حضرت نعمانؓ کے واقعہ سے نکل سکتی ہے کہ آپؐ نے حضرت بشیرؓ سے کہا: بخشا ہوا غلام واپس لے لو، معلوم ہوا کہ باپ اولاد کو دی ہوئی چیز واپس لے سکتا ہے، اور یہ استدلال پانچویں بات میں بھی کام آئے گا کہ جب باپ ہبہ واپس لے سکتا ہے تو اولاد کے مال میں سے معروف طریقہ پر خرچ بھی کرسکتا ہے، یہ بھی گویا اولاد کو بخشے ہوئے مال میں سے واپس لینا ہے۔

[۱۲-] بَابُ الْهِبَةِ لِلْوَلَدِ

وَإِذَا أَعْطَى بَعْضَ وَلَدِهِ شَيْئًا لَمْ يَجُزْ، حَتَّى يَعْدِلَ بَيْنَهُمْ، وَيُعْطِيَ الآخَرِيْنَ مِثْلَهُ، وَلاَ يُشْهَدُ عَلَيْهِ، وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليهوسلم: " اعْدِلُوْا بَيْنَ أَوْلاَدِكُمْ فِي الْعَطِيَّةِ" وَهَلْ لِلْوَالِدِ أَنْ يَرْجِعَ فِي عَطِيَّتِهِ؟ وَمَا يَأْكُلُ مِنْ مَالِ وَلَدِهِ بِالْمَعْرُوْفِ وَلاَ يَتَعَدَّى. وَاشْتَرَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مِنْ عُمَرَ بَعِيْرًا ثُمَّ أَعْطَاهُ ابْنَ عُمَرَ، وَقَالَ: " اصْنَعْ بِهِ مَا شِئْتَ"

[۲۵۸٦-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، وَمُحَمَّدِ بْنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ: أَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ: أَنَّ أَبَاهُ أَتَى بِهِ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: إِنِّيْ نَحَلْتُ ابْنِيْ هٰذَا غُلاَمًا، فَقَالَ: " أَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَ مِثْلَهُ؟" قَالَ: لاَ، قَالَ: "فَارْجِعْهُ"[انظر: ۲۵۸۷، ۲٦۵۰]

بَابُ الإِشْهَادِ فِي الْهِبَةِ

ہبہ میں گواہ بنانا

اگر ہبہ پر گواہ بنالے تو کچھ حرج نہیں، مگر گواہ بنانا ضروری نہیں، پھر حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ لائے ہیں، ان کی اہلیہ حضرت عمرہ بنت رواحہ رضی اللہ عنہا: حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں اور بڑے طنطنہ کی خاتون تھیں، زبردست شاعرہ تھیں، ان کا حضرت بشیر بن سعدؓ سے نکاح ہوا، جب پہلا بچہ نعمان پیدا ہوا تو انھوں نے اصرار کیا کہ اس کو

کوئی چیز ہبہ کرو، حضرت بشیرؓ نے ایک باغ ان کے نام کردیا، پھر ان کو خیال آیا کہ یہ بڑا باغ ہے اور میں چھوٹے بچہ کو دے رہا ہوں، اس لئے انھوں نے وہ باغ واپس لے لیا، عمرہؓ ان کے سر ہوگئیں کہ کیوں واپس لیا؟ انھوں نے باغ کے بجائے ایک غلام دیا، عمرہؓ نے کہا: پہلے آپؓ نے باغ دیا وہ واپس لے لیا، اب غلام دے رہے ہیں، ہوسکتا ہے اس کو بھی واپس لے لیں، اس لئے میں اس ہبہ کو اس وقت مانوں گی جب آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر گواہ بنائیں، چنانچہ بشیرؓ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میں نے اپنی بیوی عمرہ کے اس لڑکے کو بخشش دی ہے اور اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپؐ کو اس کا گواہ بناؤں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ماتھا ٹھنکا، آپؐ نے پوچھا: کیا اور اولاد کو بھی اس طرح دیا ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں، آپؐ نے فرمایا: پس اللہ سے ڈرو، اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو۔ راوی کہتا ہے: وہ واپس گئے اور اپنا عطیہ واپس لے لیا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہبہ پر گواہ بنانا جائز ہے۔

[۱۳-] بَابُ الْإِشْهَادِ فِي الْهِبَةِ

[۲۵۸۷-] حدثنا حَامِدُ بْنُ عُمَرَ، ثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ عَامِرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيْرٍ، وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ، يَقُوْلُ: أَعْطَانِيْ أَبِيْ عَطِيَّةً، فَقَالَتْ عَمْرَةُ بِنْتُ رَوَاحَةَ: لَا أَرْضَى حَتَّى تُشْهِدَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَأَتَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: إِنِّيْ أَعْطَيْتُ ابْنِيْ مِنْ عَمْرَةَ بِنْتِ رَوَاحَةَ عَطِيَّةً، فَأَمَرَتْنِيْ أَنْ أُشْهِدَكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: " أَعْطَيْتَ سَائِرَ وَلَدِكَ مِثْلَ هٰذَا؟" قَالَ: لَا، قَالَ: " فَاتَّقُوْا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ" قَالَ: فَرَجَعَ فَرَدَّ عَطِيَّتَهُ. [راجع: ۲۵۸۶]

بَابُ هِبَةِ الرَّجُلِ لِامْرَأَتِهِ، وَالْمَرْأَةِ لِزَوْجِهَا

میاں بیوی کا ایک دوسرے کو ہبہ دینا

شوہر بیوی کو اور بیوی شوہر کو کوئی چیز بخشے تو جائز ہے۔ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے یہی فرمایا ہے، پھر واپس لے سکتے ہیں یا نہیں؟ حنفیہ کے نزدیک واپس نہیں لے سکتے، اس لئے کہ دونوں میں زوجیت کا تعلق ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے یہی بات فرمائی ہے۔

اور جواز کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں اپنی ازواج سے اجازت چاہی کہ آپؐ بیماری کے ایام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں گذاریں، ازواج نے اجازت دیدی، یہ بخشش ہوئی، پھر امام صاحبؒ مشہور حدیث لائے ہیں: **العائدُ فی هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُوْدُ فِي قَيْئِهِ**: بخشش دے کر واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو اپنی قی چاٹ لیتا ہے، اس حدیث سے معلوم نہیں کیا استدلال کرنا ہے، اس سے کراہت تحریمی کے ساتھ رجوع کے جواز پر بھی استدلال ہوسکتا ہے اس

لئے کہ کتا جب بہت کھالیتا ہے تو قئ کر دیتا ہے، پھر جب بھوکا ہوتا ہے اور اپنی قئ پر گذرتا ہے تو اس کو کھا کر اپنا پیٹ بھر لیتا ہے اور رجوع کے عدم جواز پر بھی استدلال ہوسکتا ہے، کیونکہ مؤمن کو اس بری مثال کا مصداق نہیں بننا چاہئے۔

ایک مسئلہ: ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا: اپنا پورا مہر معاف کر دے، یا آدھا پونا معاف کر دے، بیوی نے شرما شرمی میں معاف کر دیا، پھر جلد ہی طلاق کی نوبت آ گئی اور بیوی نے مہر کا مطالبہ کیا، امام زہریؒ فرماتے ہیں: اگر شوہر نے دھوکہ سے معاف کرالیا ہے تو وہ معافی درست نہیں، اور اگر بیوی نے خوش دلی سے معاف کیا ہے تو اب رجوع کا حق نہیں، احناف کا بھی تقریباً یہی مسلک ہے (عمدۃ) آیت کریمہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ خوش دلی سے مہر معاف کیا ہے تو معافی درست ہے۔

[۱۴-] بَابُ هِبَةِ الرَّجُلِ لِامْرَأَتِهِ، وَالْمَرْأَةِ لِزَوْجِهَا

[۱-] قَالَ إِبْرَاهِيْمُ: جَائِزَةٌ.

[۲-] وَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ: لاَ يَرْجِعَانِ.

[۳-] واسْتَأْذَنَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم نِسَاءَ هُ فِي أَنْ يُمَرَّضَ فِيْ بَيْتِ عَائِشَةَ.

[٤-] وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "الْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُوْدُ فِيْ قَيْئِهِ"

[٥-] وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِيْمَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ: هَبِيْ لِيْ بَعْضَ صَدَاقِكِ أَوْ كُلَّهُ، ثُمَّ لَمْ يَمْكُثْ إِلَّا يَسِيْرًا حَتَّى طَلَّقَهَا فَرَجَعَتْ فِيْهِ، قَالَ: يَرُدُّ إِلَيْهَا إِنْ كَانَ خَلَبَهَا، وَإِنْ كَانَتْ أَعْطَتْهُ عَنْ طِيْبِ نَفْسٍ لَيْسَ فِيْ شَيْئٍ مِنْ أَمْرِهِ خَدِيْعَةٌ جَازَ.

[٦-] قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْئٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْئًا مَرِيْئًا﴾ [النساء: ٤]

[٢٥٨٨-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسَى، أَنَا هِشَامٌ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَتْ عَائِشَةُ: لَمَّا ثَقُلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَاشْتَدَّ وَجَعُهُ اسْتَأْذَنَ أَزْوَاجَهُ أَنْ يُمَرَّضَ فِي بَيْتِيْ فَأَذِنَّ لَهُ، فَخَرَجَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ تَخُطُّ رِجْلاَهُ الْأَرْضَ، وَكَانَ بَيْنَ الْعَبَّاسِ وَبَيْنَ رَجُلٍ آخَرَ، قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ: فَذَكَرْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَا قَالَتْ عَائِشَةُ، فَقَالَ لِيْ: وَهَلْ تَدْرِيْ مَنِ الرَّجُلُ الَّذِيْ لَمْ تُسَمِّ عَائِشَةُ؟ قُلْتُ: لاَ، قَالَ: هُوَ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ. [راجع: ١٩٨]

[٢٥٨٩-] حدثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، ثَنَا وُهَيْبٌ، ثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "الْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَقِيْءُ، ثُمَّ يَعُوْدُ فِيْ قَيْئِهِ"

[انظر: ٢٦٢١، ٢٦٢٢، ٦٩٧٥]

بَابُ هِبَةِ الْمَرْأَةِ لِغَيْرِ زَوْجِهَا وَعِتْقِهَا إِذَا كَانَ لَهَا زَوْجٌ فَهُوَ جَائِزٌ إِذَا لَمْ تَكُنْ سَفِيْهَةً، فَإِذَا كَانَتْ سَفِيْهَةً لَمْ يَجُزْ

عورت کا شوہر کے علاوہ کو ہبہ کرنا، اور غلام آزاد کرنا، جب کہ اس کا شوہر ہو: جائز ہے جب عورت ناسمجھ نہ ہو، اور اگر عورت ناسمجھ ہو تو جائز نہیں

سلف میں ایک رائے یہ تھی کہ عورت اگرچہ اپنے مال کی مالک ہے لیکن اگر وہ کسی کو کچھ ہبہ کرنا چاہے یا غلام باندی کو آزاد کرنا چاہے تو شوہر کی اجازت ضروری ہے، کیونکہ عورت ناقص العقل ہے، اور مرد کو اللہ تعالیٰ نے قوّام (ذمہ دار) بنایا ہے، پس ممکن ہے بیوی مال ضائع کر رہی ہو تو شوہر اس کو روک سکتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ اس رائے کی تردید کر رہے ہیں، فرماتے ہیں: اگر عورت عاقلہ، بالغہ، رشیدہ (سمجھ دار) ہو اس میں بیوقوفی کی کوئی علامت نہ ہو تو وہ اپنی ملکیت میں تصرف کر سکتی ہے، اگرچہ شادی شدہ ہو، اس کا شوہر موجود ہو، ہاں اگر وہ ناسمجھ ہے تو پھر شوہر کی اجازت ضروری ہے، اور دلیل ارشادِ پاک ہے کہ ''کم عقلوں کو ان کے وہ مال مت دو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مایۂ زندگی بنایا ہے'' پس اگر عورت کم عقل ہے تو وہ اپنے مال میں تصرف نہیں کر سکتی۔

نظر: مگر یہ آیت یتامی کے بارے میں ہے، بیوی کو ان پر قیاس نہیں کر سکتے، کیونکہ یتامی ولی کی ولایت میں ہوتے ہیں، پس جب تک ان میں رشد کے آثار نمودار نہ ہوں اس وقت تک ولی کو ان کا مال دینے سے منع فرمایا، اور بیوی عاقلہ بالغہ ہے، اور وہ سفیہہ ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ کون کرے گا؟ ہر شوہر یہی کہے گا کہ میری بیوی بے وقوف ہے، اس لئے میں اجازت نہیں دیتا، اس لئے یہ قیاس درست نہیں۔

پھر امام صاحبؒ نے باب میں تین حدیثیں پیش کی ہیں:

پہلی حدیث: حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے مسئلہ پوچھا کہ میرے پاس اس مال کے علاوہ کچھ نہیں جو میرے شوہر زبیر رضی اللہ عنہ مجھے دیتے ہیں، تو کیا میں اس میں سے خیرات کر سکتی ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: خیرات کرو، اور برتن میں بند کر کے مت رکھو، ورنہ تمہارے اوپر بھی برتن بند کر دیا جائے گا، اس حدیث میں نبی ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے اجازت لینے کی شرط نہیں لگائی، معلوم ہوا کہ شوہر کی اجازت کے بغیر بھی عورت خیرات کر سکتی ہے (یہ حدیث دو سندوں سے لائے ہیں)

دوسری حدیث: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے ایک باندی کو آزاد کیا، اور نبی ﷺ سے اجازت نہیں لی، نبی ﷺ جب ان کی باری کے دن آئے تو انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کو معلوم ہوا کہ میں نے اپنی باندی کو آزاد کر دیا، آپؐ نے

فرمایا: کیا واقعی آزاد کردیا؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! آپؐ نے فرمایا: اگر تم وہ باندی اپنے ماموؤں کو دیتیں تو زیادہ ثواب ملتا، اس واقعہ میں نبی ﷺ نے اعتراض نہیں کیا کہ میری اجازت کے بغیر کیوں آزاد کیا؟ البتہ یہ مسئلہ بتلایا کہ صلہ رحمی کا ثواب آزاد کرنے سے زیادہ ہے۔

تیسری حدیث: حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بخش دی تھی، اور یہ منقول نہیں کہ انھوں نے نبی ﷺ سے اجازت لی تھی، معلوم ہوا کہ شوہر کی اجازت کے بغیر بھی ہبہ کرنا جائز ہے۔

[١٥-] بَابُ هِبَةِ الْمَرْأَةِ لِغَيْرِ زَوْجِهَا وَعِتْقِهَا، إِذَا كَانَ لَهَا زَوْجٌ فَهُوَ جَائِزٌ إِذَا لَمْ تَكُنْ سَفِيْهَةً، فَإِذَا كَانَتْ سَفِيْهَةً لَمْ يَجُزْ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلاَ تُؤْتُوْا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمْ﴾[النساء: ٥]

[٢٥٩٠-] حدثنا أَبُوْ عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنِ ابْنِ أَبِيْ مُلَيْكَةَ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَسْمَاءَ قَالَتْ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَالِي مَالٌ إِلَّا مَا أَدْخَلَ عَلَيَّ الزُّبَيْرُ، فَأَتَصَدَّقُ؟ قَالَ: " تَصَدَّقِيْ وَلاَ تُوْعِيْ فَيُوْعىٰ عَلَيْكِ"[راجع: ١٤٣٤]

[٢٥٩١-] حدثنا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيْدٍ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ، ثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ فَاطِمَةَ، عَنْ أَسْمَاءَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " أَنْفِقِيْ وَلاَ تُحْصِيْ فَيُحْصِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ، وَلاَ تُوْعِيْ فَيُوْعِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ"[راجع: ١٤٣٤]

[٢٥٩٢-] حدثنا يَحْيىَ بْنُ بُكَيْرٍ، عَنِ اللَّيْثِ، عَنْ يَزِيْدَ، عَنْ بُكَيْرٍ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلٰى ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ مَيْمُوْنَةَ بِنْتَ الْحَارِثِ أَخْبَرَتْهُ، أَنَّهَا أَعْتَقَتْ وَلِيْدَةً وَلَمْ تَسْتَأْذِنِ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، فَلَمَّا كَانَ يَوْمُهَا الَّذِيْ يَدُوْرُ عَلَيْهَا فِيْهِ، قَالَتْ: أَشَعَرْتَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَنِّيْ أَعْتَقْتُ وَلِيْدَتِيْ؟ قَالَ: " أَوَ فَعَلْتِ؟" قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ: " أَمَا إِنَّكِ لَوْ أَعْطَيْتِهَا أَخْوَالَكِ، كَانَ أَعْظَمَ لِأَجْرِكِ"

وَقَالَ بَكْرُ بْنُ مُضَرَ: عَنْ عَمْرٍو، عَنْ بُكَيْرٍ، عَنْ كُرَيْبٍ، أَنَّ مَيْمُوْنَةَ أَعْتَقَتْ.[انظر: ٢٥٩٤]

[٢٥٩٣-]حدثنا حِبَّانُ بْنُ مُوْسَى، قَالَ: أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، أَنَا يُوْنُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا أَرَادَ سَفَرًا أَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهِ، فَأَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا مَعَهُ، وَكَانَ يَقْسِمُ لِكُلِّ امْرَأَةٍ مِنْهُنَّ يَوْمَهَا وَلَيْلَتَهَا، غَيْرَ أَنَّ سَوْدَةَ بِنْتَ زَمْعَةَ وَهَبَتْ يَوْمَهَا وَلَيْلَتَهَا لِعَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم تَبْتَغِيْ بِذٰلِكَ رِضَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم.

[انظر: ٢٦٣٧، ٢٦٦١، ٢٦٨٨، ٢٨٧٩، ٤٠٢٥، ٤١٤١، ٤٦٩٠، ٤٧٤٩، ٤٧٥٠، ٤٧٥٧، ٥٢١٢، ٦٦٦٢، ٦٦٧٩، ٧٣٦٩، ٧٣٧٠، ٧٥٠٠، ٧٥٤٥]

لغت: أَوْعَی الشیٔ: محفوظ کرنا، وَعَی یَعِیْ الشیٔ: برتن میں جمع کرنا۔

بَابٌ: بِمَنْ يُبْدَأُ بِالْهَدِيَّةِ؟

ہدیہ پہلے کس کو دیا جائے؟

یہ مسئلہ منصوص نہیں، اور باب میں جو دو حدیثیں ہیں وہ صریح نہیں۔ اس لئے امام صاحبؒ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا، پہلی حدیث وہ ہے جو ابھی گذری کہ نبی ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے جب انھوں نے باندی کو آزاد کیا تو فرمایا: اگر تم یہ باندی اپنے کچھ ماموؤں کو دیتیں تو ثواب زیادہ ملتا، اس میں ہبہ (عتق) اور صلہ رحمی میں ثانی کی ترجیح کا بیان ہے۔ پہلے ہدیہ کس کو دینا چاہئے اس کا بیان نہیں۔

اور دوسری حدیث میں صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ میرے دو پڑوسی ہیں ان میں سے کس کو ہدیہ دوں، آپؐ نے فرمایا: جس کا دروازہ تم سے قریب ہے۔ یہ حدیث معمولی چیزیں سالن وغیرہ ہدیہ دینے کے بارے میں ہے اور اس میں انسیت کا لحاظ کیا جاتا ہے، قریبی شخص مانوس ہو جائے تو آڑے وقت کام آئے گا، مطلق ہدیہ دینے کے بارے میں یہ حدیث نہیں ہے۔

[۱۶-] بَابٌ: بِمَنْ يُبْدَأُ بِالْهَدِيَّةِ؟

[۲۵۹۴-] وَقَالَ بَكْرٌ: عَنْ عَمْرٍو، عَنْ بُكَيْرٍ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ: إِنَّ مَيْمُوْنَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَعْتَقَتْ وَلِيْدَةً لَهَا، فَقَالَ لَهَا: "وَلَوْ وَصَلْتِ بَعْضَ أَخْوَالِكِ كَانَ أَعْظَمَ لِأَجْرِكِ"

[راجع: ۲۵۹۲]

[۲۵۹۵-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ: رَجُلٍ مِنْ بَنِيْ تَيْمِ بْنِ مُرَّةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ لِيْ جَارَيْنَ فَإِلَى أَيِّهِمَا أُهْدِي؟ قَالَ: "إِلَى أَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا" [راجع: ۲۲۵۹]

بَابُ مَنْ لَمْ يَقْبَلِ الْهَدِيَّةَ لِعِلَّةٍ

کسی وجہ سے ہدیہ قبول نہ کرنا

ہدیہ دینا سنت ہے، اسی طرح ہدیہ قبول کرنا بھی سنت ہے، لیکن اگر ہدیہ قبول کرنے کے لئے کوئی مانع ہو تو انکار بھی کیا جاسکتا ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: عہد نبوی میں ہدیہ ہدیہ ہوتا تھا، اور اب وہ رشوت ہے، یعنی امراء کو پہلے جو ہدیے دیئے جاتے تھے اس میں اخلاص ہوتا تھا، امیر کی رضا مطلوب ہوتی تھی اور اب جو لوگ امراء کو ہدیے دیتے ہیں وہ کسی وقت ان سے کام نکالتے ہیں، پس امراء کو ہدایا قبول نہیں کرنے چاہئیں۔

اور باب میں پہلی حدیث حضرت صعب رضی اللہ عنہ کی ہے، جو پہلے گذری ہے، انھوں نے زندہ گورخر نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، آپؐ احرام میں تھے، چنانچہ آپؐ نے اس کو نہیں لیا، حضرت صعبؓ کہتے ہیں: جب آپؐ نے میرے چہرے سے محسوس کیا کہ مجھے ناگواری ہوئی ہے تو آپؐ نے فرمایا: ہدیہ نہ لینے کی اور کوئی وجہ نہیں، صرف اس لئے قبول نہیں کرتا کہ میں احرام میں ہوں، اور محرم زندہ شکار کا ہدیہ قبول کرے گا تو اس کو چھوڑ دینا واجب ہوگا، پس خواہ مخواہ نقصان ہوگا، اس لئے آپؐ نے قبول نہیں فرمایا، تاکہ حضرت صعبؓ اس سے استفادہ کریں، بہر حال اس حدیث میں ہدیہ قبول نہ کرنے کی وجہ احرام میں ہونا ہے، یہ علت (وجہ) کی ایک مثال ہے۔

دوسری حدیث میں ایک واقعہ ہے: قبیلہ ازد کے ایک شخص کو جس کو ابنُ الْأُتْبِيَّہ کہا جاتا تھا زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا، جب واپس آیا تو ایک مال آپؐ کو سونپا اور کہا: یہ آپ کا ہے، اور دوسرا مال لے کر گھر جانے لگا اور کہا: یہ مجھے ہدیہ میں ملا ہے، آپؐ نے فرمایا: تم اپنے باپ کے گھر یا فرمایا: اپنی ماں کے گھر بیٹھتے، پھر دیکھتے: تمہیں ہدیہ دیا جاتا ہے یا نہیں؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! نہیں لے گا کوئی شخص حکومت کے مال میں سے کوئی چیز مگر لائے گا وہ اس کو قیامت کے دن، اٹھائے ہوئے ہوگا وہ اس کو اپنی گردن پر، اگر اونٹ ہوگا تو اس کے لئے بلبلانا ہوگا، گائے ہوگی تو اس کے لئے رینکنا ہوگا، اور بکری ہوگی تو وہ ممیار ہی ہوگی، پھر آپؐ نے اپنے ہاتھ اٹھائے، یہاں تک کہ ہم نے آپؐ کے بغل کا بھوراپن دیکھا، اور فرمایا: اے اللہ! کیا میں نے پہنچادیا! اے اللہ! کیا میں نے پہنچادیا! تین مرتبہ فرمایا۔ اس حدیث میں بھی ایک خاص علت (وجہ) کا بیان ہے جو درج ذیل مثالوں سے سمجھ میں آئے گی:

واقعہ: شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ (صدر المدرسین وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند) سیاست سے تعلق رکھتے تھے، اور اسفار کرتے تھے، ان کو جو ہدایا ملتے تھے ان میں سے جو ان کے متعلقین کا ہدیہ ہوتا تھا اس کو تو آپ رکھ لیتے تھے اور جو اجنبی کا ہدیہ ہوتا تھا اسے دارالعلوم میں داخل کر دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ حسین احمد کو کون جانتا ہے؟ یہ تو دارالعلوم کی نسبت پر ملا ہے، پس وہ میرا حق نہیں (یہ بات میں نے اساتذہ سے سنی ہے)

دوسرا واقعہ: میرا معمول ہے: میں عام طلبہ سے ہدیہ نہیں لیتا: ایک تو اس وجہ سے کہ ہمیں طلباء کا تعاون کرنا چاہئے، ان کا کھانا نہیں چاہئے، دوسری وجہ یہ ہے کہ طالب علم ہدیہ دیتا ہے، پھر امتحان کے موقعہ پر آکر روتا ہے، مجھے پاس کر دو یا مجھے زیادہ نمبر دیدو تاکہ میرا کھانا کھل جائے، جبکہ طالب علم کو رعایتی کامیاب کرنا یا استحقاق سے زیادہ نمبر دینا اس پر ظلم ہے، وہ خوش فہمی میں مبتلا ہوجاتا ہے کہ پاس تو ہونا ہی ہے، پھر محنت کیوں کریں، روٹی ملے یوں تو کھیتی کریں کیوں!

[۱۷-] بَابُ مَنْ لَمْ يَقْبَلِ الْهَدِيَّةَ لِعِلَّةٍ

وَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ، كَانَتِ الْهَدِيَّةُ فِي زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم هَدِيَّةً، وَالْيَوْمَ رِشْوَةٌ.

[۲۵۹۶-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، أَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ، أَخْبَرَهُ، أَنَّـهُ سَمِعَ الصَّعْبَ بْنَ جَثَّامَةَ اللَّيْثِيَّ، وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، يُخْبِرُ: أَنَّـهُ أَهْدَى لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم حِمَارَ وَحْشٍ، وَهُوَ بِالْأَبْوَاءِ أَوْ بِوَدَّانَ، وَهُوَ مُحْرِمٌ، فَرَدَّهُ. فَقَالَ صَعْبٌ: فَلَمَّا عَرَفَ فِي وَجْهِي رَدَّهُ هَدِيَّتِيْ. قَالَ: " لَيْسَ بِنَا رَدٌّ عَلَيْكَ وَلٰكِنَّا حُرُمٌ"[راجع: ۱۸۲۵]

[۲۵۹۷-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ أَبِيْ حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ، قَالَ: اسْتَعْمَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم رَجُلًا مِنَ الْأَزْدِ، يُقَالُ لَهُ: ابْنُ الْأُتْبِيَّةِ، عَلَى الصَّدَقَةِ، فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ: هٰذَا لَكُمْ وَهٰذَا أُهْدِيَ لِيْ. قَالَ: " فَهَلَّا جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيْهِ أَوْ: بَيْتِ أُمِّهِ فَيَنْظُرَ أَيُهْدَى لَهُ أَمْ لَا؟ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ! لَا يَأْخُذُ أَحَدٌ مِنْهُ شَيْئًا إِلَّا جَاءَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَحْمِلُهُ عَلٰى رَقَبَتِهِ، إِنْ كَانَ بَعِيْرًا لَهُ رُغَاءٌ، أَوْ بَقَرَةً لَهَا خُوَارٌ، أَوْ شَاةً تَيْعَرُ" ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ، حَتَّى رَأَيْنَا عُفْرَةَ إِبْطَيْهِ: " اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ! اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ!" ثَلَاثًا. [راجع: ۹۲۵]

بَابٌ: إِذَا وَهَبَ هِبَةً أَوْ وَعَدَ، ثُمَّ مَاتَ قَبْلَ أَنْ تَصِلَ إِلَيْهِ

کوئی چیز بخشی یا وعدہ کیا، پھر چیز اس تک پہنچنے سے پہلے مر گیا

کسی کو کوئی چیز بخشی یا وعدہ کیا اور ابھی موہوبہ چیز پر موہوب لہ کا قبضہ نہیں ہوا یا جس چیز کا وعدہ کیا تھا وہ چیز نہیں دی اور دونوں میں سے کوئی مر گیا تو ہبہ تام نہیں ہوا۔ جمہور کے نزدیک ہبہ قبضہ سے تام ہوتا ہے، امام مالک رحمہ اللہ کا اس میں اختلاف ہے، ان کے نزدیک ہبہ بیع کی طرح ہے، ایجاب وقبول سے تام ہوجاتا ہے، اور کچھ فقہاء کی رائے یہ ہے کہ جب موہوبہ چیز واہب نے اپنی ملکیت سے جدا کردی تو ہبہ تام ہوگیا، خواہ قبضہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔

اور باب میں دو اثر اور ایک حدیث ہے:

پہلا اثر: حضرت عبیدۃ سلمانی رحمہ اللہ جو اکابر تابعین میں سے ہیں: فرماتے ہیں: اگر واہب اور موہوب لہ دونوں مرجائیں اور ہدیہ واہب نے اپنی ملکیت سے جدا کردیا ہو درانحالیکہ موہوب لہ زندہ تھا تو ہبہ تام ہوگیا، اب وہ موہوبہ چیز موہوب لہ کے ورثاء کی ہوگی، اور اگر واہب نے ہدیہ اپنی ملکیت سے جدا نہیں کیا تو ہبہ تام نہیں ہوا، اب وہ چیز واہب کے ورثاء کی ہے۔

وضاحت: جدا کرنے سے مراد اگر موہوب لہ یا اس کے وکیل کے قبضہ میں دیدینا ہے تو ٹھیک ہے، ہبہ تام ہوگیا اور اگر افراز ہے یعنی واہب نے وہ چیز اپنی چیزوں سے جدا کردی مگر قبضہ نہیں دیا تو حنفیہ اس فتوی سے متفق نہیں۔

دوسرا اثر: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو بھی پہلے مرجائے تو موہوبہ چیز موہوب لہ کے ورثاء کے لئے ہے، جبکہ اس پر رسول نے قبضہ کرلیا ہو۔

وضاحت: یہاں بھی رسول سے کس کا رسول مراد ہے؟ اگر موہوب لہ کا رسول مراد ہے تو ٹھیک ہے، کیونکہ رسول یا وکیل کا قبضہ اصیل کا قبضہ ہے، اور اگر واہب کا رسول مراد ہے تو حنفیہ اس فتوی سے متفق نہیں۔

حدیث: نبی ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے وعدہ کیا تھا کہ بحرین کا محصول آئے گا تو میں تمہیں اتنا اتنا تین مرتبہ دوں گا، پھر وفاتِ نبوی تک محصول نہیں آیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں آیا، انھوں نے اعلان کرایا کہ جس سے نبی ﷺ نے کوئی وعدہ کیا ہو یا اس کا نبی ﷺ پر کوئی قرضہ ہو تو وہ ہمارے پاس آئے، حضرت جابرؓ آئے اور کہا: مجھ سے نبی ﷺ نے یہ وعدہ کیا ہے، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو تین لپ بھر کر دراہم دیئے، یہ الكريم إذا وعد وفٰى کے قبیل سے ہے، شرعاً نائب پر یا وارث پر وعدہ پورا کرنا ضروری نہیں۔

[۱۸-] بَابٌ: إِذَا وَهَبَ هِبَةً أَوْ وَعَدَ، ثُمَّ مَاتَ قَبْلَ أَنْ تَصِلَ إِلَيْهِ

[۱-] وَقَالَ عَبِيْدَةُ: إِنْ مَاتَ وَكَانَتْ فُصِلَتِ الْهَدِيَّةُ، وَالْمُهْدَى لَهُ حَيٌّ، فَهِيَ لِوَرَثَتِهِ. وَإِنْ لَمْ تَكُنْ فُصِلَتْ فَهِيَ لِوَرَثَةِ الَّذِيْ أَهْدَى.

[۲-] وَقَالَ الْحَسَنُ: أَيُّهُمَا مَاتَ قَبْلُ فَهِيَ لِوَرَثَةِ الْمُهْدَى لَهُ إِذَا قَبَضَهَا الرَّسُوْلُ.

[۲۵۹۸-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنَا سُفْيَانُ، ثَنَا ابْنُ الْمُنْكَدِرِ، سَمِعْتُ جَابِرًا، قَالَ: قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " لَوْ جَاءَ مَالُ الْبَحْرَيْنِ أَعْطَيْتُكَ هٰكَذَا" ثَلَاثًا. فَلَمْ يَقْدَمْ حَتَّى تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَأَرْسَلَ أَبُوْ بَكْرٍ مُنَادِيًا فَنَادَى: مَنْ كَانَ لَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم عِدَةٌ أَوْ دَيْنٌ فَلْيَأْتِنَا، فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ: إِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَعَدَنِيْ، فَحَثٰى لِيْ ثَلَاثًا. [راجع: ۲۲۹۶]

بَابٌ: كَيْفَ يُقْبَضُ الْعَبْدُ وَالْمَتَاعُ؟

غلام اور سامان پر کیسے قبضہ کیا جائے؟

اس باب میں بیع اور ہبہ میں قبضہ کی کیفیت کا بیان مقصود ہے، بیع صرف میں قبض بالبراجم ضروری ہے، ہر عوض ہاتھ میں لینے سے ہی قبضہ ہوگا، باقی چیزوں میں تخلیہ کافی ہے، یعنی چیز اس طرح سامنے رکھ دی جائے کہ مشتری یا موہوب لہ اس کو لینا چاہے تو لے سکے، پس قبضہ ہوگیا، نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اونٹ خریدا جس پر پہلے سے ابن عمر رضی اللہ عنہما سوار تھے، پھر آپؐ نے فرمایا: عبداللہ! اب یہ اونٹ تیرا ہے، جو چاہے کر، پس ابن عمرؓ کا قبضہ ہوگیا، قبضہ کی تجدید ضروری نہیں،

اسی طرح عطر کی شیشی کسی کو دی اس نے لگا کر واپس کرنا چاہا، تو مالک نے کہا: رکھ لیں، پس قبضہ ہوگیا۔

حدیث: مخرمہ رضی اللہ عنہ نے جو ایک بوڑھے صحابی تھے، اور کچھ تنگ مزاج تھے، ایک مرتبہ نبی ﷺ کے یہاں تقسیم کے لئے قبائیں آئیں، آپؐ نے وہ تقسیم فرمائیں، مگر مخرمہؓ کو نہیں دی، وہ نہیں آئے تھے، جب حضرت مخرمہؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ اپنے بیٹے مسورؓ کو لے کر نبی ﷺ کے گھر آئے اور بیٹے سے کہا: اندر جا کر حضور ﷺ کو بلا لا، حضور سمجھ گئے کہ یہ کیوں آئے ہیں، چنانچہ آپؐ ایک قبا لے کر باہر نکلے اور مخرمہ سے کہا: یہ میں نے آپ کے لئے چھپا رکھی ہے، مخرمہؓ نے کہا: میں راضی ہوں۔

وضاحت: اس کو موہوب لہ کا یا اس کے وکیل کا قبضہ قرار دینا مشکل ہے، یہ تو امیر المؤمنین نے ایک قبا ان کو دینے کے لئے محفوظ کر رکھی ہے، پس صرف اتنے سے قبضہ نہیں ہوگا۔

[۱۹-] بَابٌ: كَيْفَ يُقْبَضُ الْعَبْدُ وَالْمَتَاعُ؟

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: كُنْتُ عَلَى بَكْرٍ صَعْبٍ، فَاشْتَرَاهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، وَقَالَ: "هُوَ لَكَ يَا عَبْدَ اللهِ"

[۲۵۹۹-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، ثنا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ أَبِيْ مُلَيْكَةَ، عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ، أَنَّهُ قَالَ: قَسَمَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَقْبِيَةً وَلَمْ يُعْطِ مَخْرَمَةَ مِنْهَا شَيْئًا، فَقَالَ مَخْرَمَةُ: يَا بُنَيَّ انْطَلِقْ بِنَا إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَانْطَلَقْتُ مَعَهُ، فَقَالَ: ادْخُلْ فَادْعُهُ لِيْ، قَالَ فَدَعَوْتُهُ لَهُ، فَخَرَجَ إِلَيْهِ وَعَلَيْهِ قَبَاءٌ مِنْهَا، فَقَالَ: "خَبَأْنَا هٰذَا لَكَ" قَالَ: فَنَظَرَ إِلَيْهِ فَقَالَ: رَضِيَ مَخْرَمَةُ.

بَابٌ: إِذَا وَهَبَ هِبَةً، فَقَبَضَهَا الآخَرُ، وَلَمْ يَقُلْ: قَبِلْتُ

کوئی چیز ہبہ کی، دوسرے نے اس پر قبضہ کرلیا، مگر نہیں کہا کہ میں نے قبول کی

ہبہ میں ایجاب تو ضروری ہے مگر قبول ضروری نہیں، قبضہ کافی ہے، بلکہ ایجاب پر قرینہ دلالت کرتا ہو تو ایجاب بھی ضروری نہیں، صرف لینا دینا کافی ہے۔ جیسے: بیع تعاطی میں حکماً ایجاب وقبول ہوتے ہیں، بیع تعاطی یعنی لینا دینا، اور کچھ نہ بولنا، جیسے کوئی شخص کوئی چیز لئے ہوئے ہے، آپ نے اس سے پوچھا: بیچتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں! پوچھا: کتنے میں؟ اس نے کہا: دس روپے میں، آپ نے کہا: لا اور دس روپے دیدیئے، یہ بیع تعاطی ہے اور صحیح ہے، اسی طرح کوئی شخص لاری میں مال بھر کر بیچ رہا ہے اور چلا رہا ہے: ہر مال دس روپے، ہر مال دس روپے، آپ نے دیکھ کر جو چیز پسند آئی وہ لے لی، اور دس روپے دیدیئے، یہ بیع تعاطی ہے، اسی طرح ہبہ میں بھی ہبہ کرنے والا تو بولے گا یا اس کا عمل ہبہ پر دلالت کرے گا مگر موہوب لہ کے لئے قبضہ کر لینا کافی ہے، میں نے قبول کیا: کہنا ضروری نہیں۔ اور باب میں اس شخص کا واقعہ ہے جس نے

رمضان میں روزہ کی حالت میں بیوی سے صحبت کی تھی، اس کے آخر میں ہے: نبی ﷺ نے اس کو چھوہاروں کا ایک بورا دیا اور فرمایا: إِذْهَبْ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ: لے جا اور اپنے گھر والوں کو کھلا، پس آپ تو بولے، مگر وہ صحابی نہیں بولے، بورا لے کر چلے گئے، یہی قبول ہے۔

[۲۰-] بَابٌ: إِذَا وَهَبَ هِبَةً، فَقَبَضَهَا الآخَرُ، وَلَمْ يَقُلْ: قَبِلْتُ

[۲۶۰۰-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوْبٍ، ثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، ثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلىٰ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: هَلَكْتُ! فَقَالَ: "وَمَا ذَاكَ؟" قَالَ: وَقَعْتُ بِأَهْلِيْ فِي رَمَضَانَ، قَالَ: "تَجِدُ رَقَبَةً؟" قَالَ: لَا، قَالَ: "فَهَلْ تَسْتَطِيْعُ أَنْ تَصُوْمَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ؟" قَالَ: لَا، قَالَ: "فَتَسْتَطِيْعُ أَنْ تُطْعِمَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا؟" قَالَ: لَا، قَالَ: فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصارِ بِعَرَقٍ، وَالْعَرَقُ: الْمِكْتَلُ فِيْهِ تَمْرٌ، فَقَالَ: "اذْهَبْ بِهٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ" قَالَ: عَلٰى أَحْوَجَ مِنَّا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا أَهْلُ بَيْتٍ أَحْوَجُ مِنَّا، ثُمَّ قَالَ: "اذْهَبْ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ"

[راجع: ۱۹۳۶]

بَابٌ: إِذَا وَهَبَ دَيْنًا عَلٰى رَجُلٍ

مقروض کا قرضہ معاف کرنا

مقروض کا قرضہ معاف کرنا 'ابراء' ہے اور ابراء بھی ایک طرح کا ہبہ ہے، پس اگر مدیون کو دین معاف کیا تو درست ہے، اور باب میں جو دلائل ذکر کئے ہیں وہ سب اسی سے متعلق ہیں۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ کسی پر قرضہ تھا وہ کسی دوسرے کو ہبہ کیا، جیسے آپ زید کے پاس ہزار روپے مانگتے تھے، وہ آپ نے بکر کو بخشے تو یہ جائز نہیں، کیونکہ یہاں قبضہ کی کوئی صورت نہیں، ہاں اگر مدیون یعنی زید وہ قرضہ بکر کو دیدے تو اب ہبہ درست ہے۔

اور باب میں پہلا اثر حکم بن عتیبہ کا ہے، انھوں نے فرمایا: مقروض کو قرضہ معاف کرنا درست ہے، اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ایک مقروض کا قرضہ معاف کیا ہے، اور یہ حدیث گذر چکی ہے کہ جس کے ذمہ کوئی قرضہ ہو تو وہ ادا کردے یا اس سے معاف کرالے، معلوم ہوا کہ ابراء درست ہے۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کے والد پر جو قرضہ تھا اس کی معافی کے لئے حضرت جابرؓ نے نبی ﷺ سے سفارش کرنے کی درخواست کی کہ قرض خواہ باغ کے سارے پھل لیلے اور باقی قرضہ معاف کردے، معلوم ہوا کہ ایسا کرنا درست ہے۔

[۲۱-] بَابٌ: إِذَاوَهَبَ دَيْنًا عَلٰى رَجُلٍ

[۱-] قَالَ شُعْبَةُ: عَنِ الْحَكَمِ: هُوَ جَائِزٌ.

[۲-] وَوَهَبَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ لِرَجُلٍ دَيْنَهُ.

[۳-] وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ كَانَ عَلَيْهِ حَقٌّ فَلْيُعْطِهِ أَوْ لِيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ.

[٤-] وَقَالَ جَابِرٌ: قُتِلَ أَبِيْ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ فَسَأَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم غُرَمَاءَهُ أَنْ يَقْبَلُوْا ثَمَرَ حَائِطِي وَيُحَلِّلُوْا أَبِيْ.

[۲۶۰۱-] حدثنا عَبْدَانُ، أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، أَنَا يُوْنُسُ، ح: وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِيْ يُوْنُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، ثَنِيْ ابْنُ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ أَخْبَرَهُ: أَنَّ أَبَاهُ قُتِلَ يَوْمَ أُحُدٍ شَهِيْدًا، فَاشْتَدَّ الْغُرَمَاءُ فِيْ حُقُوْقِهِمْ، فَأَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَكَلَّمْتُهُ، فَسَأَلَهُمْ أَنْ يَقْبَلُوْا ثَمَرَ حَائِطِيْ وَيُحَلِّلُوْا أَبِيْ فَأَبَوْا، فَلَمْ يُعْطِهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم حَائِطِيْ، وَلَمْ يَكْسِرْهُ لَهُمْ، وَلٰكِنْ قَالَ: "سَأَغْدُوْ عَلَيْكَ" فَغَدَا عَلَيْنَا حِيْنَ أَصْبَحَ، فَطَافَ فِي النَّخْلِ، فَدَعَا فِي ثَمَرِهِ بِالْبَرَكَةِ، فَجَدَدْتُهَا فَقَضَيْتُهُمْ حُقُوْقَهُمْ وَبَقِيَ لَنَا مِنْ ثَمَرِهَا بَقِيَّةٌ، ثُمَّ جِئْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَهُوَ جَالِسٌ فَأَخْبَرْتُهُ بِذٰلِكَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لِعُمَرَ: "اسْمَعْ - وَهُوَ جَالِسٌ - يَا عُمَرُ" فَقَالَ عُمَرُ: أَلَا نَكُوْنُ قَدْ عَلِمْنَا أَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ! وَاللّٰهِ إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ![راجع: ۲۱۲۷]

بَابُ هِبَةِ الْوَاحِدِ لِلْجَمَاعَةِ

ایک کا متعدد کو ہبہ کرنا

اس باب میں اوراگلے باب میں یہ مسئلہ ہے کہ مشاع (مشترک) کا ہبہ درست ہے یانہیں؟ حضرت امام بخاری اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک درست ہے، اور حنفیہ کے نزدیک اگر بخشی ہوئی چیز قابل تقسیم ہے تو اسے تقسیم کرکے دیناضروری ہے، قبضہ اسی صورت میں ممکن ہے، اگر قابل تقسیم چیز دو یا زیادہ کو تقسیم کئے بغیر بخشی اور موہوب لہم نے واہب کے مرنے سے پہلے وہ چیز تقسیم کرلی تو ہبہ درست ہے، اور اگر چیز قابل تقسیم نہ ہوتو مشاع کا ہبہ درست ہے، جیسے دوشخصوں کو ایک گھڑی بخشی: یہ درست ہے۔

اورامام صاحب نے مشاع کے ہبہ کے جواز کی دودلیلیں پیش کی ہیں:

پہلی دلیل: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہواتو ان کی میراث ان کی دو بہنوں: اسماءؓ اورام کلثوم کوملی، اوران کے

بھائی عبدالرحمٰنؓ کی اولاد کو ملی، دوسرے بھائی محمد کی اولاد کو نہیں ملی، کیونکہ وہ حقیقی بھائی نہیں تھے، پس محمد کے لڑکے قاسم محروم رہ گئے، یہ حضرت اسماءؓ کے بھتیجے ہیں، اسی طرح ابوبکر عبداللہ بھی محروم رہ گئے، یہ حضرت اسماءؓ کے بھتیجے کے لڑکے کے لڑکے ہیں، ان کا پورا نسب نامہ یہ ہے: ابوبکر عبداللہ بن ابی عتیق محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر، حضرت عبدالرحمٰنؓ کے لڑکے محمد حیات تھے وہ وارث بنے، اوران کے لڑکے عبداللہ محروم ہوگئے، پس قاسم اور ابن ابی عتیق کی دلجوئی کے لئے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا: مجھے میری بہن کی میراث میں غابہ (مدینہ کے پاس ایک جگہ کا نام) میں ایک جائداد ملی ہے اور وہ بڑی قیمتی ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مجھے اس کے ایک لاکھ درہم دینے کے لئے تیار ہیں، میں وہ جائداد تم دونوں کو دیتی ہوں، یہ مشاع کا ہبہ ہوا۔ امام صاحبؒ نے اس سے ھبة المشاع کے جواز پر استدلال کیا ہے، مگر استدلال سے پہلے یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ وہ جائداد قابل تقسیم تھی، اگر وہ نا قابل تقسیم تھی تو مشاع کا ہبہ ہمارے نزدیک بھی درست ہے، اور اگر قابل تقسیم تھی اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی وفات سے پہلے دونوں نے جائداد تقسیم کرلی تو بھی ہبہ درست ہے، کیونکہ اب مشاع کا ہبہ نہ رہا۔

دوسری دلیل: ایک مجلس میں نبی ﷺ نے بچا ہوا مشروب دائیں جانب بیٹھے ہوئے لڑکے کو عنایت فرمایا، وہ جب پی کر چھک جائے گا تو اپنی دائیں طرف والے کو دے گا، اس واقعہ میں بھی آپؐ نے مشاع مشروب ہبہ کیا ہے، معلوم ہوا کہ مشاع کا ہبہ جائز ہے، حالانکہ وہ ہبہ نہیں تھا، اباحت تھی، دائیں والا جتنا پینا چاہے گا پیئے گا، پھر آگے بڑھائے گا، پس مشاع کے ہبہ کے جواز کی دونوں دلیلیں ناطق نہیں۔

[۲۲-] بَابُ هِبَةِ الْوَاحِدِ لِلْجَمَاعَةِ

وَقَالَتْ أَسْمَاءُ لِلْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَابْنِ أَبِيْ عَتِيْقٍ: وَرِثْتُ عَنْ أُخْتِيْ عَائِشَةَ بالْغَابَةِ، وَقَدْ أَعْطَانِيْ مُعَاوِيَةُ مِائَةَ أَلْفٍ، فَهُوَ لَكُمَا.

[۲۶۰۲-] حدثنا يَحيىَ بْنُ قَزَعَةَ، ثَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أُتِيَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَ، وَعَنْ يَمِيْنِهِ غُلَامٌ وَعَنْ يَسَارِهِ الْأَشْيَاخُ، فَقَالَ لِلْغُلَامِ:" إِنْ أَذِنْتَ لِيْ أَعْطَيْتُ هٰؤُلاءِ" فَقَالَ: مَا كُنْتُ لِأُوْثِرَ بِنَصِيْبِيْ مِنْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَحَدًا، فَتَلَّهُ فِيْ يَدِهِ.[راجع: ۲۳۵۱]

لغت: تَلَّ (ن) تَلًّا الشيئَ في يدِ فلان: ہاتھ میں دینا، نا گواری کے ساتھ ہاتھ میں پٹک دینا۔

بَابُ الْهِبَةِ الْمَقْبُوْضَةِ وَغَيْرِ الْمَقْبُوْضَةِ، وَالْمَقْسُوْمَةِ وَغَيْرِ الْمَقْسُوْمَةِ

ہبہ مقبوضہ اور غیر مقبوضہ، مقسومہ اور غیر مقسومہ

چار صورتیں ہیں، حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک، چاروں صورتوں میں ہبہ درست ہے: (۱) کوئی چیز ہبہ

کرکے موہوب لہ کو اس پر قبضہ دیدیا، (۲) موہوبہ چیز کو واہب نے اپنی ملکیت سے جدا کردیا، مگر موہوب لہ کو قبضہ نہیں دیا۔ (۳) موہوبہ چیز قابل قسمت تھی تقسیم کرکے وہ موہوب لہم کو دیدی، (۴) موہوبہ چیز قابل قسمت تھی یا نہیں، تقسیم کئے بغیر ہبہ کردی: یہ چاروں صورتیں حضرت امام کے نزدیک جائز ہیں، اور ہبہ درست ہے۔

اور حنفیہ دوباتوں میں اختلاف کرتے ہیں:

(۱) موہوبہ چیز واہب نے اپنی ملکیت سے جدا کردی مگر موہوب لہ کو یا اس کے رسول کو یا اس کے وکیل کو قبضہ نہیں دیا تو ہبہ مکمل نہیں ہوا۔

(۲) کوئی چیز مشترک ہبہ کی اور وہ چیز قابل تقسیم تھی، مگر بانٹ کر نہیں دی تو ہبہ درست نہیں ہوا، البتہ اگر واہب کی حیات میں موہوب لہم بانٹ لیں تو ہبہ درست ہے۔

امام صاحبؒ کے دلائل: امام صاحب نے چار دلیلیں پیش کی ہیں:

۱- ہوازن کا واقعہ پیش کیا ہے کہ ان کی عورتیں اور بچے غلام باندی بنا کر بانٹ دیئے گئے تھے، نبی ﷺ نے وہ وفد کو لوٹا دیئے، مگر بانٹ کر نہیں دیئے۔

جواب: یہ دلیل ناطق نہیں ہے، اس لئے کہ ہوازن کا واقعہ ہبہ کا واقعہ نہیں، ان کی عورتیں اور بچے غلام باندی بنالئے گئے تھے، جب ان کو واپس کرنے کی نوبت آئی تو سب مالکان نے ان کو آزاد کردیا، اور وہ وفد کو لوٹا دیئے گئے، آزاد کرنے کے بعد ہبہ کرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، ہبہ غلام باندیوں کا کیا جاتا ہے اور وہ اب غلام باندی نہیں رہے تھے۔

۲- حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ نے اونٹ خریدا، اس کا ثمن چکایا اور ایک قیراط زائد دیا، یہ جو زیادہ دیا وہ اصل قیمت کے ساتھ ملا ہوا تھا، پس مشاع کا ہبہ درست ہوا۔

جواب: یہ دلیل بھی ناطق نہیں، اس لئے کہ صورت واقعہ یہ تھی کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ چاندی لائے، اس میں سے ثمن تول کردیا، حضرت جابرؓ لے کر چلے، آدھی مسجد پہنچے کہ واپس بلائے گئے اور آپؐ نے حضرت بلالؓ سے کہا: یہ بچی ہوئی چاندی بھی اِسے دیدو، پس وہ مفرز (جدا) تھی، ثمن کے ساتھ ملی ہوئی نہیں تھی، چنانچہ وہ قیراط حضرت جابرؓ ہمیشہ ساتھ رکھتے تھے جو واقعہ حراء میں گم ہوگیا۔

۳- ایک مجلس میں آپؐ نے مشروب نوش فرمایا، دائیں طرف ایک لڑکا تھا اور بائیں طرف بڑے لوگ تھے، آپؐ نے لڑکے سے پوچھا: تم اجازت دیتے ہو کہ میں یہ بچا ہوا ان بڑوں کو دوں؟ لڑکے نے کہا: نہیں، میں آپؐ کے تبرک کے ساتھ کسی کو ترجیح نہیں دیتا، پس آپؐ نے وہ پیالہ اس لڑکے کے ہاتھ میں پٹک دیا، اس بچے ہوئے مشروب کو لڑکا پیئے گا، پھر آگے والا، پھر آگے والا، یہ آپؐ نے مشترک چیز ہبہ کی۔

جواب: یہ ہبہ نہیں ہے اباحت ہے، جیسے دسترخوان پر مہمان بیٹھتے ہیں تو اباحت ہوتی ہے کہ جس کو جتنا کھانا ہے

کھائے، پس ہبہ اور اباحت میں فرق کرنا چاہئے۔

۴- نبی ﷺ نے ایک اونٹ خریدا، جب ثمن ادا کرنے کا وقت آیا تو دراہم دینے کے بجائے دوسرا اونٹ دیا، اور خریدے ہوئے اونٹ سے بہتر اونٹ دیا، یہ جو بہتر دیا وہ ثمن سے جدا نہیں۔ یہ حضرت کا استدلال ہے۔

جواب: یہ بھی مشاع کا ہبہ نہیں، بلکہ حسنِ قضاء ہے، اس کا مشاع کے ہبہ سے کچھ تعلق نہیں۔

[۲۳-] بَابُ الْهِبَةِ الْمَقْبُوْضَةِ وَغَيْرِ الْمَقْبُوْضَةِ، وَالْمَقْسُوْمَةِ وَغَيْرِ الْمَقْسُوْمَةِ

وَقَدْ وَهَبَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَأَصْحَابُهُ لِهَوَازِنَ مَا غَنِمُوْا مِنْهُمْ وَهُوَ غَيْرُ مَقْسُوْمٍ.

[۲۶۰۳-] حدثنا ثَابِتٌ، قَالَ ثَنَا مِسْعَرٌ، عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فِي الْمَسْجِدِ فَقَضَانِيْ وَزَادَنِيْ.[راجع: ٤٤٣]

[۲۶۰۴-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا غُنْدَرٌ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مُحَارِبٍ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: بِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بَعِيْرًا فِي سَفَرٍ، فَلَمَّا أَتَيْنَا الْمَدِيْنَةَ، قَالَ:" ائْتِ الْمَسْجِدَ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ" فَوَزَنَ. قَالَ شُعْبَةُ: أُرَاهُ: فَوَزَنَ لِيْ، قَالَ: فَأَرْجَحَ، فَمَا زَالَ شَيْئٌ حَتَّى أَصَابَهَا أَهْلُ الشَّامِ يَوْمَ الْحَرَّةِ.[راجع: ٤٤٣]

[۲۶۰۵-] حدثنا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أُتِيَ بِشَرَابٍ، وَعَنْ يَمِيْنِهِ غُلَامٌ وَعَنْ يَسَارِهِ أَشْيَاخٌ، فَقَالَ لِلْغُلَامِ:" أَتَأْذَنُ لِيْ أَنْ أُعْطِيَ هٰؤُلَاءِ؟" فَقَالَ الْغُلَامُ: لَا وَاللّٰهِ! لَا أُوْثِرُ بِنَصِيْبِيْ مِنْكَ أَحَدًا، فَتَلَّهُ فِيْ يَدِهِ.[راجع: ۲۳۵۱]

[۲۶۰۶-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ جَبَلَةَ، أَخْبَرَنِيْ أَبِيْ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سَلَمَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ لِرَجُلٍ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم دَيْنٌ، فَهَمَّ بِهِ أَصْحَابُهُ، فَقَالَ:" دَعُوْهُ فَإِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالاً" وَقَالَ:" اشْتَرُوْا لَهُ سِنًّا فَأَعْطُوْهَا إِيَّاهُ" فَقَالُوْا: إِنَّا لَانَجِدُ سِنًّا إِلَّا سِنًّا هِيَ أَفْضَلُ مِنْ سِنِّهِ، قَالَ:" فَاشْتَرُوْهَا فَأَعْطُوْهَا إِيَّاهُ فَإِنَّ مِنْ خَيْرِكُمْ أَحْسَنَكُمْ قَضَاءً"

[راجع: ۲۳۰۵]

بَابٌ: إِذَا وَهَبَ جَمَاعَةٌ لِقَوْمٍ، أَوْ وَهَبَ رَجُلٌ جَمَاعَةً: جَازَ

جماعت نے قوم کو ہبہ کیا، یا ایک شخص نے جماعت کو ہبہ کیا تو جائز ہے

باب میں دو مسئلے ہیں:

۱- واہب بھی چند اور موہوب لہم بھی چند، تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ہبہ درست ہے۔

۲-واہب ایک اور موہوب لہم چند تو اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا، یہ ہبہ بھی درست ہے۔
اور دلیل میں ہوازن کا واقعہ پیش کیا ہے، مگر ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ اس واقعہ کا ہبہ سے کچھ تعلق نہیں، اس واقعہ میں غلام باندیوں کو آزاد کر کے لوٹایا گیا تھا اور آزاد کرنے کے بعد ہبہ کا کوئی سوال نہیں۔

[۲٤-] بَابٌ: إِذَا وَهَبَ جَمَاعَةٌ لِقَوْمٍ، أَوْ وَهَبَ رَجُلٌ جَمَاعَةً: جَازَ

[۲٦۰۷و۲٦۰۸-] حدثنا يَحْيىَ بْنُ بُكَيْرٍ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ، وَالْمِسْوَرَ بْنِ مَخْرَمَةَ، أَخْبَرَاهُ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ حِيْنَ جَاءَهُ وَفْدُ هوَازِنَ مُسْلِمِيْنَ، فَسَأَلُوْهُ أَنْ يَرُدَّ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَسَبْيَهُمْ فَقَالَ لَهُمْ: "مَعِيَ مَنْ تَرَوْنَ، وَأَحَبُّ الْحَدِيْثِ إِلَيَّ أَصْدَقُهُ، فَاخْتَارُوْا إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ: إِمَّا السَّبْيَ وَإِمَّا المَالَ، وَقَدْ كُنْتُ اسْتَأْنَيْتُ" وَكَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم انْتَظَرَهُمْ بِضْعَ عَشْرَةَ لَيْلَةً حِيْنَ قَفَلَ مِنَ الطَّائِفِ، فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم غَيْرُ رَادٍّ إِلَيْهِمْ إِلَّا إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ، قَالُوْا: فَإِنَّا نَخْتَارُ سَبْيَنَا، فَقَامَ فِي الْمُسْلِمِيْنَ فَأَثْنَى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ: "أَمَّابَعْدُ، فَإِنَّ إِخْوَانَكُمْ هٰؤُلَآءِ جَاؤُنَا تَائِبِيْنَ، وَإِنِّيْ رَأَيْتُ أَنْ أَرُدَّ إِلَيْهِمْ سَبْيَهُمْ: فَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يُطَيِّبَ ذٰلِكَ فَلْيَفْعَلْ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَكُوْنَ عَلٰى حَظِّهٖ، حَتَّى نُعْطِيَهُ إِيَّاهُ مِنْ أَوَّلِ مَا يُفِيْءُ اللّٰهُ عَلَيْنَا فَلْيَفْعَلْ" فَقَالَ النَّاسُ: طَيَّبْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! لَهُمْ، فَقَالَ لَهُمْ: "إِنَّا لَا نَدْرِيْ مَنْ أَذِنَ مِنْكُمْ فِيْهِ مِمَّنْ لَمْ يَأْذَنْ، فَارْجِعُوْا حَتَّى يَرْفَعَ إِلَيْنَا عُرَفَاؤُكُمْ أَمْرَكُمْ" فَرَجَعَ النَّاسُ، فَكَلَّمَهُمْ عُرَفَاؤُهُمْ، ثُمَّ رَجَعُوْا إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَأَخْبَرُوْهُ أَنَّهُمْ طَيَّبُوْا وَأَذِنُوْا، فَهٰذَا الَّذِيْ بَلَغَنَا مِنْ سَبْيِ هَوَازِنَ.

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: هٰذَا الْأَخِيْرُ قَوْلُ الزُّهْرِيِّ، يَعْنِيْ: فَهٰذَا الَّذِيْ بَلَغَنَا.

قال أبو عبد الله: امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث کا آخری جملہ فهذا الذی: امام زہریؒ کا قول ہے، مروان اور مسور کا قول نہیں۔

بَابُ مَنْ أُهْدِيَ لَهُ هَدِيَّةٌ، وَعِنْدَهُ جُلَسَاؤُهُ، فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ

جس کو کوئی ہدیہ دیا گیا اور اس کے پاس ہم نشیں ہیں تو وہ زیادہ حقدار ہے

ایک جملہ لوگوں میں مشہور ہے: الهدايا مشتركة: یعنی کوئی ہدیہ ملے تو اس میں تمام اہل مجلس کا حق ہے، ان لفظوں سے تو روایت نہیں، البتہ جُلَسَاؤُهُ شُرَكَاؤُهُ: کے لفظوں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً اور موقوفاً حدیث مروی

ہے، امام بخاریؒ فرماتے ہیں: یہ بات سند کے اعتبار سے صحیح نہیں۔

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ کسی مجلس میں کسی کو کوئی چیز ہدیہ ملی تو مُہدی لہ کا حق ہے، اہل مجلس کا اس میں کوئی حق نہیں، حاشیہ میں قصہ لکھا ہے: امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی مجلس میں بادشاہ کی طرف سے کوئی بڑا ہدیہ آیا، کسی نے کہا: جُلَساؤُہُ شُرَکاؤُہُ: حضرت نے خازن سے کہا: گھر میں لیجا، اور لوگوں سے کہا: اُس روایت کا مصداق یہ مال نہیں، اس کا مصداق کھانے پینے کی چیزیں ہیں، اس میں شرکاء کا حق ہے، اور یہ بڑا مال ہے، اس میں شرکاء کا کوئی حق نہیں، اور معمولی چیزوں میں بھی مروت کا تقاضہ ہے کہ ہم نشینوں کو شریک کیا جائے، واجب نہیں۔

اور باب میں دو روایتیں ہیں، پہلی روایت میں قرض خواہ کو اس کے حق سے زیادہ دیا ہے، یہ زائد ہبہ ہے، اصل ثمن دین تھا اور جو زائد دیا وہ ہبہ ہے، وہ شخص لے کر چلا گیا، مجلس کے شرکاء کو اس میں شریک نہیں کیا، اور دوسری روایت میں نبی ﷺ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اونٹ ہبہ کیا اور فرمایا: هُوَ لَكَ: وہ تیرا ہے۔ معلوم ہوا کہ ہدیہ موہوب لہ ہی کا حق ہے، ہم نشینوں کا اس میں کوئی شرعی حق نہیں۔

[۲۵-] بَابُ مَنْ أُهْدِيَ لَهُ هَدِيَّةٌ، وَعِنْدَهُ جُلَسَاؤُهُ، فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ

وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ جُلَسَاءَهُ شُرَكَاؤُهُ، وَلَمْ يَصِحَّ.

[۲۶۰۹-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ، أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، أَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، أَنَّهُ أَخَذَ سِنًّا، فَجَاءَ صَاحِبُهُ يَتَقَاضَاهُ، فَقَالُوْا لَهُ، فَقَالَ: "إِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا" ثُمَّ قَضَاهُ أَفْضَلَ مِنْ سِنِّهِ، وَقَالَ: "أَفْضَلُكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً"[راجع: ۲۳۰۵]

[۲۶۱۰-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرٍو، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّهُ كَانَ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِيْ سَفَرٍ، وَكَانَ عَلَى بَكْرٍ صَعْبٍ لِعُمَرَ، وَكَانَ يَتَقَدَّمُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، فَيَقُوْلُ أَبُوْهُ: يَا عَبْدَ اللّٰهِ! لَا يَتَقَدَّمُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَحَدٌ. فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "بِعْنِيْهِ" فَقَالَ عُمَرُ: هُوَ لَكَ، فَاشْتَرَاهُ، ثُمَّ قَالَ: "هُوَ لَكَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ! فَاصْنَعْ بِهِ مَا شِئْتَ"[راجع: ۲۱۱۵]

وضاحت: پہلی روایت میں ہے: فقالوا له: پس صحابہ نے قرض خواہ کو سخت سست کہا۔

بَابٌ: إِذَا وَهَبَ بَعِيْرًا لِرَجُلٍ، وَهُوَ رَاكِبُهُ فَهُوَ جَائِزٌ

کسی کو اونٹ بخشا اور وہ اس پر سوار ہے تو ہبہ تام ہو گیا

کسی کو ہم نے قلم دیا، وہ لکھ کر واپس کرنے لگا، ہم نے کہا: رکھ لو، آپ کو دیا، تو یہ کہتے ہی ہبہ تام ہو گیا۔ نبی ﷺ نے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اونٹ بخشا، وہ پہلے سے اس پر سوار تھے، اس لئے قبضہ کی تجدید نہیں کی گئی، پہلا قبضہ ہی کافی سمجھا گیا۔

[٢٦-] بَابٌ: إِذَا وَهَبَ بَعِيْرًا لِرَجُلٍ، وَهُوَ رَاكِبٌ فَهُوَ جَائِزٌ

[٢٦١١-] وَقَالَ لَنَا الْحُمَيْدِيُّ: ثَنَا سُفْيَانُ، ثَنَا عَمْرٌو، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِيْ سَفَرٍ، وَكُنْتُ عَلَى بَكْرٍ صَعْبٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لِعُمَرَ: "بِعْنِيْهِ" فَابْتَاعَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " هُوَ لَكَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ"[راجع: ٢١١٥]

بَابُ هَدِيَّةِ مَا يُكْرَهُ لُبْسُهَا

جس چیز کا پہننا مکروہ ہے وہ ہدیہ دینا

ریشم کا کپڑا مردوں کے لئے حرام ہے، اگر کوئی کسی مرد کو ریشم کا کپڑا ہدیہ دے تو جائز ہے، جو بھی چیز مال ہے اور اس کی بیع درست ہے اس کا ہبہ درست ہے، رہی یہ بات کہ اس کا پہننا مردوں کے لئے حرام ہے یہ الگ بات ہے، نہیں پہنے گا، کسی اور طرح سے فائدہ اٹھائے گا، بیوی کو دے گا، بیچ دے گا، یا کسی غیر مسلم کو ہدیہ دے گا وغیرہ۔

اور باب میں تین روایتیں ہیں:

۱- حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجدِ نبوی کے دروازہ پر ایک ریشمی جوڑا بکتا ہوا دیکھا، انھوں نے نبی ﷺ کو مشورہ دیا کہ آپؐ یہ جوڑا خرید لیں اور جمعہ کے دن اور وفد سے ملاقات کے وقت اس کو پہنیں، آپؐ نے فرمایا: اس کو وہ شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، پھر دوسرے وقت ریشمی سوٹ آئے تو آپؐ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی ایک جوڑا دیا، انھوں نے عرض کیا: آپؐ نے یہ جوڑا مجھے عنایت فرمایا جبکہ آپؐ نے عطارد کے جوڑے کے بارے میں فرمایا تھا وہ جو فرمایا تھا، پس نبی ﷺ نے فرمایا: میں نے یہ تمھیں پہننے کے لئے نہیں دیا، چنانچہ انھوں نے اپنے ایک مشرک رضاعی بھائی کو جو مکہ میں تھا ہدیہ بھیج دیا۔

۲- ایک مرتبہ نبی ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے اور اندر داخل نہیں ہوئے، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے تو حضرت فاطمہؓ نے یہ بات ان سے ذکر کی، حضرت علیؓ نے یہ بات نبی ﷺ سے ذکر کی، آپؐ نے فرمایا: میں نے فاطمہؓ کے دروازہ پر منقش پردہ دیکھا، پس میں نے سوچا: مجھے دنیا سے کیا لینا ہے! حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ کے پاس آئے اور ان کو یہ بات بتائی، حضرت فاطمہؓ نے کہا: آپؐ اس پردہ کے بارے میں مجھے جو چاہیں حکم دیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: فلاں فیملی کے پاس اس کو بھیج دو، وہ ایک محتاج فیملی ہے۔

۳- حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے مجھے ایک ریشمی جوڑا بخشا، میں نے اس کو پہنا، پس میں نے آپؐ کے چہرے پر غصہ دیکھا، چنانچہ میں نے اس کو پھاڑ کر اپنے خاندان کی عورتوں میں تقسیم کر دیا۔

[۲۷-] بَابُ هَدِيَّةِ مَا يُكْرَهُ لُبْسُهَا

[۲۶۱۲-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: رَأَى عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ حُلَّةً سِيَرَاءَ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! لَوِ اشْتَرَيْتَهَا فَلَبِسْتَهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلِلْوَفْدِ، قَالَ: " إِنَّمَا يَلْبَسُهَا مَنْ لاَ خَلاَقَ لَهُ فِي الآخِرَةِ" ثُمَّ جَاءَ تْ حُلَلٌ فَأَعْطَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عُمَرَ مِنْهَا حُلَّةً، فَقَالَ: أَكَسَوْتَنِيْهَا وَقُلْتَ فِيْ حُلَّةِ عُطَارِدٍ مَا قُلْتَ؟ فَقَالَ: " إِنِّيْ لَمْ أَكْسُكَهَا لَتَلْبَسَهَا، فَكَسَاهَا عُمَرُ أَخاً لَهُ بِمَكَّةَ مشْرِكًا" [راجع: ۸۸۶]

[۲۶۱۳-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: أَتَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بَيْتَ فَاطِمَةَ فَلَمْ يَدْخُلْ عَلَيْهَا، وَجَاءَ عَلِيٌّ فَذَكَرَتْ لَهُ ذٰلِكَ، فَذَكَرَهُ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: " إِنِّيْ رَأَيْتُ عَلٰى بَابِهَا سِتْرًا مَوْشِيًّا" فَقَالَ: " مَالِيْ وَلِلدُّنْيَا" فَأَتَاهُ عَلِيٌّ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهَا فَقَالَتْ: لِيَأْمُرْنِيْ فِيْهِ بِمَا شَاءَ، قَالَ: " تُرْسِلُ بِهِ إِلٰى فُلاَنٍ، أَهْلِ بَيْتٍ بِهِمْ حَاجَةٌ"

[۲۶۱۴-] حدثنا حَجَّاج بْنُ مِنْهَالٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، أَخْبَرَنِيْ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مَيْسَرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ زَيْدَ ابْنَ وَهْبٍ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: أَهْدَى إِلَيَّ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم حُلَّةَ سِيَرَاءَ فَلَبِسْتُهَا، فَرَأَيْتُ الْغَضَبَ فِيْ وَجْهِهِ فَشَقَقْتُهَا بَيْنَ نِسَائِيْ. [انظر: ۵۳۶۶، ۵۸۴۰]

بَابُ قَبُوْلِ الْهَدِيَّةِ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

غیر مسلم کا ہدیہ قبول کرنا

غیر مسلم کا ہدیہ لے سکتے ہیں، نبی ﷺ نے لیا ہے، ہمارے ملک میں ہندو مسلمان ساتھ ساتھ بازار میں کاروبار کرتے ہیں، عید آتی ہے تو مسلمان غیر مسلم کے پاس مٹھائی بھیجتے ہیں اور دیوالی آتی ہے تو وہ بھیجتے ہیں، یہ لینا دینا درست ہے، البتہ پرشاد (چڑھاوے کی مٹھائی) لینا اور کھانا جائز نہیں۔

اور باب میں پہلی روایت یہ ہے کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا: حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو ہدیہ میں ملی تھیں، اور کافر نے دی تھی، اس کو حضرت سارہؓ نے قبول کیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ خیبر میں ایک یہودی عورت نے بکری میں زہر ملا کر حضور ﷺ کو ہدیہ میں پیش کی، آپؐ نے قبول فرمائی۔ تیسری روایت یہ ہے کہ ایلہ کے ٹھاکر نے دلدل نامی کھچر ہدیہ میں

پیش کیا، آپؐ نے اس کو قبول فرمایا، اور بدلے میں ایک چادر بھیجی، اور اس کو سمندر کا پٹا لکھ کر بھیجا۔

اور چوتھی روایت یہ ہے کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک ریشمی جبہ پیش کیا گیا، یہ دُومہ کے ٹھاکر نے ہدیہ بھیجا تھا، آپؐ نے اس کو زیب تن فرمایا، لوگ اس کو دیکھ کر حیران رہ گئے، آپؐ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے! جنت میں سعد بن معاذ کے دستی رومال اس سے اچھے ہونگے، اس وقت تک ریشم حرام نہیں ہوا تھا، بعد میں حرام ہوا، پس روایت میں تقدیم وتاخیر ہے، اور بعد والی روایت میں صراحت ہے کہ یہ جبہ دومہ کے ٹھاکر نے بھیجا تھا۔

اس کے بعد والی روایت میں ہے کہ صحابہ نے عرض کیا: اُس یہودی عورت کو قتل کر دیا جائے جس نے زہر ملا کر بکری بھیجی ہے، آپؐ نے فرمایا: نہیں، مگر بعد میں اس کے کھانے سے ایک صحابی کا انتقال ہوا، تو وہ عورت قصاص میں قتل کی گئی، اور نبی ﷺ نے لقمہ تھوک دیا تھا، نگلا نہیں تھا، مگر وہ لقمہ مسوڑوں سے لگا تو ان کو جلا دیا، پھر زندگی بھر اس کا اثر رہا، سحر اور زہر کا اثر بالکلیہ ختم نہیں ہوتا، آپؐ پر سحر بھی کیا گیا تھا اور مرض وفات میں دونوں چیزوں کا اثر ظاہر ہوا تھا۔

اور آخری روایت وہ ہے جو پہلے گذری ہے کہ ایک سفر میں نبی ﷺ کے ساتھ ایک سوتیس آدمی تھے، کھانا ختم ہوگیا، آپؐ نے پوچھا: کیا تم میں سے کسی کے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ ایک شخص کے پاس ایک صاع آٹا تھا، وہ گوندھا گیا، پھر ایک لمبو جی مشرک بکریاں لیکر آیا، آپؐ نے اس سے پوچھا: بیچے گا یا ہدیہ دے گا؟ اس نے کہا: بیچوں گا، معلوم ہوا کہ اگر وہ ہدیہ دیتا تو آپؐ اس کو قبول فرماتے۔

اس حدیث میں یہاں یہ مضمون زائد ہے کہ جب بکری ذبح کی گئی اور کلیجی پکائی گئی تو آپؐ نے ہر ایک کو اس میں سے ایک ٹکڑا دیا، جو موجود تھا اس کو اسی وقت دیا اور جو سوختہ چننے کے لئے یا پانی لینے کے لئے گیا تھا اس کا حصہ محفوظ رکھا۔ پھر دو پیالے کھانا تیار ہوا، سب نے چھک کر کھایا پھر بھی دونوں کٹوروں میں کھانا بچ گیا، جو اونٹ پر لاد کر ساتھ لے لیا گیا۔

فائدہ: ایک روایت میں ہے: نُهِيْتُ عَنْ زُبْدِ الْمُشْرِكِيْنَ: میں مشرکوں کے مکھن سے روکا گیا ہوں، یہ فرما کر آپؐ نے ابیض بن حمالؓ کا ہدیہ نہیں لیا، وہ ہدیہ میں اونٹنی لے کر آئے تھے، اور ابھی ایمان نہیں لائے تھے۔ اس حدیث کا مصداق خاص حالات ہیں، جہاں ہدیہ رد کرنے میں فائدہ کی امید ہو یا ضرر سے بچنا مقصود ہو تو غیر مسلم کا ہدیہ رد کر سکتے ہیں، چنانچہ ہدیہ قبول نہ کرنا حضرت ابیض رضی اللہ عنہ کے ایمان کا سبب بنا۔ جیسے جہاد میں غیر مسلم سے مدد لے سکتے ہیں، مگر بدر کی جنگ میں ایک غیر مسلم شریک ہونا چاہتا تھا، آپؐ نے اس کو اجازت نہیں دی، اور فرمایا: لَنْ نَسْتَعِيْنَ بِمُشْرِكٍ: میں ہرگز کسی مشرک سے مدد نہ لونگا، یہ بات اس جنگ کے ساتھ خاص تھی، وہ اسلام کی پہلی جنگ تھی، اگر اس میں غیر مسلم شریک کیا جاتا تو رہتی دنیا تک غیر مسلم احسان جتاتے کہ اسلام کی پہلی جنگ ہماری مدد سے جیتی گئی ہے، اسلام کا پودا جمانے میں ہمارا بھی حصہ ہے۔

ایک واقعہ: بنگلہ دیش میں ایک نوجوان نے جس کی ڈاڑھی نہیں تھی مجھے پانچ ٹکے ہدیہ میں پیش کئے، میں نے نہیں لئے، میں نے کہا: آپ کی ڈاڑھی نہیں، اس لئے نہیں لیتا۔ ایک سال کے بعد پھر جانا ہوا تو وہ نوجوان ملا اب اس کی شاندار

ڈاڑھی تھی، اور بہت خوبصورت لگ رہا تھا، اس نے کہا: میں وہی ہوں جس کا ہدیہ آپ نے نہیں لیا تھا، میرے دل پر اس کی چوٹ پڑی، اور میں نے اس دن سے ڈاڑھی نہیں منڈائی۔

[۲۸-] بَابُ قَبُوْلِ الْهَدِيَّةِ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

[۱-] وَقَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: "هَاجَرَ إِبْرَاهِيْمُ بِسَارَةَ، فَدَخَلَ قَرْيَةً فِيْهَا مَلِكٌ أَوْ: جَبَّارٌ، فَقَالَ: أَعْطُوْهَا آجَرَ"

[۲-] وَأُهْدِيَتْ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم شَاةٌ فِيْهَا سُمٌّ.

[۳-] وَقَالَ أَبُوْ حُمَيْدٍ: أَهْدَى مَلِكُ أَيْلَةَ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بَغْلَةً بَيْضَاءَ، فَكَسَاهُ بُرْدًا وَكَتَبَ لَهُ بِبَحْرِهِمْ.

[۲۶۱۵-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا يُوْنُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ قَتَادَةَ، ثنا أَنَسٌ، قَالَ: أُهْدِيَ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم جُبَّةُ سُنْدُسٍ، وَكَانَ يَنْهىٰ عَنِ الْحَرِيْرِ، فَعَجِبَ النَّاسُ مِنْهَا، فَقَالَ: "وَالَّذِىْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَمَنَادِيْلُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فِي الْجَنَّةِ أَحْسَنُ مِنْ هٰذَا"[انظر: ۲۶۱۶، ۳۲۴۸]

[۲۶۱۶-] وَقَالَ سَعِيْدٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ: إِنَّ أُكَيْدِرَ دُوْمَةَ أَهْدَى إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم. [راجع: ۲۶۱۵]

[۲۶۱۷-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ، قَالَ: ثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ، ثنا شُعْبَةُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ يَهُوْدِيَّةً أَتَتِ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم بِشَاةٍ مَسْمُوْمَةٍ، فَأَكَلَ مِنْهَا، فَجِيْءَ بِهَا، فَقِيْلَ: أَلَا نَقْتُلُهَا؟ قَالَ: "لَا" قَالَ: فَمَازِلْتُ أَعْرِفُهَا فِي لَهَوَاتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم.

[۲۶۱۸-] حدثنا أَبُوْ النُّعْمَانِ، ثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ عُثْمَانَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ أَبِيْ بَكْرٍ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ثَلَاثِيْنَ وَمِائَةً، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "هَلْ مَعَ أَحَدٍ مِنْكُمْ طَعَامٌ؟" فَإِذَا مَعَ رَجُلٍ صَاعٌ مِنْ طَعَامٍ أَوْ نَحْوُهُ، فَعُجِنَ، ثُمَّ جَاءَ رَجُلٌ مُشْرِكٌ مُشْعَانٌّ طَوِيْلٌ بِغَنَمٍ يَسُوْقُهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "بَيْعًا أَمْ عَطِيَّةً؟" أَوْ قَالَ: "أَمْ هِبَةً؟" قَالَ: لَا، بَلْ بَيْعٌ، فَاشْتَرَى مِنْهُ شَاةً، فَصُنِعَتْ وَأَمَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِسَوَادِ الْبَطْنِ أَنْ يُشْوَى، وَأَيْمُ اللّٰهِ! مَا فِي الثَّلَاثِيْنَ وَالْمِائَةِ إِلَّا قَدْ حَزَّ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لَهُ حَزَّةً مِنْ سَوَادِ بَطْنِهَا، إِنْ كَانَ شَاهِدًا أَعْطَاهَا إِيَّاهُ وَإِنْ كَانَ غَائِبًا خَبَأَ لَهُ، فَجَعَلَ مِنْهَا قَصْعَتَيْنِ فَأَكَلُوْا أَجْمَعُوْنَ وَشَبِعْنَا، فَفَضَلَتِ الْقَصْعَتَانِ فَحَمَلْنَاهُ عَلَى الْبَعِيْرِ، أَوْ كَمَا قَالَ. [راجع: ۲۲۱۶]

بَابُ الْهَدِيَّةِ لِلْمُشْرِكِيْنَ

غیر مسلم کو ہدیہ دینا

یہ اوپر والے باب کا برعکس باب ہے، غیر مسلم کو ہدیہ دے سکتے ہیں، اگر وہ فسادی نہ ہو، نہ کسی ضرر کا اندیشہ ہو، اور باب میں امام صاحبؒ نے ایک آیت اور دو حدیثیں لکھی ہیں:

آیت: سورۃ الممتحنہ کی آیت ۸ ہے: ''اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کرنے سے منع نہیں کرتے جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور انھوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں''

تفسیر: اس آیت میں وہ کافر مراد ہیں جو ذمی یا مصالح ہیں، ان کے ساتھ محسنانہ برتاؤ کرنا جائز ہے، اور ہدیہ دینا بھی احسان ہے اور اسی کو منصفانہ برتاؤ فرمایا ہے۔

پہلی حدیث: نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک ریشمی جبہ عنایت فرمایا، انھوں نے وہ جبہ اپنے رضاعی بھائی کے پاس جو مکہ میں تھا اور ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا: اس کی دلجوئی کے لئے ہدیہ بھیج دیا۔

دوسری حدیث: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی والدہ مدینہ آئیں، وہ غیر مسلم تھیں، حضرت اسماءؓ نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ میری ماں آئی ہے اور وہ امید لے کر آئی ہے، تو کیا میں اس کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ آپؐ نے فرمایا: اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو، یہی غیر مسلم کو ہدیہ دینا ہے۔

[۲۹-] بَابُ الْهَدِيَّةِ لِلْمُشْرِكِيْنَ

وَقَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿ لَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ [الممتحنة: ۸]

[۲۶۱۹-] حدثنا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ، ثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: رَأَى عُمَرُ حُلَّةً عَلٰى رَجُلٍ تُبَاعُ، فَقَالَ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: ابْتَعْ هٰذِهِ الْحُلَّةَ تَلْبَسْهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَإِذَا جَاءَكَ الْوَفْدُ، فَقَالَ: '' إِنَّمَا يَلْبَسُ هٰذِهِ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ'' فَأُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنْهَا بِحُلَلٍ، فَأَرْسَلَ إِلٰى عُمَرَ مِنْهَا بِحُلَّةٍ، فَقَالَ عُمَرُ: كَيْفَ أَلْبَسُهَا وَقَدْ قُلْتَ فِيْهَا مَا قُلْتَ؟ فَقَالَ: '' إِنِّيْ لَمْ أَكْسُكَهَا لِتَلْبَسَهَا، تَبِيْعُهَا أَوْ تَكْسُوْهَا'' فَأَرْسَلَ بِهَا عُمَرُ إِلٰى أَخٍ لَهُ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ، قَبْلَ أَنْ يُسْلِمَ. [راجع: ۸۸۶]

[۲۶۲۰-] حدثنا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، قَالَتْ: قَدِمَتْ عَلَيَّ أُمِّيْ وَهِيَ مُشْرِكَةٌ فِي عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَاسْتَفْتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، قُلْتُ: إِنَّ أُمِّيْ قَدِمَتْ وَهِيَ رَاغِبَةٌ، أَفَأَصِلُ أُمِّيْ؟ قَالَ: "نَعَمْ، صِلِيْ أُمَّكِ"

[انظر: ۳۱۸۳، ۵۹۷۸، ۵۹۷۹]

بَابٌ: لَايَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَرْجِعَ فِي هِبَتِهِ وَصَدَقَتِهِ

ہبہ اور صدقہ واپس لینا جائز نہیں

جمہور اور امام بخاری رحمہم اللہ کے نزدیک ہبہ اور صدقہ واپس لینا جائز نہیں، دونوں کا حکم ایک ہے۔ اور احناف کے نزدیک صدقہ تو واپس نہیں لے سکتے، کیونکہ اس میں مقصود ثواب ہوتا ہے جو مل گیا، اور ہبہ کا جب عوض مل جائے تو اس کو بھی واپس نہیں لے سکتے، اس کے علاوہ سات موانع ہیں جن کی تفصیل پہلے آئی ہے: اگر ان میں سے کوئی مانع ہو تو ہبہ بھی واپس نہیں لے سکتے۔ اور اگر ان میں سے کوئی مانع نہ ہو تو تراضی طرفین سے یا قضائے قاضی سے ہدیہ واپس لے سکتے ہیں، مگر واپس لینا مکروہ تحریمی ہے۔ اور دلیل ابن ماجہ کی حدیث ہے: الرجلُ أَحَقُّ بهبته مالم يُثَبْ: آدمی بخشی ہوئی چیز کا زیادہ حقدار ہے جب تک وہ اس کا عوض نہ دیا جائے۔

اور باب میں امام صاحبؒ نے دو حدیثیں پیش کی ہیں:

پہلی حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: العائدُ فی هِبَتِهِ كَالْعَائِدِ فِي قَيْئِهِ: ہدیہ دے کر واپس لینے والا اپنی قئ چاٹ لینے والے کی طرح ہے، یہی حدیث ان لفظوں سے بھی ہے: ليس لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ: الذى يَعُوْدُ فى هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَرْجِعُ فِيْ قَيْئِهِ: ہمیں بری مثال کا مصداق نہیں بننا چاہئے: جو شخص ہبہ دے کر واپس لیتا ہے وہ اس کتے کی طرح ہے جو اپنی قئ چاٹ لیتا ہے۔

ان حدیثوں سے رجوع کا عدم جواز ثابت ہوتا ہے یا کراہت تحریمی کے ساتھ جواز؟ امام بخاریؒ عدم جواز ثابت کر رہے ہیں حالانکہ کتا دوسرے وقت میں اپنی قئ چاٹ کر پیٹ بھر لیتا ہے، پس اس حدیث سے کراہت تحریمی کے ساتھ جواز ثابت ہوتا ہے۔

دوسری حدیث: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک صحابی کو جہاد میں استعمال کرنے کے لئے گھوڑا دیا، اس نے اس گھوڑے کی اچھی ٹہل نہیں کی، بلکہ اس کو بازار میں بیچنے کے لئے لا کھڑا کیا، حضرت عمرؓ نے اس کو خریدنا چاہا، وہ گھوڑا آپؓ کو بہت پسند تھا، آپؓ نے گمان کیا کہ وہ آپؓ کے ہاتھ سستا بیچے گا، پھر ان کو خیال آیا کہ یہ تو میرا ہی دیا ہوا ہے، میرے لئے اس کو سستا خریدنا جائز بھی ہے یا نہیں؟ چنانچہ انھوں نے نبی ﷺ سے مسئلہ پوچھا، آپؐ نے فرمایا: تم اس کو مت خریدو، چاہے

وہ تمہیں ایک روپیہ میں دے، اس لئے کہ خیرات کرکے واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو اپنی قئ چاٹ لیتا ہے۔

اس حدیث کا مسئلہ باب سے کوئی تعلق نہیں، یہ حدیث ہدیہ سے متعلق نہیں، صدقہ سے متعلق ہے اور واپس لینے کا بھی مسئلہ نہیں ہے، خریدنے کا مسئلہ ہے، پس باب کی دونوں حدیثیں ہدیہ واپس لینے کے عدم جواز پر دلالت نہیں کرتیں۔ اور اس دوسری حدیث کا آخر فإن العائد: مستقل حدیث ہے، اس کا حدیث جزء نہیں۔

[۳۰-] بَابٌ: لَايَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَرْجِعَ فِي هِبَتِهِ وَصَدَقَتِهِ

[۲۶۲۱-] حدثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، ثَنَا هِشَامٌ، وَشُعْبَةُ، قَالَا: ثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم:" الْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْعَائِدِ فِي قَيْئِهِ"[راجع: ۲۵۸۹]

[۲۶۲۲-] وحدثنا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْمُبَارَكِ، ثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، ثَنَا أَيُّوْبُ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم:" لَيْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ: الَّذِيْ يَعُوْدُ فِيْ هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَرْجِعُ فِيْ قَيْئِهِ"[راجع: ۲۵۸۹]

[۲۶۲۳-] حدثنا يَحْيىَ بْنُ قَزَعَةَ، ثَنَا مَالِكٌ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ: حَمَلْتُ عَلٰى فَرَسٍ لِيْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، فَأَضَاعَهُ الَّذِيْ كَانَ عِنْدَهُ، فَأَرَدْتُ أَنْ أَشْتَرِيَهُ مِنْهُ، وَظَنَنْتُ أَنَّهُ بَائِعُهُ بِرُخْصٍ، فَسَأَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ:" لاَ تَشْتَرِهِ وَإِنْ أَعْطَاكَهُ بِدِرْهَمٍ وَاحِدٍ، فَإِنَّ الْعَائِدَ فِيْ صَدَقَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُوْدُ فِي قَيْئِهِ"[راجع: ۱۴۹۰]

بَابٌ

گذشتہ باب سے متعلق ایک روایت

پھر امام صاحبؒ نے بلا ترجمہ باب قائم کرکے ایک حدیث پیش کی ہے، اس حدیث سے بھی گذشتہ باب پر استدلال کرنا مقصود ہے، مگر استدلال کا انداز بدلا ہوا ہے۔

حدیث: حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کی اولاد نے دو کمروں کا اور ایک صحن کا دعوی کیا کہ نبی ﷺ نے یہ حضرت صہیبؓ کو دیئے ہیں، مدینہ کا گورنر مروان تھا، اس نے کہا: تمہارے لئے اس معاملہ کی کون گواہی دے گا؟ انھوں نے کہا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، مروان نے ان کو بلایا، انھوں نے گواہی دی کہ نبی ﷺ نے حضرت صہیبؓ کو یہ دو کمرے اور صحن دیا ہے۔ پس مروان نے ان کی گواہی کی وجہ سے مدعیوں کے لئے فیصلہ کیا۔

اس حدیث سے استدلال اس طرح کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو دو کمرے اور صحن دے کر

زندگی بھر واپس نہیں لیا۔ معلوم ہوا کہ ہبہ واپس نہیں لے سکتے —— مگر یہ استدلال عجیب ہے، ہبہ دے کر واپس لینا ضروری نہیں، پس اس واقعہ سے استدلال کیسے درست ہوگا؟

[۳۱-] بَابٌ

[۲۶۲۴-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسَى، ثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ مُلَيْكَةَ، أَنَّ بَنِيْ صُهَيْبٍ مَوْلٰى ابْنِ جُدْعَانَ ادَّعَوْا بَيْتَيْنِ وَحُجْرَةً، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَعْطَى ذٰلِكَ صُهَيْبًا، فَقَالَ مَرْوَانُ: مَنْ يَشْهَدُ لَكُمَا عَلٰى ذٰلِكَ؟ قَالُوْا: ابْنُ عُمَرَ، فَدَعَاهُ فَشَهِدَ: لَأَعْطَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم صُهَيْبًا بَيْتَيْنِ وَحُجْرَةً، فَقَضَى مَرْوَانُ بِشَهَادَتِهِ لَهُمْ.

وضاحت: یہاں ایک ٹیڑھا سوال ہے: ایک گواہ کی گواہی پر مروان نے فیصلہ کیسے کیا؟ قاعدے سے دو گواہ ضروری ہیں۔ شارحین نے اس کے مختلف جواب دیئے ہیں، میرے نزدیک جواب یہ ہے کہ یہاں کوئی مدعی علیہ (منکر) نہیں ہوگا، منکر ہوتا تو دو گواہ ضروری تھے، بلکہ یہاں محض استحقاق کا دعوی ہوگا، اس کے لئے دو گواہ ضروری نہیں، ایک گواہ سے بھی ترجیح ثابت ہوسکتی ہے۔

بَابُ مَا قِيْلَ فِي الْعُمْرَى وَالرُّقْبَى

عُمری اور رُقبی کے بارے میں جو کہا گیا

پہلے دو باتیں جان لیں:

۱- اب جو ابواب شروع ہو رہے ہیں: وہ ہمارے لئے نہیں ہیں، یعنی اردو وغیرہ زبانیں بولنے والے معاشرہ کے لئے نہیں ہیں، یہ عربی معاشرہ کے لئے ہیں، کیونکہ مسئلہ کا مدار لفظ عُمری اور رُقبی پر ہے جو عربی الفاظ ہیں۔ جس معاشرہ میں یہ الفاظ مستعمل ہیں وہیں کے لئے یہ ابواب ہیں۔

۲- کبھی الفاظ کے ایک لغوی معنی ہوتے ہیں اور دوسرے عرفی، مسائل میں لغوی معنی کا اعتبار کم ہوتا ہے عرفی معنی پر مدار ہوتا ہے۔ جیسے: دابہ کے لغوی معنی ہیں: زمین پر رینگنے والا جانور، ﴿وَمَا مَنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ میں یہی معنی مراد ہیں، مگر عرف میں دابہ سواری کے جانور کو کہتے ہیں۔

عُمری کے لغوی معنی ہیں: کوئی جائداد کسی کو زندگی بھر کے لئے دینا، موت کے بعد وہ چیز اصل مالک یا اس کے ورثاء کی طرف لوٹ آئے گی، اس کا فعل ہے: أَعْمَرَ فلاناً دَاراً: کسی کو عمر بھر کے لئے مکان دینا، عمری: أعمرتك کا مصدر ہے۔

اور رُقْبیٰ کے لغوی معنی ہیں: کسی شخص کا دوسرے کو مکان یا زمین اس پر شرط دینا کہ دونوں میں سے جو پہلے مرجائے وہ مکان یا زمین زندہ رہنے والے کی ہوگی، اگر لینے والا پہلے مرگیا تو وہ زمین دینے والے کی ہوجائے گی، اس لئے ایک دوسرے کی موت کا منتظر رہتا ہے، اس کا فعل ہے: أَرْقَبَهُ دَاراً أَوْ أَرْضًا: کسی کو گھر یا زمین بطور رُقبی دینا۔

اور عرف میں یہ دونوں الفاظ ہبہ کے لئے ہیں یا عاریت کے لئے؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک لفظ عُمری سے یا اس کے مشتق سے کوئی جائداد دی جائے تو وہ ہبہ ہے، اور ہمیشہ کے لئے اس کی ہوجاتی ہے جس کو دی ہے، اور لفظ رُقبی سے یا اس کے مشتق سے دی جائے تو وہ عاریت ہے، جس کو دی ہے اس کے مرنے کے بعد جائداد دینے والے کی طرف لوٹ آئے گی۔

اور امام احمد اور امام بخاری رحمہما اللہ کے نزدیک ان دونوں لفظوں سے دی ہوئی جائداد ہبہ ہے، اور ہمیشہ کے لئے اس کی ہوجاتی ہے جس کو دی ہے۔

چونکہ مسئلہ میں اختلاف تھا اس لئے امام صاحبؒ نے باب میں کوئی فیصلہ نہیں کیا، البتہ دلائل ایسے لائے ہیں جس سے دونوں کا ہبہ ہونا ثابت ہوتا ہے، رُقبی کے بارے میں کوئی روایت نہیں لائے، اس کو عُمری پر قیاس کیا ہے۔

سب سے پہلے محاورہ پیش کیا ہے: أَعْمَرْتُهُ الدار: کے لغوی معنی ہیں: میں نے وہ گھر اس کے لئے کردیا، یعنی ہمیشہ کے لئے دیدیا، پس گھر عُمری کہلائے گا۔

پھر سورۂ ہود کی آیت ۶۱ لکھی ہے: ﴿هُوَ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا﴾: اللہ نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور تم کو اس میں آباد کیا، یعنی جانے والے گئے اور ان کی جگہ ہمیشہ کے لئے زمین تمہیں دیدی، اس میں تم کو بسادیا۔

پھر حدیث لائے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ عُمری سے دی ہوئی جائداد کے بارے میں فیصلہ کیا کہ وہ اس شخص کے لئے ہے جس کو وہ ہبہ کی گئی ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ عُمری نافذ ہے یعنی عمری کے لفظ سے جو جائداد دی جائے وہ ہمیشہ کے لئے معمر لہ کی ہوجاتی ہے، دینے والے کی طرف یا اس کے ورثاء کی طرف لوٹ کر نہیں آتی۔

[٣٢-] بَابُ مَا قِيْلَ فِي الْعُمْرَى وَالرُّقْبَى

[١-] أَعْمَرْتُهُ الدَّارَ فَهِيَ عُمْرَى: جَعَلْتُهَا لَهُ.

[٢-] ﴿اسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا﴾[هود: ٦١]: جَعَلَكُمْ عُمَّارًا.

[٢٦٢٥-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، ثنا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَضَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِالْعُمْرَى: أَنَّهَا لِمَنْ وُهِبَتْ لَهُ.

[٢٦٢٦-] حدثنا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، ثَنَا هَمَّامٌ، ثَنَا قَتَادَةُ، ثَنِيْ النَّضْرُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ بَشِيْرِ بْنِ نَهِيْكٍ،

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیه وسلم، قَالَ: " الْعُمْرَی جَائِزَةٌ" وَقَالَ عَطَاءٌ: ثَنِیْ جَابِرٌ، عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیه وسلم نَحْوَهُ.

بَابُ مَنِ اسْتَعَارَ مِنَ النَّاسِ الْفَرَسَ وَالدَّابَّةَ وَغَیْرَهَا

جس نے لوگوں سے گھوڑا اور اونٹ وغیرہ مستعار لیا

ہبہ کے معنی ہیں: مفت چیز کا مالک بنانا۔ اور عاریت کے معنی ہیں: مفت منفعت کا مالک بنانا، پس عاریت بھی ہبہ کی ایک نوعیت ہے، اس لئے کتاب الھبة میں یہ باب لائے ہیں۔

حدیث: ایک رات مدینہ کے باہر سے کوئی شور سنائی دیا، نبی ﷺ سب سے پہلے گھر سے نکلے، اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے آنگن میں گھوڑا بندھا ہوا تھا، اس کو کھولا اور ننگی پیٹھ پر سوار ہوکر مدینہ سے باہر تک گئے، جب صحابہ نکلے تو آپؐ واپس آرہے تھے، آپؐ نے فرمایا: کوئی بات نہیں، میں دور تک دیکھ آیا ہوں، اور آپؐ نے گھوڑے کی تعریف میں فرمایا: "یہ تو سمندر ہے!" اُس گھوڑے کا نام 'مندوب' تھا، مندوب کے ایک معنی ہیں: وہ شخص جس کو مرنے کے بعد رویا جائے، وہ گھوڑا ایسا سست رفتار تھا کہ جو اس پر سواری کرتا اس کو رُلاتا تھا، مگر نبی ﷺ کے سواری کرنے کی برکت سے وہ گھوڑا تیز رفتار ہوگیا، اور سمندر کی طرح بہنے لگا، یعنی سوار کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی تھی، بہر حال آپؐ نے گھوڑا عاریت پر لیا، اگرچہ صراحتاً نہیں لیا مگر عرفاً اور دلالۃً لیا۔ اس لئے کہ آپؐ کے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایسے تعلقات تھے کہ بے اجازت بھی ان کی چیز استعمال کرسکتے تھے۔

[۳۳-] بَابُ مَنِ اسْتَعَارَ مِنَ النَّاسِ الْفَرَسَ وَالدَّابَّةَ وَغَیْرَهَا

[۲۶۲۷-] حدثنا آدَمُ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا، یَقُوْلُ: کَانَ فَزَعٌ بِالْمَدِیْنَةِ، فَاسْتَعَارَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیه وسلم فَرَسًا مِنْ أَبِیْ طَلْحَةَ، یُقَالُ لَهُ: الْمَنْدُوْبُ، فَرَکِبَ، فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ: "مَا رَأَیْنَا مِنْ شَیْئٍ، وَإِنْ وَجَدْنَاهُ لَبَحْرًا" [انظر: ۲۸۲۰، ۲۸۵۷، ۲۸۶۲، ۲۸۶۶، ۲۸۶۷، ۲۹۰۸، ۲۹۶۸، ۲۹۶۹، ۳۰۴۰، ۶۰۳۳، ۶۲۱۲]

بَابُ الِاسْتِعَارَةِ لِلْعَرُوْسِ عِنْدَ الْبِنَاءِ

دلہن کے لئے رخصتی کے وقت عاریت لینا

نکاح اور رخصتی ساتھ ہونے ضروری نہیں، جس دن نکاح ہو اس دن دلہن کے لئے شاندار لباس ہونا ضروری نہیں، لیکن

جس دن رخصتی ہو اس دن شاندار کپڑے پہنا کر رخصت کیا جاتا ہے، اگر اچھا جوڑا میسر نہ ہو تو کرایہ پر لیتے ہیں یا کسی سے مستعار لیتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک کرتا تھا، وہ فرماتی ہیں: انصار میں سے جو بھی لڑکی رخصت ہوتی: اس کو میرا کرتا پہنا کر رخصت کیا جاتا، پھر وہ کرتا مجھے واپس کر دیا جاتا۔ تُقَيَّنَ أَیْ تُزَيَّنُ: مزین کی جاتی۔

[٣٤-] بَابُ الِاسْتِعَارَةِ لِلْعَرُوْسِ عِنْدَ الْبِنَاءِ

[٢٦٢٨-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، ثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَيْمَنَ، ثَنِيْ أَبِیْ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ، وَعَلَيْهَا دِرْعُ قِطْرٍ ثَمَنُ خَمْسَةِ دَرَاهِمَ، فَقَالَتْ: ارْفَعْ بَصَرَكَ إِلٰى جَارِيَتِیْ، انْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهَا تُزْهٰى أَنْ تَلْبَسَهُ فِی الْبَيْتِ، وَقَدْ كَانَ لِیْ مِنْهُنَّ دِرْعٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَمَا كَانَتِ امْرَأَةٌ تُقَيَّنُ بِالْمَدِيْنَةِ إِلَّا أَرْسَلَتْ إِلَیَّ تَسْتَعِيْرُهُ.

ترجمہ: ایمن کہتے ہیں: میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا، انھوں نے قطری کپڑے کا کرتا پہن رکھا تھا، جس کی قیمت پانچ درہم تھی، پس صدیقہؓ نے کہا: اپنی نظر اٹھا، اور میری اس باندی کو دیکھ، یہ ناک منہ چڑھاتی ہے اس سے کہ پہنے وہ اس کو گھر میں، حالانکہ تھا میرے پاس اس کپڑے کا ایک کرتا عہدِ نبوی میں، پس نہیں مزین کی جاتی تھی مدینہ میں کوئی عورت، مگر وہ میرے پاس آدمی بھیجتی، اور اُس کرتے کو عاریت لیتی۔

بَابُ فَضْلِ الْمَنِيْحَةِ

دودھ والے جانور کو عاریت دینے کی اہمیت

منیحة: عارضی ضرورت اور استفادہ کے لئے اپنے متعلقین کو بشرط واپسی دی جانے والی زمین یا سواری یا کوئی اور چیز، جمع: مِنَحٌ۔ منیحہ میں زوائد و فوائد ہبہ کئے جاتے ہیں، پس اس کا کتاب الهبة سے تعلق ہو گیا۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: نِعْمَ الْمَنِيْحَةُ: اللِّقْحَةُ الصَّفِیُّ: مِنْحَةً: بہترین منیحہ: عمدہ دودھ والی اونٹنی ہے: دودھ پینے کے طور۔ والشَّاةُ الصَّفِیُّ: اور عمدہ بکری ہے، تَغْدُوْ بِإِنَاءٍ وَتَرُوْحُ بِإِنَاءٍ: جو صبح برتن بھر کر دودھ دے اور شام برتن بھر کر دودھ دے۔ لفظ منیحہ عام ہے، اور اللِّقْحَة خاص ہے، اس کے معنی ہیں: دودھ والی اونٹی، اور الصَّفِیُّ کے معنی ہیں: عمدہ اور مِنْحَةً تمیز ہے، اور لفظ نِعْمَ میں اہمیت کا بیان ہے۔

یہ امام مالکؒ سے یحییٰ بن بکیرؒ کی روایت ہے، اور عبداللہ بن یوسف اور امام مالکؒ کے بھانجے اسماعیل بن ابی اویس: امام مالکؒ سے روایت کرتے ہیں، اس میں نعم الصدقة ہے پس اہمیت ڈبل ہو گئی، نِعْمَ سے بھی فضل نکلا اور لفظ صدقہ سے

بھی، اوراس باب میں اس حدیث کے علاوہ پانچ حدیثیں ہیں، اورسب کی دلالت باب پر واضح ہے، سب میں منیحہ کا ذکر ہے، ترجمہ بعد میں ہے۔

[٣٥-] بَابُ فَضْلِ الْمَنِيْحَةِ

[٢٦٢٩-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، ثَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" نِعْمَ الْمَنِيحَةُ: اللِّقْحَةُ الصَّفِيُّ: مِنْحَةً، وَالشَّاةُ الصَّفِيُّ، تَغْدُوْ بِإِنَاءٍ وَتَرُوْحُ بِإِنَاءٍ"

حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ وَإِسْمَاعِيْلُ، عَنْ مَالِكٍ قَالَ:" نِعْمَ الصَّدَقَةُ"[انظر: ٥٦٠٨]

[٢٦٣٠-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، ثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، ثَنَا يُوْنُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: لَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُوْنَ الْمَدِيْنَةَ مِنْ مَكَّةَ، وَلَيْسَ بِأَيْدِيْهِمْ شَيْئٌ، وَكَانَتِ الْأَنْصَارُ أَهْلَ الْأَرْضِ وَالْعَقَارِ، فَقَاسَمَهُمُ الْأَنْصَارُ عَلٰى أَنْ يُعْطُوْهُمْ ثِمَارَ أَمْوَالِهِمْ كُلَّ عَامٍ، وَيَكْفُوْهُمُ الْعَمَلَ وَالْمُؤْنَةَ.

وَكَانَتْ أُمُّهُ أُمُّ أَنَسٍ أُمُّ سُلَيْمٍ، كَانَتْ أُمَّ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ طَلْحَةَ، فَكَانَتْ أَعْطَتْ أُمُّ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عِذَاقًا، فَأَعْطَاهُنَّ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أُمَّ أَيْمَنَ مَوْلَاتَهُ أُمَّ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ.

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَأَخْبَرَنِيْ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم لَمَّا فَرَغَ مِنْ قَتْلِ أَهْلِ خَيْبَرَ، فَانْصَرَفَ إِلَى الْمَدِيْنَةِ، رَدَّ الْمُهَاجِرُوْنَ إِلَى الْأَنْصَارِ مَنَائِحَهُمْ، الَّتِيْ كَانُوْا مَنَحُوْهُمْ مِنْ ثِمَارِهِمْ، فَرَدَّ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِلٰى أُمِّهِ عِذَاقَهَا، فَأَعْطٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أُمَّ أَيْمَنَ مَكَانَهُنَّ مِنْ حَائِطِهِ.

وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ شَبِيْبٍ: أَخْبَرَنَا أَبِيْ، عَنْ يُوْنُسَ بِهٰذَا، وَقَالَ: مَكَانَهُنَّ مِنْ خَالِصِهِ.

[انظر: ٣١٢٨، ٤٠٣٠، ٤١٢٠]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب مہاجرین مکہ سے مدینہ آئے تو ان کے پاس کچھ نہیں تھا، اور انصار زمین جائدادوالے تھے، پس انصار نے ان کے ساتھ بٹوارہ کیا، اس طرح کہ دیں مہاجرین کو انصار جائداد کے پھل ہر سال اورمہاجرین: انصار کی طرف سے کام اور محنت کریں۔

اور حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ نے جو عبداللہ بن ابی طلحہؓ کی ماں ہیں، انھوں نے کھجور کے چند درخت نبی ﷺ کو دیئے تھے، آپؐ نے وہ درخت اپنی کھلائی ام ایمنؓ کو دیدیئے تھے، جو آپؐ کی آزاد کردہ اور حضرت اسامہؓ کی والدہ ہیں۔

امام زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں: مجھے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جب نبی ﷺ غزوہ خیبر سے فارغ ہوئے اور مدینہ کی طرف لوٹے تو مہاجرین نے انصار کو ان کے وہ عطیات جوانھوں نے مہاجرین کو دیئے تھے اپنے باغات میں سے

واپس کردیئے، پس نبی ﷺ نے حضرت انسؓ کی والدہ کو کھجور کے درخت واپس کردیئے۔ اور نبی ﷺ نے ام ایمنؓ کو ان کی جگہ اپنے باغ میں سے درخت دیئے۔ دوسری سند سے اس روایت میں ہے کہ ان کی جگہ صفی میں سے دیئے۔ العَذْقُ: کھجور کا درخت، جمع عِذَاق وَأَعْذُقُ۔

[۲۶۳۱-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا عِيْسَى بْنُ يُوْنُسَ، ثَنِى الْأَوْزَاعِيُّ، عَنْ حَسَّانَ بْنِ عَطِيَّةَ، عَنْ أَبِىْ كَبْشَةَ السَّلُوْلِيِّ، سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو، يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أَرْبَعُوْنَ خَصْلَةً: أَعْلَاهُنَّ مَنِيْحَةُ الْعَنْزِ، مَا مِنْ عَامِلٍ يَعْمَلُ بِخَصْلَةٍ مِنْهَا رَجَاءَ ثَوَابِهَا وَتَصْدِيْقَ مَوْعُوْدِهَا إِلَّا أَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهَا الْجَنَّةَ"

قَالَ حَسَّانُ: فَعَدَدْنَا مَا دُوْنَ مَنِيْحَةِ الْعَنْزِ مِنْ رَدِّ السَّلَامِ، وَتَشْمِيْتِ الْعَاطِسِ، وَإِمَاطَةِ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيْقِ، وَنَحْوِهِ، فَمَا اسْتَطَعْنَا أَنْ نَبْلُغَ خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً.

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: چالیس باتیں: ان میں اعلی بکری کا منیحہ ہے: کوئی عمل کرنے والا عمل نہیں کرتا، ان چالیس میں سے کسی بات پر، اس کے ثواب کی امید سے اور اس پر جس ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے، اس کے یقین سے، مگر اللہ تعالیٰ اس کو اس بات کی وجہ سے جنت میں داخل کریں گے۔

حسان بن عطیہ (راوی) کہتے ہیں: پس ہم نے شمار کیا، بکری کے منیحہ سے نیچے کی باتوں کو جیسے سلام کا جواب دینا، چھینکنے والے کو دعادے کر خوش کرنا اور راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانا اور اس کے مانند، پس نہیں طاقت رکھی ہم نے کہ پندرہ باتوں کو پہنچیں۔

تشریح: اس موقع پر نبی ﷺ نے چالیس باتیں شمار نہیں کرائی تھیں، وہ باتیں دیگر احادیث میں آئی ہیں، ان پر جو ثواب کا وعدہ ہے اس کی امید سے اس کی تصدیق کرتے ہوئے اگر کوئی شخص کسی ایک بات پر بھی عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کریں گے۔ راوی کہتا ہے: ہم سوچ کر تھک گئے مگر پندرہ سے آگے نہیں پہنچا سکے، مگر دیگر علماء نے چالیس سے بھی زیادہ باتیں جمع کی ہیں۔ علامہ عینی رحمہ اللہ نے ان کو نقل کیا ہے۔

[۲۶۳۲-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ، ثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، ثَنِىْ عَطَاءٌ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: كَانَتْ لِرِجَالٍ مِنَّا فُضُوْلُ أَرَضِيْنَ، فَقَالُوْا: نُوَاجِرُهَا بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَالنِّصْفِ، فَقَالَ النَّبِىُّ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيَمْنَحْهَا أَخَاهُ، فَإِنْ أَبىٰ فَلْيُمْسِكْ أَرْضَهُ" [انظر: ۲۳۴۰]

[۲۶۳۳-] وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ: ثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، ثَنَا الزُّهْرِيُّ، ثَنِى عَطَاءُ بْنُ يَزِيْدَ، ثَنِى أَبُوْ سَعِيْدٍ، قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِىٌّ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَسَأَلَهُ عَنِ الْهِجْرَةِ، فَقَالَ: "وَيْحَكَ إِنَّ الْهِجْرَةَ شَأْنُهَا شَدِيْدٌ، فَهَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ؟" قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: "فَتُعْطِىْ صَدَقَتَهَا؟" قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: "فَهَلْ تَمْنَحُ مِنْهَا؟" قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: "فَتَحْلُبُهَا يَوْمَ وِرْدِهَا؟" قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: "فَاعْمَلْ مِنْ وَرَاءِ الْبِحَارِ، فَإِنَّ اللّٰهَ لَنْ يَتِرَكَ مِنْ عَمَلِكَ شَيْئًا"

ترجمہ: ایک بدّو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے ہجرت کے بارے میں پوچھا: یعنی میں ہجرت کر کے مدینہ آنا چاہتا ہوں آپؐ نے فرمایا: باؤلے! ہجرت کا معاملہ بڑا سخت ہے، پس کیا تیرے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا: ہاں، آپؐ نے پوچھا: ان کی زکوۃ دیتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں، آپؐ نے پوچھا: کیا ان میں سے کوئی جانور دودھ پینے کے لئے دیتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں، آپؐ نے پوچھا: جس دن اونٹ پانی پر آتے ہیں اس دن اگر کوئی دودھ مانگنے آتا ہے تو اس کو دودھ دوہ کر دیتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں، آپؐ نے فرمایا: پس سمندروں کے پار عمل کر، پس بیشک اللہ تعالیٰ نہیں کتر لیں گے تیرے عمل میں سے کچھ بھی۔

[٢٦٣٤-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، ثنا أَيُّوْبُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ طَاوُسٍ، ثَنِيْ أَعْلَمُهُمْ بِذٰلِكَ- يَعْنِيْ ابْنَ عَبَّاسٍ -أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم خَرَجَ إِلٰى أَرْضٍ تَهْتَزُّ زَرْعًا، فَقَالَ: "لِمَنْ هٰذِهِ؟" فَقَالُوْا: اكْتَرَاهَا فُلاَنٌ. فَقَالَ: "أَمَا إِنَّـهُ لَوْ مَنَحَهَا إِيَّاهُ كَانَ خَيْرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَأْخُذَ عَلَيْهَا، أَجْرًا مَعْلُوْمًا"

[راجع: ٢٣٣٠]

بَابٌ: إِذَا قَالَ: أَخْدَمْتُكَ هٰذِهِ الْجَارِيَةَ، عَلٰى مَا يَتَعَارَفُ النَّاسُ فَهُوَ جَائِزٌ

کسی نے کہا: میں یہ باندی آپ کو خدمت کے لئے دیتا ہوں، تو وہ ہدیہ ہے حسبِ عرف

ایک محاورہ ہے: أَخْدَمْتُكَ هذه الجارية: میں یہ باندی آپ کو خدمت کے لئے دیتا ہوں، یہ عاریت ہے یا ہبہ؟ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ ہبہ ہے، لوگوں کا عرف یہی ہے، پھر فرماتے ہیں: حنفیہ اس کو عاریت قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ عرف میں ہدیہ ہے۔

جواب: عرف بدلتا رہتا ہے اور جگہوں کے اعتبار سے عرف مختلف ہوتا ہے، اور امام بخاریؒ امام اعظمؒ کے سو سال بعد آئے ہیں، پس اگر امام اعظمؒ نے اپنے زمانے اور اپنے دیار کے عرف کے مطابق عاریت کہا تو اس میں کیا اعتراض کی بات ہے؟

اعتراض: پھر امام بخاریؒ نے حنفیہ پر اعتراض کیا ہے کہ كَسَوْتُكَ هذا الثوبَ: یہ کپڑا میں نے آپ کو پہننے کے لئے دیا: یہ ہبہ ہے اور حنفیہ بھی اس کو ہبہ کہتے ہیں، پس ان کی دونوں باتوں میں تعارض ہے۔

جواب: اس میں تعارض کی کوئی بات نہیں، امام اعظم رحمہ اللہ کے زمانہ کے عرف میں أَخْدَمْتُكَ عاریت تھا، اور كَسَوْتُكَ ہبہ تھا، پس انھوں نے اپنے عرف پر مدار رکھ کر حکم بیان کیا۔

پھر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی حدیث لائے ہیں، اس میں ہے: وَأَخْدَمَ وَلِيْدَةً: جبکہ بادشاہ نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کیا تھا، عاریت پر نہیں دیا تھا، معلوم ہوا کہ أَخْدَمَ کا محاورہ ہبہ کے لئے ہے۔

جواب: بادشاہ نے اپنے لوگوں سے کہا تھا: أَعْطُوْهَا آجَرَ: سارہ کو ہاجرہ دو، یہ الفاظ ہبہ کے لئے ہیں، اور أخدم: حضرت سارہ کا قول ہے، بادشاہ کا قول نہیں، اور اعتبار دینے والے کے قول کا ہوتا ہے نہ کہ لینے والے کے قول کا۔

[۳۶-] بَابٌ: إِذَا قَالَ: أَخْدَمْتُكَ هٰذِهِ الْجَارِيَةَ، عَلٰى مَا يَتَعَارَفُ النَّاسُ فَهُوَ جَائِزٌ

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: هٰذِهِ عَارِيَةٌ، وَإِنْ قَالَ: كَسَوْتُكَ هٰذَا الثَّوْبَ، فَهٰذِهِ هِبَةٌ.

[۲۶۳۵-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، أَنَا شُعَيْبٌ، ثَنَا أَبُوْ الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "هَاجَرَ إِبْرَاهِيْمُ بِسَارَةَ فَأَعْطَوْهَا آجَرَ فَرَجَعَتْ فَقَالَتْ: أَشْعَرْتَ أَنَّ اللّٰهَ كَبَتَ الْكَافِرَ وَأَخْدَمَ وَلِيْدَةً؟"

وَقَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ، عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِىِّ صلى الله عليه وسلم: "فَأَخْدَمَهَا هَاجَرَ"[راجع: ۲۲۱۷]

بَابٌ: إِذَا حَمَلَ رَجُلاً عَلٰى فَرَسٍ فَهُوَ كَالْعُمْرٰى وَالصَّدَقَةِ

گھوڑے پر سوار کیا تو وہ عُمری اور صدقہ کی طرح ہے

اگر کسی نے حَمَلْتُكَ على فَرَسٍ کہہ کر گھوڑا دیا تو یہ ہبہ ہے یا عاریت؟ اور ہبہ ہے تو اس کو واپس لے سکتے ہیں نہیں؟

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ ہبہ ہے، جیسے عُمری اور صدقہ کے لفظ سے دیا جائے تو وہ ہبہ ہوتا ہے اور اس کو واپس نہیں لے سکتے، پھر حنفیہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک ہبہ واپس لے سکتے ہیں۔

جواب: اگر سات موانع نہ ہوں تو قضائے قاضی یا فریقین کی رضامندی سے ہبہ واپس لے سکتے ہیں، مگر واپس لینا مکروہ تحریمی ہے، اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں: حَمَلْتُكَ صدقہ کی طرح ہے، اور صدقہ واپس نہیں لے سکتے، پھر یہ ہبہ کیسے واپس لے سکتے ہیں، اور جواب پہلے گذرا ہے کہ یہ صدقہ کی طرح نہیں ہے، صدقہ میں ثواب مل گیا اس لئے اس کو واپس نہیں لے سکتے، جیسے ہبہ میں عوض مل جائے تو اس کو بھی واپس نہیں لے سکتے۔

[۳۷-] بَابٌ: إِذَا حَمَلَ رَجُلاً عَلٰى فَرَسٍ فَهُوَ كَالْعُمْرٰى وَالصَّدَقَةِ

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: لَهُ أَنْ يَرْجِعَ فِيْهَا.

[۲۶۳۶-] حدثنا الْحُمَيْدِىُّ، ثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: سَمِعْتُ مَالِكًا، يَسْأَلُ زَيْدَ بْنَ أَسْلَمَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِىْ، يَقُوْلُ: قَالَ عُمَرُ: حَمَلْتُ عَلٰى فَرَسٍ فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ فَرَأَيْتُهُ يُبَاعُ، فَسَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: "لَا تَشْتَرِ وَلَا تَعُدْ فِى صَدَقَتِكَ"[راجع: ۱۴۹۰]

الحمدللہ! تحفۃ القاری کی جلد پنجم تمام ہوئی۔ جلد ششم ان شاء اللہ کتاب الشہادات سے شروع ہوگی۔